معارف القرآن (تکملہ)
تالیف
حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
ابن
شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی
رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
جلد ہفتم مشتمل بر تفسیر پارہ ۲۳ (نصف آخر) ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷
بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما
شائع کردہ
مکتبۃ المعارف
دار العلوم الحسینیہ شہداد پور
سندھ، پاکستان
باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

الحمد للہ والمنۃ کہ درین زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق و معارف و
خزینۂ اسرار و لطائف کشافِ مشکلاتِ قرآنیہ و وصافِ مخدراتِ فرقانیہ

مسمّٰی بہ

معارف القرآن (تکملہ)

تالیف: حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ابن

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد ہفتم مشتمل بر تفسیر پارہ ۲۳ (نصف آخر) ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

لیکن ان للہ ما اخذ ولہٗ ما اعطی وکل عندہٗ باجل مسمیٰ

اللہ کو یوں ہی منظور تھا کہ پانچویں جلد کی طباعت کے بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس عظیم سایۂ عاطفت کے اٹھ جانے سے جس نے نہ صرف ہم کو بلکہ کل علماء اور طلباء ہی کو یتیم بنا دیا۔ قلب و دماغ مجروح تھا اور اس گرانقدر علمی خزانہ کے دفن ہو جانے کے غم کے ساتھ تفسیر معارف القرآن کی تکمیل کا غم اور فکر بھی قلب پر پہاڑ بنا ہوا تھا، میں اپنی بے سروسامانی کے باعث یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ عظیم سلسلہ آئندہ جاری رکھا جا سکے گا لیکن حق تعالیٰ کا فضل و انعام ہے کہ اس کی توفیق و تائید سے جلد ششم سے نہم تک چار جلد طبع کرا کر حضرات اہل علم کی خدمت میں پیش کیں۔

عجیب شانِ خداوندی ہے کہ مسودۂ تفسیر سورۂ صافات کی آخری آیت سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر پہنچ کر ختم ہو گیا اور اس آیت کی تفسیر کے بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ گویا رحمت خداوندی نے اہلِ جنت کا وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ والا شرف عطا فرما دیا۔

حدیث میں انہی کلمات تسبیح و تحمید پر ہر مجلس کے اختتام کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ خدا کی شان ان کی ساری مجلس زندگی ہی ان کلمات کی تشریح و تفسیر پر ختم ہوئی۔ طبرانی رحؒ نے زید بن ارقم رضؓ سے ایک روایت تخریج کی ہے۔ اس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہہ لیے یعنی سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ الخ تو اس نے بڑے بڑے پیمانوں سے ناپ کر اجر و ثواب کے عظیم ذخیرے جمع کر لیے۔ تو حق تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت والد صاحبؒ کی تمام علمی خدمات کے بعد حیات مبارکہ کا اختتام انہی کلمات پر مقدر فرمایا وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

یہ ناچیز گنہگار علم و عمل سے تہی دامن اس عظیم المرتبہ تفسیر کی تکمیل کا یقیناً اہل تو نہ تھا اور اس کے تصور کی جرأت بھی نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اپنے بزرگ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے حکم فرمانے پر سورۂ ص سے معارف القرآن کے تکملہ کا ارادہ کر لیا۔ حضرت شیخ الحدیث کے قلم مبارک سے بسم اللہ لکھوا کر مسودہ کی ترتیب شروع کر دی۔

"ریشم میں ٹاٹ کا پیوند" ایک مثال ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ میرا ناقص پیوند اس سے بھی کم درجہ رکھتا ہے، بہرکیف جو بھی کچھ ہو سکا بتوفیق خداوندی جهد المقل دموعہ کے طور پر انتہائی ندامت کے یہ جلد حضرات اہل علم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ میں اپنے عجز و قصور کا معترف ہوں، اور بلا کسی جھجک اپنے اکابر اور احباب سے درخواست کرتا ہوں کہ ناچیز کے اس حصۂ تفسیر میں جو خامی اور غلطی محسوس فرمائیں۔ اس سے ناچیز کو مطلع فرمائیں۔ بڑا ہی احسان ہوگا۔ اور حق تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیگا۔

اپنے تمام بزرگوں اور احباب کی خدمت میں عاجزانہ درخواست ہے کہ دعا فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ

رب العزت اپنی توفیق و تائید سے تکملۂ معارف القرآن کی تکمیل و اشاعت آسان فرمادے۔
آمین یا رب العالمین

صلی اللہ تعالیٰ علی صفوۃ البریۃ سیدنا ومولانا محمد وآلہ و
صحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

بندہ **محمد مالک کاندھلوی** (رحمۃ اللہ علیہ)

(سابق) شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
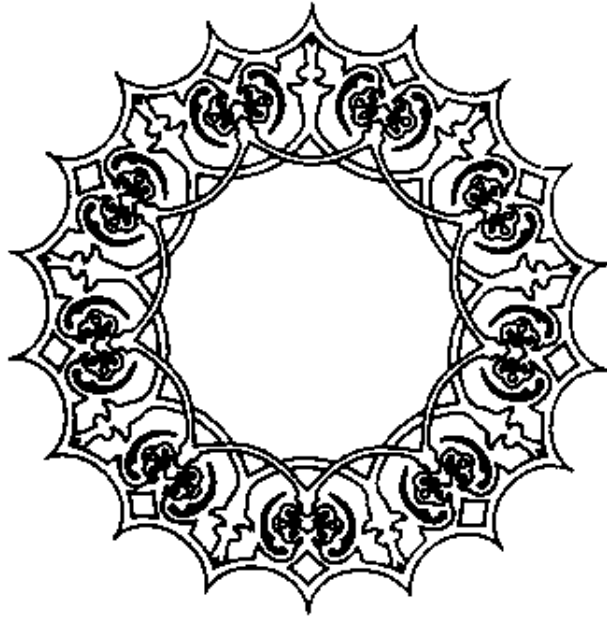
مولینا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

احوال و آثار

شیخ الحدیث مولینا محمد مالک کاندھلوی ؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند اور انکے جانشین تھے۔ کاندھلہ کے جس علمی خانوادہ سے آپکا تعلق ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور والدہ کی جانب سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ولادت و تعلیم

آپ صوبہ یو۔ پی (انڈیا) کے قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن کریم سے ہوا، دس برس کی عمر میں آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا پھر اعلیٰ تعلیم کے لیئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔

والد ماجد مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں دار العلوم دیوبند میں شیخ التفسیر کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے، آپ بھی اعلیٰ تعلیم کے لیۓ مادر علمی دار العلوم دیوبند آگئے، اور وہاں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث مولانا اعزاز علی، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور والد ماجد حضرت مولینا محمد ادریس کاندھلوی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

تحریک آزادیٔ ہند کے دوران علامہ شبیر احمد عثمانی رحؒ نے مسلم لیگ سے وابستگی اختیار کرلی جبکہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحؒ کانگریس کے حامی تھے۔ علامہ عثمانی رحؒ نے اس خدشہ کو محسوس کرتے ہوئے کہ سیاسی اختلاف کسی ذاتی مخالفت میں تبدیل نہ ہو جائے، دارالعلوم دیوبند کو خیرباد کہا اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) سے وابستگی اختیار کرلی، مولانا محمد مالک کاندھلوی رحؒ اس وقت دورۂ حدیث کے آخری مرحلہ میں تھے آپ بھی مولینا کے ساتھ ڈابھیل آگئے اور جامعہ اسلامیہ میں آپ نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا بدرِ عالم میرٹھی جیسے کبار محدثین سے کسب فیض کیا۔ ۱۳۶۲ھ میں آپ درس نظامی کی تعلیم سے فارغ ہوئے

فراغت کے بعد اس خیال سے کہ مادرِ علمی میں اپنے اساتذہ کی زیر نگرانی تدریس اور تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہوں گے، دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اس زمانہ میں دارالعلوم میں جامع العلوم بھاولنگر کے مہتمم صاحب آئے ہوئے تھے، انہوں نے مولینا سے بھاولنگر میں تدریس کی درخواست کی آپ اپنے والدگرامی کے مشورہ اور ان کی رائے سے بھاولنگر چلے گئے اور آپ ہی کی کوششوں سے حضرت مولانا بدرعالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی بھاولنگر آگئے، یہاں سے آپ نے تدریس کا آغاز حدیث میں صحیح مسلم اور ابوداؤد، تفسیر میں جلالین اور فقہ میں ہدایہ کی تدریس سے کیا۔

۱۳۶۵ھ میں آپ کو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کی پیشکش ہوئی جو اس اعتبار سے قابلِ قدر تھی کہ اس مدرسہ سے آپ نے فراغت حاصل کی تھی اور پھر وہاں آپ کو اپنے اساتذہ کے پہلو بہ پہلو تدریس کا موقع مل رہا تھا، چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر آپ ڈابھیل آگئے یہاں آپ نے نابغۃ العصر حضرت علامہ مولینا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ درس حدیث کی ذمہ داریوں کو نبھایا۔

قیامِ پاکستان کے بعد حیدرآباد سندھ کے مضافات میں ٹنڈوالہ یار کے مقام پر دارالعلوم دیوبند کی طرز پر ایک مدرسہ قائم کیا گیا اور اس کا نام بھی دارالعلوم اسلامیہ رکھا گیا۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش اور فیصلہ کے مطابق مولینا احتشام الحق تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کو مدرسہ کا مہتمم بنایا گیا۔

مولانا محمد مالک کاندھلوی رحؒ نے بھی قیام پاکستان کے بعد پاکستان ہجرت کا ارادہ کرلیا تھا، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ملتان خیرالمدارس لے جانا چاہتے تھے لیکن استاد محترم علامہ شبیر احمد عثمانی رحؒ کی خواہش تھی کہ آپ ٹنڈوالہ یار جائیں۔

چنانچہ ۱۳۶۹ھ ۱۹۵۰ء میں آپ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی سے کراچی آئے اور ٹنڈوالہ یار کو ترجیح دی۔

۱۹۵۰ء سے اواخر ۱۹۷۴ء تک آپ نے ۲۵ برس ٹنڈوالہ یار میں گزارے یہاں

آپ کو اکابر محدثین کے ہمراہ درس حدیث کا موقع ملا ۔

بڑی تعداد میں اندرون و بیرون کے طلبہ نے آپ سے کسب فیض کیا ۔ یہ بات میں نے مولینا سے خود کئی مرتبہ سنی ، آپ فرماتے تھے ،

" میں اپنے وطن کاندھلہ میں اتنا عرصہ نہیں رہا جتنا وقت میں نے ٹنڈوالہیار میں گزارا "

۱۳۹۴ھ ۱۹۷۴ء میں جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث اور میرے جد امجد حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ۔ حضرت مولانا صاحب کی وفات کے بعد علماء کرام خصوصاً مولینا مفتی جمیل احمد تھانوی رح اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کی اہلیہ ، محترمہ پیرانی صاحبہ کے اصرار پر آپ ۲۹ ر اکتوبر ۱۹۷۴ء ۔ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۹۴ھ کو ٹنڈوالہیار کو خیرباد کہہ کر لاہور آگئے اور اپنے والد گرامی کی جگہ جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہو گئے ۔

بخاری شریف پڑھانا یوں بھی نہایت دقیق اور مشکل امر ہے پھر اس جگہ پر بخاری پڑھانا جہاں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح جیسا محدث بخاری پڑھاتا رہا ہو ۔ یقیناً یہ ایک ایسا معاملہ تھا کہ جسے مولانا محمد مالک کاندھلوی رح جیسی صاحب علم شخصیت ہی نبھا سکتی تھی ۔

چند ہی سالوں میں مولینا رح کا درس بخاری علماء و طلباء میں مقبول ہو گیا اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ مولانا نے پہلے سال جب بخاری شریف پڑھائی تو طلباء کی تعداد ۲۸ تھی اور جس سال مولانا کا انتقال ہوا ، طلبہ کی تعداد ۱۴۰ سے متجاوز تھی ۔

۲۱ ر اکتوبر ۱۹۸۸ء ۔ ۹ ر ربیع الاول ۱۴۰۹ھ کو جمعرات و جمعہ کی درمیانی شب میں آپ کو اچانک دل کا دورہ پڑا اور اسی دورہ سے آپ چند لمحوں میں خالق حقیقی سے جا ملے ۔

حق جل مجدہٗ نے آپ کی وفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے کئی مناسبتیں پیدا کیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے تعلق اور علم حدیث سے مناسبت کی مظہر ہیں ۔

۱ ۔ آپ کی وفات ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی ۔

۲ ۔ آپ کی وفات ربیع الاول کی ۹ تاریخ کو ہوئی ۔

۳ ۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ برس تھی ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمعہ کا روز عطا فرمایا ۔ جامعہ اشرفیہ میں نماز جمعہ کے بعد سہ پہر ۳ بجے نماز جنازہ ادا کی گئی ۔

آپ کی نماز جنازہ حضرت مولینا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی ۔

قومی وملی خدمات

مولینا محمد مالک کاندھلوی تحریک پاکستان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے اور ان سے شرف تلمذ اور ان کی تربیت کے نتیجہ میں ان کو پاکستان سے والہانہ محبت وعقیدت تھی، ہمہ وقت اسی فکر میں رہتے کہ کسی طرح پاکستان میں دین اسلام نافذ ہو جائے۔

جولائی ۱۹۷۷ء میں جب جنرل ضیاء الحق برسر اقتدار آئے تو ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا، ان سے اسی موضوع پر گفتگو ہوتی۔

جنرل صاحب نے آپ کو مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا۔ میں اس مجلس میں موجود تھا جس میں جنرل صاحب نے مولانا سے شوریٰ کی رکنیت قبول کرنے کی درخواست کی۔ مولانا نے فرمایا یہ میرا مزاج نہیں جس پر جنرل صاحب مرحوم نے فرمایا "یہ بھی آپ کا ایک قسم کا درس بخاری ہوگا" وہاں درس میں طلبہ مستفید ہوتے ہیں، یہاں ہم لوگ مستفید ہوں گے۔ چنانچہ مولینا نے شوریٰ کی رکنیت قبول کر لی۔ اور اخیر تک اس کے رکن رہے۔ مولانا نے وہاں جو دینی وملی خدمات سرانجام دیں اور قانون اسلامی کے لیئے جو کوششیں کیں وہ محتاج تفصیل ہیں، جنہیں پھر کسی موقع پر سپرد قلم کرونگا۔

انصاری کمیشن کے رکن کی حیثیت سے اسلامی نظام حکومت کے لیئے سفارشات مرتب کیں اور ایجوکیشن کے رکن کی حیثیت سے نظام تعلیم کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لیئے آپ کی کوششیں تاریخ پاکستان کا حصہ ہیں۔

م ک

تصنیفات وتالیفات

آپ کو درس وتدریس اور تبلیغ و وعظ کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف سے خصوصی شغف تھا، متعدد تبلیغی رسائل کے علاوہ التحریر فی اصول التفسیر ۔ منازل العرفان فی علوم القرآن ۔ سراج الہدایہ تاریخ حرمین ۔ پیغام مسیحؑ ۔ ترجمہ تجرید صحیح مسلم تالیف فرمائیں۔ تصنیفی میدان میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے مرحوم والدگرامیؒ کی تفسیر "معارف القرآن" کی تکمیل ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابھی اس تفسیر کے ۲۲ سپارے مکمل فرمائے تھے ۲۳واں پارہ جاری تھا اور سورۂ صٰفّٰت مکمل ہوئی تھی کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ مولانا محمد مالکؒ نے سورۂ صٓ سے سورت والناس تک بقیہ تفسیر مکمل کی۔

تفسیر کے اس حصے میں آپ نے اپنے والد ماجد کے اسلوب کی پیروی کی اور کتاب کے کسی حصہ سے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کتاب کا مصنف تبدیل ہوگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولاناؒ کی اِن خدمات جلیلہ کو شرف قبول عطا فرمائے، انکو اعلیٰ علیین میں شامل فرمائے اور ان کے علوم سے ہمیں مستفید ہونے کی ہمت وتوفیق مرحمت فرمائے. آمین ثم آمین

وما توفیقی الا باللہ

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
۲۰ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
۲۵ مئی ۲۰۰۰ء

فہرست مضامین (تکملہ) معارف القرآن جلد ہفتم

نصف اخیر

مشتمل بر پارہ ۲۳ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷

از سورۂ ص ۔ زمر ۔ مومن ۔ حٰم سجدہ ۔ شوریٰ ۔ زخرف ۔ دخان ۔ جاثیہ ۔ احقاف
محمدؐ ۔ فتح ۔ حجرات ۔ ق ۔ ذاریات ۔ طور ۔ نجم ۔ قمر ۔ رحمٰن
واقعہ ۔ حدید

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۸۴	**آغاز پارہ ۲۴ فَمَنْ اَظْلَمُ**	

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۱۸	**تفسیر سورۂ مؤمن**	

صفحہ	مضمون	نمبر شمار

صفحہ	مضمون	نمبر شمار

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۱۴	بیان اوصاف اہل ایمان وتقویٰ وحسن اخلاق ومعاشرت	۲۶۷
۱۱۵	حلم ودرگذر وصبر وعفو انسانی کمالات میں عظیم ترین کمال ہے	۲۶۹
۱۱۶	قباحت ومحرومی وذلت کفار روز قیامت	۲۷۲
۱۱۷	اثبات رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتحقیق اقسام وحی	۲۷۵
۱۱۸	وحی کا مفہوم	۲۷۶
۱۱۹	حقیقت نبوت اور وحی	۲۷۷
۱۲۰	اقسام وحی کی تحقیق وتفصیل	۲۷۸
۱۲۱	الہام اور اس کی صورتیں	۲۸۰
۱۲۲	الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق	۲۸۴
۱۲۳	اختتام تفسیر سورۂ شوریٰ	۲۸۵
	تفسیر سورت زخرف	۲۸۵
۱۲۴	بیان عظمت وحقانیت کلام ربانی ووعید در روش مجرمین وملحدین	۲۸۸
۱۲۵	تقبیح وتوبیخ برعناد ومخاصمت مشرکین وانکار از قبول حق	۲۹۲
۱۲۶	بیان استقامت ابراہیم علیہ السلام بر توحید خداوندی ونفرت وبرارت از شرک	۲۹۵
۱۲۷	تنبیہ وتوبیخ بر غفلت واعراض از ذکر خداوندی وحسرت وندامت مجرمین روز قیامت	۲۹۹
۱۲۸	قصۂ موسیٰ علیہ السلام برائے تائید مضامین سابقہ واثبات غلبۂ حق بر باطل	۳۰۲
۱۲۹	تردید خصومت مشرکین دربارۂ توحید ودعوت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام	۳۰۵
۱۳۰	تفسیر وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ اور مسئلہ نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام	۳۰۷
۱۳۱	مرزا کا ایک اشکال مع جواب	۳۱۲
۱۳۲	تنبیہ بر مخالفت از حق وبیان انعام واکرام مطیعین وذلت وناکامی مجرمین	۳۱۶
۱۳۳	اختتام سورۃ الزخرف	۳۲۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	تفسیر سورۃ الدخان	۳۲۱

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
	آغاز پارہ ۲۶ حٰمٓ	
۳۶۳	تفسیر سورۃ الاحقاف	

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۹۴	تفسیر سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۶۹	جذبۂ ایمان واخلاص مؤمنین وشناعت اعتقاد وعمل منافقین	۴۱۳
۱۷۰	اقتدار وحکومت ایمان واخلاص کے بغیر فساد عالم کا باعث ہے	۴۱۶
۱۷۱	فائدہ (لفظ تولیٰ کا ترجمہ)	؍؍
۱۷۲	صلہ رحمی کی تاکید اور معاشرہ میں اس کے آثار وبرکات	۴۱۷
۱۷۳	تہدید وتحذیر باظہار مکر وتدابیر منافقین ودشمنان اسلام ومساعین	۴۱۹
۱۷۴	نفاق کے آثار کا چہرہ اور لب ولہجہ سے نمایاں ہونا	۴۲۰
۱۷۵	بیان انجام کفر وعناد از اسلام وتلقین صبر بر استقامت برائے مؤمنین الخ	۴۲۲
۱۷۶	حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود بابرکت کے لیے قرآنی بشارت	۴۲۵
۱۷۷	اختتام سورۂ محمدؐ	۴۲۶
	تفسیر سورۃ الفتح	۴۲۶
۱۷۸	سورۃ الفتح کا مقام نزول	۴۲۶
۱۷۹	مقاصد سورۃ الفتح	۴۲۸
۱۸۰	واقعۂ حدیبیہ اور فتح مبین	۴۲۹
۱۸۱	معاہدۂ حدیبیہ اسلام کی عزت وسربلندی اور فتح عظیم	۴۳۲
۱۸۲	آغاز سورۃ الفتح	۴۳۴
۱۸۳	پیغام تہنیت برائے سید المرسلینؐ بفتح مبین واعلان اتمام نعمت الخ	۴۳۵
۱۸۴	فتح مبین اور انعامات خداوندی	۴۳۶
۱۸۵	بشارات اہل حدیبیہ بعطاء نعماء دنیویہ واخرویہ	۴۴۰
۱۸۶	حضرات صحابہؓ کے قلوب میں نزول سکینہ کی بشارت الخ	۴۴۳
۱۸۷	انعام بعثت رسول اکرمؐ وحق تعظیم وتوقیر وعہد اطاعت وفرمانبرداری	۴۴۴
۱۸۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت	۴۴۵
۱۸۹	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت اللہ تعالیٰ سے بیعت ہے	۴۴۶
۱۹۰	قبائح وشنائع منافقین ومتخلفین وبیان حکم معذورین	۴۴۹

صفحہ	مضمون	نمبر شمار

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	آغاز پارہ ۲۷ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ	۵۳۷
۲۳۰	تذکرۂ مہمانان ابراہیم علیہ السلام مشتمل بر ثواب مصدقین وعقوبت مکذبین	۵۳۸
۲۳۱	فائدہ	۵۴۱
۲۳۲	اثبات توحید ورسالت مع دلائل وبراہین وتسلی سید الانبیاء والمرسلین ﷺ	۵۴۲
	سورۃ الطور	۵۴۶
۲۳۳	تہدید وتوبیخ منکرین معاد ووعید عذاب برائے اہل عناد	۵۴۸
۲۳۴	کلمات قسم اور جواب قسم میں ربط ومناسبت	۵۴۹
۲۳۵	وعدۂ انعام واکرام برائے اہلِ ایمان وایقان	۵۵۳
۲۳۶	زجر وتوبیخ مجرمین از عذاب خداوندی وحمایت ایزدی بر تسبیح وحمد رب العالمین	۵۵۷
	سورۃ النجم	۵۶۰
۲۳۷	اثبات عظمتِ نبوت وصحت اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم وعصمت حیات طیبہ	۵۶۲
۲۳۸	شب معراج میں مشاہدۂ آیاتِ قدرت	۵۶۴
۲۳۹	تنبیہ وتہدید بر انکار توحید ورسالت وعدم حقیقت معبودان باطلہ	۵۷۰
۲۴۰	عظمت شان رب العالمین روز محشر وشناعت عقائد مشرکین	۵۷۴
۲۴۱	قانونِ مجازات اور اعمال سیئہ کی تفصیل	۵۷۶
۲۴۲	خصائص اوصاف سعادت وشقاوت وقانونِ جزاء اعمال	۵۷۹
۲۴۳	قرآنی فیصلہ کہ ہر جدوجہد بار آور ہوتی ہے اور مسئلۂ ایصال ثواب	۵۸۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۵۸۴	اختتام سورۂ نجم	۲۴۴
۵۸۵	**سورۃ القمر**	
۵۸۶	اعلان قرب قیامت مع ذکر دلائل قدرت خداوندِ جلیل و رسالت نبی کریمؐ و تہدید و تنبیہ بر اعراض منکرین و مجرمین	۲۴۵
۵۸۸	مشاہدہ اور تواتر سے معجزۂ شق القمر کا ثبوت	۲۴۶
۵۹۱	مخالفین اسلام کا معجزۂ شق القمر پر اعتراض اور اس کا جواب	۲۴۷
۵۹۲	معجزۂ ردِّ شمس	۲۴۸
؍؍	معجزۂ حبس شمس	۲۴۹
۵۹۶	تاریخ شقاوت و بدنصیبی و ہلاکت امم سابقہ و تصدیق انبیاء و مرسلین	۲۵۰
؍؍	قصۂ اول قوم نوحؑ	۲۵۱
۵۹۷	قصۂ قوم عاد	۲۵۲
۵۹۸	قصۂ قوم ثمود	۲۵۳
۵۹۹	قصۂ قوم لوط	۲۵۴
۶۰۱	تنبیہ قریش مکہ بعد ذکر واقعات نصیحت و عبرت	۲۵۵
۶۰۳	**سورۃ الرحمٰن**	
۶۰۶	انعامات رب جلیل بر انسان بعطائے وصف بیان و تعلیم قرآن و فیضان نعمائے جسمانیہ و روحانیہ	۲۵۶
۶۰۹	انعام خداوندی بصورت وجود انسانی و عطاء صفات و کمالات ایمانی	۲۵۷
۶۱۰	نجم و شجر کی تفسیر	۲۵۸
۶۱۱	وضع میزان کا مفہوم	۲۵۹
۶۱۳	عظمت خداوند رب انام مع ذکر احوال قیامت و ذلت و بدحالی مجرمین	۲۶۰
۶۱۸	اعزاز و اکرام اہل ایمان بعطاء نعمتہائے عظام از رب ذو الجلال والاکرام	۲۶۱

کتابت: ع۔م شہدادپور

اجازت نامہ

برائے اشاعت معارف القرآن بنام مکتبۃ المعارف شہدادپور

(تفسیر) قرآن پاک "معارف القرآن" از مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب

جو کہ دارالعلوم الحسینیہ (حسینیہ) شہدادپور والے حضرات نے خود

دوبارہ لکھوایا ہے اور چھاپا ہے۔

ہماری طرف سے اجازت ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو

چھپوائیں اور فروخت کریں۔

[illegible]

27/1/99

بسم اللہ الرحمن الرحیم[علہ]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ ص

اس سورت کا نام سورۃ ص ہے یہ سورت بھی مکیہ ہے جس میں اٹھاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (قرطبی) امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں اور بعض دیگر محدثین نے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ ابوطالب جب بیمار ہوئے تو کفار قریش کی ایک جماعت جن میں ابوجہل بھی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرنے آئے کہ محمدؐ ہمارے معبودوں کی ہجو اور توہین کرتے ہیں اور انکو بہت ہی برا بھلا کہتے ہیں ابوطالب نے ان لوگوں کی موجودگی میں آپؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے جواباً یہ ارشاد فرمایا میں ان لوگوں سے صرف ایک ہی بات کہتا ہوں یہ اگر مان لیں تو عرب ان کا مطیع ہو جاتے اور عجم جزیہ دینے لگیں۔ یہ لوگ پوچھنے لگے ایسی کون سی وہ بات ہے ایک تو کیا ہم دس باتیں ماننے کو تیار ہیں بتائیے تو وہ ایک بات کیا ہے آپؐ نے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یہ سُننا تھا کہ وہ سب نہایت برافروختہ اور مشتعل ہو کر کپڑے جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے جاتے تھے عجیب بات ہے کیا سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا اس پر یہ سورت آیۃ بَلۡ لَّمَّا یَذُوۡقُوۡا عَذَابِ تک نازل ہوئی بالعموم روایات اور محدثین ومفسرین کی نقول میں یہ سورت سورۃ ص کے نام سے معروف ہے لیکن بعض مفسرین نے اس سورت کا ایک اور نام سورۃ داؤد بھی بیان کیا ہے کیونکہ اس میں داؤد علیہ السلام کے قصہ کو خاص عظمت اور اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

آیاتھا ۸۸	۳۸	سُوۡرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ	۳۸	رکوعاتھا ۵

یہ سورت بھی مکیہ ہے جس میں اٹھاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

علہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک سے لکھی ہوئی بسم اللہ کا عکس جب کہ موصوف محترم حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کیلئے لاہور تشریف لاتے اور ناچیز کو معارف القرآن کی تکمیل کیلئے فرمایا تو آئندہ سورۃ کی ابتداء اپنے قلم مبارک سے بسم اللہ لکھ کر فرمائی اس کیفیت کے ساتھ کہ حضرت والد صاحبؒ کے فراق پر آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہاتھ کانپ رہے تھے
۱۲ محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ

قسم ہے اس قرآن سمجھانے والے کی ۔ بلکہ جو لوگ منکر ہیں غرور میں

عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ

ہیں اور مقابلہ میں بہت کھپا دیں ہم نے ان سے پہلے سنگتیں

فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ

پھر لگے پکارنے اور وقت نہ رہا خلاصی کا اور اچنبھا کرنے لگے اس پر کہ آیا انکو

مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴

ایک ڈر سنانے والا انہی میں سے اور لگے کہنے منکر یہ جادو گر ہے جھوٹا

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝۵

کیا اس نے کر دی اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی یہ بھی ہے بڑے تعجب کی بات

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۚ

اور چل کھڑے ہوئے کہتے پنچ ان میں کر چلو اور ٹھہرے رہو اپنے ٹھاکروں پر

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ يُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا

بے شک اس بات میں کچھ غرض ہے یہ نہیں سنا ہم نے

بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ

اس پچھلے دین میں اور کچھ نہیں یہ

اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷

بنائی بات ہے

آغاز سورت از بیان حقانیت قرآن و وعید و تنبیہ بر غرور و انکار متکبرین و کفار

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ..... اِلٰی ..... اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ

ربط سورۃ گذشتہ سورۃ والصافات کی ابتداء توحید کے مضمون سے ہوئی اور خاتمہ سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الخ) سے مسئلہ نبوت و توحید پر ہوا اس مناسبت سے اس سورت کا آغاز قرآن کریم کی حقانیت اور عظمت شان سے ہوا جو آپؐ کی نبوت و رسالت کی سب سے بڑی دلیل ہے نیز گذشتہ سورت کی طرح اس میں بھی انبیاء سابقین کے واقعات ذکر فرمائے گئے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوبؑ کے وہ احوال بیان فرمائے گئے جو گذشتہ سورت میں نہیں تھے سورت کے آخری حصے میں کفار کا یہ قول نقل کیا گیا تھا لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِکْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ لَکُنَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ کہ اگر ہمارے پاس اولین کا کوئی ذکر ہوتا تو ہم اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہوتے تو اس سورت کی ابتداء میں قرآن کی صفت ذِی الذِّکْرِ ارشاد فرما کر یہ ظاہر فرما دیا گیا کہ جس ذکر کی تم تمنا کرتے تھے اب وہی قرآن ذی الذکر نازل کر دیا گیا لہٰذا اب تم کو چاہیے کہ حسب وعدہ ایمان لاؤ اور اللہ کے نیک اور فرمانبردار بندے بن جاؤ

پھر مضمون سورت کا اختتام اس وعدۂ الٰہیہ پر ہوا وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ... الی ... لَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ کہ انبیاء علیہم السلام کی تائید و نصرت کا فیصلہ ہو چکا اور یہ کہ اللہ کا لشکر کافروں اور دشمنوں پر غالب آئے گا تو اس سورت کی ابتداء قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کے بیان سے کی گئی اور اس پر ایمان نہ لانے والوں پر تنبیہ و تہدید فرمائی گئی ارشاد فرمایا۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ قسم ہے اس قرآن کی جو بڑی ہی عزت و شرف اور عبرت[1] والا ہے جو دنیا و آخرت کی سعادت و ہدایت کے جملہ علوم پر مشتمل ہے کہ اسکی صداقت و حقانیت عزت و شرف کا باعث ہے اور امم سابقہ کے احوال اور تاریخی حقائق عبرت و نصیحت کا سامان ہیں۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ میں واؤ قسمیہ ہے اور عربیت کی رو سے جملہ قسمیہ جواب قسم پر پورا ہوتا ہے تو یہاں جواب قسم محذوف ہے سورۂ یٰسٓ کی ابتداء ہی وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ جملہ قسمیہ تھی مگر وہاں جواب قسم مذکور تھا یعنی اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں جواب

---

[1] ترجمہ میں عزت و شرف کے ساتھ لفظ عبرت کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لفظ ذکر وضع عربیہ کے لحاظ سے دو معنی پر دلالت کرتا ہے ایک عزت و شرف اور دوسرے عبرت و نصیحت اور یہاں دونوں معنی مراد ہیں ۱۲۔

قسم محذوف ہے اور آئندہ آیت وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَاۗءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ اس کے مضمون پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عذاب آخرت سے ڈرانے والے انکے سامنے آئے تو کفار مکہ غرور و تکبر اور مخالفت و سرکشی پر کمربستہ ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب آخرت سے

ڈرانا تو فرض رسالت تھا مگر بجائے ایمان لانے کے کافروں نے غرور و تکبر اور مخالفت کا طریق اختیار کیا تو جواب قسم کا مضمون اس طرح مقدر مان لیا جائے انہ لحق والایمان بہ وبمن جاء بہ لازم یعنی قسم ہے قرآن کی جو بڑی ہی عزت اور عبرت والا ہے بے شک یہ قرآن حق ہے اور اس پر اور قرآن لانے والے پر ایمان لانا لازم ہے لیکن افسوس کافر ایمان نہ لائے بلکہ تکبر اور مخالفت میں لگے رہے بعض مفسرین جواب قسم میں سورۂ یٰسین کی طرح ہی اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کے مضمون کو جواب قسم قرار دیتے ہیں یہ قرآن عالی مرتبت بے شک آپ کی رسالت کی دلیل ہے اس میں تو کوئی خفا یا شبہ نہیں کہ کافر اس وجہ سے آپ پر ایمان لانے میں تردد کریں (بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ) نہیں بلکہ کافر اپنے تکبر اور مخالفت میں ایمان لانے سے انحراف کر رہے ہیں قتادہؒ نے تو اسی مضمون کو جواب قسم قرار دیا (تفسیر مظہری صـ۱۵۴ ج ۸) زاد المسیر میں ابن الجوزیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا بیضاویؒ کا قول ہے کہ جواب قسم انہ لمعجز او ان محمدًا لصادق ہے یعنی قرآن معجز ہے یا یہ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سچے ہیں لہٰذا کفار مکہ کو چاہیئے کہ وہ قرآن پر بھی ایمان لائیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو بھی مانیں الغرض ایسی عظمت و شرف والی کتاب پر ایمان نہ لانا یقیناً اس کتاب میں کسی تردد و شبہ کی بنا پر تو ممکن نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے جن لوگوں نے اس کا انکار کیا وہ اپنے غرور و نخوت اور عداوت و مخالفت میں پڑے ہوتے ہیں اس عناد و سرکشی میں مبتلا ہونے والوں کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہیئے ہم تو ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت و شوکت میں ان سے بھی بڑھ کر تھے لیکن جب ان پر عذاب آیا تو چیخ اُٹھے اور پکارنے لگے کہ کوئی انکی فریاد کو پہنچ جائے مگر وقت نہ رہا تھا کہ بھاگ سکیں

ع۱ لفظ لَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ کا یہ ترجمہ ہے لفظ لات دراصل نفی کیلئے وضع کردہ لفظ لا ہی ہے جس پر تا کا اضافہ کر کے لَاتَ کی صورت میں استعمال کیا گیا جیسے لفظ رُبَّ اور ثم تا کے اضافہ کے ساتھ استعمال کیے گئے ہیں اخفشؒ کا قول ہے لا نفی جنس کا ہے اور خبر محذوف ہے اے لاحین مناص کائن لکم یعنی تمہارے واسطے خلاصی کا وقت نہیں ہونے والا ہے سیبویہؒ اور خلیلؒ کی رائے یہ ہے کہ اسکے دو معمولوں یعنی اسم و خبر میں سے کوئی ایک محذوف ہے مسند ابو داؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ کسی نے عبداللہ بن عباسؓ سے اس کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا لیس بحین نزو ولا فرار یعنی نہیں ہے وقت اترنے اور بھاگنے کا مناص مصدر ہے جس کا مادہ نَوص ہے اہل لغت کے نزدیک نوص تاخیر یعنی پیچھے ہٹنے کو اور بوص تقدم یعنی آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔

اور بچ جائیں اور بچا سکے کہ ایمان لاتے ان کافروں نے اس بات پر تعجب کیا کہ آگیا انکے پاس ایک پیغمبر انہی میں سے جو انکو ڈرانے والا ہے حالانکہ اس بنا پر کروہ انہی کی قوم اور قبیلہ کا جانا پہچانا تھا مگر انہوں نے یہ کہا یہ تو یقیناً جادوگر بڑا ہی جھوٹا ہے نہ یہ وحی ہے اور نہ یہ اپنے اعلان میں سچا ہے بلکہ جو معجزات وخوارق ہیں وہ جادو ہے اور جو اعلان نبوت ہے وہ جھوٹ ہے کیا یہ شخص سچا ہو سکتا ہے جس نے بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنادیا یہ تو بے شک بڑی ہی عجیب بات ہے کہ ایک خدا ساری کائنات کا کام چلاتے اور جب آپ نے لوگوں سے یہ کہا اگر تم یہ کلمہ مان لو عرب وعجم تمہارے غلام ہو جائیں گے تو انکے سربرآوردہ اُٹھ کھڑے ہوتے اور کہنے لگے اے لوگو یہاں سے چلو اور اپنے معبودوں پر مضبوطی سے جمے رہو بے شک یہ بات تو یقیناً ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے کسی مقصد کا ارادہ کیا گیا ہے شاید اپنی غرض ومطلب برآری کیلئے تم سے یہ کہا جارہا ہے اور اس طرح اپنی سرداری کا ارادہ ہوگا ہم اس شخص کو اپنی غرض میں ہرگز کامیاب نہ ہونے دیں گے اس لئے یہاں سے اُٹھ کھڑے ہو اور چلو اور اپنے معبودوں پر ہی جمے رہو، ہم نے تو یہ بات (توحید کی) پہلے کسی ملت میں نہیں سنی نصاریٰ بھی تین خداؤں کے قائل ہیں مجوسی وآتش پرست بھی دو خدا یزدان اور اہرمن کے قائل ہیں اور خود ہمارے آباؤ اجداد قریش کے تمام قبیلے بھی بہت سے خداؤں کے قائل تھے تو پھر اس مدعی نبوت نے کہاں سے یہ بات نکالی کہ خدا ایک ہی ہے بس یہ (توحید کی بات) تو صرف اسی شخص کی اپنی طرف سے نئی ایجاد کردہ بات ہے جسکو اس نے اپنے دل سے گھڑ لیا کفار مکہ کے اصل بنیادی شبہے تین تھے ایک توحید کے متعلق۔ دوسرا نبوت کے متعلق، اور تیسرا معاد یعنی قیامت کے متعلق تو ان آیات میں پہلے شبہ یعنی انکار توحید کا بیان ہے کہ منکرین نے اعلان توحید سن کر بڑی قوت کے ساتھ اسکا رد کیا اور شرک ہی پر جمے رہنے کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے رہے اور یہ کہ نبوت کا اعلان کرنے والے اس شخص کا اپنا کوئی مقصد ومطلب معلوم ہوتا ہے اور بظاہر اس بہانہ سے اپنی سرداری قائم کرنا چاہتا ہے اور ہم انکو اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

بعض مفسرین نے اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ بے شک یہ وہ چیز ہے جس کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ارادہ ہی کر چکے ہیں کفار مکہ کے اس پچھلے شبہ کے ذکر کے بعد دوسرا شبہ انکار رسالت کے متعلق آئندہ آیات میں ذکر فرمایا جارہا ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□
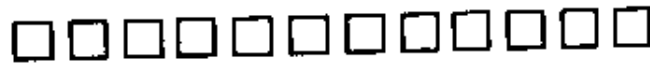
ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ

کیا اسی پر اتری سمجھوتی؟ ہم سب میں سے کوئی نہیں

فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا

انکو دھوکا ہے میری نصیحت میں کوئی نہیں ابھی

یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۞ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ

چکھی نہیں میری مار کیا اُنکے پاس ہیں خزانے تیرے رب کی مہر کے

الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۞ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

جو زبردست ہے بخشنے والا یا انکی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں

وَمَا بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۞ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ

اور جو انکے بیچ ہے تو چاہیئے چڑھ جاویں رسیاں تان کر ایک لشکر یہ ہے وہاں

مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۞ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ

تباہ ہوا ان سب لشکروں میں جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور

عَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۞ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّ

عاد اور فرعون میخوں والا اور ثمود اور لوط کی قوم اور

اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الْاَحْزَابُ ۞ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ

ایکہ کے لوگ وہ فوجیں یہ جتنے تھے سب نے جھٹلایا

الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۞ وَمَا یَنْظُرُ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً

رسولوں کو پھر ثابت ہوئی میری طرف سے سزا اور راہ نہیں دیکھتے یہ لوگ بھی مگر یہی ایک چنگھاڑ

وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۞ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا

کی جو بیچ میں دم نہ لے گی اور کہتے ہیں اے رب شتاب دے

قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ۞

ہم کو چٹھی ہماری پہلے حساب کے دن سے

تنبیہ و توبیخ بر انکار رسالت سید المرسلین ﷺ و مقابلہ قدرت رب العالمین

قال اللہ تعالیٰ ءَاُنۡزِلَ عَلَیۡہِ الذِّکۡرُ ..... الیٰ ..... قَبۡلَ یَوۡمِ الۡحِسَابِ

کفار مکہ کے دوسرے شبہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جارہا ہے ءَاُنۡزِلَ عَلَیۡہِ الذِّکۡرُ مِنۡۢ بَیۡنِنَا کیا نازل کیا گیا ہے یہ ذکر اور کتاب نصیحت یعنی قرآن ہم سب میں سے صرف اسی شخص پر حالانکہ نہ یہ کوئی دولت مند ہے اور نہ کسی بستی کا سردار ہے حقیقت اس طرح نہیں ہے کہ اگر انکی خواہش کے مطابق قرآن کسی بستی کے سردار یا دولت مند پر اتارا جاتا تو یہ لوگ اسکی اتباع کر لیتے جیسے ان کا یہ قول قرآن کریم نے نقل کیا لَوۡلَا نُزِّلَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡیَتَیۡنِ عَظِیۡمٍ کہ کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو بستیوں مکہ اور طائف کے کسی بڑے سر برآوردہ شخص پر بلکہ ان لوگوں کا عقل و فہم سے بعید باتیں کرنا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ابھی ہمارا عذاب چکھا نہیں ہے اگر عذاب کا مزہ چکھ لیں تو ایسی سب باتیں بھول جائیں گے خدا کی طرف سے دی ہوئی ڈھیل اور مہلت سے مغرور و متکبر ہو گئے ہیں انسان کی یہ بڑی ہی غلطی ہے کہ خداوند عالم کے حلم و درگذر کو فراموش کر کے اسکے مقابلہ و سرکشی پر آمادہ ہو جاتے ان کفار کا یہ احمقانہ قول کہ آپ ہی پر وحی الٰہی کیوں نازل کی گئی ایک ناقابل عفو گستاخی ہے کیا انکے پاس اے ہمارے پیغمبر آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو بڑا ہی غالب و زبردست اور خوب عطا کرنے والا ہے پھر یہ کون ہوتے ہیں کہ اللہ کے انعام و رحمت کو روک لیں یا اس پر کوئی نکتہ چینی کرے وہ اپنی حکمت و دانائی سے جس کسی بشر کو چاہے منصب نبوت و رسالت سے نواز دے یا ان کے پاس کیا حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ اسکے درمیان ہے اس بنأ پر وہ اس بارہ میں حجت بازی کر رہے ہیں اور ایسا انداز اختیار کر رہے ہیں کہ وہ خدا کے فیصلوں کا مقابلہ کریں گے اگر بالفرض ایسا ہے تو ان کو چاہیئے کہ چڑھ جائیں رسیاں تان کر اور جتنے بھی وسائل و اسباب انکی قدرت میں ہیں سب کو کام میں لے آئیں اور وحی الٰہی جو ملاءِ اعلیٰ سے آپ پر اُترتی ہے علویات پر چڑھ کر اسکو روک دیں لیکن ایسا کچھ بھی نہیں آسمان و زمین کی حکومت اور وہاں کے خزائن کے مالک تو کیا ہوتے یہ تو ایک بھیڑ ہے اس جگہ جسکی شکست کا فیصلہ ہو چکا ہے ایسے ہی شکست خوردہ لشکروں سے یہ شکست خوردہ جماعت اللہ اور اسکے رسول کا کیا مقابلہ کرے گی ان سے پہلے جھٹلا چکی قوم نوح اور قوم عاد اور فرعون میخوں[1] والا اور ثمود اور قوم لوط اور ایکہ والے ان سب نے

---

[1] مفسرین نے بیان کیا ہے کہ فرعون جب کسی کو سزا دیتا تو ہاتھوں میں میخیں ٹھوک کر لٹکانے کا حکم کرتا اور اسکو اسی طرح لٹکایا جاتا عربی لغت کے اعتبار سے اوتاد جمع وتد کی ہے جسکے معنی میخ اور کھونٹی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہی رسولوں کو جھٹلایا مگر انکی تکذیب وانکار سے نہ اللہ کے دین کو نقصان پہنچا اور نہ اسکے رسول ناکام ہوتے بلکہ میرا عذاب ہی ان پر ثابت و مسلط ہوا ان طاقتور قوموں کے عبرتناک واقعات سے چاہیئے تو یہ تھا کہ اہل مکہ اپنی سرکشی سے باز آتے اور عبرت ونصیحت حاصل کرتے تامل وتردد کی عقلاً تو کوئی گنجائش نہ تھی سمجھ میں نہیں آسکتا اب کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں معلوم ہوتا ہے اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ اہل مکہ کسی چیز کا مگر ایک ایسی ہیبت ناک چیخ کا جس کے واسطے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اور ایک ہی لمحہ میں سب کو ہلاک وتباہ کر ڈالے گا اور یہ چیخ وہی نفخ صور ہوگا جس کے ذریعے قیامت برپا ہوگی جس کا یہ منکرین بڑی شدت کے ساتھ انکار ورد کر رہے ہیں یہی نہیں کہ ان حقائق سے عبرت پکڑتے گستاخی کی یہ انتہا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں اے ہمارے رب، ہم کو ہمارا پروانہ حساب کے دن سے پہلے ہی دیدے لیکن ظاہر ہے کہ یہ گستاخی اور تمسخر اسی وقت تک ہے جب تک عذاب اور قہر خداوندی نہیں اترتا اور جب قہر خداوندی نازل ہوگا تو ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ مل سکے گی اسی طرح قیامت پر نفخ صور ہی انکو ایک لمحہ کی مہلت نہ لینے دے گا۔

ان آیات میں منکرین کے انکار رسالت اور انکار قیامت کا رد کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی اور اس ضمن میں یہ ظاہر فرما دیا گیا کہ آپ کی مخالفت اور مقابلہ کرنے والے ناکام و ذلیل ہوں گے اور اللہ رب العزت آپ کو کامیابی وسربلندی عطا فرماتے گا اہل مکہ کا یہ کہنا کہ انہی پر کیوں وحی اتاری گئی اور قرآن کریم مکہ وطائف کے سرداروں میں سے کسی سردار پر کیوں نہ اتارا گیا مہمل اور بے معنی بات ہے کیا انکے پاس رحمت کے خزائن ہیں اور یہ اسکے مالک ہیں کہ جس کو چاہیں رحمت سے نوازنے کے لیئے مخصوص کر دیں یا انکے پاس آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے کہ علویات سے نازل ہونے والی رحمتوں اور وحی کو روک سکتے ہیں اور زمین پر انکی حکمرانی ہے کہ عالم زمین پر اترنے والی وحی کو پیغمبر کی بجائے کسی دوسرے کے لیئے منتقل کر دیں جب نہ یہ آسمان کی کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ فرشتوں کو وحی لانے سے روک سکتے ہیں نہ زمین پر کوئی تصرف کر سکتے ہیں تو پھر عقلاً ان لوگوں کا اس پر نکتہ چینی کرنا بے معنی اور احمقانہ فعل ہے حق تعالیٰ نے انکی تعجیز وتحمیق کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ محض چند انسانوں کی ایک بھیڑ ہے جن کے لیئے شکست مقدر ہو چکی ہے چنانچہ یہ منظر بدر سے لے کر فتح مکہ تک دیکھ لیا گیا۔

گذشتہ صفحہ کا باقی حاشیہ

بعض مفسرین نے اسکی تعبیر میں فرعون کی شان عظمت اور سلطنت کی پائیداری کا مفہوم ذکر کیا ہے کہ وہ کھونٹوں والا تھا یعنی اس نے اپنی سلطنت اور اقتدار کے کھونٹے گاڑ دیئے تھے بعض اہل لغت نے اوتاد بمعنی جنود یعنی لشکر کہا ہے تو ترجمہ لشکروں والا کیا جاتے اور ظاہر ہے کہ فرعون کی فرعونیت ان تینوں صورتوں میں پائی جارہی تھی۔

لفظ جُندٌ مَّا هُنَالِكَ سے قریش کے لوگ ہی مراد ہیں لفظ ما کے متعلق بعض ائمہ نحو کی رائے یہ ہے کہ زائد ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تحقیر اور تقلیل کے لیئے ہے قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اس گروہ کے شکست کی خبر دی جیسے کہ دوسرے موقع پر ارشاد ہے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ تو اس خبر کے ساتھ سابقہ قوموں کی تباہی کا ذکر کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے والوں پر تنبیہ و تہدید کے ساتھ حجت قائم کردی۔

اسکے ساتھ انکار قیامت پر بھی رد کردیا گیا کہ ان لوگوں کا یہ مطالبہ عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا کہ ہمارا پروانہ ہمیں جلدی ہی دیدیجیئے یوم حساب سے پہلے ہی درحقیقت ایسا مطالبہ اور اس کی جرأت صرف اسی وجہ سے ہے کہ نہ خدا کی قدرت پر انکو ایمان ہے اور نہ قیامت کا یقین حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ مجاہدؒ ضحاکؒ اور حسن بصریؒ سے نقل کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ قتادہؒ نے یہ بھی بیان کیا یہ بات وہی ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں فرمایا گیا کہ کفار مکہ شقاوت و بدبختی سے یہ کہا کرتے تھے

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ	اے اللہ اگر یہ بات حق ہے تیری طرف
مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً	سے تو پھر ہمارے اوپر آسمان سے پتھروں
مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ	کی بارش کردے یا اور کوئی دردناک عذاب
	ہم پر لے آئیے۔

تو اس کا بھی رد کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ یہ سب کچھ عذاب خداوندی کے نزول سے قبل کی باتیں ہیں عذاب خداوندی جب بھی نازل ہوا کوئی قوم اس سے نہیں بچ سکی اسی طرح یہ لوگ بھی نہ عذاب سے بچ سکیں گے اور نہ ہی قیامت ٹل سکے گی تو سورۂ ص کی ان ابتدائی آیات میں قرآنی عظمت و شرف کو بیان کرتے ہوئے پہلے توحید خداوندی کو ثابت کیا گیا اسکے بعد نبوت و رسالت کا اثبات اور مکذبین رسل کی تباہی و بربادی کا ذکر فرمایا گیا اور ان واقعات ہلاکت کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کی گئی جیسے کہ دوسرے موقع پر ارشاد ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ یعنی آپؐ بھی اسی طرح صبر و تحمل کیجیئے جیسا کہ آپؐ سے پہلے اولوالعزم رسولوں نے صبر اور ہمت سے کام لیا اسی مناسبت سے آئندہ آیات میں ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اِصْبِرْ	عَلٰى	مَا	يَقُوْلُوْنَ	وَ	اذْكُرْ	عَبْدَنَا
تو سہتا رہ	جو		کہتے رہیں	اور	یاد کر	ہمارے بندے

دَاوٗدَ	ذَا الْاَيْدِ	اِنَّهٗ	اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾	اِنَّا	سَخَّرْنَا	
داؤد کو	ہاتھ کے بل والا	وہ تھا	رجوع رہنے والا	ہم نے	تابع کیے	

الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝١٨ وَالطَّيْرَ

پہاڑ اس کے ساتھ پاکی بولتے شام کو اور صبح کو اور اڑتے جانور

مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝١٩ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ

جمع ہو کر سب تھے اسکے آگے رجوع رہتے اور زور دیا ہم نے اسکی سلطنت کو اور دی اسکو

الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝٢٠ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ

تدبیر اور فیصلہ بات کا اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوے والوں کی ؟

اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝٢١ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰي دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ

جب دیوار کود کر آئے عبادت خانہ میں جب پہنچ گئے داؤد پاس تو ان سے گھبرایا

قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰي بَعْضٍ فَاحْكُمْ

وہ بولے مت گھبرا ہم دو جھگڑتے ہیں زیادتی کی ہے ایک نے دوسرے پر سو فیصلہ کر دے

بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَاۗءِ الصِّرَاطِ ۝٢٢

ہم میں انصاف کا اور دور نہ ڈال بات کو اور بتا دے ہم کو سیدھی راہ

اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ

یہ جو ہے بھائی ہے میرا اسکے ہاں ہیں ننانوے دنبیاں اور میرے ہاں ایک

وَّاحِدَةٌ ۣ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ۝٢٣ قَالَ

دنبی پھر کہتا ہے حوالے کر دے مجھ کو وہ اور زبردستی کرتا ہے مجھ سے بات میں بولا وہ

لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ

بے انصافی کرتا ہے تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دنبی ملانے کو اپنی دنبیوں میں اور

كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۗءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ

اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر

إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ وَ

مگر جو یقین لائے ہیں اور کام کیئے اچھے اور تھوڑے لوگ ہیں ویسے اور

ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ

خیال میں آیا داؤد کے کہ ہم نے اسکو جانچا پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے اور گرا جھک کر اور

اَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى

رجوع ہوا پھر ہم نے معاف کر دیا اسکو وہ کام اور اسکو ہمارے پاس مرتبہ ہے

وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ

اور اچھا ٹھکانا اے داؤد! ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ

سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی کی چاہ پر پھر تجھ کو

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بچلاوے اللہ کی راہ سے۔ مقرر جو لوگ بچلتے ہیں اللہ کی راہ سے

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع

ان کو سخت مار ہے اس پر کہ بھلا دیا دن حساب کا

تلقین صبر و تسلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذکر قصہ حضرت داؤد علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ..... الیٰ .. بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ

(ربط) ماقبل آیات میں مکذبین رسل کا انجام ہلاکت بیان فرمایا گیا اور یہ کہ بڑی سے بڑی قوت و طاقت اور پائیدار سلطنتیں اللہ کے رسولوں کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکیں تو یہ کفار مکہ اور قریش کے لوگ جن کے پاس نہ اس طرح کی طاقت و قوت ہے اور نہ حکومت و سلطنت کیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کامیاب ہو جائیں گے تو بطور تسلی حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک واقعہ ذکر کرتے

ہوئے آپ کو صبر کی تلقین کی جارہی ہے فرمایا اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ اے نبی آپ صبر کیجئے ان باتوں پر جو یہ کافر کہہ رہے ہیں کبھی استہزاء و تمسخر میں کبھی تردید و تکذیب اور کبھی تحقیر و توہین کرتے ہوتے اور یاد کیجئے ہمارے بندہ داؤد کو جو بڑی ہی قوت و ہمت والے تھے کہ انکے علم و حلم عزم و حوصلہ اور ریاضت و عمل کی قوت اور سلطنت و حکومت کے دبدبہ کی کوئی حد نہ تھی اور بے شک وہ خدا کی طرف بہت ہی رجوع کرنے والے تھے کہ انکے اوقات ذکر و تسبیح اور عبادت ہی میں مصروف رہتے نصف رات تہجد میں گذارتے اور ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کا معمول بنایا ہوا تھا اور پھر قوت کا یہ عالم تھا جیسے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا وکان لا یفر اذا لاقی کہ دشمن سے مقابلہ ہوتا تو میدان چھوڑ کر بھاگتے نہ تھے اور اپنی خاص نعمتوں میں ایک نعمت سے اس طرح نوازا تھا کہ ہم نے پہاڑوں کو انکے تابع کر رکھا کہ تسبیح کیا کریں انکے ساتھ شریک ہو کر شام و صبح جو داؤد علیہ السلام کے خاص اوقات تھے ذکر و تسبیح کے اور اسی طرح پرندوں کو بھی حکم دے رکھا تھا کہ وہ بھی صبح و شام داؤد کے ساتھ تسبیح میں شریک ہوا کریں جمع ہو کر[1] اس وقت یہ جبال و طیور سب ہی داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرنے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہونے والے تھے یہ کس قدر عظیم انعام تھا اور اللہ کی طرف سے داؤد علیہ السلام کی عظمت و عزت تھی کہ گویا انکے حلقۂ ذکر میں صرف انسان نہیں ملائکہ کے[2] علاوہ جبال و طیور بھی شامل ہوتے تھے اور دوسری نعمت یہ تھی کہ ہم نے انکی حکومت و سلطنت کو مضبوط بنایا تھا اور مزید تیسری نعمت یہ کہ ہم نے انکو فیصلہ کن خطاب و گویائی کی قوت عطا کی تھی کہ ان کی بات نہایت ہی فصیح و بلیغ اور جامع ہوتی قوت دلائل سے ایسی محکم ہوتی کہ حق و باطل اور ظلم و انصاف کے درمیان فیصلہ کن ہوتی تھی یہ نہیں کہ سلطنت و حکومت کی رعونت میں از خود رفتہ ہو کر حق و ناحق کا فرق نہ کریں اور جو کچھ دل میں آئے بس اسی کو اپنی طاقت سے نافذ و جاری کر دیں بلکہ عدل و انصاف احتیاط اور دلائل و اصول کے پورے تقاضے ملحوظ رکھتے ہوتے بات فرماتے تھے چنانچہ انکے اس طرح کے واقعات میں سے اے ہمارے پیغمبر کیا آپ کو ان مقدمہ والوں کی خبر

---

[1] وَالطَّيۡرَ مَحۡشُوۡرَةً کا ترجمہ "جمع ہو کر" عام اہل لغت اور مفسرین کی رائے کے مطابق ہے حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں محشورۃ کا ترجمہ محبوسۃ کیا ہے یعنی پرندے ہوا میں اڑتے ہوتے حضرت داؤدؑ کی تسبیح سن کر رک جاتے تھے اور انکے ساتھ تسبیح میں ہمنوا ہو جاتے اسی طرح اونچے اونچے پہاڑ بھی نغمۂ داؤدی کے ساتھ آواز بلند کرتے یہ تمام فضائل داؤد علیہ السلام کے معجزات نبوت تھے۔

[2] ملائکہ کے علاوہ کی قید اس وجہ سے واضح کی گئی کہ اللہ کے فرشتے تو ہر حلقۂ ذکر میں موجود ہی ہوتے ہیں تو داؤد علیہ السلام کی خصوصیت اور شرف یہ تھا کہ اس حلقۂ ذکر میں فرشتوں کے علاوہ پہاڑ اور پرندے بھی شامل ہوتے تھے۔ ۱۲

پہنچی جو محراب و دیوار، عبادت خانہ پھلاند کر داؤدؑ کے عبادت خانہ میں گھس آئے حالانکہ پہرہ داروں کا زبردست پہرہ تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام نے تقسیم اوقات میں یہ دن عبادت کے لیئے مخصوص کر رکھا تھا اور ان پہرہ داروں کے باعث کسی کی جرأت نہ ہو سکتی تھی کہ اس طرح کوئی شخص انکی عبادت گاہ میں داخل ہو جائے اور انکی عبادت ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ میں مخل بنے تو انکے اس طور سے داخل ہونے سے داؤد علیہ السلام گھبرا گئے کہ یہ کیسے پہنچ گئے خدا جانے یہ کون ہیں کیا مقصد لے کر آتے ہیں انکی اس گھبراہٹ کو دیکھ کر اہل مقدمہ بولے ڈرو نہیں ہم تو ایک خصومت و جھگڑے والے ہیں جو اپنا مقدمہ لے کر آپؑ کے پاس آتے ہیں کسی دشمنی یا بُرے ارادہ سے نہیں آتے کہ آپ گھبرائیں ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے پس آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجیئے اور ہمارے اس معاملہ میں کوئی ناانصافی اور کسی ایک کی طرف کسی طرح کا جھکاؤ اور جانبداری اختیار نہ کیجیئے اور ہم کو سیدھے راستہ پر ڈال دیجیئے حضرت داؤد علیہ السلام کی اجازت پر اہل خصومت میں سے ایک نے کہنا شروع کیا اے داؤد! بات یہ ہے کہ یہ میرا بھائی ہے باعتبار دین کے یا باعتبار تعلق و ملاقات کے جس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہی دنبی ہے سو یہ کہتا ہے مجھے ہی اس کا کفیل اور ذمہ دار اور مالک بنا دے اور اپنی منہ زوری سے بات کرنے میں مجھ پر غالب آگیا ہے کہ میری بات چلنے ہی نہیں دیتا اور نہ ہی بولنے کا موقع دیتا ہے جب بات شروع ہوتی ہے تو مجھے ہی دبا لیتا ہے یہ صورت حال سن کر داؤد علیہ السلام نے کہا اس شخص نے تو بیشک تجھ پر ظلم کیا تیری ایک دنبی کو اپنی دنبیوں میں شامل کر لینے کا تجھ سے سوال کر کے حقیقت تو یہ ہے کہ اس شخص کو اپنی اس فراخی اور وسعت کے ہوتے ہوتے تو یہ چاہیئے تھا کہ اپنے اس بھائی پر تبرع و احسان کرتا جو تنگ دست ہے اور صرف ایک ہی دنبی کا مالک ہے اسکے برعکس اپنے غریب بھائی کو اس سے بھی محروم کر دینا چاہتا ہے اور یہ حقیقت ہے دُنیا میں ظلم و ستم کا یہی حال ہو چکا ہے کہ بہت شرکاء ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کیا کرتے ہیں بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کیئے وہ اپنے ساتھی اور شریک کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں داؤد علیہ السلام نے یہ مضمون مظلوم کی تسلی اور حق کے تحفظ کے لیے فرما دیا اس قضیہ کے سننے میں اور اپنی بات کرنے میں کچھ وقت گذرا اور اس چیز کی بناء پر کہ ان کے طے کردہ وقت میں انہماک عبادت اور ذکر اللہ میں اشتغال کے بجائے ایک جھگڑے کی قسم نے خلل اور تشویش میں ڈالا خیال کیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے کہ دیکھیں کیسے صابر و متحمل ہیں کہ بلا اجازت عبادت گاہ اور خلوت میں آنے پر برافروختہ و ناراض تو نہیں ہوتے کہ اتنے بڑے بادشاہ کے خاص محل میں کس بے ڈھنگے پن گھس آئے اور یہ کہ عبادت کے اوقات مخصوص کرنے پر دل میں یہ جو خیال تھا کہ میں نے عبادت کا جو معمول بنایا ہے اس

میں خلل نہیں ہوگا اور یہ بہت ہی اچھی صورت ہے تو سمجھ گئے کہ یہ میرا امتحان لیا گیا ہے اور قدرت خداوندی سے مجھ پر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ کسی بندہ کا اپنی عبادت یا پابندیٔ اوقات پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے بغیر توفیق و مشیت خداوندی بندہ اپنے معمولات ایک روز بھی قائم و برقرار نہیں رکھ سکتا پس فوراً ہی اپنے رب کے سامنے استغفار و توبہ کی اور گر پڑے سر بسجود ہوتے ہوتے اور خاص طور پر خدا کی طرف رجوع کیا پس ہم نے معاف کر دیا اس چیز کو اور جو کمی صبر و تثبت کے مقام میں اس تخیل کی وجہ سے پیش آئی تھی اس کا تدارک کر دیا اور بے شک داؤد ؑ کے واسطے تو ہمارے یہاں کا بہت ہی عظیم مقام اور رعنایت ہی بہترین انجام و ٹھکانا ہے کہ ایک معمولی خیال پر اس قدر بے قراری و تضرع کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں تائب ہوتے ہوئے سر بسجود ہو گئے اور تل برابر چیز کو پہاڑ سمجھ لیا اور ظاہر ہے کہ مقربین کی یہی شان ہوتی ہے کہ معمولی سی کوتاہی انکے واسطے بے چینی و بے قراری کا باعث ہوتی ہے اور انکی یہ بے قراری اور دعا و استغفار انکے مقام کی اور بلندی کا باعث ہوتی ہے جب داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے اور انابت الی اللہ کا یہ بلند تر مقام ان سے ظاہر ہوا تو ہم نے انکی اس سعادت کو سراہتے ہوتے اعلان کر دیا اے داؤد ؑ ہم نے بنا دیا تم کو زمین پر حاکم سو لوگوں کے درمیان تم حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہو جس طرح کہ اب تک کرتے رہے ہو اور آیندہ بھی نفس کی خواہش کی پیروی مت کرنا جیسا کہ پہلے بھی نفس کی خواہشات کی تم نے پیروی نہیں کی اس لیئے کہ نفس کی خواہشات کی پیروی اگر تم نے کی تو وہ تم کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی اور بے شک جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں انکے واسطے سخت عذاب ہوگا اس بنا پر کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے اور ظاہر ہے کہ ہر طرح کی گمراہی اور عدل و انصاف سے انحراف اور کسی حق تلفی آخرت کی یاد بھلانے ہی کے باعث ہے اس معیار اور ضابطے کو اگرچہ خطاب داؤد ؑ کے دوران بیان فرمایا گیا لیکن مراد دوسروں کو تنبیہ کرنا ہے جیسے کہ بعض مواقع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر دوسروں کو متنبہ کیا گیا۔

قصّہ داؤد علیہ السّلام

قرآن کریم کی ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے جس قصّہ کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ صرف بطور کنایہ و رمز بیان کیا گیا ہے جس کے ضمن میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت گاہ میں دو خصومت کرنے والوں کا ایک مقدمہ لے کر آنا اور پھر اس مقدمہ میں باہمی معاملات میں ایک دوسرے پر تعدی کرنا اور اس پر حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ کہ یہ طریق ظلم و عدوان ہے پھر داؤد علیہ السلام کا توبہ و استغفار اور خدا کی بارگاہ کی طرف رجوع اور حق تعالیٰ کی طرف سے انکے مرتبہ کی عظمت و بلندی اور خلافت فی الارض کا انعام اور عدل و انصاف قائم کرنے کی تاکید نفس کی خواہشات سے اجتناب کا

حکم اور نفس کی پیروی کا انجام گمراہی اور اس کا اصل سبب فکر آخرت سے قلب و دماغ کا خالی ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔

واقعۂ داؤد علیہ السلام کے متعلق بعض غیر مستند اور بے اصل روایات

آیات مذکورہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے جس قصہ کا اجمالاً واشارۃً ذکر فرمایا گیا ہے اسکی تفسیر و تشریح میں بعض مفسرین نے ایک قصہ بروایت قتادہؒ نقل کیا ہے جسکو بعد کے مفسرین نے بھی اپنی تفاسیر میں نقل کیا اس وجہ سے وہ شہرت پذیر ہو گیا حالانکہ وہ قصہ نہ روایۃً صحیح ہے بلکہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور نہ عقلاً اسکے تصور کی گنجائش معلوم ہوتی ہے بلاشبہ وہ قصہ نہایت ہی بے ہودہ کہانی ہے جس کا قرآن کریم خود اپنے سیاق و سباق سے انکار کرتا ہے۔

اس حدیث خرافہ اور لغو قصہ کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام اپنے خلوت خانہ میں ذکر و عبادت میں مشغول تھے کہ ایک خوبصورت کبوتر اڑ کر سامنے آیا آپؑ نے اسکو عجیب و غریب پاکر اسکے پکڑنے کا ارادہ کیا تو وہ ایک سوراخ سے نکل کر اڑ گیا داؤد علیہ السلام دریچہ سے جب اس کو جھانکنے لگے تو ایک حسین و جمیل عورت پر نظر پڑی جو غسل کر رہی تھی اسکے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ اوریاہ کی بیوی ہے جو آپؑ کے ایک لشکر کا سپہ سالار ہے اور آج کل کسی جہاد میں باہر گیا ہوا ہے آپؑ کے دل میں یہ خیال ہوا کہ اگر یہ سپاہی مارا جائے تو میں اسکی بیوی سے نکاح کر لوں اس لیئے آپ نے فوج کو یہ حکم بھیجا کہ اوریا کو تابوت سکینہ کے آگے رکھا جائے تابوت سکینہ کے سامنے جو سپہ سالار رہتا اس کے لیئے امکان نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی بھی مرحلہ پر میدان جہاد سے بھاگ جائے اسکے ذمہ تھا کہ وہ اسی کے ساتھ رہے یا فتح ہو جائے یا وہ شہید ہو جائے اس طرح اوریاہ کسی غزوہ میں شہید ہو گیا تو اسکی بیوی سے داؤد علیہ السلام نے نکاح کر لیا حالانکہ اس سے پہلے ان کی بہت سی بیویاں تھیں ظاہر ہے کہ خداوند عالم کو یہ کام ان کی شایان شان نہیں معلوم ہوا تو انکو اس پر متنبہ کرنے کے لیئے دو فرشتے بصورت مدعی اور مدعا علیہ بھیجے حقیقت میں ان کے درمیان نہ کوئی جھگڑا تھا اور نہ وہ کسی مقدمہ کے فیصلہ کے واسطے آتے تھے اور نہ ان میں سے ایک کے پاس ننانوے دنبیاں تھیں اور دوسرے کے پاس ایک انہوں نے داؤد علیہ السلام کو متنبہ کرنے کے لیئے اس طرح کا مقدمہ بنا کر پیش کیا کہ یہ میرا ایک بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی ہے اور یہ مجھ کو اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ یہ ایک بھی میں اسکو دیدوں حالانکہ اسکے پاس تو پہلے ہی بہت سی ہیں اور میرے پاس تو صرف ایک ہی ہے داؤد علیہ السلام نے فیصلہ تو کر دیا کہ یہ مطالبہ نہایت ہی ظالمانہ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اکثر شرکاء اپنے نفس

کے تقاضے سے یہی روش اختیار کرتے ہیں مگر اس فیصلہ کے ساتھ فوراً یہ احساس ہوا کہ یہ قصہ تو مجھ ہی پر منطبق ہو رہا ہے میں نے کثیر الازواج ہونے کے باوجود اوریاہ کی عورت سے نکاح کر لیا جو اسکی ایک ہی بیوی تھی چنانچہ اس پر متنبہ ہو کر توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے جس کے بعد خدا نے انکی مغفرت اور انکی اس غلطی کو معاف کیا۔ العیاذ باللّٰہ ثُمَّ العیاذُ باللّٰہ

یہ قصہ سراپا غلط بے اصل اور قطعاً اللہ کے پیغمبر پر عظیم افتراء و بہتان ہے اصل میں اسرائیلیات اور یہود سے نقل شدہ یہ قصہ ہے جس کو بعض مفسرین نے اپنی کتابوں میں درج کر دیا اصول دین کے سراسر خلاف ہے جس کا زبان پر لانا حرام ہے حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اپنی تفسیر ج ۴ میں فرماتے ہیں کہ ان میں سے اکثر اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

اکثرھا ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث لکن روی ابن ابی حاتم ھھنا حدیثا لا یصح سندہ لانہ من روایۃ یزید ویزید وان کان من الصالحین لکنہ ضعیف الحدیث عند الائمۃ

اور اس سلسلہ میں کوئی حدیث پیغمبر معصوم سے ثابت نہیں ہے البتہ ابن ابی حاتم نے اس جگہ ایک حدیث روایت کی ہے جس کی سند صحیح نہیں کیونکہ وہ باسناد یزید الرقاشی انس بن مالک میں سے ہے اور یہ شخص اگرچہ صالحین میں سے ہے مگر باجماع ائمہ محدثین ضعیف الحدیث اور ساقط الاعتبار ہے۔

تفسیر خازن میں بھی اسکی تصریح کی ہے اور باسناد سعید بن المسیبؒ اور حارث اعور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے۔

انہ قال من حدثکم بحدیث داؤد علیٰ مایرویہ القصاص جلدتہ مأۃ وستین جلدۃ وھو حد الفریۃ علی الانبیاء۔

انہوں نے فرمایا جو شخص تم سے داؤد علیہ السلام کے بارہ میں وہ قصہ بیان کرے گا جس کو عام طور پر واعظین بیان کرتے ہیں میں اسکو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو انبیاء علیہم السلام پر بہتان لگانے کی سزا ہے۔

مولانا ابو محمد عبد الحق دہلویؒ تفسیر حقانی میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا اصل مأخذ کتاب اسموئیل ہے اور آج تک خود اہل کتاب کو بھی اس کتاب کا پورا پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا مصنف کون ہے وہ بحیثیت ایک تاریخ کی کتاب کے یہود میں مروج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے بلاوجہ الہامی کتاب فرض کر لیا

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اس قصہ کی تردید وابطال پر نہایت مفصل کلام کیا ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے ان آیات کی تفسیر اور حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ کی توضیح میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں مثلاً امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر احکام القرآن ج ۱۵ ص ۱۷۶ میں طبریؒ کی روایت سے امام ابوالسعودؒ نے اپنی تفسیر میں اسی طرح تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۳۰۰ میں تفسیر روح البیان ص۱۹ اور تفسیر مواہب الرحمٰن ج ۲۳ ص ۱۴۲ میں اس قصۂ مذکورہ کے علاوہ اور اقوال ذکر کیے ہیں مثلاً یہ کہ وہ عورت اوریاہ کی مخطوبہ تھی نہ کہ منکوحہ اور داؤد علیہ السلام کو علم نہ تھا اس عورت کے لیے کوئی خطبہ اور پیغام پہلے سے ہے اور لاعلمی میں پیغام دے دیا تو اس پر یہ عتاب ہوا کہ پہلے تحقیق کر لینی چاہیے بے تحقیق پیغام دینا نبوت کے خلاف ہے لیکن ان میں بھی تکلف ہے[1] اور روایتی حیثیت سے بھی انکی صحت ثابت نہیں ہوتی نیز شریعت کے اصول سے بھی ان اقوال پر آیات کی تفسیر مشکل ہے شرح فقہ اکبر میں بھی امام ابومنصور ماتریدیؒ سے ایک قول نقل کیا گیا ہے لیکن اس پر بھی داؤد علیہ السلام کی شان نبوت کے لحاظ سے قلب مطمئن نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے ان تمام اقوال سے اعراض وکنارہ کشی کرتے ہوئے سکوت اختیار کیا حضرات اہل علم ان اقوال کی تفصیل کے لیے ان تفاسیر کی مراجعت فرمالیں بعض مفسرین نے اس قصہ کے تتمہ اور اس پر مرتب ہونے والے ثمرات کے درجہ میں بھی بعض روایات اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں چنانچہ علامہ آلوسیؒ روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۷۶ پر ایسی بعض روایات حضرات قارئین ملاحظہ فرما سکتے ہیں محدثین کے نزدیک انکی سندیں معتبر وحجت نہیں روایتی لحاظ سے اس قصہ کا لغو اور باطل ہونا تو ظاہر ہے ہی انسانی عقل بھی اس بات کے تصور سے انکار کرتی ہے کہ اللہ کے کسی بھی پیغمبر سے ایسی ناپسندیدہ اور ذلیل ترین حرکتیں واقع ہوں وہ برگزیدہ پیغمبر جو امت کے واسطے ہادی ومصلح ہوں امت کے اعمال واخلاق کو پاکیزہ بنانا انکی زندگی کا نصب العین ہو بھلا یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس طرح کی ذلیل اور انسانیت سے گری ہوئی باتیں کریں کہ کسی اجنبی عورت کو برہنہ دیکھنا پھر اس پر فریفتہ ہو جانا پھر ایک خاص حیلہ اور تدبیر سے اسکے شوہر کو شہید کرا دینا اور اسکے بعد اس عورت کو اپنے نکاح میں لے آنا یہ باتیں تو کسی معمولی سے ایمان وتقویٰ رکھنے والے شخص سے بھی بعید ہیں چہ جائیکہ وہ جلیل القدر ہستیاں جن کے اوصاف وفضائل کی بلندی کی کوئی انتہا نہیں جن کی پہلی فضیلت تو یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دیتے ہوئے داؤد علیہ السلام کی زندگی کو یاد کرنے اور ان کے اسوہ کو نمونہ بنانے کا حکم دیا گیا پھر داؤد علیہ السلام کو عبدنا ہمارا بندہ جیسے پاکیزہ لقب سے یاد کیا گیا گویا اس

---

[1] تفسیر قرطبی ج ۱۵ ص ۱۷۶

عنوان نے ان میں عبدیت کے تمام اوصاف کاملہ وفاضلہ کو بیان کر دیا یہ عنوان تو وہ ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے معراج جیسے عظمت والے قصہ کے ساتھ اختیار کیا گیا جیسے کہ ارشاد ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ انکو ذَاالْاَیْدِ قوت وعزم والا فرمایا انکو اَوَّابٌ خدا کی طرف رجوع کرنے والا فرمایا نیز انکی فضیلت یہ کہ پہاڑوں اور پرندوں کو انکے ذکر و تسبیح کے ساتھ تابع و مسخر کر دیا گیا وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَۃً کے پرندے بھی جمع ہو کر انکے ذکر میں شامل ہوتے ان کے ملک و سلطنت کا استحکام و قوت انکو حکمت دیا جانا فصل خطاب کی نعمت سے نوازا جانا مغفرت خداوندی مرتبہ کا قرب جس کو وَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی میں بیان کیا اور اخیر میں انجام کی خوبی کا اعلان کیا گیا پھر ان سب چیزوں کے بعد خلافت فی الارض کا اعزاز جس کو یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ سے ذکر کیا گیا ہے تو کیا یہ قابل تصور امر ہے کہ جس ذات مقدس کی یہ فضیلتیں ہوں ایسے عظیم انعامات اور علمی و عملی کمالات سے نوازا گیا ہو جس کے لیے اعلان ہو خلافت ارض کا اللہ کے نزدیک مرتبہ کی بلندی اور انجام کی خوبی کی بشارت ہو دنیا میں کوئی عقل رکھنے والا انسان بیان کردہ قصہ کی ذلیل باتوں کا ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی ج ۲۳ میں امام احمد بن حنبلؒ کی روایت سے ایک نہایت ہی لطیف مضمون بیان کیا ہے کہ مالک بن دینارؒ اس آیت وَحُسْنَ مَاٰبٍ کی تفسیر میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش الٰہی کے سامنے لا کر کھڑا کیا جائے گا پھر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا اے داؤدؑ آج اس وقت تم میری تسبیح اور کبریائی اسی لحن اور آواز سے بیان کرو جس آواز سے دنیا میں بیان کرتے تھے داؤد علیہ السلام کہیں گے اے پروردگار وہ بات تو دنیا کی زندگی میں تھی جو اب نہیں رہی حق تعالیٰ فرمائیں گے میں وہی صوت تم کو واپس کرتا ہوں اور وہی لحن داؤدی جس سے دنیا میں پہاڑ اور پرند تمہارے ہمنوا ہو جایا کرتے تھے تم کو عطا کرتا ہوں تو حضرت داؤد علیہ السلام ذکر تسبیح شروع کریں گے جس سے تمام جنتی بے خود ہو جائیں گے۔

پھر ان تمام وجوہ فضیلت کے علاوہ ایک عظمت و برتری کی وجہ یہ بھی قرآن کریم کی تعبیر سے ظاہر ہے کہ اس قصہ کو حق تعالیٰ نے اس عنوان سے ذکر فرمایا وَھَلْ اَتٰىکَ نَبَؤُا الْخَصْمِ تو یہ عنوان بالکل ایسا ہی ہے جیسا ھَلْ اَتٰىکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی اِذْ نَادٰىہُ رَبُّہٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی کہ اے ہمارے پیغمبر کیا آپ کو موسیٰؑ کی بات پہنچی ہے کہ موسیٰؑ کو انکے پروردگار نے وادی مقدس طویٰ میں پکارا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ "نبأ الخصم" جو داؤد علیہ السلام کا بیان کیا گیا وہ عظمت و فضیلت میں اسی طرح کا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کا واقعہ کوہ طور۔ تو ظاہر ہے کہ جو قصہ اس عظمت و تقدس کے عنوان سے بیان کیا جا رہا ہے ہرگز وہ ایسا فحش اور بے ہودہ واقعہ نہیں ہو سکتا جس سے ہر حیا رکھنے والا انسان نفرت کرتا ہو اور کیا قرآنی عظمت اس بات کو گوارہ کرتی ہے کہ ایسا قصہ

اس اہمیت و خصوصیت سے بیان کیا جائے غرض کسی نوعیت سے بھی اس مشہور کردہ واقعہ کی صحت کی کوئی گنجائش نہیں۔

آیات مذکورہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی صفات کمال

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی دس صفات کمال بیان کیں اور اسکے بعد ھَلْ اَتٰکَ نَبَؤُا الْخَصْمِ کے عنوان سے یہ قصہ ذکر فرمایا ہے جس سے داؤد علیہ السلام کی مدح و ثنا اور تعظیم مقصود ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے اور، اوریاہ شوہر کے قتل کا قصہ جو اسرائیلیات سے نقل کیا گیا ہے وہ سراسر باطل ہے کیونکہ یہ قصہ ان دس صفات کمال کے صریح خلاف ہے جو اللہ نے انکی مدح و ثنا اور منقبت میں بیان کی ہیں جن کی تفصیل گذر چکی یہ قصہ تو کسی بدتر فاسق و فاجر کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے کیونکہ ہر سننے والا اس سے نفرت و بیزاری ظاہر کرے گا اور صاحب قصہ پر لعنت بھیجے گا لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کے برگزیدہ پیغمبر معصوم کی طرف ایسے قابل نفرت واقعہ کی نسبت کی جائے **دوم** یہ کہ اس قصہ کا تو حاصل یہ ہے کہ صاحب واقعہ ایسا شخص ہے کہ نفس کی خواہش اور طمع نے اسکو اس قدر ایمانی شعور سے بعید کر ڈالا ہے کہ اس کو کسی کے قتل کے ارتکاب میں اور اسکے بعد اسکی بیوی کو حاصل کرلینے میں کوئی تامل نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ جو چیز کسی ادنےٰ مومن کے لیے بھی قابل تصور نہ ہو وہ نبی معصوم کے حق میں کیسے تصور کی جاسکتی ہے **سوم** یہ کہ ایسا کام کرنے والا تو نفس اور شہوت کا بندہ ہوا نہ کہ اللہ کا بندہ وہ کیونکر اس لائق ہوسکتا ہے کہ خدا اسکو یوں کہے "ہمارا بندہ"، **چہارم**۔ یہ کہ جو شخص کسی کی عورت کو دیکھ کر بے صبر اور بے قابو ہو جائے تو ایسے واقعہ کو خداوند عالم اپنے پیغمبر کو صبر کی تعلیم و تلقین کے طور پر کیسے بیان فرما سکتا ہے اور یہ کہنا کیونکر ممکن ہوتا اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا کہ آپ صبر کیجیے ان باتوں پر جو یہ کہہ رہے ہیں سوال ہوگا کہ کیا صبر کی تعلیم و تلقین کے موقع پر ایسا ہی واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور کیا ایسا ہی صبر کیا جائے جیسا کہ اس صاحب واقعہ نے صبر کیا استغفر اللہ۔ **پنجم**۔ یہ کہ قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمایا گیا ہے یہ ہیں وہ انبیاء جن کو خدا نے ہدایت دی ہے تو اے ہمارے پیغمبر آپ بھی انکی اقتداء کیجیے تو کیا ایسے شخص کی اقتداء کا حکم دیا جانا ممکن ہے **ششم**۔ یہ کہ ان کو ذَاالْاَیْدِ قوت و طاقت والا کہا گیا جو شخص اپنے نفس پر ہی قابو نہ پاسکے وہ کہاں سے طاقت والا ہوا اور کہاں اس قابل ہوا کہ قرآن کریم میں اسکو قوت و ہمت والا کہہ کر متعارف کرایا جائے **ہفتم**۔ یہ کہ انکو اَوَّابٌ خدا کی طرف رجوع کرنے والا فرمایا گیا تو یہ قصہ تو ظاہر کرتا ہے کہ وہ صاحب واقعہ فسق و فجور کی طرف رجوع کرنے والا تھا نہ کہ اللہ اور اسکی اطاعت و بندگی کی جانب اور صرف

یہی نہیں بلکہ ان کا تو اللہ کی طرف رجوع وانابت کا یہ مقام فرمایا گیا کہ پہاڑ اور پرند بھی انکی تسبیح کے ساتھ ہمنوا ہوتے تو کیا جو شخص کسی کی جان اور عزت وآبرو کی پروا نہ رکھتا ہو وہ اس کرامت وعظمت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ ہشتم: یہ کہ حضرت داؤدؑ کے ملک کو اللہ نے فرمایا وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ کہ ہم نے ان کا ملک مضبوط کیا تھا تو جس ملک میں قتل اور فسق وفجور سے امن نہ ہو اور کسی کی جان وآبرو کا تحفظ نہ ہو سکے تو برگزیدہ ملک مضبوط نہیں ہو سکتا نہم: یہ کہ داؤد علیہ السلام کی شان میں فرمایا گیا وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ کہ ہم نے ان کو علم ومعرفت اور حکمت سے نوازا تھا اور حکمت نام ہے کمالات علمیہ اور عملیہ کا اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص جو اس قسم کے افعال کا مرتکب ہو وہ حکیم اور صاحب حکمت کیونکر ہو سکتا ہے دہم: یہ کہ ان کے حق میں فصل الخطاب یعنی فیصل کن بات کہنے کی قوت وصلاحیت دی کہ ہر بات عدل وانصاف کی ترازو میں تلی ہوتی ہو تو کیا ایسا شخص جو اس قسم کی برائیوں کا ارتکاب کرتا ہو اسکو یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اسکی ہر بات عدل وانصاف کی ترازو میں تلی ہوتی ہے۔

بہرکیف یہ دس وجوہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی صفات فاضلہ وہ ہیں جن کو نہایت صراحت کے ساتھ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے پھر یہ کہ کلام کی ابتداء انکی مدح وثنا سے اور انتہا ایسی بے پایاں عنایات نوازش سے کہ اِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ بے شک انکے واسطے ہمارے یہاں خاص ہی قرب وفضیلت کا درجہ ہے اور بہترین انجام ہے اور آخر یہ کہ خلافت برحق کے اعزاز سے نواز دیا گیا تو ان وجوہ کے پیش نظر یہ بات بلا تردد وتامل تسلیم کرنی پڑے گی کہ یہ قصہ محض یہودیوں کا من گھڑت افسانہ ہے جس کے ذریعہ وہ اللہ کے اولوالعزم پیغمبروں کے تقدس کو پامال کرنا چاہتے ہیں اسی وجہ سے جمہور مفسرین اور محققین علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ واقعہ بلا شبہ کذب اور افتراء ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ، علامہ ابن الجوزیؒ، قاضی ابوالسعودؒ، قاضی بیضاویؒ، قاضی عیاضؒ، امام رازیؒ، علامہ ابوحیانؒ، زمخشریؒ، علامہ خازنؒ، ابن حزمؒ، علامہ خفاجیؒ، شیخ احمد بن نصرؒ اور متاخرین مفسرین میں علامہ محمود آلوسی البغدادیؒ صاحب تفسیر روح المعانی غرض ہر قرن اور دور کے مفسرین اس قصہ کے کذب وافتراء ہونے پر اتفاق کرتے رہے ہیں اور حافظ ابو محمد ابن حزمؒ نے تو اپنی کتاب "الفصل" میں بڑی شدت کے ساتھ اس قصہ اور اس کے قریب جو باتیں بعض مفسرین نے بیان کیں انکی تردید کی ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ یہ بات قطعی ہے کہ یہ قصہ عصمت انبیاء کے منافی ہے اور عصمت انبیاء دین کی بنیاد ہے ظاہر ہے کہ اللہ کا دین اسکے احکام انبیاء ہی کے ذریعے تو بندوں تک پہنچتے ہیں حضرات انبیاء خدا کے سفیر اور نمائندہ ہوتے ہیں اگر وہ معصوم نہ ہوں تو پھر انکی سفارت ہی کہاں سے قابل اعتماد ہو سکتی ہے اور ان کے لاتے ہوئے احکام اور ان کا اسوۂ ہدایت اور فلاح وسعادت کیونکر ہو سکتا ہے عصمت انبیاء کا مسئلہ تو ایسے اصول مسلمہ میں سے ہے کہ کسی آیت کی تفسیر یا روایت کی

تشریح اور واقعہ کی توضیح و تفصیل میں اسکو ایک لمحہ کیلئے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔
الغرض یہ ہیں وہ دلائل اور وجوہ جن کے پیش نظر ان آیات کی تفسیر میں اس قصہ یا اس کے قریب دیگر ایسی روایات کو کسی درجہ میں بھی قابل قبول نہیں تصور کیا جاسکتا یقیناً ان تمام آیات کی تفسیر اس قصہ سے ہٹ کر ہی کی جائے گی۔

تفسیر آیات مشتمل بر قصۂ داؤد علیہ السلام

گذشتہ تحقیق و تفصیل سے یہ چیز تو واضح ہوگئی کہ یہ قصہ جو بعض مفسرین کی کتابوں میں مذکور ہونے کی وجہ سے مشہور ہوگیا لغو اور بے اصل بلکہ اصول شریعت اور خود قرآن کریم کی تصریحات کے قطعاً منافی ہے اس کے بعد اب ہم ان آیات کی تفسیر و توضیح کی طرف حق تعالیٰ شانہٗ کی توفیق و اعانت سے متوجہ ہوتے ہیں جو روایت و درایت اور اصول شریعت سے بھی مطابق ہو اصل مقصد بیان اور سیاق و سباق سے ربط بھی معلوم ہو جاتے اور یہ بھی معلوم ہو جاتے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے مقدمہ پیش کرنے والے کون تھے اور مقدمہ کے فیصلہ پر حضرت داؤد کے اس گمان کا کیا مطلب ہے کہ انکی آزمائش کی گئی ہے اور اس پر توبہ و استغفار میں منہمک ہو جانا کس وجہ سے تھا پھر یہ کہ آخیر میں بیان کردہ ثمرہ و نتیجہ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ کس طرح بیان کردہ اس واقعہ پر مرتب ہو رہا ہے و باللہ التوفیق وھو یھدی الی الحق و الی صراط مستقیم۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اور امام رازیؒ کی اختیار کردہ تحقیق کے پیش نظر آیات مذکورہ کی مراد اس طرح سمجھ میں آتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ابتداء سورت میں قرآن کریم کی عزت و عظمت کو بیان فرمایا اور اسکے بالمقابل کفار مکہ کے جہل اور بے ہودہ اعتراضات کا رد فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ کہ آپ صبر کیجئے ان باتوں پر جو یہ کہتے ہیں اور یاد کیجئے ہمارے بندے داؤدؑ کو کہ یہ اپنی تمام تر عظمتوں دینی و دنیوی عزتوں کے باوجود کیسے صابر اور اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنے والے تھے انکے صبر کا تو یہ عالم تھا کہ کسی بھی نامناسب بات یا کسی طرف سے بے ادبی یا تکلیف دہ چیز پر انتہائی حلم اور صبر کا معاملہ کرتے حالانکہ خدا تعالیٰ نے انکو ایسی سلطنت اور دبدبہ دیا تھا کہ وہ کسی بھی کوتاہی اور لغزش پر جو چاہتے سزا دینے یا توبیخ و تنبیہ کرتے چنانچہ ایک دفعہ جب کہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ناگہاں دو شخص ایک خصومت و جھگڑا لے کر انکے عبادت خانہ کی محراب پھلاند کر اندر پہنچ گئے جب کہ وہ دن داؤد علیہ السلام کی عبادت کا تھا کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی لیکن یہ لوگ غیر اصولی طریقہ سے بلا اجازت دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اس پر داؤد علیہ السلام طبعی طور پر گھبراتے تو بے شک کہ یہ کون ہیں کیسے اندر آگئے اور کیا ارادہ ہے ان خیالات سے گھبراہٹ طبعی امر ہے لیکن صبر و تحمل سے کام لیا نہ انکی بے قاعدگی پر تنبیہ کی اور نہ ہی کوئی سزا دی حالانکہ دنیا کے معمولی

حکام اور بادشاہ بھی بلا اجازت اس طرح گھس آنے والوں کو برافروختہ ہو کر عتاب و ملامت کا مورد ہی نہیں بلکہ سزا بھی دیتے ہیں ان دونوں نے آکر اپنی خصومت بیان کرنی شروع کی اور یہ مقدمہ کوئی حقیقی خصومت نہ تھی بلکہ حضرت داؤدؑ کے لیے من جانب اللہ ایک امتحان و آزمائش و تنبیہ کے طور پر دو فرشتوں کو بصورتِ مدعی و مدعیٰ علیہ بھیجا گیا تاکہ جو ایک مرتبہ داؤد علیہ السلام کو ایک خیالِ اعجاب و خود پسندی کے درجہ میں واقع ہوا تھا اس پر تنبیہ ہو جائے مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں ایک بار محض اللہ کے انعام کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا اے پروردگار داؤدؑ کے گھرانہ میں رات اور دن میں سے کوئی ساعت ایسی نہیں گزرتی جس میں آلِ داؤد میں سے کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (نماز، ذکر و تسبیح) میں مشغول نہ رہتا ہو کیونکہ داؤد علیہ السلام نے شب و روز کے چوبیس گھنٹوں کو اپنے گھر والوں پر نوبت بہ نوبت عبادت کے لیے اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ ایک لمحہ کے لیے ان کا عبادت خانہ عبادت سے خالی نہ رہنے پاتے اور خود اپنی ذات کے لیے دن مقرر کر رکھے تھے اور جو دن عبادت کا مقرر تھا اس میں اسکے سوا اور کوئی کام انجام نہ دیتے ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ یہ میرا حسن انتظام ہے کہ میں نے اپنے معمولات کو کیسا مرتب کر رکھا ہے کہ اس میں بحمد اللہ کوئی خلل نہیں آتا اللہ رب العزت کو یہ بات حضرت داؤدؑ کے مقام کے لحاظ سے ناپسند ہوئی اس بات میں اگرچہ اللہ ہی کا شکر تھا اور اسکی حمد و تعریف تھی مگر پھر ایک طرح اعجاب و خود پسندی کا شائبہ تھا انبیاء علیہم السلام کا مقام اس قدر عالی و بلند تر ہوتا ہے کہ یہ معمولی شائبہ بھی خدا کو ناپسند ہوا کیونکہ بڑوں کی معمولی اور چھوٹی بات بھی بڑی اور قابلِ گرفت سمجھی جاتی ہے[۱]۔

بعض روایات میں ہے ارشاد ہوا اے داؤدؑ! یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اگر ہماری توفیق و مدد شاملِ حال نہ ہو تو تو اس چیز پر قدرت نہیں پا سکتا خواہ ہزار کوشش کر لے اور نہ ہی نبھا سکے گا قسم ہے میری عظمت و جلال کی میں ایک روز تجھ کو اپنے نفس کے سپرد کر دوں گا (یعنی اپنی مدد ہٹا لوں گا) پھر دیکھنا کہاں تک تو اپنی عبادت و معمول کو برقرار رکھ سکتا ہے عرض کیا اے پروردگار مجھے اس دن کی خبر کر دیجیے پس اسی روز قدرتِ خداوندی سے یہ معاملہ پیش آیا اور اس طرح اس آزمائش میں مبتلا

---

[۱] شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ مدارج السالکین ص۹۹ ج ۱ فرمایا بعض آثار میں ہے کہ بندہ اگر کوئی نیکی کر کے یہ کہتا ہے کہ اے پروردگار میں نے یہ کام کیا میں نے صدقہ کیا میں نے نماز پڑھی میں نے کھانا کھلایا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور میں نے تیری مدد کی میں نے تجھ کو توفیق دی" اور جب بندہ کہتا ہے اے پروردگار تو نے میری مدد کی تو نے مجھ کو توفیق بخشی اور تو نے مجھ پر احسان فرمایا تو اللہ تعالیٰ یہ کہتا ہے" اور تو نے عمل کیا ، ———— تو نے ارادہ کیا، تو نے یہ نیکی کی" (فوائد قرآن کریم شیخ الاسلامؒ)

کیے گئے چنانچہ وہ فریقین ایک خصومت لے کر اندر گھس آئے اور ایک نے دوسرے کے ظلم و تعدی کی داستان بیان کرنی شروع کر دی اسکے سننے کے بعد یہ فرماتے ہیں لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ کہ اسے شخص بے شک تیرے ساتھی نے تجھ پر ظلم کیا ہے اس بات کا مطالبہ کر کے کہ تیری دُنبی بھی اپنی دُنبیوں میں شامل کر لے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے شرکاء اسی طرح ایک دوسرے پر ظلم کیا کرتے ہیں بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور عمل کریں تو اس طرح کی بات چیت اور مقدمہ کے سننے میں اور اس پر اس طرح کے اظہارِ خیال میں سلسلۂ عبادت منقطع ہو گیا اور وہ معمول برقرار نہ رہ سکا جس پر وہ ایک نوع کا خیال آیا تھا فوراً ہی چونک گئے اور سمجھ گئے کہ یہ خدا کی طرف سے میری آزمائش تھی جس کے ذریعہ مجھے یہ دکھلایا گیا کہ باوجود انتہائی کوشش کے کوئی بھی اپنے معمول و عبادت کو بغیر توفیق اور مدد خداوندی باقی نہیں رکھ سکتا[1] حالانکہ پہرے دار تھے پوری حفاظت و نگرانی تھی معمول مقرر تھا اور اس پر پابند بھی تھے لیکن ناگہاں کس طرح دو شخص تمام انتظامات کو درہم برہم کر کے اندر داخل ہو گئے اور اپنی خصومت و گفتگو میں مصروف کر کے عبادت میں انقطاع و خلل پیدا کر دیا اسی چیز کو فتنہ و آزمائش کے عنوان سے وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ میں تعبیر کیا گیا لفظ فتنہ کا اطلاق اس جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک حدیث[2] میں آتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک دن خطبہ دے رہے تھے سامنے نظر پڑی حسن و حسین رضی اللہ عنہما بچپن میں جس طرح بچے قمیص میں لڑکھڑاتے پھرتے ہیں اسی طرح سامنے سے آرہے ہیں آپ سے صبر نہ ہو سکا خطبہ قطع کیا منبر سے اترے اور انکو اٹھا لیا اور پھر ارشاد فرمایا صدق اللہ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ یہ آرہے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا یہاں تک کہ مجھے اپنی بات قطع کرنی پڑی تو جیسے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں پر نظر پڑنے اور اس وجہ سے خطبہ کو کچھ لمحہ کے لیے روک دینے کو فتنہ سے تعبیر کیا بالکل ایسا ہی یہاں محسوس ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے عبادت میں خلل و انقطاع کو فتنہ سمجھا اور خداوند عالم نے انکے اس تاثر اور تخیل کی اسی لفظ کے ساتھ تعبیر کردی وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ

داؤد علیہ السلام کے ذہن میں اس خیال کا آنا تھا کہ گھبرا گئے اور فوراً توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے

---

[1] حاکمؒ نے مستدرک میں اس روایت کو بیان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ صحیح الاسناد ہے ذہبیؒ نے تلخیص میں اس کو درست قرار دیا۔

[2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے جس کو امام ترمذیؒ ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے اپنی سنن میں تخریج کیا ہے ۱۲ -

اور اس قدر انابت الی اللہ کا رنگ غالب آیا کہ سربسجود ہوتے بارگاہِ خداوندی میں تضرع وزاری کرنے لگے اسی کیفیت کو بیان فرمایا جارہا ہے فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ظاہر ہے کہ ایک ایسی معمولی تحریک پر یہ آہ وزاری اور سجدہ میں گر پڑنا اور توبہ واستغفار میں مصروف ہوجانا بہت ہی عظیم مقام ہے خشیت خداوندی اور انابت الی اللہ کا اس توبہ واستغفار کی عظمت اور سجود وانابتِ الی اللہ کا مقام اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا ایک شخص[۱] نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بیان کیا یارسول اللہ آج رات میں نے اپنے آپ کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ میں ایک درخت کے پیچھے کھڑا نماز پڑھ رہا ہوں میں نے سجدہ کیا تو درخت بھی میرے ساتھ سجدہ میں گر پڑا میں نے یہ سنا درخت یہ تسبیح پڑھ رہا ہے اَللّٰھُمَّ اکتب لی بھا عندك اجرًا وحط عنی بھا وزرًا واجعلھا لی عندك ذخرا و تقبلھا منی کما تقبلت من عبدك داؤد علیہ السلام اے اللہ تو اس سجدہ کی وجہ سے اپنے یہاں میرے لیے ایک اجر لکھ دے اور اسکی وجہ سے ایک گناہ معاف فرمادے اور اپنے یہاں اس سجدہ کو میرے واسطے ذخیرہ بنالے اور تو اس سجدہ کو ایسا ہی قبول فرمالے جیسا کہ تو نے اپنے بندہ داؤد علیہ السلام سے قبول کیا ابن عباسؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب سنتے ہی آیت سجدہ تلاوت فرمائی (ظاہر یہی آیت سجدہ تلاوت فرمائی ہوگی جو حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ پر مشتمل ہے یعنی وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ) اور پھر سربسجود ہوتے اور میں نے سنا آپ وہی کلمات پڑھ رہے ہیں جو اس شخص نے درخت سے سنے ہوتے الفاظ نقل کیے تھے اسی حد تک بات نہیں بلکہ اس سجدہ داؤدی کا تو یہ مقام ہے مجاہدؒ بیان کرتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے یہ دریافت کیا کہ کیا میں سورۃ ص میں سجدۂ تلاوت کیا کروں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ ــــــــ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ تک ــ: اور فرمایا تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو تو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ان حضرات انبیاءؑ کی پیروی کریں اور ظاہر ہے کہ جب داؤد علیہ السلام کا سجدہ میں گر پڑنا اس آیت میں بیان کیا جارہا ہے اور ان کی پیروی کا حکم خود تمہارے پیغمبر کو دیا گیا تو تم پر بدرجۂ اولی اس کی تعمیل ضروری ہوگی اس حدیث نے سجدۂ داؤد علیہ السلام کی جو عظمت ظاہر کی وہ اظہر من الشمس ہے تو ظاہر ہے کہ ایک معمولی سی بات (جو صرف اس حد تک تھی کہ شکرِ خداوندی کے ساتھ خود پسندی کا شائبہ محسوس ہونے لگا تھا) پر ایسی توبہ واستغفار اور تضرع وانابت الی اللہ کے ساتھ سربسجود ہونا بے شک ایسے ہی انعام

---

[۱] یہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تھے شیخ جزریؒ نے تصحیح المصابیح میں اسی کی تصریح کی ہے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح ۱۲۔

کا ذریعہ ہو سکتا ہے جس کو ارشاد فرمایا گیا فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ

معمولی سی بات پر ایسی بے قراری اور تضرع و زاری سے بندہ کے مقامات اس قدر بلند ہوتے ہیں کہ برس ہا برس کی عبادات بھی اسکو ایسے عظیم اور بلند مقام پر نہیں پہنچا سکتیں اس بنا پر اس توبہ و استغفار پر خلافت فی الارض کا عظیم ثمرہ و انعام مرتب ہوا جسکو یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ میں ذکر فرمایا گیا کہ اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنا دیا لہٰذا تم اسی کے حکم پر چلو اور معاملات کے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ کرتے رہو کبھی کسی معاملہ میں خواہشِ نفس کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے

رہا یہ امر کہ مقدمہ میں خصومت کرنے والوں نے جو صورت مقدمہ پیش کی اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ اس کا کوئی تعلق حضرت داؤدؑ کے کسی واقعہ سے نہیں اور نہ ان الفاظ میں انکی کسی بات کی طرف تلمیح و اشارہ ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاملات میں پیش آنے والے مظالم و زیادتیوں کا بیان ہے کہ اس طرح ہر طاقتور اپنے کمزور بھائی پر ظلم کرتا ہے اور انسان کی حرص کی کوئی انتہا نہیں حتیٰ کہ اگر اسکے پاس ۹۹ دنبیاں ہوں اور اسکے غریب بھائی کے پاس صرف ایک ہی بکری ہو تو وہ یہی چاہے گا اور اپنی امکانی حد تک یہی تدبیر کرے گا کہ اس غریب بھائی کی وہ ایک بکری بھی قبضا لے۔

رہی یہ بات کہ اس ظلم و تعدی کی روش کو بیان کرنے میں دنبیوں کا کس وجہ سے ذکر کیا گیا ؟ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں زیادہ تر معیشت کا مال بکریاں ہی ہوتی ہوں اور یہ تعبیر ایسی ہی ہو جس طرح کہ بعض احادیث میں مال و دولت کے تمول کے سلسلہ میں اونٹوں کا ذکر ہے مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے آپؐ کا ارشاد لئن یھدی اللہ بك رجلاً واحداً خیر لك من حمر النعم اے علی اگر تیرے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہی ہدایت دے دے تو یہ تیرے واسطے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہوگا اور کتاب فضائل القرآن میں ہے اگر کوئی شخص صبح ہی صبح مسجد میں دو آیتیں کتاب اللہ کی کسی کو سکھا دے تو دو اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین آیات تین اونٹنیوں سے بہتر اور اسی طرح جس قدر تعداد آیات کتاب اللہ کی تعلیم دے گا اتنی ہی تعداد اونٹنیوں سے بڑھ کر ہوگا علیٰ ہٰذا القیاس بہت سی احادیث میں اسی طرح کا عنوان ذکر فرمایا گیا تو یہاں ان آیات میں دنبیوں کا ذکر اس زمانہ کے قابل قدر مال ہونے کی حیثیت سے ہو سکتا ہے نہ یہ کہ اس سے کسی خاص پیش آمدہ واقعہ کی طرف تلمیح و اشارہ ہو اور ننانوے کا عدد جمع میں انتہائی عدد ہے اور ایک عدد قلت میں سب سے آخری درجہ رکھتا ہے اس وجہ سے ظالم کا باوجود کثرت مال کے غریب و تنگدست پر جو انتہائی غربت و افلاس کے مقام پر ہو ظلم و تعدی کرنا ننانوے اور ایک کے عدد سے تعبیر کیا گیا۔

بعض حضرات مفسرین کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی وہ لغزش جس پر من جانب اللہ تنبیہ کی گئی یہ تھی کہ انہوں نے محض مدعی کے بیان پر ایک کو ظالم اور دوسرے کو مظلوم کے درجہ میں قرار دے کر یہ فرمایا لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ حالانکہ اولاً یہ چاہیے تھا

کہ مدعی کے دعویٰ کے بعد مدعیٰ علیہ سے وضاحت طلب کرتے پھر مدعی سے بینہ اور ثبوت طلب کرتے اسکے بعد یہ فرماتے مگر بظاہر قرائن مؤیدہ کے باعث سمجھ لیا کہ واقعی ان میں سے ایک تعدی کر رہا ہے اور دوسرا اس صورتِ حال میں مظلوم ہے تو قانون سماعت دعویٰ میں بظاہر کچھ کمی رہ گئی تھی تو اس پر فوراً ہی متنبہ ہو کر استغفار و دعا اور تضرع میں مصروف ہو گئے۔

خلیفہ اور بادشاہ میں فرق

ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انعاماتِ خداوندی میں سے خلافت فی الارض کے انعام و اعزاز سے نوازنے کا ذکر فرمایا گیا نبوت و رسالت تو پہلے ہی عطا فرما دی گئی تھی مزید انعام یہ فرمایا کہ اس کے ساتھ سلطنت و حکومت سے بھی نواز دیا گیا اور ساتھ ہی اس عظیم منصب کی اہم ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلادی کہ (۱) فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ: اے داؤدؑ لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنا (۲) وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى کہ خواہش نفس کی کبھی پیروی نہ کرنا کیونکہ عدل و انصاف کے قیام میں اصل رکاوٹ خواہشاتِ نفس ہیں اس لیئے یہ بات ظاہر ہے کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے والا کسی طرح بھی عدل قائم نہیں کر سکتا اور خلافت الٰہیہ کی اصل حقیقت قیام عدل ہی ہے ان دو بنیادی ذمہ داریوں کو بیان فرماتے ہوئے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ انکی اساس فکر آخرت ہے فکر آخرت سے عدل بھی قائم کیا جا سکتا ہے اور ہولتے نفس سے بھی انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔

ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے خلیفہ اور بادشاہ میں فرق کے موضوع پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ایک بار حضرت عمرؓ نے طلحہؓ، زبیرؓ کعب احبارؓ اور سلمان فارسیؓ سے دریافت کیا کہ بتاؤ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے حضرت سلمانؓ نے کہا خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور مالِ غنیمت برابر تقسیم کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جیسے اپنے اہل و عیال پر کرتا ہو کعب احبار کہنے لگے میرا خیال تو یہ تھا کہ یہ معنی اس مجلس میں میرے علاوہ شاید کوئی اور شخص نہ جانتا ہو۔

سلیمان بن ابی العوجاءؒ سے روایت ہے کہ ایک روز عمر فاروقؓ اپنی مجلس میں یہ فرمانے لگے میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ حاضرینِ مجلس میں سے ایک شخص بولا اے امیر المؤمنین خلیفہ اور بادشاہ میں بیّن فرق ہے اور وہ یہ کہ خلیفہ مال نہیں لیتا مگر حق کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتا مگر حق کے ساتھ اور آپ بحمد اللہ ایسے ہی ہیں اسکے برعکس بادشاہ ظلم کرتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے لے لیتا ہے اور جسے چاہے دیتا ہے (اور خدا کے فضل سے آپ ایسے نہیں ہیں) یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ رونے لگے بعض روایات میں ہے کہ امیر معاویہؓ جب منبر پر بیٹھتے تو یہ کہا کرتے۔ خلافت نہ مال جمع کرنے کا نام ہے اور نہ خرچ کرنے کا، بلکہ خلافت اس کا نام ہے کہ حق پر عمل کرے اور فیصلہ میں عدل

کرے اور لوگوں کو حکم الٰہی پر قائم کرے ازالۃ الخفاء ص۔

ان آخری کلمات میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اصل حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے کیونکہ اس کا کام تو احکام الٰہیہ کا نفاذ ہے اس لحاظ سے اس عظیم ذمہ داری کے انجام دینے کے لیے ایک خاص ہدایت یہ فرمادی گئی فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ کہ حق کے مطابق فیصلہ کرنے اور اقامت عدل میں نفس کی خواہشات حائل نہ ہوں تو اس سے اجتناب کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى کہ نفس کی خواہش کی پیروی ہرگز نہ کرنا اور ساتھ اتباع ہویٰ اور نفس کی پیروی کا نتیجہ بھی بیان کر دیا گیا فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ کہ خدا کی راہ سے بھٹکنا ہے اور خدا کی راہ سے بھٹکنے اور گمراہ ہو جانے کا انجام عذاب آخرت ہے تو ان چند الفاظ ہی میں گویا اسلامی سلطنت کے فرمانروا کی حیثیت و حقیقت اسکی ذمہ داریاں اور ذمہ داریوں کو انجام دینے میں رکاوٹ پیدا کرنے والے اسباب اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج و ثمرات بیان فرما دیے گئے اب اسی مناسبت سے آئندہ آیات وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ میں تخلیق کائنات کی غرض اور دنیا میں انسانی حیات کا مقصد ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو انکے بیچ ہے نکما یہ خیال ہے انکا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ؀۲۷

جو منکر ہیں سو خرابی ہے منکروں کو آگ سے

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ

کیا ہم کریں گے ایمان والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں برابر انکے جو خرابی ڈالیں

فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ؀۲۸ كِتٰبٌ

ملک میں ؛ کیا ہم کریں گے ڈر والوں کو برابر ڈھیٹھ لوگوں کے ایک کتاب ہے

اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ

جو اُتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تا دھیان کریں اسکی باتیں اور تا سمجھیں

اُولُوا الْاَلْبَابِ ؀۲۹

عقل والے

بیان حکمت تخلیق کائنات واثبات حشر وذکر عظمت کتاب خداوندی

قال اللہ تعالیٰ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ .... الی .... وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

گذشتہ آیات کا مضمون حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کی ذمہ داریوں کے بیان اور اس میں اتباع نفس کے حائل ہونے اور اسکے انجام پر ختم ہوا تھا اسکے بعد اب ان آیات مبارکہ میں تخلیق کائنات کی حکمت بیان فرمائی جارہی ہے اور چونکہ حیات دنیوی آخرت کی تیاری کیلئے ہے تو اجمالاً حشر کا اثبات بھی فرمایا جارہا ہے اور یہ کہ قرآن کریم وہ کتاب مبارک ہے جسکی آیات میں تدبر اور ایمان وتقویٰ اور کفر و نافرمانی اور صلاح وفساد میں فرق واضح کر کے انسانوں کے دو گروہ متعین کرتا ہے ایک گروہ صالحین ومطیعین کا دوسرا مفسدین ومجرمین کا دھریہ اور نیچری قیامت کے منکر ہیں اور انکا یہ گمان ہے کہ دنیا ہمیشہ سے اسی طرح چلی آرہی ہے اور آئندہ بھی اسی طرح چلتی رہے گی لوگ پیدا ہوتے رہیں گے اور مرتے رہیں گے اور یہ سلسلہ غیر متناہی طور پر جاری رہے گا برہمن اور ہندو بھی قیامت کے قائل نہیں بلکہ وہ تناسخ کا عقیدہ رکھتے ہیں یعنی انسان مرنے کے بعد کسی دوسرے جنم میں چلا جاتا ہے اور یہ دوسرا جنم گذشتہ جنم کی بھلائی اور برائی کے مطابق ہوتا ہے تو ان آیات میں ایسے مہمل عقائد کا بھی ابطال ورد فرمایا جارہا ہے اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان وزمین اور جو کچھ انکے درمیان ہے بیکار اور خالی از حکمت بلکہ ان میں بے شمار حکمتیں ہیں اور سب سے بڑی حکمت یہ کہ کائنات کی ہر موجود چیز خدا کی قدرت ووحدانیت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ اس زندگی کے بعد آخرت کی زندگی برحق اور یقینی ہے اسکے واسطے انسان کو تیاری کرنے کی ضرورت ہے یہ تو خیال ہے کافروں کا کہ اس حیات کے بعد پھر کوئی حیات نہیں اور حشر ونشر اور جزاء وسزا نہیں ہے پس ہلاکت وتباہی ہے ان کافروں کے لیے جہنم کی آگ سے ظاہر ہے کہ ان کافروں نے آخرت اور عذاب آخرت کا انکار کر کے اپنے واسطے جہنم کی آگ اختیار کر لی ہے۔

آسمان وزمین اور انکے درمیان جملہ موجودات حق تعالیٰ کی قدرت وخالقیت اور کمال حکمت کی واضح دلیل ہیں ان دلائل وحقائق کو نہ ماننے والے مجرم ونافرمان اور باغی ومفسد ہیں اور ان پر ایمان ویقین رکھنے والے مؤمنین ومتقین ہیں اور یقیناً ان دونوں گروہوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہ دونوں گروہ ہرگز ایک طرح کے نہیں ہو سکتے تو کیا ہم ان لوگوں کو جو کہ ایمان لاتے اور انہوں نے اچھے کام کیے ان کے برابر کر دیں گے جو کفر ونافرمانی کر کے دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا بالفاظ دیگر یوں کہہ لو کہ کیا ہم پرہیزگار اور تقویٰ والوں کو بدکاروں اور فاجروں کے برابر کر دیں گے نہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ جس حکمت کے باعث تخلیق کائنات کی گئی اسکے پیش نظر بھی ضروری ہے کہ ایمان وتوحید کے ساتھ طاعت گذاروں کو نجات وانعامات کا مستحق قرار دیا جائے اور فساق وفجار اور کفر ونافرمانی کے ذریعے زمین میں فساد

برپا کرنے والوں کو عذاب جہنم کا مستحق بنایا جائے یہی وہ قانون حکمت ہے جس کا ترجمان یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی بابرکت ہے اس غرض سے کہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور اس حقیقت کو معلوم کرکے اور سمجھ کے اس سے اہل فہم نصیحت حاصل کریں کہ تخلیق کائنات کا یہی مقصد ہے اور حکمت خداوندی کا بھی یہی تقاضا ہے کہ عدل و انصاف قائم کرکے نیکوں کو نیکی کی جزاء اور بدکاروں کو بدکاری کی سزا دی جائے اس لیئے ضروری ہوا کہ کوئی وقت حساب وکتاب اور جزاء و سزا کا رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ وقت صرف آخرت اور یوم قیامت ہی ہو سکتا ہے کیونکہ دنیا تو دار العمل اور دار الامتحان ہے اور حقیقی جزا و سزا دوران عمل دار العمل اور دار الامتحان میں قائم نہیں کی جا سکتی اسلیئے کہ پھر دنیا کی زندگی میں خیر و شر کی آزمائش کا سلسلہ باقی نہ رہ سکے گا اس بنا پر مخبر صادق کی خبر اور فرمان خداوندی پر ایمان لاتے ہوئے قیامت کا اقرار کرنا پڑے گا اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آسمان وزمین اور جملہ کائنات کی تخلیق عبث و بیکار اور خالی از حکمت نہیں اور ظاہر ہے کہ نیک و بد کے انجام کی یہ تفریق کتاب ہدایت ہی کے ذریعہ بتائی جا سکتی تھی اس لیئے یہ کتاب مبارک حق تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی تاکہ اسکی بات میں تدبر اور غور و فکر سے اہل فہم عبرت و نصیحت حاصل کرلیں اور یقین کرلیں کہ مسئلہ مجازات اور معاد و آخرت عقل اور فطرت کے عین مطابق ہے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ اپنے فوائد قرآن کریم میں فرماتے ہیں شاید تدبّر سے قوت علمیہ اور تذکّر سے قوت عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہو کیونکہ ان ہی قوتوں کی تکمیل اور اصلاح سے انسانی سعادت کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔

✧ ✧ ✧

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ

اور دیا ہم نے داؤد کو سلیمان بہت خوب بندہ وہ ہے رجوع

اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝

رہنے والا جب دکھانے کو آئے اسکے سامنے شام کو گھوڑے خاصے

فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى

تو بولا میں نے چاہی محبت مال کی اپنے رب کی یاد سے یہاں تک

تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا

کہ چھپ گیا اوٹ میں پھیر لاؤ انکو میرے پاس پھر لگا جھاڑنے

بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا

پنڈلیاں اور گردنیں اور ہم نے جانچا سلیمان کو اور ڈال دیا

عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ

اسکے تخت پر ایک دھڑ پھر وہ رجوع ہوا بولا اے رب میرے معاف کر مجھ

وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ

کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ نہ چاہیے کسی کو میرے پیچھے بے شک

اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ

تو ہے بخشنے والا پھر ہم نے تابع کی اسکے باؤ چلتی اسکے حکم سے

رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ

نرم نرم جہاں پہنچا چاہتا اور تابع کیے شیطان سارے عمارت کرنیوالے

غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا

اور غوطے لگانیوالے اور کتنے اور بندھے ہوئے بیڑیوں میں یہ ہے

عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ

بخشش ہماری اب تو احسان کر یا رکھ چھوڑ کچھ نہیں حساب اور اس کو

عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا

قصۂ حضرت سلیمان علیہ السلام وبیان انابت الی اللہ

مع حکومت و سلطنت وجملہ انعامات دنیویہ

قال اللہ تعالیٰ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ..... اِلٰى .... وَحُسْنَ مَاٰبٍ

گذشتہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ اور انکو دین و دنیا کی نعمتوں اور حق تعالیٰ کی طرف سے خلافت فی الارض کے اعزاز سے نوازے جانے کا ذکر تھا اس ضمن میں خلافت الٰہیہ کا مقصد اس کی ذمہ داریوں اور ذمہ داریوں کی تکمیل میں جو چیزیں حائل ہوتی ہیں ان کا بیان کر کے تخلیق کائنات کی حکمت کا ذکر تھا اور یہ کہ نیک و بد کا انجام یوم حساب میں سامنے آ کر رہے گا اب ان آیات میں داؤدؑ کے فرزند حضرت سلیمانؑ کا واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے جو نبوت و سلطنت اور جملہ کمالات علمیہ و عملیہ کا حامل ہے حق تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک عظیم انعام ہے اس سے بڑھ کر کسی پر کیا انعام ہو سکتا ہے کہ اس کو سلیمانؑ جیسا فرزند نصیب ہوا اور خود سلیمان علیہ السلام کا کس قدر عظیم رتبہ ہے کہ انکو دین و دنیا کے ہر اعزاز اور ہر طرح کی نعمت سے نواز دیا گیا حتیٰ کہ ان کی حکومت جن و انس پر ہوئی ہوائیں اور پرند انکے تابع کر دیئے گئے غرض دونوں ہی کمالات و فضائل میں عجیب بلند مقام رکھنے والے تھے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ چنانچہ ارشاد فرمایا اور عطا کیا ہم نے داؤد کو سلیمان جیسا فرزند کیا ہی اچھے بندے تھے کہ خدا کی ——

—— عبودیت و بندگی ان کی زندگی کا ذوق بنی ہوئی تھی بے شک وہ خدا کی طرف بڑے ہی رجوع ہونے والے تھے چنانچہ ان کا وہ قصہ ایک یادگار اور قابل ذکر قصہ ہے جب کہ ایک روز شام کے وقت انکے سامنے اصیل اور عمدہ تیز رو گھوڑے بغرض جہاد پیش کیے گئے اور انکے دیکھنے میں اس قدر

ملہ العشی لغت میں زوال کے بعد سے غروب تک وقت کیلئے اطلاق کیا جاتا ہے۔

ملہ صافنات جمع صافن کی ہے بعض ائمہ لغت صافن بمعنی واقف بایں معنی عمدہ گھوڑے پر اطلاق کرتے ہیں کہ عمدہ گھوڑے اگلے قدم اٹھا کر پچھلے قدموں پر کھڑے ہو جاتے ہیں جو انکی نجابت و عمدگی کی نشانی ہوتی ہے چنانچہ ابو عبیدہؒ یہی بیان کرتے ہیں جیاد جمع جواد کی ہے تیز دوڑنے والے گھوڑے کو جواد کہتے ہیں بعض کا قول ہے کہ لمبی گردن کے گھوڑوں کو جیاد کہتے ہیں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا جہاد والے گھوڑوں کے ملاحظہ میں مشغول ہونا خود درحقیقت ایک عبادت تھا جس میں انہماک و اشتغال سے نماز عصر کا فوت ہونا ایسا ہی ہوا جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے غزوۂ احزاب میں پیش آیا تھا کہ سورج غروب ہو گیا اور نماز عصر نہ پڑھ سکے تو خدا کے پیغمبر سلیمان علیہ السلام کو یہ واقعہ غفلت سے العیاذ باللہ —— ہرگز نہیں پیش آیا بلکہ ایک عبادت میں انہماک و اشتغال دوسری عبادت کے فوت ہونے کا ذریعہ بنا اس پر سلیمانؑ کے رنج و غصہ کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ احزاب والے واقعہ میں وہ تھی جس کو حدیث نے بیان کیا کہ عمر فاروقؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے غروب شمس کے بعد اور کفار مکہ کو بد دعائیں دے رہے تھے کہ خدا ان کو ہلاک کرے یا رسول اللہ ؐ میں عصر کی نماز نہ پڑھ سکا حتیٰ کہ سورج غروب ہونے لگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر

دیر ہوگئی کہ دن چھپ گیا اور نماز عصر یا اس وقت کا کوئی معمول فوت ہوگیا جذبۂ جہاد اور اعداء اللہ سے قتال کا شوق قلب پر اس قدر غالب تھا کہ اس امر کا خیال نہ رہا کہ وقت نکلا جا رہا ہے اور ہیبت وجلال کے باعث کسی خادم کو اس بات کی جرأت نہ ہوئی کہ مطلع یا متوجہ کر دے جونہی وقت کے فوت ہونے پر تنبہ ہوا تو چونک کر کہنے لگے افسوس میں تو مال کی محبت میں لگ کر اپنے رب کی یاد سے یعنی نماز و معمول سے غافل ہوگیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا اور میری عصر کی نماز فوت ہوگئی اگرچہ جہاد کی تیاری اور جہاد کے لیئے گھوڑوں کا معائنہ بھی عبادت ہے لیکن ایمان کے بعد نماز سے اور فرائض سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں اس وجہ سے نماز کے فوت ہونے کا دل پر بے حد صدمہ ہوا اور اس رنج و صدمہ کی کیفیت میں خدام کو حکم دیا ان گھوڑوں کو میرے سامنے پھر لے آؤ چنانچہ جب وہ لائے گئے تو ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا یعنی اس ملال و رنج اور غصہ کی کیفیت میں سب کو ذبح کرنا شروع کر دیا اگرچہ یہ مال کی محبت نہ تھی بلکہ جذبۂ جہاد کے باعث تھا مگر صورت ایسی واقع ہوگئی کہ اس کا یہ اثر ہوا خواص اور مقربین کی یہی شان ہوتی ہے کہ اگر بال برابر بھی فرق ہو جائے تو غم اور فکر و پریشانی کی حد نہیں رہتی۔

گر زِ باغِ دل خلالے کم بود ٭ بر دل سالک ہزاراں غم بود

یہ بات ایسی ہی ہوتی ہے جس طرح ایک صحابی کو نماز میں اپنے باغ کا خیال آیا تو سلام پھیرتے ہی اسکو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا گیا گویا سلیمانؑ نے انکی اللہ کی راہ میں قربانی کر ڈالی اور ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں گھوڑے کا گوشت حلال ہو یا اسکی قربانی درست ہو یا یہ عمل شدتِ غضب میں واقع ہوا ہو بہرکیف حضرت سلیمانؑ جیسے برگزیدہ پیغمبر کی غیرتِ ایمانی نے اس بات پر ان کو آمادہ کیا کہ جس مال کے معاینہ میں نماز ضائع ہوئی اور وہ مال ذکر خداوندی سے غفلت کا سبب بنا اس کو اس طرح ختم کر دیا جائے یہ ایمانی غیرت اور ذکر خدا کی محبت کا یہ جوش اور غلبہ یقیناً قابل مدح واقعہ

نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم میں بھی نہیں پڑھ سکا اور آپ نے یہ کلمات فرمائے ملأ اللہ بیوتھم وفی روایۃ بطونھم وقبورھم نارا حبسونا عن الصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر۔ یعنی خدا تعالیٰ انکے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہمیں نماز عصر سے روکے رکھا تو یہاں اس قصہ میں سلیمان علیہ السلام کا رنج و غم اور غصہ اس طرح ظاہر ہوا کہ ان گھوڑوں کی کونچیں کاٹنے لگے یہی تفسیر اکثر ائمہ مفسرین نے اختیار کی ہے حافظ ابن کثیرؒ وَطَفِقَ مَسْحًا کا ایک مفہوم بروایت علی عبداللہ بن عباسؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے جذبۂ محبت اور مسرت کے ساتھ لیکن جمہور مفسرین نے اس تفسیر کو پسند نہیں فرمایا راجح قول یہی ہے کہ غم و غصہ میں انکی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنے لگے۔ ۱۲

تھا اس وجہ سے اس واقعہ کو اس عنوان سے ذکر فرمایا گیا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ کہ کیا ہی اچھے بندے تھے کہ کیسے اللہ کی طرف انابت ورجوع والے تھے شوقِ جہاد اور جذبۂ اعلاء کلمۃ اللہ اور قہر اعداء اللہ حضرت سلیمانؑ کی عظیم منقبت اور فضیلت کا قصہ تو تھا ہی اسی کے ساتھ ایک دوسرا قصہ بھی ذکر فرما دیا گیا جو انکے ایک ابتلاء وآزمائش کا تھا اور وہ بھی اسی طرح انکی عظمت وفضیلت کی ایک عظیم نشانی ہے اور یہ دونوں قصے انکے صبر واستقامت کی کامل ترجمانی کرنے والے ہیں اس لحاظ سے گویا داؤد علیہ السلام کا جو ایک خاص رنگ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ کا تھا وہ اس وراثتِ نسبی کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کو بطور وراثت کمالاتِ نبوت کے عطا کر دیا گیا۔

فرمایا اور بے شک ہم نے سلیمان علیہ السلام کو ایک اور طرح سے بھی آزمایا اور ان کے تخت پر لا ڈالا ایک ناتمام دھڑ جس سے وہ سمجھ گئے اور متنبہ ہوتے کہ یہ تو میرا امتحان کیا گیا اور اسی ندامت وپریشانی کی حالت میں پھر ہماری طرف رجوع کیا اور تضرع وزاری کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں دعا مانگنے لگے کہ میرے پروردگار میرا قصور معاف کر دیجئے جو ہم سے واقع ہوا اور آیندہ کے لیئے مجھ کو ایسی سلطنت عطا کر دیجئے جو میرے بعد کسی کو لائق وزیبا نہ ہو بے شک تو ہی بڑا دینے والا ہے کہ جو چاہے عطا فرما دے تیری بارگاہ میں نہ دعا کی قبولیت کوئی دشوار کام ہے اور نہ وہ چیز عطا کرنا دشوار ہے جو مانگی ہے پس ہم نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے تابع کر دیا ان کے ہوا کو وہ چلتی نرمی کے ساتھ جہاں وہ جانا چاہتے تو اس نعمت سے گھوڑوں سے مستغنی ہوگئے جن میں وہ جذبۂ جہاد کی وجہ سے مصروف ومنہمک ہوتے تھے اور اس انہماک واشتغال میں نماز کا وقت فوت ہو گیا تھا اور اس کے بعد رنج وغصہ میں ان کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں اور جنات وشیاطین کو بھی ان کے واسطے مسخر کر دیا جو ہر عمارت بنانے والے اور سمندروں میں غوطہ لگانے والے تھے کہ سلیمانؑ کا حکم پاتے ہی بڑی سے بڑی عمارتیں بنا ڈالیں اور سمندروں میں گھس کر ان کا حکم بجا لائیں اور بہت سے اور ایسے جن بھی ان کے واسطے مسخر کر دیئے جو زنجیروں میں جکڑے رہتے جو ان میں سے بعضوں کے تمرد اور سرکشی کی سزا بھی ہوتی یہ سب کچھ دے کر ہم نے سلیمانؑ سے کہہ دیا تھا اے سلیمانؑ یہ ہے ہماری عطا کہ ہوائیں اور جن بھی تمہارے تابع کر دیئے گئے جو دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے بادشاہ کو حاصل نہیں ہو سکی اب تم جس کو چاہو اس میں سے دو یا جس سے چاہو روک لو بغیر اس کے کہ تم سے اس کا کوئی حساب وسوال ہو اور بے شک ان تمام نعمتوں کے علاوہ سلیمانؑ کے لیئے ہمارے یہاں ایک خاص قرب کا مقام اور بہترین ٹھکانہ ہے جو قیامت کے روز ظاہر ہوگا اور اس مقامِ قرب اور اخروی نعمتوں کے سامنے ظاہر ہے کہ یہ ملک سلیمانی بھی اور دنیا میں حاصل شدہ نعمتیں ہیچ اور حقیر ہیں کیونکہ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی آخرت کی معمولی نعمت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ کا عنوان اس بات کی صراحت کر

رہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس معاینہ کے وقت اتنا وقت گزرا کہ سورج غروب ہو چکا تھا اس کے بعد سورج کے دوبارہ طلوع ہو جانے کا بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے لیکن کسی سند سے اس کا ثبوت نہیں بعض مفسرین نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سورج کو لوٹایا جانا ایسا ہی تھا جیسا حضرت یوشع کے لیئے لوٹایا گیا اسماء بنت عمیسؓ کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی نماز عصر فوت ہو جانے کے بعد سورج لوٹانے کا ذکر ہے مقام صہبا میں جو خیبر کے قریب ایک جگہ ہے ابن الجوزیؒ نے اسکو موضوعات میں شمار کیا ہے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے بھی اس روایت کو رد کیا اور بیان کیا کہ یہ روایت روافض کی وضع کردہ حدیث ہے غزوۂ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ عصر فوت ہو جانا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ ارشاد ہے ملأ اللہ تعالیٰ قبورھم وبطونھم نارا شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر ردِ شمس غزوۂ احزاب میں بھی ثابت نہیں صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تصریح ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے یہ نماز غروب کے بعد ادا کی۔

بہرحال حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں سورج کی واپسی کا واقعہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے تفصیل کیلئے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر روح المعانی ملاحظہ فرمائیں۔

تفصیل ابتلاء سلیمان علیہ السلام

ان آیات میں ابتداءً حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضیلت ومنقبت اس طرح بیان کی گئی کہ حق تعالیٰ نے انکو حضرت داؤد کی وراثت سے نوازا اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو کمالاتِ نبوت اور علم وفضل تقویٰ اور انابت الی اللہ کی جو عظیم خصوصیات عطا کی تھیں ان ہی میں وراثت دینا مراد ہو سکتا ہے ان کمالات کے ساتھ جو انعام خلافت وسلطنت کا داؤد علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا ظاہر ہے کہ انعام کی اس دوسری نوع میں سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کی وراثت سے نوازنا مراد ہے تو اس سلسلہ میں پہلے انکی یہ فضیلت بیان کی گئی کہ شوقِ جہاد میں اس قدر انہماک تھا کہ گھوڑوں کا معاینہ کر رہے ہیں مگر ساتھ ہی شوق عبادت کا یہ مقام ہے کہ اگر اس میں اشتغال وانہماک سے نماز ضائع ہو گئی تو ان گھوڑوں کی کونچیں کاٹنے لگے جن کی وجہ سے یہ بات پیش آئی انبیاء علیہم السلام کے لیئے ایسا کوئی واقعہ جس کے باعث کسی بھی حیثیت سے کوئی چیز ان کے بلند ترین مقام سے کچھ کم ہو یا انکے خشیت وتقویٰ کے مدارج سے گری ہوئی ہو وہ چیز ایک طرح سے ابتلاء کا درجہ رکھتی ہے اگرچہ نہ وہ تقصیر ہوتی ہے اور نہ کچھ امر اور حکم کا ترک یا خلاف ورزی ہوتی ہے لیکن بایں ہمہ وہ واقعہ انکی عظمتوں اور کمالات کی مزید بلندی کا باعث ہوتا ہے اسی طرح یہ بات بھی تھی تو اس واقعہ کے ساتھ دوسرا ایک واقعہ بھی

بیان فرما دیا گیا جس کو وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا سے ذکر فرمایا گیا۔

سلیمان علیہ السلام کا یہ ابتلاء کیا تھا اور وہ کون سا واقعہ تھا جسکو ابتلاء کے عنوان سے یہاں بیان کیا جا رہا ہے قرآن کریم نے تو اس کی کوئی وضاحت وتفصیل نہیں کی اور نہ کسی صحیح حدیث میں خاص طور سے اس ابتلاء کو معین و واضح کیا گیا۔

بالعموم اس سلسلہ میں جو قصے مشہور ہیں وہ قطعاً باطل اور لغو ہیں اور حضرت داؤدؑ کے ابتلاء کے واقعہ کی طرح یہ قصے بھی اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں جن کو یہودیوں نے وضع کیا وہ من گھڑت افسانوں اور کہانیوں سے زیادہ ہرگز کوئی درجہ نہیں رکھتے حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ آلوسیؒ نے ان اکاذیب باطلہ میں سے بعض کو بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ کیا تو وہ انگشتری جس پر اسم اعظم لکھا ہوا تھا اپنی ایک بیوی جو ان کی بیویوں میں ان کو زیادہ محبوب اور معتمد تھی دے گئے یا اپنی کسی خادمہ کو اور حضرت سلیمانؑ کی حکومت جن وانس پر اسی انگشتری اور اس پر اسم اعظم کی وجہ سے تھی انکے بیت الخلاء جانے کے بعد کوئی شیطان یا ایک جنی صخر نامی سلیمان علیہ السلام کی شکل میں ظاہر ہوا اور وہ انگوٹھی لے کر چلا گیا اور تخت سلیمانی پر جا بیٹھا اور حکمرانی شروع کر دی اور اس طرح سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اور نبوت دونوں چیزیں ختم ہو گئیں سلیمان علیہ السلام جب فارغ ہو کر واپس آئے اور اپنی انگوٹھی مانگی تو اس نے کہا میں تو سلیمانؑ کو وہ انگشتری دے چکی گویا سلیمان علیہ السلام کی شکل وصورت بھی متغیر ہو گئی اور ان کی بیوی نے اب ان کو پہچانا بھی نہیں تو سلیمانؑ بولے میں ہی تو سلیمانؑ ہوں بیوی نے کہا تم غلط کہتے ہو تم ہرگز سلیمانؑ نہیں ہو اسی طرح جس کسی شخص کے سامنے سلیمانؑ جاتے وہ نہ پہچانتا کہ یہ حضرت سلیمانؑ ہیں اور انکی سلطنت وحکمرانی سب ختم ہو گئی اور انکے تخت پر یہ جنی آبیٹھا ان قصہ نگاروں نے بیان کیا کہ اسی کو الفاظ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا میں بیان کیا گیا ہے اور یہی وہ فتنہ ہے جس میں انکو مبتلا کیا گیا ان احوال کو دیکھ کر سلیمان علیہ السلام بہت گھبراتے اور دعا و استغفار اور تضرع وزاری کے ساتھ اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہوتے اسی توجہ کو ثُمَّ اَنَابَ میں بیان کیا جا رہا ہے چالیس روز کی مدت اسی طرح گزر گئی یہاں تک کہ ایک روز سمندر کے کنارے جب کہ سلیمان علیہ السلام مزدور کے طور پر وہاں کام کر رہے تھے اور ایک شخص نے مچھلی خریدی تھی جس کو اٹھا کر انکے گھر تک لے جا رہے تھے تو اس نے وہی مچھلی بطور اجرت حمالی انکو دے دی انہوں نے جب اس مچھلی کو چیرا تو اس کے پیٹ سے وہ انگشتری نکل آئی اور یہ مچھلی وہ تھی جس نے اس دیو کے ہاتھ سلیمان علیہ السلام کی انگشتری جب سمندر میں گر گئی تھی اس کو نگل لیا تھا تو وہ انگشتری سلیمانؑ کے پاس آتے ہی پھر حسب سابق ان کی سلطنت لوٹ آئی اور جن وانس ان کے مطیع ہو گئے اور سلطنت کے ساتھ نبوت کے احکام بھی جاری کرنے لگے العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

یہ تمام داستان اور یافث کے قصہ کی طرح بے ہودہ لغو اور یہودیوں کی گھڑی ہوئی داستان ہے ان ہی یہودیوں کی جو سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہ مشہور کرتے تھے کہ وہ ساحر (جادوگر) ہیں جس کی تردید قرآن کریم نے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ میں کی ہے کہ یہود خود سحر اور جادو جیسے کفر پر عمل کرتے اور دوسروں کو بھی جادو سکھایا کرتے تھے سلیمانؑ تو ہرگز ایسے کفر کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے یہ قصہ یا اسطرح کے دوسرے مختلف بیان کردہ قصے نہ عقلاً قابلِ تصور ہیں اور نہ ہی اصول شریعت سے ان کا امکان ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں ایسی چیزوں کا اعتقاد کفر ہے کیونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور انکی عصمت وحفاظت لازمۂ نبوت ہے اور نبوت اللہ کی عطا کردہ ہوتی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ رب العزت کی عطا کردہ نبوت اور ایسے نبی کو اللہ ہی کی طرف سے عطا کردہ سلطنت کوئی جن سلیمانؑ کی شکل بنا کر درہم برہم کر ڈالے اور صرف اتنی دیر میں کہ وہ بیت الخلاء گئے اور وہ دیو آکر تخت سلیمانی پر حکمرانی کرنے لگے کسی جن اور شیطان کو یہ قدرت ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ پیغمبر کی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کو دھوکہ دے دے۔

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے مَنْ رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل بی کہ جس کسی نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے درحقیقت مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ میری شکل بنا کر خواب میں کسی کے سامنے آجائے تو اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ مقام نبوت کی عظمت و بلندی کا تو یہ عالم ہے کہ خواب میں بھی کسی مسلمان کے سامنے کوئی جن یا شیطان پیغمبر کی صورت بنا کر ظاہر نہیں ہو سکتا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک دیو سلیمانؑ کی شکل بنا کر آگیا اور ایک آن میں سلیمانؑ کا تخت سلطنت اور کار ہائے نبوت پر قابض ہو گیا۔

سلیمان علیہ السلام کے ابتلاء کی حقیقت

سلیمان علیہ السلام کے اس ابتلاء کی حقیقت اور اس قصہ کی اصل تفسیر و تشریح صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث سے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے معلوم ہوتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے (جو جذبۂ جہاد میں سرشار تھے اور اسی جذبہ میں گھوڑوں کا معاینہ بھی کر رہے تھے جس میں سورج غروب ہو گیا تھا اور نماز فوت ہو گئی تھی) ایک روز یہ کہا کہ میں آج رات اپنی بیویوں پر گشت کروں گا جن کی تعداد سو تھی اور اس قربت کی وجہ سے ہر ایک عورت بچہ جنے گی اور ہر بچہ جوان ہو کر اللہ کی راہ میں مجاہد بنے گا فرشتہ نے انکے اس کہنے کے وقت القاء کیا کہ انشاء اللہ کہہ لو مگر سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ کہنا بھول گئے مقربین کا مقام اس قدر بلند ہوتا ہے کہ ان کی ایسی لغزش اور چوک بھی اللہ کی طرف سے باعثِ تنبیہ وگرفت ہو جاتی ہے تو اس چوک پر اس طرح متنبہ کیا گیا

کہ کوئی بھی ان میں سے حاملہ نہ ہوئی بجز ایک کے اور اس ایک حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا وہ بھی ادھورا ناتمام تھا بغیر ہاتھ پاؤں کا یہ جسم (دھڑ) تخت پر لا ڈالا گیا اسی کو فرمایا گیا وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا کہ ہم نے سلیمانؑ کے تخت پر ایک ناتمام جسم (جسد) لا کر ڈال دیا فورًا ہی چونک گئے اور سمجھ گئے کہ یہ میری اس چوک پر گرفت اور تنبیہ ہوئی ہے کہ میں نے انشاء اللہ نہیں کہا تھا حالانکہ پیغمبر کا مقام تو بہت عالی اور بلند ہوتا ہے ہر ایمان رکھنے والے شخص کو بھی ہر بات اللہ ہی کی قدرت اور اسکے ارادہ کی طرف حوالہ کرنی چاہیئے اور یہ اعتقاد باطن میں ایسا راسخ ہونا چاہیئے کہ کسی کام میں بھی اس بات کے تلفظ کو بھی فراموش نہ کرے تو سلیمان علیہ السلام فورًا ہی متنبہ ہو کر خدا کی طرف استغفار کے ساتھ رجوع ہوئے اور بے قراری کے عالم میں زبان سے یہ دعا نکلی رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ اے پروردگار تو مجھے ایک ایسا ملک (سلطنت) عطا فرما دے جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو تاکہ نہ گھوڑوں کے معاینہ کی فکر رہے اور نہ ایسا واقعہ پیش آئے کہ ان کے معاینہ میں نماز فوت ہو جائے اور نہ ہی جذبۂ جہاد میں مجاہد بیٹوں کا شوق رہے کہ اس میں کسی چوک و لغزش میں مبتلا ہو جاؤں بلکہ ایسی بادشاہی طاقت و قدرت عطا کر دے کہ ان تمام اسباب و وسائل اور انکی فکر و تشویش سے بے نیاز ہو جاؤں تو جذبۂ اخلاص و انابت سے کی ہوئی یہ دعا بارگاہِ رب العزت سے قبول کی گئی اور اس قبولیت کے باعث فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ الخ ہوائیں انکے تابع کر دی گئیں کہ جہاں چاہیں، ہوا ان کو پہنچا دے اب ان کو گھوڑوں کی ضرورت نہ رہی سلیمان علیہ السلام کو فکر لگی ہوئی تھی کہ برق رفتار گھوڑوں کو مرتب کریں اس سے بڑھ کر خدا نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ ہوا بھی ان کے واسطے مسخر کر دی گئی کہ ہوائیں ان کو اڑائے پھرتیں۔

اور مجاہدین کا شوق اور جذبہ تھا کہ ہر بیوی ایک لڑکا جنے جو اللہ کی راہ میں مجاہد ہو سو اس شوق اور آرزو کی تکمیل اس طرح کر دی کہ شیاطین و جنات کو ان کے واسطے مسخر کر دیا یعنی ہر عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے کو ان کے حکم کے تابع کر دیا جو بڑی سے بڑی عمارتیں اور قلعے تیار کر لیں اور سمندروں میں بھی کود پڑیں اس لیے اب ایسی فوج عطا ہونے کے بعد اس آرزو اور جستجو کی ضرورت نہ رہی کہ اولاد کی ولادت سے مجاہدین کی جماعت تیار ہو۔

اور بہت سے دوسرے جنوں کو بھی ان کے واسطے مسخر کر دیا جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے یعنی جنات میں وہ جماعت جو مقاصد حسنہ اور دینی کاموں میں کام آنے والی تھی وہ تو ان کے حکم کے مطابق خدمات میں معروف کر دیئے گئے اور جنات سے جو سرکش و مفسد تھے انکو زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دیا گیا تھا تاکہ وہ کسی قسم کا تمرد اور سرکشی نہ کر سکیں یہ سب کچھ عطا کرنے کے بعد ہم نے سلیمانؑ سے کہہ دیا کہ اے سلیمان یہ ہے ہماری عطا اور سلطنت و حکمرانی جو تم کو دی ہے اب اس

ہیں تم جس کو چاہو دو یا جس سے چاہو روک لو تمہیں ان سب چیزوں کا حق اور اختیار دیا جا رہا ہے جس کا تم سے کوئی حساب نہیں نہ دنیا میں اس پر کوئی محاسبہ ہو سکے گا کہ کسی کی ماتحتی کے باعث کوئی تم سے محاسبہ یا کسی چیز پر مواخذہ کر سکے اور نہ آخرت میں اس کا کوئی حساب ہوگا کیونکہ ان سب نعمتوں کا تم کو مالک بنا دیا گیا اور مالک اپنی ملکیت میں ہر طرح تصرف کا مجاز ہے اور بلاشبہ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہمارے یہاں بہت بڑا قرب کا مقام اور بہترین ٹھکانہ ہے کہ دنیا میں ان نعمتوں سے نوازا گیا اور آخرت میں قربِ خاص عطا کیا گیا۔

غرض ان آیات میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ پر مشتمل ہیں حضرت سلیمانؑ کی فضیلت چند وجوہ سے بیان فرمائی گئی سب سے پہلے تو یہ کہ داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایسے بہترین فرزند کی عطا سے نوازا گیا جو اپنی ذات میں بڑی ہی خوبیوں والے تھے ان کا نشان اور زندگی کا شعار خدا کی طرف رجوع و انابت تھا خدا کی طرف انابت و رجوع کی یہ شان تھی کہ ہمہ وقت اللہ کے دین کی اشاعت و سربلندی کی فکر تھی اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کی فکر ہے اس میں گھوڑوں کا معاینہ ہو رہا ہے اس انہماک میں نماز کا وقت نکل جاتا ہے تو غم و غصہ سے ان گھوڑوں کی کونچیں ہی کاٹی جا رہی ہیں اسبابِ جہاد کی فکر کے ساتھ کبھی مجاہدین کا فکر ہے اور اسی جذبہ میں کبھی یہ سوچتے ہیں کہ میری تمام بیویوں کی قربت سے اولاد پیدا ہو تو سب اللہ کی راہ میں شہسوار و مجاہد بنیں اسی انہماک میں "انشاء اللہ" کہنے کا خیال نہیں رہا تو مقام نبوت کی عظمت و بلندی کے پیش نظر یہ کچھ گری ہوئی بات تھی فوراً ہی اس طرح متنبہ کیا گیا کہ صرف ایک ہی بیوی سے ناتمام بچہ پیدا ہوا جسکو ان کے سامنے تخت پر لا کر ڈال دیا گیا فوراً ہی چونکے اور تضرع و زاری سے اللہ سے دعائیں مانگنے لگے کہ اے اللہ میرا یہ قصور معاف کر دے اور جن جذبات کے باعث یہ بات واقع ہوئی اس کے پیشِ نظر وہ ملک و سلطنت عطا فرما دے جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو تو اسکی قبولیت میں ان کے لیے ہوائیں مسخر کر دی گئیں جن کے مقابلہ میں گھوڑوں کی کوئی حقیقت نہیں اور جنات مسخر کر دیئے گئے کہ انکے سامنے سو مجاہد انسانوں کی کوئی طاقت نہیں۔

تو ان آیات کی یہ تفسیر حدیثِ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بنا پر الحمدللہ وہ تفسیر ہے جس کی بنا پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہ عظمت بھی ظاہر ہو جاتی ہے جو داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام جیسا فرزند ہبہ کیئے جانے کے باعث ہے پھر یہ کہ انکا شوق جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ کس قدر بلند تھا اور اسی جذبہ کے باعث ایک ابتلاء و آزمائش بھی پیش آگئی جس سے ان کا مزید انابت الی اللہ کا درجہ معلوم ہو گیا اور ان ہی عظمتوں فضیلتوں کا یہ نتیجہ و ثمرہ ہوا کہ ان کے واسطے ہوائیں اور جنات مسخر کر دیئے تو ان تمام وجوہ فضائل کے ساتھ ان واقعات کے اجزاء میں باہمی ربط و مناسبت بھی بخوبی ظاہر ہو جائے گی برخلاف من گھڑت ان واقعات اور کہانیوں کے جن کا عقلاً اور شرعاً خدا کے برگزیدہ پیغمبروں سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہو سکتا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ دعا دنیا کی کسی نعمت یا سلطنت

وجاہ کی طلب نہ تھی بلکہ یہ صرف اس غرض سے تھی کہ جتنے بھی آدمی میری دعوت و تبلیغ سے دین میں داخل ہوں گے وہ میرے اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء رَبِّ هَبْ لِي الخ

انبیاء علیہم السلام کے احوال وخصائص جو قرآن کریم اور نصوص شریعت سے واضح ہوتے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء کرام جو چیز مانگتے ہیں وہ خدا کی اجازت اور اسکی منشاء معلوم ہونے پر مانگتے ہیں اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ بغیر اذن خداوندی کسی چیز کی درخواست کرتے ہوں حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا مانگی تھی وہ اگرچہ عین منشاء خداوندی کے مطابق تھی اور مجرمین و باغیوں کی عذابِ خداوندی سے سرکوبی جو عین حکمتِ الٰہیہ ہے اسی کی ترجمان تھی مگر صرف اس وجہ سے کہ صریح طور پر ایسی دعا کی وحی نہیں آئی تھی تو مدت العمر اس پر نادم رہے اور یہ ندامت روزِ قیامت تک ایسی باقی رہے گی کہ اس کے باعث بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کرنے سے شرمائیں گے اس لیئے ظاہر یہی ہے کہ غیبی طور سے اللہ نے انکے قلب پر اس بات پر مطمئن کر دیا ہو کہ اے سلیمانؑ اگر تم یہ دعا مانگو تو تمہاری یہ دعا قبول کر لی جائے گی لہذا انہوں نے یہ دعا کی اور وہ بارگاہِ رب العزت سے قبول کر لی گئی اس درخواست کی قبولیت کو محض قبولیت کے درجہ میں نہیں بیان کیا گیا بلکہ سلیمان علیہ السلام کی مدح وثناء کے طور پر بیان کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں بڑے بڑے جبار اور متکبر بادشاہ تھے اور حق تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ جو پیغمبر جس زمانہ میں مبعوث ہوا اسکی مناسبت سے معجزات دیئے گئے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر (جادو) کا زور تھا تو اسکی مناسبت سے عصا اور یدِ بیضاء کا معجزہ دیا گیا تو اس لحاظ سے سلیمان علیہ السلام کو یہ سلطنت عطا کی جو درحقیقت معجزہ تھی اس سے مقصود سلطنت و بادشاہت نہیں بلکہ تبلیغ دین اور مخلوقِ خدا کی اصلاح و ہدایت تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے آپ کو مسکین کہا کرتے تھے تاریخی روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنی ذات کے لیے سلطنت و بادشاہت سے کسی ادنیٰ درجہ کا بھی انتفاع نہ کرتے حتیٰ کہ ان کا گزرانِ معاش زنبیل سازی بیان کی گئی گویا مزدوری کر کے اپنا کفاف مہیا کرتے۔

فائدہ انسان فطری طور سے کمزور واقع ہوا ہے اکثر نعمتوں اور راحتوں میں یادِ خدا سے کچھ نہ کچھ غفلت ہو جاتی ہے تو اس پہلو کے لحاظ سے بھی ان کو مطمئن کر دیا گیا کہ سلیمانؑ کے واسطے ہمارے یہاں بہت ہی بلند و اعلیٰ مقام قرب کا ہے اور اخروی انعامات سے اس قدر نوازا گیا کہ دنیوی نعمتیں اور سلطنت و بادشاہت کسی درجہ میں بھی حجاب یا

غفلت کا سبب نہیں بن سکے گی۔

حضرت والد صاحب مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم مبارک سے لکھی ہوئی ایک عبارت جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے وعظ تعظیم العلم سے اقتباس ہے ملی دعا رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي کی تفسیر میں فرمایا قولہ تعالیٰ رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي مولانا رومیؒ اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ظاہراً اس سے حرص وحسد کا شبہ ہوتا ہے مگر واقع میں یہ ضعفاء کے حق میں ہے انہوں نے اس دعا میں عین رحمت فرمائی جس کی توجیہ یہ ہے کہ مِنۢ بَعْدِي میں بعدیت زمانیہ مراد نہیں بلکہ بعدیت رتبیہ مراد ہے مطلب یہ ہے کہ مجھ کو ایسا ملک عطا فرما کہ جو مجھ سے کم درجہ والوں کے لیے مناسب نہ ہو کیوں کہ وہ ایسی سلطنت مل جانے سے کفر اور تکبر میں مبتلا ہو جائیں گے اب اس تفسیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ اشکال نہیں ہو سکتا کیونکہ آپؐ سلیمانؑ کے اعتبار سے مَن معی بلکہ من قبلی ہیں یعنی آپؐ تو نبوت اور رسالت میں ان کے ہم مرتبہ ہیں اور درجہ میں ان سے بھی افضل ہیں اور خاقانی کا یہ شعر:

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی ٭ کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اس سے سلیمان علیہ السلام کی توہین کا شبہ نہ کیا جائے یہ اس شخص کے حق میں ہے کہ جہاں دولت اور سلطنت کے ساتھ با خدا بودن جمع نہ ہو سکے بخلاف حضرت سلیمان علیہ السلام کے کہ انکی سلطنت اور مملکت با خدا بودن کے منافی نہ تھی باوجود اتنی عظیم سلطنت کے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی خدا تعالیٰ سے غافل نہ تھے انتہی المراد کذافی تعظیم العلم صـ۲۹۔۳۰ وعظ ششم از سلسلۂ تبلیغ۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي

اور یاد کر ہمارے بندے ایوب کو جب پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو

مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿٤١﴾ ارْكُضْ

لگا دی شیطان نے ایذاء اور تکلیف ، لات مار

بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿٤٢﴾ وَوَهَبْنَا

اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو اور دیئے ہم نے

لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي

اسکو اس کے گھر والے اور انکے برابر انکے ساتھ اپنی طرف کی مہر سے اور یاد رہنے کو عقل

الْأَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا

والوں کے اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا پھر اُس سے مارلے اور قسم میں جھوٹا نہ ہو

وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

ہم نے اس کو پایا سہارنے والا، بہت خوب بندہ وہ ہے رجوع رہنے والا

قصۂ سوم حضرت ایوب علیہ السّلام و مناجات بارگاہ ربّ العالمین

قال اللہ تعالیٰ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ..... الیٰ ..... نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ

(ربط) گذشتہ آیات میں سلیمان علیہ السّلام کے ایک ابتلاء و آزمائش کا ذکر تھا اب ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ایک قصہ بیان کیا جارہا ہے جس میں ان کے ابتلاء اور آزمائش میں صبر و استقامت کا بیان ہے کہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر بیماری و تکلیف اور فقر و فاقہ میں بھی کیسے صابر رہے اور جب انہوں نے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کیا تو کس طرح رحمت خداوندی سے انکی تمام تکالیف دور کر کے انعامات اور رحمتوں سے نوازا گیا اس واقعہ کا ذکر حضرت سلیمانؑ کے واقعہ کے بعد شکر و صبر کا ارتباط رکھتا ہے وہ اللہ کے برگزیدہ ایسے شاکر بندے تھے کہ امم سابقہ میں ایک نمونہ نہیں ملتا تو ایوبؑ ایسے صابر بندے تھے کہ صبر ایوبؑ دنیا میں ایک معیار اور نمونہ کی حیثیت اختیار کر گیا۔

فرمایا اور یاد کرو ہمارے بندے ایوب کو کہ کیسے صابر تھے کہ طرح طرح کے امراض و مصائب اور مشقت و تنگی میں مبتلا ہوتے تو اس وقت اپنے پروردگار کو پکارا اور التجا کی کہ اے میرے پروردگار تحقیق شیطان نے مجھ کو بڑی ہی مشقت اور تکلیف پہنچائی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے مجھ کو شیطان کے شر اور فتنہ سے بچا تو ہم نے انکی دعا قبول کی اور حکم دیا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو چنانچہ انہوں نے پاؤں زمین میں مارا تو انکی شفاء اور تندرستی کا بطور خرقِ عادت اور معجزہ سامان پیدا کرنے کے لیے ایک چشمہ جاری کر دیا گیا اور ان سے کہدیا گیا کہ یہ تمہارے واسطے نہانے کا پانی ہے ٹھنڈا اور پینے کے لیے بھی چنانچہ اس پانی میں نہاتے اور اس کو پیا جس سے بالکل تندرست ہوگئے اور عطا کیے ہم نے ان کو ان کے گھر والے جو حوادث میں ضائع ہو چکے تھے اور ان ہی کے برابر انہی جیسے اور عطا کیے محض اپنی طرف سے مہربانی کرتے ہوئے تاکہ مہربانیوں اور رحمتوں کے یہ واقعات نصیحت و عبرت کا سامان ہوں عقل والوں کے لیے اور وہ یہ سمجھیں کہ خدا کے صابر بندے کس طرح کیسے عظیم انعامات سے نوازے جاتے ہیں حضرت ایوبؑ نے بحالتِ مرض کسی بات پر خفا ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ تندرست ہوگئے تو اپنی عورت کو

سو لکڑیاں ماریں گے وہ بی بی اس بیماری کی حالت میں جب کہ سب لوگ ان سے دُور ہو چکے تھے تنہا ان کی رفیق و خدمت گزار تھی اور بظاہر قصوروار بھی نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انکو بر طریقہ اور قسم کو سچا کرنے کا حیلہ بتلا دیا جو صرف انہی کے لیئے مخصوص تھا تو فرمایا اور اے ایوبؑ پکڑ لو اپنے ہاتھ میں سینکوں کی ایک گڈی اور پھر اسکو مارو اپنی بیوی پر تاکہ سو لکڑیاں مارنے کی قسم پوری ہو جاتے اور تم اپنی قسم میں جھوٹے نہ ہو بے شک ایوب کو ہم نے بہت ہی صابر پایا ان تمام شدائد مرض اور مصائب میں جو ان کے حق میں منجانب اللہ اسی طرح مقدر فرماتے گئے جیسے کہ بہت سے انبیاء اور اللہ کے مقربین پر فقر و فاقہ اور دشمنوں کی طرف سے مصائب و آلام کے واقعات پیش آتے ہیں اس طرح کے صبر سے ایوبؑ نے ثابت کر دیا کہ وہ بہت اچھے بندے ہیں بالخصوص یہ بات قابلِ تعریف ہے کہ ان تمام مشقتوں میں وہ خدا کی طرف بہت ہی رجوع کرنے والے تھے۔

تحقیق ابتلاء ایوب علیہ السلام

ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے جس ابتلاء کا ذکر فرمایا گیا ہے اسکی تفصیل کسی صحیح حدیث کے ذریعہ متعین نہیں بالاجمال الفاظ قرآن کریم سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ کسی مشقت و تکلیف یا بیماری کے ذریعہ آزمائش فرمائی گئی جیسے کہ حضرات انبیاء مختلف قسم کی آزمائشوں میں آزماتے جاتے ہیں یہ بھی آزماتے گئے تاکہ دنیا کے سامنے خدا کے برگزیدہ بندوں کے صبر کا نمونہ ظاہر ہو جائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل کہ دنیا میں سب سے زیادہ شدائد و مصائب میں مبتلا ہونے والے خدا کے پیغمبر ہوتے ہیں پھر ان کے بعد وہ جو درجہ بدرجہ ان سے مشابہ و قریب ہوں اس بیماری یا تکلیف کے سلسلہ میں جو واقعات مشہور ہیں کہ تمام بدن گل سڑ گیا اور کوئی حصہ بدن ایسا باقی نہ رہا جہاں آبلے اور پھوڑے نہ ہوں ان کو راکھ پر ڈال دیا گیا اور گھر سے دور کسی جگہ ڈال دیا گیا لوگ کہنے لگے اے ایوبؑ تم نے کوئی گناہ کیا ہے جس کی پاداش میں تم اس مصیبت میں مبتلا کیئے گئے تمام گھر اور قبیلہ کے لوگ چھوڑ گئے سوائے انکی بیوی کے وہ خدمت کرتی رہی فقر و فاقہ کی حد نہ رہی حتیٰ کہ علاج اور دوا کے لیئے بھی کچھ نہ رہا اسی حالت میں کہ بیوی علاج اور دوا کی فکر میں پریشان پھر رہی تھی تو ایک شیطان بشکلِ طبیب ظاہر ہوا انہوں نے علاج کی درخواست کی تو شیطان نے کہا کہ میں اس شرط پر علاج کروں گا کہ اگر انکو شفا ہو جائے تو یہ کہہ دینا کہ ایوبؑ کو تو نے شفا دی اسکے علاوہ میں تجھ سے کوئی نذرانہ وغیرہ نہیں چاہتا انہوں نے ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا اے اللہ کی بندی یہ تو شیطان تھا اب میں عہد کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ اللہ نے اگر مجھے شفا دی تو میں تجھ کو بطور سزا سو قمچیاں ماروں گا (درمنثور) ایوب علیہ السلام کو اس بات پر شدید

رنج ہوا کہ شیطان کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا کہ وہ میری بیوی سے ایسے کلمات کہلوانا چاہے جو موجب شرک ہوں اگرچہ ایک طرح سے تاویل بھی ممکن ہے اس رنج وغم میں اب اللہ کی طرف خاص تفرع وزاری کے ساتھ متوجہ ہوتے اور فرمایا رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اے اللہ مجھے تکلیف ومصیبت پہنچی ہوئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے کمال ادب کے ساتھ صرف اپنی حالت کا پروردگار کے سامنے اظہار کر دیا اور یہ کہ آپ ارحم الراحمین ہیں جو بھی شانِ رحیمی کا مقتضیٰ ہو وہ اسے پروردگار میرے واسطے فرما دیجئے فوراً ہی دعا قبول ہوتی اور پاؤں مارنے کا حکم دیا گیا جس سے پانی جاری ہو گیا اور اسکے ذریعہ غسل سے بدن بھی تندرست ہو گیا اور اسکے پینے سے قلب کو بھی تسکین حاصل ہوتی بطور قدر مشترک روایات میں اس طرح کی باتیں مذکور ہیں ان روایات کے مضامین کو ذکر کرتے ہوتے علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں حضرات ائمہ مفسرین اور محققین نے اس طرح کی بیماری کی داستانوں کو قابلِ اعتماد اور درست نہیں سمجھا اور یہ فرمایا کہ اللہ کے کسی پیغمبر کے لیے ایسی کوئی حالت جو لوگوں کے لیے باعثِ تنفر اور تکدر ہو نہیں ہو سکتی اس طرح کی بیماری کہ بدن سے کیڑے گرنے لگے اور لوگ ان کو گھر سے باہر کسی جگہ سے جا کر ڈال دیں انبیاء علیہم السلام کی اس عظمت ووجاہت کے منافی ہے جو اللہ کی طرف سے خاصہ نبوت ہے عوارضِ جسمانیہ اور امراض کا انبیاءَ پر ورود بے شک درست ہے لیکن ایسے امراض جو گندے اور قابلِ نفرت ہوں مثلاً جذام وبرص عمیٰ (نابینا پن) اور جنون واپاہج پن سے محفوظ رکھے جاتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بنو اسرائیل نے ایک ایسی بیماری اور عیب کا الزام لگایا تھا جو لوگوں میں حقیر ہے تو اللہ نے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی براءت ظاہر فرما دی جیسے کہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وجاہت انبیاء علیہم السلام کا خاصہ نبوت ہے لہٰذا ایسی کوئی بیماری اور حالت جو باعثِ عیب یا نفرت ہو انبیاء علیہم السلام کے لیے نہیں ہو سکتی حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے اگرچہ قرآن کریم میں یہ آیا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے غم میں روتے روتے انکی آنکھیں سپید ہو گئی تھیں اور بینائی جاتی رہی تھی تو یہاں اولاً تو یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بقول بعض ائمہ مفسرین اصل بینائی ختم نہیں ہوتی تھی بلکہ شدتِ غم اور کثرت بکا کی وجہ سے ایک پردہ سا آنکھوں پر چھا گیا تھا پھر یہ کہ یہ نابینا پن پیدائشی نہ تھا اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کے بارہ میں بعض مؤرخین کا یہ کہنا کہ وہ نابینا تھے صحیح نہیں ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں اغماءَ اور غشی تو پیغمبروں پر ممکن ہے کیونکہ وہ کوئی مستقل مرض عیب کی قسم سے نہیں البتہ جنون ممکن نہیں کیونکہ جنون عیب ہے الغرض امراض کا عارض ہونا بے شک انبیاءؑ پر ہوتا ہے لیکن صرف اسی حد تک کہ وہ قابلِ نفرت نہ ہوں اور نہ ہی وہ عیب کے درجہ میں ہوں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی اس قسم کو پورا کرنے کے سلسلہ میں حق تعالیٰ کی طرف سے یہ صورت ارشاد فرمانا وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ ایک نوع کی سہولت کا مہیا فرما دینا ہے کہ قسم بھی پوری ہو جاتے اور اس بیوی کو جو واقعتًا اور حقیقۃً تو کسی جرم کی مرتکب نہیں ہوئی اور نہ ہی وہ کسی ایسی شرعی حد کی مرتکب بنی ہے جس پر اس طرح کی حد جاری ـــــــ کی جاتے محض ایک وہم بعید کا درجہ ہوا اور خاندانِ نبوت کی شان سے قدرے گری ہوئی چیز پیش آگئی تو اس کے تدارک کے لیے بوحی الٰہی یہ حیلہ اور طریقہ حضرت ایوبؑ کو بتا دیا گیا حقیقت میں جرم تو تھا نہیں بلکہ شبہ بعید تھا تو اس طرح کی حد (سزا) بھی حقیقت سزا نہ رہے صرف مشابہت بعید ہی کے درجہ میں صورت سزا ہو جاتے۔

یہ حیلہ ایسا ہی ہو گیا جس طرح حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس روکنے کی تدبیر کی تھی کہ ان کے سامان میں پیالہ رکھوا دیا اور پھر اعلان ہوا کہ ہماری ایک چیز گم ہوئی ہے تو اس وجہ سے تم لوگ چور ہو تاکہ وہ سب سے یہی کہیں اے یوسفؑ نہیں ایسا نہیں اور اس پر یوسف علیہ السلام ان سے یہ بات دریافت کر لیں بتاؤ اگر تم جھوٹے ہو تو کیا سزا ہو اور اس کے جواب میں وہ یہ کہہ دیں جَزَاۤؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَاۤؤُهٗ کہ بس اسکی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں وہ چیز ملے وہ شخص اسی کا بطور غلام و خادم اس کے پاس رہ جاتے گا تو اس تدبیر سے حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا اور اس خصوص تدبیر کو اللہ نے خود ارشاد فرمایا كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ کہ ہم نے ہی یہ تدبیر یوسفؑ کو القا کی کیونکہ وہ اپنے بھائی کو وہاں کے ملکی قانون کے مطابق نہیں روک سکتے تھے تو اس طرح کا یہ بھی ایک خصوصی حیلہ تھا جس کی حضرت ایوبؑ کو اجازت دی گئی فقہاء حنفیہ کے یہاں جو بعض مواقع پر حیلہ کی صورت اختیار کی گئی یا اس کی اجازت دی گئی اس کی نوعیت اس طرح ہے حیلہ اگر اس طرح ہے کہ اس سے حرام شئے کو حلال قرار دے لیا جاتے یا اس سے شریعت کی غرض فوت ہو یا اس حیلہ سے کسی شخص کا حق ضائع ہوتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس طرح کا حیلہ قطعًا ممنوع ہے اور اسکو کسی بھی فقیہ نے کسی بھی حالت میں درست نہیں سمجھا حیلہ صرف اس صورت میں گوارہ کیا گیا کہ انسان اسکو اختیار کر کے حرام میں مبتلا ہونے سے بچ جاتے چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحج میں یہی فرمایا کہ حیلہ کا جواز اس وجہ سے نہیں ہے کہ انسان اس کو اختیار کر کے حرام میں داخل ہو جاتے بلکہ اس کا جواز صرف اس حد تک ہے کہ اسکے ذریعہ حرام میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے اور اس طرح حلال صورت سے متمتع ہو سکے تفصیلات کے لیے فقہاء کے بیان کردہ جزئیات کی مراجعت کی جاتے الغرض حضرت ایوبؑ کو یہ حکم بارگاہِ خداوندی سے از باب عفو و رحم تھا کہ ایسی نیک بی بی ایذا رسانی سے بچ

جائے اور کسی جھاڑو وغیرہ کی باریک سینک کوڑے کے قائم مقام ہو جائے اور تبدیل صورت سے تبدیل حکم ہو جانا اور باوجود معنوی مغایرت کے صوری مشابہت کو کافی قرار دے لینا یہی حقیقت حیلہ کی ہے جس کو فقہاء حنفیہ نے اس صورت میں جائز قرار دیا جب کہ نہ تو کسی کا حق فوت ہوتا ہو اور نہ حرام کا ارتکاب لازم ہوتا ہو بلکہ وہ حیلہ اسکو اضطرار و مخمصہ کی مصیبت سے نکال کر حرام میں مبتلا ہونے کے بجائے ایک حلال شکل مہیا کرتا ہے تفصیل کے لیے روح المعانی جلد ۲۳ کی مراجعت فرمائیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے نسب کے بارہ میں محمد بن اسحٰقؒ کا قول ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے تھے ابن جریرؒ نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح ذکر کیا ہے ایوب بن اموص بن روم بن عیص بن اسحٰق علیہ السلام ابن عساکرؒ نے یہ بیان کیا کہ ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور انکے باپ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لاتے تھے تو اس لحاظ سے ان کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل ہوا ابن جریرؒ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد بیان کیا ہے اور بعض نقول سے سلیمان علیہ السلام کے بعد ہے (روح المعانی)

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب

اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ

ہاتھوں والے اور آنکھوں والے ہم نے امتیاز دیا انکو

بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا

ایک چنی بات کا وہ یاد اس گھر کی اور وہ سب ہمارے پاس ہیں

لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ

چنے نیک لوگوں میں اور یاد کر

اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا

اسمٰعیل کو اور الیسع کو اور ذوالکفل کو اور ہر ایک تھا خوبی والا یہ ایک

ذِكْرٌ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ

مذکور ہو چکا اور تحقیق ڈر والوں کو ہے اچھا ٹھکانا باغ ہیں بسنے کے

مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا

کھول رکھے انکے واسطے دروازے تکیہ لگائے بیٹھے ان میں منگواتے ہیں ان میں

بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ

میوے بہت اور شراب اور انکے پاس عورتیں ہیں نیچی نگاہ والی

اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا

ایک عمر کی یہ وہ ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے حساب کے دن پر یہ ہے روزی

لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

ہماری دی اس کو نہیں نبڑنا

تذکرۂ اخلاص و فضائل ابراہیم و اسحٰق و یعقوب و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام

قال اللہ تعالیٰ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ... الیٰ ... لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ

گذشتہ آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر و استقامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ و اسحٰق و یعقوب و دیگر انبیاء علیہم السلام کے اخلاص و انابت الی اللہ و دیگر فضائل کا بیان ہے جس سے یہ غرض ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ان علمی و عملی اور ظاہری و باطنی کمالات کو معلوم کر کے یہ سمجھا جائے کہ ان حضرات کے مراتب عالیہ اور حق تعالیٰ کی طرف سے انعامات و رحمتوں کی نوازش انہی اوصاف و خوبیوں کے باعث تھی اس لیے اگر کسی کو انعامات و فضائل کا شوق ہے تو اس کو چاہیئے کہ اللہ کے ان برگزیدہ پیغمبروں کے نقش قدم پر چلے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھے کہ ان انبیاء کی تکذیب و انکار کرنے والوں کا انجام ہلاکت و بربادی اور ذلت کی صورت میں دنیا کی نظروں کے سامنے آیا اس لیے انبیاء علیہم السلام کا انکار و تکذیب کرنے والوں کو اس انجام سے غافل نہ رہنا چاہیئے یہ واقعات عبرت ہیں ہر صاحب عقل کو ان سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے فرمایا اور یاد کرو ہمارے خاص بندوں ابراہیم و اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے کہ ان میں قوت عملیہ بھی کامل تھی اور قوت علمیہ بھی اور خاص کر لیا تھا ہم نے ان کو ایک خصوصی صفت کے ساتھ وہ تھی یاد آخرت کی کہ ہمہ وقت اسی کی فکر اور تیاری میں مصروف

رہنے اور اپنی تمام عملی قوتوں اور نظر و فکر کی صلاحیتوں کو اسی کے لیئے وقف کئے ہوئے تھے وہ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالح میں ایسے کامل تھے کہ اپنے نفس پر غالب تھے طاقتور رکھتے نگاہوں سے عبرت کے واقعات اور دلائل قدرت دیکھتے رہتے بصر و بینائی کے اس کمال کے ساتھ بصیرت سے حق تعالیٰ کی معرفت کی بلندیوں تک پہنچے ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ علم و معرفت اور عمل کا کمال ہی اللہ کی بارگاہ میں تقرب اور فضیلت کا باعث ہے اور اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے اپنی ان تمام صلاحیتوں اور قوتوں کو آخرت کی فکر اور تیاری میں مصروف کیا ہوا تھا آخرت کے غم کے سوا اور کوئی فکر و غم ہی نہ تھا۔

غم دیں خور کہ غم غم دین است ⁂ ہم غمہا فروتر ازین است

اور بیشک یہ سب ہمارے نزدیک چُنے ہوئے برگزیدہ اور نیک لوگوں میں ہیں جمہور قُراء کے نزدیک اَلْاَیْدِیْ کی یا کے ساتھ ہے جو ید کی جمع ہے اور ید کے معنی ہاتھ کے ہیں تو اس لحاظ سے اولو الایدی سے عملی قوت والا ہونا مراد ہوا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر یہی فرمایا کرتے القوۃ فی العبادۃ اور الابصار سے مُراد الفقہ فی الدین لیتے ہیں بعض علماء نے ید کو بمعنی نعمت لیا ہے کہ یہ حضرات بڑے انعامات اور نعمتوں والے تھے۔

بعض قراء نے بغیر یا صرف اولے الاَیْدِ پڑھا ہے تو لفظ اید بمعنی طاقت ہے تو مراد عبادت میں انکی ہمت اور جفاکشی اور قوت کا بیان ہے اور یاد کرو اسمٰعیل اور الیسع اور ذو الکفل کو بھی یہ سب بھی بہت ہی اچھے لوگوں میں ہیں اللہ کے یہاں ان کے درجات بھی ایسے ہی ہیں جیسے کہ دیگر بیان کردہ برگزیدہ پیغمبروں کے اور انکو بھی اللہ نے ایک خاص خوبی کے ساتھ چھانٹ لیا تھا اور وہ فکر آخرت تھی کہ اسی میں ان لوگوں نے بھی اپنی عملی اور علمی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو صرف کر رکھا تھا۔

حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بھائی حضرت اسحٰقؑ کے ساتھ کرنے کے بجائے مستقلاً کیا گیا انکی خصوصی عظمتِ شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذوالکفل کا تذکرہ سورۂ انبیاء میں گذر چکا الیسعؑ صاحب قاموس کہتے ہیں یہ لفظ عجمی ہے اس پر الٓ کا استعمال اس لفظ کی خصوصیت کا درجہ رکھتا ہے اسکے دیگر نظائر اور اعلام عجمیہ پر الف لام کا استعمال صحیح نہ ہوگا بعض ائمہ لغت نے اسکندر کو الف لام کے استعمال کی خصوصیت میں شامل کیا ہے شیخ سیوطیؒ نے الاتقان میں اس کے لفظِ عربی ہونے کو اختیار کیا ہے اور بیان کیا کہ یہ یَسَعُ مضارع سے منقول ہے ان کو حضرت الیاس علیہ السلام نے بنواسرائیل پر اپنا خلیفہ بنایا تھا بعد میں نبوت سے سرفراز فرمائے گئے یہ سب فضائل و کمالات یادگار ہیں ان سب حضرات انبیاء کے اور شرف و فضل ہیں اور آنے والی نسلوں میں ان کا بہترین ذکر ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا اور بے شک تمام تقویٰ والوں کے لیے بہترین ٹھکانا ہے اور وہ باغات ہیں ہمیشہ کے لیے بسنے کے جن کے دروازے انکے واسطے کھول دیئے

گئے ہیں کہ اعزاز و اکرام کا یہ مقام ہوگا کہ جب بھی وہ اپنے باغات و محلات میں آئیں گے انکے استقبال کے لیے فرشتے دروازوں کو کھولے منتظر ہوں گے اس اعزاز و اکرام کے ساتھ یہ مقام سکون و اطمینان ہوگا کہ تکیہ لگائے ہوں گے ان میں اعتماد و بھروسہ بھی ہوگا اللہ کی تمام رحمتوں اور عنایات پر اور وقار و سکون ہوگا جسمانی لحاظ سے منگائیں گے ان محلات و باغات میں بہت سے اقسام کے پھل اور میوے اور متعدد اقسام کے مشروبات ان تمام نعمتوں کے علاوہ عیش و لذت کا یہ بھی سامان ہوگا اور انکے پاس عورتیں ہوں گی جو نگاہوں کو نیچا رکھنے والی ہوں گی برابر ہوں گی عمر اور حسن و جمال میں جن کے حسن و جمال اور عفت و وقار سے اہل جنت کے انعامات و راحت میں مزید اضافہ ہوگا بے شک یہ ہیں وہ نعمتیں اور کرامتیں ہمارا عطا کردہ رزق جس کے واسطے نہیں ہے کوئی خاتمہ اور فنا و زوال اور اہل جنت ہمیشہ ان غیر منقطع اور لازوال نعمتوں سے متمتع ہوتے رہیں گے نہ ان راحتوں سے نکلنے اور نہ انکے منقطع ہونے کا غم ہوگا اور نہ ہی اپنی موت کا اندیشہ ہوگا اس لیئے کہ زوال و فنا تو دنیائے فانی کے خواص میں سے ہے دار الخلد تو بقا و دوام کی جگہ ہے رزقنا اللہ تعالیٰ منہا بفضلہ وحسن عنایتہ فانہ اکرم الاکرمین وارحم الراحمین ۔ آمین

هٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطَّاغِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ

یہ سن چکے! اور تحقیق شریروں کے واسطے ہے برا ٹھکانا دوزخ ہے

يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوقُوهُ

جس میں پیٹھیں گے سو کیا بری تیاری ہے یہ ہے اب اسکو چکھیں

حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَآخَرُ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هٰذَا

گرم پانی اور پیپ اور کچھ اور اسی شکل کا طرح طرح کی چیزیں۔ یہ ایک

فَوْجٌ مُقْتَحِمٌ مَعَكُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُو النَّارِ ﴿٥٩﴾

فوج دھنستی آتی ہے تمہارے ساتھ جگہ نہ ملیو انکو یہ ہیں پیٹھنے آگ میں

قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۖ أَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ

وہ بولے بلکہ تم ہی ہو کہ جگہ نہ ملیو تم کو تم ہی پیش لائے ہمارے یہ بلا

فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ

سو کیا برا ٹھہراؤ ہے وہ بولے اے رب ہمارے جو کوئی ہمارے پیش لایا یہ سو بڑھتی

عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا

دے اس کو مار دونی آگ میں اور کہیں گے کیا ہوا کہ ہم نہیں دیکھتے کتنے مردوں کو

كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ

کہ ہم ان کو گنتے تھے بڑے لوگوں میں کیا ہم نے ان کو ٹھٹھے میں پکڑا یا چوک گئیں

عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

ان سے آنکھیں یہ بات ٹھیک ہونی ہے جھگڑا آپس میں دوزخیوں کا

بعد از ذکر احوال سعداء تذکرۂ مجرمین و اشقیاء

قال اللہ تعالیٰ هٰذَا وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ

قرآن کریم کا یہ طرز بیان ہے کہ اخیار و برگزیدہ بندوں کے ذکر کے بعد اشقیاء و بدبختوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور مطیعین پر انعامات کے بیان کے بعد مجرمین کی سزاؤں کو ذکر فرمایا جاتا ہے تو اسی طرح یہاں بھی انبیاء سابقین کے اوصاف و فضائل کے بعد نافرمانوں اور سرکشوں کی سزاؤں اور انکی بدحالی کو بیان کیا جا رہا ہے۔

فرمایا یہ سن چکے جو انعامات و فضائل تھے اہل ایمان و تقویٰ اور مطیعین کے اور سرکشوں و نافرمانوں کے لیے تو بدترین ٹھکانا ہوگا جو جہنم ہے جس میں یہ گھسیں گے سو کیا ہی وہ بُری جگہ آرام کی ہوگی یہ ہے عذاب مجرمین کے لیے اب چاہیئے کہ یہ مجرمین اس عذاب کو چکھیں جو کھولتا ہوا گرم پانی ہے اور پیپ اور اسی قسم کی اور بھی طرح طرح کی چیزیں اس طرح کے شدید اور دردناک عذاب میں ان مجرمین اور سرکشوں کو جو نافرمانوں کے پیشوا تھے بتلا کرتے ہوئے کہا جائے گا یہ ایک اور جماعت ہے لو دیکھو لو جو گھُس اور دھنستی چلی آرہی ہے تمہارے ساتھ جہنم میں جن کو دیکھتے ہوتے تم کہو گے نہ ہو جگہ تمہارے واسطے کشادہ اور آرام کی یہ تو جہنم میں گھسنے والے لوگ ہیں اس لیے انکے آنے کی کیا خوشی ہو سکتی ہے اور کیا ہی ان سے کسی چیز اور نفع کی توقع کی جا سکتی ہے اس پر وہ لوگ جنہوں نے اپنے بڑوں کی پیروی کی تھی اپنے

متبوعین کو غصہ اور نفرت سے کہیں گے تمہارے ہی واسطے نہ ہو کوئی جگہ کشادہ اور ٹھکانہ آرام کا تم ہی نے تو ہم کو یہاں لا اُتارا ہے سو یہ تو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے پھر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہیں گے اے ہمارے پروردگار جس کسی نے ہمیں یہاں لا اتارا ہے اصل مجرم تو وہی ہے بس اس کا عذاب تو جہنم میں دوگنا کر دے اور اسی حالت میں ازراہ تعجب و حیرت کہیں گے کیا ہو گیا کہ ہم یہاں نہیں دیکھ رہے ہیں ان لوگوں کو جن کو ہم بُرے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے انکے مذہب و دین اور انکے اعمال و احوال کو ہم بُری نظر سے دیکھتے تھے اور ہم نے ان ایمان والوں کو مذاق بنایا ہوا تھا جن کو دیکھ کر ہم ان پر ہنسا کرتے اور انکو ذلیل کرتے تھے واقعۃً وہ لوگ اس جگہ نہیں ہیں یا ہماری نگاہیں ان سے چوک گئی ہیں بے شک یہ بات برحق ہے یعنی جہنمیوں کا اس طرح آپس میں جھگڑنا کہ ایک دوسرے پر لعنت و ملامت کریں گے اور سوائے حسرت و ملامت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اور آپس میں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع اور ملامت سے عذاب جہنم میں تخفیف کے بجائے قلبی کوفت اور ذہنی پریشانی میں اور اضافہ ہوگا جسمانی تکلیف کی تو پہلے ہی کوئی حد نہ ہوگی اس ذہنی کوفت سے انکی اذیتوں کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔

یہ گفتگو جس کا ذکر ان آیات میں فرمایا گیا جہنمیوں کی آپس میں ہوگی جس وقت فرشتے ان کو فوج در فوج لا لا کر جہنم کے کنارے پر جمع کرتے ہوں گے پہلا گروہ سرداروں کا ہوگا انکے بعد ان کے متبعین اور چھوٹوں کو لایا جاتے گا تو سرداروں کی جماعت اس دوسری جماعت کو دور سے آتے دیکھ کر کہے گی لو دیکھ لو یہ ایک اور فوج دھنستی اور کھپتی چلی آرہی ہے تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لیے خدا کی مار ہو ان پر یہ بھی یہیں آکر مرنے کو تھے خدا کرے انکو کہیں کشادہ اور آرام کی جگہ نہ ملے ان سرداروں کی گفتگو سُن کر یہ چھوٹے کہیں گے کمبختو! تم ہی پر خدا کی مار ہو تم کو ہی کوئی جگہ آرام کی نہ ملے تم ہی تو تھے کہ تم نے ہم کو گمراہ کیا اور آج تمہاری ہی بدولت ہم اس مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں اب تو بس یہی ایک ٹھکانہ ہے اور کوئی جگہ ہے کہاں کہ جس میں جائیں اس لعن و طعن کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو کر دعا کریں گے کہ اے پروردگار ان لوگوں کو دوگنا عذاب دے جنہوں نے ہمیں بھی گمراہ کیا اسی حالت میں انکے ذہن میں یہ بات آتے گی کہ دنیا کی زندگی میں جن لوگوں کو حقیر اور کمتر سمجھتے تھے اور اپنے مال و دولت کے زعم میں اہل ایمان اور غربا اور فقراء کو حقیر سمجھتے تھے آج وہ یہاں اس ذلت و حقارت کے مقام میں نہیں، ہیں تو ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور اپنے دنیوی اس اعتقاد کا اس درجہ اثر دماغوں پر مسلط ہوگا کہ یہ سوچنے لگیں گے کہ شاید وہ ہمیں نظر نہیں آرہے ہیں ورنہ تو وہ ضرور یہاں ہونے چاہئیں تو اس طرح مزید ملال اور حسرت کی اذیت میں مبتلا ہوں گے جسمانی اذیتوں کے ساتھ آپس کی تُو تُو میں میں، لعن طعن جھگڑا کرب اور بے چینی میں اضافہ کر ہی رہا تھا مستزید برآں اس حسرت میں مبتلا ہو کر اور بھی تلملائیں گے بس یہی ان اہل نار

کا حال ہوگا جو انکے اعمال واطوار کا نتیجہ ہے حمیم گرم اور کھولتے ہوئے پانی کو کہا جاتا ہے غَسَّاق اکثر مفسرین فرماتے ہیں جہنمیوں کے زخموں کی پیپ اور آلائش ہے جو سانپ اور بچھوؤں کے زہر کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی اور بعض کا خیال ہے کہ غساق نہایت ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں جو حمیم کی ضد ہے جسکے پینے سے انتہائی اذیت اور تکلیف ہوگی. واللہ اعلم بالصواب۔

جامع ترمذی میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر اس غساق کا جو جہنمیوں کو پلایا جائے گا۔ ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو اسکی بدبو اور گندگی سے تمام دنیا والے بدبودار ہو جائیں گویا بدبو ان میں ایسی سرایت کر جائے کہ وہ بذات خود بدبودار ہو جائیں کعب احبارؓ بیان کرتے ہیں غساق جہنم میں ایک چشمہ ہے جس کی طرف ہر زہریلے سانپ اور بچھو کا زہر بہ کر آتا ہے جس میں جہنمیوں کو غوطہ دیا جائے گا اور اسکی وجہ سے انکے جسم گل سڑ جائیں گے۔

⁂

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۖ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ
تو کہہ، میں تو یہی ہوں ڈر سنانے والا اور حاکم کوئی نہیں مگر اللہ اکیلا دباؤ

الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ
والا رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو انکے بیچ ہے زبردست گناہ

الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ﴿٦٧﴾ أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿٦٨﴾ مَا
بخشنے والا تو کہہ یہ ایک بڑی خبر ہے کہ تم اسکو دھیان میں نہیں لاتے مجھ

كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٦٩﴾ إِن يُوحَىٰ
کو کچھ خبر نہ تھی اوپر کی مجلس کی جب آپس میں تکرار کرتے ہیں مجھ کو تو یہی

إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٧٠﴾ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي
حکم آتا ہے کہ اور نہیں میں ڈر سنانے والا ہوں کھول کر جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں

خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن
بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں

رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ

ایک اپنی جان تو تم گر پڑو اسکے آگے سجدے میں پھر سجدہ کیا فرشتوں نے سارے

اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ

اکٹھے مگر ابلیس نے غرور کیا اور تھا وہ منکروں میں فرمایا

یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ

اے ابلیس! تجھ کو کیا اٹکاؤ ہوا کہ سجدہ کرے اس چیز کو جو میں نے بنائی اپنے دونوں ہاتھوں سے

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ

یہ تو نے غرور کیا یا تو بڑا تھا درجے میں ؟ بولا میں بہتر ہوں اس سے

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ

مجھ کو بنایا تو نے آگ سے اور اسکو بنایا مٹی سے فرمایا تو تو نکل یہاں

مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۷۷﴾ صلے وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰى یَوْمِ

سے کہ تو مردود ہوا اور تجھ پر میری پھٹکار ہے اس جزاء کے

الدِّیْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ

دن تک بولا تو اے رب مجھ کو ڈھیل دے جسدن تک مردے جیویں فرمایا

فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۸۰﴾ لا اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ

تجھ کو ڈھیل ہے اسی وقت کے دن تک جو معلوم ہے بولا

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۲﴾ لا اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ

تو قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا ان سب کو مگر جو بندے ہیں تیرے ان

الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ز وَ الْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ ج لَاَمْلَئَنَّ

میں چنے فرمایا تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں مجھ کو بھرنا

جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَآ

دوزخ تجھ سے اور جو اُن میں تیری راہ چلے ان سے سارے تو کہہ میں

أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾ إِنْ

مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ نیگ اور میں نہیں آپ کو بنانے والا یہ تو ایک

هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿٨٨﴾

سمجھوتی ہے سارے جہان والوں کو اور معلوم کر لوگے اس کا حال تھوڑی دیر کے پیچھے

اعلان توحید و رسالت و تخویف از آخرت

قال اللہ تعالیٰ قُلْ إِنَّمَآ أَنَا مُنذِرٌ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ

ابتداء سورت قرآن کریم کی حقانیت اور اثبات توحید و رسالت سے تھی اس سلسلہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور انکے اوصاف ایمان وتقویٰ اور انابت الی اللہ اور ان اوصاف پر مرتب ہونے والے ثمرات وانعامات کے بیان کے بعد پھر اصل مقصد کی طرف رجوع فرماتے ہوتے توحید و رسالت کو ثابت کیا جا رہا ہے اور قیامت واحوال قیامت کا ذکر کیا جا رہا ہے اور بطور اتمام حجت آپ کو فرمایا جا رہا ہے کہ آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ میں تو اللہ واحد قہار کی طرف سے منکرین ومجرمین کو ڈرانے والا ہوں اور میں جو کچھ کہتا ہوں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اللہ کا رسول یہی کر سکتا ہے خدا کے پیغمبروں کا یہ کام نہیں ہے کہ زبردستی کسی پر ہدایت مسلط کر دیں جب کہ خود وہ قبول ہدایت سے انکار کرتا ہو تو ارشاد فرمایا آپ کہہ دیجئے اے منکرین توحید و رسالت تمہارے اس انکار وتکذیب کا مجھے ذرہ برابر کوئی نقصان نہیں اس کا اصل نقصان تو تم ہی کو پہنچے گا میں تو عذاب خداوندی سے تم کو ڈرانے والا ہوں جیسے اللہ کے دوسرے پیغمبر بھی اس کے عذاب سے لوگوں کو ڈراتے رہے اور یہ سن لو نہیں ہے کوئی معبود عبادت کے لائق بجز اللہ واحد (یکتا) کے جو بڑا ہی غالب ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا جو انکے درمیان میں ہیں جو زبردست اور گناہوں کو بڑا ہی بخشنے والا ہے آپ کہہ دیجئے یہ اعلان توحید اور اس کی طرف مخلوق خدا کو دعوت دینا جسکے واسطے اللہ نے مجھ کو رسول بنایا بڑی ہی عظیم الشان خبر اور بلند پایہ مضمون ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کی طرف توجہ کرتے اور اسکو قبول کرتے مگر افسوس تم تو اس سے بے رخی کر رہے ہو نہ تم رسالت پر ایمان

لائے اور نہ قرآن کو مانا حالانکہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مجھے تو کوئی علم نہ تھا ملاء اعلیٰ (عالم بالا کا) جبکہ وہ اللہ کے فرشتے آپس میں تکرار و خصومت کر رہے تھے تخلیق آدم اور ابلیس کا سجدہ سے انکار کے بارے میں اور اس بارہ میں کہ کس بنا پر آدمؑ کو خلافت الٰہیہ فی الارض کے منصب سے نوازا جا رہا ہے یہ سب کچھ میں نے نہ کسی کتاب میں پڑھا اور نہ کسی معلم سے سیکھا یہ تو صرف اللہ کی طرف سے وحی ہے جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے میں تو صرف اللہ کی طرف سے تم کو آخرت اور عذاب آخرت سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں وہ اختصام و گفتگو ملاء اعلیٰ کی یہ تھی کہ جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں بنانے والا ہوں ایک انسان کو گارے سے سو جب میں اسکے پتلے یعنی اعضاء جسمانیہ کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے روح کو پھونک دوں تو تم سب اسکے سامنے سجدہ میں گر پڑنا چنانچہ جب اللہ نے اسکو بنا لیا اور اس میں روح پھونک دی تو سب کے سب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا کہ وہ غرہ میں آگیا اور کافروں میں سے ہو گیا حق تعالیٰ نے ابلیس کو اس غرور و انکار پر فرمایا اے ابلیس تجھے کس بات نے روکا سجدہ کرنے سے اسکو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں اور قدرت خاصہ سے بنایا کیا تو غرور میں آگیا یا بتا کر کیا تو بڑے درجے والوں میں سے تھا حالانکہ یہ

سلہ لفظ من روحی میں نسبت حق تعالیٰ نے اپنی طرف اس لیئے فرمائی کہ روح آب و خاک سے نہیں بلکہ عالم غیب سے آئی یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں گذر چکا وہاں اضافت کی حکمت پر کلام کیا گیا ہے تفصیل کیلئے استاذ محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون "الروح فی القرآن" کی طرف رجوع فرمایا جائے۔

یہ تفسیر سورۂ اعراف و دیگر متعدد سورتوں میں گذر چکا ہے لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ یعنی جسکو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ان الفاظ کے ترجمہ میں توضیحی کلمات اور قدرت خاصہ ان متکلمین کے مسلک کے پیش نظر اضافہ کیئے جو اس طرح کی صفات اور شئون خداوندی کی تاویل قدرت امر اور مشیت جیسے الفاظ سے کر لیتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ کہتے ہیں یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے۔

اور روح کو غیب (باطن) کے ہاتھ سے اللہ غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے اور ظاہر کی چیزیں دوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت خرچ کی" اس وجہ سے بیدی تثنیہ کا لفظ استعمال فرمایا حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں ہمارے نزدیک اللہ کی نعوت و صفات میں سلف کا مسلک ہی اقویٰ و احوط ہے یا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض مخلوقات کو کسی دوسری مخلوق سے پیدا کرتا ہے مثلاً بارش کو بادلوں سے اور دھوئیں کو آگ سے اور بعض کو بغیر کسی دوسری مخلوق کے پیدا کرتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام اسی دوسری مخلوق میں سے ہیں کہ ان کو کسی کے توسط اور دخل سے نہیں پیدا کیا گیا

باطل ہے کیونکہ جب فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا تو وہ سربسجود ہوگئے اور یقیناً تجھ سے افضل اور بڑھ کر ہیں تو یہ مجال تیری کیونکر ہوئی کہ میرے حکم کی تعمیل سے تو نے روگردانی کی کہا میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس (آدم) کو خاک سے پیدا کیا ہے اور جب کہ میں اس سے بہتر ہوں تو مجھے سجدہ کا حکم دینا حکمت کے خلاف ہے ارشاد ہوا تو اچھا تو پھر آسمان سے نکل کیونکہ بے شک تو اس حرکت سے کہ حکم خداوندی کا مقابلہ کیا اور اس پر طعن و اعتراض کیا کہ یہ حکم خلاف عقل و حکمت ہے مردود ہوا اور بے شک تجھ پر میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک اور ظاہر ہے کہ جس پر قیامت کے روز تک لعنت رہی تو بعد میں تو اس پر رحمت کا کوئی امکان نہیں ہو سکتا کیونکہ لعنت اور غضب خداوندی کسی سے اگر منقطع ہو سکتا ہے تو وہ دار العمل میں رہتے ہوئے تائب ہو جانے کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور جب قیامت قائم ہو گئی تو توبہ کا دروازہ بند ہو چکا بولا اگر مجھ کو آدمؑ کی وجہ سے ملعون و مردود کیا گیا تو پھر مجھ کو مہلت دیدیجئے قیامت کے دن تک تاکہ میں انکی اولاد سے خوب بدلہ لوں ادھر قدرت خداوندی کو دارِ دنیا میں ہدایت و گمراہی کا مقابلہ رکھنا تھا تاکہ ابتلاء و آزمائش ہو سکے اس وجہ سے ارشاد ہوا اچھا جب تو مہلت مانگتا ہے تو جا تجھ کو مہلت دیدی گئی ایک وقت معلوم و معین تک کہنے لگا جب مجھے مہلت مل گئی تو قسم ہے تیری عزت کی کہ میں البتہ ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کیے گئے ہیں فرمایا تو ٹھیک بات ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان سے جو تیرا ساتھ دیں گے یقیناً ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا ان تمام حقائق کو سن کر چاہیئے کہ لوگ اللہ کی باتوں پر ایمان لائیں اور انکی صداقت و حقانیت پر یقین کریں اگر اسکے باوجود بھی کوئی بد باطن کسی قسم کا شک و تردد کرے یا کوئی معاند آپؐ کے حق میں کسی طمع و لالچ کا تصور کرے تو آپؐ اتمام حجت اور بطور قطع عذر کہہ دیجئے میں تم سے اس قرآن اور اللہ کے احکام کی تبلیغ پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں تصنع و بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن تو اللہ کا کلام ہے اور ایک عظیم پیغام نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے اسی مقصد کے لیے اللہ نے مجھ کو نبی بنایا اور اس میں سراسر تمہارا ہی نفع ہے اور اگر اس حق اور حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی تم لوگ ایمان نہیں لاتے تو البتہ اسکے کچھ بعد تم کو اس کا حال خوب معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کا دین حق ہے اسی دین کی پیروی کرنے والوں کو فتح و کامرانی نصیب ہو گی اور اگر ان تاریخی حقائق سے بھی کسی کو حقیقت نہ کھلی تو موت بھی کچھ دور نہیں اور نہ ہی قیامت کچھ بعید ہے اور ہر شخص کی موت تو خود ایک قیامت ہی ہے تو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا تھا وہ حق تھا اور ان پر ایمان نہ لانا منکرین کی ہلاکت و تباہی کا باعث بنا مگر ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد یا قیامت برپا ہونے پر اگر کسی نے حق پہچانا تو اس وقت کی معرفت یا ایمان سے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا قتادہؒ نے بَعْدَ حِیْنٍ کی تفسیر میں موت کو

بیان کیا ہے اور عکرمہؒ کہا کرتے تھے اس سے قیامت مراد ہے قتادہؒ نے حسن بصریؒ کا قول نقل کیا یا ابن آدم عند الموت یاتیک الخبر الیقین کہ ابن آدم موت کے وقت تجھ کو یقین حاصل ہوگا (تفسیر ابن کثیرؒ)

اور سُدیؒ سے منقول ہے کہ یہ بدر کا دن ہے کہ بدر کی فتح پر منکرین کو یقین کرنا پڑے گا کہ جو کچھ علیہؑ حق کی خبر خدا کے پیغمبر نے دی تھی وہ برحق ہے ما کان لی من علم بالملاء الاعلیٰ کے ترجمہ میں اضافہ کردہ الفاظ "جبکہ اللہ کے فرشتے آپس میں تکرار و خصومت کر رہے تھے تخلیق آدمؑ اور ابلیس کا سجدہ سے انکار کرنے کے بارے میں" سے ان ائمہ مفسرین کے قول کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے یہ بیان کیا کہ اس "اختصام" سے حضرت آدم علیہ السلام کا یہ قصہ مراد ہے جس میں حضرت آدمؑ کو سجدہ کا حکم دیا گیا اور ابلیس نے انکار کیا اور بعض علماء مفسرین نے بیان کیا کہ خلافت آدمؑ کے متعلق مخاصمت نہیں ہے بلکہ اعمال بنی آدم یعنی کفارات میں ملائکہ کی خصومت مراد ہے جسکی تفصیل حدیث اختصام الملاء الاعلیٰ میں مذکور ہے جس کو امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں تخریج کیا ہے عبدالرحمن بن عائش باسناد مالک بن یخامر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز صبح کی نماز کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک تشریف نہ لائے حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا اس وقت آپؐ بڑی عجلت کے ساتھ تشریف لائے نماز کی اقامت ہوئی اور آپؐ نے نماز مختصر پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا اے لوگو! تم اپنی اپنی جگہ اسی طرح بیٹھے رہو پھر فرمایا ہماری طرف رُخ کرتے ہوئے آج رات جب میں تہجد کے لیے بیدار ہوا اور جس قدر مقدر تھا نماز پڑھی تو دوران نماز مجھ پر اُونگھ (غلبۂ نوم) طاری ہوئی تو میں نے اپنے پروردگار کا بڑی ہی بہترین صورت میں دیدار کیا اس وقت جبکہ مجھے اللہ کی تجلی نصیب ہوئی تو مجھ سے رب العزت نے سوال کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جانتے بھی ہو ملأ اعلیٰ کس بات میں خصومت کر رہے ہیں میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے نہیں معلوم آپ ہی خوب جانتے ہیں تو حق تعالیٰ نے اپنا دست بے مثال میرے شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک اور سکون مجھے اپنے سینہ میں محسوس ہونے لگی جس سے میرے واسطے ہر چیز ظاہر ہو گئی (جو حق تعالیٰ مجھ سے سوال فرما رہے تھے) اور یہ ایسا ہی تھا جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم اشیاء فرما کر فرشتوں سے دریافت کیا گیا تو جواب ملا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا لیکن جب وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا کی صورت ہوئی تو پھر فرمایا گیا یَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ اسی طرح ان علوم و مضامین کا القاء اس طرح اس تاثیر غیبی اور باطنی سے فرما دیا گیا تو پھر آپؐ نے سب باتوں کا جواب دیا اور کہا جی ہاں! اے پروردگار کفارات میں یعنی ان اعمال میں فرشتوں کی خصومت ہو رہی ہے کہ ان کا اجر و ثواب کیا ہے یا یہ کہ ان اعمال کو فرشتوں کی کون سی جماعت پہلے بارگاہِ رب العزت میں لے کر پہنچتی ہے

اور وہ کفارات یہ ہیں باوجود مشقتوں کے وضو مکمل آداب کی رعایت کے ساتھ کرنا زیادہ سے زیادہ قدم چلنا مسجدوں کی جانب اور نماز کا انتظار کرنا نماز کے بعد۔ پھر ارشاد ہوا پھر کن اعمال میں خصومت ہے جواب دیا درجات میں سوال ہوا درجات کیا ہیں بتایا اطعام طعام افشاء سلام اور تہجد کی نماز ان اوقات میں جب کہ لوگ سوتے ہوتے ہوں ارشاد ہوا سوال کرو فرماتے ہیں میں نے مانگا اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں خیر کے کاموں کا اور برائیوں کے چھوڑنے کا اور مساکین کی محبت کا اور یہ کہ میری مغفرت فرما اور جب تو کسی قوم کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو مجھے اس سے پہلے اٹھا لے۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری محبت کا اور اس شخص کی محبت کا جو تجھ سے محبت رکھتا ہو اور اس عمل کی محبت جو تیری محبت کے قریب کر دے آپؐ نے یہ کلمات ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا یہ کلمات حق ہیں انکو یاد کر لو اور سیکھ لو اور ایک روایت میں ہے کہ دوسروں کو بھی سکھاؤ یہ مضمون امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ذکر فرمایا اس حدیث کی سند میں اگرچہ بعض محدثین نے کچھ کلام کیا ہے مگر امام ترمذیؒ نے اس کی تحسین فرمائی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس حدیث اختصام کو نقل کرنے کے بعد یہ فرمایا اس آیت میں جس اختصام کا ذکر ہے وہ یہ اختصام نہیں کیونکہ خود قرآن کریم نے اس اختصام کی تفسیر اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ سے فرما دی کہ یہ اختصام خلافتِ آدمؑ اور انکو امر بالسجود کے بارہ میں ہے۔

حضرت استاد شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر اپنے فوائد قرآن میں فرماتے ہیں ملأ اعلیٰ (اوپر کی مجلس) ملائکہ مقربین وغیرہم کی مجلس ہے جن کے توسط سے تدابیر الٰہیہ اور تصریفات کونیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں یعنی ملأ اعلیٰ میں نظامِ عالم کے فنا و بقا کے متعلق جو تدبیریں یا بحثیں اور قیل وقال ہوتی ہے مجھے اسکی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا اللہ تعالیٰ نے ان میں جن اجزاء پر مطلع کر دیا وہ بیان کر دیتے ہیں جو کچھ کہتا ہوں اسکی وحی اور اعلام سے کہتا ہوں مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوفناک مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کر دوں۔

رہا یہ کہ وہ وقت کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی؟ نہ انذار کے لیے اسکی ضرورت ہے اور نہ اسکی اطلاع کسی کو دی گئی ہے ایک حدیث میں ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام کے ایک اجتماع میں قیامت کا ذکر چلا کہ کب آئے گی سب نے حضرت ابراہیم علیہم السلام پر حوالہ کیا انہوں نے فرمایا مجھے علم نہیں پھر سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حوالہ کیا انکی طرف سے بھی یہی جواب ملا آخر میں سب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے یہی کہا کہ عین قیامت کا تو مجھے بھی علم نہیں اور یہ لفظ فرماتے ما المسئول عَنْہَا باعلم من السائل

معلوم ہوتا ہے کہ ملأ اعلیٰ میں قیامت کے متعلق اس قسم کی بحث و تکرار رہتی ہے تو اس کے بارہ میں آپؐ نے صاف فرما دیا مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ کہ مجھے

تو ملاء اعلیٰ کا کوئی علم نہیں جبکہ وہ اس معاملہ میں خصومت کرتے ہیں۔

بہرکیف وحی خداوندی سے آپؐ نے صاف ارشاد فرمایا کہ غیب کا علم صرف اللہ کی شان ہے اللہ کا پیغمبر صرف وہی بتاتا ہے جو اسکو وحی سے بتا دیا جائے اسکو نہ ملائکہ کی ملاء اعلیٰ میں خصومتوں کا علم ہے اور نہ قیامت کے واقع ہونے کا علم ہے کہ کب واقع ہوگی۔

اللّٰھم ارزقنا حلاوۃ الایمان وبشاشتہ توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔

الحمد للہ آج مورخہ ۲۲ شوال المکرم ۱۳۹۱ھ سورۂ صٓ کی تفسیر سے فراغت ہوئی اے خداوند عالم قبول فرما اور اسکی تکمیل فرما۔

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم (ط)

سُوْرَۃُ الزُّمَر

سورۃ الزمر مکی سورت ہے جس کی پچھتر اور بعض مفسرین کے قول کے مطابق بہتر آیات اور آٹھ رکوع ہیں۔

ائمہ مفسرین کا اس سورت کے مکی ہونے پر اتفاق ہے اس سورت کا دوسرا نام بعض مفسرین نے سورۃ الغرف بھی بیان کیا ہے بیہقی نے دلائل میں بروایت نحاس عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ زمر مکہ میں نازل ہوئی بجز ان تین آیات کے جو وحشی قاتل حمزہؓ کے بارے میں نازل ہوئیں وہ تین آیات قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ کہ یہ مدینہ منورہ میں وحشیؓ کے اسلام کے وقت نازل ہوئی اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات آیات۔

امام نسائیؒ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث ذکر فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات اہتمام کے ساتھ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر تلاوت فرمایا کرتے تھے (فتح البیان فتح القدیر تفسیر ابن کثیر) اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں آپؐ اس وقت تک نہ سوتے جب تک کہ سورۂ زمر کی تلاوت نہ کرلیں گذشتہ سورۂ ص کے زیادہ تر مضامین رسالت سے متعلق تھے جن میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات منکرین کے لغو اور بے ہودہ اعتراضات کا رد اور انکے احمقانہ تمسخر کا جواب تھا اب اس سورت میں اکثر مضامین توحید سے متعلق ہیں توحید خداوندی ثابت کر کے مصدقین کی مدح اور انکی جزا اور ان پر انعامات الٰہیہ کا ذکر ہے اور مکذبین و منکرین پر وعید و تنبیہ ہے اور ابطال شرک کے لیے عقلی اور فطری دلائل ذکر فرماتے گئے سابقہ سورت کا خاتمہ۔ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ وحی الٰہی کی حقانیت وصداقت پر تھا تو اس سورت کی ابتدا اسی مناسبت و ربط کے ساتھ قرآن کریم کی حقانیت سے کی گئی کہ یہ کتاب الٰہی اللہ عزیز وحکیم کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے جو حق وصداقت کے ساتھ اتاری گئی جس کا پیغام توحید خداوندی ہے اس طرح ہر دو سورتوں کے مضمون میں ربط کے ساتھ سورت سابقہ کا خاتمہ اس سورت کی ابتداء سے ہی مربوط ہو گیا۔

آیاتها ۷۵ ۳۹ سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۹ رکوعاتها ۸

سورۂ زمر مکی ہے اس میں پچھتر آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

اتارا ہے کتاب کا اللہ سے جو زبردست ہے حکمتوں والا ہم نے اتاری ہے تیری

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۲﴾ اَلَا لِلّٰهِ

طرف کتاب ٹھیک سو بندگی کر اللہ کی نری کر کر اسکے واسطے بندگی سنتا ہے

الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا

اللہ ہی کو ہے بندگی نری اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے حمایتی کہ ہم ان کو

نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ

پوجتے ہیں اس واسطے کہ ہم کو پہنچا دیں اللہ کی طرف پاس کے درجے بیشک اللہ چکا دے گا

بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ۬ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ

ان میں جس چیز میں جھگڑ رہے ہیں البتہ اللہ راہ نہیں دیتا اسکو

مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا

جو ہو جھوٹا حق نہ ماننے والا اگر اللہ چاہتا کہ اولاد کرے تو

لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ

چُن لیتا اپنی خلق میں جو چاہتا وہ پاک ہے وہی ہے اللہ اکیلا

الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ

دباؤ والا بنائے آسمان اور زمین ٹھیک۔ لپیٹتا ہے رات کو

عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ

دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور کام لگائے سورج اور

الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤

چاند ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری مدت پر سنتا ہے وہی ہے زبردست گناہ بخشنے والا

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ

بنایا تم کو ایک جی سے پھر بنایا اس سے اس کا جوڑا اور

اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ

اُتارے تمہارے واسطے چوپایوں سے آٹھ نر و مادہ بناتا ہے تم کو

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ

ماں کے پیٹ میں طرح پر طرح بنانا تین اندھیروں کے بیچ

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

وہ اللہ ہے رب تمہارا اسی کا راج ہے کسی کی بندگی نہیں سوائے اسکے

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥

پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو؟

اثباتِ حقانیتِ کتابِ الٰہی و توحیدِ خداوندی و ابطالِ شرک

قال اللہ تعالیٰ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ...... الیٰ ...... فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ

(ربط) گذشتہ سورت میں زیادہ تر مضامین اثبات رسالت کے متعلق تھے اور مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر جو اعتراضات کرتے تھے ان کا جواب و رد تھا اور ان کے بیہودہ تمسخر پر تحمیق و تجہیل تھی اب اس سورت میں توحید خداوندی کا بیان ہے اور ابطال شرک اور یہ کہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے اس میں کسی کو شریک کرنا خواہ کسی بھی عقیدہ اور تخیل سے ہو عقل اور فطرت کے خلاف ہے اور شرک کے مرتکب کا انجام تباہی اور ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ان مضامین کیلئے بطور تمہید حقانیت قرآن کا ذکر فرما کر یہ سلسلۂ مضامین شروع کیا جا رہا ہے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔

فرمایا یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے اس لیے کسی کو جرأت نہ ہونی چاہیئے کہ اسکا انکار کرے اگر انکار و رد کیا تو ظاہر ہے اس غلبہ اور طاقت والے پروردگار کی گرفت اور سزا سے نہیں بچ سکے گا اور چونکہ وہ حکمت والا ہے اس وجہ سے کسی کو قدرت نہیں کہ اس کے کسی پیغام و حکم کو خلاف مصلحت کہے بے شک ہم نے اتارا ہے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ ٹھیک طور سے لہٰذا آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیئے جیسا کہ اب تک آپ اسکی عبادت میں مصروف ہیں خالص اللہ ہی کی معبودیت والوہیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے یاد رکھو اللہ ہی کے لیے عبادت و بندگی مخصوص ہے جو ہر قسم کی شرک کی گندگی سے پاک ہو اور اللہ کی توحید و خالقیت اور عبادت صرف اسی کا حق ہے یہ عین فطرت اور عقل کے مطابق ہے فطرت انسانی اور عقل اس کو ہرگز گوارہ نہیں کرتی کہ اس معبود حقیقی کی عبادت میں کسی کو شریک بنایا جائے اس لیے ہر ایک پر یہ لازم ہے کہ اسکو قبول کرے اور اس کے مطابق عمل کرے اور جن لوگوں نے اللہ کی عبادت خاصہ چھوڑ کر خدا کے سوا اور معبود تجویز کر رکھے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں عبادت کرتے ہیں ان معبودوں کی مگر صرف اس لیے کہ یہ معبود ہم کو اللہ کے قریب کر دیں گے اور اس کا مقرب ہم کو بنا دیں گے سو ان کا یہ گمان اور عقیدہ لغو اور باطل ہے بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا ان کے اور اہل ایمان کے درمیان قیامت کے روز انکے اس اختلافی معاملہ میں کہ اہل ایمان و توحید کو جنت میں داخل فرما دیا جائے گا اور اہل شرک ذلت و خواری کے ساتھ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے اور اس طرح عملاً اس اختلاف کا فیصلہ ہو جائے گا آپ ایسے بدنصیبوں کی گمراہی اور ہلاکت پر غم نہ کیجئے اور نہ تعجب کہ ایسے واضح دلائل کے باوجود کیوں راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہرگز ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا اور نافرمان ہو اور جو

اپنی زبان سے اقوال کاذبہ اور کذب بولتا ہو دل کفر کے اعتقاد سے لبریز ہو اور عمل سے نافرمانی اور کفر پر تلا ہوا ہو ظاہر ہے کہ یہ جملہ احوال ایسے شخص کی بدنصیبی اور محرومی ہی کا باعث ہیں۔

مشرکین کا ایک شرک یہ بھی تھا کہ اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیا تو ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اگر بالفرض اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا اس بات کا کہ کسی کو بیٹا بناتے تو چن لیتا اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہر چیز کائنات میں اس کی مخلوق ہے اور بیٹا ہونے کے لیئے اگر کسی کو منتخب کرتا تو وہ بھی اس کی مخلوق ہوتا جو یقیناً اللہ کی جنس سے نہ ہوتا اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ مخلوق اسکی اولاد ہو جاتے اور اگر بالفرض ایسا ہو تو یہ بہت بڑا عیب اور نقصان ہے کہ بیٹا والد کی جنس سے نہ ہو وہ تو ہر عیب سے پاک ہے وہ اللہ یکتا ہے کہ اس کا کوئی شریک اور نمونہ نہیں جو زبردست عزت اور غلبہ والا ہے لہٰذا نہ اس کی طرف اولاد کی نسبت کی جا سکتی ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایسے شرک کا ارتکاب کرنے والے اس کی گرفت اور عذاب سے بچ سکیں اس کی قوت اور غلبہ کا تو یہ عالم ہے کہ اس نے آسمان وزمین کو حکمت سے پیدا کیا وہ رات کی ظلمت کو لپیٹ دیتا ہے دن کی روشنی پر جس سے دن غائب ہو جاتا ہے اور ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کسی چیز کو کسی میں لپیٹ کر چھپا دیا گیا اور دن کی روشنی کو لپیٹ دیتا ہے رات کی ظلمت پر جس سے رات غائب ہو جاتی ہے اور مسخر کر دیا ہے اس نے سورج کو اور چاند کو ہر ایک کو اپنے کام میں لگا رکھا ہے کہ ان میں ہر ایک چلتا رہے گا ایک وقت مقرر تک ہر ایک کی رفتار اور نظام لیل ونہار قیامت تک اسی بہترین اسلوب کے ساتھ جاری رہے گا یہ آسمان اور زمین اور لیل ونہار اپنے میں کس قدر حکمتیں اور خالق رب العالمین کی وحدانیت اور الوہیت کی دلیلیں لیئے ہوئے ہیں خبردار ہو جاؤ وہی زبردست قدرت والا ان لوگوں کو عذاب دینے کے لیے جو ان دلائل کے باوجود اس کی توحید پر ایمان نہ لائیں ساتھ ہی بڑی مغفرت کرنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی گذشتہ زندگی کے کفر وشرک کو چھوڑ کر ایمان لے آئیں آخر سوچنا چاہیئے کہ انسان اس خالق حقیقی اور رب منعم کا انکار اور اسکے ساتھ شرک کرتا ہے جس نے اس کی تخلیق میں مادہ وحدت اور یگانگت کا رکھا کہ تمام بنی نوع انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں پھر بھی وہ اس کے ساتھ شرک کر کے انسانوں میں مؤمن وکافر کی تفریق پیدا کر رہا ہے ان باہر کے دلائل کے علاوہ خود اس کے وجود میں ایسے دلائل ہیں کہ وہ ان سے خدا کو پہچان سکتا ہے اور یہ کہ اس کی وحدانیت پر ایمان لانا عین فطرت کا تقاضا ہے تو اے انسانو! پیدا کیا اس نے تم کو ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے پھر اسی سے بنایا اس کا جوڑا یعنی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا جس سے دنیا میں انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ

جاری ہوا اور بناتے تمہارے نفع کے لیے چوپاؤں میں سے آٹھ نر و مادہ اونٹ ۔ گائے بھیڑ بکری جو پروردگار پیدا کرتا ہے تم کو اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک طرح کے بعد دوسری طرح پر تین اندھیروں میں یعنی بتدریج تم کو نطفہ سے علقہ بناتا ہے اور پھر اس دم بستہ کو مضغۂ لحم پھر اس پر ہڈیاں اور گوشت چڑھاتا ہے پھر روح پھونک کر حیات و زندگی کے ساتھ ان تین[1] اندھیروں سے تم کو باہر لاتا ہے سن لو یہ ہے اللہ تمہارا رب جس کی یہ عظیم قدرتیں اور بلند پایہ حکمتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک چیز اسکی ربوبیت و خالقیت اور وحدانیت کی ایسی دلیل ہے جو تمہارے وجود میں رچی ہوئی ہے اسی کی سلطنت و حکمرانی ہے اسکے سوا کوئی تعریف کے لائق نہیں سوائے انسانو ان دلائل و حقائق کے بعد بھی تم کہاں بھٹک رہے ہو تم پر واجب ہے کہ اس کی خالقیت اور وحدانیت پر ایمان لاؤ۔

ان آیات مبارکہ میں حق تعالیٰ نے کتاب الٰہی کو حق کے ساتھ نازل کیے جانے پر یہ حکم متنوع فرمایا فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ اس لیے کہ جو کتاب حق و صداقت لے کر نازل ہوئی اس پر عمل اس طرح ممکن ہے کہ اخلاص نیت کے ساتھ صرف اللہ ہی کی عبادت کی جائے اخلاص کے بغیر توحید کا حق ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ اخلاص کی نفی اور ضد شرک اور ریاء ہے اخلاص کے حکم کے ساتھ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ اسی کی تاکید اور تکمیل کے لیے فرمایا گیا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ دین وہی ہے جو شرک کی آمیزش سے ہر طرح پاک ہو یزید رقاشی رض سے منقول ہے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مال خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں مگر وہ چاہتے ہیں ان کی شہرت ہو تو کیا ایسی صورت میں کوئی اجر و ثواب ہے آپ نے فرمایا اللہ رب العزت صرف اسی چیز کو قبول فرماتا ہے جو صرف اسی کے واسطے خالص کی گئی ہو اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا سلسلۂ توحید خداوندی میں یہ آیت مشرکین و نصاریٰ اور ان تمام گمراہ فرقوں کا رد ہے جو اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں مثلاً نصاریٰ حضرت عیسیٰ ؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور اسی کے ساتھ تین خداؤں (تثلیث) کے بھی قائل ہیں اور مشرکین عرب میں بعض قبیلے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے ۔

مراد یہ ہے کہ بالفرض اگر خدا تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی مخلوق

---

[1] تین اندھیروں سے مراد ایک پیٹ ہے دوسرا اندھیرا رحم ہے اور تیسرا وہ جھلی جس میں بچہ محفوظ ہوتا ہے ان اندھیروں میں ہی خدا نے اس کی بتدریج نشو و نما کی پھر حیات و زندگی بخشی اور پھر اس رحم مادر سے باہر نکالا تو وہ دیکھنے اور سننے والا تھا۔ ۱۲

ہی میں کسی کو اس مقصد کے لیے چنتا کیونکہ یہ بات تو دلائل سے ثابت ہو چکی کہ خدا ایک ہے اور اس کے سوا کائنات میں جو کچھ ہے وہ اسکی مخلوق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی طرح کا بھی نوعی یا جنسی اشتراک نہیں ہو سکتا تو پھر ایک دوسرے کا باپ بیٹا کیسے ہو سکتا ہے اور جب مخلوق وخالق میں یہ رشتہ محال ہے تو یقیناً اللہ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہوگا علاوہ ازیں اگر اس محال کے بارہ میں بھی یہ فرض کر لیں کہ یہ محال نہیں تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بنانا عقل میں آنے والی بات نہیں ہے اس لیے کہ جب مخلوق میں انتخاب ہی کرنا ٹھیرا تو اس کا کیا مطلب ہے خدا تعالیٰ اپنے واسطے گھٹیا چیز انتخاب کرے یعنی بیٹیاں اور عمدہ چیز چن چن کر تمہیں دے دے یعنی بیٹے غرض یہ کہ ایسا فرض کرنا بھی امکان سے خارج ہے اور اللہ کی الوہیت میں تو کوئی دوسرا کیا شریک ہوتا اسکے ساتھ تو کسی کو نوعی یا جنسی اشتراک بھی نہیں ہو سکتا۔

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ میں لفظ انزل بمعنی خلق یعنی پیدا کیے تمہارے واسطے آٹھ اقسام چوپایوں کے نر و مادہ سے ملا کر یہاں انزل بمعنی خلق اور اوجد ہوا اور یہ ایسا ہی ہوا جیسے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ اور يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ میں لفظ انزل استعمال کیا گیا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عنوان اس لحاظ سے اختیار کیا گیا ہو کہ یہ تمام اشیا از قبیل انعامات خداوندی ہیں اور انعام کی عطا و بخشش ملاء اعلیٰ سے دنیا والوں کے لیے ہوتی ہے تو اس وجہ سے انزل کا عنوان اختیار فرما لیا گیا یا یہ کہ انعام (چوپایوں) اور لباس جو نباتات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے ان کے وجود میں آسمان کے پانی اور بارش کو دخل ہے یا بقول بعض مفسرین یہ اشیا درحقیقت اپنی اصل لحاظ سے جنت میں تھیں انکو جنت سے زمین پر اتارا گیا۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ

اگر تم منکر ہو گے تو اللہ پروا نہیں رکھتا تمہاری اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں

الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

کی منکری اور اگر حق مانو گے تو وہ پسند کرے گا اسکو تمہارے لیے اور نہ اٹھا دے گا کوئی اٹھانے

اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ

والا بوجھ دوسرے کا پھر اپنے رب کی طرف تم کو پھر جانا ہے تو وہ جتا دے گا تم کو جو کرتے تھے

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

وہ تو اس کو خبر ہے جیوں کی بات کی

شان بے نیازی پروردگار عالم و پسندیدگی ایمان و غضب بر کفر و نافرمانی

قال اللہ تعالیٰ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ ..... اِلٰى ... عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

حق تعالیٰ شانہٗ نے دلائلِ توحید و خالقیت کے بعد اپنی شانِ بے نیازی کا ذکر فرمایا کہ کسی کے ایمان سے خدا کو کوئی نفع اور کسی کے کفر سے اسکو کوئی نقصان نہیں پہنچتا وہ تو بے نیاز ہے اسکی بارگاہ میں کفر و نافرمانی پسند نہیں ہاں شکر و اطاعت اسکو محبوب ہے اس لیے ہر شخص کو سمجھ لینا چاہیے ایمان و کفر کا نفع نقصان خود مؤمن و کافر کی ذات ہی کو پہنچے گا قانونِ خداوندی ہے كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ہر انسان اپنے کیے ہوئے پر ماخوذ ہے اور اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ خدا تمام جہانوں سے بے نیاز ہے تو فرمایا اے لوگو! اگر تم کفر و نافرمانی اور شرک کرو گے تو سن لو خدا کا اس میں ذرہ برابر بھی نقصان نہیں کیونکہ اللہ بے نیاز ہے تم سے اسکو تمہاری طاعت و عبادت کی کوئی حاجت نہیں ہے تمہاری نافرمانی اور بغاوت سے اسکو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور وہ اپنے بندوں کے واسطے کفر کو پسند نہیں کرتا کیونکہ کفر سے خود بندوں کو ضرر پہنچتا ہے تو اسکو کفر ناپسند ہونا بندوں پر رحمت اور محبت کی وجہ سے ہے اور محبت و رأفت کا تقاضا یہی ہے بندوں کی ہلاکت و تباہی اور امن و عافیت کی بربادی ناگوار ہو اور اگر تم شکر کرو گے تو اللہ اس شکر گزاری اور طاعت و فرمانبرداری کو تمہارے واسطے پسند کرے گا اور ظاہر ہے کہ اس کا نفع اے انسانو! تم ہی کو پہنچے گا اور اس کا ایمان و طاعت کو پسند کرنا اس لیے ہے نہ یہ کہ اس کو بندوں کے ایمان و طاعت کی کوئی حاجت ہے اور یہ ضابطہ طے پاچکا ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اس لیے کسی کو کفر و نافرمانی کرکے یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ اس کے گناہوں کا بوجھ کوئی دوسرا اٹھالے گا دنیا میں بے شک ایسا ہو جاتا ہے کسی کے متبعین و خدام یا دوست اور اعزاء دوسرے کا بوجھ اٹھالیں مگر آخرت میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا وہاں انسان کا صرف ایمان اور اس کا عمل ہی اس کا سہارا ہوگا اور اعمال کے ثمرات و نتائج بہرحال بھگتنے ہیں یہ ممکن نہیں کہ کوئی اس سے بچ جائے دنیوی حیات میں مجرمین بسا اوقات اس بنا پر اپنے جرم کی پاداش سے بچ جایا کرتے ہیں کہ ان کے جرم کی اطلاع نہیں ہوتی مگر بارگاہ خداوندی میں ہر عمل موجود و محفوظ ہے اور وہاں ضرور جانا ہے اس لیے اس سے غافل نہ ہونا چاہیے کہ پھر تمہارے رب کی طرف تمہارا لوٹنا ہے تو وہ تمہارے سارے اعمال تم کو بتادیگا جس کے بعد تم کسی بھی عمل اور بات کا انکار نہ کرسکو گے وہ تو دلوں کی بات بھی خوب جاننے والا ہے اس لیے یہ خیال تمہارا بالکل باطل ہے کہ نہ قیامت ہے اور نہ جزاء سزا اور نہ تمہارے اعمال کی اس کو خبر ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے اس آیت مبارکہ میں اپنی شانِ بے نیازی و استغناء کا جو ذکر فرمایا یہ مضمون

مشہور حدیث قدسی میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے جس کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں اور دیگر محدثین نے بیان کیا ہے جس میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اے میرے بندو اگر تم میں سے اولین و آخرین جن وانس زندہ و مردہ تر اور خشک یعنی جاندار اور بے جان سب کے سب مل کر ایک شقی ترین انسان کا پیکر بن جائیں تو یہ سب میرے ملک میں مچھر کے پَر کے برابر بھی نقصان نہیں کر سکتے یہ وہی بات ہے جو قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم سے خطاب کے ذیل میں ذکر فرمائی فرمایا اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ کہ اے لوگو! اگر تم سب اور روئے زمین کے سب انسان بھی مل کر کفر کرو تو جان لو خدا کا کوئی نقصان نہیں بے شک اللہ تو ہر حال میں بے نیاز ہے اور لائق ستائش و حمد و ثنا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا

اور جب لگے انسان کو سختی پکارے اپنے رب کو رجوع

اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا

ہو کر اسکی طرف پھر جب بخشے اس کو نعمت اپنی طرف سے بھول

كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ

جاوے جو پکارتا تھا اس کام کو پہلے سے اور ٹھہراوے اللہ کے برابر اوروں کو

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ

تا بہکاوے اسکی راہ سے تو کہہ برت لے ساتھ اپنی منکری کے تھوڑے دنوں تو ہے

النَّارِ ⑧

آگ والوں میں

فراموشی وغفلت انسان از رب منعم در حالت نعمت و اضطراب و انابت در مصیبت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ۔۔۔ اِلٰى ۔۔۔ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ

(ربط) گذشتہ آیات میں اللہ رب العزت نے اپنی شانِ بے نیازی بیان فرمائی اب اس کے

بالمقابل انسان کی اس فطری دنائت کا ذکر کیا جا رہا ہے جس میں بالعموم وہ مبتلا ہوتا ہے اس دنائت وکمینگی سے پاک کرنے والی چیز صرف اللہ اور اسکے رسول کی ہدایات وتعلیمات ہیں اور اس امر کا احساس وشعور کہ خدا کے اس پر کیسے عظیم انعامات ہیں اور انعامات کا تقاضا ہے کہ انسان ہر حالت میں اپنے رب کے ساتھ تعلق رکھے نعمتوں میں شاکر بن کر خدا سے رابطہ رکھے اور تکلیف ومشقت میں صابر ہو کر اسکی رحمتوں اور عنایات کا مستحق بنے۔

فرمایا اور اس انسان کو جس نے اپنے رب سے کوئی واسطہ نہیں رکھا جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے وہ رب جس کی معرفت اسکی اصل فطرت میں موجود ہے جو عہد الست سے اس میں سرایت کیئے ہوتے ہے اور اس وقت اسکو اپنے وہ معبودان باطلہ یاد نہیں آتے جن کو اس نے اپنا معبود بنایا ہوا یا خدا کی الوہیت میں شریک کیا ہوا ہے پھر جب اللہ اسکو اپنی طرف سے نعمت امن وعافیت اور آسائش عطا فرما دیتا ہے تو بھول جاتا ہے جس تکلیف کے دفع کرنے کے لیئے پہلے سے وہ (خدا کو) پکار رہا تھا اور پھر غفلت وبغاوت کے ساتھ خدا کے شریک بنانے لگتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی گمراہی کے علاوہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے بھٹکا دے آپؐ ایسے شخص سے کہدیجیئے نفع اٹھا لے اپنے کفر کے ساتھ تھوڑا سا کیونکہ یہ متاع دنیا قلیل ہے اور یہاں کی لذتیں اور راحتیں بھی عارضی ہیں آخرت میں بہرکیف جانا ہے بے شک تو وہاں جہنمیوں میں سے ہوگا جہاں کا عذاب شدید اور ابدی ہوگا جس سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا تو اس نافرمان وکافر انسان کی بڑی غلطی ہے کہ دنیا کی چند روزہ نعمتوں اور لذتوں میں پڑ کر جہنم کا دائمی عذاب اختیار کر رہا ہے

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ اکثر مفسرین وقراء اسکو یا کو ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں جس کا ترجمہ ہے تاکہ گمراہ کرے کیونکہ کافر خود اپنے عمل سے گمراہ تو ہوتا ہی ہے لیکن وہ اپنی ذات کی گمراہی کے علاوہ اپنے عمل اور گمراہ کن کوششوں سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے اس لیے اسکے کفر کا حقیقت میں نتیجہ یہی نکلتا ہے تو وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔

بعض قراء مثلاً ابن کثیرؒ اور ابو حفصؒ اسی کو بفتح یا پڑھتے ہیں تو اس تقدیر پر ترجمہ ہوگا تاکہ گمراہ ہو اللہ کے راستہ سے۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ

بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہے گھڑیوں رات کی سجدے کرتا اور کھڑا خطرہ رکھتا

الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ

ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہر کی تو کہہ کوئی برابر ہوتے ہیں

يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا

سمجھ والے اور بے سمجھ ؟ وہی سوچتے ہیں جن کو

الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ

عقل ہے تو کہہ اے بندو میرے جو یقین لاتے ہو! ڈرو اپنے رب سے جنہوں

اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ

نے نیکی کی اس دنیا میں ان کو ہے بھلائی اور زمین اللہ کی کشادہ ہے ٹھہرنے

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ

والوں ہی کو ملتا ہے ان کا نیگ ان گنت تو کہہ مجھ کو حکم

اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ

ہے کہ بندگی کروں اللہ کو نری کر کر اسکی بندگی اور حکم ہے کہ میں ہوں سب

اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

سے پہلے حکم بردار ؛ تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر حکم نہ مانوں اپنے رب کا

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾

ایک بڑے دن کی مار سے تو کہہ میں تو اللہ کو پوجتا ہوں نری کر کر اپنی بندگی اسی کے واسطے

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ

اب تم پوجو جسکو چاہو اسکے سوا تو کہہ بڑے ہارے وہ جو

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ

ہار بیٹھے اپنی جان اور اپنا گھر قیامت کے دن سنتا ہے یہی ہے

الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ

صریح ٹوٹا اُن کے اوپر سے بادل ہیں آگ کے اور

مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ

نیچے سے بادل اس چیز سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو اے بندو میرے

فَاتَّقُوْنِ ⑯ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا

تو مجھ سے ڈرو اور جو لوگ بچے شیطانوں سے کہ اُن کو پوجیں

وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ⑰ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ

اور رجوع ہوئے اللہ کی طرف انکو ہے خوشخبری سو تو خوشی سنا میرے بندوں کو جو سنتے ہیں

الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ

بات پھر چلتے ہیں اس کے نیک پر وہی ہیں جن کو راہ دی اللہ نے

وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑱

اور وہی ہیں عقل والے۔

مدح مؤمنین مطیعین و بیان مراتب عالیہ برائے اہل تقویٰ در دنیا و عقبیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ ..... اِلٰى ..... هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(ربط) گذشتہ مضمون اس قانون خداوندی کی تحقیق وتفصیل پر مشتمل تھا کہ کفر و نافرمانی اللہ کو ہرگز پسند نہیں ایمان و اطاعت اور شکر اللہ کو محبوب ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت تمام جہانوں سے بے نیاز ہے اسکو نہ کسی کے کفر سے نقصان ہے اور نہ کسی کے ایمان وطاعت سے نفع اب ان آیات میں اہل ایمان وطاعت کے درجات اور ان پر خداوند عالم کے ان انعامات کا بیان ہے جو ان پر دنیا اور آخرت میں کیے جائیں گے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ علم و معرفت اور عقل و تدبر ہی کے ذریعہ انسان ہدایت قبول کرتا ہے اس لیے علم اور جہل برابر نہیں ہو سکتے اسی سلسلہ مضمون میں آپ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کو ایمان وتقویٰ کی دعوت دیں اور یہ کہ اعلان فرما دیں خود میرا عمل اور طرز زندگی سراپا اخلاص اور عبادت خداوندی ہے اور خوف خدا اور فکر آخرت سے میں کسی بھی لمحہ غافل نہیں اب اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنی باغیانہ روش ترک نہیں کرتا تو آپ اس سے بیزاری کا اعلان فرما دیجئے اور یہ کہہ دیجیے کہ ایسے لوگ خود اپنے آپ کو اور اپنے اہل ومتبعین کو بھی ہلاکت

وتباہی میں مبتلا کر رہے ہیں ارشاد فرمایا بھلا کیا وہ شخص جو اطاعت و بندگی میں لگا ہوا رات کے ٹکڑوں میں جبکہ بالعموم لوگ آرام وراحت کے ساتھ بستروں پر ہوں بجائے نیند اور استراحت کے خدا کی یاد میں سجدے کرتا ہے اور کھڑا ہوا اللہ کو پکار رہا ہے آخرت سے ڈر رہا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے اور وہ شخص جو خدا سے غافل اور آخرت سے بے فکر شرک وکفر اور نافرمانی میں مبتلا ہے برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ قانت و مطیع اللہ کی بندگی میں مصروف رات کی تاریکیوں میں اس کے لیے سربسجود جو اس کے عذاب وقہر سے ڈر رہا ہے اور رحمت کا امیدوار ہے اللہ کے نزدیک محمود و پسندیدہ اور محبوب ہے اور وہ مشرک ونافرمان جو مطلب نکالنے کے بعد خدا کو بھلا دیتا ہے خدا کے نزدیک مبغوض اور قابل نفرت ہے آپ اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے کہہ دیجئے کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم والے ہیں اور وہ جو جاہل ہیں کسی قسم کا قطعًا علم نہیں رکھتے۔

دنیا اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ علم اور جہل برابر نہیں اور عالم وجاہل کا درجہ یکساں نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ بھی ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان وکفر اور مؤمن وکافر برابر نہیں ہو سکتے مگر افسوس کہ ان حقائق کو اکثر لوگ نہ سوچتے ہیں اور نہ اس سے عبرت وسبق حاصل کرتے ہیں ان چیزوں سے تو صرف وہی لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں اور جب یہ واضح اور ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ لوگ صرف وہی ہیں جن کا شیوہ اللہ کی بندگی اور فکر آخرت ہی ہے تو آپ فرما دیجئے میرے بندوں کو میری طرف سے میرا یہ پیغام اے میرے وہ بندو! جو ایمان لائے ڈرو تم اپنے رب سے اب اس طرح کا ڈر جو اس ذات بابرکت کا حق تقویٰ ادا کرنے والا ہے اور اس خوف وخشیت سے تم عبادت پر دوام وپابندی اختیار کیے رکھو اور یہ سمجھ لو جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کے کام کیے انکے واسطے بہترین بدلہ ہے آخرت میں تو یہ بدلہ ضرور ملنا ہی ہے دنیا میں بھی موجب رحمت وبرکت ہے خواہ ظاہرہ ہو یا باطنہ اور اگر جس سرزمین میں تم رہتے ہو وہاں طاعت وبندگی سے موانع ہیں تو ہجرت کر کے دوسری جگہ جا سکتے ہو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے طاعت ونیکی میں استقلال واستقامت اختیار کرو کیونکہ صبر واستقامت اختیار کرنے والوں کو اجر بے حساب دیا جاتا ہے اور ہر عمل اخلاص ہی سے بارگاہ خداوندی میں قابل اعتبار ہے تو آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھ کو تو اللہ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اس طرح کہ اسی کے لیے عبادت وبندگی کو خالص کرنے والا ہو جاؤں جس میں شرک کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہو اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں طاعت کرنے والوں میں سب سے پہلا اطاعت کرنے والا ہوں تاکہ دنیا میں خدا کا ہر مطیع وفرمانبردار بندہ میری اطاعت وفرمانبرداری ہی کو اپنے واسطے اسوہ اور نمونہ بناتے اور ظاہر ہے کہ اطاعت وبندگی خشیت خداوندی کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ کوئی نڈر غلام اپنے آقا کا کبھی فرمانبردار نہیں ہو سکتا اس لیے یہ بات بھی کہہ دیجئے میں تو ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں ایک بڑے دن کے عذاب سے

آپ اگر ان تمام باتوں کے بعد بھی ان نافرمانوں میں اللہ کی طرف رجوع کا کوئی ارادہ محسوس نہ کریں تو پھر کہہ دیجیے ہیں تو اللہ کی عبادت اسی طرح کرتا رہوں گا اسکے لیے اپنی بندگی خالص کرتے ہوئے اب تم جس کی چاہو عبادت کرلو اسکو چھوڑ کر تمہیں خود اپنا انجام معلوم ہو جائے گا اس حقیقت کے پیش نظر آپ اتمام حجت کے طور پر کہہ دیں پورا خسارہ اور نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں اور اپنے اہل وعیال کو جو انکے نقش قدم پر چلے ہلاکت اور خسارہ میں ڈالنے والے ہیں قیامت کے روز یاد رکھو یہی صریح خسارہ ہے کہ نہ انسان کو خود نجات نصیب ہوتی اور نہ اہل وعیال اور متعلقین کو راحت دیکھنا نصیب ہوتی تو اس سے بڑھ کر اور کون سا خسارہ یا تباہی ہو سکتی ہے ان لوگوں کے واسطے تو ان کے اوپر سے سائبان ہوں گے آگ کے شعلوں کے اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور یہ اوپر اور نیچے کے شعلے اس طرح ہوں گے جیسے سمندر کی موجوں کے اندر غرق انسان کے اوپر بھی موجیں اور نیچے بھی طوفانی تھپیڑے یہی تو ہے وہ عذاب جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ اے میرے بندو مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کی اطاعت میں لگ جاؤ ورنہ تو نافرمانوں کے لیے جو عذاب اللہ نے تیار کر رکھا ہے اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

اور جو لوگ شیطان سے بچتے ہیں اس بات میں کہ اس کی پرستش کریں اور اسکے کہنے پر چلیں اور انہوں نے نفس وشیطان سے منہ موڑ کر خالصۃً اپنی زندگی کا رخ اللہ کی طرف کر رکھا ہے تو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو اللہ کی بات کی طرف کان لگاتے ہیں توجہ سے سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں یہی ہیں وہ جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی ہیں وہ جو عقل والے تو ایسے ایمان واخلاص اور توجہ سے اللہ کی باتیں سننے اور ماننے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں کو حق تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور جنت میں ہر طرح کے انعام واعزاز کی بشارت سنا دیجیے۔

آیت مبارکہ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ کا مضمون جس میں مطیعین کی تعریف اور ان پر انعامات خداوندی کا ذکر فرمایا گیا بعینہٖ وہی مضمون ہے جو آیت لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ میں گزر چکا ان کلمات سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ قنوت کا مفہوم صرف قیام نہیں بلکہ اس کے معنی خشوع کے زیادہ راجح معلوم ہوتے ہیں سفیان ثوریؒ بروایت مسروقؒ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ قانت بمعنی مطیع ہے یعنی اللہ عزوجل اور اسکے رسولؐ کے احکام کی اطاعت کرتا ہو اٰنَآءَ الَّيْلِ رات کے ٹکڑوں کو کہا جاتا ہے رات کی تاریکی میں عبادت باعث سکون وفرحت بھی اور موجب قرب خداوندی بھی قیام لیل اور تہجد خدا کی بارگاہ میں اس قدر محبوب عمل ہے کہ فرشتے اس عمل کو بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے کیلئے باہم خصومت کرتے ہیں ہر ایک فرشتہ کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس عمل کو لے کر وہی سب سے پہلے بارگاہ رب العزت میں پہنچے جیسے کہ حدیث اختصام ملاء اعلیٰ میں ذکر فرمایا گیا۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں یعنی جو بندہ

رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا کبھی اسکے سامنے دست بستہ کھڑا رہا کبھی سجدہ میں گرا ایک طرف آخرت کا خوف اسکے دل کو بے قرار کیئے ہوتے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے تو کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی نکلی خدا کو چھوڑ بیٹھا دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں ایسا ہو تو یوں کہو کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھ دار اور بیوقوف میں کچھ فرق نہ رہا مگر ظاہر ہے کہ اس بات کو وہی سوچتے اور سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے (انتہی کلامہ) ایمان کی حقیقت اور اصل روح چونکہ خوف ورجا ہے اس وجہ سے یہاں اہل ایمان وطاعت کی یہ خصوصی صفت بیان کی گئی یَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَیَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ۔ یعنی آخرت کا ڈر اور اپنے رب کی رحمت کی امید حالتِ عبادت میں قائم کیئے ہوتے ہو کیونکہ جس طرح یہ صفت ایمان کا کمال ہے اسی طرح یہ وصفِ عبادت کا بھی کمال ہے خوف ورجا یہ دونوں کیفیتیں ایمان کی روح اور عبادت کے جوہر ہیں مگر ان میں سے ایک کیفیتِ خوف زندگی میں غالب رہنی چاہیئے اور جب انسان دنیا سے رحلت کر رہا ہو تو پھر رجاء کا پلہ بھاری ہونا چاہیئے کیونکہ اب وقت رجاء اور امید رحمت کا ہے اور خوف جو اصلاح عمل کے لیے ضروری تھا اب یہ انسان دار العمل سے روانہ ہونے کی وجہ سے اس مرحلہ سے گزر چکا ہے عمل کے میدان کو عبور کرکے دار الجزاء کے دروازے پر کھڑا ہے تو یہ وقت رجاء کے غلبہ کا ہے۔

عبد بن حمیدؒ نے باسناد انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے جب کہ وہ مرض الموت کی حالت میں تھے آپؐ نے اس شخص سے دریافت فرمایا بتاؤ تم اس وقت اپنے آپ کو کیسی حالت میں پا رہے ہو جواب دیا اِنّی ارجو اللّٰہ واخاف ذنوبی کہ میں اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر بھی رہا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ دو صفتیں کسی مؤمن بندہ کے قلب میں جمع ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسکو وہ چیز عطا نہ فرماتے جس کی اسے امید ہے اور اس چیز سے اسکو مامون و محفوظ نہ فرما دے جس سے وہ ڈر رہا ہے (جامع ترمذی۔ سنن نسائی)۔

ابن ابی حاتمؒ بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ البکاءؒ نے ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ——— یہ آیت اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ پڑھتے ہوتے سنا تو سن کر فرمایا یہ شخص جس کا ذکر قرآن کریم نے ان کلمات میں کیا وہ تو عثمان بن عفانؓ ہیں کیونکہ ان کی یہی شان تھی کہ پوری رات تہجد اور تلاوت میں گذر جاتی تھی اور کبھی ایسا بھی ہوتا

کہ ایک ہی رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھ لیتے۔

اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ کے ترجمہ میں اضافہ کردہ کلمات سے یہ ظاہر کیا گیا کہ انسان اگر اپنے وطن میں عبادت نہیں کرسکتا تو پھر اس کو چاہیئے کہ اس سرزمین سے ہجرت کرکے ایسی جگہ جائے جہاں اپنے رب کی اطاعت کرسکے اس تفسیر پر ماقبل سے ربط بخوبی واضح ہورہا ہے کہ اس دنیا میں نیکی کرنے والوں کی نیکی کا بدلہ ضرور انکو ملے گا رہا یہ کہ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ میں تو ایسی جگہ محصور ہوں اور کفار کا غلبہ و تسلط ہے کہ نیکی اور عبادت کرہی نہیں سکتا تو اس کو فرمایا جارہا ہے اگر یہ زمین تیرے واسطے تنگ ہے تو کیا ہوا کہیں اور چلا جا اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اللہ کی زمین تو بہت وسیع ہے چنانچہ مجاہدؒ اسکی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے فتھاجروا فیھا وجاھدوا واعتزلوا الاوثان مجاہدؒ کے اس کلمہ نے ایک لطیف اشارہ بھی کردیا مسلمانوں پر اگر کافروں کے غلبہ اور تسلط سے کوئی جگہ نیکی اور عبادت کے لیئے تنگ ہے تو ہجرت کے ساتھ جہاد بھی کرو تاکہ جہاد کے ذریعہ اللہ کی وسیع زمین فتح کرو اور وہاں اللہ کا دین قائم کرو۔

عطاءؒ کا قول ہے کہ جب تم کو کسی معصیت کی طرف بلایا جاتے تو تم اس جگہ سے راہ فرار اختیار کرو اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا اسی معنی اور حکم کو ثابت کرنے کے لیئے امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں ایک باب من الدین الفرار من الفتن قائم کیا ہے کہ دین کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ ہے کہ فتنوں کی سرزمین سے انسان راہ فرار اختیار کرے۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ

بھلا جس پر ٹھیک ہوچکا عذاب کا حکم بھلا تو خلاص

تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

کرے گا آگ میں پڑے کو لیکن جو ڈرتے رہے

رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ

اپنے رب سے ان کو ہیں جھروکے ان پر اور جھروکے چنے ہوئے ان کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾ اَلَمْ تَرَ

چلتی ہیں نہریاں وعدہ ہوا اللہ کا اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ تو نے نہیں

اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ

دیکھا کر اللہ نے اُتارا آسمان سے پانی پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین کے

ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ

پھر نکالتا ہے اس سے کھیتی کئی کئی رنگ بدلتے اس پر پھر آئی تیاری پر تو دیکھے

مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي

اس کا رنگ زرد پھر کر ڈالتا ہے اسکو چورا بے شک اس میں نصیحت ہے

الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ ع

عقلمندوں کو

مذمت و وعید بر شقاوت مجرمین و فلاح و کامرانی مؤمنین

قال اللہ تعالیٰ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ ..... اِلٰی .... لِاُولِي الْاَلْبَابِ

(ربط) گذشتہ آیات میں بالقصد اور اصل بیان مؤمنین و مطیعین کا اور عند اللہ انکے درجات و انعامات کا تھا درمیان میں ضمناً مجرمین کے خسارہ کا بھی ذکر ہوگیا تھا اب ان آیات میں ایسے بدنصیب اور محروم لوگوں کی ذلت و ناکامی اور اہل ایمان و طاعت کی کامیابی کا بیان ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت کے یہاں انکے درجات کس قدر بلند ہوں گے۔

ارشاد فرمایا کیا وہ شخص جس پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے بھلا کیا آپ اسکو دوزخ کے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں اس لیے کہ جن کے حق میں یہ فیصلہ ہو چکا وہ ہرگز گمراہی سے نہیں نکل سکتے اور گمراہی پر مرنا عذاب جہنم کا موجب ہے اور جب انکی ہدایت اور ایمان اس تقدیری فیصلہ کے باعث ممکن نہ رہا تو کوئی بھی انکو جہنم میں جانے سے نہیں روک سکتا اور نہ اس کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے جیسا کہ خود پروردگار عالم نے یہ فیصلہ ان بدنصیبوں کے حق میں فرما دیا جو بوجہ اپنی شقاوت کے ہدایت سے محروم کر دیئے گئے تو اس صورت حال میں کون انکو جہنم سے بچا سکتا ہے اس لیے آپ ان پر غم اور ملال نہ کریں ان پر اس طرح کا غم بے سود ہے لیکن جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا بے شک وہ انعامات خداوندی کے مستحق ہیں انکے واسطے جنت کے بالاخانے ہیں جن کے

اُوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں اور ان محلات کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ اپنے وعدہ میں خلاف نہیں کرتا ایسے انعامات جنت کے محل اور باغات پر تعجب کیوں ہو جو نعمتیں اللہ نے دنیا میں بندوں کو عطا کیں اور جیسی قدرت کی نشانیاں نظروں کے سامنے ہیں انکو دیکھ کر یہ سب کچھ سمجھنا آسان ہے تو کیا اے مخاطب تو نے نہیں دیکھا اللہ نے آسمان سے کس طرح پانی برسایا پھر وہ اپنی قدرت سے اس پانی کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے چنانچہ زمین کے ان ٹکڑوں سے پانی نکلتا ہے کنویں اور چشمے اپنے قعر اور گہرائیوں سے پانی ابال کر اوپر پھینکتے ہیں جس سے زمینیں سیراب ہوتی ہیں پھر اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کھیتیاں پیدا کرتا ہے جن کے رنگ اور اقسام مختلف ہوتے ہیں پھر وہ کھیتی پک جاتی ہے تو اے مخاطب اس کو تو دیکھے گا خشک ہو جانے کے بعد زرد رنگ کی پھر اس کو چورا چورا کر دیتا ہے جب کہ کھیتی کٹنے کے بعد روندی جاتے بے شک اس میں بڑا ہی نمونہ ہے عبرت کا عقل والوں کے لیے تو بس یہی حالت دنیوی حیات کی ہے کہ ابتداء اسکی شادابی اور رونق و زینت ہے لیکن اس کی انتہا پامالی اور ہلاکت ہے اور پھر اس ضمن میں یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ جو پروردگارِ عالم دنیا میں آسمان سے پانی برسانے اور سبزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے اسکی قدرت سے جنت کی ان نعمتوں پر بھی کوئی تعجب نہ کرنا چاہیے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر فوائد میں یہ فرماتے ہیں یعنی عقلمند آدمی کھیتی کا حال دیکھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے کہ جس طرح اسکی رونق اور سرسبزی چندروزہ تھی پھر چورا چورا کیا گیا یہی حال دنیا کی چہل پہل کا ہوگا چاہیئے کہ آدمی اس کی عارضی بہار پر مفتون ہو کر انجام سے غافل نہ ہو جاتے جیسے کھیتی مختلف اجزاء سے مرکب ہے مثلاً اس میں دانہ ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بنتا ہے اور ہر ایک جزء سے منتفع ہونا بدون اسکے ممکن نہیں کہ دوسرے اجزاء سے اسکو الگ کریں اور اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچائیں اسی طرح دنیا کو سمجھ لو کہ اس میں نیکی بدی راحت تکلیف وغیرہ سب ملی جلی ہیں ایک وقت آئے گا کہ یہ کھیتی کٹے اور خوب چورا چورا کی جاتے اور پھر اس میں سے ہر ایک جزء کو اس کے مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے نیکی اور راحت اپنے مستقر و مرکز پر پہنچ جاتے اور بدی یا تکلیف اپنے خزانہ میں جا ملے (نیکی اور راحت کا مستقر جنت ہے اور بدی و تکلیف کا مستقر جہنم ہے اس لحاظ سے نیکی کا انجام جنت اور جنت کی راحتیں سمجھ لینی چاہئیں اور بدی کا مستقر جہنم ہے تو بدی کا مآل جہنم اور جہنم کی تکالیف ہوگا)

غرض کھیتی کے مختلف احوال دیکھ کر عقل مند لوگ بہت مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں نیز مضمون آیت میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جس خدا نے آسمانی بارش سے زمین میں چشمے جاری کیے وہ ہی جنت کے محلات میں نہایت قرینہ کے ساتھ نہروں کا سلسلہ جاری کر دے گا۔

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ

بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے مسلمانی پر سو وہ اُجالے میں

عَلَىٰ نُورٍ مِنْ رَبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ

ہے اپنے رب کی طرف سے سو خرابی ہے ان کو جن کے دل سخت ہیں اللہ کی

اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٢٢﴾ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ

یاد سے وہ پڑے پھرتے ہیں بھٹکے صریح اللہ نے اتاری بہتر

الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ

بات کتاب آپس میں ملتی دہرائی ہوئی بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ

ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور انکے دل

إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ

اللہ کی یاد پر یہ ہے راہ دینا اللہ کا اس طرح راہ دیتا ہے جسکو چاہے

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ أَفَمَنْ يَتَّقِي

اور جس کو راہ بھلا دے اللہ اسکو کوئی نہیں سمجھانے والا بھلا ایک جو روکتا ہے

بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ

اپنے منہ پر بڑا عذاب دن قیامت کے اور کہئے بے انصافوں کو

ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٢٤﴾ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

چکھو جو تم کماتے تھے جھٹلا چکے ہیں اُن سے اگلے پھر پہنچا

فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٥﴾ فَأَذَاقَهُمُ

اُن پر عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے تھے پھر چکھائی ان کو

اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

اللہ نے رسوائی دنیا کے جیتے اور عذاب آخرت کا تو

اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور بڑا ہے، اگر یہ سمجھ رکھتے

بیان انشراح قلوب اہل ایمان و آثار خشیت و تقویٰ از ذکر الٰہی و تلاوت قرآن است

قال اللہ تعالیٰ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ ...... اِلیٰ ...... لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں دلائل قدرت اور اثبات حق کے لیے براھین اور شواہد بیان کیے گئے تھے اور عقائد باطلہ کی تردید و ابطال کیا گیا تھا اب اس کے بعد ان آیات میں آیات خداوندی سے انتفاع اور قبول ہدایت کا ایک معیار ذکر کیا جا رہا ہے وہ قلب کا اللہ رب العزت کی اطاعت کیلئے منشرح ہو جانا ہے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ اس قلب پر اللہ کی خشیت و عظمت کے آثار ظاہر ہوں لیکن اگر قلب پر قساوت (سختی اور بے حسی) مسلط ہو تو پھر اس پر خدا کی عظمت و ہیبت اثر انداز نہ ہو گی اور نہ ہی اسکو ذکر اللہ کی رغبت ہو گی۔

نیز یہ بھی ایک ربط کی وجہ بیان کی جا سکتی ہے کہ گذشتہ آیات میں زمین کے چشموں اور کنوؤں کا ذکر تھا زمین کے چشمے اور کنویں جو اپنی تہوں سے پانی اُبالتے ہیں اور خشک زمینوں کو سیراب کرتے ہیں وہ دو باتوں پر مبنی ہیں بخارات کا انقلاب برودت ارض سے اور آب باراں کا زمین کی گہرائی میں پیوست ہو جانا اور پھر ان کا سمٹ کر جمع ہو جانا تو اسی طرح اہل ایمان کے قلوب میں علوم ہدایت جو قلوب کی ہدایت کیلئے بمنزلہ بارانِ رحمت) جمع ہوتے ہیں پھر ان قلوب سے وہ علوم ہدایت چشموں کے پانی کی طرح ابلتے ہیں اور دوسرے دلوں کو سیراب و شاداب کرتے ہیں اور یہ بات اس وقت ہوتی ہے جب قلوب میں اللہ کی خشیت و تقویٰ موجزن ہو اور اگر قلوب بنجر زمین کی طرح ہو جائیں تو ظاہر ہے وہ نہ تو علوم ہدایت سے متاثر و مستفید ہوں گے اور نہ علوم ہدایت کا ذخیرہ ان میں جمع ہو سکے گا کہ دوسروں کی تشنگی دور کر سکیں تو فرمایا سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور اسلام کی حقیقت و حقانیت کو پہچان کر اس کا مطیع فرمانبردار ہو گیا تو وہ ایک نور پر ہے جو اسکو اپنے رب کی طرف سے حاصل ہے کیا یہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں جس طرح زندہ اور مردہ اور بینا اور نابینا برابر نہیں اسی طرح یہ دونوں بھی برابر و یکساں نہیں پس ہلاکت و بربادی

ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل سخت ہو چکے ہیں اللہ کے ذکر اور یاد سے ایسے لوگ بے شک کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اللہ نے تو نازل کر دیا ہے بڑا ہی بہترین کلام ایک کتاب کی صورت میں یعنی قرآن حکیم جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے کہ اسکی تمام آیات اور باتیں فصاحت و بلاغت اور اسرار و حکم اور سعادت و فلاح کے ضامن و کفیل ہونے میں متشابہ اور ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں ان آیات و احکام اور علوم میں نہ باہم اختلاف ہے نہ تضاد اور نہ تفاوت و فرق جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ کلام اسی قادر مطلق پروردگار کا ہے جس نے تمام کائنات کو کیسے حسن و تناسب اور سلیقہ سے بنایا اگر یہ کتاب غیر اللہ کی ہوتی تو ضرور تفاوت اور اختلاف پایا جاتا جیسے ارشاد ہے وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا یہ ملتی جلتی متشابہ آیات ایسی ہیں جو بار بار دہرائی گئی جن کا تکرار اور دہرانا مختلف حکمتوں اور فوائد پر مشتمل ہوتا ہے اور اسلیئے کہ یہ مضامین قلب و دماغ میں راسخ ہو جائیں اور انسان اپنی فکری اور ذہنی صلاحیتوں سے ان چیزوں کو اپنی عملی زندگی میں رچانے کے لیئے تیار ہو جاتے اور ظاہر ہے کہ یہ ثمرہ محض ایک دفعہ بطور پیغام کسی بات کو بیان کر دینے سے نہیں حاصل ہوتا تاوقتیکہ مختلف اسلوبوں کے ساتھ پہلے ایک بات ذہن نشین نہ کرا دی جائے پھر اس کی حکمتوں اور فوائد کے تکرار سے اسکی رغبت دل میں نہ بٹھا دی جائے حتیٰ کہ یہ شوق و رغبت اس کو عمل پر مجبور کر دے اس کتاب الٰہی کی ایسی عظیم تاثیر ہے کہ کانپ اٹھتی ہیں کھالیں یعنی بدن ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر اس ایمانی اور طبعی خشیت الٰہی جس سے ان کا بدن بھی کانپتا ہو ترقی کر کے ان کی عملی زندگی کو انقیاد و اطاعت کے ایسے بلند ترین مقام پر پہنچا دے کہ نرم ہو جائیں انکی کھالیں یعنی بدن اور دل اللہ کے ذکر کی طرف طاعت و فرمانبرداری کے ساتھ یعنی پوری توجہ اور انقیاد کے ساتھ اعمال جوارح اور اعمال قلب بجالاتے ہیں یہی ہے اللہ کی ہدایت جس کی سراپا تفسیر و تشریح قرآن کریم ہے اسی کلام الٰہی کی تلاوت اس پر غور و فکر اور عمل ہدایت و سعادت اور کامیابی کی راہیں کھولتا ہے جس کو بھی اللہ چاہے اسکے ذریعے ہدایت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں اب ایسا بدنصیب جس نے اپنی قساوت قلبی سے کبھی اللہ کی طرف رخ نہ کیا ہو ظاہر ہے کہ اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے سورج کی روشنی سے تو وہی منتفع ہو سکتا ہے جو اپنی آنکھیں کھولے اور سورج کا رخ کرے اور جو عناد و نخوت میں اپنی آنکھیں نور ہدایت سے بند کیئے ہوئے ہے اسکو اب کیا نور حاصل ہو سکتا ہے یہی وہ بات ہے جس کو ارشاد فرمایا گیا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ بہرکیف وہ قلوب جن میں ایمان و تقویٰ ہے اور خوفِ خدا سے وہ پگھل رہے ہیں وہ ان قلوب کی طرح نہیں ہو سکتے جو قساوت کی وجہ سے مردہ ہو چکے اس وجہ سے ہر صاحب فہم یہ سمجھ سکتا ہے بھلا کیا وہ شخص جو عذاب کی سختی سے بچے گا اپنے چہرہ کے ذریعہ اس کو سپر بناتے ہوئے قیامت کے روز وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اللہ کی نعمتوں اور رحمتوں کی طرف لے جایا جا رہا

ہے پہلا شخص ذلت وخواری کی اس حالت میں مبتلا ہے کہ ہاتھ بندھے ہوتے ہیں اور عذاب خداوندی سامنے سے آرہا ہے اسکو اتنی بھی قدرت نہیں کہ ہاتھ کے ذریعہ سے سامنے سے آنے والی چیز کو دفع کرے تو وہ اپنے چہرے ہی کو سامنے کرتے ہوتے اس عذاب کو دور کرنا چاہے گا اور دوسرا شخص جس کا دل اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تھا وہ اعزاز و اکرام اور انعامات کا مستحق ہوگا اور اس وقت کہا جائے گا ظالموں سے کہ چکھو لو تم مزہ اپنے ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے کفار مکہ کو چاہیئے کہ یہ باتیں سن کر یقین کریں اگر انہوں نے جھٹلایا تو پھر سمجھ لینا چاہیئے ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا عذاب خداوندی کو جو ان سے پہلے گذرے ہیں لیکن آگیا ان پر عذاب خداوندی ایسے طریقے سے کہ انکو خبر بھی نہ تھی اور تصوّر بھی نہ کرسکتے ہیں اس طرح بھی کوئی ناگہانی عذاب کسی قوم کو تباہ و برباد کرسکتا ہے تو چکھا دیا اللہ نے انکو ذلت کا مزہ دنیا کی زندگی ہی میں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے کاش یہ لوگ جان لیتے کہ دنیا میں کتنی قومیں ایسی گذری ہیں کہ اللہ رب العزت کے پیغمبروں کی تکذیب و نافرمانی کی وجہ سے طرح طرح کے عذاب سے تباہ کر دی گئیں۔

ایمہ مفسرین مثلاً سُدّیؒ وغیرہ کا قول ہے کہ اسلام کے لیے سینہ کھول دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر انقیاد و اطمینان نصیب ہو جاتے اور یہ اطمینان و وثوق اس درجہ ہو کہ دل میں کسی بھی امر خداوندی پر کوئی تنگی باقی نہ رہے یہاں تک کے احکام شریعت اور طبیعت کے تقاضوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے اور یہ کیفیت اسکی ایمانی استعداد کے کامل ہونے کا نام ہے۔

صدر سینہ کو کہتے ہیں اور چونکہ قلب انسانی سینہ میں محفوظ کر دیا گیا ہے اور یہی قلب روح کا منبع ہے تو جس طرح ظرف کا ذکر کرکے مظروف مُراد لیا جاتا ہے یہاں بھی سینہ کے کھل جانے سے قلب کا کھل جانا مراد لیا گیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو ہم نے عرض کیا یا نبی اللہؐ سینہ کا کھلنا کس طرح ہے آپؐ نے فرمایا جس وقت اس میں نور داخل ہوتا ہے تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے یعنی اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی رغبت اور اشتیاق محسوس کرنے لگتا ہے ہم نے عرض کیا تو پھر یا رسول اللہ اس کی کوئی علامت ہے آپؐ نے فرمایا ہاں اسکی علامت ہے اور وہ اَلْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالتَّاَھُّبُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ النُّزُوْلِ: یعنی رجوع کرلینا ہمیشہ کے مسکن (جنت اور آخرت) کی طرف اور علیحدگی (دوبیزاری) اختیار کرلینا دھوکہ کی جگہ (یعنی دنیا اور دنیا کی لذتوں سے) اور موت کے لیے تیاری کرنا موت کے اترنے سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے مَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ صدیق اکبرؓ ہیں مراد یہ کہ جس طرح پیغمبر کی تصدیق اور قبول حق میں صدیق اکبرؓ سب سے مقدم ہیں اسی طرح اسلام کے واسطے سینہ کھل جانے میں بھی وہ سب سے مقدم اور سب سے افضل ہیں۔

لفظ تقشعر، اقشعرار سے ہے اصل میں سکڑ جانے کو کہتے ہیں جب کہ شدت خوف سے کسی کی کھال سکڑ جاتے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتیں۔

اَفَمَنۡ يَّتَّقِىۡ بِوَجۡهِهٖ کا عنوان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان مجرموں پر خدا کا عذاب آنے لگے گا تو طبعی تقاضہ کے باعث یہ اس عذاب کو دفع کرنے کی کوشش کریں گے لیکن ان ظالموں کے ہاتھ جکڑے ہوئے ہوں گے تو عذاب کے تھپیڑ سیدھے منہ پر پڑتے ہوں گے یا اس بے بسی کے عالم میں یہ اپنا منہ اسکے سامنے کر دے گا تو گویا یہ مجرم اپنے چہرہ کے ذریعے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے والا ہوگا اور اس وقت کہا جاتا ہوگا مزید تذلیل و توہین کے طور پر اے ظالمو! اپنے کیئے ہوئے اعمال کا مزہ چکھ لو تو اس منظر کو ذکر کر کے سوال کیا جا رہا ہے کیا ایسا شخص اور وہ مومن جو آخرت میں ہر تکلیف و پریشانی اور ذلت وحقارت سے مامون و محفوظ ہوگا برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اس آیت کا مضمون وہی ہے جو آیت مبارکہ اَفَمَنۡ يُّلۡقٰى فِى النَّارِ خَيۡرٌ اَمۡ مَّنۡ يَّاۡتِىۡۤ اٰمِنًا يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ میں بیان فرمایا گیا یا اسی طرح ارشاد ہے اَفَمَنۡ يَّمۡشِىۡ مُكِبًّا عَلٰى وَجۡهِهٖۤ اَهۡدٰٓى اَمَّنۡ يَّمۡشِىۡ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ کہ کیا وہ شخص جو چل رہا ہو اوندھے منہ اپنے سر کے بل وہ راہ راست پر ہے یا وہ شخص جو چل رہا ہے برابر استقامت کے ساتھ صراط مستقیم پر۔

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الۡخِزۡىَ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا کفار مکہ اور دشمنان اسلام کو دنیا کی زندگی میں سب سے پہلی ذلت غزوہ بدر میں شکست کھا کر اٹھانی پڑی کہ بڑے بڑے سردار مارے گئے قیدی ہوئے اور اپنا مال ومتاع چھوڑ کر بھاگے جو اللہ نے مسلمانوں کے لیئے غنیمت بنایا فَسُبۡحٰنَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ۔ وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰـكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۔

صدق اللہ العظیم

□□□□□□□□□□□

وَلَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ

اور ہم نے بیان کی لوگوں کو اس قرآن میں سب

مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ۝۲۷

ہر چیز کی کہاوت کہ شاید وہ سوچیں

قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا غَيۡرَ ذِىۡ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ۝۲۸

قرآن ہے عربی زبان کا جس میں کجی نہیں کہ شاید وہ بچ چلیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ
اللہ نے بتائی ایک کہاوت ایک مرد ہے کہ اس میں کئی شریک ضدی اور

رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ
ایک مرد ہے پورا ایک شخص کا کوئی برابر ہوتی ہے انکی کہاوت سب خوبی اللہ کو ہے

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۹ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝۳۰
پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے بے شک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝۳۱ۧ
پھر مقرر تم دن قیامت کے اپنے رب کے آگے جھگڑو گے

تمثیل حق و باطل و فرق درمیان عبد مؤمن و مطیع و بندۂ مشرک و عاصی

(ربط) گذشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا گیا تھا کہ جس کسی کا دل اللہ نے ایمان کے لیے کھول دیا وہ ہدایت وسعادت کی روشنی پر ہے تو ایسا شخص جس کو نور ہدایت حاصل ہو چکا وہ اس بدنصیب انسان کی طرح نہیں ہو سکتا جو کفر و گمراہی کی تاریکیوں میں مبتلا ہے اب ان آیات میں حق و باطل کی تمثیل اور مؤمن و مشرک کے فرق کو ایک حسی مثال میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہ بیان کیا جا رہا ہے ان حقائق کو سمجھانے میں قرآن کریم نے تو کوئی کمی نہیں کی دلیلوں سے سمجھا دیا مثالوں سے واضح کر دیا اس کے بعد بھی اگر کوئی نہ سمجھے اور نہ مانے تو یہ اس کی حماقت وغفلت ہے قرآن کے بیان میں کوئی کمی نہیں تو ارشاد فرمایا اور بے شک ہم نے بیان کر دی ہے لوگوں کی ہدایت و عبرت کے لیے ہر قسم کی مثال میں سے عمدہ اور بلیغ مثال امید ہے کہ لوگ اس کے ذریعے نصیحت حاصل کریں جسکی شان یہ ہے کہ وہ قرآن عربی ہے جس میں ذرہ برابر بھی کجی نہیں یہ صاف اور سیدھی باتیں اس لیے اتاری گئیں تاکہ یہ لوگ اللہ کا تقوی اختیار کر لیں ان واضح حقائق کو سن کر ہر شخص ایمان و کفر اور توحید و شرک کی حقیقت بخوبی سمجھ سکتا ہے اور یہ کہ شرک و نافرمانی کا کیسا برا انجام ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ بیان کر دی ہے اللہ نے ایک مثال موحد اور مشرک کی کہ ایک شخص ہے غلام جس میں متعدد شرکاء ہیں جو آپس میں کھینچا تانی اور مزاحمت کر رہے ہیں ہر ایک مالک چاہتا ہے کہ یہ میرا کام انجام دے جو دوسرے مالک کی مرضی

اور مقصد کے خلاف ہے تو ظاہر ہے کہ اس طرح مشترک غلام میں اس کے سارے مالکین ضد اضدی کریں گے اور ہر ایک اپنی خدمت کے لئے اسکو کھینچے گا جس کا انجام ظاہر ہے کہ وہ کسی کی بھی اطاعت نہ کر سکے گا اور کوئی بھی اس کے آقاؤں میں سے اس سے راضی نہ ہو سکے گا اور اس کے برعکس دوسرا شخص وہ غلام ہے جو پورے طور پر ایک ہی کے لئے ہے اور صرف ایک ہی غلام ہے جو پوری طرح اپنے آقا کی اطاعت بجالاسکتا ہے اور اس کا آقا اس کی اس فرمانبرداری کی وجہ سے اس سے راضی بھی ہو سکتا ہے تو کیا یہ دونوں اپنی حالت کے لحاظ سے برابر ہو سکتے ہیں نہیں ہرگز نہیں بلکہ پہلا غلام متحیر و بدحواس رہے گا کہ کس کی مانوں اور نہ ہی اس کا کوئی آقا تحیر کے بعد اس سے راضی ہوگا اور اس کے برعکس دوسرا بڑے اطمینان و سکون سے اپنے ایک آقا کی فرمانبرداری میں لگا رہے گا۔ اس کا آقا اس سے خوش ہوگا انعامات سے بھی نوازے گا اور اپنے غلام کی ضرورت و حاجت بھی پوری کرتا رہے گا یہ دیکھ کر کہ یہ تو بس میرا ہی ہے میں اسکی حاجت پوری نہ کروں تو پھر کون کرے گا اور اس کا کوئی آقا میرے سوا نہیں تو یہ کس کے در پہ جائے گا الحمد للہ کہ حق واضح ہو گیا اور ثابت بھی ہو گیا مگر افسوس پھر یہ لوگ قبول نہیں کرتے قبول تو کیا کرتے بلکہ اکثر تو ان میں سے یہ چیزیں جانتے ہی نہیں جاننا تو در کنار سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں بہرحال یہ ایک فیصلہ ہے جس سے کسی کو سرتابی کی مجال نہیں ہو سکتی قیامت آنے والی ہے بے شک آپ کو مرنا ہے اور اسی طرح انکو بھی مرنا ہے پھر تم دونوں فریق قیامت کے روز اپنے پروردگار کے سامنے اپنے اپنے مقدمات پیش کرو گے اور ظاہر ہے اس وقت حق اور باطل کا عملی فیصلہ سب کے سامنے آجائے گا اور وہ باطل پرست جن کو ہر دلیل سے حق اور ہدایت کو سمجھایا گیا اپنی آنکھوں سے اس عذاب و قہر کو دیکھتے ہوں گے جو ان کی گمراہی کے باعث ان پر مسلط ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے فوائد میں لکھتے ہیں ایک غلام جو کئی ایک کا غلام ہو کوئی اسکو اپنا نہ سمجھے تو اسکی پوری خبر نہ لے اور ایک غلام جو سارا ایک کا ہو وہ اس کو اپنا سمجھے اور پوری خبر لے یہ مثال ہے انکی جو ایک رب کے بندے ہیں اور جو کئی رب کے بندے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ "مُتَشَاكِسُوْنَ" کی شرح کرتے ہوتے فرماتے ہیں یعنی کئی حصہ دار ایک غلام یا نوکر میں شریک ہوں اور ہر حصہ دار اتفاق سے کج خلق اور بے مروت اور سخت ضدی واقع ہوا ہو چاہتا ہو کہ یہ غلام دوسرے سے سروکار نہ رکھے تو اس کھینچ تان میں ظاہر ہے کہ غلام سخت پریشان اور پراگندہ دل ہوگا برخلاف اس کے کہ جو غلام پورا ایک کا ہو تو اسے ایک طرح کی یکسوئی اور طمانیت حاصل ہوگی اور کئی آقاؤں کو خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح موحد و مشرک کو سمجھ لو مشرک کا دل کئی طرف بٹا ہوا ہے اور کتنے

ہی جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتا ہے اسکے برخلاف موحد کی کل توجہات وخیالات اور داد و دہش کا مصرف ایک مرکز ہے اور وہ پوری دل جمعی کے ساتھ اسکو خوش رکھنے کی فکر میں ہے اور سمجھتا ہے کہ اسکی خوشنودی کے بعد کسی اور کی خوشنودی کی ضرورت نہیں۔

عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ کی تفسیر میں بالعموم مفسرین اہل حق اور باطل کی خصومت مراد لیتے ہیں جس کی طرف دوران ترجمہ اضافہ کردہ کلمات سے اشارہ کر دیا گیا حافظ ابن مندہؒ نے کتاب الروح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ جھگڑا صرف انسانوں کے درمیان ہی نہیں ہوگا بلکہ روح اور جسم بھی ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑتے ہوں گے روح جسم سے کہے گی کہ یہ سب کچھ تو نے کیا جسم روح سے کہے گا نہیں ہیں تو بے قصور ہوں اصل حکم اور عمل کرانے والی طاقت تو تو ہی تھی ہر ایک دوسرے کو ملزم ٹھہراتا ہوگا تو اس خصومت کی حالت میں اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجے گا تاکہ انکے درمیان فیصلہ کردے یہ فرشتہ ان سے آکر یہ کہے گا تمہارے واسطے ایک مثال ہے اور تم دونوں کا حال اسکی مانند ہے ایک اپاہج و معذور شخص آنکھوں والا ہے جس کو نظر تو سب کچھ آتا ہے لیکن چل پھر نہیں سکتا دوسرا شخص نابینا مگر چل پھر سکتا ہے دونوں ایک باغ میں داخل ہوئے اپاہج نے اندھے سے کہا اے میرے ساتھی ہیں یہاں باغ میں بہت سے پھل اور میوے دیکھ رہا ہوں لیکن معذور ہوں پھلوں تک پہنچ نہیں سکتا اندھے نے اپاہج سے کہا تو مجھ پر سوار ہو جا اور مجھے وہاں تک لے چل جہاں تو پھل دیکھ رہا ہے چنانچہ اپاہج اندھے پر سوار ہو کر پھلوں تک پہنچا اور پھل کھانے لگا تو بتاؤ ان میں سے کون ظالم ہے جسم اور روح دونوں نے جواب دیا ان دو میں سے کوئی ایک تنہا ظالم نہیں ہے ظالم تو دونوں ہی ہیں فرشتہ یہ فیصلہ سن کر بولا اے جسم و روح بس تم نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ مجرم اور ظالم تم دونوں ہو مراد یہ کہ جسم سواری ہے اور روح اس پر بمنزلہ سوار کے ہے کہ جو اس سواری پر سوار ہو کر اعمال و افعال کا ارتکاب کرتی پھرتی ہے لہٰذا جسم و روح دونوں ہی عذاب اور سزا کے مستحق ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

الحمد للہ ۲۳ واں پارہ مکمل ہوا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ

پھر اس سے ظالم کون؟ جس نے جھوٹ بولا اللہ پر، اور جھٹلایا

بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

سچی بات کو، جب پہنچی اس پاس. کیا نہیں دوزخ میں ٹھہراؤ منکروں کا۔

وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ

اور جو لایا سچی بات اور سچ مانا اُس کو وہی لوگ ہیں

الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ

ڈر والے۔ ان کو ہے جو چاہیں اپنے رب کے پاس۔ یہ ہے

جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ

بدلہ نیکی والوں کا۔ تا اُتارے اللہ اُن سے بُرے کام جو کیے

عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا

تھے اور بدلے میں دے ان کو نیگ بہتر کاموں کا، جو کرتے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ

تھے۔ کیا اللہ بس نہیں اپنے بندے کو؟ اور تجھ کو ڈراتے ہیں

بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ

ان سے۔ جو اس کے سوا ہیں۔ اور جس کو راہ بھلاوے اللہ تو کوئی نہیں اس کو

هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ

راہ دینے والا۔ اور جس کو راہ سجھا دے اللہ، اس کو کوئی نہیں بھلانے والا۔ کیا نہیں

اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

ہے اللہ زبردست بدلہ لینے والا۔

تنبیہ و تہدید بر تکذیب حق و صداقت و بیان حسرت و ملال مکذبین

قال اللہ تعالیٰ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ کَذَبَ عَلَی اللّٰہِ ... الیٰ ... بِعَزِیۡزٍ ذِی انۡتِقَامٍ

(ربط) گذشتہ آیات میں موحد و مشرک کی حقیقت ایک مثال کے رنگ میں بیان کرکے یہ ظاہر فرمایا گیا کہ شرک کا انجام سوائے حیرت و اضطراب اور ناکامی کے اور کچھ نہیں حقیقی اطمینان و سکون اور انسان کی اصل فلاح و سعادت توحید خداوندی اور صرف اپنے ایک ہی رب کے ساتھ رشتۂ حیات وابستہ کر لینے میں ہے اب ان آیات میں اُن بدنصیبوں پر تنبیہ فرمائی جارہی ہے جنکا کام اللہ پر بہتان باندھنا اور اللہ کے رسولوں کی تردید و تکذیب کرنا ہے اور یہ کہ ایسے بدنصیب تباہی سے کبھی نہیں بچ سکتے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ اور ہدایت اختیار کرتے ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ کامیاب ہوں ان کے گناہوں کا بھی کفارہ اور معافی فرمائی جاتی ہے تو ارشاد فرمایا جب کہ قیامت کے روز بوقت خصومت ہر ایک کا انجام سامنے آجائے گا تو پھر بتاؤ اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور مثلاً یہ کہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور خدا کے ساتھ اور بھی معبود شریک ہیں اور سچی بات کو جھٹلائے یعنی قرآن جو سراپا صداقت و حق ہے۔ جب کہ وہ سچی بات اس کے پاس پہنچ چکی تو کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ منکروں کا یقیناً یہ منکر و کافر بڑے ہی ظالم ہیں اور ظلم پر عقوبت و سزا عقل و فطرت کا تقاضا ہے اس لیے ظالموں اور حق سے منہ موڑنے والوں کا یہی انجام ہوسکتا ہے اور اس کے برعکس جو سچی بات لے کر آیا خدا کی طرف سے یا خُدا کے رسول کی طرف سے اور اس نے اس کی تصدیق بھی کی تو بیشک یہ لوگ ہی صاحب تقویٰ ہیں خدا کے ایسے برگزیدہ اور متقی بندوں کا انجام یہ ہوگا کہ ان کے لیے جو وہ چاہیں گے ان کے پروردگار کے یہاں ہوگا اور ظاہر ہے کہ ان کی ہر خواہش اور طلب کا پورا کیا جانا انتہائی اعزاز و اکرام ہوگا۔ بیشک یہ صلہ ہے نیکوکاروں کا یہ صلہ اور انعام ان کے واسطے اس لیے تجویز کیا گیا تاکہ کفارہ کردے اللہ تعالےٰ ان کے اُن بُرے کاموں کا جو انہوں نے کیے اور ثواب دے ان کو ان کے بہترین کاموں کا جو وہ اپنی دنیوی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ منکرین کا رسول خدا کو جھٹلانا اور نافرمانی کرنا خدا کے رسول اور اہلِ ایمان کے لیے باعث تشویش و رنج نہ ہونا چاہیئے کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ جب اللہ کافی ہے تو وہی حفاظت بھی کرے گا اور وہی منکرین و مجرمین کو ذلیل اور رسوا کرے گا۔ اور یہ لوگ ڈراتے ہیں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ان جھوٹے معبودوں سے خدا کے سوا جو انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں۔ حالانکہ ان معبودانِ باطلہ میں خود کوئی قدرت نہیں عاجز محض ہیں۔ اس لیے ان مشرکوں اور کافروں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرانا اور یہ کہنا کہ ہم اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ وہ آپ کو دیوانہ کر دیں حقیقت میں کھلی ہوئی حماقت اور گمراہی ہے۔ اور جس کو اللہ گمراہ

کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ خداوند عالم کی اس قدرت عظیم کے پیش نظر نہ خدا کے رسولؐ کو اور نہ ہی اہل ایمان کو ان کی ایسی احمقانہ دھمکیوں سے مرعوب و خوف زدہ ہونا بلکہ یقین رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ ضرور ان سے ایسی بیہودہ باتوں اور مجرمانہ اعمال کا بدلہ لے گا کیا خدا تعالیٰ زبردست انتقام والا نہیں ہے؟ وہ اپنے رسولؐ کی مدد کرے گا۔ اور نافرمانوں سے انتقام لے گا۔ اور ان مجرموں کے معبود بے بس و لاچار ہیں تو ہمارے عذاب سے ان مجرموں کو ان کے معبود بچا بھی نہیں سکیں گے۔ اور ہم قادر مطلق ہیں اس لیے ہماری نصرت و حمایت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ۔ صدق سچائی کا نام ہے۔ خدا کی کتاب بھی سچی ہے۔ خدا کا ہر پیغام سچا ہے۔ بالخصوص یہ پیغام توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی صداقت و حقانیت تو اس قدر روشن ہے کہ کائنات کی ایک ایک چیز اس کی دلیل ہے حافظ ابن کثیرؒ نے اَلَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ کی تفسیر میں متعدد اقوال ذکر فرمائے ہیں مجاہدؒ قتادہؒ ربیع بن انسؒ اور ابن زیدؒ سے منقول ہے کہ وہ سچائی لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اس کی تصدیق کرنے والا ہر وہ شخص ہے جو آپؐ پر ایمان لائے اور ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا میں سب سے پہلے آپؐ کی تصدیق کرنے والا ہوا وہ اس آیت کا اولین مصداق ہے۔ اور وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

بعض مفسرینؒ نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اَلَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ جبریل امینؑ ہیں جو اللہ کی طرف سے سچائی اور ہدایت لے کر آئے اور وَصَدَّقَ بِهٖ کے مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ وحی الٰہی کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے خدا کے رسول ہی ہوتے ہیں۔ ترجمۂ آیت کے درمیان اضافہ کردہ کلمات میں انہی دو قولوں کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن جمہور مفسرینؒ نے پہلے قول کو ترجیح دی اور آیت مبارکہ میں آخری کلمہ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

****

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اور جو تو ان سے پوچھے کس نے بنایا آسمان اور زمین کو؟

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

تو کہیں اللہ نے۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو! جن کو پوجتے ہو اللہ کے

اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ

سوا، اگر چاہے اللہ مجھ پر کچھ تکلیف، وہ ہیں کہ کھول دیں تکلیف اس کی ڈالی؟

أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ۚ

یا وہ چاہے مجھ پر مہر وہ ہیں کہ روک دیں اس کی مہر ؟

قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٣٨﴾ قُلْ

تو کہہ، مجھ کو بس ہے اللہ۔ اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے والے۔ تو کہہ

يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ

اے قوم! کام کیے جاؤ اپنی جگہ، میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے

تَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ

جان لوگے۔ کس پر آتی ہے آفت؟ کہ اسکو رسوا کرے، اور اترتی ہے

عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٤٠﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ

اس پر سدا کی مار۔ ہم نے اُتاری ہے تجھ پر کتاب لوگوں کے واسطے

بِالْحَقِّ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا

سچے دین کے ساتھ، پھر جو کوئی راہ پر آیا سو اپنے بھلے کو۔ اور جو کوئی بہکا سو یہی کر بہکا

يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾

اپنے بُرے کو۔ اور تجھ پر ان کا ذمہ نہیں۔

بیانِ قدرتِ خداوندی و عدم استطاعت بر مدافعت عذاب

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ... الیٰ... عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝

(ربط) مضمون سابق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے یہ فرمایا گیا تھا کہ مجرمین کو بس اللہ ہی کا عذاب سرکوبی کے لیے بہت کچھ ہے اور یہ مجرم اس عذاب خداوندی سے کسی طرح نہیں بچ سکتے کیونکہ اللہ عزیز ذوانتقام ہے اب ان آیات میں اللہ رب العزت اپنی اس قدرت و طاقت

کا ذکر فرما رہا ہے جو خود ان منکرین کو تسلیم ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مشرکین کا یہ لغو اور بعید از عقل طریقہ کہ آپؐ کو اپنے معبودوں سے ڈراتے ہیں اور حال یہ ہے کہ اگر ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیا تو اقرار کرتے ہیں کہ کائنات کا خالق اللہ ہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ اور ظاہر ہے ایسی عظیم مخلوقات کا پیدا کرنا اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے تو آپ اس اقرار و تسلیم کے بعد ان سے یہ کہہ دیجیے تو پھر تم مجھے یہ بتلاؤ کہ جن معبودوں کو اللہ کے سوا تم پکارتے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو۔ اگر اللہ تعالےٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا تمہارے معبود اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اللہ اگر مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس پر ان کو اسی طرح جواب دینا پڑے گا جیسا خدا کی خالقیت کو تسلیم کرنے کا جواب دیا۔ تو جب صورت حال یہ ہے کہ وہ اپنی خالقیت میں بھی منفرد ہے اسی طرح وہ کمال قدرت میں بھی منفرد ہے جیسا کہ اس کی خالقیت میں کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح اس کی قدرت کے مقابلہ میں کوئی مزاحمت نہیں کرتا۔ پھر یہ کس منہ سے لے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے معبودوں سے ڈراتے ہیں۔ اس لیے آپ کہہ دیجیے بس میرا خدا ہی میرے واسطے کافی ہے اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں اور میں بھی اسی رب پر بھروسہ اور توکل کر رہا ہوں۔ اس لیے مجھ کو تمہاری دھمکیوں کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ اور جب دلائل و براہین کے ذریعے حقیقت واضح ہو گئی۔ تو آپؐ یہ بھی کہہ دیجیے۔ اچھا اگر تم اس کے باوجود بھی اپنی روش سے باز نہیں آتے تو تم اپنی حالت پر عمل کیے جاؤ میں بھی اپنے طرز پر کار فرما ہوں اور یہ کیسے ممکن ہے۔ اہل باطل تو باطل نہ چھوڑیں مگر اہل حق ان کی رعایت سے حق سے پہلو تہی کر لیں سو اب تم کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون وہ شخص ہے جس پر دنیا میں عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو ذلیل کر دے گا۔ اور بعد از مرگ ایسا عذاب اس پر مسلط ہو گا جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔ چنانچہ بدر میں اللہ نے ان پر ایسی سزا مسلط فرمائی کہ بہت سے قتل ہوئے بہت سے قید ہوئے اور ذلت کے ساتھ شکست کھا کر مکہ واپس لوٹنا پڑا۔ دنیا کا یہ عذاب اور ذلت و رسوائی تو اللہ رب العزت نے سنہ ۲ھ میں دکھا دی اور اس کے علاوہ آخرت کی ذلت اور عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا اور وہ عذاب دائمی ہو گا۔

وحی الٰہی کے ذریعے ایسے حقائق دنیا کے سامنے ظاہر کر دیئے گئے کہ اب کسی کو انکار و تردد کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ بے شک ہم نے یہ کتاب قرآن حکیم آپؐ پر اُتاری ہے۔ حق و صداقت کے ساتھ لوگوں کے نفع ہی کے لیے آپؐ کا کام لوگوں تک اللہ کے احکام و پیغامات پہنچا دینا ہے۔ اب اس کے بعد جو شخص راہ راست پر آئے گا تو وہ اسی کے نفع کے لیے ہو گا اور جو شخص گمراہ ہو گا اس کے گمراہ ہونے کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور آپ ان پر ذمہ دار نہیں بنائے گئے ہیں کہ ان کی گمراہی کا الزام یا اس کی باز پرس آپؐ سے ہو۔

ابن ابی حاتمؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سند سے مرفوعاً یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَن احب ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ ومن احب ان یکون اغنی الناس فَلْیَکُنْ بما فی ید اللہ عزّ و جلّ اوثق منہ بما فی یدیہ ومن احب ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ عزّ وجلّ۔	جس شخص کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ قوی ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ اللہ پر توکل کرے اور جو شخص چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ غنی ہو اس کو چاہیئے کہ جو چیز خدا کے ہاتھ میں ہے اس پر اس چیز سے زائد بھروسہ کرے جو خود اس کے ہاتھوں میں ہے۔ اور جو شخص چاہتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ عزت والا ہو تو اسے چاہیئے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔

عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ ان الفاظ میں مجرمین کو دو قسم کے عذاب کی دھمکی دی گئی۔ ایک دنیوی سزا کی جس کو یُخْزِیْہِ کی قید کے ساتھ بیان فرمایا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں مجرم کی ذلت و رسوائی سزا میں بہت اہمیت رکھنے والی بات ہے تو عَذَابٌ یُّخْزِیْہِ سے دنیا کا عذاب ذکر کیا گیا اور آخرت کا عذاب وَیَحِلُّ عَلَیْہِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ بیان فرمایا۔ جس کو مقیم یعنی ہمیشہ قائم و باقی رہنے کی صفت سے متصف کیا گیا اور اس میں شبہ نہیں کہ آخرت کا عذاب وہی شدید عذاب ہے جو کبھی مجرم سے نہ ٹلے۔ بلکہ ہمیشہ قائم رہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ

اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں، جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں

تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا

مریں ان کی نیند میں۔ پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا

الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ

ٹھہرایا، اور بھیجتا ہے دوسروں کو ایک ٹھہرے وعدہ تک۔ البتہ اس

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ

میں پتے ہیں ان لوگوں کو جو دھیان کریں۔ کیا انہوں نے پکڑے ہیں اللہ کے

اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا

سوا کوئی سفارش والے؟ تو کہہ اگر جو ان کو اختیار نہ ہو کسی چیز کا، نہ بوجھ،

يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ

تو بھی؟ تو کہہ اللہ کے اختیار ہے سفارش ساری۔ اسی کا راج

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ

ہے آسمان و زمین میں۔ پھر اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔ اور جب نام لیجئے

اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ

اللہ کا نرا، رُک جاویں دل اُن کے جو یقین نہیں رکھتے پچھلے گھر کا۔

وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور جب نام لیجئے اس کے سوا اوروں کا، تبھی وہ لگیں خوشیاں کرنے۔

بیان قدرتِ خداوندی و اثباتِ حشر و تنبیہ بر شناعتِ مشرکین

قال اللہ تعالیٰ۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ... الی ... اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝

(ربط) گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے منکرین کی رد میں اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا تھا اور اس سے غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے روز مجرمین کا انجام خود ان کی نظروں کے سامنے آجائے گا۔ اب ان آیات میں قیامت اور قیامت کے روز انسانوں کی حق تعالیٰ شانہ کے سامنے پیشی کا ایک منظر بیان کیا جارہا ہے اور یہ منظر ایسی ایک حالت ہے جو ہر روز و شب ہر انسان پر واقع ہوتی ہے وہ انسان کا سونا جو بمنزلہ موت ہے اور بیدار ہونا جو بعث بعد الموت کا نمونہ ہے ارشاد فرمایا۔

اللہ ہی قبض کرلیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت جبکہ قضاء الٰہی سے ان کی موت کا وقت آجائے تو من کل الوجوہ ان کو قبض کرلیتا ہے اور ان جانوں کو بھی قبض فرماتا ہے حالتِ خواب میں جن کی موت نہیں آتی ہے ان کے سونے کے وقت ہیں۔ اس طرح سے کہ حواس تو معطل کر دیئے

جاتے ہیں مگر حیات باقی رہتی ہے پھر اس کے بعد ان جانوں کو تو ابدان کی طرف لوٹنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا فیصلہ فرما دیا اور باقی ان دوسری جانوں جن پر بحالت نوم صرف ادراک وشعور سے تعطل واقع فرمایا ہے اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ان کو چھوڑ دیتا ہے اور واپس فرما دیتا ہے۔ ابدان کے تصرف کی جانب ایک وقت معین تک کے لیے تاکہ بیداری کے بعد بدستور یہ جان بدن میں تصرف کرنے لگے۔ بے شک اس تمام مجموعہ حال میں بہت بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو غور وفکر کی صلاحیت رکھنے کی وجہ سے ان احوال و واقعات میں غور وفکر کرتے ہیں اور بے شک ہر انسان کا سونا اور سونے کے بعد اٹھنا، بعث بعد الموت اور قیامت کی بہت ہی واضح نشانی ہے۔ اب باوجود ان واضح دلائل کے قیام کے مشرکین کا پھر بھی حق تعالےٰ کی الوہیت و توحید کا نہ ماننا یا قیامت پر ایمان نہ لانا کیا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے خدا کے سوا اپنے واسطے کچھ سفارشی بنا لیے ہیں جن پر انہوں نے بھروسہ کر لیا ہے کہ یہ ان کو کسی قسم کی تکلیف و عذاب نہ پہنچنے دیں گے یا عذاب سے بچا لیں گے آپ کہہ دیجئے کیا یہ ممکن ہے کہ یہ ان کے معبودان کو خدا کے عذاب سے بچا لیں گے اگرچہ یہ نہ تو کسی چیز کے مالک ہوں اور نہ ہی کچھ سمجھتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ شفاعت کے لیے علم اور قدرت دونوں چیزیں ضروری ہیں تو جو معبود نہ علم رکھتے ہوں اور نہ ان کو ذرہ برابر کسی چیز کی قدرت ہو بھلا وہ کسی کی کیا سفارش کر سکیں گے یا کسی مصیبت سے وہ کسی کو کیسے بچا سکیں گے۔ آپ کہہ دیجئے سفارش تو سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت نہ کر سکے گا۔ اور جس کسی کو سفارش کی اجازت دی جاسکتی ہے وہ دو بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک شفیع کا مقبول و پسندیدہ ہونا اور دوسرے جس کی سفارش کی جائے اس کا قابل معافی ہونا۔ اب جن معبودوں کو یہ مشرکین اپنا شفیع قرار دے رہے ہیں وہ اللہ کے نزدیک کسی درجہ میں بھی پسندیدہ نہیں۔ اور خود یہ لوگ اس کے اہل نہیں کہ ان کی نافرمانی معاف کی جائے پھر کس بناء پر ان کو زعم ہے کہ ہمارے معبود ہمیں آخرت کے عذاب سے بچا لیں گے اگر عذاب آنے بھی لگے۔ اس لیے سمجھ لینا چاہیے کہ اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔ کائنات کی کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر کچھ حرکت بھی نہیں کر سکتی چہ جائیکہ اللہ کے عذاب اور قہر کا مقابلہ یا اس کی مدافعت کر سکے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اس کی بارگاہ میں حاضری پر تمہارے یہ سب دھوکے اور فریب زائل ہو جائیں گے اور باوجود اس کے کہ دلائل توحید قائم ہو چکے لیکن کفار مکہ اور مشرکین کا حال یہ ہے کہ جب اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب خدا کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جائے تو فوراً ہی خوش ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کو ایمان و توحید سے نفرت ہے اور کفر و شرک کی محبت دلوں میں رچی ہوئی ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دل بجھ جائیں اور چہرے کبیدہ ہو جائیں اور غیر اللہ کے ذکر پر انبساط و فرحت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اسی بناء پر یہ چیز دیکھی جاتی ہے کہ اہل باطل کو

ایمانی باتوں کے سننے سے کراہت ہوتی ہے اور مادی دنیا کے تذکرے لذیذ وخوشگوار معلوم ہوتے ہیں۔

توفی کی ایک قسم منام یعنی نیند اور دوسری قسم موت ہے

لفظ توفی کی تشریح آیۂ مبارکہ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ

اور سورۂ انعام میں گزر چکی۔ آیت کے مضمون نے یہ واضح کر دیا کہ حالتِ نوم اور خواب میں حواس وادراک کا قبض کر لینا بھی توفی ہے۔ جیسے دوسرے موقع پر ارشاد ہے وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ اس لیے توفی کے معنی صرف موت ہی سمجھنا نہ دلالتِ لغت کے لحاظ سے صحیح ہے اور نہ قرآنی تعبیرات اور تصریحات کی رو سے درست ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں یہ ذکر فرمایا۔ ابنِ آدم میں نفس اور روح ہے جن دونوں کے درمیان سورج کی شعاع کی طرح ایک چمک حائل ہے۔ نفس کے ذریعہ فہم تمیز اور احساس کا سلسلہ رہتا ہے اور روح سے حیات وحرکت کا تعلق قائم رہتا ہے تو موت کے وقت روح اور نفس دونوں قبض کر لیے جاتے ہیں جس کے بعد حیات وحرکت کا بھی سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن نیند کے وقت صرف نفس قبض کیا جاتا ہے جس سے عقل وادراک اور تمیز کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے (روح المعانی ج ۲۴ ص۔)

یہی وہ چیز ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں فرمائی یعنی جس رات سفرِ غزوہ میں راستہ میں آرام فرمانے کے لیے لیٹے تو آنکھ نہ کھلی تا آنکہ سورج نکل آیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا اِنَّ اللّٰہَ تعالٰے قبض ارواحکم حین شاء وردھا الیکم حین شاء (صحیح بخاری۔ سنن نسائی) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ویرسلھا ایھا الناس ان ھذہ ارواح عاریۃ فی العباد فیقبضھا اللّٰہ اذا شاء ویرسلھا اذا شاء۔

سلیم بن عامرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ تعجب کی بات ہے کہ بعض شخص خواب دیکھتا ہے اور اس کے دل پر اس کا خطرہ بھی نہیں گزرا ہوتا پھر وہ خواب ہو بہو پورا واقع ہوتا ہے اور بعض شخص خواب دیکھتا ہے وہ غلط بلکہ کالعدم ہوتا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا اے امیرالمومنین اس کی وجہ میں عرض کرتا ہوں۔ اللہ فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰے روحیں قبض کرتا ہے۔ پس جو روحیں آسمان پر جا کر کچھ دیکھ آتی ہیں وہ حق ہوتا ہے اور وہ رؤیائے صادقہ ہے اور جو آسمان پر کچھ نہیں دیکھتیں بلکہ جب اجساد کی طرف واپس آتی ہیں تو اس حالت میں کہ جب وہ واپس ہوتی ہیں تو شیاطین انہیں کچھ القاء کرتے ہیں۔ وہ رؤیائے کاذبہ ہے۔ حضرت عمرؓ اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔

(روح المعانی ج ۲۴۔ ازالۃ الخفاء ص ۵۸۶)

رکوع ۴

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ

تو کہہ، اے اللہ پیدا کرنیوالے آسمان و زمین کے، جاننے والے چھپے

وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا

اور کھلے کے. تو ہی فیصلہ کرے اپنے بندوں میں جس چیز میں وہ

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي

جھگڑ رہے تھے. اور اگر گنہگاروں کے پاس ہو، جتنا کچھ کہ

الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ

زمین میں ہے سارا. اور اتنا ہی اس کے ساتھ، سب دے ڈالیں اپنی چھڑوائی

سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

میں بری طرح کی مار سے دن قیامت کے. اور نظر آیا ان کو اللہ کی طرف سے

مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا

جو خیال نہ رکھتے تھے. نظر آئے ان کو برے کام اپنے جو

كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

کمائے تھے، اور الٹ پڑا ان پر جس چیز پر ٹھٹھا کرتے تھے.

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ

سو جب لگے آدمی کو کچھ تکلیف ہم کو پکارے. پھر جب ہم بخشیں اس کو

نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ

اپنی طرف سے کوئی نعمت. کہے یہ مجھ کو ملی کہ آگے سے معلوم تھی! کوئی نہیں! یہ

فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا

جانچ ہے پر وہ بہت لوگ نہیں سمجھتے. کہہ چکے ہیں یہ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

بات اُن سے اگلے، پھر کچھ کام نہ آیا اُن کو، جو کماتے

يَكْسِبُوْنَ ۝۵۰ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ وَالَّذِيْنَ

تھے۔ پھر پڑیں اُن پر برائیاں جو کمائی تھیں۔ اور جو

ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَ

گنہگار ہیں ان میں سے، ان پر بھی اب پڑتی ہیں برائیاں جو کمائی ہیں، اور

مَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۵۱ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ

وہ نہیں تھکانے والے۔ اور کیا نہیں جان چکے؟ کہ اللہ پھیلاتا ہے

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

روزی جس کو چاہے، اور ماپ کر دیتا ہے۔ البتہ اس میں پتے ہیں

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ ع

ان لوگوں کو جو مانتے ہیں۔

تسلّی برائے نبی کریم ﷺ بضمن تلقین دعا

وبیان بیچارگی عالم پیش قدرت ربّ کبریاء

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔

(ربط) گذشتہ آیات مجرمین ومنکرین کی سزا اور قیامت کے روز ان کی ذلت وندامت کے بیان پر مشتمل تھیں، اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عظیم دعا کی تلقین وتعلیم کے ضمن میں تسلی دی جارہی ہے تاکہ آپ کفار کی مخالفت اور شدت عناد سے مغموم ومتاسف نہ ہوں۔

ارشاد فرمایا۔

کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر اپنے پروردگار سے دعا و مناجات کرتے ہوئے اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، ظاہر و باطن کے جاننے والے آپ ہی قیامت کے روز اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے ان امور میں جن کے متعلق وہ باہم اختلاف کرتے تھے اور یہ کہہ کر آپ ہر معاملہ اللہ کے حوالے کر دیجئے۔ اللہ خود ہی فیصلہ فرمادے گا اور یہ فیصلہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہو گا کہ جس کو کسی تدبیر اور ذریعہ سے رد کر دیا جائے حتیٰ کہ اگر ان لوگوں کے پاس جو کفر و شرک کر کے ظلم کرنے والے ہیں۔ دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور بلکہ ان کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تو یہ لوگ ان چیزوں کو فدیہ کرنے لگیں قیامت کے دن سخت عذاب سے بچنے کے لیے اور خدا کی طرف سے ظاہر ہوگا ان کے لیے ایسا معاملہ عذاب و ذلت کا جس کا وہ گمان بھی نہ کرتے تھے۔ اور اس وقت ان کو اپنے وہ تمام بُرے اعمال ظاہر ہو جائیں گے جو وہ کیا کرتے تھے اور جس عذاب کا وہ استہزاء و مذاق کرتے تھے وہ ان کو آکر گھیر لے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا انسان اپنی نالائقی اور کمینہ فطرت کے باعث یہ روش اختیار کرتا ہے کہ جب اسکو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے اور اپنے ان معبودوں کو اس وقت بھول جاتا ہے جن کو وہ ہماری الوہیت و عبادت میں شریک کرتا تھا مگر پھر جب اس کو اپنی جانب سے نعمتوں سے نواز دیتے ہیں تو یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے صرف اپنے علم و ہنر اور تدبیر کی وجہ سے ملی ہے گویا اتنے ہی فرق اور حالت کی تبدیلی سے جس توحید کا اثر اس کے قلب میں اس اضطرار و پریشانی کے عالم میں پیدا ہوا تھا فوراً ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور خدا کے کیے ہوئے انعام میں اپنی تدبیر اور ہنر کو شریک کرنے لگ جاتا ہے حق تعالےٰ اس ناپاک ذہنیت کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں نہیں ہرگز ایسا نہیں بلکہ یہ نعمت تو ایک آزمائش ہے تاکہ ہم دیکھ لیں کہ یہ بندہ اس نعمت کے ملنے پر ہمیں یاد کرتا ہے شکر ادا کرتا ہے یا ہم کو بھول جاتا ہے اور انعامات کے ذریعے بندوں کا امتحان یہ ہمارا قانون ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ اور طرز بغاوت و ناشکری کا آج اس قوم کا کوئی نیا طرز نہیں ہے بلکہ یہ بات ان لوگوں نے بھی بے شک کہی ہے جو ان سے پہلے گذرے جیسے کہ قارون نے بھی کہا تھا۔ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ مگر ان کی کوئی تدبیر ان کے کام نہ آئی جو وہ کرتے تھے بلکہ ان کی وہ تمام بداعمالیاں ان پر آپڑیں جو وہ کرتے تھے اور جس طرح ان کی بداعمالیوں کا انجام ان پر مسلط ہوا اسی طرح ان میں کے ظالموں کی بداعمالیاں بھی عنقریب ان پر پڑیں گی اور یہ لوگ اس سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ بدر میں شکست اور بڑی ہی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ حالانکہ ان کے پاس ساز و سامان کی کوئی کمی نہ تھی اور مسلمان بے سروسامان اور تعداد میں نہایت قلیل تھے۔ ایسے تاریخی حقائق سے منکروں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ اور دنیا کی دولت اور مادی اسباب پر غرور نہ کرنا چاہیئے۔ کیا انہیں اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ تعالےٰ جس کے

واسطے چاہے رزق پھیلا دیتا ہے اور جس کے واسطے چاہے تنگ کر دیتا ہے رزق کی وسعت وکثرت نہ حق کی دلیل ہے اور نہ غلبہ کی نشانی ہے۔ بے شک اس چیز میں بہت بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو ایمان ویقین رکھتے ہیں چنانچہ ہر صاحب فہم دنیا کے احوال دیکھ کر اس اقرار پر مجبور ہوتا ہے کہ رزق کی وسعت اور تنگی انسان کے ہنر وعلم پر موقوف نہیں بلکہ یہ صرف اللہ کی طرف سے تقسیم ہے بہت سے بے ہنر اور بے تدبیر مال ودولت کے انبار رکھتے ہیں اور بہت سے سمجھدار اور ہنر وتدبیر والے خسارہ اور ناکامی کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر رزق علم وہنر سے ہی حاصل کیا جاتا تو علم وہنر والے جاہلوں اور بے ہنر لوگوں کے واسطے حبہ بھی نہ چھوڑتے۔ الغرض ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فرمانے کے ساتھ کافروں اور ظالموں کو انجام بد سے متنبہ فرمایا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ مال ودولت سے نہ مغرور ہونا چاہیئے۔ اور نہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہمارے علم وہنر کا نتیجہ ہے بلکہ اس کو محض انعام خداوندی جاننا چاہیئے اور منعم کا شاکر ومطیع ہونا چاہیئے اور یہ کہ خدا کے عذاب وقہر کے مقابلہ میں دنیا کے تمام اسباب ووسائل بھی عاجز ہیں تو اس پیغام تسلی کے ساتھ مجرمین کو تہدید ودھمکی بھی ہے اور ساتھ ہی اپنے رسولؐ کو کامیابی اور غلبہ کی بشارت بھی دی جارہی ہے۔ ان آیات میں یہ دعائیہ کلمات نہایت ہی جامع اور باثر ہیں۔ ان کلمات مبارکہ میں ایمان ومعرفت اور توکل علی اللہ کی حقیقت پوری طرح روشن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ابتداء انہی کلمات سے فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت رات میں بیدار ہو کر نماز کا سلسلہ شروع فرماتے۔ آپؐ یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ جبریل و میکائیل واسرافیل فاطر السّمٰوٰت وَالارض عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادك فیما کانوا فیه یختلفون اھدنی لما اختلف فیه من الحق باذنك اِنَّكَ تھدی من تشآء الی صراط مُّستقیم (تفسیر ابن کثیرؒ)

ربیع خثیمؒ کی مجلس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر کیا گیا اور بعض حاضرین مجلس نے اس بارہ میں ان سے کچھ دریافت کرنا چاہا تو بڑے ہی رنج وکرب کی کیفیت کے ساتھ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ۔

قُلْ	یٰعِبَادِیَ	الَّذِیْنَ	اَسْرَفُوْا	عَلٰٓی
کہہ دے	اے بندو میرے!	جنہوں نے	زیادتی کی	اپنی

اَنْفُسِھِمْ	لَا تَقْنَطُوْا	مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ؕ	اِنَّ اللّٰہَ
جان پر،	نہ آس توڑو	اللہ کی مہر سے	بے شک اللہ

يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾

بخشتا ہے سب گناہ ۔ وہ جو ہے وہی ہے معاف کرنیوالا مہربان ۔

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ

اور رجوع ہو اپنے رب کی طرف، اور اس کی حکمبرداری کرو پہلے اس سے کہ

يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ﴿٥٤﴾ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ

آوے تم پر عذاب، پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آوے گا۔ اور چلو بہتر بات پر

مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ

جو اتری تم کو تمہارے رب سے، پہلے اس سے کہ پہنچے تم پر

الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٥٥﴾ أَنْ تَقُولَ

عذاب اچانک ۔ اور تم کو خبر نہ ہو ۔ کہیں کہنے لگے

نَفْسٌ يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَ

کوئی جی اے افسوس! جس سے میں نے کمی کی اللہ کی طرف سے اور

إِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ ﴿٥٦﴾ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ

میں تو ہنستا ہی رہا ۔ یا کہنے لگے اگر اللہ مجھ

هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٥٧﴾ أَوْ تَقُولَ حِينَ

کو راہ دیتا تو میں ہوتا ڈر والوں میں ۔ یا کہنے لگے جب

تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

دیکھے عذاب کسی طرح مجھ کو پھر جانا ملے۔ تو میں ہوں نیکی والوں میں۔

بَلَىٰ قَدْ جَاءَتْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ

کیوں نہیں! پہنچ چکے تجھ کو میرے حکم، پھر تو نے انکو جھٹلایا اور غرور کیا

وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ

اور تو تھا منکروں میں۔ اور قیامت کے دن تو دیکھے ان کو جو

كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ

جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر، ان کے منہ سیاہ۔ کیا نہیں

جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

دوزخ میں ٹھکانا غرور والوں کو۔ اور بچاوے گا اللہ ان کو جنہوں نے ڈر

بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾

رکھا ان کے بچاؤ کی جگہ نہ لگے ان کو برائی، اور نہ وہ غم کھاویں۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾

اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا، اور وہ ہر چیز کا ذمہ لیتا ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی، اور جو منکر ہوئے ہیں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾

اللہ کی باتوں سے وہ جو ہیں، وہی ہیں ٹوٹے میں پڑے۔

بیانِ ترتبِ عفو و نجات بر قبولِ اسلام۔ وہلاکت وحسرت

برائے مجرمانِ ربِّ انام

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا .... الیٰ .... اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

(ربط) اس سے قبل چند آیات میں مشرکین کی مذمت اور ان کے دل آزار طریقوں کا بیان تھا اور ساتھ ہی نہایت مؤثر انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں شرک و کفر کی گندگی اور مذمت کو سنتے ہوئے ممکن تھا کہ کسی کے دل میں قبولِ اسلام کی رغبت پیدا

ہوتی اور ساتھ ہی یہ تصور بھی گذر سکتا تھا کہ جب انسان اس قدر ذلت اور گندگیوں میں آلودہ ہو چکا ایسی دنائت اور کمینہ پن کر چکا تو اب اس کو اپنی نجات اور عذاب خداوندی سے بچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے تو اس طرح مایوسی کا تصور پیدا ہونا ایک طبعی سا امر تھا تو اس کو دلوں سے نکالنے کے لیے یہ آیات نازل کی گئیں جن میں ہر اس شخص کو اللہ کی رحمت و مغفرت کی بشارت دی گئی جو باطل سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف اپنا رخ کر لے۔ جیسے کہ عبداللہ بن عباس رضؓ کی حدیث میں ہے کہ کچھ اہل مکہ یہ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتے ہیں جس شخص نے بت پرستی کی اور خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود بنایا کسی کو قتل کیا تو اس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی تو ہم کیسے ہجرت کریں۔ اور کس طرح اسلام لائیں حالانکہ ہم نے تو بتوں کو پوجا ہے اور خدا کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک کیا اور قتل بھی کیا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں بعض سندوں سے یہ مضمون اس طرح منقول ہے۔ کچھ لوگ اہل شرک میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جو اسلام کی رغبت رکھتے تھے اور جاہلیت کے زمانہ میں انہوں نے شرک بھی کیا تھا۔ قتل کے بھی مرتکب ہوئے تھے اور زنا و چوری بھی خوب کی تھی تو انہوں نے یہ عرض کیا یا رسول اللہ! آپ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ نہایت ہی بہترین چیز ہے اب ہم اسلام تو لانا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ہم نے کیا ہے اور ان چیزوں کے باعث ہم ڈرتے ہیں تو کیا اسلام لانے پر ہماری نجات ہو جائے گی اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ارشاد فرمایا قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا کہہ دیجئے آپ میرے ان بندوں سے جنہوں نے کفر و شرک اور قتل و زنا جیسے کام کر کے اپنے اوپر زیادتی کی ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ اور اس خیال سے کہ یہ گناہ کیسے معاف ہوں گے۔ ایمان لانے میں ہرگز تامل و تردد نہ کرو بے شک اللہ رب العزت اسلام لانے کی وجہ سے تمام گناہوں کی مغفرت فرما دے گا۔ اگرچہ وہ سابق زندگی کا گناہ کفر اور شرک ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اسلام لانے سے تو کفر ایمان و طاعت کی صورت میں تبدیل ہو گیا اور اس نے شرک کی گندگی سے پاکی حاصل کر کے توحید کو اختیار کر لیا ہے۔ واقعی وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان پروردگار ہے۔ اس کی رحمت و مغفرت میں کمی نہیں۔ بس صرف شرط اتنی ہے کہ بندہ اس کی طرف رجوع کر لے۔ اس لیے اے انسانو! خواہ اب تک تم نے کچھ ہی کر لیا ہو مگر اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب خداوندی آجائے پھر تو تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ عذاب خداوندی کو ٹلانا اور اس کو دفع کرنا خدا کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تمام کائنات کو بھی طاقت نہیں۔ اگر دنیا کی طاقت ہوا کے جھونکے روکنے سے عاجز ہے تو مجرمین پر برستا ہوا عذاب و قہر کس کی مجال ہے کہ روک سکے جب عذاب خداوندی کی یہ نوعیت ہے کہ کسی کی کوئی مدد نہ ہو سکے گی تو اے لوگو! تم کو چاہیئے کہ تم ان بہترین احکام کی پیروی کرو جو تمہاری طرف اتارے گئے تمہارے رب کی طرف سے قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب خداوندی آجائے اور حال یہ کہ تم کو اس کا احساس بھی نہ ہو کہ ناگہاں ایسے

وقت عذاب آجانے گا اور نہ ہی یہ احساس و گمان ہوگا اور ایسا شدید عذاب ہوگا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو نہیں روک سکے گی لہٰذا تم کو چاہیئے کہ ایسا وقت آنے سے پہلے احکام خداوندی کی پیروی کرنے لگو۔ کہیں ایسی نوبت نہ آجائے کوئی انسان یہ کہنے لگے ہائے حسرت وافسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے بارہ میں کی کوتاہی اور غفلت تو کیا میں تو بے شک احکام خداوندی اور اس کے دین کا مذاق اڑانے والوں میں سے رہا یا اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ کوئی کہنے لگے کاش اگر اللہ مجھ کو ہدایت کرتا تو میں ایمان و تقویٰ والوں میں سے ہو جاتا لیکن یہ میرے اعمال اور احوال کی وجہ سے میری بدنصیبی تھی کہ میں اللہ کی توفیق و ہدایت سے محروم رہا یا اس سے قبل اے لوگو! ایمان لے آؤ کہ کوئی کہنے والا یہ کہنے لگے جس وقت کہ عذاب دیکھے اے کاش اگر میرے واسطے دنیا کی طرف واپسی کا کوئی امکان ہو جائے تو پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں۔ خبردار اے مخاطب منکر یہ باتیں ہرگز تجھے زیب نہیں دیتیں نہ تو حق میں کوئی خفا اور شبہ تھا اور نہ تو احمق و غافل تھا کہ اس کے دور ہونے پر تو حق و ہدایت قبول کر لیتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہاں بے شک تیرے پاس میری آیات احکام و دلائل کے ساتھ پہنچیں لیکن تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا۔ اللہ رب العزت کے سامنے اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ سر جھکانے سے۔ اور یہ نہیں کہ یہ حالت کسی وقت رہی ہو اور پھر عقل و ہوش آگیا ہو بلکہ تو تو کفر ہی کرنے والوں میں رہا۔ ہدایت تو اس وقت ممکن تھی جب کہ قبول حق کا کوئی ارادہ کرتا جب کہ ایسے مجرموں نے یہ ہی طے کیا ہوا تھا کہ اسلام کی مخالفت اور اللہ کی بغاوت ہی کرنی ہے تو پھر ظاہر ہے ان حسرتوں اور آرزوؤں سے کچھ کام نہ بنے گا۔ اور اے ہمارے پیغمبر آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے خدا پر جھوٹ باندھا تھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوگئے ہیں تو کیا ایسے نافرمانوں اور متکبروں کے واسطے جہنم میں ٹھکانا نہ ہوگا۔ جنہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کی اور اس کے احکام کا مذاق اڑایا اور اس کے فرمانبرداروں کی ذلت واہانت کی۔ لیکن اس کے برعکس اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو کفر و نافرمانی سے بچتے تھے جہنم سے نجات دے گا ان کی کامیابی کے ساتھ اس طرح کہ ان کو ذرہ برابر بھی نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ کیونکہ

عہ "سیاہ ہوئے ہیں" یہ ترجمہ مسودہ کا کیا گیا۔ جس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ چہرے جو دراصل خلقی طور پر ایسے سیاہ نہ تھے ان کو قیامت کے روز سیاہ کر دیا جائے گا جو زیادہ ڈراؤنے اور ہیبت ناک نظر آئیں گے بخلاف چہروں کی اس سیاہی کے جو پیدائشی طور پر دنیا میں بہت سے انسانوں کے ہوتی ہے جیسے سیاہ فام اقوام۔ تو ایسی سیاہی نہ عیب ہے اور نہ دیکھنے میں یہ چہرے ہیبت ناک اور ڈراؤنے نظر آتے ہیں جھوٹ خود ایک معنوی ظلمت ہے چہ جائیکہ اللہ کے بارہ میں جھوٹ بولا جائے یا اس کی باتوں کو جھٹلایا جائے۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون سا درجہ ہو سکتا ہے معنوی ظلمت کا۔ اور قیامت کے روز اعمال و اوصاف ظاہری حقائق کی صورت میں رونما ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے اللہ کی باتوں کی تکذیب اور اس پر جھوٹ باندھنے کا یہ وبال ہوگا کہ چہرے سیاہ ہوں گے۔

جنت تو نام ہی ہے عالم راحت اور نشاط و فرحت کا جہاں نہ کوئی غم ہوگا اور نہ کوئی پریشانی۔ بے شک اللہ ہی خالق ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ اسی کے قبضہ میں ہیں آسمان و زمین کی کنجیاں اس لیے جس کے واسطے وہ چاہے دنیا میں ہدایت و رحمت کے اور آخرت میں نجات و مغفرت کے دروازے کھول دے اور جس کے واسطے چاہے بند کر دے۔ اس کے کھولے ہوئے در کو کوئی بند نہیں کر سکتا اور جو دروازہ وہ بند کر دے اس کو کوئی کھول نہیں سکتا۔ اور جو لوگ اس کے باوجود بھی نہ سمجھیں اور اللہ کی آیتوں اور اس کے احکام کا انکار کرتے ہیں وہ بڑے ہی خسارہ میں ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آخرت کا خسارہ تو ظاہر ہے کہ عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے اور وہ عذاب دنیا کی کسی تکلیف کی طرح نہ ہوگا کہ کچھ عرصہ بعد ختم ہو جائے یا کسی ذریعہ سے انسان اس سے چھٹکارا حاصل کر لے بلکہ وہ تو دائمی ہوگا۔ جس سے نہ نجات ہوگی اور نہ اس میں کوئی خفت و کمی ہوگی اور دنیا میں ان مجرمین کا خسارہ ذلت اور طرح طرح کے مصائب کی صورت میں ظاہر ہے۔ چنانچہ غزوۂ بدر سے ہی اللہ کے نافرمانوں کی ذلت و ناکامی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

دنیا کے انسانوں کو رحمت و عافیت اور نجات و مغفرت کی قرآنی دعوت

یہ آیات مبارکہ قرآن کریم میں سب سے بڑھ کر رحمت و مغفرت خداوندی کی امید دلوں میں قائم کرنوالی آیات ہیں ان آیات میں پروردگار عالم نے تمام دنیا کے گناہگاروں، نافرمانوں حتیٰ کہ شرک و کفر میں مبتلا ہونے والوں کو دعوت دی ہے کہ وہ نافرمانی و بغاوت سے تائب ہو کر سچے دل سے اگر اللہ کی طرف رجوع کر لیں تو خدا کی عنایات اور رحمتیں ان کی جانب یقیناً مبذول ہوں گی۔ ان کو اپنی سابق زندگی کی نافرمانی اور بداعمالیوں سے یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ ان کی معافی کا کوئی امکان نہیں رہا۔ نہیں ان کو اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے۔ جس حالت میں بھی خواہ کسی طرح کا عمل ہو جب بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کریں گے رحمت خداوندی کا دروازہ کھلا پائیں گے ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کچھ لوگ مشرکین میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی سابق زندگی میں قتل بھی کیے تھے۔ خوب قتل کیے تھے اور زنا بھی کیا تھا اور بہت کیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ آپ کہتے ہیں اور جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بے شک نہایت ہی بہتر ہے لیکن ہمیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے کیے ہوئے اعمال کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے تو ہم اسلام لانے کو تیار ہیں تو اس پر آیات وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اور یہ آیات قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا نازل ہوئیں۔ اور حق تعالیٰ نے نہایت واضح طور سے فرما دیا اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ کہ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرلیتا ہے اپنے بندوں کی۔ کہیں ارشاد فرمایا۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا - کہ جو شخص بھی برا کام کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے اور پھر وہ اللہ سے معافی مانگے تو اللہ کو پائے گا کہ وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔ کہیں منافقین کے حق میں خصوصیت سے فرمایا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا۔ کہ منافقین جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے اور اے مخاطب تو ان کے واسطے کوئی مددگار نہیں پائے گا۔ لیکن جو لوگ تائب ہو جائیں اور اپنے عمل کی اصلاح کرلیں تو بے شک وہ اس عذاب سے نجات پانے والے ہوں گے۔ اہل کتاب میں سے نصاریٰ کے شرک اور کفر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ان کے اس شرک و کفر کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۔ کہ یہ لوگ کیوں نہیں خدا کی طرف رجوع کرتے اور تائب ہوتے اور کیوں نہیں اس سے معافی مانگتے۔

الغرض ان آیات سے مجموعی طور پر یہ واضح ہوا کہ انسان کی بداعمالیاں ہوں یا کفر و شرک ہو یا نفاق کی گندگیوں میں مبتلا ہو۔ ان میں سے ہر ایک جس وقت بھی اپنے جرائم و گناہوں اور کفر و شرک یا نفاق سے تائب ہو کر مطیع و فرمانبردار بننا چاہے تو اس کو بارگاہ رحمت سے دھتکارا نہیں جائے گا۔ نزع روح سکرات موت نزول عذاب اور قیامت کے وقوع سے پہلے جب بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کریگا تو يَجِدِ اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا اللہ کو بڑا ہی مہربان توبہ قبول کرنے والا پائے گا۔ حسن بصریؒ آیۃ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے دیکھو اس جود و کرم کی کیا انتہا ہے کہ جن لوگوں نے مومنین کو ستایا۔ اولیاء کو قتل کیا۔ انہیں کو رحمت و مغفرت کی طرف دعوت دی جارہی ہے گناہ کی زندگی سے تائب ہو کر تڑپ اور بیقراری کے ساتھ در رحمت کی طرف دوڑنے والے کو رحمت خداوندی کس طرح اپنی آغوش میں لے لیتی ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوسکتا ہے جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل میں سے کسی کا واقعہ بیان فرمایا کہ جو ننانوے آدمیوں کو قتل کرچکا تھا۔ بعد میں اس کو ان بداعمالیوں پر ندامت ہوئی اور اس نے کسی عابد و زاہد کا پتہ معلوم کرنا چاہا کہ جس کے ہاتھ پر جاکر تائب ہو اور اپنی زندگی درست کرلے۔ ایک راہب کا پتہ معلوم ہونے پر اس کے پاس پہنچا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا میرے واسطے توبہ کا امکان ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ اس جواب پر غم و غصہ کی کیفیت میں اس راہب کو بھی قتل کرکے سو کا عدد پورا کردیا۔ لیکن بدستور وہی تڑپ برقرار رہی اور تلاش میں رہا کہ کسی کے ہاتھ پر بیعت کروں اور تائب ہو جاؤں۔ کسی عالم سے پوچھا کہ کیا میرے واسطے توبہ کا امکان ہے۔ اس نے جواب دیا کہ کون حائل ہوسکتا ہے تیرے اور تیری توبہ کے درمیان۔ اور فلاں بستی میں ایک

عالم وعابد ہے۔ تو اس کے پاس جا۔ اور اس بستی میں رہ کر خدا کی عبادت کرتا رہ۔ یہ شخص روانہ ہوا۔ سفر کے دوران موت کے آثار واقع ہوئے تو رحمت اور عذاب کے فرشتے آگئے اور باہم خصومت کرنے لگے عذاب کے فرشتے کہتے ہیں ہم اس کی روح قبض کریں گے اور رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ نہیں ہم اس کی روح قبض کر کے رحمت کے مقام میں لے جائیں گے حق تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ زمین ناپ لو جس جگہ سے قریب ہو اسی حکم میں اس کو شمار کر لو۔ ساتھ ہی اللہ نے اس طرف کی زمین کو جہاں یہ جا رہا تھا حکم دیا کہ تو نزدیک ہو جا۔ پیمائش کرنے پر توبہ کی زمین قریب نکلی۔ اس پر رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کی۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ جس وقت وہ زمین پر گر رہا تھا اس نے اپنا سینہ اور رخ اسی طرف جھکا دیا جس طرف وہ جا رہا تھا تو ایک بالشت کے بقدر ادھر زمین کم رہ گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے کا حکم ہوا سرزمینِ معصیت کو کہ تو بعید ہو جا اور توبہ کی زمین کو حکم ہوا تو قریب ہو جا۔ اور اس طرح ملائکۂ رحمت کو قبض روح کا حق عنایت کر دیا گیا۔

گویا قانونِ الٰہی سے اس شخص کو نافرمانیوں اور معصیتوں سے تائب اور پاک شمار کر لیا گیا کیونکہ جس تڑپ اور جذبہ کے ساتھ یہ اپنی جگہ سے نکلا اور ارضِ معصیت کو نفرت سے چھوڑتے ہوئے ارضِ اطاعت کا رُخ اختیار کر لیا تو درحقیقت یہ اس ارشاد خداوندی کا مصداق بن گیا وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ کے نزدیک اس کا شمار تائبین ومطیعین میں ہو گیا اور تائب انسان بفرمانِ نبوی اس معصوم بچہ کی طرح ہے جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

اِنابتِ الی اللہ کا مفہوم

انابت اور رجوع الی اللہ کی حقیقت نافرمانی اور معصیت سے بیزار ومتنفر ہو کر اللہ رب العزت کی اطاعت وبندگی کی طرف رُخ کر لینا ہے۔ اس طرح سے کہ گزشتہ کیے ہوئے اعمال پر ندامت وشرمساری ہو اور بارگاہ خداوندی سے عفو کا طالب ہوتے ہوئے یہ عہد کرے کہ آئندہ ان برائیوں سے پرہیز کروں گا۔ حدیث سید الاستغفار کے الفاظ یہ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ انت ربی لا الٰہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علیٰ عھدک ووعدک ما استطعت اعوذبک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت ان کلمات سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ توبہ واستغفار کی مجموعی حقیقت یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت وخالقیت کا اعتقاد کامل رکھتے ہوئے اپنی بندگی کا اقرار کرے اور خدا سے کیے ہوئے عہد وپیمان کی تکمیل کا اپنی عملی حدِ استطاعت تک عزم رکھے۔ ساتھ ہی اپنی کی ہوئی برائیوں کا تصور ہو اور اس بات کا احساس ہو کہ خدا کے انعامات کس قدر ہیں اور ان انعامات کے بالمقابل میری تقصیرات کتنی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس احساس کا نتیجہ ندامت وشرمندگی کی صورت میں ظاہر ہوگا اور اس طرح کے اعتقاد وعزم اور احساسِ ندامت کے ساتھ معافی کی طلب

اور اس بات کا عہد کہ آئندہ اس طرح کی معصیت کا مرتکب نہ ہوں گا۔

تو ان تمام احوال و کیفیات کا مجموعہ درحقیقت اللہ کی طرف انابت و رجوع ہے تو ایسے رجوع الی اللہ پر بشارت سنائی جارہی ہے رحمت و مغفرت کی اور اسی کے ساتھ مایوسی کا تصور قلب و دماغ سے نکال دینے کا بھی امر فرمایا جارہا ہے۔

رحمتِ خداوندی سے مایوسی جُرمِ عظیم ہے | دعوتِ رحمت اور بشارتِ مغفرت کے ساتھ یہ بھی فرمایا جارہا ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، کہ اللہ کی رحمت سے اے لوگو! ہرگز مایوس نہ ہو، اور رحمتِ خداوندی سے مایوسی کو کفر کے درجہ میں شمار کیا گیا جیسے ارشاد ہے۔ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ دوسری جگہ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (الحجر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرمایا اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہو تو درحقیقت ایسا شخص کتاب اللہ کا منکر ہے (ابن کثیر ج ۴) عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے۔ اعظم ترین آیت کتاب اللہ میں آیۃ الکرسی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے اور خیر و شر کے لیے جامع ترین آیت قرآن کریم میں آیۃ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ہے اور سب سے زیادہ مسرت و خوشی کی آیت يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ہے اور تفویض و اعتماد علی اللہ کے باب میں سب سے زیادہ مضبوط و قوی آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ہے۔ مقاتل بن حیانؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ ہم لوگ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آنحضرتؐ کے زمانہ میں) یہ سمجھا کرتے اور کہا کرتے تھے ہم جو بھی نیکیاں کرتے ہیں وہ یقیناً قبول ہوتی ہیں یہاں تک کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (محمّد) تو ہم نے سوچا کہ یہ کون سی چیز ہو سکتی ہے جو اعمال کو باطل کردے تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ کبائر و فواحش ہیں کہ ان کے ارتکاب سے انسان کی نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں تو اس پر ہم گھبرا گئے اور کہنے لگے یقیناً جو شخص بھی کسی گناہ کا ارتکاب کرلے وہ تباہ و برباد ہوگا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے ان دونوں باتوں سے رجوع کیا۔ یعنی نہ ہم اس تخیل پر رہے کہ ہر نیکی ضرور قبول ہوگی اور نہ یہ عقیدہ رہا کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد ہلاکت و تباہی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں بلکہ اس کے برعکس ہم نے سمجھا کہ گناہوں کے ارتکاب کے بعد توبہ و استغفار اور رجوع الی اللہ سے بندہ اللہ کی مغفرت، عنایات اور رحمتوں کا مستحق ہوجاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

انابت کا مفہوم رجوع ہے اور وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ الخ کے معنی یہ ہیں اے لوگو! تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو معصیتوں سے اعراض کرتے ہوئے

ان پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ۔ اور بعض ائمہ مفسرین نے اس کا مفہوم یہ ذکر کیا ہے کہ تم نفس اور اس کے تقاضوں سے منقطع ہو کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف اس کی عبادت و بندگی اور ذکر کے ساتھ رجوع کرو۔

"توبہ" کے معنی بھی اہلِ لغت رجوع کے بیان کرتے ہیں اور انابت کے معنی بھی رجوع کے ہیں۔ جیسے کہ بیان کیا گیا۔ شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں میں لطیف فرق بیان کیا۔ فرمایا تائب اس کو کہیں گے جو خوفِ عقاب کی وجہ سے رجوع کرے یعنی سزا اور عقوبت سے ڈر کر معصیت سے تائب ہو اور طاعت کی طرف رجوع کرے۔ اور منیب اس رجوع کرنے والے کو کہیں گے جو حق تعالیٰ کے انعامات و کرم سے شرما کر معاصی سے باز آئے۔ وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ کے بعد وَاَسْلِمُوْا کا حکم حق تعالیٰ سبحانہ کے لیے اخلاص پر متوجہ و آمادہ کر رہا ہے اور انابت کے بعد اخلاص کا حکم اس مقصد کے لیے ہے کہ بندہ یہ بات سمجھ لے کہ اس کی نجات و کامیابی اس کی انابت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس کے فضل و کرم سے ہے اور اسی کا فضل تھا کہ انابت کی توفیق حاصل ہوئی (تفسیر روح المعانی ج ۲۴)

الغرض آیت کا مقصد اور اس پیغامِ رحمت کی غرض یہ ہے کہ کسی شخص کو قبولِ حق اور رجوع الی اللہ کے لیے یہ بات مانع نہ ہونی چاہیے کہ اس نے اپنی سابق زندگی میں عظیم گناہ کیے ہیں۔ نہ اس کو اس وجہ سے قبولِ حق سے رکنا چاہیے اور نہ ہی اس کو رحمتِ خداوندی سے مایوس ہونا چاہیے۔ اس لیے ان آیات سے یہ سمجھنا کہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور ان اعمال کے مواخذہ کی کوئی فکر نہ کرنی چاہیے۔ قطعاً غلط ہے۔ عقل اور الفاظ کی دلالت ہرگز ایسے مفہوم کی اجازت نہیں دیتی۔ حاصل یہ کہ ان آیات سے انسان کو بے فکر ہو کر گناہوں پر جری نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ مایوسی کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا

تو کہہ، اب اللہ کے سوا کسی کو بتاتے ہو کہ پوجوں اے

الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى

نادانو ۔ اور حکم ہو چکا ہے تجھ کو، اور تجھ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ

سے اگلوں کو ۔ اگر تو نے شریک مانا،

لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾

اکارت جاویں گے تیرے کیے اور تو ہووے گا ٹوٹے میں آیا ۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا

نہ بلکہ اللہ ہی کو پوج اور رہ حق ماننے والوں میں ۔ اور نہیں

قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا

سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے ۔ اور زمین ساری ایک

قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ

مٹھی ہے اس کی دن قیامت کے اور آسمان لپٹے ہیں اس کے داہنے ہاتھ میں ۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ

وہ پاک ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتاتے ہیں۔ اور پھونکا گیا نرسنگا،

فَصَعِقَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا

پھر بیہوش ہو گرا جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں ، مگر

مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ

جس کو اللہ نے چاہا ۔ پھر پھونکا گیا دوسری بار ، پھر تبھی وہ کھڑے

يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ

ہوگئے دیکھتے ۔ اور چمکی زمین اپنے رب کے نور سے اور لا دھرا

الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ

دفتر ، اور حاضر آئے پیغمبر اور گواہ ۔

وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور فیصلہ ہوا ان میں انصاف سے ، اور ان پر ظلم نہ ہوگا ۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ

اور پورا ملا ہر جی کو جو کیا ، اور اس کو خوب خبر ہے

بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

جو کرتے ہیں ۔

اعلان برائت از شرک وتنبیہ و وعید بحبط اعمال وخسران انجام بر نافرمانی رَبُّ العالمین

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْ ---- الی ---- وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۔

(ربط) گذشتہ آیات میں دنیا کے تمام انسانوں کو دعوت رحمت دی گئی اور یہ کہ دلائل حق واضح ہونے پر اگر کوئی شخص قبول حق سے محض اس وجہ سے اعراض کرتا ہے کہ اس کو اپنے سابق اعمال کا ڈر ہے اور یہ تصور ہے کہ اس کی نجات ممکن نہیں تو اس کا یہ خیال غلط ہے۔ اس کو چاہیئے کہ مایوسی کا یہ تصور قلب و دماغ سے نکال دے۔ اب ان آیات میں اس امر کی ہدایت کی جارہی ہے کہ ہر حق پرست اور موحد انسان کو شرک سے برات و بیزاری کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ تاکہ کافروں کو اس کے بارہ میں ایسی کوئی طمع باقی نہ رہے کہ شاید کسی ذریعہ سے یہ شخص راہ راست سے بھٹک سکتا ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی فرمادیا گیا۔ اللہ رب العالمین کی نافرمانی انسان کے لیے تمام اعمال خیر کو برباد کرتی ہے اور اس کا انجام خسارہ اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ فرمایا

کہہ دیجیئے اے ہمارے پیغمبر تو کیا غیر اللہ کی عبادت کرنے کی مجھ سے فرمائش کرتے ہو تم اے جاہلو۔ بعد اس کے کہ حق واضح ہو چکا اور توحید ثابت ہوگئی۔ اب بجائے اس کے کہ تم اس توحید کو قبول کرو۔ خود تمہاری یہ جرأت اور طمع کیسے ہوئی کہ تم مجھ ہی سے غیر اللہ کی پرستش کے لیے کہنے لگے۔ اور حال یہ ہے کہ بے شک آپ کی طرف وحی بھیجی جا چکی۔ اور ان انبیاء کی طرف جو آپ سے پہلے گذرے کہ اے مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو یقیناً تیرا سارا عمل برباد ہوگا اور تو خسارہ میں پڑے گا۔ اے مخاطب شرک تو کیا بلکہ تو تو ہمیشہ اللہ ہی کی عبادت کرتا رہ اور ہمیشہ اللہ کے شکر گذار بندوں میں سے رہنا اور سب سے بڑا حق اللہ کا اس کی عظمت و توحید پر ایمان لانا ہے تو ظاہر ہے کہ شرک کے ارتکاب کے ساتھ اللہ کا شکر کیسے ادا ہو سکتا ہے۔ اور جو لوگ شرک کے مرتکب ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خدا کی عظمت

اور قدر و منزلت کو پہچانتے ہی نہیں۔ چنانچہ یہ وہی لوگ ہیں کہ انہوں نے خدا کی عظمت نہیں کی جیسے کہ خدا کی عظمت کا حق تھا اور حق عظمت ادا کرنا قبول توحید کے بغیر ممکن نہیں۔ حالانکہ اس کی شان یہ ہے کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی۔ قیامت کے روز اور تمام آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں پس پاکی ہے اس پروردگار کی اور برتر ہے وہ ذات ان کے ہر شرک سے جو وہ کرتے ہیں اور قیامت کے روز جس میں حق تعالٰے کی یہ شانِ عظمت ہوگی۔ صور میں پھونک ماری جائے گی تو مدہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ تمام زمین و آسمان والے بجز اس کے کہ جس کو خدا چاہے کہ اس مدہوشی سے محفوظ رہے۔ پھر اس صور میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعۃً سب ہوش میں آنے کے بعد اپنی قبروں سے باہر نکل کر کھڑے دیکھتے ہوں گے حیرت و تعجب سے کہ سب کچھ کیا ہو گیا اور کیسے ہو گیا۔ اور پھر حق تعالٰے جب اپنی شان بے چون و چگون کے ساتھ زمین کی طرف نزول و تجلی فرمائیں گے تو زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی اور یہ نور اللہ کی تجلی کا ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے۔ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا اور ہر ایک کا نامۂ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور لایا جائے گا پیغمبروں کو اور گواہوں کو۔ انبیاء گواہی دیں گے کہ ہم نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تھے اور گواہ (جو خود ان کے ہاتھ پاؤں بھی ہوں گے علاوہ فرشتوں اور امتِ محمدیہ کے) ان کے اعمال کی گواہی دیتے ہوں گے اور اس طرح سب مکلفین کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ حق و انصاف کے ساتھ مجرمین و نافرمانوں کے واسطے سزا کا اور مطیعینؒ فرمانبرداروں کے لیے نجات و انعامات کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہی فیصلہ حق و انصاف کا فیصلہ ہوتا ہے اور پورا پورا دے دیا جائے گا۔ ہر ایک شخص کو اس کے عمل کا بدلہ جو اس نے کیا۔ نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی اور نہ کوئی ظلم کے بدلہ سے بچ سکے گا۔ اور وہ پروردگار تو سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے جو وہ کرتے تھے۔ اس لیے اس کے علم اور نظر سے کسی کا کوئی عمل اور کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں مگر اس کے باوجود نامۂ اعمال مرتب ہوں گے جو ان کے سامنے ہوں گے۔ انبیاء علیہم السلام احکام خداوندی پہنچا دینے کی گواہی دے رہے ہوں گے۔ اعمال کے لکھنے والے فرشتے اور خود ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیتے ہوں گے کہ اس شخص نے یہ یہ کیا۔ اس طرح عدل و انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جس کے بعد مجرمین جہنم کی طرف گھسیٹے جا رہے ہوں گے اور مطیعین انعام و اکرام اور اعزاز کے ساتھ جنت میں داخل ہو رہے ہوں گے اور فرشتے دروازوں پر استقبال کے لیے کھڑے ہوں گے اور تحیہ و سلام ہوتا ہوگا۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ اس کے مصداق تمام کافر ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کی عظمت کو پہچانا ہی نہیں۔ اگر وہ اس کی قدر و منزلت کو پہچان لیتے تو ضرور ایمان لے آتے یعنی مشرکین نے اس کی عظمت و جلال کو اس حد تک نہ سمجھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہیئے تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کی شانِ رفیع کا سمجھنے والا ایک عاجز مخلوق حتیٰ کہ پتھروں کو اس کا شریک بناتا۔

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے متعدد روایات بیان کی ہیں اور مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت اور تمام ائمہ سلف اس قسم کی جملہ آیات کو متشابہات میں سے قرار دیتے ہیں اور آیات متشابہات میں سلف کا یہی موقف ہے کہ ظاہر پر برقرار رکھتے ہوئے ان پر ایمان لایا جائے اور کسی کیفیت کی تحقیق اور تعیین سے گریز کیا جائے۔ اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو حدیث امام بخاریؒ نے اور دیگر ائمہ محدثین نے عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے تخریج کی ہے، وہ سلف کے اس مؤقف کے خلاف نہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک عالم علماء یہود میں سے آپؐ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کتاب میں یہ پاتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمانوں کو ایک انگلی پر اٹھا لے گا اور زمینوں کو ایک انگلی پر درختوں کو ایک انگلی پر۔ پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر ——— اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر (اس طرح تمام کائنات کو اپنے دستِ قدرت میں لے لے گا اور پھر فرمائے گا میں ہی ہوں بادشاہ اور مالک تمام کائنات کا) اور ایک روایت میں ہے اس طرح تمام کائنات کو پانچوں انگلیوں پر لیے ہوئے حرکت دے گا اور ایک روایت میں ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کیفیت بھی اپنے دست مبارک سے ظاہر فرمائی۔ الغرض جب اس یہودی عالم نے یہ کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔ حتیٰ کہ آپؐ کے دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔ اس عالم کی بات پر تعجب کے طور پر یا بعض احادیث کے کلمات کی رو سے تصدیق کے طور پر۔ اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ۔ ان تمام روایات کا استیعاب حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں کر دیا ہے۔ اہل علم مراجعت فرمائیں۔

نفخ صور کی تفصیل

نفخ صور والی آیت مبارکہ سے یہی ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ صور پھونکنے پر آسمانوں اور زمین والے سب مدہوش ہو کر گر پڑیں گے اور دوبارہ نفخ صور پر سب انسان میدانِ حشر میں رب العالمین کے سامنے کھڑے حیرت کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہے ہوں گے۔ پہلے نفخ کو نفخۃ الصعق کہا جاتا ہے جس پر آسمان و زمین کے احیاء پر موت کی مدہوشی طاری ہو گی۔ اس کے بعد پھر اسرافیلؑ کو جب دوبارہ نفخ صور کا حکم ہو گا تو تمام اموات حتیٰ کہ وہ مردے جن کی ہڈیاں اور گوشت پوست ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے یا سمندروں میں غرق ہو چکے ہوں گے یا ہواؤں میں منتشر ہو چکے ہوں گے سب زندہ ہو کر قیامت کے یہ ہولناک مناظر دیکھنے لگیں گے۔ اسی چیز کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اس آیۂ مبارکہ میں ارشاد

فرمایا ہے۔ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ (روم)
اکثر ائمہ مفسرین کے نزدیک نفخ صور دو مرتبہ ہی ہے اور احادیث سے بھی ان ہی دو مرتبوں کی وضاحت وتعیین ہو رہی ہے۔ بعض حضرات مفسرین جیسے حافظ ابن کثیرؒ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفخۃ الصعق یعنی مدہوشی کا صور دوسرا ہوگا اور ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى کو تیسرا نفخ کہا اور بعض نے یہ فرمایا ایک بار نفخ صور عالم کے فنا ہونے کا ہوگا اور دوسری بار زندہ ہونے کا اور یہ نفخۃ الصعق بعد حشر کے بیہوشی کا تیسری بار ہوگا اور چوتھی مرتبہ کے نفخ پر سب لوگ پروردگار کے روبرو حاضر کھڑے ہوں گے۔

نفخ صور پر مدہوشی سے مستثنیٰ کون ہوں گے

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سے ان افراد کا استثناء فرمایا گیا جو اس مدہوشی سے مستثنیٰ اور محفوظ رہیں گے حدیث میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دوبارہ نفخ صور پر سب لوگ ہوش میں آئیں گے تو میں ہی وہ شخص ہوں گا جو سب سے پہلے افاقہ پانے والا ہوں گا اور دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا پایہ پکڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آچکے یا آج کی مدہوشی کے بالعوض ان کی کوہ طور کی مدہوشی کو سمجھ لیا گیا جب کہ کوہ طور کی تجلی واقع ہونے سے مدہوش ہو کر گر پڑے تھے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ (صحیح بخاری) بعض مفسرین نے استثناء سے جبریلؑ میکائیلؑ اور ملک الموتؑ مراد لیے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد حاملین عرش الٰہی ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انبیاء وشہداء ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صور کے دونوں نفخوں کے درمیان چالیس کا فرق ہوگا۔ راوی بیان کرتے ہیں لوگوں نے دریافت کیا اے ابوہریرہؓ چالیس دن کا؟ جواب دیا۔ میں نہیں جانتا۔ پھر لوگوں نے کہا۔ کیا چالیس مہینے کہنے لگے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ پوچھا گیا۔ تو کیا چالیس سال؟۔ جواب دیا مجھے نہیں معلوم۔ اس کے بعد حضورؐ کا ارشاد نقل کیا کہ آپ نے فرمایا۔ پھر حق تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے لوگوں کی نشوونما ہوگی اور فرمایا انسان کے جسم میں سے کوئی چیز بھی ایسی باقی نہ رہے گی کہ وہ بوسیدہ اور پارہ پارہ نہ ہو چکی ہو مگر عَجْبُ الذَّنَبِ یعنی پشت کی ہڈی جسے ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے۔ پھر اسی سے (یا اس کے اجزاء سے خواہ وہ کسی بھی شکل میں متغیر ہو چکے ہوں) اس کے تمام بدن کی تخلیق اور ترکیب کی جائے گی (صحیح بخاری) اور اس طرح بعث جسمانی ہوگا۔

وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ انبیاء کا لایا جانا وہی ہے جو سورۂ نساء میں گذر چکا فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا کہ ہر امت کے پیغمبر کو لایا جائے گا اور ان انبیاء کی تبلیغ احکام الٰہی پر گواہی دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا۔ تو

ایک گواہی یہ ہوگی۔ مزید ایک گواہی امتِ محمدیہ کی طرف سے ہوگی تو امت کے افراد بھی بطور گواہ لائے جائیں گے۔ جیسے کہ ارشاد ہے۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ. تیسری قسم کی گواہی ہر انسان کے اعضاء و جوارح کی ہوگی جیسے کہ ارشاد ہے۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ چوتھی گواہی ملائکہ اور کراماً کاتبین کی ہوگی۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ۔

وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا

اور ہانکے گئے جو منکر تھے، دوزخ کو جتھے جتھے۔ یہاں تک کہ جب

جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ

پہنچے اس پر، کھولے گئے اس کے دروازے اور کہنے لگے ان کو داروغہ اس کے، کیا

يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ

نہ پہنچے تھے تم پاس رسول تم ہی میں کے؟ پڑھتے تھے تم پر باتیں تمہارے رب کی،

وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنْ

اور ڈراتے تم کو تمہارے دن کی ملاقات سے۔ بولے، کیوں نہیں! پر ثابت

حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ

ہوا حکم عذاب کا منکروں پر، حکم ہوا

ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ

کہ پیٹھو دروازوں میں دوزخ کے، سدا رہنے کو اس میں سو کیا بری

مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

جگہ ہے رہنے کی غرور والوں کو! اور ہانکے گئے، جو ڈرتے رہے تھے اپنے رب سے

اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ

بہشت کو جتھے جتھے۔ یہاں تک کہ جب پہنچے اس پر، اور کھولے گئے

اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ

اس کے دروازے، اور کہنے لگے ان کو داروغہ اس کے سلام پہنچے تم پر، تم لوگ پاکیزہ ہو

فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ

سو بیٹھو اس میں سدا رہنے کو، اور وہ بولے شکر اللہ کا جس نے سچ

صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ

کیا ہم سے اپنا وعدہ، اور وارث کیا ہم کو اس زمین کا گھر پکڑ لیں

الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى

بہشت میں سے جہاں چاہیں، سو کیا خوب نیگ ہے محنت کرنیوالوں کا۔ اور تو دیکھے

الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ

فرشتے، گھر رہے ہیں عرش کے گرد پاکی بولتے ہیں۔

بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ

اپنے رب کی خوبیاں، اور فیصلہ ہوا ہے ان میں انصاف کا اور یہی بات

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

ہوئی کہ سب خوبی ہے اللہ کو، جو صاحب ہے سارے جہان کا۔

بیانِ انجام حقارت و تذلیل کفّار و مجرمین و انعام و اکرام اہلِ ایمان و مطیعین

قال اللہ تعالیٰ۔ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ... الی ... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں مشرکین و کفار کو متنبہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ شرک و نافرمانی سے باز نہ آئیں گے،

تو زندگی میں کیے ہوئے تمام اعمال حبط و برباد ہوں گے اور انسان کو نہ قیامت سے بے فکر ہونا چاہیئے اور نہ محاسبہ سے لاپرواہی برتنی چاہیئے۔ قیامت بھی برحق ہے، محاسبۂ اعمال بھی۔ اعمال اس پروردگار پر پوشیدہ نہیں وہ اعمال کو دیکھتا اور جانتا ہے۔ اس نے ہر انسان کا نامۂ اعمال بھی تیار کر رکھا ہے۔ اعمال پر گواہ بھی ہیں اس نوعیت سے مجرم کو اعمال کی سزا دی جائے گی اور جو مطیع و فرمانبردار ہیں ان کو ان کی نیکیوں پر انعام و جزا دی جائے گی تو اس طرح جزا و سزا کا اجمالی ذکر کر لے کے بعد اب آئندہ آیات میں اس کی تفصیل کی جا رہی ہے۔ ہر گروہ کے ساتھ قیامت کے روز کیسا معاملہ ہوگا تو ارشاد فرمایا۔

اور اس قضاء حق اور فیصلۂ عدل کے بعد ہانکا جائے گا کافروں کو جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر اس طرح ان کو ذلت کے ساتھ ہنکا کر لے جایا جائے گا۔ جیسے جانوروں کو دھکیل کر کسی جگہ لے جایا جاتا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ کفار جانے کے لیے تیار نہ ہوں گے تو زبردستی ان کو دھکیلا جاتا ہو گا۔ اور کافروں کے کفر و شرک کی بہت انواع ہیں تو اسی لحاظ سے ہر نوع کفر و شرک کے مرتکب کا ایک گروہ ہو گا۔ اس طرح گروہ در گروہ جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے یا یہ کہ رؤسا اور ان کے سرغنے آگے آگے ہوں گے اور متبعین و پیروکار پیچھے[۱] پیچھے۔ یہاں تک کہ جب یہ کفار دوزخ کے سامنے پہنچیں گے تو دوزخ کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ ایک دم جہنم کے شعلے اور لپٹیں انکو جھلسنا شروع کر دیں۔ اور دروازے کھلتے ہی دائمی عذاب اور وہاں کے ہولناک مناظر نظروں کے سامنے آتے ہی حسرت و ملال کی بے چینی پیدا کر دیں گے اور ان سے دوزخ کے نگران فرشتے بطور ملامت کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں سنایا کرتے تھے اور احکام خداوندی سکھایا کرتے تھے اور تم کو ڈرایا کرتے تھے تمہارے اس دن کے پیش آنے سے کہ لے لوگو قیامت کا دن آنا ہے اس کی فکر کر لو۔ اللہ کی نافرمانی سے بچو ورنہ عذابِ خداوندی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس وقت ذلت و لاچاری کے عالم میں کافر کہیں گے کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس اللہ کے رسول آئے اور انہوں نے عذابِ الٰہی سے ڈرایا۔ بے شک اسبابِ ہدایت سب موجود تھے لیکن ہم نے نہ ان سے فائدہ اٹھایا اور نہ راہِ راست پر آئے لہٰذا اب عذاب کا فیصلہ ثابت ہو کر رہا۔ کافروں پر اور اب حسرت و ندامت کے ساتھ سوائے اس اعتراف کے اور کوئی چارہ نہیں کہ بے شک ہم نے کفر کیا اور کافروں کے حق میں جس عذاب کا فیصلہ اور وعدہ تھا وہ اب ہمارے سامنے موجود ہے تو یہ ہماری نالائقی ہے اور ہم اس کے مستحق ہیں۔ اس وقت ان لوگوں سے کہا جائے گا اچھا اب

[۱] اسی کو حق تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ظاہر فرمایا۔ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا۔ یعنی کافروں کی ہر جماعت میں سے ہم ان لوگوں کو چھانٹ لیں گے جو کفر میں زیادہ شدید تھے تو بڑے بڑے کفار علیحدہ ہوں گے اور چھوٹے چھوٹے الگ ہوں گے۔

تو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس طرح کہ ہمیشہ اس میں رہو گے۔ غرض یہ متکبرین[علہ] اور اللہ کے احکام سے سرکشی کرنے والوں کا بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے بخلاف اہل توحید میں سے گنہگاروں کے کہ اگر وہ اپنے گناہوں کے باعث بطور سزا جہنم میں گئے بھی تو سزا بھگتنے کے بعد ان کو عذابِ جہنم سے آزاد کر دیا جائے گا۔ جہنم ان کا دائمی ٹھکانا اور حقیقی مثویٰ نہیں۔ اور اس کے برعکس جو لوگ اپنے خدا سے ڈرے اور اپنے رب پر ایمان لائے ان کو نہایت ہی عزت و اکرام کے ساتھ چلایا جائے گا جنت کی جانب گروہ گروہ بنا کر اس طرح کہ متبعین کی جماعتیں مراتب تقویٰ کے لحاظ سے جُدا جُدا ہوں گی۔ ہر جماعت کی ایک علیحدہ شان ہوگی وہ اس شان کے ساتھ جنت کی طرف لے جائے جا رہے ہوں گے۔ مجرمین کو فرشتے ذلت و حقارت سے گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے گئے تھے تو ان فرمانبرداروں اور مؤمنین کے اللہ کے فرشتے ان کے ساتھ چلتے ہوں گے جس طرح بادشاہوں کے محافظ اور درباری خدام اپنے درمیان اپنے بادشاہ کو لے کر چلتے ہوں۔ اہلِ جہنم کا سوق حقارت و توہین کے رنگ میں تھا جیسے چوروں ڈاکوؤں کو طوق و سلاسل کے ساتھ سپاہی لے جاتے ہوں لیکن اہلِ جنت کا جنت کی طرف سوق اعزاز و اکرام کے ساتھ ایسا ہوگا جیسے بادشاہ کو اس کے مصاحبین لیے جاتے ہوں[علہ]۔ فرشتے ان کو تقاضا کر کے جلدی جلدی لیے چلتے ہوں گے اور خدام پیچھے سے ان کے سواریوں کو ہنکاتے ہوں گے۔ غرض یہ سوق عزت و کرامت کا ہوگا جو بصد شوق و محبت ہوگا۔ یہاں تک کہ جب یہ اہل ایمان جنت تک

علہ پہلی آیت میں ان دوزخیوں کو "کافرین" کہا گیا اور اس آیت میں "متکبرین" عذابِ جہنم تو بیشک کفر ہی کی وجہ سے ہے لیکن کفر کا اصل سبب اور علت تکبر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ ایک چیز عذاب کی ذلت ہے اور دوسری چیز یعنی تکبر وہ علۃ العلۃ ہے تو ان دو تعبیروں سے اشارہ کر دیا گیا کہ جو لوگ کفر میں مبتلا ہیں دراصل ان کا یہ کفر ان کے تکبر کا نتیجہ ہے۔ نخوت اور تکبر ہی ہمیشہ کافروں کے کفر کا سبب بنا۔ انہوں نے اللہ کے پیغمبروں کے سامنے سر جھکانے سے تکبر کیا تو ایک موقعہ پر علتِ عذاب کو ذکر کر دیا گیا اور دوسری آیت میں علت کی علت بیان کر کے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ان کافروں کا یہ کفر ان کے تکبر کا انجام ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کے کافروں کی یہی نخوت، کفر و نافرمانی کا سبب بنی رہی جیسے کہ ارشاد ہے اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ اور تکبر ہی تمام رذائل کا سرچشمہ ہے اس وجہ سے اس کی سزا میں کفار کو انتہائی ذلت و خواری کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس طرح ذلت و حقارت کیساتھ جہنم میں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا جیسے جانور ہنکائے جا رہے ہوں۔ اسی وجہ سے لفظ "سیق" استعمال کیا گیا جو سوق بمعنی ہنکانے سے مشتق ہے۔ ۱۲۔

علہ ان کلمات سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ لفظ اہلِ جنت کے لیے بطور صنعت مشاکلت کے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اہلِ جنت تو ظاہر ہے کہ بصد اکرام جنت میں بیجائے جائیں گے جیسے کہ ارشاد ہے۔ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ۔

پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے اور جیسے کہ معزز مہمانوں کی آمد سے قبل ان کے استقبال کے لیے دروازے کھلے رکھے جاتے ہیں اور ان کو دیکھتے ہی جنت کے نگران ان سے کہیں گے (سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ طِبۡتُمۡ) سلامتی ہو تم پر اللہ کی عنایات و رحمتوں کے ساتھ اور خوش رہو تم۔ پس داخل ہو جاؤ اس جنت میں اس شان سے کہ تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو گے۔ ہر جانب سے تم پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی نہ کبھی کوئی تعب و مشقت پیش آئے گی اور نہ کسی قسم کا رنج و غم واقع ہوگا۔ اہل جہنم کو تو خازنین جہنم داخل ہونے سے پہلے ملامت اور سرزنش کریں گے لیکن اہل جنت کے لیے خازنین جنت تحیۃ و سلام اور پیغام بشارت اور ان کی ثناء و توصیف اور اعزاز و اکرام کے ساتھ استقبال کرتے ہوں گے اور آئندہ کے لیے بھی سکون و چین کا مژدہ سنا کر مطمئن کریں گے۔ جس پر اہل جنت خوش ہوں گے اور فرط مسرت اور جذبۂ تشکر سے یہ کہیں گے "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ" شکر ہے اس خدا کا جس نے پورا کر دکھایا جو وعدہ اس نے ہم سے کیا تھا ہمارے ایمان لانے پر جو وعدہ تھا جنت کا وہ وعدہ محض اپنے فضل سے پورا کر دیا اول تو وعدہ ہی محض اس کا فضل تھا پھر اس مہربانی پر مزید یہ کہ ہم کو اس نے ایمان کی توفیق دی پھر یہ انعام کہ ہم کو اس پر قائم رکھا۔ پھر اور کرم بالائے کرم یہ کہ اس کو قبول فرمایا اور خوشنودی کا ذریعہ بنایا لہٰذا یہ سب کچھ اس کا فضل ہی فضل ہے اس پر جس قدر بھی اس کا شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے اور ہم کو اس سرزمین کا وارث بنا دیا کہ ہم عالم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنا لیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں حالانکہ دنیا میں تو کوئی ایک بالشت زمین کا ٹکڑا بھی جہاں چاہے نہیں حاصل کر سکتا تھا۔ پھر یہاں ہر شوق اور خواہش پوری ہو رہی ہے ہر طلب پوری کی جا رہی ہے جیسے کہ ارشاد ہے۔ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ تو آخر اس سے بڑھ کر انعام و اکرام کا کیا درجہ ہو سکتا ہے۔ پس کیا ہی اچھا ہے اجر و ثواب نیک عمل کرنے والوں کا۔

الغرض جب اہل جنت اللہ کے فضل سے جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخیوں کو جہنم میں گھسیٹ کر ڈال دیا جائے گا تو اللہ کے برگزیدہ بندے اللہ رب العزت کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو جائیں گے اور اے دیکھنے والے تو اس روز دیکھے گا فرشتوں کو اس طرح کہ گھیرے ہوئے ہوں گے ہر جانب سے عرش الٰہی کو پاکی بیان کر رہے ہوں گے اپنے رب کی حمد و ثناء کرتے ہوئے کہ پروردگار عالم کی تسبیح و تحمید میں غرق ہوں گے اور عرش الٰہی کعبۃ اللہ کی طرح ملائکہ کا مطاف بنا ہوا ہوگا اور عرش خداوندی کے طواف کے دوران ملائکہ کا ورد ہوگا۔ سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔ اور تمام خلائق کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اللہ رب العزت کی اس شان عظمت و کبریائی اور عدل و انصاف کو دیکھ کر ہر زبان اور ہر سمت سے یہی صدا جاری ہوگی۔ " اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ یعنی ہر طرف سے فرشتوں اور اہل جنت کی زبان جوش و خروش کے ساتھ اللہ کی حمد و ستائش میں مصروف ہوگی۔

اور کہا جاتا ہوگا۔ ساری خوبیاں اس خدا کو زیبا ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔
فرشتوں کا عرشِ الٰہی کے گرد گھیرا بنائے تسبیح و تحمید میں مصروف ہونا اس وقت ہوگا جب حق تعالیٰ کا نزولِ اجلال ہوگا بندوں کے حساب کے لیے۔ اس وقت کی عظمت و ہیبت کا یہ اثر ہوگا۔ فرشتے بھی عرشِ الٰہی کا گھیرا دیئے یا طواف کرنے کی حالت میں حمد و ثنا میں مصروف ہوں گے۔
ان آیات میں عجیب ربط و تناسب ہے جس سے مزید شانِ اعجاز کلامِ خداوندی کی ظاہر ہو رہی ہے قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ سے کلام کا آغاز فرمایا گیا تھا۔ اثباتِ توحید اور نفی شرک موضوعِ خطاب تھا، اس سے کلام کی ابتداء کرتے ہوئے معاد اور آخرت کا ذکر شروع کر دیا گیا اس میں جنت و جہنم اور اہلِ جنت و جہنم کا ان کے احوال کا ان کے جنت و جہنم میں داخل ہونے کی کیفیات کا بیان فرما دیا گیا اور ان تمام تفصیلات کو اخیر میں حق تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت کے بیان پر ختم فرمایا۔ یہ کہتے ہوئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔
اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ میں جنت کی سرزمین کو لفظ ارض سے مجازاً اس لحاظ سے تعبیر کیا گیا کہ وہ جگہ اسی طرح چلنے پھرنے اور ٹھکانا بنانے کی ہوگی جیسے عالمِ دنیا میں زمین ہوتی ہے۔

دوزخ و جنت کے دروازے اور ان میں داخل ہونیوالوں کی کیفیات

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا اہلِ جہنم کے جہنم کے سامنے پہنچنے کی کیفیت میں یہ فرمایا گیا، یہاں تک کہ جب وہ جہنم کے سامنے پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اِذَا جَآءُوْهَا شرط پر فُتِحَتْ کا جملہ جزائیہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے پہنچتے ہی فوراً دروازے کھولے جائیں گے تاکہ جلد سے جلد ان کفار و مجرمین کو دار العقوبت میں پہنچا دیا جائے اور ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ مل سکے نیز مجرمین کے ساتھ یہی طریقہ برتا جاتا ہے کہ جیل خانہ بند ہوتا ہے جوں ہی مجرم لایا گیا جیل کے نگران فوراً دروازہ کھول کر مجرم کو اندر دھکیل دیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل اہلِ جنت کا جنت میں جانا اعزاز و اکرام کے ساتھ ہوگا اور اعزاز و اکرام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ معزز مہمانوں کے استقبال کے لیے دروازے پہلے کھلے رہیں اس لیے وہاں وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا کی تعبیر اختیار کی گئی جس کا ترجمہ یہ کیا گیا اور دروازے کھلے ہوں گے جیسا کہ ایک موقع پر دخولِ جنت کے ذکر میں مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ فرمایا گیا۔
زُمَرًا یعنی گروہ گروہ اور جماعتیں جماعتیں۔ اہلِ جنت کے گروہ دس جماعتیں ہوں گی جن پر خدا کا انعام ہے اور وہ انبیاء و صدیقین و شہداء اور صالحین کے گروہ ہیں جو یکے بعد دیگرے جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے۔ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء)

جنت میں داخل ہونے والا سب سے پہلا گروہ اگرچہ جملہ انبیاء کا ہوگا لیکن وہ ذات جو سب سے پہلے جنت میں جائے گی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے جیسے کہ ارشاد ہے۔ انا اول من یقرع باب الجنۃ (صحیح مسلم) کہ میں ہی سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے۔ انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز میں جنت کے دروازہ پر پہنچوں گا دستک دینے پر خازن جنت دریافت کرے گا کون؟ میں جواب دوں گا میں ہوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خازن جنت کہے گا۔ مجھے آپ ہی کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے واسطے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جو گروہ جنت میں داخل ہوگا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔ ان کے بعد وہ گروہ ہوگا جو زیادہ سے زیادہ روشن ستاروں کے مانند ہوں گے پھر اسی ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے داخل ہونے والے گروہوں کے حسن وجمال کا حال ہوگا۔

جنّت کے دروازے اعمال کی مناسبت سے متعین ہوں گے

جنت کے دروازوں کا عدد احادیث میں آٹھ ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ اِنَّ فی الجنۃ ثمانیۃ ابواب باب منہا یسمی باب الرّیّان لایدخلہ الا الصائمون اور باب فضل وضو میں ہے فتحت لہٗ ابواب الجنۃ الثمانیۃ یدخل من ایہا شاء۔

جنت کے دروازوں میں کوئی باب الصلوٰۃ ہوگا۔ کوئی دروازہ باب الصدقہ ہوگا۔ کوئی باب الصیام جس کو باب الریان فرمایا گیا۔ کوئی باب الحج ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ان دروازوں میں ہر ایک دروازہ سے داخل ہونے والے وہ ہوں گے جو اپنی زندگی میں اس عبادت اور عمل سے خاص شغف رکھنے والے ہوں گے مثلاً جن پر نماز کا رنگ غالب ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے اور جن پر صدقہ وخیرات کا رنگ غالب ہوگا وہ باب الصدقہ سے داخل ہوں گے اور جن پر جہاد کا رنگ غالب تھا وہ باب الجہاد سے اور اسی لحاظ سے ان کو پکارا جائے گا۔ ایک مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ بیان فرمارہے تھے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ اس بات کی کسی کو ضرورت تو نہیں ہے کہ اس کو تمام دروازوں سے پکارا جائے اور بلایا جائے (کیونکہ ایک آدمی ایک ہی دروازے سے داخل ہوتا ہے) لیکن پھر بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی ہوگا ایسا جس کو سب دروازوں سے پکارا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! ایسا بھی کوئی شخص ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص اے ابوبکرؓ تم ہی ہوگے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الحمد للہ رب العالمین کی صدا جوش وخروش کے ساتھ

لگانے والے کون ہوں گے؟ بالعموم حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ یہ مومنین اور اللہ کے فرشتے ہوں گے
حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں یہ کہنے والی کائنات کی ہر شئے ہوگی کہ ہر موجود شئے اس
فیصلہ کے عدل وانصاف کو دیکھ کر اللہ کی پاکی اور حمد وثنا میں مصروف ہوجائے گی (تفسیر ابن کثیر ج ۴)
عالم کائنات کی جب ہر چیز اللہ کی حمد وثنا کرتی ہے جیسے کہ ارشاد ہے۔ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ
بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ یہی وجہ ہے صیغۂ مجہول وَقِيْلَ استعمال کیا گیا تاکہ عموم
قائل پر دلالت کرے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہر مخلوق حمد خداوندی کے ساتھ ناطق ہوگی اور اس کی پاکی کی گواہی
دینے والی ہوگی۔

قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق اپنی حمد سے فرمائی جیسے کہ فرمان ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ تو مناسب ہوا کہ تمام مخلوقات کا انجام اور فیصلہ
اور ان کے امور کی انتہا بھی حمدِ خداوندی پر ہو۔ اس بناء پر اس عدل وانصاف کے آخری فیصلہ کو
اسی عنوان کے ساتھ ذکر فرمایا گیا۔ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.
ابتداء خلق بھی حمد سے تھی تو تمام امور کا انجام وانتہا بھی حمد خداوندی پر کی گئی۔

الحمد للہ آج مورخہ ۲۲ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۹۰ھ یوم شنبہ بعد العشاء سورۂ زمر کی تفسیر
ختم ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الحمد اولاً واٰخراً۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

سُورۂ مُومن

سورہ مومن بھی مکی سورت ہے۔ اس سورت کو سورۂ غافر بھی کہتے ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ یہ سورت
مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، یہی قول عطاءؒ جابرؓ اور عکرمہؒ کا ہے۔ قتادہؒ کا قول ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ
فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ دو آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورت میں پچاسی آیات اور نو رکوع ہیں۔

بیہقیؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آل حٰمٓ یعنی جو سورتیں حٰمٓ سے
شروع ہوتی ہیں وہ سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر سورۂ حٰمٓ اپنے تلاوت
کرنے والے کو عذابِ جہنم سے بچانے والی ہوگی۔

(ربط) اس سے قبل سورہ زمر کی ابتداء وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کے بیان سے تھی اور
انتہا اس مضمون پر تھی کہ حق تعالیٰ کا اپنی مخلوقات کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ اور عدل وانصاف قائم کرنا

حق تعالیٰ کی شان عزت و کبریائی اور علم و حکمت پر مبنی ہے تو یہ سورت حق تعالیٰ کے ایسے ہی اوصاف عظیم کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے مثلاً اس کا اَلْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (زبردست ہونا، علم والا ہونا) غَافِرِ الذَّنْبِ گناہوں کی مغفرت کرنے والا۔ قَابِلِ التَّوْبِ توبہ قبول کرنے والا۔ شَدِیْدِ الْعِقَابِ۔ سرکشوں کو شدید سزا دینے والا ذِی الطَّوْلِ بڑی بخشش والا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کہ وہ خدا یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں جو اس کو کسی بات سے روک لے۔ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ان صفات خداوندی کے ساتھ کلام کی ابتداء فرمائی جا رہی ہے ارشاد فرمایا حٰمٓ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔

آیاتہا ۸۵ — ۴۰ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَکِّیَّۃٌ ۶۰ — رکوعاتہا ۹

سورۂ مومن مکی ہے اس میں ۸۵ آیات اور ۹ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۲﴾

اُتارا کتاب کا اللہ سے ہے جو زبردست ہے خبردار

غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی

گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنا سخت مار دینا، مقدور کا

الطَّوْلِ ؕ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ﴿۳﴾ مَا یُجَادِلُ

صاحب۔ کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے۔ اسی کی طرف پھر جانا ہے۔ وہی جھگڑتے

فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَا یَغْرُرْکَ

ہیں اللہ کی باتوں میں، جو منکر ہوئے سو تو نہ بہک اس پر

تَقَلُّبُھُمْ فِی الْبِلَادِ ﴿۴﴾ کَذَّبَتْ قَبْلَھُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ

کہ چلتے پھرتے ہیں شہروں میں۔ جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح کی، اور

الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ

کتنے فرقے ان سے پیچھے۔ اور ارادہ کیا ہر امت نے اپنے رسول پر

لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ

کہ اس کو پکڑ لیں، اور لانے لگے جھوٹے جھگڑے کہ اس سے ڈگا دیں سچا دین،

فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ

پھر میں نے انکو پکڑا، تو کیسی ہوئی میری سزا دینی! اور ویسے ہی ٹھیک

كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ

ہو چکی بات تیرے رب کی منکروں پر۔ کہ یہ ہیں دوزخ

النَّارِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ

والے۔ جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش اور جو اس کے گرد ہیں

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں، اور اس پر یقین رکھتے ہیں، اور گناہ بخشواتے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

ہیں ایمان والوں کے۔ اے رب ہمارے ہر چیز سمائی ہے تیری مہر میں اور خبر میں،

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ

سو معاف کر ان کو جو توبہ کریں، اور چلیں تیری راہ، اور بچا ان کو آگ

الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ

کی مار سے۔ اے رب ہمارے اور داخل کر انکو بسنے کے باغوں میں، جن کا

وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ

وعدہ دیا تو نے ان کو، اور جو کوئی نیک ہو ان کے باپوں میں اور عورتوں میں،

وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑧ وَقِهِمُ

اور اولاد میں ۔ بے شک تو ہی ہے زبردست حکمت والا ۔ اور بچا انکو

السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ

برائیوں سے ۔ اور جس کو تو بچاوے برائیوں سے، اس دن اس پر مہر کی تو نے ۔

وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨

اور یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد پانی ۔

بیان عظمت خداوندی وتہدید بر مقابلہ ومجادلۂ مغرورین ومتکبرین

قال اللہ تعالیٰ ۔ حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ... الیٰ ... هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔

(ربط) گزشتہ سورت کے مضامین مجموعی طور پر قرآن کریم کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اثبات پر مشتمل تھے۔ ساتھ ہی ان لوگوں پر وعید وتنبیہ تھی جو خدا کے پیغمبر کے ساتھ تمسخر و مذاق کرتے تھے تو اسی مناسبت سے اس سورۂ مومن یا غافر میں بھی اسی طرح کے مضامین ذکر فرمائے گئے جو اثبات توحید خداوندی اور وحی الٰہی کی حقانیت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے متعلق ہیں۔ اور اسی کے ضمن میں ان مغرور ومتکبر اور سرکش قسم کے انسانوں پر وعید ہے جو اپنے دنیوی جاہ وجلال اور مال ودولت کے نشہ میں مست ہو کر خدا سے غافل ہیں تو مجموعی طور سے اس سورت کے مضامین تین انواع پر مشتمل ہیں۔ ایک نوع مضمون اثبات توحید ہے۔ دوسری قسم مجادلین فی الحق کی مذموم خصلتیں بیان کرنا ہے۔ تیسری قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے مضامین کی ہے۔ تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

حٰمٓ اللہ ہی اس کی مراد خوب جانتا ہے یہ کتاب اتاری ہوئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے اس لیے وہ اپنے بندوں کے ہر عمل کو جانتا ہے اور ہر عمل کا بدلہ دینے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ گناہ کا بخشنے والا ہے توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے مجرموں کو بڑی قدرت رکھنے والا ہے مطیعین وفرمانبرداروں پر انعام وبخشش کی نہیں ہے کوئی لائق عبادت اس کے سوا بس اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ اس قرآن کریم کے نزول اس کی حقانیت اور ذات خداوندی کی عظمت وکبریائی اور اس امر کا کہ نہ اس کے سوا کوئی

معبود ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے یہ تقاضا ہے کہ انسان اس کتاب الٰہی اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہو جائے اور اس میں کسی طرح کا انکار و جدال نہ کیا جائے مگر پھر بھی معاندین اللہ کی آیتوں میں خصومت اور اس کے احکام کا مقابلہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں میں کوئی بھی جھگڑا اور جدال نہیں کرتا مگر صرف وہی لوگ جو اللہ کے منکر ہیں۔ ان کا انکار اور خدا کے ساتھ خصومت کا اقتضاء تو یہ ہے کہ جلد از جلد ان پر خدا کا عذاب نازل ہو جائے لیکن خدا نے اپنی حکمت سے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے اس لیے اے ہمارے پیغمبر (یا اے مخاطب) آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے ان کا شہروں میں چلنا پھرنا نہایت ہی اطمینان کے ساتھ اور اپنے کاروبار میں منہمک رہنا۔ تو اس عارضی مہلت کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ خدا کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچے رہیں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان سے پہلے قوم نوح نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا اور دوسرے اور بھی گروہوں نے جو انکے بعد ہوئے جیسے عاد و ثمود وغیرہ اور ہر ایک قوم نے اپنے رسول کے متعلق یہ ارادہ کیا۔ اور اسی تدبیر میں لگے کہ اس اللہ کے رسول کو پکڑ لیں اور پکڑ کر قتل کر ڈالیں اور جھگڑنا شروع کر دیا باطل طریقہ سے تاکہ اس باطل سے حق کو مٹا دیں بالآخر میں نے ان کو پکڑا پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ کیسا تھا میرا عذاب تو جس طرح ماضی میں گزری ہوئی ان قوموں پر خدا کا عذاب مسلط ہوا۔ اسی طرح اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب کا فیصلہ تمام کافروں اور منکروں کے حق میں ہو چکا ہے کہ بلاشبہ وہ لوگ دوزخی ہیں اور اس فیصلۂ خداوندی سے ان مجرموں پر دنیا میں بھی عذاب ذلت و رسوائی کی صورت میں ہو گا اور آخرت میں بھی دوزخ کی آگ میں جلیں گے خدا کو کسی کی عبادت اور ایمان کی کوئی حاجت نہیں اس کی شانِ عظمت تو یہ ہے کہ جو فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے عرش الٰہی کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اس کی حمد و ثناء کے ساتھ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں ایمان والوں کے لیے اس طرح دعا کرتے ہوئے کہ اے ہمارے رب تُو تو چھائے ہوئے ہے ہر چیز پر اپنی رحمت اور علم کے لحاظ سے پس مغفرت فرما دے ان لوگوں کی جنہوں نے تیری طرف رجوع کیا (تائب ہو کر برائی سے) اور تیرے راستہ پر چلے اور بچا لے ان کو دوزخ کے عذاب سے اور ظاہر ہے کہ ایسی بے پایاں رحمت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ذرا بھی اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور ایمان والوں کو اپنی اس بے پایاں رحمت و انعام سے نواز دے اس لیے اے ہمارے پروردگار محض یہی نہیں کہ تو ان کو جہنم کے عذاب سے بچائے بلکہ اور ان کو داخل کر دے بہشت کے ان باغات میں جو ہمیشہ رہنے کے ہیں جن کا تو نے وعدہ کیا ہے ان ایمان والوں سے اور ان کو بھی داخل کر لیجئے جو ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے صالح ہیں نیک و برگزیدہ اور جنت کی نعمتوں کے لائق ہیں اگرچہ وہ ان اہل ایمان و تقویٰ کے برابر درجہ کے نہ ہوں بے شک آپ تو بڑے ہی عزت و حکمت والے ہیں۔ اس لیے جس کسی کو بھی اپنے انعام سے نوازنا چاہیں گے کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور جو بھی انعام و کرم فرمائیں گے وہ عین حکمت کے مطابق ہو گا۔ اور اے پروردگار ان کو

بچا لیجئے تکلیفوں سے اور اے پروردگار آپ جس کو اس روزِ قیامت کی تکلیفوں سے بچالیں بس اس پر تو آپ نے بڑا ہی رحم وکرم فرمادیا اور یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے کہ مغفرت بھی ہوگئی رضا اور خوشنودی بھی میسر آگئی آخرت اور روزِ قیامت کی کلفتوں اور شدتوں سے محفوظ ہوگیا اور جنت کے بے پایاں انعامات سے نواز دیا گیا تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون سی کامیابی ہوسکتی ہے۔

اللہ کی آیات میں جدال وخصومت ہلاکت کا سامان

مَا یُجَادِلُ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کا عنوان یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ کی آیات میں خصومت و جدال اہلِ ایمان کو زیب نہیں دیتا۔ مؤمن کی شان تو یہ ہونی چاہیے کہ ان کے سامنے جب بھی اللہ کی آیات تلاوت کی جائیں وہ سراپا انقیاد واطاعت بن جائیں۔ تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ کا مصداق ہو جائیں۔ چہ جائیکہ حجت بازی اور خصومت کا رنگ اختیار کریں، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے سنن میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ کسی آیت میں نزاع اور خصومت کر رہے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا انما هلك من كان قبلكم بهذا ضربوا كتاب الله بعضه ببعض انما نزل كتاب الله يصدق بعضه بعضا فلا تكذبوا بعضه ببعض۔ فما علمتم فقولوه وما جهلتم فكلوه الى عالم (رواه البغوی)۔
(یعنی تم سے پہلے صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر مارا اور مخالفت و تردید کے جذبہ میں تعارض و تناقض ثابت کرنے کی فکر میں لگ گئے) حالانکہ کتاب اللہ کا تو ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے۔ (نہ کہ تردید وتکذیب) اس لیے تم ایک حصہ کی دوسرے کسی حصہ سے تکذیب اور تردید نہ کرو۔ جو جانتے ہو وہ بیان کرو۔ اور جو چیز تم نہیں جانتے وہ اس کے عالم کے حوالہ کردو۔

صحیح مسلم میں یہ ہے کہ آپ نے دو شخصوں کی آواز سنی کہ وہ کسی آیت میں جھگڑ رہے ہیں تو آپ کو اس قدر ناگوار ہوئی کہ چہرۂ انور سے غصہ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا، تم سے پہلی قومیں اپنی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

بہرکیف یہ جدال وخصومت جو کافروں کی صفت بیان کی گئی ہے وہ جدال وخصومت ہے۔ جس کا مقصد قرآن کریم پر طعن اور اعتراض ہو یا حق کا مقابلہ مقصود ہو اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ کتاب اللہ کی تفسیر اور بیان معانی میں صرف اسی شخص کو بولنے کا حق ہے جو علم رکھتا ہو۔ علوم قرآن اور علوم شریعت کی اس کو معرفت ہو اور جو ان علوم سے نابلد ہو اس کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے جہل کے باوجود کتاب اللہ میں اپنی رائے ٹھونسنے لگے۔

نیز فَلَا یَغۡرُرۡكَ تَقَلُّبُهُمۡ فِی الۡبِلَادِ سے یہ واضح کردیا گیا مال و دولت اور دنیوی جاہ اقتدار سے کسی بھی وقت انسان کو حق اور باطل کے درمیان کسی قسم کا شبہ اور تردد نہ کرنا چاہیئے۔ یہ دنیوی عزتیں نہ علم کی دلیل ہیں اور نہ خدا کے یہاں مقبول ہونے کی نشانی ہے۔

ملائکہ حاملینِ عرش کی اہل ایمان کیلئے دعا

اہل ایمان وتقوی اور تابعین ومطیعین کی قرآن کریم میں بہت سی خوبیاں اور ان پر نعمتیں بیان کی گئیں لیکن اس مقام پر جو خاص انعام اور ان پر فضل وکرم ذکر کیا گیا وہ یہ کہ ملائکہ حاملین عرش ایسے وقت کہ عرشِ الٰہی اٹھانے ہوئے اس کی حمد و تسبیح میں مصروف ہوں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار مغفرت فرمادے ان مؤمنوں کی جو تیری طرف رجوع کرچکے اور تیرے راستہ پر چلے ان کو جہنم کے عذاب سے بچا اور جناتِ عدن میں ان کو داخل فرمادے نہ صرف ان کو بلکہ ان کے آباء ان کی ذریت اور ان کی ازواج کو بھی ان ہی کے ساتھ ملحق کردے اگرچہ وہ خود اس درجہ کے مستحق نہ ہوں۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حاملین عرش فرشتوں اور ان کے گرد ملائکہ کو کرّوبین کہا جاتا ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش کے حاملین چار فرشتے ہیں۔ ایسے فرشتے جن کی عظمت کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے اگر ایک ستارہ زمین کی سطح سے لاکھوں گنا زائد ہوسکتا ہے تو کیا تعجب ہے کہ فرشتوں کی عظمت ایسی ہو کہ وہ عرش خداوندی کے حامل بن جائیں۔ اس روایت سے حاملینِ عرش کا عدد چار معلوم ہوا لیکن قرآن مجید کی آیۃ وَیَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ یَوۡمَىِٕذٍ ثَمٰنِیَةٌ بتاتی ہے کہ قیامت کے روز عرش کے اٹھانے والے فرشتے آٹھ ہوں گے تو بظاہر یَوۡمَىِٕذٍ کی قید اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے روز ان کی تعداد چار سے بڑھ کر آٹھ ہوجائے گی۔

شہر بن حوشبؒ بیان کرتے ہیں ان آٹھ حاملینِ عرش میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوتی ہے۔ سبحانك اللّٰهُمَّ وبحمدك الحمد علیٰ حلمك بعد علمك اے اللہ تیری پاکی ہے حمد و ثناء کے ساتھ اور تیرے ہی واسطے حمد ہے تیرے اس حلم پر جو تیرے علم کے بعد ہے۔ اور چار کی تسبیح اس طرح ہوتی ہے۔ سبحانك اللّٰهُمَّ وبحمدك لك الحمد علیٰ عفوك بعد قدرتك یعنی تیری حمد و ثناء ہے تیرے درگزر پر باوجود تیری قدرت کے تو ان دو تسبیحوں سے رَبَّنَا وَسِعۡتَ كُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَةً وَّعِلۡمًا کی حقیقت ظاہر ہورہی ہے اس وسعت علمی کے باوجود اس قدر حلم اور اس قدرت کاملہ کے باوجود یہ درگزر یقیناً اس کی وسعتِ رحمت کا پورا پورا مظہر و پیکر ہے ان حاملین عرش فرشتوں کی تسبیح وتحمید کے ساتھ مزید ایک وصف بیان کیا گیا۔ وَیُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ کہ یہ فرشتے اس پروردگار پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ فرشتوں کا ایمان اور پروردگار کی معرفت تو محتاجِ

بیان ہی نہیں کیونکہ ان کے سامنے تو ہمہ وقت اللہ رب العزت کی تجلیات ظاہر ہیں اور اس کی عظمت و کبریائی کا ان سے بڑھ کر کس کو مشاہدہ ہو سکتا ہے تو ان کے لیے وصف ایمان کا ذکر ایمان کی عظمت اور شرف کو ظاہر کرنے کے لیے ہے یعنی ایمان ایسی عظیم نعمت ہے کہ فرشتے بھی اس سے متصف ہوتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے انبیاء اور رسولوں کا ایمان لانا بیان کیا جائے نیز یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ کے لفظ سے اشارہ ہے کہ ان فرشتوں کی ایک صفت تو بجانب خداوندی کمال عظمت ہے اور بندوں کی جانب ان کا رنگ کمال شفقت کا ہے جیسا کہ لفظ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ظاہر کر رہا ہے. فرشتوں کی دعا اہل ایمان کے حق میں حق تعالیٰ کی طرف سے مؤمنین پر ایک خاص انعام ہوگا. یہ دعا تین اجزا پر مشتمل ہے ایک مغفرت و معافی کے لیے جس پر لفظ فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا دلالت کر رہا ہے۔ دوسرے جنت کی لازوال نعمتوں کے لیے. تیسرے ان جنتیوں کے ساتھ ان کے ماں باپ اولاد اور بیبیوں کے ملا دینے کے لیے کہ یہ بھی ان کے ساتھ جنت کے ان ہی درجات میں بھیج دیئے جائیں جو خود ان کے ہیں اگرچہ یہ لوگ ان درجات کے مستحق نہ ہوں مگر محض اس لیے کہ ان ایمان و تقویٰ والوں کی راحت اور خوشنودی مکمل ہو جائے اور اپنے کسی عزیز کے فراق کا قلب پر کوئی ملال و رنج نہ ہو

امام بغوی ؒ نے سعید بن جبیرؓ سے ایک روایت تخریج کی ہے بیان کرتے ہیں جس وقت ان مؤمنین کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا جو اعزاز و اکرام سے اپنے باغات و محلات میں پہنچا دیئے جائیں گے تو ان مؤمنین میں سے بعض کہیں گے کہاں ہے میرا باپ، کہاں ہے میری ماں. کہاں ہے میرا بیٹا. کہاں ہے میری بیوی یا میرا خاوند تو جواب دیا جائے گا. ان کا عمل تو تیرے عمل جیسا نہیں ہے یعنی وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے اس رتبہ کے نہیں ہیں تو یہ مؤمن کہے گا اے پروردگار میں جو عمل کرتا تھا وہ اپنے واسطے اور ان کے واسطے بھی کیا کرتا تھا اس پر اعلان ہوگا کہ اچھا ان لوگوں کو بھی اسی مؤمن کے ساتھ لاحق کر دو؏ اس مضمون کو بیان کرکے سعید بن جبیرؓ یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے۔ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ الخ یہی وہ مضمون ہے جو آیت مبارکہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ میں ذکر فرمایا گیا۔

فرشتوں کی دعا میں ان تین اجزاء کے بعد اخیر میں ایک خاص جزء یہ بھی بطور الحاق اور تکمیل دعا ہے۔ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ کہ اے پروردگار ان مؤمنین کو تکالیف سے بچا لیجئے. اگرچہ پہلے عذاب جحیم سے بچانے کی دعا ہو چکی لیکن اب اس تکملہ دعا میں ہر قسم کی تکلیف و دشواری سے بچنے کی دعا ہے کہ نہ حساب کی تکلیف ہو نہ قبر کی نہ میدان حشر کی بے چینی کی اور نہ انجام کی پریشانی کی. فرشتوں کی اس دعا نے اہل ایمان کو یہ سبق سکھایا کہ مؤمن کو چاہیئے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں ان سب باتوں سے خائف رہے اور

؏ بحوالہ تفسیر مظہری جلد ۸۔

اللہ کی ان نعمتوں اور راحتوں کا طالب رہے۔ یہی خوف اور شوق اس کو فوز عظیم سے ہمکنار بنانے والا ہوگا۔ اللّٰھم اجعلنا منھم وحبب الینا الایمان و زینہ فی قلوبنا و کرہ الینا الکفر والفسوق و العصیان۔ توفنا مسلمین والحقنا بالصّالحین غیر خزایا ولا مفتونین۔ آمین یارب العالمین۔ (تفسیر مظہری ۲؟ ۸)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَکْبَرُ

جو لوگ منکر ہیں ان کو پکار کے کہیں گے اللہ بیزار

مِنْ مَّقْتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَی الْاِیْمَانِ

ہونا تھا زیادہ اس سے کہ تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے، جس وقت تم کو بلاتے تھے یقین لانے کو،

فَتَکْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا

پھر تم منکر ہوتے تھے۔ بولے، اے رب ہمارے! تو موت دے چکا ہم کو دوبار، اور زندگی دے

اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ

چکا دو بار، اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے، پھر اب بھی ہے نکلنے کو

مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۱۱﴾ ذٰلِکُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ

کوئی راہ؟ یہ تم پر اس واسطے کہ جب کسی نے پکارا اللہ کو اکیلا،

کَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُکْمُ لِلّٰهِ

تو تم منکر ہوئے، اور جب اس کے ساتھ شریک پکارے تو تم یقین لانے لگے۔ اب حکم وہی جو

الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ ﴿۱۲﴾ هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ

کرے اللہ سب سے اوپر بڑا۔ وہی ہے، تم کو دکھاتا ہے اپنی نشانیاں اور اتارتا

لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ

تمہارے واسطے آسمان سے روزی۔ اور سوچ وہی کرے جو رجوع

يُنِيبُ ﴿١٣﴾ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ

رجتا ہو۔ سو پکارو اللہ کو، نری کرکر اس کے واسطے بندگی، اور

كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿١٤﴾ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي

پڑے بُرا مانیں منکر۔ صاحب اونچے درجوں کا، مالک تخت کا۔ اُتارتا

الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ

ہے بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں کہ وہ ڈرا دے

يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿١٥﴾ يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى

ملاقات کے دن۔ جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے۔ چھپی نہ رہے گی

اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ

اللہ پر، اُن کی کوئی چیز۔ کس کا راج ہے اُس دن؟ اللہ کا ہے۔ جو

الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا

اکیلا ہے دباؤ والا۔ آج بدلہ پاوے گا ہر جی، جیسا

كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾

کمایا۔ ظلم نہیں آج بے شک۔ اللہ شتاب لینے والا ہے حساب۔

بعضے از احوال کفار بعد دخول نار و بیان دلائل قدرت پروردگار

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنَادَوْنَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۰

(ربط) گزشتہ رکوع میں کتاب الٰہی کی حقانیت بیان فرماتے ہوئے مجادلین و معاندین پر وعید و تہدید تھی اور ساتھ ہی اہل ایمان و طاعت کا اعزاز و اکرام اور حاملین عرش فرشتوں کی طرف سے ان کے حق میں دعا و استغفار کا ذکر تھا۔ تو اس کے بعد ان آیات میں کافروں کی ذلت و حقارت کا

بیان ہے کہ قیامت کے روز ان کو کس طرح ذلیل ورسوا ہونا پڑے گا اور اس وقت یہ کافر خود اعتراف کریں گے اور چاہیں گے کہ پھر کسی طرح ہم دوبارہ دنیا کی طرف لوٹ جائیں تو ایمان لائیں اور اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ ارشاد فرمایا۔

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کو پکارا جائے گا۔ جب کہ ان کا فیصلہ ہو چکا ہوگا اور دوزخ میں داخل ہونے کے بعد اپنے کفر و شرک پر حسرت و افسوس کر رہے ہوں گے۔ حسرت و ملال اور خود اپنے اوپر غصہ کا یہ عالم ہوگا کہ اپنی انگلیاں شدت حسرت کی وجہ سے چبا رہے ہوں گے تو اس وقت ان کو پکار کر کہا جائے گا یقیناً اللہ کی نفرت بڑھ کر ہے تمہاری اس نفرت سے جو تم کو اس وقت خود اپنے سے ہے جب کہ دنیا میں تم کو ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا مگر پھر بھی تم کفر کرتے تھے یہ سن کر ان کی حسرت و اذیت میں اور اضافہ ہوگا اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو بار بحالت موت رکھا کہ ایک موت ہماری پیدائش سے قبل تھی جبکہ ہم بے جان تھے اور پھر دوسری موت ہماری دنیوی زندگی کے بعد جس کو عام طور پر موت کہا جاتا ہے اور دو بار تو نے ہم کو حیات دی۔ ایک حیات جو دنیا میں تھی اور دوسری یہ حیات جو بعث بعد الموت آخرت میں اب حاصل ہے[1] جس کا ہم پہلے انکار کرتے تھے اور نہیں مانتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا ہے اور اسی انکار کے باعث ہم نے کفر و شرک کیا اور تیرے احکام کی نافرمانی کی لیکن اب ہم کو اپنی غلطی کا اعتراف ہو گیا سو اب ہم اقرار کرتے ہیں اپنی خطاؤں کا تو کیا ہے یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ تاکہ ہم پھر دنیا میں جا کر اپنی خطاؤں کا تدارک کرلیں۔ ایمان لے آئیں اور مطیع و فرمانبردار بن جائیں۔ جیسے کہ دوسرے موقع پر ارشاد ہے کہ یہ لوگ یوں کہیں گے فَهَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّن سَبِيلٍ[2] ظاہر ہے کہ اس کا یہی جواب ہے کہ نہیں اور فرمایا جائے گا اے لوگو اس کی وجہ تو یہ ہے کہ جب صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا نام لیا جاتا تھا تو انکار کرتے تھے اور توحید خداوندی سے نفرت کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تو اس پر تم ایمان لاتے پس اب فیصلہ اللہ ہی کے لیے ہے جو بڑی شان اور بڑے رتبہ والا ہے۔ جو اس کی بارگاہ سے صادر ہو چکا کہ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ کہ اب یہ کافر ہرگز دنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے اور اگر بالفرض لوٹیں بھی تو کیا فائدہ ہوگا کیونکہ ایمان تو اسی وقت ایمان تھا جب غیب پر تھا۔ اب جب کہ

---

[1] یہ دو مرتبہ موت کی حالت اور دو مرتبہ حیات کی حالت وہی ہے جو سورۂ بقرہ کی آیت كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔

[2] منکرین و کفار کے اس کہنے کا کہ تو نے دو مرتبہ ہم کو بحالت موت رکھا اور دو مرتبہ زندگی دی یہ مقصد تھا کہ جب اے پروردگار آپ اس بات پر قادر ہیں تو یقیناً آپ کو یہ بھی قدرت ہے کہ تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف لوٹا دیں تاکہ اس مرتبہ خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں تو آئندہ کلمات میں جواب دیا گیا کہ نہیں اب اس کا امکان نہیں اور یہ فیصلہ علی کبیر کی عدالت عالیہ سے جاری ہوا ہے جس پر اب کوئی اپیل مرافعہ نہیں ہو سکتی۔

سب باتوں کا مشاہدہ کر لیا آخرت اور قیامت کا سب کچھ نظروں کے سامنے آچکا تو اب ایمان کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں رہی اور آج روزِ قیامت کی یہ باتیں ہی خدا کی معرفت کی دلیل ہیں کہ اب تمہیں یہ سمجھ میں آیا کہ خدا پر ایمان لانا چاہیئے وہ پروردگار تو ہمیشہ سے تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور اتارتا ہے تمہارے واسطے آسمان سے روزی تو کیا یہ دلیلیں نہ تھیں اور کیا ان مشاہدات سے تم کو خدا کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی مگر ان سب آیات کے باوجود تم غافل ہی رہے اور حقیقت یہ ہے کہ نصیحت صرف وہی حاصل کرتا ہے جو اپنے رب کی طرف رجوع کرے اور جب تم نے اپنی زندگی میں کبھی خدا کی طرف رُخ ہی نہیں کیا تو بتاؤ پھر کس طرح تمہیں ہدایت ہو سکتی ہے تو اے لوگو! پکارو اللہ کو اسی کے واسطے دین کو خالص کرتے ہوئے نہ اس کے سوا کسی کی عبادت کرو اور نہ کسی سے کچھ مانگو اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ کیونکہ کافر یہ پسند نہیں کرتے کہ اہلِ ایمان حق پر اور توحید پر قائم رہیں اور وہ چاہا کرتے ہیں کہ اہلِ حق ان کی رعایت کریں اور ان کی خوشنودی کا لحاظ کریں تو اے مسلمانو! اگر تم اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو کافروں کی خوشنودی کی فکر چھوڑ دو اور ان کی ناراضگی سے بے خوف ہو کر دین پر مضبوطی سے جمے رہو۔

وہ رفیع الدرجات ہے عرش کا مالک ہے جب وہ بلند درجوں والا عرش کا مالک ہے تو اصل اسی کی خوشنودی کی فکر کرنی چاہیئے۔ اور کافروں کی ناراضگی کا ڈر یا یہ خیال کہ ان کی ناراضگی سے ہمیں کچھ نقصان یا ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا لغو اور غلط خیال ہے عزت اور سربلندی کا مالک تو رفیع الدرجات ہی ہے وہی درجے بلند کرنے والا بھی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے احکام میں سے کسی بھی حکم کی وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ صاحب وحی ملاقات واجتماع کے دن سے لوگوں کو ڈرائے جس دن کہ سب لوگ خدا کے سامنے پیش ہوں گے حال یہ ہوگا کہ اللہ پر ان کی کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی اس وقت ہر دیکھنے والا ہر سوچنے والا اور پوچھنے والا جب یہ کہتا ہوگا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کہ آج کے دن کس کی حکومت ہے تو حالات و مشاہدات اور خدا کے فرشتے ہی جواب دیں گے اور سب سے آخر پروردگارِ عالم ہی کا جواب ہوگا جب کہ ساری مخلوق ہیبت وعظمتِ خداوندی کے باعث کوئی حرف زبان سے بولنے پر قادر نہ ہوگی لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ بس اسی خدا کے لیے ہے جو یکتا اور غالب ہے۔ آج کے دن بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو اسی کام کا جو اس نے کیا۔ نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی اور نہ کسی کی برائی چھپی رہے گی آج کے دن کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ تمام خلائق ایک کھلے میدان میں اللہ رب العزت کے روبرو حاضر ہوں گے نہ کوئی شخص اس کی نظروں سے غائب ہوگا اور نہ کوئی عمل اس سے چھپا ہوگا۔ اس حساب کی سرعت کا عالم یہ ہوگا کہ تمام مخلوق سے حساب اس قدر سریع ہوگا جیسے ایک انسان سے حساب کر لیا جائے جیسے کہ ارشاد مبارک ہے وَمَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں تو ہر بڑے سے بڑا کام بھی بس پلک جھپکنے میں ہو جاتا ہے۔ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ۔

دعا کی روح اخلاص اور توجہ الی اللہ ہے

فَادْعُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ کی تفسیر میں امام احمد بن حنبلؒ سے فرض نماز کے بعد ان کلمات دعائیہ کو بھی بیان کیا گیا جو عبداللہ بن زبیرؓ سے منقول ہیں کہ ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ کہا کرتے۔ لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ۔ لہ الملک ولہ الحمد وھو علٰی کل شیءٍ قدیر لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ لا الٰہ الا اللّٰہ ولانعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الثناء الحسن لا الٰہ الا اللّٰہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکٰفرون اور عبداللہ بن زبیرؓ یہ فرمایا کرتے تھے کہ فَادْعُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ کا عموم اگرچہ مومن کی زندگی کے ہر مرحلہ کے لیے شامل ہے توحید اور عبادت کے اخلاص سے لے کر ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھنے تک۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فَادْعُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ کی مراد یہ بھی ہے کہ اللہ سے اس طرح دعا مانگی جائے کہ اس کی قبولیت کا اللہ کے فضل سے یقین کامل ہو۔

لَمَقْتُ اللّٰہِ لغت میں مقت کے معنی نفرت اور بغض کے ہیں اور بعض ائمہ لغت شدت بغض کے معنی بیان کرتے ہیں۔ لام مفتوح تاکید کا ہے۔ عربیت اور اصولِ نحو کی رُو سے لَمَقْتُ اللّٰہِ یُنَادَوْنَ کا مفعول اور مقولہ ہے کہ کافروں کو پکار کر جو کہا جائے گا وہ یہ قول ہو گا۔ لَمَقْتُ اللّٰہِ الخ

مَقْتُ اللّٰہِ ترکیب اضافی ہے اور مصدر کی اضافت فاعل کی جانب ہے اکثر مفسرین اس آیت کی تفسیر اسی تقدیر کے لحاظ سے کرتے ہیں اور اِذْ کو ظرفیت کے معنی پر محمول کرتے ہیں تو اس صورت میں مراد یہ ہو گی کہ کافروں کو پکار کر کہا جائے گا کہ اے کافرو یقیناً اللہ کا مبغوض رکھنا تم کو دنیا میں جب کہ تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی اس نفرت و بغض سے بڑھ کر تھا جو آج تم کو اس وقت اپنی جانوں سے ہے کیونکہ انسان جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ طبعی امر ہے کہ وہ خود اپنے سے متنفر ہوتا ہے چنانچہ کلبیؒ کا قول ہے ہر جہنمی جب جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گا تو کہے گا اے میری جان میں تجھ کو مبغوض رکھتا ہوں اور تجھ سے مجھے نفرت ہو رہی ہے۔ اس پر فرشتے کہیں گے۔ بے شک اللہ کا بغض و نفرت تم سے اس سے زائد تھا جیسے آج تم کو خود اپنے سے ہے۔

یہ مفہوم تو اِذْ کے ظرفیہ ہونے کی صورت میں ہوا۔ اور اگر اذ کو تعلیلیہ لیا جائے تو اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَی الْاِیْمَانِ علت ہو گی بیان کردہ اللہ کے مقت ناراضگی اور ناگواری کی یعنی آج جس قدر اے جہنمیو! تم کو اپنی جانوں سے بغض و نفرت ہے خدا کو دنیا میں تم سے اس سے بھی زیادہ بغض تھا۔ کیونکہ تم کو بار بار ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم کفر و انکار کرتے تھے (روح المعانی جلد ۲۴)

رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ رفیع صیغہ صفت مشبہ ہے بمعنی مرتفع اور بلند۔ رفیع الدرجات بلند مرتبے والے کو کہا جاتا ہے۔ ان بلند مرتبوں سے جو اللہ رب العزت کے لیے یہاں ذکر فرمائے جا رہے ہیں۔ اس کی صفاتِ

عظیمہ اور جلال وکمال ہے کہ پروردگار عالم اپنی صفات کمالیہ عظمت وجلال کے باعث بہت اونچے مرتبوں والا ہے وہ اپنی وحدانیت وعظمت کے باعث تمام مخلوق سے مستغنی و بے نیاز ہے اور ساری مخلوق خواہ عالم اجسام ہو یا عالم ارواح اسی کی محتاج ہے۔ مخلوق کی احتیاج مادی اور احتیاج روحانی ہر قسم کی احتیاج اسی کی بارگاہ عنایت سے پوری ہوتی ہے۔ رزق کے ذریعہ مادی احتیاج پوری فرماتا ہے اور وحی نازل فرما کر روحانی احتیاج کو پورا فرماتا ہے تو اس پہلو کے لحاظ سے یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ فرما کر نظام تشریع اور وحی الٰہی کو بیان فرما دیا گیا کہ جس طرح اللہ رب العزت رزق پیدا فرما کر مخلوق کی عام مادی حاجتیں پوری فرماتا ہے اسی طرح وحی نازل فرما کر بندوں کی روحانی حاجتیں بھی پوری کی جاتی ہیں۔ تو اس ذات خداوندی کا ایسی بلند و بالا صفات سے متصف ہونا اور شان صمدیت (بے نیازی) اور اس امر کا کہ کل کائنات اس کی محتاج ہے۔ مادی احتیاج کے لحاظ سے بھی اور روحانی احتیاج کے لحاظ سے بھی غرض یہ جملہ امور اسکے متقضی ہیں کہ وہ یکتا ہے اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بعض اقوال مفسرین کی رو سے رفیع بمعنی رافع یعنی بلند کرنے والا ہے اور درجات سے مخلوق کے درجات و مراتب مراد ہیں تو مراد یہ ہوگی کہ وہ مخلوق کے درجات بلند کرنے والا ہے کہ انبیاء و اولیاء کے درجات عام مؤمنین پر بلند کیے اور مؤمنین کے درمیان علم و فضل اخلاق کے لحاظ سے کسی کے درجے کسی پر بلند کیے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ اور پھر اہل ایمان کو کل بنی آدم میں فوقیت دی۔ اسی طرح ملائکہ میں بعض کو بعض پر بلندی عطا کی جیسے کہ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔

علی ہذا القیاس اجسام میں بھی اللہ نے بعض اجسام کو بعض دوسرے اجسام پر فضیلت و بلندی عطا کی بعض سفلیات ہیں تو بعض علویات۔ بعض اجرام مکدر و بے نور اور مظلم و تاریک ہیں تو بعض اجرام روشن ومنور بلکہ عالم کو روشن کرنے والے ہیں۔

بعض اقوال مفسرین میں "درجات" سے آسمان مراد لیے ہیں کہ آسمانوں کو بلند بنایا وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا اور رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا جیسے ارشاد فرمایا گیا۔ سعید بن جبیرؒ سے منقول ہے۔ فرمایا کرتے وہ ہر آسمان کے اوپر دوسرا آسمان ہے اور سبع سمٰوات پر عرش الٰہی۔

روح سے مراد وحی الٰہی ہے جیسے آیت مبارکہ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا میں وحی کو روح کے عنوان سے تعبیر کیا گیا۔ روح سے مراد بعض نے جبریل امینؑ لیا ہے کیونکہ وہ روح القدس ہیں چنانچہ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ ——— میں حضرت جبریل امینؑ کا بھی اترنا بیان کیا گیا۔

یوم التلاق قیامت کا نام ہے

یوم التلاق۔ تلاقی لغت میں ایک کا دوسرے سے ملنا ہے۔ تلاقی بمعنی ملاقات علی بن طلحہؒ حضرت

عبداللہ بن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ یوم التلاق، یوم قیامت کے ناموں سے ایک نام ہے ابن جریجؒ نے عبداللہ بن عباسؓ سے یوم التلاق کی وجہ تسمیہ میں یہ ذکر کیا کہ قیامت کا دن اس وجہ سے یوم التلاق کہلاتا ہے کہ وہ ملاقات کا روز ہوگا کہ اس میں کل اولادِ آدم ایک دوسرے سے ملاقات کرے گی اس دن انسانوں کی فرشتوں سے ملاقات ہوگی ہر انسان اپنے عمل سے ملاقات کرے گا۔ ہر انسان کو اپنے عمل کا نتیجہ ملے گا۔ اور وہ اپنے انجام سے ملنے والا ہوگا۔ یہی دن وہ ہوگا اس میں بندہ اپنے پروردگار سے ملے گا۔ غرض ہر لحاظ سے قیامت کا دن ملاقات کا دن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے بیان فرمایا۔ قیامت سے قبل ایک منادی پکارے گا۔ أَيُّهَا النَّاسُ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ کہ اے لوگو! قیامت آچکی ہے اور یہ آواز ہر زندہ و مردہ کو سنائی جائے گی اور اللہ رب العزت آسمان سے دنیا کی طرف نزول فرمائیں گے اور ارشاد ہوگا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اور خود رب العزت ہی کی طرف سے جواب صادر ہوگا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں یہ مضمون اس طرح ذکر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے دستِ قدرت میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا۔ این الجبارون این المتکبرون این الملوك کہ کہاں ہیں بادشاہ کہاں ہیں بڑے زور و طاقت والے۔ کہاں ہیں بڑے غرور و نخوت والے۔ ہر طرف سے سکوت ہوگا۔ خود ہی ارشاد فرمائیں گے۔ انا الملك انا الجبار، میں ہی ہوں بادشاہ میں ہی ہوں زور و طاقت والا، میں ہی ہوں بڑائی والا۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ

اور خبر سنا دے ان کو، اس نزدیک آنے والے دن کی، جس وقت دل پہنچیں گے

لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ

گلوں کو، دبا رہے ہوں گے۔ کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور

وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۞۱۸ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا

نہ کوئی سفارشی جسکی بات مانی جاوے۔ وہ جانتا ہے چوری کی نگاہ، اور جو

تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۞۱۹ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ

چھپا ہے سینوں میں۔ اور اللہ چکاتا ہے انصاف۔ اور جن کو

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

پکارتے ہیں۔ اس کے سوا۔ نہیں چکاتے ہیں کچھ۔ بے شک اللہ

هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑳ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

جو ہے وہی ہے سنتا دیکھتا۔ کیا پھرے نہیں ملک میں؟

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ

کہ دیکھتے آخر کیسا ہوا اُن کا؟ جو تھے ان سے پہلے

قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا

وہ تھے ان سے سخت زور میں، اور جو نشان چھوڑ گئے

فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا

زمین میں۔ پھر ان کو پکڑا اللہ نے ان کے گناہوں پر۔ اور نہ

كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ㉑ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

ہوا ان کو اللہ سے کوئی بچانے والا۔ یہ اس پر کہ ان پاس

كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا

آتے تھے ان کے رسول کھلے نشان لے کر، پھر منکر ہوئے،

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ㉒ وَلَقَدْ

پھر ان کو پکڑا اللہ نے بیشک وہ زور آور ہے، سخت مار دینے والا۔ اور ہم نے

اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ㉓ اِلٰى

بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر اور کھلی سند۔

فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ㉔

فرعون اور ہامان اور قارون پاس، پھر کہنے لگے یہ جادوگر ہے جھوٹا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوٓا

پھر جب پہنچا اُن پاس لے کر سچی بات، ہمارے پاس سے، بولے مارو بیٹے

اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَ

ان کے جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ، اور جیتی رکھو ان کی عورتیں۔ اور

مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۲۵ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

جو داؤ ہے منکروں کا سو غلطی ہیں - اور بولا فرعون

ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ

مجھ کو چھوڑو کہ مار ڈالوں موسیٰ کو اور پڑا پکارے اپنے رب کو میں ڈرتا ہوں

اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ

کہ بگاڑے تمہاری راہ یا نکالے ملک میں خرابی

الْفَسَادَ ۝۲۶ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ

اور کہا موسیٰ نے، مَیں پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی

مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝۲۷ۧ

ہر غرور والے سے جو یقین نہ کرے حساب کا دن -

تنبیہ و وعید برائے ظالمین از کرب و اضطراب

روز قیامت مع تذکرۂ قصہ موسیٰ ؑ

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ ..... الیٰ ..... مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں منکرین کی ذلت و رسوائی کا بیان تھا اور یہ کہ قیامت کے روز عذاب خداوندی دیکھ کر وہ اس کی تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں پھر دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تاکہ ہم ایمان لے آئیں اور نیک کام

کرلیں اب ان آیات میں ایسے منکروں اور ظالموں کو اس دن کی بے چینی اور اضطراب سے متنبہ کیا جارہا ہے اور اسی کے ساتھ تاریخ قدیم میں گزرے ہوئے مجرمین اور سرکشوں کا انجام ہلاکت بیان کرکے یہ سمجھایا جارہا ہے کہ اے کفار مکہ تم لوگ اللہ کے دین کا مقابلہ اور پیغمبر خدا کی مخالفت کرکے خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ عاد و ثمود کو جب ان کی بے پناہ طاقت اور قوت نہ بچا سکی تو تمہاری کیا حقیقت ہے۔ تو فرمایا۔

اور اے ہمارے پیغمبر آپ ان کو ڈرایئے قریب آنے والے دن کی مصیبت سے جو قیامت کا دن ہے جس وقت کہ کلیجے منہ تک آتے ہوں گے شدت اضطراب و بے چینی کی وجہ سے دم گھٹتے ہوں گے شدت غم کی وجہ سے حال یہ ہوگا کہ اس وقت ان ظالموں کے واسطے نہ کوئی ولی اور دوست ہوگا اور نہ ہی کوئی ایسا سفارشی ہوگا جس کی بات مانی جائے وہ پروردگار ظاہری اعمال و افعال اور نافرمانیاں تو درکنار وہ تو جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جن کو سینے چھپاتے ہیں اور جس پروردگار کا علم اس قدر وسیع اور محیط ہو وہ اللہ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے گا اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے تھے وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کرسکتے کیونکہ ان کو نہ علم ہے اور نہ قدرت ہے علم کے بغیر فیصلہ درست نہیں ہوسکتا اور قدرت کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتا بے شک اللہ ہی وہ پروردگار ہے جو سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے اس بناء پر اس کا فیصلہ نہایت ہی محکم ہوگا اور ہر عمل کا بدلہ عین عمل کے مطابق ہوگا کیا یہ لوگ اے ہمارے پیغمبر جو آپ کی تکذیب و انکار کررہے ہیں نہیں چلے پھرے ہیں زمین میں اور کیا انہوں نے ملک در ملک سفر نہیں کیا کہ یہ دیکھ لیتے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے ان کے کفر اور خدا کے پیغمبر سے عناد رکھنے کی وجہ سے جو ان سے زیادہ مضبوط تھے طاقت اور زور کے لحاظ سے اور ایسی نشانیوں کے لحاظ سے جو زمین میں چھوڑ گئے ہیں۔ جیسے ان کی عمارات اور محفوظ ترین قلعے اور پہاڑوں سے تراشے ہوئے مکانات تو اللہ نے ان کو پکڑا ان کے گناہوں کی وجہ سے اور جب عذاب ان پر مسلط ہوا تو ان کو خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوا۔ یہ مواخذہ اور عذاب الٰہی ان پر اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں دلائل اور احکام خداوندی لے کر آتے رہے لیکن انہوں نے نہ مانا اور کفر پر ڈٹے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کو پکڑا بے شک وہ تو بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے یہ تھی وہ علت اور وجہ ان مجرمین پر عذاب خداوندی آنے کی تو اے کفار مکہ اگر تم بھی رسول خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور مخالفت پر قائم رہے تو تمہارا انجام بھی ہلاکت و ذلت میں ایسا ہی ہوگا۔

اور بے شک ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احکام دے کر اور کھلی نشانی کے ساتھ جو ان کی نبوت و رسالت کی واضح دلیل تھی۔ فرعون و ہامان اور قارون کی طرف۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ معجزات اور واضح دلائل کی بناء پر اللہ کے احکام مانتے اور موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرتے لیکن انہوں نے کہا یہ تو جادوگر ہے بڑا ہی جھوٹا۔ معجزہ کو جادو قرار دیا۔ اور اعلان نبوت کو جھوٹ کہا کہ نہ یہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور نہ یہ اس کے احکام لے کر آئے ہیں۔ یہ بات ابتداء میں فرعون و ہامان اور قارون جیسے خواص کہتے رہے اور یہی چاہا کہ عام

لوگوں کے سامنے اس حق وصداقت کو نہ آنے دیں اور اس تدبیر سے لوگوں کو برگشتہ کرتے رہیں مگر ان تمام کوششوں کے باوجود جب ان لوگوں یعنی بنی اسرائیل کے سامنے حق آ گیا جو ہماری طرف سے تھا اور کچھ لوگ ایمان بھی لے آئے تو ان خاص لوگوں نے باہمی مشورہ اور تدبیر کے طور پر کہا قتل کر ڈالو ان لوگوں کے بیٹوں کو جوان کے ساتھ ہو کر ایمان لائے تاکہ یہ نسل جوان ہو کر قوت وجمعیت نہ حاصل کر سکے اور ان کی لڑکیاں زندہ چھوڑ دو کیونکہ ان سے اس قسم کا کوئی اندیشہ نہیں اور ان سے اپنے گھروں کی خدمت بھی لینی ہے[1] غرض ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ کے انسداد کی یہ تدبیر کی اور حالانکہ کافروں کی تدبیر سوائے بربادی اور بے اثر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ فرعون وہامان کی ساری تدبیریں رکھی رہیں اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب و غالب بنایا اور فرعون اور اس کے لشکر کو تباہ وغارت کیا۔

اور فرعون نے اہل دربار سے کہا مجھ کو چھوڑ دو تاکہ میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہئے کہ وہ اپنے رب کو پکارے[2] اپنی مدد کے لیے۔ اے اہل دربار اس کی ان باتوں سے مجھ کو ایسا اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین (نہ) بدل ڈالے یا ملک میں کوئی فساد نہ پھیلا دے۔ کافر اور کافرانہ نظریات رکھنے والوں کے نزدیک پیغمبر خدا کی ہدایات اور تعلیمات کی اشاعت اور لوگوں کے اعمال واخلاق کی درستگی کا نام فساد ہے گویا فساد ان کی خواہشات اور شہنشاہیت میں خلل پڑ جانے کا نام ہے اہل دربار بظاہر قتل کی رائے نہ دیتے ہوں گے یا روکتے ہوں گے یا تو مصلحت کے خلاف ہونے کی وجہ سے یا اس بنا پر کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو ان کے معجزات اور معقول دلائل سے حق سمجھ رہے ہوں اور یہ خیال کر رہے ہوں اس حق کا مقابلہ ہمارے واسطے انجام کار تباہی کا موجب ہوگا۔ چنانچہ آیت وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا یعنی ان لوگوں نے ان آیات بینات کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل اس کا پورا یقین کر رہے تھے یہ انکار محض ظلم اور تکبر کی وجہ سے تھا۔ پھر ان لفظوں سے کہ ذَرُونِي مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ فرعون خود بھی اپنے دل میں خائف تھا۔ اور جرأت نہیں ہو رہی تھی کہ قتل کر ڈالے اور ڈرتا ہوگا کہ اگر ایسا کیا تو کہیں آسمانی بلا تباہ نہ کر دے کیونکہ معجزات سے اس کو یقین

---

[1] یہ قتل کی تدبیر جو مرتب کی گئی تھی حضرت موسیٰ کی نبوت کے بعد کا قصہ ہے تو ظاہر ہے کہ اُقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا اس قتل کے واقعہ کے علاوہ ہے جو يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ میں قبل از ولادت موسیٰ تھا کسی صریح روایت سے معلوم نہیں ہو سکی کہ اس تدبیر وسازش کے مطابق عمل ہوا یا نہیں۔

[2] حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ فرعون نے کہا مجھ کو چھوڑ دو شاید اس کے ارکان سلطنت مار ڈالنے کا مشورہ نہ دیتے ہوں گے کیونکہ معجزہ دیکھ کر ڈر گئے تھے کہیں اس کا رب بدلہ نہ لے فرعون خود بھی ڈرا ہوا تھا لیکن لوگوں پر اپنی قوت وشجاعت کا اظہار کرنے کے لیے انتہائی شقاوت و بے حیائی سے ایسا کہہ رہا تھا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں اور اس کو اپنے ارادہ سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ ۱۲

تو ہو چکا تھا اور وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ بھی محض عیاری، اپنی بڑائی اور قوت کا رعب ڈالنے کے لیے تھا ورنہ دل اندر سے کانپ رہا ہوگا۔ غرض فرعون کی طرف سے تو یہ سازش و مکاری کا سلسلہ جاری تھا۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ سب کچھ معلوم ہونے پر نہایت ہی اطمینان سے کہا کہ میں پناہ حاصل کرتا ہوں اپنے رب کی ہر مغرور و متکبر شخص سے جو حساب کے دن پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اسی وجہ سے وہ بڑی دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ حق کے مقابلہ پر تلا ہوا تھا[1]۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح کا غرور و نخوت سوائے اس کے اور کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی کہ اس شخص کو نہ قیامت کا ڈر ہے اور نہ خداوند عالم کے مواخذہ کی فکر ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖۗ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ

اور بولا ایک مرد ایماندار فرعون کے لوگوں میں جو چھپاتا تھا

اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ

اپنا ایمان ، کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس پر کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، اور

قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا

لایا ہے تم پاس کھلی نشانیاں تمہارے رب کی ۔ اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو

فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ

اس پر پڑے گا اس کا جھوٹ۔ اور اگر وہ سچا ہوگا تو تم پر پڑے گا کوئی وعدہ

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا اس وقت تھا جب ان کو فرعون اور فرعون کے درباریوں کے اس مشورہ کا علم ہوا تو اپنی قوم سے فرمایا کہ مجھے ان دھمکیوں کی ہرگز کوئی پروا نہیں میں تو اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں اس کی پناہ کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی اور فرعون یا اس کے ارکان حکومت تو کیا مجھے تو دنیا کے سارے متکبرین و جبارین کا بھی کوئی ڈر نہیں مجھے بس اسی کی پناہ و حمایت کافی ہے تو اپنی قوم سے تخاطب کی بنا پر بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لیتا ہوں کا عنوان اختیار کیا۔ بہت ممکن ہے وَرَبِّكُمْ کا عنوان فرعون کے لوگوں کو سنانے کے لیے کیا ہو تا کہ ان پر یہ بات جتلا دیں کہ وہ تمہارا بھی رب ہے تم کدھر بھٹکے ہوئے ہو۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کے تمام جبار و متکبر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میں تنہا اسی رب کی پناہ لے رہا ہوں وہی میرا حامی و مددگار ہے جیسے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى حضرت تھانویؒ من کل متکبر کے ترجمہ میں یہ لفظ فرماتے ہیں "ہر خردماغ شخص"۔

الَّذِیْ یَعِدُکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہْدِیْ مَنْ ہُوَ مُسْرِفٌ

جو دیتا ہے ۔ بے شک اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو ہو بے لحاظ

کَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ یٰقَوْمِ لَکُمُ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ظٰہِرِیْنَ فِی

جھوٹا ۔ اے قوم میری! تمہارا راج ہے آج ، چڑھ رہے ہو

الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰہِ اِنْ جَآءَنَا ؕ

ملک میں ، پھر کون مدد کرے گا ہماری اللہ کی آفت سے اگر آ گئی ہم پر

قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰی وَمَاۤ اَہْدِیْکُمْ

بولا فرعون ، میں وہی سوجھاتا ہوں تم کو ، جو سوجھا مجھ کو ، اور وہی راہ بتاتا ہوں

اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ

جس میں بھلائی ہے ۔ اور کہا ایماندار نے ، اے قوم میری

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ

میں ڈرتا ہوں کہ آوے تم پر دن ان فرقوں کا سا ۔ جیسے

دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ

رسم پڑی قوم نوح کی اور عاد اور ثمود کی اور جو ان کے

بَعْدِہِمْ ؕ وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَیٰقَوْمِ

پیچھے ہوئے ۔ اور اللہ بے انصافی نہیں چاہتا بندوں پر ۔ اور اے قوم میری!

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ

میں ڈرتا ہوں تم پر کر آوے دن ہانک پکار کا ۔ جس دن بھاگو گے

مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ

پیٹھ دے کر ۔ کوئی نہیں تم کو اللہ سے بچانے والا ۔ اور جس کو

يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ

غلطی میں ڈالے اللہ، تو کوئی نہیں اسکو سوجھانے والا ۔ اور تم پاس آچکا ہے

يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ

یوسف اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر، پھر تم رہے دھوکے ہی میں ان چیزوں

مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ

سے، جو وہ لایا ۔ یہاں تک کہ جب مر گیا کہنے لگے ہرگز نہ بھیجے گا

اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ

اللہ اس کے بعد کوئی رسول ۔ اسی طرح بہکاتا ہے اللہ اس کو

هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ

جو ہو زیادتی والا شک کرتا ۔ وہ جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں

اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ

میں بغیر کچھ سند کے، جو پہنچی ہو ان کو۔ بڑی بیزاری ہے اللہ کے ہاں،

وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ

اور ایمان داروں کے ہاں ۔ اسی طرح مہر کرتا ہے اللہ ہر دل

قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

پر غرور والے سرکش کے۔

قصۂ مردِ مومن از آلِ فرعون و نصیحت و ارشاد و دعوتِ ایمان

فرعون و ارکانِ سلطنت و زجر و توبیخ بر ارادۂ قتل موسیٰ علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ... الی ... كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ مضمون چل رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ کے احکام نشانیاں اور کھلی سند لے کر آئے اور ان دلائل سے لوگوں کے سامنے حق اور باطل کا فرق واضح ہونے لگا تو فرعون اور اس کے اہلِ دربار کو یہ خطرہ ہوا کہ اس طرح کہیں لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں۔ جس کا انجام فرعون کی حکومت کا زوال ہے تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دے چنانچہ اس کا اظہار و اعلان بھی کیا یہ کہتے ہوئے کہ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّہٗ تو اس مجلس مشورہ میں ایک مؤمن شخص بھی فرعون کے خاندان سے تھا۔ جس نے ابھی تک اپنے ایمان کو مخفی رکھا تھا یا کسی اور طریقہ سے اس کو علم ہوا ہو تو اس شخص مؤمن نے اس رائے کی شدت سے مخالفت کی اور ایسا کرنے سے منع کیا اور اس ضمن میں فرعون کو اور فرعون کے ارکانِ حکومت کو نصیحت کی اور ایمان کی دعوت دی۔ تو ان آیات میں اس مرد مومن کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے اور اس کی ان پاکیزہ اور بلند نصیحتوں کا ذکر ہے جو اس نے فرعون اور اس کے ارکانِ حکومت کو رُشد و فلاح کی دعوت دیتے ہوئے کہیں فرمایا۔

اور کہا ایک شخص[عہ] مؤمن نے فرعون کے خاندان سے جو ابھی تک اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ کیا تم ایک شخص کو قتل کر رہے ہو۔ محض اس وجہ سے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب تو بس اللہ ہے یقیناً یہ بات ایسی تو نہیں ہے کہ اس پر کسی کے قتل کا منصوبہ بنایا جائے۔ حالانکہ وہ تمہارے پاس کھلی نشانیاں اور دلائل لے کر آیا ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے تو بڑی ہی بری بات ہے کسی معقول چیز کا انکار کرنا۔ پھر جب کہ وہ اپنی صداقت کے لیے دلائل اور نشانیاں بھی رکھتا ہو اور صرف یہی نہیں کہ تم اس کی بات کو قبول نہ کرو تم تو اس کے قتل کرنے پر آمادہ ہو جو نہایت ہی نازیبا بات ہے۔ ایسا نہ کرو اور اگر بالفرض وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا جس کے نتیجہ میں وہ خود ہی ذلیل و ناکام ہوگا۔ اور اس صورت میں ہمیں نقصان و تکلیف کا کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہیے۔ اور اگر وہ سچا ہے تو اس میں سے ضرور تم کو کچھ پہنچے گا۔ جس کا وہ وعدہ اور پیش گوئی کر رہا ہے کیونکہ اس کا یہ اعلان ہے۔ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی کہ ہمیں یہ وحی بھیجی گئی ہے

عہ ائمہ مفسرین کے نزدیک مشہور قول یہی ہے کہ یہ شخص مومن قبطی تھا فرعون کے خاندان سے سدیؒ نے یہ تصریح کی ہے یہ فرعون کا ابن عم یعنی چچا زاد بھائی تھا اور ایک قول کے مطابق یہ وہ شخص ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے ہمراہیوں میں بحر قلزم سے عبور کرنے اور نجات پانے والا تھا۔ ابن جریرؒ نے اس قول کو اختیار کیا اور ان بعض مفسرین کا قول رد کیا جن کا خیال یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا کیونکہ فرعون نے اس کی بات سنی اور متاثر بھی ہوا۔ چنانچہ ان ہی مرد مومن کے موثر خطاب سے موسیٰ علیہ السلام کے ارادۂ قتل سے باز آیا۔ اگر یہ بنی اسرائیل میں سے ہوتے تو اول تو اتنی جرأت ہی مشکل تھی اور اگر جرأت کر کے کچھ کہنا شروع کرتا تو فرعون فوراً ہی اس کا کام تمام کر دیتا اور نوبت ہی نہ آنے دیتا کہ اتنی مفصل گفتگو اور اس تفصیل کیساتھ سلسلہ نصیحت شروع کردے۔

ابن جریرؒ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ فرعون کے خاندان سے سوائے اس مرد مؤمن اور اس کی بیوی آسیہؓ کے اور کوئی ایمان نہیں لایا۔ (ابن کثیر ج ۴)

بے شک خدا کا عذاب اس شخص پر واقع ہو کر رہے گا جو خدا کی بات جھٹلائے اور روگردانی کرے تو سچا ہونے کی صورت میں تو اس کو قتل کرنا درحقیقت اپنے واسطے عذاب اور مصیبت کو دعوت دینا ہے اور ظاہر ہے یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے کہ خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا جائے۔

الغرض ایک لحاظ سے یہ قتل بے سود اور بے کار ہے اور ایک لحاظ سے خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ عقل کا تقاضا ہے بے سود کام سے بچا جائے اور ہلاکت سے بھی اپنے کو بچایا جائے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ یقیناً اللہ تعالےٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے بڑھ جانے والا اور بہت جھوٹ بولنے والا ہو اگرچہ کسی جھوٹے کی کوئی بات ابتداءً چل پڑے مگر انجام کار ایسے شخص کو ذلت و ناکامی اور محرومی ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس ضابطہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بس سمجھ لینا چاہیئے کہ موسیٰؑ اگر اپنے دعوائے نبوت و رسالت میں جھوٹے ہیں تو یہ جھوٹ براہ راست خدا پر افتراء اور بہتان ہونے کی وجہ سے حد سے بڑھ جانا ہے اور مخلوقِ خدا کو دھوکہ میں ڈالنا ہے اور حق تعالےٰ خود ایسے شخص کو ذلیل و ناکام بنائے گا۔ یہ مردِ مؤمن ان کلمات میں اس امر کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ جب موسیٰؑ کے بارہ میں دونوں احتمال ہیں تو ان کے صادق ہونے کی صورت میں اس کی تکذیب اور قتل پر اقدام اے فرعونیو! یہ تمہاری طرف سے زیادتی ہوگی اوّل تو تم اس بناء پر مُسرف ہوگے اور اپنے مقصد کو نہیں پہنچ سکو گے۔ اس قانون سے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ جس کا انجام یہ ہوگا کہ موسیٰؑ کو قتل بھی نہ کر سکو گے اور دوسرے یہ کہ ان کے صادق ہونے کی وجہ سے جو بات وہ کہتے ہیں وہ پوری ہوگی اور تمہیں اس عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا جس کی موسیٰ (علیہ السلام) نے خبر دی ہے۔

اس مردِ مؤمنؓ نے اس بلیغ اور پُر اثر گفتگو میں فرعونیوں کو حق اور صداقت کی طرف دعوت دی اور نہایت لطیف انداز میں اس پر آمادہ کرنا چاہا پھر اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ جس دولت و حکومت پر مغرور نے اس ناپاک ارادہ پر آمادہ کیا تھا اس کے بارہ میں اس نے نصیحت کی اور کہا اے میرے بھائیو! آج تمہارے واسطے سلطنت و اقتدار ہے اس طرح کہ تم اس سرزمین میں غالب و حکمران ہو لیکن بتاؤ کون ہماری مدد کرے گا اللہ کا عذاب آنے کی صورت میں اگر وہ ہم پر آگیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دینے کی وجہ سے فرعون نے اس مردِ مؤمن کی ان باتوں کو سُن کر کہا میں تم کو وہی رائے دوں گا جو میں بہتر سمجھ رہا ہوں۔ اور میں تم کو وہی راستہ بتا رہا ہوں جو عین مصلحت ہے اور وہ یہی ہے کہ موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے یہ مردِ مؤمن اس بات کو سن کر مغموم و متفکر ہوا۔ سوچا کہ نرمی اور نصیحت سے مخاطب کوئی اثر قبول نہیں کرتا۔ کلام کا رخ بدلا اور کہا اس مؤمن شخص نے اے میری قوم مجھے تو ڈر لگ رہا ہے تمہارے متعلق ایسے ہی روزِ بد کا جیسے اور امتوں پر قہر و عذاب کا دن آیا جیسا حال قوم نوح قوم عاد و ثمود اور ان لوگوں کا جو انکے بعد آنے والوں کا یعنی قوم لوط وغیرہ کا ہوا۔ کہ ان کو ان کی اسی طرح شقاوت اور نخوت و تکبر کی وجہ سے عذاب خداوندی نے ہلاک کر ڈالا۔ یقیناً یہ سب کچھ صرف انہی کے اعمال کے باعث ہوا اور خدا تو بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم کرتا نہیں

چاہتا۔ مگر ظاہر ہے کہ تمہارے اعمال ان ہی جیسے ہوں گے تو یقیناً اسی طرح کا عذاب تم پر بھی مسلط ہوگا۔ یہ تو دنیا کی زندگی میں عذاب ہے جو ایسی قوموں کو ہلاک کرتا ہی ہے اور میرے بھائیو! مجھے تو تمہارے متعلق اندیشہ ہے اس دن کے بھی شدید عذاب کا جس دن میں کثرت ندائیں پکار اور آوازیں پڑنے والی ہوں گی اور ان آوازوں اور نداؤں سے لوگوں کے ہوش وحواس پراگندہ ہوں گے۔ اول ندا ہولناک تو صور کی آواز ہوگی جب پھونکا جائے گا اور سب مدہوش ہوجائیں گے پھر ندا دوبارہ نفخ صور کی ہوگی جس سے سارے مردے زندہ ہوکر میدان حشر میں جمع ہوں گے یہ وہی ندا ہوگی جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ. پھر ایک ندا اور ہوگی کہ اے لوگو! کھڑے ہوجاؤ حساب کے واسطے جیسے ارشاد ہے يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ پھر ایک ندا اور پکار جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان ہوگی جسکا ذکر وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ۔ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اور وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ آیات میں ہے پھر سب کے اخیر میں ایک وہ ندا ہوگی جو موت کو ذبح کرنے کے وقت اہل جنت اور اہل جہنم کو دی جائے گی یا اہل الجنۃ اور یا اہل النار۔ اس ندا پر جب جنتی اور جہنمی متوجہ ہوں گے اور دیکھنے لگیں گے جنتی گھبرا کر دیکھیں گے کیا ماجرا ہے ہم کو کیوں آواز دی جارہی ہے۔ جہنمی دیکھیں گے اور متوجہ ہوں گے کچھ توقع اور طمع کے ساتھ کہ شاید ہمیں عذاب سے نجات کا پروانہ دینے کے لیے پکارا گیا ہوگا مگر ان نداؤں کے بعد اور اہل جنت و اہل نار کے متوجہ ہونے کے بعد اعلان ہوگا موت کو ذبح کرتے ہوئے خُلُوْدٌ لَا مَوْتَ کہ بس اب جب کہ موت کو موت دے دی گئی۔ دوام وخلود ہی ہے آئندہ کسی کو موت نہیں نہ اہل جنت کو نہ دوزخیوں کو۔ غرض ان تمام نداؤں کے اجتماع کے باعث یہ دن یوم التناد ہوا۔ (ماخوذ از تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور یہ یوم التناد وہ دن ہوگا جس میں تم پشت پھیر کر دوزخ کی طرف جاتے ہوگے اس وقت تم کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اللہ کے عذاب سے اور حقیقت یہ ہے کہ جس کسی بدنصیب کو اللہ ہی گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ راست پر لانے والا نہیں۔ ان حقائق اور سبق آموز نصیحتوں کے بعد توبیخ وتہدید کے انداز میں اس مرد مومن نے کہا اور اے لوگو! تمہارے پاس تو اس سے قبل یوسف بھی بینات و دلائل لے کر آئے لیکن اے قوم قبط تم یعنی تمہارے اسلاف جن کے نقش قدم پر تم چل رہے ہو ہمیشہ شک ہی میں مبتلا رہے اس چیز کے بارہ میں جو وہ لے کر آئے تھے اور چونکہ وہ تمہارے اسلاف تھے اور تم ان کی باتوں کو سند سمجھتے ہو اس بنا پر تم ہی کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تم برابر اس میں شک کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ وفات پاگئے تو تم کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالےٰ اور کوئی رسول نہیں بھیجے گا کیونکہ اللہ تعالےٰ ہماری اس حالت کو دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ یہ بدنصیب انبیاء کی تعلیم وہدایت کا کوئی اثر قبول ہی نہیں کرتے لہٰذا ان کے پاس کسی رسول کا بھیجنا بیکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے ہیں ان کے غرور ونخوت نے ان کو اللہ کے احکام میں گستاخ بنادیا ہے اور اللہ تعالےٰ اسی طرح غلطی میں ڈالے رکھتا ہے ہر ایسے حد سے بڑھ جانے والے شک وتردد میں پڑ جانے والے لوگوں کو جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے رہتے ہیں۔

بغیر کسی سند و حجت کے جوان کے پاس آئی ہو بہت ہی بڑی ہے یہ چیز ناگواری اور نفرت کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک۔ کہ انسان اللہ ہی کے احکام اور اس کی آیتوں میں خصومت کرتا رہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جابر کے پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔ اور سارا قلب اس مہر کے احاطہ میں گھر جاتا ہے اور اس کا کوئی گوشہ خالی نہیں رہتا کہ اس خالی رخ اور سمت سے حق فہمی کی کوئی صلاحیت باقی رہ جائے۔ جیسے کسی برتن کے پورے منہ پر اگر مہر لگ گئی تو اس کے بعد ظاہر ہے کہ کوئی ایسا سوراخ و منفذ باقی نہیں رہتا کہ باہر سے کوئی چیز اس برتن کے اندر ڈالی جا سکے۔ اور علیٰ ہٰذا جب اس پر مہر لگ گئی تو اندر سے کسی چیز کے نکلنے کا امکان نہیں رہا۔ تو بس یہی حال ایسے مغرور و سرکش انسان کے قلب کا ہوتا ہے جب پورے قلب پر مہر لگ گئی تو باہر سے ہدایت و نصیحت اندر نہیں جا سکتی اور اندر کی شقاوت باہر نہیں نکل سکتی۔ یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ۔

یہاں تک اس مردِ مومن کی ناصحانہ تقریر تھی جو فرعون اور اس کے ارکانِ حکومت کو خطاب کرتے ہوئے کی آج سے پہلے اگرچہ اس بزرگ مومن نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا ہو لیکن اس واضح اور کھلم کھلا دعوت توحید اور شقاوت و بدبختی سے زجر و توبیخ کی وجہ سے تو ان کا ایمان علی الاعلان ظاہر ہو گیا۔ اس مردِ مومن نے اپنی اس تقریر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ جو دو شقیں اختیار کیں۔ اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ۔ العیاذ باللہ اس بنا پر نہیں کہ یہ دو احتمال موسیٰ علیہ السلام میں ممکن اور محتمل تھے بلکہ ظاہر ہے کہ وہ ان کی صداقت و حقانیت پر کامل یقین و ایمان رکھنے والے تھے یہ محض تعبیر اور بیان میں دو شقیں حجت پوری کرنے کے لیے تھیں اور اس غرض سے کہ مخاطبین اس سے پوری طرح متاثر ہوں اور ان کی بات کو اس تخیل کے ساتھ سنیں کہ یہ کسی طرح حمایت اور جانبداری کے جذبہ سے نہیں بلکہ ایک اصولی اور قطعی بات ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ کو ایسی ہی روشنی اور ضابطہ کے تحت بخوبی سمجھا جا سکتا ہے اس سے یہ استدلال بھی نہ کیا جائے کہ کوئی مدعی نبوت اور کذاب و مفتری جس کا کذب اور افتراء دلائل سے ثابت ہو چکا ہو۔ اس کی تکذیب و تردید کے قطعی پہلو کو چھوڑ کر اس کے لیے ایسا ہی طرز اختیار کر لیا جائے اور یہ کہہ کر بات ٹلا دی جائے کہ اگر جھوٹا ہو گا تو اس کا جھوٹ اس پر پڑے گا الخ۔ بلکہ ایسے کذاب و دجال کی تو واضح طور پر ڈٹ کر تردید اور مقابلہ کرنا فرض ہو گا۔ اب جبکہ آنحضرتؐ کا خاتم الانبیاء ہونا قطعی دلائل شریعت سے ثابت ہو چکا اور یہ کہ آپ کے بعد اب اور کوئی پیغمبر نہیں آئیگا تو مدعی نبوت کی قطعی طور سے تکذیب تردید اور تکفیر کی جائے گی اور وہ مدعی نبوت اور اس پر ایمان لانے والے واجب القتل ہوں گے۔ جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت اور اس کے پیروؤں کے ساتھ قتال فرمایا اور وہ قتل کیے گئے۔

آلِ فرعون کے مردِ مومن کا ناصحانہ خطاب اور اس کے خصوصی نکات

یہ مردِ مومن فرعون کے خاندان اور قبطیوں میں سے تھے اور بقول ایمہ مفسرین فرعون کے چچازاد بھائی

تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ آل فرعون میں سے ایمان لانے والے ایک مردِ مومن تھے اور دوسرا مومن خود
فرعون کی بیوی تھی۔ جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۂ تحریم میں فرمایا۔ یہ صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
معجزات دیکھ کر ایمان لاچکے تھے۔ ان کا یہ خطاب ہے جو فرعون کی طرف سے قتل موسیٰؑ کا ارادہ کرنے پر
تھا جس میں نصیحت و ہمدردی کا پہلو پوری طرح نمایاں ہے اور حق کا مقابلہ کرنے پر زجر و توبیخ ہے۔ اور
ایسا حکیمانہ انداز ہے کہ ادنیٰ فہم اور صلاحیت رکھنے والا انسان بھی اس کو تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکے۔

اس مردِ مومن نے اپنے اس خطاب میں جو خاص امور اور حکیمانہ نکات اور معاندانہ رویہ ترک کرنے
کے لیے اثر انگیز نصیحتیں کیں وہ یہ تھیں۔ سب سے پہلے ابتدائے خطاب میں اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ
رَبِّیَ اللّٰہُ کہہ کر بے وجہ اقدام قتل جیسے بُرے فعل کی مذمت کی اور اس پر اظہار نفرت کیا اور یہ کہ جس
بنیاد پر قتل کا ارادہ ہے وہ اس شخص کا یہ کہنا ہے "میرا رب اللہ ہے"۔ حالانکہ یہ بات اگرچہ تمہارے تخیل یا
عقیدہ کے خلاف ہو۔ کسی بھی ضابطہ سے قتل کی اجازت نہیں دیتی۔ پھر یہ کہ وہ اپنی اس بات پر جب واضح
دلائل پیش کر رہا ہے تو اس کی بات کی حقانیت دلائل سے ثابت ہو رہی ہے اور اس کے بالمقابل تمہارے
پاس کوئی دلیل نہیں۔ تو کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ایک حق پرست انسان کو جو اپنی حقانیت کے دلائل
پیش کر رہا ہے قتل کیا جائے۔ اور پھر یہ کہ یہ دلائل کوئی عام قسم کی شہادتیں اور دلائل نہیں ہیں بلکہ تمہارے
رب کی طرف سے دلائل ہیں۔ اور لفظ مِنْ رَّبِّکُمْ بول کر ایک لطیف طنز بھی کر ڈالا کہ وہ تمہارا رب ہے
اب یہ تمہاری حماقت ہے کہ تم اپنے رب کو نہ پہچانو۔ اور پھر یہ کہ اگر تم ان دلائل حقانیت سے قطع نظر کرلو تو
سوچو کہ قتل کا جواز تو اس صورت میں تصور کیا جا سکتا ہے جب کوئی سبب اور وجہ قتل متحقق ہو اور ظاہر ہے کہ
اس صورت حال میں کوئی چیز بھی موجب قتل نہیں معلوم ہوتی۔ تو ایسی صورت میں یہ مناسب ہے کہ اس شخص
کو اپنے حال پر چھوڑ دو اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا۔ علاوہ ازیں جب کہ تمہارے
پاس اس کی تردید کے لیے کوئی دلیل معقول نہیں تو اس احتمال کو خود تمہاری حد تک بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا
کہ وہ صادق ہے اور اس صورت میں کہ وہ سچا ہو اور تم اس کا مقابلہ کرو۔ ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہوئے قتل کر
ڈالو تو یہ قطعی بات ہے کہ یُصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ کہ تم کو وہ مصیبت ضرور پہنچ کر رہے
گی جس کا وہ وعدہ کرتا ہے اور اس کی دھمکی دے رہا ہے اور پھر یہ کہ تم لوگ ایسی صورت میں کہ اس کے پاس
دلائل ہیں اور تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ تمہارے لیے اس کے قتل کا کوئی جواز نہیں اور خود تمہارے
اصول سے اس کے صادق ہونے کا احتمال ہے تو ان تمام باتوں کے باوجود بھی اس کے قتل پر اقدام بلاشبہ
انتہائی زیادتی اور ظلم ہوگا۔ اور اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ (خدا تعالیٰ کسی
بھی زیادتی کرنے والے کذاب و جھوٹے کو مقصد میں کامیاب نہیں کرتا)۔ اور اگر اس کے برعکس یہ احتمال
فرض کرو کہ وہی اپنے اس دعوائے نبوت میں جھوٹا ہے تو پھر وہ مسرف و کذاب ہوگا کہ اس نے زیادتی
کی اور خدا پر جھوٹ بولا اور ایسی صورت میں وہ اپنے مقصد میں ضرور ناکام و ذلیل ہوگا۔ تو اس سے تم

لوگوں کو کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا۔ پھر کیا فائدہ کہ بغیر کسی اہم مقصد کے کسی کو قتل کر ڈالا جائے۔ پھر یٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ الخ کہہ کر یہ سمجھانا چاہا کہ ملک و اقتدار کے حاصل ہو جانے پر تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ظلم و تعدی کی روش اختیار کی جائے یاد رکھو اگر ایسا کیا جائے گا تو نہ صرف یہ کہ انسانی فطرت سے بعید ہے بلکہ اللہ کے عذاب و انتقام کا بھی موجب ہے اور عذاب خداوند عالم کے عذاب اور انتقام سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی تو ان کلمات میں نہایت لطیف انداز سے فرعون کے ذہن کو اس طرف متوجہ کیا کہ اگر تو غور کرے تو سمجھ جائے گا کہ یہ حکومت اور غلبہ خود تیرا حاصل کردہ نہیں ہے کہ تو نے اپنی کسی صلاحیت یا محنت سے اسے حاصل کیا ہو یقیناً تجھے ماننا چاہیئے کوئی قدرت و طاقت ایسی ہے جو انسانی قدرت اور وسائل سے بالاتر ہے بس اسی قدرت کا مالک اللہ ہے۔ جس نے تجھ کو یہ سلطنت دی اور جس نے ایسی بڑی حکومت دی ہے وہ پروردگار اسے چھین بھی سکتا ہے۔ ناراض ہو کر عذاب و قہر بھی نازل کر سکتا ہے تو اگر ایسا ہوا تو اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہیں کر سکتی تو اس حصۂ نصیحت میں مرد مؤمن نے نہایت ہی لطیف انداز سے قدرتِ خداوندی، اس کی نعمت، اور اس کی سزا کا ذکر کر ڈالا اور اس فرعون کو جو مدعی تھا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا ان کلمات سے دعوتِ فکر بھی دے دی کہ ان چیزوں کو سوچ کر خدا کی ربوبیت کو پہچان لے اور اس پر ایمان لائے اور خدا کے پیغمبر کے مقابلہ سے باز آ جائے۔

یہ تھے دس خصوصی نکات جس پر اس مرد مؤمن کا ناصحانہ خطاب مشتمل تھا۔ اس ناصحانہ و حکیمانہ معقول مدلل خطاب اور انسانی فطرت اور اس کے شعور کو بیدار کرنے والے حقائق سے فرعون بظاہر متاثر ہونے لگا ہوگا اور ڈرا ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ میں خود ہی اپنے ذہن میں رچے ہوئے تصورات اور معتقدات کو غلط قرار دے دوں۔ تو فوراً بات کاٹنے کے انداز میں اس مرد مؤمن کے وعظ کے دوران جو ابھی مزید نکات اور حقائق بیان کرنے والا تھا بول پڑا جس کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ فرعون اس پر کہنے لگا کہ اے لوگو! بس میں تو تم کو وہی بات سمجھاتا ہوں اور اسی چیز کی رہنمائی کرتا ہوں جس کو میں خود بہتر سمجھتا ہوں اور میں تم کو صرف بھلائی ہی کا راستہ دکھا رہا ہوں۔

اس مرد مؤمن نے اس لغو، مہمل اور بے دلیل بات کی تردید و تغلیط کی طرف رُخ کرنے کے بجائے پھر وہی اصل حکیمانہ خطاب کے باقی اہم نکات کا سلسلۂ بیان شروع کر دیا جو فرعون نے بیچ میں غلط طریقہ سے کاٹ دیا تھا۔

چنانچہ مزید گزشتہ تاریخی عبرتناک واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ الخ کہ اگر تمہاری یہی روش رہی تو پھر مجھے اسی قسم کے عذاب کا اندیشہ ہے جو پہلی قوموں قوم نوح، عاد و ثمود اور ان کے بعد والوں پر نازل ہوا۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ اس طرح کے عذاب کوئی وقتی اور اتفاقی قسم کے پیش آنے والے حادثات نہیں ہیں بلکہ یہ براہِ راست اللہ رب العزت کی طرف سے مجرمین

کو سزا ہوتی ہے اور اس طرح کی سزائیں کسی قسم کا ظلم نہیں ہوتیں بلکہ مجرمین درحقیقت ایسی ہی سزاؤں کے مستحق ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ تو بندوں پر ذرہ برابر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتے اور جو رب ایسا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سے واقعۃً ظلم کا تحقق ہو جائے۔

اور چلو یہ تو جو کچھ ہوگا دنیوی زندگی تک کا معاملہ ہے مگر یہ جان لو کہ اسی پر بس ہونے والی نہیں مجھے تو اس سے بھی بڑھ کر تمہاری نسبت يَوْمَ التَّنَادِ یعنی اس دن کے عذاب کا ڈر ہے جس دن آوازیں پڑیں گی۔ پکارا جاتا ہوگا۔ اس پکار اور ندا والے دن کا معاملہ تو یہ ہوگا کہ تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگوگے۔ اور تم کو عذابِ خداوندی سے کوئی بھی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور پھر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم اس پر بھی سوچو کہ یہ تمہاری بدبختی اور گمراہی خدا کی طرف سے محرومی ہے جس کی وجہ سے یہ باتیں تم سے ظاہر ہو رہی ہیں۔

اور میں تم کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہاری یہ خصلت تمہارے گزرے ہوئے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی ہے تمہارے بزرگوں کے زمانہ میں اُن کے پاس اللہ کے پیغمبر حضرت یوسفؑ آئے۔ ان کے ساتھ بھی معاملہ نافرمانی اور ایذا رسانی کا کیا اور آج تم اسی نقش قدم پر چل رہے ہو۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فوائد میں تحریر فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں مصر والے ان کی نبوت کے قائل نہ ہوئے۔ ان کی موت کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا تو کہنے لگے کہ یوسفؑ کا قدم اس شہر پر کیسا مبارک ہے اب ایسا نبی آئندہ کوئی نہیں آئے گا۔

غرض اس بات سے مراد یہ تھی کہ نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے۔ فی الحال تم کو موسیٰ علیہ السلام کی قدر نہیں لیکن یاد رکھو تم اسی طرح پچھتاؤ گے جیسے کہ اہل مصر یوسفؑ کے بعد پچھتائے۔ ان نصائح اور دل پر اثر ڈالنے والے حقائق کو بیان کرتے ہوئے مرد مؤمن نے اخیر میں صاف کہہ ڈالا کہ سب کچھ تمہاری طرف سے غلط قسم کی تعدی اور زیادتی ہے اور خدا کی نشانیوں میں بے دلیل حجت بازی اور جھگڑا کرنا ہے اور یہ تمام باتیں اس بات کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور واقعی تم جیسے مغرور اور سرکش لوگوں کے تو پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے پھر کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہتا کہ قلب تک ہدایت رسائی حاصل کرلے۔ گویا یہ بتا دیا کہ یہ فطرت کا مسخ ہو جانا ہے جو انسان کی انتہائی بدنصیبی ہے۔

آلِ فرعون کے مردِ مؤمن کے ایمان و اخلاص سے

صدیق اکبرؓ کا جذبۂ ایمان بڑھ کر تھا

امم سابقہ میں جو فضائل و کمالات حق تعالےٰ نے عطا فرمائے وہ اس امت کے افراد میں بھی بدرجۂ اتم واکمل پائے گئے ہیں۔ یہ کلمات اس مرد مؤمن کے أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ جو قرآن کریم نے ذکر فرمائے وہی الفاظ ہیں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے اس وقت نکلے جب کہ کفار مکہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وستم ڈھانے پر تلے ہوئے تھے۔ عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زائد جو سخت تکلیف پہنچائی وہ مجھے بتاؤ تو فرمایا ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آکر آپ کی گردن میں کپڑا ڈالا اور اس زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا اور تکلیف انتہائی شدت کو پہنچ چکی تھی سامنے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ آگئے اور عقبہ کو زور سے ایک دھکا دیا اور ڈانٹتے ہوئے فرمایا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ (افسوس تم ایک شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو محض اس بات پر کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تو تمہارے پاس نبوت و رسالت کے واضح اور روشن دلائل تمہارے رب کی طرف سے لے کر تمہارے پاس آیا ہے) تو آل فرعون کا مرد مومن تو اپنے ایمان کو چھپانے والا تھا مگر امت محمدیہ کا یہ مرد مومن وہ تھا کہ جس نے روز اول سے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ مسند بزار اور دلائل ابونعیم میں محمد بن علی سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اثنار خطبہ یہ فرمایا۔ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور کون ہے لوگوں نے جواب دیا ہم میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تو آپ ہیں حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میرا حال تو یہ ہے کہ جس کسی نے میرا مقابلہ کیا میں نے اس سے انتقام لیا۔ سب سے زیادہ شجاع تو ابوبکرؓ تھے۔ میں نے دیکھا کہ قریش کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جا رہے ہیں انت جعلت الالهة الهًا واحدًا کیا تو ہی ہے وہ شخص جس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا تو اس وقت ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے قریب جا سکے۔ اتفاقاً سامنے سے ابوبکرؓ آگئے اور مشرکین کے ہجوم میں گھس پڑے اور بڑی قوت کے ساتھ کسی کے لات ماری اور کسی کو گھونسہ مارا اور باواز بلند مشرکین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ وَیْلَکُمْ (ہلاکت ہو تمہاری) اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ یہ کہہ کر رو پڑے اور فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آل فرعون کا رجل مومن افضل تھا یا ابوبکر رضی اللہ عنہ؟ لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک گھڑی آل فرعون کے مرد مومن کی تمام زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس نے تو اپنے ایمان کو چھپایا تھا مگر ابوبکرؓ نے اپنے ایمان کا اظہار و اعلان کیا۔ پھر یہ کہ اس مرد مومن کی حمایت ناصحانہ خطاب اور باتوں تک محدود رہی گو یا کہ یہ بھی بہت بڑا جہاد تھا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو زبانی نصیحت و حمایت کے علاوہ اپنے ہاتھ پاؤں اور عمل سے اللہ کے پیغمبر کی حمایت اور مدد کی۔ تو بے شک یہ بہت ہی اونچا اور اعلیٰ مقام تھا جو اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

یوم التناد کی تفسیر

یوم التناد کی تفسیر میں بالعموم مفسرین نے یہی بیان کیا ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے کہ اس میں

آوازیں پڑیں گی۔ وہ نداؤں اور ہانک پکار کا دن ہوگا۔ ان نداؤں کی تفصیل اور انواع کی طرف ترجمہ کے دوران تشریحی الفاظ میں اشارہ کر دیا گیا کہ نفخ صور کے وقت جب زمین پر زلزلہ ہوگا اور شق ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہوں گے اور اس ہیبت ناک منظر سے لوگ بدحواس و پریشان ہوں گے تو شدتِ پریشانی میں بھاگ رہے ہوں گے تو ایک دوسرے کو پکارتا ہوگا۔ یا یہ ندا فرشتوں کو آواز ہوگی میدانِ حشر میں جمع ہو جانے کے لیے۔ نیز یہ ندا فرشتوں کی ہوگی مجرمین کو، اگر تم سے ہوسکے تو آسمان وزمین کے کناروں سے نکل جاؤ۔ تم کہیں بھی چلے جاؤ خدا کے قبضۂ قدرت سے نہیں نکل سکتے ایک ندا وہ ہوگی جب منکرین بدحواسی کے عالم میں بھاگنے لگیں گے تو فرشتے کہیں گے۔ لَا وَزَرَ اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ کہ بھاگنے کی اب کوئی جگہ نہیں۔ اب تو اے انسان تیرے رب ہی کی طرف تیرا ٹھکانا ہے۔ ایک ندا میزانِ اعمال پر ہوگی۔ ایک ندا جنتیوں کو جنت میں جانے کے لیے اور دوزخیوں کو جہنم میں داخل ہونے کے لیے۔ ایک ندا اعراف والوں کی ہوگی کہ اپنی جان پہچان کے کافروں کو ملامت و توبیخ کریں گے۔ ایک ندا اہلِ جنت کی جنمیوں کو ہوگی ایک ندا اہلِ نار کی طرف سے اہلِ جنت کو ہوگی۔ جب وہ اہلِ جنت سے کچھ پانی یا دوسری کوئی نعمت جنت کی نعمتوں میں سے مانگتے ہوں گے اور ایک ندا اخیر میں رب العزت کی طرف سے اہلِ جنت اور اہلِ نار کو ہوگی موت کو ذبح کرتے ہوئے کہ اے لوگو! سن لو اب خود موت ہی کو موت دی جا رہی ہے۔ اس کے بعد بس خلود و دوام ہی ہے لَا مَوْت۔ (موت کا اس کے بعد اب کسی کو تصور ہی نہ کرنا چاہیے۔) غرض ان سب نداؤں کی وجہ سے اس کو یوم التناد کہا گیا۔

تفسیر مظہری جلد ہشتم میں قاضی محمد ثناء اللہ صاحب الحنفی المظہریؒ نے یوم التناد کی تفسیر فرماتے ہوئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ذکر فرمائی جس میں تین نفخات کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ حق تعالے حضرت اسرافیلؑ کو پہلی بار صور پھونکنے کا حکم فرمائیں گے اور فرمائیں گے۔ انفخ نفخۃ الفزع کہ اے اسرافیل فزع (گھبراہٹ) کا صور پھونکو تو وہ پھونکیں گے جس پر آسمان و زمین والے سب ہی گھبراہٹ و بدحواسی کے عالم میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بجز ان کے کہ جن کو اللہ تعالے مستثنیٰ فرما دے یہ وقت وہ ہوگا کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے سے غافل ہو جائے گی اور حاملہ عورتوں کے حمل وضع ہو جائیں گے اور بچے ہیبت و گھبراہٹ کی شدت سے بوڑھے ہو جائیں گے۔ جنات و شیاطین بدحواس ہو کر بھاگنے لگیں گے حتیٰ کہ کناروں تک پہنچ جائیں گے تو فرشتے ان کے چہروں پر گرز مار کر واپس لوٹائیں گے۔ اس پر وہ لوٹیں گے تو لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوں گے۔ ایک دوسرے کو پکارتا ہوگا۔ اس طرح یہ دن پکار کا دن ہوگا۔

ابونعیمؒ ابوحازم الاعرج رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ابوحازم الاعرج خود اپنے آپ کو مخاطب بنا کر فرمایا کرتے۔ اے اعرج قیامت کے دن جب بعض خطا کاروں کو پکارا جائے گا کہ فلاں فلاں خطا کرنے والو کھڑے ہو جاؤ۔ تو ان کے ساتھ تو کھڑا ہوگا۔ پھر جب دوبارہ پکار پڑے گی یا

اہل الخطیات تو جب بھی تو انہی کے ساتھ اٹھے گا بس میں تو یہی خیال کر رہا ہوں کہ اے اعرج تیرا اٹھنا خطا کاروں ہی کے ساتھ ہوگا۔ خواہ وہ کتنے ہی اقسام و انواع کی خطائیں ہوں۔

ابن ابی عاصمؒ نے کتاب السنہ میں عبداللہ بن عمرؓ سے تخریج فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز ایک منادی ندا کرے گا۔ خبردار کھڑے ہو جائیں وہ لوگ جو خدا سے جھگڑنے والے ہیں۔ اس ندا پر فرقہ قدریہ کھڑا ہوگا (اور اس گمراہ فرقہ کے علاوہ علیٰ ہذا القیاس جو بھی فرقے اہل بدعت کے ہوں گے خواہ ان کی بدعات عملی ہوں یا اعتقادی سب کھڑے ہو جائیں گے) اور اسی روز اہل جنت اہل نار کو پکاریں گے۔ اور اہل اعراف جہنمیوں کو آوازیں گے جس کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی۔ یہاں تک کہ آخری ندا یہ ہوگی۔ ہر ایک سعید وشقی کا نام پکارتے ہوئے۔ یہ ہیں سعادت والے جو کبھی ناکام نہ ہوں گے۔ اور یہ اہل اشقیاء و بدبخت جو کبھی کامیاب و کامران نہ ہوں گے۔ (بیہقی)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو قیامت کے روز میزان اعمال پر لایا جائے گا اور درمیان میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ اگر اس کے اعمال حسنہ بھاری اور غالب ہوئے تو فرشتہ اس کی کامیابی کا اعلان کر دے گا اور اگر اس کے اعمال سیئہ بھاری اور غالب ہو گئے تو اس کی بدبختی کا اعلان کر دیا جائے گا اور یہ ایسی ندا ہوگی جس کو تمام مخلوق سنے گی۔

طبرانی نے ابوہریرہؓ سے ایک روایت تخریج کی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک منادی کو حکم فرمائے گا۔ جو ندا کرے گا اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ میں نے ایک نسب بنایا تھا اور تم نے ایک نسب بنایا۔ میں نے تو یہ نسب مقرر کیا تھا کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کہ تم میں سب سے زائد کرامت و عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔ مگر اے لوگو! تم نے یہ بات نہیں مانی اور تم باز نہ آئے مگر یہ کہ تم یہی کہو فلاں بن فلاں بہتر ہے فلاں بن فلاں سے یعنی تم خاندانی شرافت اور برتری میں لوگوں کو تولتے رہے۔ بس سمجھ لو کہ آج میں اپنے نسب کو بلند کرتا ہوں اور تمہارے نسب کو گھٹاتا ہوں۔ (اعلان ہوگا) کہاں ہیں تقویٰ والے۔ تو اس طرح اس روز اہل تقویٰ کو پکارا جائے گا اور اسی دن ایک اور ندا دی جائے گی۔ جس وقت کہ موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ یا اھل الجنۃ خلود لا یموت ویا اھل النار خلود لا یموت۔ امام بخاری و مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنتی جب جنت میں چلے جائیں گے اور جہنمی جہنم کو چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا (ایک کبش یعنی مینڈھے کی شکل میں) یہاں تک کہ اسے جنت اور جہنم کے درمیان رکھا جائے گا اور پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے ساتھ کہ اے اہل جنت اب ہمیشہ جنت میں رہنا ہے آئندہ کوئی موت نہیں اور اے اہل نار اب ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے آئندہ کوئی موت نہیں کہ مر کر ہی اس عذاب سے نجات مل جائے تو اس ندا و اعلان پر اہل جنت کی خوشیوں پر مزید خوشی کا اضافہ ہو جائے گا اور اہل نار کے غموں پر مزید غم کا اضافہ

ہو جائے گا۔ الغرض اس طرح کی تمام نداؤں کا اجتماع اس دن کو "یوم التناد" بنا دینے والا ہوگا۔

یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ یوم التناد دال کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے۔ عبداللہ بن عباسؓ اور ضحاکؒ اس کو دال کی تشدید کے ساتھ یوم التناد پڑھا کرتے تھے تو اس قرأت کی رو سے یہ مصدر مشتق ہوگا نَدَّ یَندُّ سے ہوگا۔ یعنی بھاگنا بدکنا۔ کہا جاتا ہے نَدَّ البعیر جب اونٹ بدک کر بھاگ جائے۔ اس قرأت کی تائید اس روایت سے ہے جو ابن المبارکؒ اور ضحاکؒ نے بیان کی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم فرمائے گا تو وہ مع اپنی تمام مخلوق کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ ملائکہ اس کے کناروں پر ہوں گے جس وقت پروردگار کا حکم ہوگا تو وہ اتریں گے اور زمین والوں کا احاطہ کریں گے۔ پھر اسی طرح دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں چھٹے آسمان کو حکم ہوگا ہر ایک کے فرشتے علیحدہ علیحدہ صفیں بنالیں گے۔ پھر ایک بہت بلند تر فرشتہ اترے گا جس کے بائیں جانب جہنم ہوگی۔ جب زمین والے جہنم دیکھیں گے تو گھبرا کر بھاگنے لگیں گے تو اس حالت میں زمین کے جس کونہ اور جانب کا رُخ کریں گے وہاں فرشتوں کو صف بستہ پائیں گے کہ ان کی سات صفیں مرتب ہیں (اور انہوں نے ہر راستہ گھیر رکھا ہے۔ بھاگ کر کہاں جائیں گے) تو یہ دیکھ کر پھر اپنی جگہ لوٹ آئیں گے۔ ضحاکؒ فرمایا کرتے یہی مراد ہے اس آیت مبارکہ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ کی کہ میں تمہارے بارے میں خوف کر رہا ہوں اس دن کا کہ جب ہر طرف سے لوگ بھاگتے ہونگے اور انکو کسی رخ سے بھی پناہ نہ ملے گی اور نہ نکلنے کا راستہ ہوگا (تفسیر مظہری جلد ہشتم)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے یوم التناد کے ایک اور معنی بیان کیے۔ فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں فرعونیوں پر عذاب آیا چنانچہ فرماتے ہیں۔ یہ ہانک پکار کا دن ان پر آیا جس دن بحر قلزم میں غرق ہوئے اس وقت ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارنے لگا (شاید) اس مرد مومن کو کشف سے معلوم ہوا ہوگا یا قیاس سے کہ ہر قوم پر اسی طرح عذاب آتا ہے۔ (از فوائد شیخ الاسلامؒ)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا

اور بولا فرعون، کہ لے ہامان! بنا میرے واسطے ایک محل،

لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ

شاید میں پہنچوں رستوں میں۔ رستوں میں آسمان کے،

فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَ

پھر جھانک دیکھوں موسیٰ کے معبود کو اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے۔ اور

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ
اسی طرح بھلے دکھائے تھے فرعون کو اس کے بُرے کام، اور روکا گیا
السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝۳۷ وَقَالَ
راہ سے، اور جو داؤ تھا فرعون کا، سو ٹوٹنے کے واسطے۔ اور کہا
الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝۳۸
اس ایماندار نے، اے قوم! میری راہ چلو، پہنچا دوں تم کو نیکی کی راہ پر۔
يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ
اے قوم! یہ جو زندگی ہے دنیا کی، سو برت لینا ہے اور وہ گھر جو
هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝۳۹ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا
پچھلا ہے، وہی ہے ٹھہراؤ کا گھر۔ جس نے کی ہے بُرائی تو وہی بدلہ پاوے گا اس
مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ
کے برابر۔ اور جس نے کی ہے بھلائی، مرد ہو یا عورت اور
هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ
وہ یقین رکھتا ہو سو وہ لوگ جاویں گے بہشت میں، روزی پاویں
فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۴۰ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى
گے وہاں بے شمار۔ اے قوم مجھ کو کیا ہوا ہے بُلاتا ہوں تم کو
النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝۴۱ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ
بچاؤ کی طرف، اور تم بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف۔ تم بُلاتے ہو مجھ کو کہ منکر ہوں
بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا
اللہ سے، اور شریک ٹھہراؤں اس کا جس کی مجھ کو خبر نہیں۔ اور میں

اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى الۡعَزِيۡزِ الۡغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدۡعُوۡنَنِىۡۤ

بلاتا ہوں تم کو، اس زبردست گناہ بخشنے والے کی طرف۔ آپ ہی ہوا کہ جس کی طرف مجھ کو

اِلَيۡهِ لَيۡسَ لَهٗ دَعۡوَةٌ فِى الدُّنۡيَا وَلَا فِى الۡاٰخِرَةِ

بلاتے ہو اس کا بلاوا کہیں نہیں دنیا میں اور نہ آخرت میں

وَاَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ هُمۡ

اور یہ کہ ہم کو پھر جانا ہے اللہ کے پاس اور بڑھ کر زیادتی والے وہی ہیں

اَصۡحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذۡكُرُوۡنَ مَاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ‌ؕ وَ

دوزخ کے لوگ۔ سو آگے یاد کروگے جو میں کہتا ہوں تم کو۔ اور

اُفَوِّضُ اَمۡرِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۴۴﴾

میں سونپتا ہوں اپنا کام اللہ کو۔ بے شک اللہ کی نگاہ میں ہیں سب بندے۔

فَوَقٰٮهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوۡا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرۡعَوۡنَ

پھر بچا لیا (موسیٰ) کو اللہ نے برے داؤں سے جو کرتے تھے، اور الٹ پڑا فرعون والوں پر

سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ‌ۚ ﴿۴۵﴾

بُری طرح کا عذاب۔

بے شرمی و بیباکی فرعون و اعلان ارشاد و نصیحت

مردِ مؤمن بعد تکذیب و تردید مقابلہ با رسولِ خدا

قال اللہ تعالیٰ۔ وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ يٰهَامٰنُ ابۡنِ لِىۡ صَرۡحًا ... الیٰ ... سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ ۰

ربط: مردِ مومن کی نصیحتوں کا سلسلہ چل رہا تھا۔ اس مردِ مومن کے ناصحانہ خطاب میں ایسے حقائق و دلائل اور تاریخی شواہد تھے۔ اور ایسے ٹھوس اصول پر یہ خطاب مشتمل تھا کہ کسی بھی صاحبِ عقل انسان کو ان

کے قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں ہو سکتا۔ فرعون ان دلائل کی قوت اور ان کی تاثیر کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ درمیان میں کچھ بے دلیل بات بھی کی لیکن وہ اس قدر مہمل بات تھی کہ مرد مومن کے معقول خطاب کے سامنے اس کا بولنا ہی اپنی حماقت کا ثبوت دینا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر اب فرعون نے اپنی فرعونیت کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے بے شرمی اور حماقت کا ایک اور رُخ اختیار کیا۔ جس میں وہ اپنی رعونت بھی ظاہر کرنا چاہتا تھا تاکہ اگر مرد مومن کو خاموش کرنے کے لیے دلیل نہیں پیش کر سکتا تو زور اور دباؤ کا ہی مظاہرہ کر کے دیکھ لوں تو آب ان آیات میں فرعون کی مغرورانہ دھونس کا ذکر کرنے کے بعد مرد مومن کے ناصحانہ خطاب کا دوسرا حصہ بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا گیا۔

اور کہا فرعون نے اے ہامان میرے واسطے بناؤ ایک بلند ترین عمارت تاکہ میں اس پر چڑھ کر دیکھوں۔ شاید میں رسائی حاصل کر لوں ایسے راستوں کی جو راستے آسمانوں تک پہنچانے کے ہوں پھر وہاں پہنچ کر میں جھانکوں موسیٰ کے خدا کی جانب۔ اور جھانک کر دیکھ لوں کہ موسیٰؑ کا خدا کیسا ہے اور میں تو موسیٰ کو اس کے اس دعوے میں کہ میرے علاوہ کوئی اور خدا ہے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں[1]۔ بہرکیف یہ بے ہودہ بات تھی جو اس نے کہی اور اسی طرح رچا دی گئی تھی فرعون کے لیے اس کے عمل کی برائی منجملہ دیگر برائیوں کہ جیسے یہ بات اس کے ذہن میں رچی اور اس کو بھلی معلوم ہوئی حالانکہ یہ نہایت ہی حماقت اور جہالت کی بات تھی۔ اس بات کو کہہ کر تو اس نے یہ ثابت کر دیا کہ نہ اس کو آسمان کی بلندی کا علم ہے اور نہ اس کو اس بات کا اندازہ ہے کہ کوئی عمارت کتنی بلند بنائی جا سکتی ہے اور خواہ وہ کتنی بھی بلند بنائی جائے لیکن اس پر چڑھ کر آسمانوں کے اوپر کے احوال کا اس کو کیسے مشاہدہ ہو سکتا ہے اور وہ روک دیا گیا ہر سیدھے عقل اور ہدایت کے راستہ سے۔ اس لیے اب اس کے بعد کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ عقل اور ہدایت کا کوئی راستہ پا لے۔ اور یہ سب کچھ تدبیریں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کرتا رہا۔ مگر فرعون کی ہر تدبیر غارت ہوگئی۔ اور نتیجہ سوائے ہلاکت و ذلت کے اور کچھ نہ ہو سکا۔

مرد مومن نے فرعون کی ایسی احمقانہ اور سراپا جہالت کی بات سن کر دوبارہ انداز نصیحت اختیار کرتے ہوئے حسب سابق رشد و ہدایت کا پیغام دینا شروع کر دیا اور کہا اس مرد مومن نے جو موسیٰؑ پر ایمان لا چکا تھا اور اس ناصحانہ خطاب میں اپنا ایمان ظاہر بھی کر چکا تھا۔ اے میری قوم تم میری بات مانو۔

[1] ان کلمات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نمرود کی طرح ایسی بلند عمارت بنانے کا حکم دیا اور وہ بنائی گئی۔ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ بنائی نہیں گئی۔ بہرکیف جو کچھ بھی ہو اس ملعون کی یہ بات یا استہزا و تمسخر سے تھی یا وہ اس قدر پاگل و بدحواس ہو گیا تھا کہ ایسی احمقانہ باتیں سوچنے لگا۔ بعض مفسرین نے بیان کیا کہ یہ تو وہ بھی جانتا تھا کہ کتنی بھی بلند تعمیر بنالے مگر آسمان تک نہیں پہنچ سکتا۔ پھر بھی محض لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے یہ حرکت کی۔ قرطبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ یہ بلند عمارت تعمیر کرائی گئی لیکن بلندی پر پہنچتے ہی منہدم ہوگئی۔

میں تمہیں دکھا رہا ہوں ہدایت و کامیابی کا راستہ جس پر میں واضح دلائل پیش کر رہا ہوں اور یہ ایسے حقائق ہیں جن کو ہر شخص جو فطرت سلیمہ اور عقل صحیح رکھتا ہو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ برخلاف فرعون کے اس دعوے کے جو وہ کرنے لگا تھا۔ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ۔ وہ محض اپنی بات کی پیچ اور تعلّی ہے اور ایک مہمل دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ فرعون محض دنیا کی دولت اور سلطنت کی وجہ سے غرور میں پڑا ہوا تھا جس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ اپنی مہمل اور احمقانہ بات کو یہ کہتا ہے کہ میں تمہیں سیدھا راستہ ہی بتا رہا ہوں۔ اس لیے اے میری قوم تم خوب سمجھ لو یہ دنیا کی زندگی اور سلطنت و دولت تو صرف چند روزہ نفع اٹھا لینے کا نہایت[۱] ہی قلیل اور حقیر سامان ہے اور یقیناً آخرت ہی دار القرار مستقل ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ وہاں کا قیام دائمی ہوگا۔ وہاں کی راحت و نعمت بھی دائمی ہے اور عذاب بھی دائمی ہے۔ یہ بہت ہی بڑی چوک اور حماقت کی بات ہوگی کہ انسان عارضی متاع دنیا سے اس قدر دھوکہ اور فریب میں پڑ جائے کہ اصل دائمی ٹھکانہ بھلا دے اور اس کی راحت و آرام اور وہاں کی اذیت و آلام کی کوئی فکر ہی نہ کرے حالانکہ یہ قانون طے ہو چکا ہے کہ جو شخص کوئی برائی کرے تو اس کا بدلہ بس اسی کے برابر دیا جائے گا یہ نہیں کہ اس پر کچھ اضافہ ہو اور جو شخص نیکی کا کام کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ بشرطیکہ وہ مؤمن ہے تو ایسے لوگ تو جنت میں داخل ہوں گے جن کو رزق اور ہر طرح سامان راحت عطا کیا جائے گا بغیر کسی حساب کے کہ وہ جزاء عمل کی حد تک محدود و مقدر نہ ہوگا بلکہ وہ اللہ رب العزت کی طرف سے محض ثواب و انعام ہوگا جس کی نہ کوئی حد ہوگی اور نہ انتہاء اور نہ اس کے لیے فنا ہوگی۔ اور نہ انقطاع بلکہ دوام و تسلسل کے ساتھ ان انعامات کا سلسلہ اہل ایمان و عمل صالح کے لیے جاری رہے گا اور دیکھنا چاہیئے کہ پروردگار عالم کی یہ کس قدر عظیم عنایت و رحمت ہے کہ برائی کا بدلہ اور سزا تو صرف برائی کی حد تک محدود رہتی ہے لیکن ایمان اور اعمال صالحہ کا بدلہ اعمال کے بقدر نہیں ہوتا بلکہ کم از کم دس سے لے کر سات سو گنا تک اور اس سے بھی زائد جس کے لیے بھی وہ چاہے۔ تو ایسی صورت میں تم میں سے ہر ایک کو یہی چاہیئے کہ دنیا کی حقیر اور قلیل منفعت کو آخرت کے بے پایاں انعامات پر ترجیح نہ دے اور ایسے حقیر اور قلیل متاع دنیا کے دھوکہ میں مبتلا ہو کر اس دار القرار کی ابدی تکالیف و آلام میں اپنے آپ کو نہ ڈال لے عاقل کا کام تو یہ ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے دار القرار کی تیاری کرے۔ اور میری قوم مجھے کیا ہوا میں یہ عجیب منظر دیکھ رہا ہوں کہ میں تم کو دعوت دے رہا ہوں نجات کے راستہ کی طرف اور تم مجھ کو بلا رہے ہو دوزخ کی آگ کی جانب تم تو مجھ کو اس بات کی دعوت دے رہے ہو العیاذ باللہ کہ میں اللہ کا انکار کر دوں اور اس کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ ایسی چیز شریک کروں جس کا مجھے کوئی علم اور میرے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں اور میں تم کو

---

[۱] اشارہ ہے کہ متاع پر تنوین تقلیل اور تحقیر دونوں معنی پر دلالت کے لیے ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اسی طرح مراد بیان فرمائی ہے۔ ۱۲۔

بلا رہا ہوں اس عزت والے خطا بخش پروردگار کی طرف کہ جس کی قوت وعزت کے باعث کوئی اس کی رحمت کو روک نہیں سکتا اور باوجودیکہ اس کی عزت وعظمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا وہ غفار وخطا بخش ہے۔ یقیناً جس چیز کی تم مجھے دعوت دے رہے ہو اس کے واسطے نہ تو دنیا ہی میں کوئی پکار ہے کہ کوئی اس کو دنیا میں اپنی کسی حاجت کے لیے پکارے کیونکہ وہ اس لائق ہی نہیں اور نہ ہی آخرت میں کسی عذاب اور پریشانی کے دفع کرنے کے لیے اس کے واسطے کوئی پکار ہے اور بے شک ہم سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے اور بے شک زیادتی کرنے والے اور عبودیت وبندگی کی حدود سے نکل جانے والے وہاں جاکر بس وہ سب کے سب جہنمی ہی ہوں گے اور اس وقت اگرچہ میری یہ نصیحت اور بات تمہارے دل کو نہیں لگتی مگر تم عنقریب یاد کرو گے۔ یہی بات جو میں تم کو کہہ رہا ہوں اور جواب میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ میں اپنی حجت پوری کر چکا اور جو کچھ نصیحت وہمدردی سمجھانا تھا وہ سمجھا چکا۔ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر لینے کے بعد بس میں اپنا معاملہ اسی کے حوالہ کرتا ہوں۔ جس سے کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں نہ میرا اخلاص اور یہ جذبہ اور تم کو راہ راست پہ لانے کی امکانی جد وجہد اور نہ تمہارا اعراض وبے رخی۔ اس لیے وہ میرا پروردگار ہر ایک کو اس کے کردار کا بدلہ دے گا۔ حق وباطل کی یہ کشمکش جاری رہی۔ فرعون اور فرعون کے متبعین ہر طرح کی تدبیر کرتے رہے اور اس مرد کے خلاف سوچتے رہے لیکن اللہ نے بچا لیا اس مرد مومن کو ان کی سازشوں وتدابیر کی تمام برائیوں سے [1] اور اس مرد مومن کو کسی بھی سازش سے نقصان نہ پہنچا سکے۔ اور اس کے برعکس الٹا چمٹ پڑا فرعونیوں پر بہت ہی برا عذاب۔

مردِ مومن کا دوسرا ناصحانہ خطاب۔ دنیا کی بے ثباتی اور جزاء اعمال کا معیار

مرد مومن نے اپنے ناصحانہ خطاب کے دوسرے حصہ میں پہلے حصہ سے بڑھ کر اہم اور عظیم نکات کی طرف اشارہ کیا اور نہایت واضح انداز میں ہدایت وگمراہی پر مرتب ہونے والے آثار اور ثمرات کا ذکر کر دیا ساتھ ہی تنبیہ اور وعید بھی بلیغ انداز میں کر دی۔ سب سے پہلے توجہات دنیا اور عقبیٰ کا فرق واضح کرتے ہوئے یہ بتایا کہ دنیا کی ہر نعمت اور ہر عزت عارضی اور ناپائیدار بلکہ محض دھوکہ وفریب ہے۔ اور دار آخرت ہی حقیقتاً قرار وپائیداری کی جگہ ہے وہاں کی راحتیں اور نعمتیں ہی پائیدار اور ابدی ہیں اور اگر عذاب وتکلیف ہے تو وہ بھی دائمی ہے۔ اس وجہ سے عقل کا تقاضا ہے کہ انسان دائمی اور پائیدار کی فکر کرے۔ عارضی

[1] بعض مفسرین نے فرعونیوں کی مختلف سازشوں کا ذکر کیا ہے۔ بہرکیف جو بھی وہ کر سکتے ہوں انہوں نے یقیناً اس میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا ہوگا مگر اللہ نے ہر چیز سے محفوظ رکھا۔ ۱۲

کو دائمی اور ابدی پر فوقیت دینا سراسر غلطی ہے۔ دوسری چیز اس مرد مومن نے یہ کہی کہ انسان کو کسی مرحلہ پر بھی یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ ہر عمل کا بدلہ اور نتیجہ مرتب ہو کر رہتا ہے۔ ایمان و عمل صالح کے ثمرات جنت اور جنت کے بے پایاں انعامات ہیں اور یہ نعمتیں حقیقت تو یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال کا معاوضہ نہیں قرار دی جا سکتیں کیونکہ یہ عمل کے مقام سے بہت بلند و بالا اور زائد ہوتی ہیں اس لیے کہ بے حساب ہوتی ہیں اور عمل تو ظاہر ہے کہ دائرۂ حساب میں ہی رہتا ہے اور محدود انداز و مقدار پر ہوتا ہے۔ محدود عمل پر غیر محدود اور بے حساب انعامات و نعمتیں کس قدر عظیم مہربانی ہے۔ اس سے بے نیاز ہو جانا کسی طرح بھی عقلاً درست نہیں ہو سکتا۔ تیسری بات یہ کہی کہ یہ کس قدر ظلم ہے کہ میں تم کو نجات کے راستہ کی طرف دعوت دوں اور تم نہ صرف یہ کہ اس سے انحراف و روگردانی کرو بلکہ الٹا مجھ ہی کو کفر و شرک کی دعوت دے کر ہلاکت میں ڈالنے کی فکر میں لگے ہوئے ہو تم مجھ کو ایسے بے بس و لاچار معبودوں کی طرف بلاتے ہو جو نہ دنیا میں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں کام آسکتے ہیں اور اس کے برعکس میں اس عزت و غلبہ والے رب کی طرف بلا رہا ہوں کہ نہ کوئی اس کے انعام و بخشش کو روک سکتا ہے اور نہ اس کے انتقام و سزا سے بچانے کی کسی میں جرأت ہے۔ چوتھی بات یہ کہی کہ سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ اس وجہ سے اب ہر ایک کو سوچ سمجھ کر اپنا طرز زندگی بنا لینا چاہیئے اور اس سے غافل نہ ہونا چاہیئے کہ جب خدا کے یہاں جانا ہوگا۔ انسان اپنے اس باغیانہ طرز عمل کا کیا جواب دے گا۔ بس سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسی سرکشی اور زیادتی کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔

آخیر میں یہ بھی کہہ ڈالا۔ دیکھو اب اگرچہ تم میری باتوں کو نظر انداز کر لو یا میری نصیحتوں پر ہنس لو اور مذاق اڑا لو مگر یاد رکھو عنقریب ایک وقت آئے گا کہ تم میری ان باتوں کو یاد کرو گے اور پچھتاؤ گے لیکن اس وقت پچھتانے سے کچھ کام نہ چلے گا۔ اپنے خطاب کے آخیر میں أُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ کہہ کر اس مرد مومن نے ہر مخلص و ناصح اور داعی الی اللہ کو یہ سبق سکھایا کہ اگر سرکش و مغرور لوگ اس کے پیغام رشد و ہدایت کو نہ سنیں اور نہ مانیں تو اسے اپنی بے بسی اور بیچارگی کا معاملہ اللہ کے حوالہ کر دینا چاہیئے وہی غیب سے اس کی مدد کرے گا اس کی کمزوری اور بے سروسامانی کو قوت و عزت اور غلبہ سے بدل دے گا اور ایسے سرکشوں کو ذلیل و ناکام بنائے گا وہی قادر مطلق اور فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ہے۔

وَأَنَّ مَرَدَّنَا کا لفظ بول کر یہ ظاہر کر دیا کہ اصل میں ہم سب خدا کی مخلوق ہیں۔ اسی نے ہم کو پیدا کیا اور یہ زندگی عارضی زندگی اور دنیا کا قیام وقتی قیام ہے۔ اصل مقام اور ٹھکانہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ چنانچہ اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ تو ان الفاظ میں فرعونیت کی دہریت کا بھی پورا پورا رد کر دیا۔

اس طرح مرد مومن کے خطاب کا یہ دوسرا حصہ پہلے حصے سے زائد بلیغ و مؤثر تھا اور فرعون کے باطل تخیلات کا پوری قوت اور دلائل کی شوکت کے ساتھ رد تھا۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ

آگ ہے کہ دکھا دیتے ہیں اُن کو صبح اور شام۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ

اور جس دن اُٹھے گی قیامت۔ داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت

الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ

عذاب میں۔ اور جب آپس میں جھگڑیں گے آگ میں، پھر کہیں گے

الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا

کمزور غرور کرنے والوں کو ہم تھے تمہارے پیچھے،

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

پھر کچھ تم ہم پر سے اُٹھا لو گے حصہ آگ کا؟

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ

کہیں گے جو غرور کرتے تھے ہم سبھی پڑے ہیں اس میں، اللہ فیصلہ

حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ

کر چکا بندوں میں۔ اور کہیں گے جو لوگ پڑے ہیں آگ میں

لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا

دوزخ کے داروغوں کو مانگو اپنے رب سے کہ ہم پر ہلکا کرے ایک دن

مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ

تھوڑا عذاب۔ وہ بولے کیا نہ آتے تھے تم پاس تمہارے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا

کھلے نشان لے کر؟ کہیں گے کیوں نہیں! بولے: پھر پکارو۔ اور کچھ نہیں پکارنا

الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع

کافروں کا، مگر بھٹکنا۔

بعد از ذکرِ عذابِ دُنیوی بیانِ عذابِ برزخ و آخرت ذلّت و خواری فرعونیاں

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا ... الیٰ ... اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ٥

(ربط) گزشتہ آیات میں آل فرعون کے مردِ مؤمن کا ناصحانہ خطاب کا بیان تھا کہ اس نے کیسے مؤثر و بلیغ اور مدلّل انداز سے فرعون اور فرعونیوں کو اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السّلام کو قتل کے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی اور اس سے آگے بڑھ کر ان کو حق کی دعوت دی اور اللہ ربّ العزت کی الوہیت و وحدانیت کے دلائل قائم کرتے ہوئے ایمان لانے پر آمادہ کرنا چاہا اور اللہ کی نافرمانی اور بغاوت پر مرتب ہونے والے نتائج سے آگاہ کیا۔ اب ان آیات میں جو عذاب خداوندی ان پر دنیا میں آیا اور جو برزخ اور آخرت میں ہوگا اس کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ فرمایا۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا الخ دوزخ کی آگ پر ان فرعونیوں کو پیش کیا جاتا رہے گا۔ صبح و شام۔ اور جب قیامت قائم ہوگی تو کہا جائے گا فرشتوں سے داخل کردو فرعونیوں کو سخت عذاب میں جو عالم برزخ کے عذاب سے بہت زائد سخت اور ہولناک ہوگا کیونکہ برزخ میں تو آگ کا صرف معاینہ اور قرب ہی ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں برزخی آگ سے یقیناً جہنم کی آگ زائد شدید ہوگی تو برزخ کے عذاب سے جہنم کا عذاب نہایت سخت ہوگا۔ اور اس عذاب سے بڑھ کر ایک مزید عذاب و کلفت کی چیز ہوگی جب کہ کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے تو نیچے درجے کے لوگ ان لوگوں سے کہتے ہوں گے جو بڑے تھے۔ اور ان کے مقتداء و پیشوا بنے ہوئے تھے ہم تو دنیا میں تمہارے تابع تھے اور تمہارے ہی ورغلانے سے ہم نے کفر کیا تھا تو کیا اس وقت تم ہم سے عذاب نار کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو۔ وہ بڑے کہیں گے ہم سب ہی دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم تمہاری کیا مدد کرسکتے ہیں جب کہ ہم بھی تمہاری طرح اسی عذاب میں مبتلا ہیں۔ اللہ تو بندوں کے درمیان فیصلہ کرچکا۔ اور اس صورت حال میں کہ تابعین اپنے متبوعین سے مایوس ہوچکے ہوں گے۔ اور متبوعین بھی اپنے کو بے بس پارہے ہوں گے تو یہ سب جو جہنم میں ہوں گے۔ جہنم کے نگران فرشتوں سے کہیں گے پکارو اپنے پروردگار کو کہ وہ ہم سے عذاب میں سے کسی ایک دن ہی کمی کردے تو ہم ایک دن کے عذاب کی تخفیف کو غنیمت سمجھیں گے کہ چلو ذرا ایک دن ہی کچھ سکون کا سانس لینا نصیب ہوجائے۔ یہ فرشتے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول دلائل و معجزات لے کر نہیں آئے تھے جس سے تم بخوبی حق و ہدایت سمجھ سکتے تھے۔ کہیں گے بے شک وہ سب کچھ لے کر آئے تھے لیکن یہ ہماری بدنصیبی کہ ہم نے ان کی

بات نہ مانی (جیسے کہ ارشاد ہے۔ بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا) اس پر فرشتے بولیں گے پھر اب ہم کچھ نہیں کر سکتے اور نہ تمہارے واسطے کوئی دُعا و التجا ہو سکتی ہے اور کافروں کی دعا بس بے اثر ہی ہو کر رہے گی اس لیے کہ اس دعاءؔ کا اثر اور اس کی قبولیت تو ایمان اور اطاعت پر موقوف ہے۔

عالم برزخ اور وہاں کا عذاب

عالم برزخ اور وہاں کا ثواب و عذاب اور راحت و تکلیف امر قطعی ہے اور جس طرح آخرت پر اور آخرت کے ثواب و عقاب پر ایمان ضروری ہے۔ اسی طرح برزخ کے ثواب و عقاب پر بھی ایمان و یقین ضروری ہے اور ایمان بالآخرۃ جو دین کی اصل بنیاد ہے وہ احوال برزخ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں، "برزخ" دنیا اور آخرت کے درمیان ایک درمیانی عالم کا نام ہے جس جگہ بھی اور جس حال میں بھی مردہ مرنے کے بعد سے لے کر یوم البعث تک رہے گا وہی برزخ ہے خواہ مردہ قبر میں دفنا دیا جائے یا سمندر میں ڈبو دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے یا کوئی جانور یا درندہ اس کو کھا لے۔ غرض اس جملہ احوال کا عنوان برزخ ہے اور اسی کو اصطلاحی طور پر قبر کہا جاتا ہے۔ اگرچہ قبر لفظی طور سے زمین کے گڑھے کو کہتے ہیں مگر شریعت کی نظر میں یہ جملہ احوال عالم قبر ہی شمار کیے جاتے ہیں۔ اس عالم برزخ کا ثبوت کتاب اللہ کی نص صریح ہے وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ میں موجود ہے۔ اسی لیے حضرات متکلمین عقائد کے سلسلے میں عذاب قبر کا ایک مستقل باب رکھتے ہیں۔

اس عالم کی وسعت کا ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ عالم دُنیا اس جہانِ برزخ کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک ماں کا پیٹ تمام دنیائے عالم کے سامنے۔ جس طرح حالت نوم موت و حیات کے درمیان ایک حالت ہے۔ ایسے ہی اس عالم برزخ کو دُنیا اور آخرت کے مابین عالم سمجھ لیا جائے۔ انسان کے مرجانے کے بعد دنیوی حیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور روح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر اپنے بدن کے ساتھ پھر بھی ایک گونہ گو تعلق باقی رہتا ہے۔ اور محل دفن سے بھی علاقہ رہتا ہے۔ قبر میں میت کو جو

ؔعلہ اس دعا کی قید اس وجہ سے ظاہر کی گئی کہ یہ دعا نجات یا تخفیف عذاب کی ہوگی اور قرآن کریم نے اللہ رب العزت کا فیصلہ واضح کر دیا کہ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔ رہا دنیا کا معاملہ تو ہو سکتا ہے کہ کافر کی بعض دعائیں اللہ تعالے اپنی شان ربوبیت کے لحاظ سے پوری فرما دے جیسے کہ رب العالمین ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ سب انسانوں اور جانوروں کی حاجتیں پوری فرماتا ہے تو اسی درجہ میں دنیا میں کافر کی دعا جو اس کی حوائج بشریہ سے متعلق ہو پوری ہو سکتی ہے لیکن یہاں کی دعا محض آخرت کے عذاب کی تخفیف یا نجات کی تھی تو ظاہر ہے کہ وہ کیونکر پوری ہو سکتی تھی تو بے اثر اور ضیاع کا تعلق امر آخرت میں ہوا۔ تو اس وجہ سے لفظ اس کا اضافہ کیا گیا۔ ۱۲

حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کی حیات معہودہ کی طرح نہیں بلکہ وہ دوسری نوع کی ہوتی ہے جس کا ان حواس سے ادراک نہیں ہوتا کیونکہ یہ بدنی حواس تو بدن کی موت سے ختم ہو چکے ہیں۔ ان ادراکات کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے حالتِ نوم میں انسان جو کچھ دیکھتا سنتا ہے وہ ان آنکھوں اور ان کانوں سے نہیں دیکھتا سنتا وہ تو حالت نوم میں معطل ہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے باطنی مدرکات ہیں جن کے ذریعہ یہ ادراک حاصل ہوتا ہے، بہرکیف مرنے کے بعد انسان جب اس جہان میں پہنچ جاتا ہے تو اس کو اپنے ایمان وکفر اور طاعت ومعصیت کی صورتیں عالم مثال میں نظر آتی ہیں۔

شیخ محی الدین ابن العربیؒ فتوحات میں فرماتے ہیں دنیا میں جو چیزیں معانی اور اوصاف ہیں عالم آخرت یا عالم برزخ میں وہ حقائق موجودہ کی شکل میں موجود نظر آئیں گی۔ اور ہر شخص ان کا مشاہدہ کرتا ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ مؤمن شخص قبر میں جب نکیرین کے سوال وجواب سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے ایک نہایت بہترین صورت ظاہر ہوتی ہے تو مؤمن دریافت کرتا ہے۔ من انت الخ کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے خیر نظر آرہی ہے تو جواب یہ ہوگا۔ انا عملك الصالح کہ میں تیرا نیک عمل ہوں اس کے برعکس کافر اور فاسق وفاجر کے سامنے ڈراونی ہیبت ناک شکل آئیگی۔ اور یہ شخص جب پوچھے گا کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے تو شر ٹپک رہا ہے اس پر یہ شکل جواب دے گی انا عملك الخبيث میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ الغرض یہ عالم برزخ عالم آخرت کا دیباچہ ہے۔ جیسا انجام نجات یا ہلاکت کا ہونا ہے اسی کے مطابق قبر ہی میں معاملہ شروع ہو جائے گا۔

حضرات عارفین کا قول ہے کہ قبر میں فقط روح سے سوال نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے ہوتا ہے اولاً روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کو ایک قسم کی حیات دینے کے بعد سوال کیا جاتا ہے متکلمین کی رائے ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد روح کا تعلق من وجہ اپنے جسد سے باقی رہتا ہے عالم برزخ میں روح کو جسم سے مفارقت کلی حاصل نہیں ہوتی۔ البتہ قیامت کے روز یہ تعلق جسم کیساتھ کامل ہو جائے گا۔ اور اس وجہ سے روح اور جسم دونوں کے آثار کلی طور پر ظاہر ونمایاں ہونگے انسان جسم اور روح سے مرکب ہے جیسا کہ ظاہر ہے دنیا میں تو جسم کے احکام ظاہر اور غالب ہوتے ہیں اور روح کے مغلوب ومستور۔ عالم برزخ میں روح کے احکام غالب وظاہر ہوں گے اور جسم کے مغلوب ومستور رہتے ہیں۔ بلکہ جسم کی ظاہری ہیئت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس دنیا میں روح کے احکام مستور ہوتے ہیں جس طرح کہ خود روح جسم میں مستور ہوتی ہے۔ اور حشر کے دن جسم اور روح دونوں کے احکام اور آثار برابر یکساں کر دیئے جائیں گے ان میں سے کوئی مغلوب ومستور نہ ہوگا بلکہ دونوں نمایاں اور برابر ہوں گے۔

شیخ عبدالکریم شہرستانیؒ "نہایۃ الاقوام" میں فرماتے ہیں کہ نکیرین کے سوال وجواب کے لیے روح کا تمام اجزاء بدن سے تعلق ضروری نہیں ہے بعض اجزاء بدن سے تعلق کافی ہے۔ کیونکہ زندگی میں بھی ادراک وشعور اور فہم مطلق جسم کے بعض اجزاء ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد قبر میں

اللہ تعالیٰ ان اجزاء مخصوصہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم فرما کر زندہ کر دیں گے اور نکیرین کا سوال وجواب دراصل انہی اجزاء مخصوصہ سے ہوگا اور پھر قیامت کے روز یہی اجزاء اصلیہ حشر ونشر کے وقت اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

(نہایۃ الاقوام للامام الشہرستانی۔ بحوالہ عقائد الاسلام حضرت مولانا محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ)

بہرکیف یہ آیات اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا۔ برزخ میں عذاب قبر ثابت کر رہی ہے اور یہ کہ یہ عذاب قبل از قیامت ہوگا جیسے کہ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ کی تصریح اس پر دلالت کر رہی ہے اور حبیب نجارؒ کے قصہ میں جن کو کفار نے شہید کر دیا تھا تو اُن کے متعلق ہے۔ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ کہ شہادت کے بعد ہی حکم ہوگیا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ اور جنت میں داخل ہوگیا تو اس کو تمنا ہوئی کاش میری قوم کو بھی اس نعمت وکرامت کا علم ہو جائے تاکہ وہ بھی ایمان لائے تو ظاہر ہے کہ یہ ثواب مرنے کے بعد قبل از قیامت ہوا۔ اس طرح سے ثابت ہوا کہ قبل از قیامت عذاب کی طرح ثواب قبر بھی ہے جو مؤمنین ومطیعین کے لیے ہوگا۔ اسی طرح آیت واقعہ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّۃُ نَعِیْمٍ۔ اور یہ سلسلۂ انعام مرنے کے بعد فوراً ہی ہے اور کفار کے حق میں مرنے کے بعد متصل احوال یہ ہیں فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّتَصْلِیَۃُ جَحِیْمٍ مہمانی کھولتے پانی کی اور جہنم کی آگ میں گھسنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا احادیث متواترہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔

عذاب قبر کی وحی قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یا مدینہ منورہ میں

فرعونیوں کے حق میں یہ آیات اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَّیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ سورۂ مؤمن کی آیات ہیں جو باتفاق ائمہ مفسرین مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورت ہے تو ان آیات میں عذاب قبر کا ذکر یہ بتلاتا ہے کہ قبل ہجرت مکہ ہی میں عذاب قبر کے بارے میں وحی نازل ہو چکی تھی۔ لیکن امام احمد بن حنبلؒ کی تخریج کردہ وہ حدیث جس کا یہ مضمون ہے کہ ایک یہودی عورت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آیا کرتیں اور حضرت عائشہؓ اسکی مدد فرمایا کرتیں تو جب بھی اسکے ساتھ کوئی احسان وغیرہ کرتیں تو وہ یہودیہ یہ دعا دیتی کہ وقاك الله عذاب القبر۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے بچائے۔ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ یہ یہودیہ جھوٹ بولتی ہے۔ اور یہ لوگ تو اللہ پر بہت ہی جھوٹے ہیں قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ پھر آپؐ کچھ دن گزرنے کے بعد ایک روز نصف النہار کے وقت اپنی چادر اوڑھے باہر نکلے۔ اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپؐ کی آنکھیں سرخ تھیں اور آپؐ باواز بلند فرما رہے تھے القبر کقطع اللیل المظلم کہ قبر تو رات کے تاریک ٹکڑوں کی طرح ہے۔ اے لوگو! اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو میں جانتا ہوں تو تم لوگ کثرت سے رویا کرو اور بہت کم ہنسا کرو۔ اے لوگو!

پناہ مانگو اللہ کی عذاب قبر سے۔ کیونکہ عذاب قبر حق ہے۔ اس حدیث کو اگرچہ بخاری و مسلم نے روایت نہیں کیا مگر یہ ان کی شرط پر ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث کا مضمون بھی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حدیثوں کو ذکر کرکے فرماتے ہیں کہ آیت و روایت میں تطبیق کے لیے یا تو یہ جواب دیا جائے کہ آیۂ قرآنیہ سے ارواحِ کفار کا عالم برزخ میں صبح و شام جہنم کی آگ پر پیش کیا جانا مراد ہے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کی اذیت و کلفت کا ان کے اجسام کے ساتھ قبور میں بھی اتصال و تعلق ہوگا تو قرآن کریم سے تو صرف اتنا ہی علم ہوا تھا کہ ارواح جہنم پر پیش کی جائیں گی۔ رہا اس اذیت و عذاب کا جسم تک پہنچنا یہ صرف احادیث کے ذریعہ معلوم ہوا۔ تو گویا عذابِ ارواح مکی وحی سے معلوم ہوا اور عذاب اجساد کا علم مدینہ منورہ میں ہوا۔ یا تطبیق کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آیت سے برزخ میں کافروں کے عذاب کا علم ہوا۔ یہ مضمون اس کی دلیل نہ تھا کہ مومن پر بھی قبر میں عذاب ہو سکتا ہے۔ پھر مدینہ منورہ میں اس یہودیہ کے قصہ کے بعد آپ کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا کہ مومن کی بھی قبر میں آزمائش ہوگی اور اس کے واسطے بھی اس کی معصیتوں پر عذاب قبر ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ انکم تفتنون فی القبور قریباً من فتنۃ الدجال۔

چنانچہ امام بخاری و مسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کی سند سے یہ حدیث تخریج فرمائی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی ان کان من اھل الجنۃ فمن اھل الجنۃ۔ وان کان من اھل النار فمن اھل النار۔ فیقال ھذا مقعدک حتی یبعثک اللہ عزوجل الی یوم القیٰمۃ۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح و شام پیش (اور ظاہر) کیا جاتا ہے اگر اہل جنت سے ہوتا ہے تو جنت والوں کا ٹھکانہ اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنم والوں کا ٹھکانہ۔ اور ان میں سے ہر ایک کو یہی کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ یہاں تک کہ تجھ کو اللہ عزوجل قیامت کے روز اٹھا لے۔

تطبیق کی یہی صورت بہتر معلوم ہوتی ہے کہ عذاب برزخ جو مکی آیات میں ہے وہ کافروں کے حق میں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ تصریح نہ تھی کہ مومن کے لیے بھی قبر میں عذاب و آزمائش ہے تا آنکہ بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں وحی کے ذریعے اس کی بھی تصریح کر دی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

اِنَّا لَنَنْصُرُ	رُسُلَنَا	وَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا
ہم مدد کرتے ہیں	اپنے رسولوں کی	اور	ایمان	والوں کی

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾

دنیا کے جیتے، اور جب کھڑے ہوں گے گواہ۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ

جس دن کام نہ آدیں منکروں کو ان کے بہانے؛

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا

اور ان کو پھٹکار ہے اور ان کو بُرا گھر۔ اور ہم نے دی

مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾

موسیٰ کو راہ کی سوجھ اور وارث کیا بنی اسرائیل کو کتاب کا۔

هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ

سوجھاتی اور سمجھاتی عقلمندوں کو۔ سو تو ٹھہرا رہ بیشک

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ

وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور بخشوا اپنا گناہ، اور پاکی

بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

بول اپنے رب کی خوبیاں شام کو اور صبح کو۔ جو لوگ جھگڑتے

يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ

ہیں اللہ کی باتوں میں، بغیر کچھ سند کے جو پہنچی ہو ان کو

اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ

اور کچھ نہیں ان کے جی میں غرور ہے، کہ کبھی نہ پہنچیں گے اس تک۔

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

سو تو پناہ مانگ اللہ کی، بیشک وہ ہے سنتا دیکھتا۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ

البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا، بڑا ہے لوگوں کے بنانے سے،

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي

لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے، اور برابر نہیں

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ۬ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اندھا اور دیکھتا۔ اور نہ ایماندار جو بھلے کام کرتے ہیں

وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ

اور نہ بدکار۔ تم تھوڑا سوچ کرتے ہو۔ تحقیق وہ گھڑی آنی

لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

ہے، اس میں دھوکا نہیں، لیکن بہت لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ

نہیں مانتے۔ اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ

پکار کو۔ بے شک جو لوگ بڑائی کرتے ہیں میری بندگی سے اب پیٹھیں گے

جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

دوزخ میں ذلیل ہو کر۔

پیغام بشارت بہ نصرت خداوندی و تلقین صبر و استقامت

وبیان ذلت و ناکامی اہل جدال و خصومت

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ..... الیٰ .... سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں مجرمین و کفار کی آخرت میں ایک دوسرے پر لعنت و ملامت کا ذکر تھا اور یہ کہ وہاں کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا۔ اور ایسے مجرمین کا مدد کے لیے چیخنا چلانا سب بیکار و ضائع ہوگا۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی نصرت اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی کامیابی کا بیان فرمایا اور صبر و استقامت کی تلقین فرمائی گئی۔ اور یہ کہ اللہ کی راہ میں جو بھی دشواریاں اور مشقتیں پیش آئیں۔ اللہ رب العزت اپنی قدرت سے ان کو دور فرماتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں۔ ارشاد فرمایا۔

بیشک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان لانے والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے ظاہر ہوگیا اور اس روز بھی جب گواہیاں دینے والے کھڑے ہوں گے۔ وہ اللہ کے فرشتے ہیں جنہوں نے بندوں کے اعمال لکھے اور وہ نامہائے اعمال لیے کھڑے ہوں گے اور وہ گواہی دیتے ہوں گے کہ اللہ کے پیغمبروں نے اللہ کے احکام اس کے بندوں کو پہنچا دیئے لیکن ان کافروں اور مجرموں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ان کی اطاعت نہ کی یہ قیامت کا روز ہوگا۔ جہاں کسی طرح کی معذرت و ندامت کام نہ آئے گی تو یہ وہ دن ہوگا کہ ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ اور ان کے واسطے لعنت ہوگی اور بہت ہی برا ان کے واسطے ٹھکانہ ہوگا۔ تو اسی طرح اے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بھی آپ کا پروردگار مدد کرے گا اور آپ کی تکذیب و انکار کرنے والوں کے لیے دنیا میں بھی لعنت ہوگی اور قیامت کے روز بھی شدید عذاب ہوگا اور بے شک ہم نے موسیٰؑ کو ہدایت دی اور اپنی وحی عطا کی اور بنی اسرائیل کو وارث بنایا کتاب کا۔ یعنی تورات کا جو ہدایت و نصیحت تھی عقل والوں کے لیے کہ اگر اہل عقل اپنی عقل سے کام لیتے تو ضرور وہ اس ہدایت سے منتفع ہوتے مگر اس بدنصیبی کا کیا علاج ہو کہ ایک بینا انسان اپنی آنکھیں بند کرلے اور سورج کی روشنی سے نفع نہ اٹھائے جس سے سارا عالم روشن ہے۔ اے پیغمبر اب یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ ان کو علوم و ہدایت اور کتاب الٰہی آپؐ کے ذریعے دی مگر یہ بجائے اس سے نفع اٹھانے کے اپنے آپ کو ہلاکت و گمراہی میں مبتلا کیے ہوئے ہیں تو آپ کفار مکہ کی ایذاؤں پر صبر کیجئے اور تسلی رکھیے بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے۔ اور اپنے قصور و فروگذاشت کی اللہ سے معافی طلب کیجئے اگر ان کفار مکہ کی ایذاؤں پر صبر و تحمل میں نبوت و رسالت کے مقام عالی کی نسبت سے کوئی کمی رہ گئی ہو۔ اور اپنے رب کی پاکی بیان کرتے رہئے۔ اس کی حمد و ثناء کے ساتھ صبح و شام تسبیح و تحمید قلب کی غذا ہے اس سے قلب کو تقویت حاصل ہوگی۔ اور ان تکالیف و شدائد کا برداشت کرنا آسان ہوگا۔ جو راہ حق میں آپؐ کو پیش آرہی ہیں اور ان جدال و خصومت کرنے والوں کی آپؐ ہرگز کوئی فکر نہ کریں یقیناً جو لوگ اللہ کی آیتوں میں خصومت اور جھگڑا کر رہے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل و حجت آچکی ہو۔ ایسے خصومت کرنے والے کبھی بھی کامیاب نہیں ہوا کرتے اور نہ ان کے جھگڑوں سے حق میں کسی قسم کا اشتباہ و التباس واقع ہوسکتا ہے۔

ان کی یہ خصومت تو بس غرور و تکبر ہی ہے ان کے سینوں میں کہ وہ کبھی بھی اس بڑائی تک نہیں پہنچنے والے ہیں۔ کہ جس بڑائی اور نخوت کے باعث ان کو آپ کے اتباع میں عار معلوم ہو رہا ہے وہ ہرگز اس بڑائی اور عزت کے مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے بلکہ انہیں ذلت و ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تو آپ پناہ مانگتے رہیے اللہ کی بے شک وہی سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے۔ جب وہ ہر بات دیکھتا اور سنتا ہے تو آپ کے دشمنوں کا کوئی فعل و قول بھی اس سے چھپا ہوا نہیں اور اس کی پناہ و حفاظت نہایت اعلیٰ اور مکمل پناہ ہے جس کو توڑنے کی کسی کو مجال نہیں ہو سکتی۔ آخر یہ منکرین آپ کی باتوں کو کیوں جھٹلاتے ہیں۔ اور کیوں نہیں قیامت پر ایمان لاتے۔ ان کو بعث بعد الموت پر کیا تعجب ہے۔ یقیناً آسمانوں اور زمین کا ابتداءً پیدا کرنا تو بہت بڑا کام تھا بہ نسبت انسانوں کے دوبارہ پیدا کرنے کے تو جب ایک بڑی عظیم قدرت کا نمونہ ان کے سامنے موجود ہے تو اس سے کم تر چیز کا کیسے انکار کر رہے ہیں۔ یہ چیز بلاشبہ عقل کے خلاف ہے لیکن اکثر لوگ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ کبھی ایسے حقائق اور شواہد پر غور نہیں کرتے۔ اور نہ ان پر کبھی اس طرح نظر ڈالتے ہیں کہ ان سے ایسی چیزیں سمجھ لیں۔ حالانکہ یہ دلائل سمجھنے کے لیے بہت کافی ہیں۔ اور بات یہ ہے کہ نابینا آدمی اور بینا آدمی برابر نہیں یقیناً ان میں تفاوت ہے اسی طرح انسانوں کا وہ طبقہ جو ان حقائق اور شواہد سے اللہ رب العزت کی معرفت حاصل کرتا ہے اور وہ طبقہ جو نابیناؤں کی طرح اس سے محروم رہتا ہے باہم بڑا تفاوت رکھتا ہے۔ اور جب ان دونوں طبقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے تو ظاہر ہے کہ اسی طرح ان کے انجام میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ اسی لیے یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے اور دوسرے وہ جو بُرے کام کرنے والے ہیں برابر نہیں یہ فرق اور بُعد ایسا واضح ہے کہ ہر انسان کو سمجھ لینا چاہیے لیکن بہت ہی کم ہیں ایسے جو سمجھتے ہوں اور عبرت حاصل کرتے ہوں۔ یہ مانیں یا نہ مانیں قیامت بے شک ضرور آکر رہے گی جس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں۔ مگر پھر بھی بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں اور ان کافروں کی مخالفت و سازشوں اور ان کی طرف سے پیش آنے والی تکلیفوں اور مشقتوں سے مت گھبراؤ۔ اے مسلمانو! تمہارے رب نے کہہ دیا ہے تم مجھ کو پکارو اور مجھ سے مانگو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ وہ درخواست جس میں تمہارے واسطے خیر اور فلاح ہو۔ اس لیے جب بھی سعادت و فلاح اور اہل ایمان کے غلبہ و کامیابی اور کافروں کی ناکامی کی دعا مانگو گے میں قبول کروں گا بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلت و رسوائی کے ساتھ بعد اس کے کہ دنیا میں بھی ان کی ذلت و رسوائی ہو چکی ہو گی کیونکہ ہمارا وعدہ جو انبیاء سے نصرت و کامیابی کا ہو چکا ہے وہ ضرور پورا ہوگا اور وہ نصرت و کامیابی جب دنیا میں بھی ہے تو بلاشبہ کفار و نافرمان دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے۔ اور آخرت میں جہنم میں بھی ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے۔

نُصرت خُداوندی کی صورتیں

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نُصرت کے معنی اگرچہ کامیابی اور مدد کے ہیں۔ لیکن کبھی نصرت خداوندی بدلہ لینے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے تو اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ بیشک ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کا کافروں سے بدلہ لیا کرتے ہیں چنانچہ جب بھی کفار نے اللہ کے کسی پیغمبر یا مؤمنین پر غلبہ پاکر ان کو قتل کیا یا ستا کر ہلاک کیا اگرچہ اس وقت اہل حق مغلوب ہوگئے۔ مگر منجانب اللہ کسی وقت بدلہ ضرور ان سے لیا گیا۔ جیسے کہ اس پر قرآن وحدیث اور تاریخ گواہ ہے۔

سوال شیخ ابو جعفر بن جریر رحمۃ اللہ نے آیت اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا پر ایک سوال وارد کیا اور پھر خود ہی اس کے دو جواب دیئے۔ فرمایا سوال یہ ہوسکتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام ایسے گذرے ہیں کہ ان کی قوموں نے ان کو قتل کر ڈالا مثلاً حضرت یحیٰی، زکریا اور شعیاء علیہم السلام اور بعض ایسے بھی گذرے ہیں کہ بے بس ولاچار ہوکر ان کو اپنی قوم سے ہجرت کرنی پڑی۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام اور کوئی ایسے ہوئے کہ قوم کے ظلم وستم سے بچانے کے لیے خدا نے انہیں آسمانوں پر اٹھا لیا اور اس طرح کافروں کے ظلم اور قتل وصلب کے ارادہ سے محفوظ کیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ان صورتوں میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی نُصرت وکامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ مغلوبی وناکامی معلوم ہوتی ہے۔ اس سوال کے دو جواب دیئے۔

پہلا جواب تو یہ ہوسکتا ہے یہ خبر عموم اور اکثریت کے درجہ میں ہے لہٰذا اگر بعض اس سے مستثنیٰ ہیں تو یہ ممکن ہے۔ لیکن اس جواب کو پسند نہ کرتے ہوئے دوسرا جواب یہ دیا۔

دوسرا جواب نُصرت سے مراد یہ ہے کہ انبیاء اور اہل ایمان کا کافروں اور ان کو ستانے والوں سے ضرور بدلہ لیا جائے گا۔ خواہ وہ بدلہ ان انبیاء اور ان ہی مؤمنین کی موجودگی میں ہو یا ان کے بعد۔ چنانچہ جن انبیاء کو کافروں نے قتل کیا۔ مثلاً حضرت یحیٰی، زکریا اور شعیاء علیہم السلام ان کے قاتلوں پر اللہ نے بعد میں ایک قوم کو مسلط کیا انہوں نے ان کو ذلیل کیا اور خوب ایذائیں پہنچائیں اور خون بہایا۔ اسی طرح نمرود کو خُدا نے بڑی ذلت کی موت مارا۔ اور جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا ارادہ کیا۔ خُدا نے ان پر بعد میں روم کو مسلط کر دیا تو اہل روم نے ان کو نہایت ہی ذلیل ورسوا کیا طرح طرح کی ایذائیں دیں۔ خون بہایا یہ تو دنیوی بدلہ ہو گیا اور اسی کی آخری قسط وہ ہوگی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے تو دجال کو اور یہود کو قتل کریں گے اور دنیا میں عدل وانصاف قائم کریں گے اور اللہ کی طرف سے امامت وقیادت کی عزت عطا کی جائے گی تو اس طرح خدا تعالےٰ حضرت عیسیٰؑ کی عزت وسربلندی ظاہر فرمائے گا۔ اور قیامت

کے روز جو بدلہ ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے۔

الغرض حق تعالیٰ کی یہ سنّتِ قدیم ہمیشہ سے جاری رہی کہ وہ اپنے مؤمن بندوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کے ظالموں سے بدلہ لے کر مؤمنین کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے حق تعالیٰ کی اس سنّت قدیم کو ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے نقل فرماتے ہیں، فرمایا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جو بھی میرے کسی دوست سے دشمنی کا معاملہ کرے، پس اس نے میرے مقابلہ میں اعلان جنگ کر دیا۔ اور میدان میں میرے سامنے نکل آیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ خداوندِ عالم نے قوم نوح، عاد و ثمود، قوم لوط اور اصحاب مدین اور ایسے اللہ کے رسولوں سے عداوت و مقابلہ کرنے والوں کا کیسا عبرت ناک انجام دنیا کو دکھایا اور سب سے اخیر میں خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کی اللہ نے کیسی مدد اور کامیابی فرمائی اور دشمنوں کو ذلیل ورسوا کر کے کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا اور لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا منظر دکھایا۔ گویا ایک وقت مغلوبیت کا گذرا، مکہ سے ہجرت بھی کرنی پڑی۔ مگر مظلومیت اور بے بسی کے اس دور کے ساتھ ساتھ ہی انصار کا گروہ مہیا فرما دیا جن کی زندگیاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والوں کے لیے سراپا نصرت ہی نصرت تھیں۔ پھر اللہ نے کفار پر جنگِ بدر میں غلبہ دیا۔ ان کے رؤسا اور سردار قتل کیے گئے۔ قید و بند کی ذلت سامنے آگئی فدیہ دیکر رہائی حاصل کرنا ہی اپنے ہاتھوں اپنی ذلت و پستی کو اختیار کر لینا تھا۔ تا آنکہ مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ وہی سردار وہی رؤسا قریش دست بستہ سرنگوں و شرمسار آپؐ کے سامنے معافی مانگتے ہوئے حاضر ہو رہے ہیں۔ اور آپؐ ان پر احسان فرماتے ہوئے یہ فرماتے جا رہے ہیں۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جزیرۂ عرب اور یمن آپؐ کا مطیع ہوا اور اہل کتاب جزیہ گذار ہو گئے۔ اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ پھر آپؐ کی رحلت کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں فارس روم۔ افریقہ، اندلس اور کابل تک فتوحات کا سلسلہ پھیل گیا۔ اور اسلام کا کلمہ اور دین کا غلبہ مشرق و مغرب میں دنیا نے دیکھ لیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْھَادُ باجماع مفسرین یہ دن قیامت کا دن ہے۔ اور اَلْاَشْھَادُ کی تفسیر ملائکہ سے کی گئی۔ جو بندوں کے نامہائے اعمال لیے میدان حشر میں موجود ہوں گے۔ سُوْٓءُ الدَّارِ کی تفسیر میں بعض مفسرین مثلاً سُدیؒ یہ بیان کرتے ہیں بئس المنزل والمقیل۔ یعنی بہت ہی بری اترنے کی جگہ اور بہت ہی بُری آرام گاہ۔ اور جہنم کو آرام گاہ کہنا ایسا ہوگا جیسے فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ میں لفظ بشارت استعمال کیا گیا۔ ابن عباسؓ اس کی تفسیر انجام کی تباہی اور بربادی سے فرمایا کرتے تھے۔

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث قدسی کا مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے فرمایا حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔ چار باتیں ہیں جن میں سے ایک میرے واسطے اور ایک ملے میرے بندے تیرے واسطے ہے۔ اور ایک میرے اور تیرے درمیان ہے

اور ایک وہ ہے جو تیرے اور میرے دوسرے تمام بندوں کے درمیان ہے۔

جو چیز میرے واسطے ہے وہ یہ ہے کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا۔ اور جو چیز تیری مجھ پر ہے وہ یہ ہے کہ جو بھی تو عمل خیر کرے گا اس کی جزاء میرے ذمہ ہے اور جو چیز میرے اور تیرے درمیان ہے وہ یہ کہ تو دعا کرے اور میں اس کو قبول کروں اور جو تیرے اور مخلوق کے درمیان ہے وہ یہ کہ تو ان کے واسطے وہی چیز پسند کر جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے۔ نعمان بن بشیرؓ کی حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الدُّعَاءَ ھُوَ الْعِبَادَۃُ یعنی دعا عبادت ہی ہے۔ اس وجہ سے دعا کے مضمون کو اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ پر مکمل فرمایا۔ اور اس سے ظاہر ہوا کہ استکبار عَنِ الْعِبَادَۃ جیسے کفر و نافرمانی ہے اسی طرح دعا سے اعراض و بے رخی کرنا بھی اسی کا مصداق ہے حدیث میں ہے آنحضرت ؐ نے فرمایا جو شخص دعا نہیں کرتا خدا اس پر ناراض ہوتا ہے۔

دعا اور دعا کی قبولیت کی تفصیل آیت وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ میں گزر چکی ہے۔ مراجعت فرمائی جائے۔

دعا کی حکمت اور اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کا راز

بارگاہ خداوندی میں انسان کے لیے سب سے بڑی عزت و عظمت اور قرب کا عمل دعا ہے۔ کیونکہ دعا عبدیت کا مظہر اتم ہے۔ اور حق تعالیٰ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر اسراء کا ذکر فرمایا تو عنوان سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا میں عبد کا لفظ اختیار فرمایا۔ اسراء چونکہ سب سے زیادہ عظمت و بلندی کا واقعہ تھا تو اس کو وصف عبدیت سے ذکر کرکے اشارہ فرما دیا گیا کہ عبدیت ہی تو وہ وصف ہے جو ان عظمتوں کا باعث بنا اور ظاہر ہے کہ دعا میں یہ جملہ باتیں موجود ہیں۔ دعا کرنے والا عجز و تواضع کا بھی رنگ رکھتا ہوگا۔ دعا کرنے والا اپنے احتیاج کا بھی یقیناً تصور رکھتا ہے۔ ساتھ ہی رب العزت کی عظمت و کبریائی کا اعتقاد بھی قلب میں راسخ اور تازہ ہوگا۔ اور اس التجا کے ضمن میں پروردگار عالم کا تعلق اور جذبہ محبت بھی حاصل ہوگا۔ اسی وجہ سے دعا مانگنے والا بندہ خدا کے نزدیک بڑی عزت کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اللہ کو اپنے بندہ کے مانگنے سے خوشی ہوتی ہے اور دعا نہ کرنا ایک قسم کا استغناء اور کبر ہے جو اللہ کو ہرگز پسند نہیں تو اس وجہ سے جو شخص دعا نہیں مانگتا خدا اس سے ناراض ہوتا ہے (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے) مخلوق کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا اور مانگنا ذلت ہے۔ لیکن خالق کے سامنے اپنی حاجت کو پیش کرنا اور اس سے مانگنا عزت کا ذریعہ ہے۔

یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ اور بندہ طرح طرح کی حاجتوں میں جکڑا ہوا ہے۔ انسان اپنی حوائج کی تکمیل کے لیے مادی اسباب مہیا کرنے کا مکلف ہے۔ لیکن مادی اسباب کی کامیابی اسی پروردگار

کے قبضۂ قدرت میں ہے اس لیے انسان کو صرف مادی اسباب پر بھروسہ اور اعتماد درست نہیں، باوجود اسباب ظاہرہ کے دعا کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ ظاہری اسباب کو یہ باطنی سبب کامیابی اور تکمیل کے مرحلے تک پہنچا سکے۔ جو لوگ صرف ظاہری اسباب کو کافی سمجھ کر دعا اور توجہ الی اللہ اور تضرع کو (العیاذ باللہ) بیکار سمجھتے ہیں وہ یقیناً عقل و دانش سے بعید ہیں۔ کیا دن رات کا یہ مشاہدہ نہیں کہ تاجر بازار میں دکان بھی لگاتا ہے، مال بھی رکھتا ہے اور جس قدر تدابیر ممکن ہیں انہیں بروئے کار بھی لاتا ہے لیکن بہت سے ہنرمند تاجر ناکامی اور خسارہ میں پڑتے ہیں اور بہت سے جو اس طرح کی تدابیر نہیں کرتے نفع اور کامیابی کی وہم و گمان سے بڑھ کر منزلیں طے کرتے ہیں یہ مشاہدات اس امر کا ثبوت ہیں کہ ہر مقصد کی کامیابی کے لیے صرف ظاہری وسائل و اسباب کافی نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور رحمت پر موقوف ہے اس لیے ضروری ہے کہ اسی سے مانگا جائے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے ایک ملفوظ میں ہے۔

جاننا چاہیئے کہ یہ عالم عالم اسباب ہے اور بندہ حاجتوں میں جکڑا ہوا ہے بندہ کو چاہیئے کہ وہ دوا بھی کرے اور دعا بھی کرے۔ دوا ظاہری سبب ہے اور دعا باطنی سبب ہے۔ جو لوگ جدید تعلیم کی وجہ سے طبعیات میں غلو رکھتے ہیں۔ ظاہر پرستی کی وجہ سے خفی اور معنوی اسباب تک ان کی نظر کی رسائی نہیں۔ ایسے لوگ دعا کو بیکار سمجھتے ہیں اور تمام آثار کو اسباب طبعیہ میں منحصر جانتے ہیں۔ ان آزاد منشوں نے اپنے گمان میں ایک قانون فطرت تجویز کر رکھا ہے اور اس کو بننے میں تو اللہ کے ماتحت مانتے ہیں مگر چلنے میں اس کا محتاج نہیں مانتے بلکہ نعوذ باللہ خود واجب الوجود کو اس کا تابع سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو خاص انتظام پر پیدا تو کر دیا لیکن وہ اب اس طرح خود بخود چل رہا ہے اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا جیسے گھڑی چابی دینے میں تو دوسرے کی محتاج ہے مگر اس کے بعد خود بخود چلتی رہتی ہے گویا کہ اب اللہ تعالیٰ کو بھی تغیر و تبدل کا اختیار نہیں اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کا اضطرار اور عجز لازم آتا ہے۔ اور یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشیئت اور اختیار سے خالی اور عاری ہے۔ جیسے فلاسفۂ یونان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بمعنی واجب الوجود حدوث عالم کی علت موجبہ اضطراریہ ہے۔ فلاسفۂ یونان باری تعالیٰ کے لیے اختیار اور ارادہ اور مشیئت کے قائل نہیں اور اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل با اختیار ہے ہر چیز کا وجود اور بقاء اور اس کی تاثیر اس کے ارادہ اور مشیئت پر موقوف ہے (انتہی کلامہ)

انسان بعض مرتبہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کی دعا قبول نہیں ہو رہی ہے تو اس کو یہ گمان نہ رکھنا چاہیئے کہ اَسْتَجِبْ لَكُمْ کا وعدۂ الٰہی پورا نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ ممکن ہے کہ میری دعا میں صرف ظاہری الفاظ ہوں۔ دعا کی روح اور حقیقت جو تضرع اور زاری ہے وہ اس میں نہ ہو گی۔ اور دعا میں جب روح ہی نہیں تو اس میں کیا اثر ہوگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جو دعا اس نے مانگی ہے وہ اللہ کے نزدیک خود اس کے لیے بہتر نہ ہو۔ انسان کا علم ہی قاصر ہے۔ اور فہم بھی ناقص۔ احکم الحاکمین ہی علام الغیوب ہے وہ بندہ کی مصلحتوں کو جانتا ہے تو بسا اوقات

بندہ جو دعا مانگتا ہے وہ خود اس کے واسطے مضر ہوتی ہے تو خدا کی رحمت یہی ہوتی ہے کہ اس دعا کی قبولیت نہ ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آداب دعا کی رعایت نہ کی ہو اس وجہ سے قبول نہیں ہو رہی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ شرائط دعا کی رعایت نہ کی ہو تو اثر ظاہر نہ ہو رہا ہو یہ بھی ممکن ہے کہ اس شخص کا کھانا پینا لباس وغیرہ سب کچھ حرام ہو تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ دعا کیسے قبول ہوگی۔ جیسے کہ حدیث میں ہے ایک شخص پراگندہ حال طویل سفر طے کرتے ہوئے دعا کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ ملبسہٗ حرام ومشربہٗ حرام وغذی بالحرام فانّٰی یستجاب یعنی اس کا لباس حرام اس کا کھانا پینا ہی حرام الغرض اس کی غذا ہی حرام ہے تو پھر ایسی صورت میں کہاں اس کی دعا قبول ہوگی۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ

اللہ ہے جس نے بنا دی تم کو رات

لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ

کہ اس میں چین پکڑو، اور دن دیا دکھاتا۔ اللہ تو فضل رکھتا

فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

ہے لوگوں پر، لیکن بہت لوگ حق نہیں

یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ

مانتے وہ اللہ ہے رب تمہارا ہر چیز بنانے والا،

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ

کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا، پھر کہاں پھرے جاتے ہو۔ اسی طرح پھرے جاتے

الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ

ہیں جو لوگ رہتے ہیں اللہ کی باتوں سے منکر ہوتے۔ اللہ ہے جس

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً

نے بنا دی تم کو زمین ٹھہراؤ، اور آسمان عمارت

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ

اور تم کو صورت بنائی پھر اچھی بنائیں صورتیں تمہاری ۔ اور روزی دی تم کو

الطَّيِّبٰتِ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ

ستھری چیزوں سے ، وہ اللہ ہے رب تمہارا ۔ سو بڑی برکت ہے اللہ کی جو رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ

ہے سارے جہان کا ۔ وہ ہے زندہ رہنے والا ، کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا ، سو اُسکو پکارو

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

نری کر کر اس کی بندگی ، سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا ۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

تو کہہ مجھ کو منع ہوا کہ پوجوں جن کو تم پکارتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَ

سوا اللہ کے ، جب پہنچ چکیں مجھ کو کھلی نشانیاں میرے رب سے اور

اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ

حکم ہوا کہ تابع رہوں جہان کے صاحب کا ۔ وہی ہے جس

خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ

نے بنایا تم کو خاک سے ، پھر پانی کی بوند سے ، پھر لہو

عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ

کی پھٹکی سے ، پھر تم کو نکالتا ہے لڑکے ، پھر جب تک پہنچو اپنے زور کو ، پھر

لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ

جب تک ہو جاؤ بوڑھے ۔ اور کوئی ہے تم میں کہ بھر لیا پہلے اس سے

وَلِتَبۡلُغُوۡۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝۶۷ هُوَ

اور جب تک پہنچو لکھے وعدے کو، اور شاید تم بوجھو۔ وہ

الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ‌ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ

ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر جب حکم کرے کسی کام کو، تو یہی کہے اس کو

لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۝۶۸

کہ ہو، وہ ہو جاتا ہے۔

بیانِ انعاماتِ خداوندی و ذکرِ دلائل قدرت و اسبابِ معرفت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَللّٰهُ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ .... الیٰ ... كُنۡ فَيَكُوۡنُ۔

(ربط) گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے انبیاء اور اہل ایمان کی نصرت و کامیابی کا قانون بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی تھی اور ساتھ ہی ساتھ تسلی بھی کی گئی۔ اور صبر و استقامت کی تلقین فرمائی۔ اب ان آیات میں اپنے انعامات عامہ اور خاصہ کا ذکر فرمایا۔ تاکہ ان سے اللہ کی معرفت حاصل ہو۔ اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لایا جائے تو فرمایا۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے آرام کے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو۔ اور اس نے دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس کی روشنی میں اپنے کاروبار انجام دے سکو۔ بے تکلف چل پھر کر کسب معاش کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے فضل و انعام والا ہے لوگوں پر کہ ان کے مصالح کی کیسی رعایت فرمائی۔ ان کی راحت اور کسب معاش کے کیسے اسباب پیدا فرمائے۔ لیکن اکثر لوگ ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے۔ ان انعامات کا تقاضا تو یہ تھا کہ خداوند عالم کی عبادت کرتے۔ اس کی عظمت و محبت قلب میں ہوتی۔ اور اس کی نافرمانی پر اس کے قہر و غضب اور ناراضگی سے ڈرتے۔ مگر اکثر لوگ نہ باتیں سمجھتے ہیں اور نہ سوچتے ہیں۔ حالانکہ یہ باتیں روز روشن کی طرح واضح ہیں کیونکہ اللہ تو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو پھر اے لوگو بعد اس کے کہ خدا کی خالقیت توحید اور الوہیت ظاہر ہے تم کہاں اُلٹے پاؤں شرک ہی کی طرف لوٹے جا رہے ہو اور گمراہی کے بیابانوں میں بھٹک رہے ہو۔ اے مخاطبین یہ بات آج تمہاری کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹکتے رہے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ خواہ وہ نشانات تکوینی ہوں یا وہ دلائل و احکام ہوں جو اللہ نے نازل کیے۔ آپ کو ایسی باتوں پر صدمہ اور فکر نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے اے انسانو!

تمہارے واسطے زمین کو قرار کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت کی طرح بنایا۔ اور تمہارا نقشہ بنایا۔ اور بہترین نقشہ بنایا کہ اس طرح کی خوبی جسم کی ساخت اور اعضا کا تناسب کسی بھی حیوان میں نہیں رکھا گیا۔ جیسا انسان میں رکھا چنانچہ ارشاد ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ اور تم کو عمدہ عمدہ پاکیزہ کھانے دیئے۔ اے لوگو! بس یہی تو ہے وہ خدا جو تمہارا رب اور معبود ہے جس نے تم کو بہترین شکل میں پیدا کیا۔ اور عمدہ عمدہ غذائیں اور نعمتیں کھانے کو دیں۔ سو بہت ہی عظیم برکت اور بزرگی والا ہے وہ اللہ جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ وہی حیّ لایموت ہے ازلی اور ابدی ہے کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جس کے سوا ہرگز کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ سو تم صرف اسی کو پکارو، اسی کی عبادت کرو۔ اسی کے واسطے اپنے اعتقاد خالص کرتے ہوئے۔ بے شک سب خوبیاں اسی اللہ کے لیے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ جب اللہ رب العزت کی قدرت خالقیت اور الوہیت وحدانیت سب کچھ ظاہر اور ثابت ہے تو آپ کہہ دیجئے ان مشرکین کو سنانے کے لیے اور شرک سے بیزاری و نفرت کا اعلان کرتے ہوئے بیشک میں تو منع کیا گیا ہوں اس چیز سے کہ میں عبادت کروں خدا کو چھوڑ کر ان معبودوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو خدا کو چھوڑ کر جب کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے نشانیاں آچکیں اور ایسے دلائل و شواہد جو عقلی بھی ہیں اور نقلی بھی۔ اور مجھ کو تو بس یہی حکم ہے کہ میں اسی اللہ کے سامنے سر جھکاؤں جو رب العالمین ہے۔

اے لوگو! عجیب بات ہے کیا تمہیں خبر نہیں۔ وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا کہ تمہارے باپ آدمؑ مٹی سے پیدا کیے گئے۔ پھر آئندہ ان کا سلسلۂ نسل اس طرح قائم کیا کہ تم کو نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے پھر تم کو بعد اس کے کہ بصورت حمل ماں کے رحم میں تخلیقی و تصویری مراحل مکمل ہوگئے ہوں نکالتا ہے ماں کے پیٹ سے بچہ کی شکل میں پھر تم کو زندگی دیتا ہے تا آنکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔ پھر اور بھی مزید حیات عطا کرتا ہے یہاں تک کہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور بعض تم میں سے وہ ہوتا ہے جو اس سے پہلے مرجائے۔ جوانی یا بڑھاپے کی نوبت ہی نہ آئے۔ غرض یہ سب کا حال علیحدہ علیحدہ ہے کوئی بوڑھا ہوا اور کوئی نہیں۔ کوئی جوان ہوا۔ اور کوئی اس سے پہلے ہی مرگیا اور یہ سارا تقدیری نظام اس وجہ سے کہ تم پہنچ جاؤ اس وقت پر جو مقرر و متعین کر دیا گیا ہے تو جو وقت جس انسان کا تقدیر خداوندی سے طے ہو چکا ہوتا ہے وہ اسی وقت تک پہنچتا ہے۔ کوئی طاقت اس وقت کو آگے پیچھے نہیں کر سکتی۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے۔ تاکہ تم لوگ ان احوال میں غور کر کے سمجھ جاؤ کہ دراصل وہی ایک ذات موت و حیات کی مالک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ وہی جِلاتا ہے وہی مارتا ہے۔ بس وہ جس بھی کام کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کے لیے کہہ دیتا ہے کُن (ہوجا) تو بس وہ ہوجاتا ہے۔ خواہ وہ کوئی چیز دفعۃً پیدا کرنا چاہے یا بتدریج جیسے بھی اس کی حکمت و مشیت ہو۔ اس کے مطابق وہ چیز ہو جاتی ہے۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے انعامات کے ذکر میں رات بنانے کی حکمت سکون کو بیان فرمایا کہ بندے دن کے وقت محنت اور نقل و حرکت کی مشقتوں کے بعد رات کی تاریکی اور خاموشی میں سکون و راحت حاصل کرلیں اور اس سکون

کے بعد پھر دن کی روشنی میں اپنے مشاغل انجام دیں لیں۔ دن کی روشنی بھی کتنا عظیم انعام ہے ظاہر ہے کہ کاروباری مصروفیات اور مشاغل حیات کی تکمیل بغیر روشنی کے کیسے ممکن ہوتی اللہ تعالٰی نے کتنا انعام فرمایا کہ دن کو روشن کر دیا۔ تو تکمیل مشاغل کے لیے جس چیز کی سب سے زیادہ حاجت تھی اللہ نے وہ عطا کر دی۔ اور راحت و سکون جس کے بغیر زندگی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا تھا وہ بھی رات کی تاریکی میں عطا فرما دیا۔ پھر آسمان کتنی عظیم مخلوق ہے۔ اس سے متعلق چاند سورج اور ستاروں کی کیسی عجیب اور عظیم شان ہے کس قدر فوائد و منافع انسانی حیات کے ان سے متعلق ہیں۔ ان تمام دلائل سے صرف نظر کسی بھی صاحب عقل انسان سے ممکن نہیں۔ نیز خود انسان کا وجود اس کی شکل و صورت کی خوبی اور اس کی خصوصیات و کمالات کتنے بلند پایہ دلائل ہیں پھر موت و حیات اور مدت حیات، لوازم حیات، غرض سب چیز کا تنہا وہی پروردگار مالک و خالق ہے جب ان تمام چیزوں میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر انسان کو یہ بات کیسے زیب دیتی ہے کہ وہ اس کی الوہیت میں کسی کو شریک کرے۔ انسان نہ اللہ کی قدرت کا انکار کر سکتا ہے نہ اس کی الوہیت و وحدانیت کا۔ ان احوال کے پیش نظر انسان کی یہ بڑی ہی بدنصیبی اور حماقت ہوگی کہ خالق کائنات اور قادر مطلق کی عبادت نہ کرے اور اس پر ایمان نہ لائے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کی تفسیر میں ابن جریرؒ سے منقول ہے فرمایا حضرات سلف کی ایک جماعت یہ کہا کرتی تھی کہ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے اس کو چاہئے کہ اس کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ بھی کہہ لیا کرے تاکہ اس آیت مبارکہ پر عمل ہو جائے۔ بروایت اعمشؒ مجاہدؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی نقل فرمایا کرتے تھے۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ۔ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔

اور یہ بیان کیا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ کلمات ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔
(صحیح مسلم۔ نسائی۔ تفسیر ابن کثیر جلد رابع۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ
تو نے نہ دیکھے ؟ جو جھگڑتے ہیں اللہ

اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ۝۶۹ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ
کی باتوں میں ، کہاں سے پھرے جاتے ہیں ؟ جنہوں نے جھٹلائی یہ کتاب ،

وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور جو بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ، سو آخر جان لیں گے ۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾

جب طوق پڑے ہیں ان کی گردنوں میں ۔ اور زنجیریں ، گھسیٹے جاتے ہیں ۔

فِي الْحَمِيْمِ ۥ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ

جلتے پانی میں ، پھر آگ میں ان کو جھونکتے ہیں ۔ پھر ان کو کہا ہے کہ

لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ

کہاں گئے جن کو شریک بتاتے تھے ! اللہ کے سوا ۔

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ

بولے ہم سے چوک گئے ، کوئی نہیں ہم تو پکارتے نہ تھے پہلے

شَـيْــــًٔـا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا

کسی چیز کو ۔ اسی طرح بچلاتا ہے اللہ منکروں کو ۔ یہ بدلہ اس کا

كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ

جو تم ریجھتے پھرتے تھے زمین میں ناحق ، اور اس کا جو تم

تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

اتراتے تھے ۔ پیٹھو دروازوں میں دوزخ کے ، سدا رہنے کو اس میں

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

سو کیا بد ٹھکانا ہے غرور والوں کا ۔ سو تو ٹھہرا رہ ، بے شک وعدہ اللہ

حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ

کا ٹھیک ہے ۔ پھر اگر کبھی ہم دکھا دیں تجھ کو کوئی وعدہ جو انکو دیتے ہیں یا

نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا

بھر لیں تجھ کو ، پھر ہماری طرف پھرے آویں گے ۔ اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول

مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ

تجھ سے پہلے ، کوئی ان میں ہیں کہ سُنایا تجھ کو ان کا احوال ، اور کوئی ہیں

مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ

کہ نہیں سُنایا ۔ اور کسی رسول کو مقدور نہ تھا ، کہ

يَّأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ

لے آتا کوئی نشانی ، مگر اللہ کے حکم سے ۔ پھر جب آیا حکم اللہ کا ،

قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۷۸﴾ ع

فیصلہ ہو گیا انصاف سے ، اور ٹوٹے میں آئے اس جگہ جھوٹے ۔

حیرت و استعجاب بر جدال مجادلین و مکذبین و وعید از عذاب آخرت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ .... الیٰ .... وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۔

(ربط) آیات سابقہ میں حق تعالےٰ نے اپنے انعامات اور دلائل قدرت کا ذکر فرما کر کفر و نافرمانی اور شرک پر وعید و تنبیہ فرمائی تھی اور یہ کہ انسان کی فطرت اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لائے۔ اب ان آیات میں جدال و خصومت کرنے والے منکرین پر تعجب و حیرت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کا حال جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔ عجیب بات ہے یہ کہاں بھٹک رہے ہیں بے شک جن لوگوں نے اس کتاب یعنی قرآن کریم کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جھٹلایا جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا تھا۔ جن میں احکام خداوندی تھے۔ معجزات و دلائل تھے۔ سو عنقریب ہی یہ لوگ جان لیں گے۔ بہر حال قیامت آئے گی اور اس کا آنا قریب ہی ہے کیونکہ نبی آخر الزمان کی بعثت ہی قرب قیامت کی علامت ہے تو یہ خوب جان لیں گے۔ جب کہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی کہ جن میں یہ جکڑے ہوں گے اور اس حال میں

گھسیٹے جا رہے ہوں گے کھولتے ہوئے پانی میں۔ پھر جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے پھر ان سے کہا جائے گا
کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جن کو تم شریک کرتے تھے عبادت والوہیت میں خدا کو چھوڑ کر۔ اس کے جواب
میں یہ لوگ کہیں گے وہ تو سب غائب ہو گئے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم تو اس سے پہلے بھی ان میں سے کسی
کو نہیں پوجتے تھے۔ کیونکہ ہم جانتے تھے یہ معبود بے جان اور بے حقیقت ہیں۔ ان میں نہ کوئی قدرت اور
نہ طاقت و اختیار یہ تو محض ہماری طرف سے ایک عناد تھا دین حق سے اور محض اپنے آباؤ اجداد کے رسم و
رواج کی پیروی تھی۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح بھٹکاتا ہے کافروں کو کہ
جس چیز کو وہ خود اپنی عقل و دانش سے لاشئی سمجھ رہے ہیں اسی کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ یہ سزا اے
کافرو اس وجہ سے ہے کہ تم دنیا میں خوش ہوتے تھے ناحق کہ ایسے باطل عقیدے اور غلط اعمال کو اچھا
سمجھتے تھے اور اس پر خوش ہوتے۔ اور اس وجہ سے کہ تم اترایا کرتے تھے[علہ]۔ کہا جائے گا جہنم کے دروازوں
میں گھسو۔ درآنحالیکہ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوگے۔ سو وہ متکبرین کا بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ اور اے
ہمارے پیغمبر جب آپ کے علم میں یہ آگیا کہ یہ مجرمین و متکبرین اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے تو اب ان
کافروں کی ایذاؤں اور ان کے طرز عمل پر نہ زیادہ رنجیدہ ہوجیئے اور نہ کسی قسم کا فکر و تشویش کیجئے۔ پس
آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ یقیناً پورا ہوکر رہے گا۔ پھر جس عذاب کا ہم وعدہ کر رہے
ہیں تو اس میں سے کچھ آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو اس سے قبل ہم وفات دے دیں۔ دونوں صورتوں
میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن بہرکیف وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے اس لیے اگر آپ کی حیات میں عذاب
نازل نہ ہو تو تب بھی وہ آخرت کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ اور اگر آپ کی حیات میں عذاب نازل
ہوگیا تو یہ عذاب ان کو آخرت کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا اس لیے کہ اصل عذاب تو وہی ہوگا جو
ہماری طرف لوٹا دیئے جانے کے بعد ہوگا، اور یہ بات آپ پیش نظر رکھیئے کہ ہم نے آپ سے پہلے
بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعضے تو وہ تھے کہ جن کا قصہ ہم نے آپ کو سنایا خواہ اجمالاً یا تفصیلاً
اور بعضے وہ تھے کہ جن کا ہم نے آپ کو کوئی ذکر نہیں سنایا اور کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ
کوئی نشانی لے آئے بغیر اللہ کے حکم اور اس کی مرضی کے اور اس طرح وہ ایسے معجزات و نشانیاں ظاہر کرنے
لگے جو اس پیغمبر کی امت چاہتی اور مطالبہ کرتی۔ تو اسی طرح یہ کفار مکہ آپ سے کچھ مخصوص نشانیاں اور
معجزات طلب کر رہے ہیں اور وہ اللہ کی حکمت و مشیت کے لحاظ سے آپ کو نہیں دی جائیں تو آپ
اس پر کوئی غم اور صدمہ نہ کیجئے۔ اللہ اپنی حکمت سے جب کوئی چیز چاہے گا ظاہر کر دے گا۔ ابھی

علہ فرح کا ترجمہ خوشی کیا گیا اور مرح کا ترجمہ اترانا۔ کیونکہ وضع لغت کے لحاظ سے فرح کا تعلق قلب سے
ہے اور اس کو خوشی کہا جاتا ہے اس کے بالمقابل مرح کا تعلق بدن سے ہے جس کو اترانا اور اکڑنا کہا جاتا ہے جس
کا اثر انسان کے بدن اور چال ڈھال پر نمایاں ہوتا ہے۔

صبر کریں۔ پھر جب اللہ کا حکم آجائے گا نزول عذاب کا خواہ دنیا میں یا آخرت میں تو فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ٹھیک ٹھیک اور اس وقت یہ باطل پرست خسارہ میں رہ جائیں گے۔ کیونکہ آخرت دار الجزا ہے۔ لہذا انسان نے دنیا میں جیسا عمل کیا اس کا بدلہ ویسا ہی ہوگا۔

تکذیب کتاب اور تکذیب رسول ہر ایک مستقلاً سبب عذاب ہے

آیت اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْکِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِہٖ رُسُلَنَا۔ میں بطریق عطف دو چیزوں کی تکذیب پر ان مکذبین کی سزا بیان کی ہے کیونکہ جن مشرکین و مکذبین کے پیش نظر یہ خطاب ہے وہ دونوں قسم کی تکذیب کے مرتکب تھے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ اگر دونوں کی تکذیب نہ ہو بلکہ ایک کی ہو تو پھر وہ معذب نہ ہوں گے بلکہ ہر ایک ان میں معذب اور مخلد ہونے کا سبب ہے۔ اور اس طرح کی مثالیں بکثرت کلام اللہ میں موجود ہیں۔ اور اہل لسان کے یہاں از روئے بلاغت یہ مفہوم معروف بھی ہے۔

عذاب حمیم و جحیم کی ترتیب اور حضرت تھانویؒ کی تحقیق انیق

اس سلسلۂ عذاب میں یہاں ترتیب یہ ذکر کی گئی۔ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ۔ گھسیٹے جائیں گے کھولتے ہوئے پانی میں ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ کہ پھر وہ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حمیم میں گھسیٹا جانا مقدم ہے اور اس کے بعد جہنم میں جھونکا جانا ہوگا تو بعض علماء مفسرین اسی کے پیش نظر اس بات کے قائل ہوئے کہ حمیم خارج جہنم ہے تو پہلے حمیم میں گھسیٹا جائے گا پھر جہنم میں داخل کیے جائیں گے اور ان حضرات نے سورۃ وَالصّٰفّٰتِ کی آیت ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَھُمْ لَاِلَی الْجَحِیْمِ کو اسی پر محمول کیا کہ حمیم پلانے کے وقت ان کو جہنم سے باہر لایا جائے گا۔ اور حمیم پلانے کے بعد پھر جہنم کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جیسا کہ لفظ مَرْجِعَھُمْ اس کا قرینہ ہے۔ لیکن بعض دیگر ائمہ اس کے قائل نہیں۔ ان کی نظر اس آیت پر ہے۔ خُذُوْہُ فَاعْتِلُوْہُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِہٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ۔ جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عذاب حمیم دخول جہنم کے بعد ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے عذاب حمیم کے لیے جہنم سے باہر کسی جگہ جانا نہیں ہوگا بلکہ یہ جہنم ہی میں ہوگا کہ ان کے سروں پہ یہ کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے ان اقوال یا اس اشکال کو بیان فرما کر بڑی ہی لطیف تحقیق فرمائی۔ فرمایا احقر کو آیات میں غور کرنے سے ظناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ میں انواع انواع کے عذاب ہوں گے۔ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ ان میں سے حمیم و جحیم بھی ہیں پس دونوں کا سلسلہ برابر جاری رہے گا پس ہر نوع باعتبار فرد کے دوسری نوع سے مقدم بھی ہے اور باعتبار دوسرے فرد کے اس سے مؤخر بھی ہے اور دوزخ کا اطلاق

کبھی حمیم کے مقابل پر آتا ہے (یعنی جحیم) کبھی حمیم سے عام مفہوم پر (جس میں دونوں داخل ہیں) کیونکہ حمیم کا حمیم ہونا خود اس نار کا اثر ہے پس اس کے ملابست عین ملابست بالنار ہے تو معنی اول کے لحاظ سے حمیم کو خارج از جحیم کہہ سکتے ہیں اور معنی ثانی کے اعتبار سے عدم خروج من النار کا حکم صحیح رہتا ہے (تو جس آیت میں دخول جہنم کے بعد عذاب حمیم کا ذکر ہے وہ اسی لحاظ سے ہے) اور اس تقریر پر تمام آیتیں جمع ہوگئیں (اور باہم ان میں کوئی تعارض نہ رہا۔) اور تائید اس تقریر کی اس آیت سے ہوتی ہے هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (تو طواف اسی معنی کی تائید کرتا ہے کہ تقدیم و تاخیر ایک نوع عذاب کی دوسری نوع کی ہوتی رہے گی) انتہی کلامہ بتوضیح یسیر۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا

اللہ ہے جس نے بنا دیئے تم کو چوپائے، تا سواری کرو کتوں پر، اور کتوں کو

تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً

کھاتے ہو۔ اور ان میں تم کو بہت فائدے ہیں، اور تا پہنچو ان پر چڑھ کر

فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾

کسی کام تک جو تمہارے جی میں ہو اور ان پر، اور کشتی پر لدے پھرتے ہو۔

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ

اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں، پھر کون کون نشانیاں اپنے رب کی نہ مانوگے! کیا

يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

پھرے نہیں ملک میں؟ کہ دیکھتے آخر کیسا ہوا

عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ

ان سے پہلوں کا؟ وہ تھے ان سے زیادہ

وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

اور زور میں سخت، اور نشانیوں میں جو چھوڑ گئے ہیں زمین پر، پھر کام نہ آیا ان کو

مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

جو کماتے تھے۔ پھر جب پہنچے ان پاس رسول اُن کے

بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ

کھلی نشانیاں لے کر، ریجھنے لگے اس پر جو ان کے پاس تھی خبر، اور اُلٹ پڑی

بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا

ان پر جس چیز پر ٹھٹھا کرتے تھے۔ پھر جب دیکھی انہوں

بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا

نے ہماری آفت، بولے ہم یقین لائے اللہ اکیلے پر، اور چھوڑیں جو

كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ

چیزیں شریک بتاتے تھے۔ پھر نہ ہوا کہ کام آوے ان کو یقین لانا ان کا،

لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ

جس وقت دیکھ چکے ہمارا عذاب، رسم پڑی ہوئی اللہ کی، جو چلی آئی ہے اس کے

عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع

بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر۔

ذکرِ انعامات و توحید رب العالمین۔ و تہدید منکرین و مشرکین

قال اللہ تعالیٰ۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ.... الی ... وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں سلسلۂ مضمون توحید خداوندی تھا اور دلائل قدرت کے بیان کے ساتھ مجرمین کے انجام ہلاکت پر افسوس و ملامت کا اظہار ہے۔ اور یہ کہ خود مجرمین آخرت میں اپنے اعمال پر کس قدر پچھتائیں گے۔ آیات میں مزید انعامات خداوندی ذکر فرما کر مضمون توحید اور منکرین و مشرکین

کی تہدید پر سورت کو ختم فرما دیا گیا۔ ارشاد ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے ہی نفع کے لیے مویشی بنائے تاکہ ان میں سے بعض سے تم سواری لو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ۔ اور بھی بہت سے فوائد رکھے کہ ان کے بال اون اور کھالوں سے نفع حاصل کرو۔ اور اس لیے کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنے اس مقصد تک پہنچ جاؤ جو تمہارے دلوں میں ہے۔ خواہ ملاقات ہو یا تجارتی سفر ہو یا تعلیم وتعلم۔ جہاد ہو یا حج کے لیے سفر ہو اور صرف یہی نہیں کہ تم ان پر سواری کرو بلکہ ان پر اور کشتیوں پر بھی تم لدے پھرتے ہو۔ تم اور تمہارا سامان ان پر لادا جاتا ہے نقل وحمل کا سلسلہ جاری ہے جس سے تمہارے معاشی مسائل حل ہو رہے ہیں اور حصول منافع کا سلسلہ قائم ہے اور بھی قدرت کی نشانیاں اللہ تم کو دکھاتا ہے سو تم اللہ کی نشانیوں میں سے کون کون سی نشانیوں (اور دلائل قدرت) کا انکار کرو گے۔ کیا ان لوگوں نے زمین کا سفر نہیں کیا ہے کہ دیکھ لیتے کیسا انجام ہوا ان منکرین کا جو ان سے پہلے گذرے ہیں جو ان سے زائد تھے اپنی تعداد میں اور ان سے زائد تھے اپنی طاقت اور نشانیوں کے اعتبار سے جو آثار و نشانیاں انہوں نے اپنی دولت و ثروت اور عزت و حکومت کی چھوڑیں مگر ان کے کچھ کام نہ آئیں یہ تمام باتیں جو کرتے تھے۔ اور وہ مادی تدابیر اپنی شان و شوکت کی اور اللہ کے پیغمبروں کے مقابلہ میں ہر طرح کی سازشیں۔ اور کسی طرح بھی وہ عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے۔ غرض جب ان کے پاس ان کے پیغمبر اللہ کی کھلی نشان لے کر آئے تو وہ اپنے اس علم پر خوش ہونے اور ناز کرنے لگے جو ان کے پاس تھا دنیوی اور معاشی علوم میں سے اور اس کے مقابلہ میں خدا اور اس کے رسول کے علم کو حقیر جانا تو آ پڑا ان پر عذاب اسی چیز کی بدولت جس کا وہ تمسخر و مذاق کر رہے تھے پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم ایمان لائے خدائے واحد پر اور ہم نے ان سب چیزوں کا انکار کیا جن کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اس وقت عذاب خداوندی کے ظاہر ہونے اور دیکھنے کے بعد تو کوئی ایمان لانا معتبر نہیں ہو سکتا تھا تو ان کا ایمان لانا ان کے واسطے کسی درجہ میں نافع نہیں ہوا جب کہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اس لیے کہ اب یہ ایمان بالغیب نہ رہا جب کہ عذاب کا مشاہدہ ہو گیا اور نہ اختیاری رہا بلکہ اضطراری ہو گیا۔ اور ایمان تو وہی معتبر ہے جو بالغیب ہو اور بحالت اختیاری ہو۔ اللہ کا یہی قانون اور طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے چلا آ رہا ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت جب کہ کافروں پر عذاب خداوندی مسلط ہو گیا اور ان کا ایمان بھی نافع و معتبر نہ ہوا تو خسارہ میں پڑ گئے۔ اللہ کا انکار و کفر کرنے والے۔ اور یہ خسارہ انتہائی اور آخری درجہ کا ہے کیونکہ اس کے بعد تو تلافی کا کوئی امکان ہی نہیں۔ نہ ایمان لانے کا وقت رہا۔ نہ توبہ کی مہلت رہی۔ بخلاف اس کے کہ اگر ایسے لوگ عذاب نازل ہونے سے پہلے کفر و نافرمانی کا تدارک کر لیتے تو تدارک ہو سکتا تھا۔

عہ تمام ائمہ متکلمین کا اجماع ہے کہ ایسا ایمان۔ ایمان یأس کہلاتا ہے۔ اور نص قرآنی سے ایسا ایمان ناقابل اعتبار قرار دیا گیا جیسے ارشاد فرما دیا گیا ـــــ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا۔ اسی طرح سکرات موت شروع ہو جانے پر بھی ایمان معتبر نہیں۔ اس کو ایمان یأس کہا جاتا ہے۔

بحث ایمان بائس و ایمان یاس

اب تو نہ پچھتانے سے کوئی فائدہ اور نہ توبہ و معذرت سے کوئی ثمرہ مرتب ہوگا۔

فرعون نے غرق ہوتے وقت جب ایمان لانا چاہا تو اس کو دھتکار دیا گیا کہ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ۔ کہ اب ایمان لاتا ہے اور حال یہ کہ پہلے سے نافرمانی کرتا رہا اور موت کے وقت یہی ایمان چونکہ ایمان بالغیب نہیں رہتا۔ اس لیے وہ بھی معتبر نہیں جیسے کہ ارشاد فرما دیا گیا۔ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ (تفصیل سابق میں گذر چکی) حدیث میں ارشاد ہے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ تعالٰی يقبل توبة العبد مالم يغرغر۔ یعنی کہ اللہ تعالٰی بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ غرغرہ یعنی نزع کی حالت میں نہ آجائے تو حق تعالٰی نے کافروں کی اس قدیم روش کا ذکر کرتے ہوئے نتیجۃً یہ فیصلہ فرما دیا کہ ایسا ایمان کسی درجہ میں بھی نفع بخش نہ ہوا اور منکرین و کافرین خائب و خاسر ہوئے۔

اللّٰھم احفظنا من الخسرين واحفظنا من غضبك وعذابك توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين غير خزايا ولا ندامى ولا مفتونين۔ آمين يارب العالمين۔ تم سورۃ المؤمن بفضل اللہ وتوفيقہ ولہ الحمد حمدًا كثيرًا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ حٰمٓ سجدہ

اسی کا نام سورہ فصلت بھی ہے۔ اسی کو بعض حضرات نے سورۃ المصابیح بھی کہا ہے باتفاق ائمہ مفسرین مکی سورت ہے جس میں ۵۴ آیات اور چھ رکوع ہیں سورہ مومن کے اکثر مضامین اثبات توحید و دلائل قدرت اور اثبات قیامت پر مشتمل تھے۔ اس سورت کے مضامین کا حاصل زیادہ تر اثبات رسالت ہے۔ اور ضمناً بعث بعد الموت اور حشر و نشر کو بھی ثابت کیا گیا۔ بالخصوص قریش کے لوگ جو توحید خداوندی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے سے اعراض کرتے تھے ان پر وعید و تہدید بھی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز قریش کے لوگ جمع ہوئے اور باہم مشورہ کرتے ہوئے کہنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ انہوں نے ہمارے

درمیان تفریق ڈال دی۔ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ان کے پاس جا کر بات چیت کرنی چاہیے ۔ دیکھیں کیا جواب دیتے ہیں۔ باہمی مشورہ سے گفتگو کرنے کے لیے عتبہ بن ربیعہ کو متعین کیا گیا۔ کیونکہ وہ ان میں سب سے زیادہ فصیح وبلیغ اور علم وفہم والا شخص شمار کیا جاتا تھا۔ عتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آ کر سلسلہ گفتگو اس طرح کیا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم یہ بتاؤ کہ تم بہتر ہو یا عبداللہ بہتر ہیں۔ آپ خاموش رہے پھر کہا آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب۔ اس پر بھی خاموش رہے۔ اس کے بعد خود ہی کہنے لگا کہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ آپ سے بہتر تھے اور آپ کے بزرگ تھے تو انہوں نے ان بتوں کی عبادت کی ہے جن کی تم برائی کرتے ہو۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ان سے اچھے ہو تو پھر بات کرو تاکہ ہم سنیں کہ وہ کون سی باتیں ہیں جن کے باعث تم اپنے کو ان سے بہتر کہہ سکتے ہو۔ اور ہمارے معبودوں کی قسم آپ سے بڑھ کر ہم نے کسی شخص کو اپنی قوم اور قبیلہ میں تفرقہ ڈالنے والا نہیں دیکھا۔ تم نے ہمارے خاندانوں کو جدا جدا کر دیا۔ تم ہمارے معبودوں کی برائی کرتے ہو۔ ہمارے دین کو برا کہتے ہو۔ اور تم نے ہمیں تمام عرب میں ذلیل کیا یہاں تک کہ یہ بات پھیل چکی ہے کہ قریش میں ایک جادوگر پیدا ہوا ہے۔ ان میں ایک کاہن ہے اب کیا اس بات کا انتظار ہے کہ ہماری قوم میں ایک آواز بلند ہو اور پھر ایک دوسرے کے بالمقابل تلوار لے کر میدان میں نکل آئے۔ اے شخص اگر تمہیں مال کی ضرورت ہے تو کہہ دو۔ ہم سب قبیلے مال جمع کرکے اتنا دے دیں گے کہ تم عرب کے سب سے زائد مالدار آدمی ہو جاؤ گے۔ اگر سرداری چاہتے ہو وہ ہم ماننے کو تیار ہیں اور اگر نفس کی کوئی خواہش ہے تو وہ بھی پوری کر دی جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ کی یہ تمام گفتگو سنتے رہے۔ جب وہ بول کر خاموش ہوا تو آپ نے فرمایا کہہ چکا جو کچھ کہنا تھا اس نے کہا جی ہاں تو آپ نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر اس سورت مبارکہ کی ابتداء سے تلاوت شروع فرمادی حٰمٓ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ یہاں تک کہ جب آپ پڑھتے پڑھتے آیت فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَۃً آخر آیت تک پہنچے تو عتبہ جو اب تک سر جھکائے بڑی محویت سے سن رہا تھا بولا بس بس[عہ]۔ اگر آپ کے پاس کوئی اور کلام ہو تو سناؤ۔ آپ نے فرمایا میرے پاس تو یہی کلام ہے اللہ کا جو اس نے مجھ پر نازل کیا۔ عتبہ واپس لوٹا تو لوگوں نے پوچھا کیا کر کے آیا۔ کہا جو کچھ تم لوگوں نے کہا تھا وہ سب کچھ میں نے ان سے کہا۔ مجھے تو اس میں سے کچھ سمجھ میں نہیں آیا بجز اس کے کہ اَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَۃً مِّثْلَ صٰعِقَۃِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ۔ کہ میں تمہیں ایک چیخ سے ڈراتا ہوں جو عاد وثمود پر عذاب قہر کی چیخ کی طرح ہوگی یہ لوگ کہنے لگے عجیب بات ہے کہ وہ عربی میں بول رہے تھے۔ تو عرب کا فصیح اللسان ہوتے ہوئے بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔ کہنے لگا بس میں تو صاعقہ کے ذکر کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھا۔ ایک روایت میں ہے کہ قریش کے لوگ کہنے لگے خدا کی قسم ابوالولید (عتبہ کی کنیت تھی) تو اس حالت سے

عہ ایک روایت میں ہے کہ اس نے گھبرا کر آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا بس بس۔ ۱۲

بدل کر آیا جس حالت میں یہاں سے گیا تھا۔ یعنی بدلا ہوا نظر آرہا ہے۔ عتبہ نے کہا خدا کی قسم جو قول میں نے اس سے سُنا ہے وہ نہ شعر ہے نہ کہانت ہے اور نہ سحر ہے تم اس کا مقابلہ نہ کرو۔ اگر دوسرے عرب قبائل نے اس کو مغلوب کر دیا تو وہی تمہیں کفایت کر جائیں گے اور اگر وہ غالب آگیا تمام عرب پر تو اس کا ملک تمہارا ملک ہوگا اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور تم دنیا میں سب سے زیادہ سعادت وعزت والے ہوجاؤ گے۔ قریش کے لوگ یہ سُن کر بولے اے ابوالولید اس نے اپنے کلام سے تجھ پر بھی جادو کر دیا۔ عتبہ یہ سُن کر کہنے لگا اچھا پھر تمہاری مرضی جو چاہو کرو۔

آیاتها ۵۴ — ۴۱ سُورَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۱ — رکوعاتها ۶

سورۂ حٰم سجدہ مکی ہے اس میں چوّن آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ كِتٰبٌ

کچھ اُتارا ہے بڑے مہربان رحم والے سے۔ کتاب ہے کہ

فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝٣

جُدی جُدی کی ہیں اُس کی آیتیں قرآن عربی زبان کا، ایک سمجھ والے لوگوں کو۔

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا

سناتا خوشی اور ڈر، پھر دھیان نہ لائے وہ بہت لوگ پھر وہ نہیں

يَسْمَعُوْنَ ۝٤ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا

سُنتے۔ اور کہتے ہیں ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جس

تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَ

طرف تو ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے تیرے

بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۞ قُلْ اِنَّمَآ

بیچ میں اوٹ ہے ، سو تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں ۔ تو کہہ میں بھی

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

آدمی ہوں جیسے تم ، حکم آتا ہے مجھ کو کہ تم پر بندگی ایک حاکم کی

وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ

ہے ، سو سیدھے رہو اس کی طرف ، اور اس سے گناہ بخشواؤ ۔ اور خرابی

لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

ہے شریک والوں کو ۔ جو نہیں دیتے زکوٰۃ ، اور وہ

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

آخرت سے منکر ہیں ۔ البتہ جو یقین لائے ، اور

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۞

کیے بھلے کام ، ان کو نیگ ملنا ہے جو بس نہ ہو ۔

حقانیت قرآن کریم و رسالت سید المرسلین ﷺ و انجام مکذبین و منکرین و اجر و ثواب مومنین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ۔ حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ... الی .... لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۔

(ربط) جیسا کہ گذشتہ کلمات میں ذکر کیا گیا کہ پہلی سورت مضامین توحید پر مشتمل تھی اب اس سورت میں قرآن کریم کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنا مقصود ہے ۔ اور یہ کہ منکرین کا انجام کس طرح ہلاکت و تباہی کا ہوگا اور اہل ایمان کس اجر و ثواب سے نوازا جائے گا ۔ ارشاد فرمایا ۔

حٰمٓ خدا ہی اس کی مراد خوب جانتا ہے ۔ یہ کلام نازل کیا جارہا ہے رحمٰن و رحیم کی طرف سے جو ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں اس طرح کہ یہ قرآن ہے عربی زبان میں تاکہ اہل عرب اس کے معارف و معانی بسہولت سمجھ کر ایمان لے آئیں اور بہت سہولت سے یہ جان لیں کہ کسی بشر کا کلام

نہیں کیونکہ وہ عربی ہیں فصاحت و بلاغت کے امام ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر عرب کا کوئی امی عربی کلام پیش کر رہا ہے تو ان فصحا و ادبا کو اس سے بڑھ کر کلام پیش کر دینا چاہیئے۔ چہ جائیکہ وہ مقابلہ سے عاجز رہیں۔ اور عاجز رہنا بلا شبہ اس کا ثبوت ہوگا کہ یہ کلام بشر نہیں۔ بہر کیف یہ اللہ کا کلام قرآن عربی سامان ہدایت ہے۔ اس قوم کیلئے جو عقل رکھتی ہو۔ جو ماننے اور عمل کرنے والوں کے واسطے بشارت سنانے والا ہے اور انکار و نافرمانی کرنے والوں کے لیے ڈرانے والا ہے۔ قرآن حکیم اور ان صفات کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایسی عظیم کتاب ہدایت پر سب لوگ ایمان لاتے۔ لیکن اکثر لوگوں نے اس سے روگردانی کی پھر وہ اپنے دلی عناد و نفرت کی وجہ سے سنتے ہی نہیں ہیں۔ اور جب ان کو حق و ہدایت کی طرف دعوت دیتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو غلافوں اور پردوں میں محفوظ ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہم کو بلا رہے ہیں۔ اس لیے آپ کی کوئی بات بھی ہمارے دل قبول نہیں کرتے۔ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اس لیے اصل میں ہمیں آپ کی بات سنائی ہی نہیں دیتی۔ اور ہمارے آپ کے درمیان تو ایک حجاب رکاوٹ اور پردہ ہے تو اس صورت میں آپ کی طرف نہ رُخ ہو سکتا ہے اور نہ قلبی میلان ہو سکتا ہے لہٰذا آپ اپنا کام کیے جائیے ہم اپنا کام کر رہے ہیں اب ہم سے کسی طرح کی امید و توقع رکھنے کی ضرورت نہیں۔ آپ فرما دیجئے میں اس بات کی تو قدرت نہیں رکھتا کہ زبردستی تمہارے دلوں کو ایمان کی طرف پھیر دوں۔ اور تمہیں اس کے قبول کرنے پر مجبور کر دوں۔ بس میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں اور کسی بشر کو یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی کا دل پھیر دے۔ یہ قدرت اور طاقت تو صرف رب العالمین کو ہے۔ البتہ یہ شرف اور برتری اور امتیاز مجھ کو عطا کیا گیا ہے کہ مجھ پر اللہ کی وحی نازل کی جاتی ہے جو عین عقل و فطرت کے مطابق ہے وہ یہ کہ لے لوگو! بس تم سب کا معبود تو صرف ایک ہی خدا ہے۔ اس لیے بس اس کی طرف تم اپنا رخ پوری استقامت و پختگی کے ساتھ کر لو نہ کسی اور کی عبادت کرو۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں بس اس کی پیروی کرو۔ اور آج تک جو قصور و گناہ سرزد ہوئے ان کی اسی سے معافی مانگو۔ اور اصل حقیقت تو یہ ہے کہ شرک کرنے والوں کے لیے بڑی ہلاکت و تباہی ہے۔ جو زکوٰۃ[1] نہیں دیتے اور آخرت کا انکار ہی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کے بالمقابل جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے واسطے آخرت میں ایسا اجر ہے جو کبھی بھی منقطع ہونے والا نہیں۔ کیونکہ آخرت کی ہر نعمت دار الخلد کی نعمت ہے اور ان نعمتوں کو زوال و فنا نہیں۔ جیسے کہ ارشاد ہے۔ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ کہ یہ ایسی عطا ہے جو کبھی قطع نہیں کی جائے گی۔

---

[1] یہ سورت مکی ہے اور زکوٰۃ کا حکم مدینہ میں نازل ہوا اور پھر شرک کرنے والوں کا حال بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا جانا کہ ہلاکت ہے ان مشرکین کے لیے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو باعث تردد ہوتا ہے کہ مشرک زکوٰۃ کیا ادا کریں گے اور عدم ادائیگی پر وعید کا کیا مفہوم ہو سکتا ہے۔ اس لیے اگر یہاں زکوٰۃ کا لغوی مفہوم طہارت و پاکی کا لحاظ کرتے ہوئے ترجمہ اس طرح کر لیا جائے۔ "جو پاکی اور طہارت نہیں حاصل کرتے تو یہ اشکال رفع ہو جائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ کہ ان انعامات کا کبھی خاتمہ نہیں ہے۔

قبولِ حق اور ہدایت سے محرومی کے اسباب

قبولِ حق اور ہدایت سے محرومی اور بدنصیبی کے بیان میں ان تین چیزوں کا ذکر کیا قُلُوبُنَا فِيٓ أَكِنَّةٍ فِيٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ۔ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ۔ یعنی دلوں کا غلافوں میں مستور ہونا۔ کانوں میں ڈاٹ کی بندش اور درمیان میں پردہ۔ علامہ ابوحیانؒ بیان فرماتے ہیں کیونکہ قلب ہی معرفت کا محل ہے اور سمع و بصر (کان اور نگاہ) دونوں اس کے واسطے معین ہیں۔ تو کفار مکہ نے اپنی بدنصیبی اور محرومی کے ذکر میں انہی تینوں کو بیان کیا کہ یہ تینوں ذرائع مسدود اور محجوب ہیں۔ لہٰذا جو کچھ بھی اللہ کا رسولؐ ان کی طرف القاء کرے اس کا کوئی اثر ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ قُلُوبُنَا فِيٓ أَكِنَّةٍ میں لفظ فی کی تعبیر مبالغہ اور شدت کے ظاہر کرنے کے لیے ہے اگرچہ قلب کے محجوب ہونے کا مفہوم عَلٰى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً کے لفظ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے جیسے کہ خود آیۃ قرآنیہ إِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِيٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا میں "علی" استعمال کیا گیا۔ مگر ان کفار نے وحی الٰہی اور ہدایات رسول سے غایت تنفر اور بغض کے باعث یہ کہا فِيٓ أَكِنَّةٍ کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں کہ غلاف بمنزلہ ظرف کے محیط ہیں اور قلوب بمنزلہ مظروف اسی کے اندر سمائے ہوئے ہیں۔ یعنی جس طرح کوئی چیز ہر جانب سے کسی غلاف میں لپٹی ہوئی ہو۔ اسی طرح ہمارے قلوب بھی ہیں کہ کوئی گوشہ اور جانب خالی نہیں کہ اس سمت اور رُخ سے قلب میں حق داخل ہو سکے۔ اس لیے لفظ فی استعمال کیا گیا۔ اس کے بالمقابل اس دوسری آیت إِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً میں حق تعالیٰ کی طرف سے صرف حکایت تھی اور یہ بتانا تھا ان کے دل قبولِ حق اور اس کی معرفت سے محروم کر دیئے گئے ہیں کہ ان پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور ضرورت نہ تھی کہ شدت و مبالغہ اور تنفر کا اظہار کیا جائے جو لفظ فی کے استعمال سے ظاہر ہو رہا ہے تو اس وجہ سے اس آیت میں جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً کی تعبیر اختیار فرمائی گئی۔ اگرچہ نفس مراد کی ادائیگی میں دونوں عنوان ایک ہی درجہ رکھتے ہیں لیکن ہر مقام کی خصوصیت کے پیش نظر ظاہر ہوا کہ اس موقعہ پر قُلُوبُنَا فِيٓ أَكِنَّةٍ کی تعبیر میں وہ بلاغت اور معنوی لطافت ہے جو اس جگہ لفظ علیٰ میں حاصل نہ ہوتی اور وہاں اللہ رب العزت کی طرف سے ایک حالت کا بیان ہے اس میں اس طرح کی شدت کا بیان ضروری نہیں تو وہاں لفظ علیٰ ہی بلیغ ہے۔ اگر وہاں علیٰ کے بجائے فی استعمال کیا جاتا تو وہاں وہ بلاغت نہ رہتی۔ جو لفظ علیٰ کے استعمال میں ہے بلکہ اصول عربیت کی رو سے یہ زائد از ضرورت کے درجہ میں شمار ہوتا۔[1]

---

[1] علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی جلد ۲۴ ص ۸۵ پر آیت مذکورہ میں فی کے استعمال کی حکمت وَفِيٓ اٰذَانِهِمْ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

اور کلام میں ایسی تاکیدات کا لحاظ کرنا جس کی ضرورت نہ ہو معیار فصاحت و بلاغت سے کلام گرانے والا ہوتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ کو اس مقام پر جو صفت مشرکین بیان کیا گیا یا تو اس لحاظ سے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی تو ایمان کے بعد ہو سکتی تھی تو جب ایمان ہی سے محروم رہے تو زکوٰۃ کی کیا نوبت آسکتی ہے یا زکوٰۃ لغوی معنی طہارت کے لحاظ سے استعمال کیا گیا کہ تقویٰ و طہارت کے کام انجام نہیں دیتے۔ خواہ وہ طہارت و پاکیزگی کا شعبہ انفاق مال سے متعلق ہو یا اخلاق و معاملات اور معاشرت سے ہو۔ مراد یہ کہ ایسی کوئی بھی چیز انجام نہیں دیتے۔ اس دوسرے مفہوم کو پیش نظر رکھنے سے وہ اشکال بھی دور ہو جائیگا کہ جو اس سورت کے مکیہ ہونے کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم تو مدینہ منورہ میں نازل ہوا تو پھر مکی سورت میں اس کا ذکر کیسے ہے۔ یہی چیز آیت المؤمنون اور آیت سورۃ المزمل میں زکوٰۃ کے ذکر میں کہی جا سکتی ہے اگرچہ یہ تاویل بھی ممکن ہے جو بعض حضرات سلف سے نقل کی گئی کہ اصل حکم زکوٰۃ کا مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہو چکا تھا۔ مگر اس کی تفصیلات اور نصاب و مقدار کا تعین مدینہ منورہ میں ہوا۔ گو یہ چیز کسی واضح اور صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ بہرکیف یہاں مشرکین کے اوصاف میں عدم ادائے زکوٰۃ کا ذکر یا اس بنا پر ہے کہ وہ ایمان سے محروم ہیں۔ زکوٰۃ کا تو کیا تصور کیا جائے۔ یا اس حیثیت سے کہ وہ تقویٰ و طہارت کے کام نہیں کرتے۔ اور ظاہر ہے کہ شرک جو سب سے بڑی گندگی ہے۔ اسکے ہوتے ہوئے طہارت کا کیا مقام ہو سکتا ہے۔

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ

تو کہہ کیا تم منکر ہو؟ اس سے جس نے بنائی

الْأَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ

زمین دو دن میں اور برابر کرتے ہو اسکے

أَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹ وَجَعَلَ

ساتھ اوروں کو؟ وہ ہے رب جہان کا۔ اور رکھے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) وَقْرًا کی رعایت بیان فرمائی ہے کہ کان مستقر ہوتے ہیں۔ وقر اور بوجھ کے، تو اس کی مناسبت سے قلوب کے پردوں میں بھی فی استعمال کر لیا گیا ہے اگرچہ علیٰ اور فی سے ایک ہی معنیٰ حاصل ہوتے ہیں۔ ناچیز نے جو کچھ بتوفیق خداوندی عرض کیا۔ وہ اس کے علاوہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر جگہ پر استعمال کیا ہوا لفظ ہی بلیغ ہے اور اس میں ایک ایسا نکتہ ہے جو اسی لفظ سے مفہوم ہو سکا ہے۔

فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ

اس میں بوجھ اوپر سے ، اور برکت رکھی اس کے اندر اور ٹھہرائیں

فِيهَآ أَقْوَاتَهَا فِيٓ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ ﴿١٠﴾

اس میں خوراکیں اس کی چار دن میں، پوری پوچھنے والوں کو۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا

پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا، پھر کہا اس کو

وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَآ أَتَيْنَا

اور زمین کو آؤ دونوں خوشی سے یا زور سے۔ وہ بولے ہم آئے

طَآئِعِينَ ﴿١١﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِي يَوْمَيْنِ

خوشی سے۔ پھر ٹھہرائے وہ سات آسمان دو دن میں،

وَأَوْحٰى فِي كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ

اور اُتارا ہر آسمان میں حکم اس کا۔ اور رونق دی ہم نے

الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ

ورلے آسمان کو چراغوں سے۔ اور نگہبانی۔ یہ سادھا ہے زبردست

الْعَلِيمِ ﴿١٢﴾ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً

خبردار کا۔ پھر اگر وہ ٹلا دیں تو تُو کہہ میں نے خبر سنا دی تم کو ایک

مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ﴿١٣﴾ إِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ

کڑاکے کی جیسا کڑاکا آیا عاد اور ثمود پر۔ جب آئے ان کے پاس رسول

مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوٓا

آگے سے اور پیچھے سے ، کہ نہ پوجو کسی کو

إِلَّا اللَّهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً

سوا اللہ کے، کہنے لگے، اگر ہمارا رب چاہتا تو اتارتا فرشتے،

فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۱۴﴾ فَأَمَّا عَادٌ

سو ہم تمہارے ہاتھ بھیجا نہیں مانتے - سو وہ جو عاد

فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ

تھے غرور کرنے لگے ملک میں ناحق کا اور کہنے لگے کون

أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي

ہے ہم سے زیادہ زور میں؛ کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ جس نے

خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا

ان کو بنایا وہ زیادہ ہے ان سے زور میں - اور تھے ہماری نشانیوں

يَجْحَدُونَ ﴿۱۵﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا

سے منکر - پھر بھیجی ہم نے ان پر باؤ ٹھری زور کی،

فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ لِنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي

کئی دن مصیبت کے کہ چکھا دیں ان کو رسوائی کی مار

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا

دنیا کے جیتے - اور آخرت کی مار میں تو پوری رسوائی ہے اور ان کو

يُنْصَرُونَ ﴿۱۶﴾ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا

کہیں مدد نہیں۔ اور جو ثمود تھے سو ہم نے ان کو راہ بتائی پھر انکو خوش

الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ

لگا اندھے رہنا سوجھنے سے، پھر پکڑا ان کو کڑاکے نے ذلت کی مار کے

الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٧﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ

بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔ اور بچا دیئے ہم نے جو

اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿١٨﴾

یقین لائے تھے اور بچ چلتے تھے۔

استعجاب وتوبیخ بر کفر خالق کائنات وتہدید بذکر انجام مجرمین

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ.... الیٰ.... وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں قرآن کریم کی حقانیت کا بیان تھا اور اثبات رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ بطور تمہید ان امور کو ذکر کرکے اب ان آیات میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس امر پر اظہار تعجب کیا جارہا ہے کہ خالق کائنات (جس کی قدرت وخالقیت اور الوہیت کے دلائل روز روشن سے زائد واضح ہیں) کا انکار کوئی بھی صاحب عقل انسان کیونکر کرتا ہے۔ جب بھی انسان عقل اور فطرت کے معیار پر اس بات کو پرکھے گا۔ کبھی بھی انکار خدا اور شرک کے امکان کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس ذیل میں دلائل قدرت بیان فرمائے گئے۔ ساتھ ہی مجرمین ونافرمانوں کا عبرتناک انجام تاریخی حقائق کے طور پر ذکر کرکے کفار کو تنبیہ وتہدید فرمائی گئی۔ فرمایا آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے کیا تم انکار کرتے ہو اس پروردگار کا جس نے زمین کو باوجود اپنی عظیم وسعت کے دو روز کے بقدر وقت میں پیدا کیا۔ اور تم اس پروردگار کی شان خالقیت اور قدرت عظیم کے مناظر وشواہد دیکھنے کے باوجود جن میں سے ہر ایک چیز اپنی دلالت اور زبان حال سے خدا کی وحدانیت کو ظاہر کررہی ہے۔ پھر بھی تم اس کے واسطے شریک قرار دے رہے ہو حالانکہ یہی خدا جسکی قدرت کا تم مشاہدہ کررہے ہو۔ سارے جہانوں کا رب ہے اور اسی نے اس زمین میں پہاڑ بنائے جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔ اور ان پہاڑوں سے میخوں کی طرح زمین کو ٹھہرایا ہوا ہے۔ اور اس میں بڑی ہی برکتیں رکھیں۔ معدنیات وخزائن ہیں اسی سے غلے اور پھل پھول اُگتے ہیں جن میں مخلوق کے واسطے فائدے رکھے ہیں اور اس زمین میں اس پر رہنے والوں کی غذائیں اندازے کے ساتھ رکھ دیں اور جس طرح اور جس اندازہ ومقدار سے چاہا اپنی حکمت سے پیدا کیا۔ یہ سب کچھ چار دن میں ہوگیا۔ دو دن میں زمین اور دو دن میں پہاڑ، درخت، بہائم وجملہ مخلوقات ارضیہ جو پورے ہیں۔ کمیت اور کیفیت خلق کو دریافت کرنے والوں کے لیے۔ پھر یہ سب کچھ پیدا کرلے کے بعد متوجہ ہوا وہ پروردگار آسمان کی جانب جب کہ دھواں تھا جس کا یہ مادہ دخانیہ اگرچہ زمین کے بچھانے سے قبل تھا لیکن بحیثیت موجودہ زمین کے بچھانے کے بعد سات آسمانوں

کی صورت میں پیدا کیا گیا۔ تو اس صورت میں آسمان و زمین سے کہا تم دونوں آجاؤ۔ ہمارے حکم کے سامنے
اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ خواہ خوشی سے یا زبردستی سے یعنی ہم جو بھی حکم تکوینی طور پر تمہیں دیں اس کی
تعمیل کرنی ہوگی خواہ رضا و خوشنودی یا مجبوری اور زبردستی سے بہر حال تم کو مجال نہ ہوگی کہ ہمارے حکم کے
مقابلہ میں ذرہ برابر بھی رکاوٹ و تردد کر سکو۔ جب ہم چاہیں گے چاند، سورج، ستارے طلوع و غروب
ہوں گے۔ جب ہم حکم دیں گے ہوائیں چلیں گی۔ اور جب حکم ہوگا رکیں گی۔ جب چاہیں گے بارشیں برسیں گی جہاں
چاہیں گے اور جتنی چاہیں گے۔ جس قدر غلہ چاہیں گے اُگے گا۔ اسی طرح پھل پھول اور جملہ غذائیں جب تک
چاہیں زمین ٹھہری رہے گی۔ اور جب چاہیں گے زلزلہ برپا کر دیں گے۔ الغرض اس قسم کے ہمارے ہر حکم کی
اطاعت کے لیے اور جملہ احوال و تغیرات کے لیے جو واقع کریں۔ اے آسمان و زمین تیار رہو جس میں تمہیں
ذرہ برابر بھی خلاف ورزی کی مجال نہ ہو سکے گی۔ آسمان و زمین دونوں نے عرض کیا؏ ہم دونوں حاضر ہیں۔
خوشی سے تیرے تمام احکام کی تعمیل کے لیے سو دو روز کے بقدر وقت میں آسمان کے اس مادۂ دخانیہ کو
پورے سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اپنا حکم جاری فرما دیا جو اس کے مناسب تھا۔ فرشتوں
کو احکام تکوینیہ جاری فرما دیئے گئے اور فرشتوں کی جو جماعت نظام عالم کے جس شعبہ پر مامور فرمائی تھی
اس کو اس پر مامور کر دیا گیا اور مزین کر دیا ہم نے آسمان دنیا کو یعنی قریب والے آسمان کو جو کرۂ ارضی
پر بسنے والے انسانوں سے قریب ہے روشن چراغوں یعنی چمکنے والے ستاروں سے اور ان ہی ستاروں
کو آسمان دنیا کی زینت کے ساتھ ذریعہ حفاظت بھی بنایا تاکہ کوئی جن یا شیطان اگر آسمان کا رُخ کرے
اور یہ چاہے کہ اللہ کے تکوینی امور میں سے کوئی چیز سن لے اور معلوم کرے تو یہ ستارے اس کو
جلا کر خاک کر دیں جیسا کہ ارشاد ہے۔ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۔
یہ ہے کائنات کی تخلیق و تقدیر اور اندازہ کے موافق ہر شئے کا وجود اس پروردگار کی جو زبردست قوت و
عزت اور علم والا ہے کہ ہر مخلوق خدا کی عزت و قوت اور اس کے علم بے پایاں کی گواہی دے رہی ہے۔
ہر ایک مخلوق اپنے خالق قادر مطلق کامل صفات کی وحدانیت کی شہادت دیتے ہوئے یہی کہہ رہی ہے
کوئی نہیں عبادت کے لائق سوائے ایک خدائے واحد کے۔

الغرض اے ہمارے پیغمبر آپ خدائے واحد کی خالقیت اور قدرت کے یہ مناظر ان کو دکھاتے
ہوئے پوچھیے کہ کیا ایسے خالق عزیز و علیم کا تم انکار کرتے ہو۔ ان مشاہدات و دلائل سے انسانی فطرت

؏ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے اپنی تفسیر جلد ۴ میں اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت کا یہ مضمون
ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ رب العزت کے اس فرمان پر زمین کے اس حصہ نے جواب دیا جہاں کعبۃ اللہ ہے
اور آسمان کے اس ٹکڑے نے جواب دیا جو بیت اللہ کے محاذات میں واقع ہے تو اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ
کا شرف جواب زمین و آسمان کے اس حصہ کو حاصل ہوا۔ ۱۲

اور عقل کا تو یہی تقاضا ہے کہ وہ آپ کی بات کی طرف توجہ کریں اور اس پر ایمان لائیں لیکن اس کے باوجود پھر بھی اگر وہ اعراض و بے رخی کریں تو آپ کہہ دیجئے اے لوگو میں تم کو ایسی ہی کڑک اور عذاب سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر مسلط ہونے والی کڑک تھی جب کہ ان کے پاس ان کے رسول آئے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے بھی یعنی ان کی طرف مبعوث ہونے والے پیغمبر جو تعداد میں بہت تھے۔ ان کو ہر طرح تبلیغ کرتے رہے۔ اور ایمان باللہ کی دعوت دیتے رہے۔ حضرت نوح ؑ کی طرح کبھی سامنے سے آتے۔ اور کبھی پیچھے سے نصیحت اور تفہیم میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ یہی کہتے تھے کہ ہرگز عبادت نہ کرو سوائے اللہ کے کسی کی۔ مگر شقاوت اور بدنصیبی کہ کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب کو منظور ہوتا کہ ہماری طرف کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجے تو وہ فرشتوں کو اتار دیتا اور وہ یہ کام سرانجام دیتے جو تم کر رہے ہو۔ بس اب اس صورت میں تو ہم اس توحید کا انکار کرتے ہیں جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے یہ تھی شقاوت جس کے باعث انہوں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا۔ تو آج کے ان کافروں کو بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان منکرین و مکذبین کے غرور و نخوت کا کیا حال تھا وہ کس طرح عذاب خداوندی سے تباہ و برباد کیے گئے۔ بہر حال وہ جو عاد کے لوگ تھے وہ نخوت و غرور میں پڑ گئے۔ زمین میں سرکشی و نافرمانی کا ناحق مظاہرہ کیے ہوئے اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ طاقت و زور والا، اپنی جوانی، تنومندی ہاتھ پاؤں کے زور پر اکڑتے ہوئے اس بات کو بھلا دیا کہ جس ذات نے ایسے تنومند مضبوط طاقتور آدمی پیدا کیے وہ ان سے بھی زائد طاقت والا ہے۔ افسوس[1] کیا انہیں نظر نہیں آیا کہ جس ذات نے ان کو پیدا کیا ہے وہی ان سے زیادہ طاقت و زور والا ہے وہ پہلے ہی سے نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ اگرچہ دل میں یقین تھا اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کی برحق نشانیاں ہیں مگر عناد اور تکبر کی وجہ سے انکار اور ضد پر تلے ہوئے تھے۔ تو ان کی اس روش کی وجہ سے ہم نے ان پر بھیج دی ایک تیز اور تند ہوا جو ہر چیز کو اکھاڑ پھینک دینے والی تھی، کئی دنوں جو ان کے واسطے بڑی نحوست کے تھے تاکہ چکھا دیں ہم ان کو ذلت و رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں بھی تاکہ ان کا غرور ٹوٹے۔ سات[2] راتیں اور آٹھ روز تک مسلسل یہ طوفان چلتا رہا اور آخرت کا عذاب تو بڑی ذلت و رسوائی کا ہے۔ یہ تو حشر و انجام ہوا عاد والوں کا۔ اور وہ جو ثمود تھے سو ہم نے ان کو راستہ حق اور ہدایت کا دکھلایا لیکن انہوں نے اندھا پن ہی اختیار کیے رکھا۔ ہدایت کے روشن راستے کے مقابلہ میں اس لیے پکڑ لیا ان کو ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک ایسی ہیبت ناک آواز (جس سے جگر بھی پھٹ جائیں) کے ساتھ زلزلہ آیا۔ جس سے وہ تباہ ہو گئے۔ اور بچا لیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اللہ کا

[1] اَوَلَمْ یَرَوْا کے ترجمہ میں لفظ افسوس اس لیے بڑھایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس جگہ ہمزہ استفہام توبیخ و ملامت کے لیے ہے اور لفظ افسوس توبیخ و ملامت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ ۱۲

[2] جیسے ارشاد مبارک ہے "سَبْعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ حُسُوْمًا" (الحاقہ)

تقویٰ اختیار کرتے تھے۔ بچ کر چلتے تھے کہ کہیں اللہ کی نافرمانی ہم سے ہو جائے۔ عذاب خداوندی آیا اور اس نے مجرموں کو ہلاک کیا مگر فرمانبردار اور خدا کا ڈر رکھنے والے۔ ایمان داروں پر ذرّہ برابر آنچ بھی نہ آئی۔ بس اسی طرح آج ہی ان کفار مکہ کو اللہ کے پیغمبر کی نافرمانی کا انجام سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا میں بھی ذلّت و ناکامی کا عذاب چکھنا پڑے گا۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے جس کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

تخلیق کائنات اور ارض و سماء کی ترتیب و مدّت

ان آیات مبارکہ میں آسمان و زمین اور آسمان و زمین میں جو کچھ اللہ رب العزت نے پیدا کیا۔ اس کی تخلیق کا ذکر ہے کہ زمین دو دن میں پیدا کی۔ اور پھر دو دن میں زمین پر پہاڑوں کو گاڑا۔ نہریں جاری کی گئیں غلے پیدا کیے گئے۔ زمین کی تہوں میں اور پہاڑوں کے جگر میں قسم قسم کی نعمتیں اور خزائن رکھ دیئے گئے۔ اس طرح مکمل چار روز میں ان جملہ مخلوقات کی تخلیق و پیدائش کے بعد حق تعالےٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ اس صورت میں کہ وہ دخان (دھویں) جیسا ایک مادّہ تھا جس کو سات آسمانوں کی شکل میں بنا دیا اور ان میں شمس و قمر اور کواکب پیدا فرما دیئے یہ تمام کواکب اور ستارے اگرچہ ایک دوسرے سے بلند اور متفاوت ہیں کوئی آسمان دنیا پر اور کوئی اس سے نیچے اور کوئی اس سے اوپر بلندیوں پر لیکن دیکھنے والا ہر ایک کو اپنی نظر میں برابر محسوس کرتا ہے۔ اور مجموعی طور پر سب کے سب آسمان دنیا ہی کی زینت معلوم ہوتے ہیں۔ تو ان آیات میں زمین کی تخلیق آسمان سے قبل بیان کی گئی۔ اور اسی طرح کی ترتیب آیت بقرہ میں ہے فرمایا۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ لیکن سورۂ والنازعات کی آیت میں ہے۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْکَهَا فَسَوّٰهَا وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا۔ کیا تم زیادہ مضبوط ہو باعتبار پیدائش کے یا آسمان جس کو اللہ نے بہت بلند کیا اور اس کی سطح کو برابر کیا اور اس کی رات کو ڈھانکا تاریک بنایا اور دن کو نکالا ظاہر اور روشن کیا اور زمین کو اس کے بعد بچھایا پھر اس سے اس کا پانی نکالا اور سبزہ اُگایا اور پہاڑوں کو اس پر گاڑ دیا۔ تو ان آیاتِ سورۂ والنازعات میں آسمان اور آسمانوں کے ستارے شمس و قمر کی تخلیق مقدم بیان کی گئی اور یہ کہ ان فلکیات سے فارغ ہو کر اللہ نے زمین کو بچھایا پانی نکالا سبزے اُگائے اور پہاڑ گاڑے۔

علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی ج ۲۴ میں فرماتے ہیں خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کی تقدیم و تاخیر میں ان آیات اور اسی طرح کی روایات کی بنا پر ائمہ مفسرین میں اختلاف ہے۔ ان آیات اور سورۂ بقرہ کی آیت ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ سے تو ظاہر یہی ہے کہ زمین کی

تخلیق مقدم ہے تو آیات حٰم سجدہ اور آیت بقرہ کی وضاحت وتفصیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض ائمہ مفسرین نے اسی کو ترجیح دی کہ خلق ارض مقدم ہے اور زمین اور پہاڑوں کی تخلیق کے بعد آسمان بنائے۔ اور آیات وَالنّٰزِعٰتِ میں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا کی یہ تاویل کی کہ یہ بعدیت باعتبار وجود اور زمان کے نہیں ہے بلکہ یہ بعدیت باعتبار ذکر کے ہے۔ یعنی مخاطب کو بطور خطاب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اے مخاطب حق تعالیٰ کی ان عظیم مخلوقات کی تخلیق کو جاننے کے بعد تو یہ بھی یاد کر یا غور کر کہ اللہ نے زمین بچھائی الخ تو وَالْاَرْضَ منصوب ہوگا۔ ایک فعل محذوف اُذکر یا تذکر یا تدبر جیسے فعل کی تقدیر کے ساتھ۔

بعض حضرات مفسرین نے ان آیات میں تطبیق کی وہ صورت اختیار کی جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مفہوم ہوتی ہے جس کو حاکم اور بیہقی نے سعید بن جبیرؓ کی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے قرآن میں بہت سی جگہ اختلاف نظر آتا ہے تو ابن عباسؓ نے فرمایا بتاؤ تمہیں کہاں کہاں اختلاف معلوم ہوا ہے۔ بولا کہ دیکھو یہ آیات قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ میں تو یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ زمین آسمان سے پہلے پیدا کی گئی۔ اور وَالنّٰزِعٰتِ کی آیات ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا میں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد پیدا کی گئی۔ پہلے آسمان بنا لیا گیا۔ بلندی اور استواء دن کی روشنی اور رات کی تاریکی پیدا کر چکنے کے بعد زمین بچھائی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے زمین دو دن میں پیدا کی اور یہ آسمان کی تخلیق سے قبل تھی۔ اور آسمان دخان (دھوئیں) کی صورت میں تھا تو دو دن میں اس کو سات آسمان بنا دیئے زمین کو پیدا کرنے کے بعد اور رہی یہ بات کہ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا جو سورۂ نازعات میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ نے پہاڑ رکھے۔ نہریں اور سمندر بنائے اور درخت اُگائے۔ علامہ خفاجیؒ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے جواب اور کلام کا حاصل یہ ہے کہ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا۔ بدل یا عطف بیان ہے لفظ دَحٰىهَا کے لیے جو اس کی مراد کو واضح کرنے والا ہے یعنی زمین کا بچھانا پیدا کرنا نہیں۔ بلکہ زمین میں جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں وہ مراد ہیں۔ تو بَعْدَ ذٰلِكَ میں تاخر ذاتی یعنی زمین کا اپنی اصل ذات سے آسمانوں کے بعد بنانا مراد نہیں بلکہ زمین کے منافع اور مخلوقات کا بعد میں بنانا مراد ہے۔ اور اس کی تکمیل و ترتیب ہے اور بعدیت منافع کے حصول اور منافع سے متمتع ہونے کی حیثیت سے بھی ہو سکتی ہے تو وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا میں بعدیت اس نوع کی ہے۔ لہٰذا ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔ خفاجیؒ نے ابن عباسؓ کے کلام کی جو مراد بیان کی ہے وہ ابن عباسؓ کے ظاہر الفاظ کے پیش نظر محتاج تأمل معلوم ہوتی ہے۔

بعض حضرات مثلاً واحدیؒ نے مقاتل بن حیانؒ کے کلام سے یہ مراد متعین کی کہ آسمان کی تخلیق مقدم ہے اور آیات حٰم میں خلق الارض کا ذکر نفس الامر میں پیدا کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ یہ خلق بمعنی تقدیر ہے کہ اللہ نے یہ مقدر اور طے فرمایا جیسے آیت مبارکہ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ

مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ میں خَلَقَ قَدَّرَ کے معنی میں ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

بہرکیف آلوسیؒ نے اس طرح کے اقوال نقل کر کے ان آیات کے تعارض کو رفع کیا تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ج۴۔ روح المعانی ج۲۴ از ص۹۸ تا ص۱۰۹ ملاحظہ فرمائیں۔

اُستاذ محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں احقر کو ابوحیانؒ کی تفسیر پسند ہے کہ آیت ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ اور وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ میں یہ ضروری نہیں کہ ثم اور لفظ بعد تراخی زمان کے لیے ہو ممکن ہے کہ تراخی فی الاخبار یا تراخی رتبی مراد ہو جیسے آیت ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، حالانکہ ظاہر ہے کہ جو اوصاف اس سے قبل بیان کیے گئے ہیں وہ مؤمن ہی کے اوصاف ہیں اور ایمان کے بعد ہی ان اوصاف کا تحقق ہوتا ہے نہ کہ ایمان ان اوصاف کے بعد حاصل ہو۔ بہرحال قرآن کریم میں ترتیب زمانی کی تصریح نہیں۔ ہاں نعمت کے تذکرہ میں زمین کا ذکر مقدم رکھا اور عظمت وقدرت کے تذکرہ میں آسمان کا ذکر مقدم رکھا جس کی لطافت ادنیٰ تأمل وغور سے ظاہر ہے۔ تو اس ترتیب ذکری سے یہ لازم نہیں کہ اس کو ترتیب وقوعی اور ترتیب وجودی قرار دیا جائے۔ تخلیق کائنات میں دنوں کی بعض روایات میں تعیین بھی آئی ہے مثلاً حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ مٹی کو اللہ نے سنیچر کے روز پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے روز اور نباتات کو پیر کے روز۔ برائیوں اور بیماریوں کو منگل کے روز۔ نور اور بھلائیوں کو بدھ کے روز۔ بہائم اور چوپائے جمعرات کے روز اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز کے آخری پہر میں عصر و مغرب کے درمیان۔ لیکن ابن کثیرؒ نے اس کو معلول فرمایا۔ اگرچہ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو تخریج فرمایا ہے۔ مگر ابن کثیرؒ نے اس کو غرائب صحیح میں بیان کیا۔ امام بخاریؒ نے بھی اس کو معلول فرمایا۔ امام بخاریؒ اور علی بن المدینیؒ اس کو کعب احبارؒ کا کلام قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (فوائد شیخ الاسلامؒ)۔

ابن جریرؒ نے عبداللہ بن عباسؓ سے بیان کیا کہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آسمانوں اور زمین کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی شنبہ اور یک شنبہ کے دن پہاڑ اور پہاڑوں کے منافع سہ شنبہ کے دن، اور درخت، پانی، نہریں اور آبادیاں چہارشنبہ کے دن یہ چار دن مکمل ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے کے ہو گئے اس کے بعد پنجشنبہ کے دن آسمان بنائے اور جمعہ کے روز ستارے، چاند، سورج اور فرشتے پیدا کیے۔ تو یہ مضمون پہلی روایت سے مختلف ہے۔ مناسب اور بے تکلف وہی چیز ہے جس کو شیخ الاسلامؒ نے اختیار فرمایا۔

عاد و ثمود کی تاریخ اہل عرب کے لیے عظیم درس عبرت

مقام عبرت و تنبیہ میں عاد و ثمود کے واقعہ کا حوالہ ان آیات میں خاص طور پر اس وجہ سے دیا گیا کہ قریش کے لوگ اور عرب میں بسنے والے ان قوموں کو خوب جانتے تھے ان کے ساز و سامان مادی

وسائل کی کثرت وفراوانی اور طاقت وغلبہ سب کچھ تاریخی حیثیت سے مشہور ومعروف تھا تو ان کا ذکر کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ جب یہ طاقتور قومیں بھی اللہ کی نافرمانی اور اللہ کے رسولوں کا مقابلہ کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر وعذاب سے نہیں بچ سکیں جن کے آثار ونشانات آج تک بھی اہل عرب یمن اور شام کے سفر میں دیکھتے ہیں کہ کس طرح عذاب خداوندی نے ان کو ہلاک کیا۔ ان آیات میں عاد وثمود کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا۔ اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ یعنی جب کہ ان کے پاس ان کے رسول آئے (جمع کے صیغے کے ساتھ) قوم عاد کے رسول تو حضرت ہود علیہ السلام تھے اور ثمود کے رسول حضرت صالح علیہ السلام تھے تو ان دو رسولوں کو جمع کے صیغے سے یا تو اس بنا پر تعبیر فرمایا گیا کہ ممکن ہے کہ ان دو کے علاوہ بھی کچھ اور رسول وپیغمبر قوم عاد وثمود کے لیے بھیجے گئے ہوں۔ لیکن قرآن کریم نے ان ہی دو حضرات کا ان کی عظمت وخصوصیت کے باعث ذکر کیا۔ اور بعض دیگر انبیاء کا ذکر نہیں فرمایا بقانون مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ یا اس بناء پر کہ کسی قوم کا ایک رسول کی تکذیب کرنا بھی اللہ کے سارے پیغمبروں کو جھٹلانا ہے جیسے کہ ارشاد فرمایا کَذَّبَتۡ قَوۡمُ نُوۡحِ ۨالۡمُرۡسَلِيۡنَ کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے تمام رسولوں کو جھٹلایا حالانکہ قوم نوح تو صرف نوح ؑ ہی کی تکذیب کی مرتکب ہوئی تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ گزشتہ مضامین میں متعدد مواقع پر یہ بات دلائل سے واضح کی جا چکی کہ حق تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل اصول توحید جزاء وسزا اور قیامت کے مسئلہ میں متفق ہیں۔ اس وجہ سے کسی بھی ایک رسول کا انکار اللہ کے تمام رسولوں کا انکار ہے۔ اس بنیاد پر عیسائی یا دوسرے اہل کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے خود اپنے پیغمبر پر بھی ایمان رکھنے والے نہ رہیں گے۔ اس کے برعکس ہر مسلمان جس طرح وہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اسی طرح وہ حضرت عیسیٰ وحضرت موسیٰ حضرت داؤد، حضرت یعقوب اور حضرت ابراہیم علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہے۔ تو عیسائیوں اور حضرت موسیٰ ؑ پر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جب تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائیں گے وہ حضرت عیسیٰ ؑ وحضرت موسیٰ ؑ کے بھی کافر ومنکر رہیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت تو یہ ہے کہ اگر بالفرض آج موسیٰ ؑ بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے لو کان موسیٰ حیًّا لما وسعہ الا اتباعی اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ ؑ قیامت کے قریب زمین پر نزول فرمائیں گے تو وہ آپ کے اُمتی ہوں گے اور قرآن پر عمل کریں گے اور اسی کو نافذ وجاری کریں گے۔

⁂ ⁂ ⁂

وَيَوۡمَ يُحۡشَرُ اَعۡدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمۡ

اور جس دن جمع ہوں گے دشمن اللہ کے دوزخ پر، پھر اُن کی

يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ

شلیں بٹیں گی۔ یہاں تک کہ جب پہنچے اس پر، بتا دیں گے

عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ

ان کو ان کے کان، اور ان کی آنکھیں، اور ان کے چمڑے،

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ

جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنے چمڑوں کو

لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا

تم نے کیوں بتایا ہم کو۔ وہ بولے ہم کو بلوایا

اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ

اللہ نے جس نے بلوایا ہے ہر چیز کو، اور اسی نے بنایا تم کو پہلی

مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ

بار، اور اسی کی طرف پھر جاتے ہو۔ اور تم پردہ نہ کرتے تھے

اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا

اس سے کہ تم کو بتا دیں گے تمہارے کان، نہ تمہاری آنکھیں، نہ

جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا

چمڑے، پر تم کو یہ خیال تھا، کہ اللہ نہیں جانتا بہت چیزیں

مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ

جو کرتے ہو۔ اور یہ وہی تمہارا خیال ہے، جو رکھتے تھے۔

بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

اپنے رب کے حق میں، اسی نے تم کو کھپایا، پھر آج رہ گئے ٹوٹے میں۔

فَاِنْ یَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ

پھر اگر وہ صبر کریں تو آگ ان کا گھر ہے ۔ اور اگر

یَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَیَّضْنَا

وہ منایا چاہیں تو ان کو کوئی نہیں مناتا ۔ اور لگا دی

لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ

ہم نے ان پر تعیناتی، پھر انہوں نے بھلا دکھلایا ان کو جو ان کے آگے اور

مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ

جو ان کے پیچھے اور ٹھیک پڑی ان پر بات، رل کر سب فرقوں میں

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ

جو ہو چکے ہیں ان سے آگے جنوں کے اور آدمیوں کے، وہ تھے

كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا

ٹوٹے والے ۔ اور کہنے لگے منکر نہ کان دھرو

لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾

اس قرآن کے سننے کو اور بک بک کرو اس کے پڑھنے میں، شاید تم غالب ہو۔

فَلَنُذِیْقَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِیْدًا ۙ وَّ لَنَجْزِیَنَّهُمْ

سو ہم کو ضرور چکھانی منکروں کو سخت مار، اور ان کو بدلہ دینا ہے

اَسْوَاَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ

برے کاموں کا جو کرتے تھے ۔ یہ سزا ہے اللہ کے دشمنوں

اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِیْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

کی، آگ ۔ ان کو اسی میں گھر ہے سدا کا ۔ بدلہ اس کا جو ہماری

بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۲۸ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا

باتوں سے انکار کرتے تھے۔ اور کہیں گے جو لوگ منکر ہیں اے رب ہمارے!

الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا

ہم کو دکھا دہ دونوں جنہوں نے ہم کو بہکایا جو جن ہے اور جو آدمی، کہ ڈالیں ہم

تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ۝۲۹ اِنَّ

ان کو اپنے پاؤں کے نیچے، کہ وہ رہیں سب سے نیچے۔ تحقیق

الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر اسی پر ٹھہرے رہے ان پر اترتے

الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا

ہیں فرشتے کہ تم نہ ڈرو نہ غم کھاؤ، اور خوشی سنو،

بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۰ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ

اس بہشت کی، جس کا تم کو وعدہ تھا۔ ہم ہیں تمہارے رفیق

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا

دنیا میں اور آخرت میں اور تم کو وہاں ہے جو

تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝۳۱ ط

چاہے جی تمہارا، اور تم کو وہاں ہے جو منگواؤ۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ

مہمانی ہے اس بخشنے والے

رَّحِيْمٍ ۝۳۲ ع

مہربان سے۔

تفصیل عذاب آخرت و ذلت و ناکامی منکرین و انعامات مطیعین

قال اللہ تعالیٰ۔ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ... الیٰ... نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ؀

(ربط) گذشتہ آیات کا مضمون دلائل قدرت کے سلسلۂ بیان میں مجرمین کی نافرمانیوں پر دنیاوی عذاب کا ذکر تھا۔ اور یہ کہ ایسے واضح دلائل قدرت کے ہوتے ہوئے اس قادر مطلق کی نافرمانی بڑی ہی حیرت اور افسوس کی بات ہے۔ اور وہ اس روش کے باعث دنیا کے عذاب اور ذلت وخواری سے نہیں بچ سکے۔ اب ان مجرمین پر عذاب اُخروی بیان کیا جارہا ہے کہ آخرت کی ذلت ورسوائی کا کیسا ہولناک منظر ہوگا۔ ساتھ ہی مطیعین پر انعامات خداوندی اور ان کا اعزاز واکرام کا مضمون ارشاد فرمایا جارہا ہے ارشاد ہے۔

اور جس روز کہ جمع کیا جائے گا اللہ کے دشمنوں کو دوزخ کی آگ کی طرف گھسیٹتے ہوئے تو وہ اس وقت روکے ہوئے ہوں گے۔ تاکہ سب کے سب جمع ہوجائیں اور یک وقت ان تمام مجرمین کو موقف حساب میں حساب اعمال کے لیے پیش کیا جائے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب آجائیں گے کیونکہ جہنم اور اس کی آگ کی لپٹیں انھیں موقف حساب سے قریب ہی نظر آتی ہوں گی تو گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان ان کی نگاہیں اور ان کی کھالیں ان تمام اعمال کی جو یہ کیا کرتے تھے۔ اس وقت یہ بے بسی کے عالم میں حیران ہوں گے اور کہیں گے۔ اپنی کھالوں اور اپنے اعضاء سے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں اور کیسے دی حالانکہ تم میں تو بولنے کی صلاحیت اور قدرت نہیں ہے۔ جواب دیں گے گویائی دی ہم کو اس اللہ رب العزت نے جس نے ہر ایک چیز کو گویائی دی۔ جو گویا ہے خواہ اس کی گویائی متعارف و معتاد ہو جیسے انسانوں کی گفتگو اور جانوروں و پرندوں کی آوازیں خواہ غیر متعارف وغیر معتاد ہو یعنی جو چیز بھی گویائی کی صلاحیت رکھتی ہے وہ اس کے کسی مادہ اور طبیعت کا تقاضا نہیں بلکہ وہ محض عطاء الٰہی اور قدرت خداوندی ہے تو اب اس کو اختیار ہے وہ اپنی قدرت سے جس کسی جز اور حصہ میں بھی قوت نطق و گویائی رکھ دے اور اس کے سمجھنے ماننے میں آخر کیا تردد ہے۔ اس کی عظمت قدرت کا یہ عالم ہے کہ اسی نے تو پیدا کیا تم کو پہلی بار جس کا تم مشاہدہ کرچکے تو اب اسی پروردگار نے اپنی قدرت سے تم کو دوبارہ یہاں اٹھایا اور جمع کیا اور تمہاری کھالوں ہاتھ پاؤں اور بدن کے ٹکڑوں میں گویائی پیدا کردی اور وہ بول رہے ہیں اور تم دنیا میں اپنے آپ کو اس چیز سے نہیں چھپا سکتے کہ تمہارے کان تمہارے خلاف گواہی دیں اور نہ اس سے کہ تمہاری نگاہیں اور نہ اس سے کہ تمہاری کھالیں۔ اس لیے کہ انسان پر قادر ہی نہیں اپنے اعمال و افعال اپنی آنکھوں اور کانوں اور خود اپنے بدن کے ٹکڑوں سے چھپالیں دنیا کی نگاہوں سے بے شک پردہ حاصل کرسکتا ہے لیکن خود اپنے ہی سے وہ کیونکر چھپ جائے گا۔ اس حقیقت ومشاہدہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اے لوگو! تم کسی وقت بھی جرم کے مرتکب نہ ہوتے۔ لیکن تم نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ بہت سی

وہ چیزیں نہیں جانتا جو تم کرتے ہو۔ نہ تم کو قیامت کا خیال آیا۔ اور نہ حساب وکتاب کا خوب بے فکری سے یہ سب کچھ کرتے رہے۔ اے لوگو یہی تو تھا وہ تمہارا گمان فاسد جو تم نے اپنے رب کے ساتھ قائم کیا۔ جس نے تم کو ہلاک وتباہ کیا تو بس اسی گمان اور تصور کی وجہ سے تم لوگ ہو گئے ہو تباہ و برباد ہو جانے والوں میں۔ بہرکیف یہ ہوگا انجام ایسے مجرموں کا جنہوں نے دنیاوی زندگی اسی دھوکہ میں گذاردی، نہ کبھی آخرت کو سوچا اور نہ وہاں کے عذاب کی فکر کی تو اس صورت حال میں اگر یہ صبر کریں اور فیصلہ خداوندی پر کسی طرح کی حجت بازی اور حیلہ بہانہ نہ کریں تو بھی دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے۔ یہاں یہ ممکن نہ ہوگا کہ خاموشی اور صبر سے مہربانی اور رحمت کے آثار ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اور اگر عذر پیش کرنا چاہیں گے تو ان کی کوئی معذرت قبول نہ ہوگی اور عذاب الٰہی کا جو فیصلہ ان کے حق میں ہوگا وہ اس سے کسی طرح نہ بچ سکیں گے اور ہم نے دنیا میں ان کافروں کے واسطے کچھ ساتھی مقرر کر دیئے تھے شیاطین میں سے ان کی بدنصیبی اور مسلسل عناد وتکبر کی وجہ سے سو انہوں نے رچا دیئے تھے ان کے لیے ان کے تمام اعمال اگلے اور پچھلے اس بنا پر وہ اپنے اعمال پر مصر رہے۔

اور جب وہ ان کو مستحسن سمجھتے تھے تو ظاہر ہے کہ ان کے چھوڑنے پر کیونکر تیار ہوتے۔ لہٰذا ان پر مسلط ہو گیا وہ فیصلہ جو ان سے پہلی گذری ہوئی قوموں کے حق میں نافذ ہو چکا تھا۔ خواہ وہ جن میں سے ہوں یا انسانوں میں سے کہ بے شک وہ سب ہی خسارہ اور بربادی میں پڑنے والوں میں سے ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت کے مقابلہ میں سرکشی اور نافرمانی کا یہی انجام ہو سکتا ہے۔ اور اسی کے مطابق پہلی قومیں ہلاک کی گئیں تو اسی طرح بعد کے مجرمین کا بھی یہی حشر ہوگا۔ قیامت کے روز حسرت وناکامی کا جب ایسا منظر سامنے ہوگا تو کافر بدحواس ہوں گے اور نہ صبر کرتے بن پڑے گی۔ اور نہ معذرت ومعافی سے کام چلے گا۔ ان واقعات کو سُن کر چاہیئے تو یہ تھا کہ کفار مکہ عبرت حاصل کرتے۔ کفر وبغاوت سے باز آتے لیکن اس کے برعکس اور کافروں نے یہ کہا کہ کان ہی نہ لگاؤ اس قرآن کی جانب اور نہ سنو۔ اور اگر پیغمبر سنانے لگے تو اس میں شور وشغب مچاؤ۔ شاید تم ہی غالب آجاؤ۔ ان کافروں کو اپنی اس بیہودہ حرکت کا انجام معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم ضرور بالضرور کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور ضرور ہم ان کو بدلہ دیں گے ان بُرے کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہی ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی اور وہ جہنم کی آگ ہے۔ ان کے واسطے اس جہنم میں ہمیشہ کا ٹھکانا ہوگا۔ اس چیز کے بدلے کے طور پر کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور اس فیصلہ اور انجام سے برافروختگی اور غصہ کے عالم میں کافر کہیں گے اے ہمارے پروردگار دکھا دے تو ہمیں وہ لوگ جن وانس میں سے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا کہ ہم ان کو روندیں اپنے قدموں کے نیچے تاکہ وہ بھی خوب ذلیل وخوار ہونے والوں میں سے ہو جائیں۔ اگرچہ ان کو گمراہ کرنے والے شیاطین جن وانس بھی جہنم کی آگ میں ہوں گے لیکن جہنم تو ایک وسیع عالم ہے اس بنا پر دیکھنے کی تمنا کریں گے۔ اور ذلت وخواری میں تو وہ پہلے ہی مبتلا ہو چکے ہوں گے۔ لیکن مزید رسوائی ان کی اس طرح دیکھنا چاہتے ہوں گے کہ اپنے قدموں کے نیچے ان کو روندیں جن کو انہوں

نے دنیا میں اپنے مقتدیٰ و پیشوا بنا رکھا تھا یہ تو انجام ہوگا مجرمین و کفار کا مگر اس کے بالمقابل اللہ سے تعلق رکھنے والے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے مؤمنین کا اعزاز و اکرام اس طرح ہوگا کہ بے شک جن لوگوں نے اقرار کر لیا دل کی گہرائیوں سے کہ ہمارا رب اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود و مولیٰ نہیں اور پھر وہ اسی پر مضبوطی سے جمے رہے اور صراط مستقیم پر استقامت کے ساتھ چلتے رہے اور مرتے دم تک اسی پر قائم رہے تو ان پر فرشتے اتریں گے۔ اللہ کا پیغام رحمت و بشارت لے کر کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو اللہ کی عنایت و رحمت سے تم دنیا میں بھی ہر اندیشہ سے مامون اور ہر فکر و غم سے محفوظ ہو گے اور اس دنیاوی زندگی کے بعد آخرت میں خوشخبری سن لو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے ولی سرپرست اور رفیق ہیں۔ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی چنانچہ اسی ولایت و رفاقت کا یہ اثر تھا کہ اہل ایمان کو طاعت اور نیک کام کی توفیق اور مصائب و شدائد پر صبر اور ایمان و تقویٰ پر استقامت نصیب ہوئی اور اسی پر خاتمہ ہوا۔ اور تمہارے واسطے لے ایمان و تقویٰ والو ہر وہ نعمت ہوگی۔ جس کے واسطے تمہارے دل چاہیں گے اور تمہارے واسطے ہر وہ چیز ہوگی جو تم طلب کرو گے یہ سب کچھ بطور مہمانی اور اکرام کے ہوگا۔ اس پروردگار کی طرف سے جو بڑی مغفرت کرنے والا بڑا ہی مہربان ہے۔ جو اپنی شان مغفرت سے ان کوتاہیوں سے درگذر کرنے والا ہوتا ہے جن کے بعد شاید ایسے اکرام و اعزاز کا استحقاق نہ ہوتا اور بڑا ہی مہربان ہے کہ اپنی شان رحیمی سے بندوں کے قلیل و حقیر پر ایسے بلند پایہ انعامات سے نوازتا ہے۔

استقامت کا مفہوم اور اس پر مرتب ہونیوالے ثمرات

آیت مبارکہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا میں ایمان اور ایمان پر استقامت کے ذکر کے بعد اس پر مرتب ہونے والے عظیم ثمرات اور بہترین نتائج کا بیان ہے۔

پہلا ثمرہ | تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ہے کہ فرشتے ان پر اترتے ہیں۔ اور فرشتوں کا ان اہل ایمان و اہل استقامت پر اترنا ان کا انتہائی اعزاز و اکرام ہے۔

دوسرا ثمرہ | پیغام بشارت اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا۔ ہر خوف اور غم کے دور ہو جانے کا۔

تیسرا ثمرہ | جنت اور جنت کی نعمتوں کی بشارت جو وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ کے عنوان سے فرمائی گئی تاکہ اس بشارت کو سن کر ذہن ابتداء ہی سے ان بلند پایہ انعامات اور نعمتوں کی طرف متوجہ ہو جائے جن کی تفصیل نعماء جنت کے ذیل میں بیان کی جا چکی۔

چوتھا ثمرہ | نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ ہے کہ ہم تمہارے ولی، سرپرست اور دوست ہیں دنیا اور آخرت

میں اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ولایت اور محبت دنیا میں اور آخرت میں ایک ایسا عظیم انعام ہے کہ دنیا اور مافیہا کی ساری نعمتیں اس کے مقابلہ میں حقیر ہیں۔ بلکہ اُخروی نعمتوں میں بھی یہ بہت ہی بلند پایہ نعمت ہے کیونکہ اللہ رب العزت کی رضا اور خوشنودی جنت کی ہر نعمت اور راحت سے زائد اور بلند ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جنت میں اہل جنت کو تمام انعامات سے نوازنے کے بعد فرمائے گا۔ اے میرے بندو! کیا تمہیں کچھ اور چیز مطلوب ہے۔ جنتی جواب دیں گے اے ہمارے رب اب ہمیں اور کیا چاہیئے ہم کو تو وہ نعمتیں دے دی گئیں ہیں جو جہان والوں میں کسی کو نہیں دی گئیں۔ اس پر اعلان ہوگا۔ رضائی لا اسخط علیکم بعدہٗ ابداً۔ کہ میری رضامندی اور خوشنودی ہے تمہارے لیے۔ اب آئندہ میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

پانچواں ثمرہ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ۔ کہ ہر خواہش کا پورا ہونا۔

چھٹا ثمرہ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ کہ ہر طلب کی تکمیل کہ جو بھی چیز جتنی طلب کریں گے وہ حق تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہو جائے گی۔ اور ہر طلب کا پورا ہونا اور ہر مطلوب کا مل جانا نہایت ہی عظیم انعام ہے۔

ساتواں انعام و ثمرہ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ۔ اعزاز و اکرام ہے۔ جیسے مہمان کا اعزاز ہوتا ہے اور اس اعزاز و اکرام میں خدا کی شان غفوری و رحیمی ہر تقصیر سے درگذر کرتے ہوئے استحقاق سے بڑھ کر بے پایاں رحمتوں سے نوازنے والی ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا ان اوصاف کاملہ اور بشارات فاضلہ کے سب سے اولین مصداق خلفاء راشدین پھر مہاجرین اولین تھے جن کے ایمان و استقامت کی عظمت و بلندی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اللہ کی ربوبیت انکے اعتقاد کامل کی پوری تصویر اور ان کی عملی زندگی تھی۔ پھر اطاعت و فرمانبرداری کا وہ مقام تھا کہ دنیا کی کوئی مشقت و رکاوٹ ان کی راہ اطاعت میں حائل نہ ہوسکی تھی۔ رَبُّنَا اللّٰهُ عقیدۂ توحید کی ترجمانی ہے اور اس کے بعد استقامت طاعت و بندگی کا کمال ہے کیونکہ استقامت ہر مامور اور حکم کی تعمیل و پیروی اور ہر ممنوع اور خلاف شرع چیز سے پرہیز کرنے کا نام ہے جس میں اعمال قلوب اور افعال حسیہ و ظاہرہ داخل ہیں اور اس عملی کیفیت کا نام ہے جو ایمان اسلام اور احسان کے مقام کو جامع ہو۔ اسی وجہ سے حضرات عارفین کا قول ہے کہ استقامت ہزار ہا کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ کسے زائد کوئی سخت آیت نہیں نازل ہوئی۔ بعض صحابہؓ نے ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا یارسول اللہ آپ پر تو بڑھاپا بہت جلد ہی آگیا۔ اچانک آپ پر آثار ضعف واقع ہو گئے تھے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ اور یہ آیت سورۂ ہود ہی میں ہے۔

امام غزالیؒ نے بیان کیا کہ صراط مستقیم (شریعت کے راستہ) پر استقامت۔ جہنم پر قائم کردہ صراط (پل) پر گذرنے سے زیادہ شدید ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں صراط مستقیم پر استقامت اور وہاں آخرت میں صراط جہنم پر سے گذرنا بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ مرتبۂ استقامت کی اسی عظمت کے باعث ہر نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کا حکم فرمایا گیا تاکہ صراط مستقیم پر استقامت کی درخواست بارگاہ خداوندی میں پیش کی جاتی رہے۔

نزولِ ملائکہ اور مواقع نزول

روایات و نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا نزول تین موقعوں پر ہوتا ہے ایک تو انسان کی موت کے وقت جیسا کہ احادیث میں ہے کہ مؤمن جب انتقال کرنے لگتا ہے تو فرشتوں کا نزول ہوتا ہے قبض روح کے لیے اور کہتے ہیں۔ اُخرجی ایتھا النفس الطیبۃ الی روح وریحانٍ ورب غیر غضبانٍ اور بعض روایات میں لفظ المطمئنۃ یعنی اے پاکیزہ روح یا اے نفس مطمئنہ نکل تو خوشگوار ہواؤں اور خوشبوؤں کی طرف اور ایسے رب کی طرف جو غضبناک نہیں ہے۔ دوسرا وقت قبر میں ہوتا ہے کہ میت کے سامنے اس کی قبر میں فرشتے آکر اس سے سوال کرتے ہیں۔ من ربک۔ و من نبیک۔ و ما دینک۔ مؤمن جب جواب ٹھیک دے دیتا ہے تو فرشتے اس کو بشارت سناتے ہیں جنت کی نعمتوں اور راحتوں کی۔ اور کہہ دیتے ہیں نم کنومۃ العروس۔ یعنی تو سوجا دلہن کی طرح جس کے لیے ہر آرام اور راحت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ تیسرا موقعہ نزول ملائکہ کا حشر ہے جب مؤمنین کو دخول جنت کی بشارت سناتے ہوں گے۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ اور کہا جا رہا ہوگا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ اور کافروں کو دخول نار کی وعید سنائی جا رہی ہوگی۔

یہ مواقع نزول تو موت کے وقت سے لے کر حشر اور حساب و کتاب تک ہوئے۔ انسان کی دنیاوی حیات میں بھی فرشتوں کا مؤمنین پر اترنا متعدد صورتوں میں ہوتا ہے کبھی اعمال صالح کی تلقین اور قلب میں ان کی رغبت و شوق ڈالنے کے لیے اترتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات انسان اپنے قلب میں غیر شعوری طور پر اعمال صالح کی ایک عجیب رغبت و شوق کی کیفیت محسوس کرتا ہے اور کبھی مصیبت اور غم کے وقت سکینت و طمانیت کا القاء کرنے کے لیے اترتے ہیں جیسے غزوۂ بدر میں ہوا چنانچہ ارشاد ہے۔ اِذْ يُوحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ۔ ان دو قسموں کے نزول اور رفاقت کے علاوہ فرشتوں کا وہ نزول ہے جو نوبت بنوبت بندوں کے اعمال لکھنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔

جنّت میں تفاوتِ درجات کے باوجود باہمی تحاسد نہ ہوگا

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ کا مدلول یہ ہے کہ اہل جنت جس کسی چیز کی خواہش کریں گے وہ ان کو حاصل ہو جائے گی۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اس پر ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا جس سے یہ اشکال دور ہوگیا کہ جنت میں درجات مختلف ہوں گے اور بعض دوسرے بعض پر بلندی اور فضیلت رکھنے والے ہوں گے تو کم تر درجے کے لوگ اگر اپنے سے بلند مرتبہ والوں کو نہ جانیں گے تو جہل لازم آئے گا۔ اور جہالت عیب اور نقصان ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اہل جنت ناقص اور عیب دار ہوں۔ اور اگر جانیں گے تو طبعی تقاضے کے باعث حسد ہوگا تو یہ بھی بُری خصلت ہے تو فرمایا یہی شق اختیار کر لی جائے کہ بعض اہلِ جنت کو اپنے بلند درجات والوں کا علم ہوگا لیکن حسد انسانی خصائل میں سے ایک مذموم اور بُری خصلت ہے اور جنتی جنت میں جب داخل کیے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ اور حدیث میں آتا ہے۔ لا تحاسد بینھم ولا تباغض اس لیے اس طرح کی کوئی کیفیت نہیں ہوگی۔ اور رہی یہ بات کہ وہ یہ تمنا کرنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل سے ایسے ہی مراتب عطا فرما دے تو یہ تمنا اس وجہ سے نہیں کریں گے کہ ان کو اپنی استعداد اور صلاحیت معلوم ہوگی وہ اپنے مرتبہ اور استعداد سے بڑھ کر تمنا ہی نہیں کریں گے پھر یہ کہ جنت میں ہر ایک عبدیت کے اعلیٰ اور بلند ترین مقام پر ہوگا اور ان کو تمام باطنی مقامات حاصل ہوں گے اس وجہ سے ان کو مقام رضا و تسلیم بھی حاصل ہوگا اور ہر ایک اپنے درجہ میں اس قدر مسرور و خوش ہوگا کہ دوسروں کے درجات کا احساس ہی نہ ہوگا چہ جائیکہ وہ ان درجات کی تمنا کرنے لگے۔ دنیا میں بھی رضا و تسلیم اور قناعت کا مقام حاصل کرنے والے ایسے بعض لوگ مل جاتے ہیں کہ وہ دوسروں کو اپنے سے بہتر جاننے کے باوجود ان کے مراتب کی خواہش تو کیا ان کو اپنے اس درجہ سے ترقی سے بھی نفرت ہوتی ہے۔ تو جب دنیا میں بھی ایسے قانع افراد ہیں تو آخرت اور جنت میں تو ہر ایک ہی پیکر قناعت اور رضا و تسلیم ہوگا۔ حضرت حکیم الامت اس تحقیق کے دوران دل میں پیش آنے والے ایک اشکال کو بھی رفع فرما گئے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جنتی اپنے بلند مرتبہ والوں کو دیکھ کر تمنا کریں گے جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ایک جنتی دوسرے کو دیکھ کر تمنا کرے گا کہ میرا لباس بھی کاش ایسا ہی ہوتا تو فوراً اس کا لباس اسی جیسا ہو جائے گا تو اصل یہ ہے کہ لباس کی برابری سے درجات کی برابری ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مختلف درجات والوں کو لباس ایک سا دے دیا جائے۔ جیسے کسی ضیافت میں مختلف المراتب لوگوں کو ایک ہی قسم کا کھانا کھلایا جائے اور ایک ہی طرح کا اکرام کیا جائے تو درجہ کی مساوات کی تمنا نہ ہوگی۔ نعمت میں برابری کی تمنا رتبہ میں مساوات کی تمنا کو مستلزم نہیں (ھٰذا ما فہمت من کلمات حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ

اور اس سے بہتر کس کی بات؟ جس نے بلایا اللہ کی طرف

وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور کیا نیک کام۔ اور کہا میں حکم بردار ہوں۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ

اور برابر نہیں نیکی نہ بدی۔ جواب میں تو کہہ اس

اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ

سے بہتر، پھر جو تو دیکھے، تو جس میں تجھ میں دشمنی تھی،

كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ

جیسے دوست دار ہے ناتے والا۔ اور یہ بات ملتی ہے انہیں کو۔

صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾

جو سہار رکھتے ہیں۔ اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ

اور کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوکنے سے،

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ

تو پناہ پکڑ اللہ کی۔ بیشک وہی ہے سنتا جانتا۔ اور اس

اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا

کی قدرت کے نمونے ہیں رات اور دن، اور سورج اور چاند۔ سجدہ نہ کرو

لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ

سورج کو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے

خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۳۷ فَاِنِ

وہ بنائے، اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔ پھر اگر

اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ

غرور کریں تو جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں پاکی بولتے ہیں اسکی رات

وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ۝۳۸ السجدة

اور دن، اور وہ نہیں تھکتے۔

فضیلت دعوت الی اللہ و بیانِ صبر و استقامت و حلم و درگذر در راہ حق

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ .... الیٰ .... وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ۝

(ربط) گذشتہ آیات میں اہلِ ایمان اور ایمان پر استقامت والوں کا اللہ کے یہاں کیا عظیم مقام و مرتبہ ہے بیان فرمایا گیا اب ان آیات میں اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی فضیلت بیان کی جارہی۔ اور یہ کہ عقل و فطرت کے اس قانون کو بخوبی سمجھ لینا چاہیئے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی ہے۔ اور دعوت الی اللہ اور اشاعت حق میں انسان کو بڑی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ان کا مقابلہ اور شدائد پر صبر کی ضرورت ہے۔ یہ چیز کمال کی نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص بُرا طرزِ عمل اختیار کرے تو اس کے جواب میں وہی طرز اختیار کیا جائے اس طرزِ عمل سے بُرائی کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اور زائد پھیلتی ہے اگر برائی کو مٹانا مقصود ہو تو اس کا بس یہی ایک طریقہ ہے کہ ملاطفت اور نرمی سے اس کو دور کیا جا سکتا ہے۔ یہی صورت کامیابی اور ترقی کی ہوسکتی ہے۔ اور اس راہ میں جہاں خارجی رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ ساتھ ہی خود انسان کے قلب و دماغ پر بسا اوقات ایسے خطرات و خیالات وارد ہوتے ہیں کہ قریب ہوتا ہے کہ راہ حق سے اس کے قدم ڈگمگا جائیں تو خارجی رکاوٹوں کے ساتھ یہ داخلی رکاوٹیں بھی پیش آیا کرتی ہیں تو وساوسِ شیطانیہ سے بچاؤ صرف اللہ رب العزت کی پناہ و حفاظت سے ہوسکتا ہے تو دعوت الی اللہ کی بلند منزلوں کو طے کرنے میں اللہ ہی کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ تو فرمایا۔ اور اس سے بہتر کون شخص ہوسکتا ہے۔ اپنے قول و دعوت کے لحاظ سے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے۔ اور خود نیکی کا کام کرتا رہے اور اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر یہ اعلان کرتا رہے کہ میں تو (اللہ کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ مشرکین و منکرین کے ایسے ماحول میں جو اللہ کے دین کو حقیر سمجھتے ہوں۔ ان کے سامنے بجائے مرعوب و مجوب ہونے کے فخر کے ساتھ یہ کہے کہ اِنَّنِیْ

مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اپنے مذہب پر اس طرح کے فخر اور اعلان سے کافروں کے حوصلے پست ہوں گے۔ اور اہل سعادت کو ایمان کی رغبت اور پختگی نصیب ہوگی۔ اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ کا فرض انجام دینے میں جہلاء کا مقابلہ اور معاندین کی طرف سے ایذا رسانی کا معاملہ ہوتا ہے تو ایسی صورت پیش آنے پر ایک ضابطہ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ برابر نہیں ہے نیکی برائی اور بدی کے اور نہ بدی برابر ہے نیکی کے۔ ہر ایک کا حال اور اثر جدا ہوتا ہے۔ نیکی کا انجام فلاح و کامرانی ہوتا ہے اور بدی کا انجام ذلت و ناکامی اس لیے دعوت الی اللہ میں مشغول انسان یقیناً کامیاب و سربلند ہوں گے۔ اور ان کے مقابلہ و معارضہ کرنے والے معاند ذلیل و ناکام ہوں گے۔ اے مخاطب بس تو اپنا دستور العمل یہ بنالے کہ مدافعت کرتا رہ برائی کا ایسے طریقہ سے جو نہایت ہی خوبی کا ہو تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ تو دیکھ لے گا کہ تیرے اور جس شخص کے درمیان دشمنی ہے وہ گویا کہ تیرا نہایت ہی مخلص و ہمدرد و قریبی دوست اور رشتہ دار ہے۔ اور یہ بات نہیں حاصل ہوتی مگر صرف ان ہی لوگوں کو جو اپنے اخلاق و کردار سے صابر و مستقل مزاج ہوں۔ اور نہیں نصیب ہوتی یہ خصلت مگر ان لوگوں کو جو بڑے ہی نصیب والے ہیں۔ یہ طرز عمل تو اس وقت ہے جب دعوت الی اللہ اور راہ حق میں رکاوٹیں خارج سے پیش آئیں۔ اور اگر خود تیرے قلب و دماغ میں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہو کر تجھ کو ڈگمگائے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کر۔ بیشک وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ وہ پروردگار تیرے عمل و اخلاص کو دیکھنے اور تیرے قول کو سننے کی وجہ سے تجھ کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔ نہ خارجی عداوتیں تجھے نقصان پہنچا سکیں گی اور نہ تیرے نفس کی داخلی رکاوٹ اور وسوسے تجھے ناکام بنا سکیں گے۔ اور اللہ کی نشانیوں سے نورات اور دن ہے اور سورج و چاند ہیں۔ جو اپنے انقلاب و تبدیلی سے ہر شاہدہ کرنے والے انسان کو یہ سمجھاتے ہیں کہ دنیا میں کوئی حالت ایسی نہیں کہ جو تبدیل نہ ہو۔ رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی نمودار ہو کر زبان حال سے یہ بتاتی رہتی ہے کہ کسی بھی مغلوب و عاجز یا پریشان و مغموم شخص کو جو آلام و افکار کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہو مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اس کے افکار و پریشانیوں کی تاریکیاں عنقریب کامیابی اور غلبہ کی صبح صادق کے نور سے مٹ جائیں گی۔ قدرت خداوندی کے ان کرشموں کو دیکھ کر اے لوگو کارخانہ عالم کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے رب کو پہچانو۔ ہرگز پرستش نہ کرو۔ سورج کی اور نہ چاند کی اور صرف اسی خدا کے لیے سجدہ کرو جس نے سورج و چاند کو پیدا کیا ہے۔ اگر تم کو اسی خدا کی عبادت کرنا ہے۔ کیونکہ خدا کی خالقیت کے اقرار کے ساتھ کسی دوسرے کو اس کی عبادت میں شریک کرنا درحقیقت

ع‍ل‍ہ کَاَنَّہٗ یعنی گویا کہ وہ تیرا دوست و ہمدرد ہے یہ عنوان اس لحاظ سے ہے کہ اگرچہ وہ دشمن جس کے ساتھ تم نیکی کا برتاؤ کرو گے حقیقتاً دوست نہ بنے مگر بہرکیف اگر اس میں انسانی شرافت کا ادنیٰ سا بھی اثر ہے تو وہ یقیناً معاملہ ایسا ہی کرنے لگے گا جیسا کہ دوست ہو۔

اس کی عبادت ہی سے انکار ہے۔ لہٰذا یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کی عبادت و پرستش کرتے ہوئے یہ دعویٰ کریں کہ ہم تو اسی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

بہرحال یہ حقائق ہیں جن کا تسلیم کرنا ہر صاحب عقل پر ضروری ہے۔ پھر بھی اگر یہ لوگ اللہ کی عبادت و توحید سے تکبر کریں اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں یہ سمجھیں کہ ہماری ذلت ہوگی تو پھر ایسے لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اے ہمارے پیغمبر جو فرشتے آپ کے رب کے نزدیک ہیں اور بارگاہ خداوندی کے مقرب ہیں وہ تو تسبیح و پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اسی رب کے لیے رات اور دن۔ اور وہ اس سے تھکتے نہیں ہیں تو جس خدا کی عظمت و برتری کا یہ مقام ہے کہ ملائکہ مقربین شب و روز اس کی حمد و ثنا اور تسبیح میں مصروف ہیں اس کو کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔ اور نہ اس کو کسی کی نافرمانی سے کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے۔ وہ پروردگار عالم تو تمام جہانوں سے مستغنی و بے نیاز ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اگر اولین و آخرین زندہ و مردہ جن و انس جاندار و بے جان چیزیں سب کی سب سراپا تقویٰ ہو جائیں تو خدا کی خدائی میں مچھر کے پر کے برابر اضافہ نہیں کر سکتے اور اگر یہ سب خدا کی نافرمانی اور شقاوت کا پیکر بن جائیں تو خدا کی ملک میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں کر سکتے۔

دعوت الی اللہ کے آداب اور صبر وتحمل کے بہترین ثمرات

حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنے ایک وعظ دعوت الی اللہ میں ان آیات کی تفسیر و تشریح میں عجیب لطائف و نکات بیان فرمائے۔ یہ پورا مضمون حضرت اقدس ہی کی عبارت کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہے۔

فرماتے ہیں ان آیات میں حق تعالےٰ نے ایک خاص عمل کی فضیلت مع اس کے مکملات اور آداب کے ارشاد فرمائی ہے۔ وہ خاص عمل دعوت الی اللہ ہے یعنی حق تعالےٰ کی طرف بلانا یعنی اس کے دین کی طرف بلانا یہ تو مقصود ہے اور دو اس کے مکمل ہیں یعنی عمل صالح اور تواضع اور اعتراف فرمانبرداری۔

ترجمہ آیت :- "کون شخص ہے زیادہ احسن از روئے قول کے اس شخص سے جو خدا کی طرف بلاوے" استفہام انکاری ہے یعنی اس سے اچھا کسی کا قول نہیں جو اللہ کی طرف بلاوے۔ احسن سے معلوم ہوا کہ اچھی باتیں تو اور بھی ہیں مگر جتنی اچھی باتیں ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھی بات "دعوۃ الی اللہ" ہے۔ استفہام بقصد نفی ہے۔ سبحان اللہ! کیا بلاغت ہے کہ پوچھتے ہیں کون ہے احسن از روئے قول کے، اس میں مبالغہ زیادہ ہے کیونکہ عادت ہے کہ جس جگہ یہ تردد ہوتا ہے کہ کوئی خلاف جواب دے دے گا۔ وہاں پوچھا نہیں کرتے مثلاً یوں کہتے ہیں کہ میاں فلاں تجارت سے اچھی کون سی تجارت ہے یہ وہاں کہتے ہیں کہ جہاں مخاطب کو متکلم کی رائے سے اختلاف نہ ہو اور جہاں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید مخاطب خلاف

جواب دیدے وہاں پوچھا نہیں کرتے بلکہ یوں بتلاتے ہیں کہ میاں اس سے اچھی کوئی تجارت نہیں اور جہاں یہ احتمال نہیں ہوتا بلکہ اعتماد ہوتا ہے کہ مخاطب بھی پوچھنے پر یہی جواب دے گا وہاں پوچھا کرتے ہیں کہ تم ہی بتاؤ کہ کونسی بات اچھی ہے کیونکہ ظاہر بات ہے بدیہی اور حسی بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اسی طرح اس دعوۃ الی اللہ کی فضیلت اتنی صاف بدیہی اور محسوس تھی کہ صرف پوچھنا کافی ہو گیا، گویا کوئی کہہ نہیں سکتا کہ اس سے اچھی فلاں بات ہے تو استفہام میں تو یہ بلاغت ہے۔

اَحۡسَنُ قَوۡلًا کی تحقیق سو یہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے یعنی کس کی گفتگو سب سے اچھی ہے وجہ اس ترجمہ کی ظاہر ہے کیونکہ احسن باعتبار قصد کے صفت ہے قولاً کی اور اقوال ہی کے اعتبار سے اس کی تفضیل بھی ہے اور چونکہ مفضل جنس مفضل علیہ ہی سے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ سب قولوں سے اچھا اس شخص کا یہ قول ہے اور یہاں تک تو کوئی اشکال نہ تھا مگر آگے ارشاد ہے۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور عمل صالح بھی کرے اس جملہ کو اس کے معطوف علیہ کے ساتھ ملانے سے حاصل یہ ہوا کہ سب سے اچھی بات اس شخص کی ہے جو دعوت الی اللہ کرے اور نیک کام کرے۔ اس میں اشکال یہ ہے کہ دعوت الی اللہ کو تو احسنیۃ قولاً میں دخل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ خود قول ہے اور سب سے احسن مگر عمل صالح کا اس میں کیا دخل؟ کیونکہ وہ فعل ہے قول نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ قول نہیں۔ مگر آداب وتکمیلات قول سے ہے اس لیے یہ بھی قول کے احسن ہونے میں دخیل ہے تو حاصل یہ ہوا کہ صاحب قولِ احسن وہ ہے جو دعوت الی اللہ بھی کرے اور اس کے ساتھ ہی خود عمل بھی کرے۔ یعنی جو کچھ کہے اس کے موافق عمل بھی کرے تب وہ صاحب قول احسن ہے اس پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کوئی بہت اچھی بات کہے اور عمل اچھا نہ کرے تو قول تو اچھا ہے مگر عمل اچھا نہیں ہے مثلاً اگر کوئی دعوت الی الاسلام کرے اور خود مسلمان نہ ہو دعوت الی الصلوٰۃ کرے اور خود نمازی نہ ہو اسلام کے اوصاف بیان کرے اور خود ان پر عقیدہ نہ رکھے تو اس پر مَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا تو صادق آتا ہے کیونکہ اس کے معنی من قولہ احسن ہیں۔ یعنی جس کی بات بہت اچھی ہو وہ احسن قولاً ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب اگر کوئی خود عمل نہ کرے تو اسکے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل رہا اگر اس نے خود نماز نہ پڑھی تو اس کا یہ قول احسن ہے زائد سے زائد یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمل احسن نہیں تو اس سے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل پڑا۔ اس کا جواب بنص قرآن بجز اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ قول کے اچھے ہونے میں عمل کے اچھے ہونے کو بھی دخل ہے اور اس بنا پر اس آیت سے ایک مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ داعی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک صاحب عمل صالح اور ایک غیر صاحب عمل صالح اول کا قول یا دعوۃ احسن ہے یا دعوۃ غیر احسن ہے۔ الدعوۃ الی اللہ صـ۱۲ تا صـ۱۳ الغرض احسنیۃ جب ہوگی کہ جہاں وعظ کے ساتھ عمل بھی ہوگا۔ اور جہاں نرا وعظ ہوگا اور عمل نہ ہوگا وہ بیان احسن نہ ہوگا۔ کیونکہ افعل التفضیل کی نفی سے مجرد صفت کی نفی لازم آتی ہے اور چونکہ بسا اوقات وعظ اور عمل صالح کے ساتھ ہی اس میں کبر اور عُجب بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ میں بڑا صاحب کمال ہوں اس لیے آگے اس کے علاج کے لیے تواضع کی تعلیم فرماتے ہیں۔ وَقَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ یعنی یہ بھی کہے کہ میں تو اس

کے فرمانبرداروں میں سے ہوں کہ "من نیز از غلامان ادیم" کے حکم پر چلتا ہوں اور انني من مسلم نہیں فرمایا کہ جس سے تفرد کا شبہ ہوتا اس لیے اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ غلام اور فرمانبردار بہت ہیں ان میں سے ایک میں بھی ہوں ایک غلام نے اگر فرمانبرداری نہ کی تو اپنا ہی کچھ کھویا۔

جاننا چاہیئے کہ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کے دو معنی ہو سکتے تھے۔ ایک دعویٰ و فخر اور ایک تواضع مگر یہاں تواضع مراد ہے اور اس کی تائید کہ ایک ہی لفظ دو معنوں میں مستعمل ہو سکتا ہے خود قرآن مجید کے دوسرے موقع سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ایک جگہ مقبولین کی مدح میں ان کا مقولہ ارشاد ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا۔ یعنی اے اللہ ہم نے ایک منادی کو سُنا کہ وہ ایمان کے لیے ندا دیتا ہے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ فامنا پس ہم ایمان لائے۔ اے پروردگار بس بخش دیجیے ہمارے گناہ اور دور کر دیجیے ہماری برائیاں دیکھیے یہاں اٰمنا تواضع انکسار و افتقار کے لیے ہے جس کو ذوق سلیم اور سیاق و سباق صاف بتلا رہا ہے۔

اب دوسری آیت لیجیے جو اسی لفظ کو کبر و عجب کے طور پر استعمال کرنے پر دال ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا الآیۃ۔ یہاں بھی وہی آمنا ہے مگر یہاں اس کو رد کیا گیا ہے جس کا سبب وہی ہے کہ دعویٰ اور فخر سے کہتے تھے چنانچہ بعد والی آیت اس پر صریح دال ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یعنی وہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں اپنے اسلام لانے کا۔ فرما دیجیے کہ احسان نہ رکھو مجھ پر اپنے اسلام کا بلکہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی بشرطیکہ تم اس قول میں سچے ہو۔ غرض ـــــ یہاں ان کا آمنا کہنا دعویٰ اور فخر کے طور پر تھا۔ اس کے جواب سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ واقعی خدا کا احسان ہے جو اس نے ہمیں نیک کام کی ہدایت کر دی۔ اسی طرح یہاں بھی فرما دیا۔ وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ تو ایک تکمیل دعوت الی اللہ کی یہ ہوئی تو اب کل تین چیزیں ہوئیں۔ ایک مقصود یعنی دعوت الی اللہ اور دو اس کے مکمل یعنی عمل صالح اور تواضع و افتقار و اعتراف و فرمانبرداری۔ الدعوت الی اللہ ص۲۹۔ ص۳۰ وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ فخر اور لذت کے طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہو نہ یہ کہ اس کو اپنے اس عنوان اور انتساب کے اظہار میں کوئی جھجک یا شرم معلوم ہو اور یہ شرم نہ تو قولاً اعلان اسلام میں اور نہ ہی اپنے عمل سے اپنے اسلام کے اظہار میں ہو۔ الحاصل داعی میں دعوت کے ساتھ عمل صالح اور ساتھ تواضع اور انکسار اور اعتراف فرمانبرداری بھی ضروری ہے اپنی دعوت اور خدمت پر فخر نہ کرے اس لیے کہ سب کام خدا کی توفیق سے ہوتا ہے اس لیے اپنے اوپر نظر نہ کرنی چاہیئے۔ اب آگے بقیہ آیات کا ترجمہ اور تفسیر بیان کیے دیتا ہوں۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ یعنی اچھائی اور برائی برابر نہیں۔ یہاں سوال ہوتا ہے کہ

اوپر تو دعوت الی اللہ کا ذکر تھا یہاں یہ بیان ہے کہ نیکی بدی برابر نہیں ہے آخر اس جملہ کو سیاق و سباق سے کیا مناسبت ہے۔ آگے ارشاد ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ یعنی مدافعت کیجئے اس طریقہ سے جو اچھا ہو یہ بھی بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اخلاق کی تعلیم ہو رہی ہے جواب یہ ہے کہ اصل تعلق تو دعوت الی اللہ کے معمول سے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کا ہے اس طرح سے کہ جو شخص دعوت کے لیے کھڑا ہوتا ہے عموماً اس کی مخالفت ہوتی ہے لوگ بُرا بھلا کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس وقت اس میں ہیجان پیدا ہو اور یہ بھی بدی کے بدلہ بدی کر بیٹھے اس لیے ایسے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی سے تعلیم فرماتے ہیں کہ اخلاق درست کرو اپنے میں ضبط و صبر پیدا کرو یہ معنی ہوئے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کے یعنی ادفع السیئۃ بالحسنۃ کہ کوئی برائی کرے تو اسے نیکی کر کے دفع کر دو پس اصل تعلق تو جملہ اِدْفَعْ کا ہے باقی لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ الخ یہ اس کی تمہید ہے یعنی بتلانا تو مقصود ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ الخ کا مگر تمہید میں پہلے ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ دیکھو نیکی اور بدی اثر میں برابر نہیں ہوتی یعنی اگر برائی کا انتقام برائی سے لے لیا تو اس کا اثر اور ہوگا اور اگر ٹال دیا تو اس کا اثر اور ہوگا اور وہ اثر یہ ہوگا کہ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ جس شخص کے اور تمہارے درمیان میں عداوت تھی۔ وہ ایسا ہو جائے گا جیسے گاڑھا دوست۔ مطلب یہ کہ دعوت الی اللہ کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ مخالفین بھڑکیں نہیں۔ کیونکہ اگر بھڑکے گا تو اس کا شر اور بڑھے گا پہلے چھپی عداوت کرتا تھا تو اب کھلی ہوئی کرے گا۔ تو اس عداوت سے اور شر سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ ٹال دو اور انتقام لینے کی فکر نہ کرو۔ تو دشمن دوست بن جائے گا۔ اور پھر وہ اگر تمہیں مدد بھی نہ دے گا تو تمہاری کوششوں کو روکے گا بھی نہیں۔ اور دعوت الی اللہ کا کام مکمل ہو جائے گا۔ یہاں اس کے متعلق ایک شبہ ہے کہ ہم بعض جگہ دیکھتے ہیں کہ باوجود اس رعایت کے بھی وہ دوست نہیں بنتا بلکہ وہ اپنے شر و فساد میں اسی طرح سرگرم رہتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بقاعدۂ عقلیہ ایک شرط ملحوظ ہے وہ یہ کہ بشرط سلامۃ الطبع کہ وہ شر سے اس وقت باز رہے گا جبکہ سلیم الطبع ہو اور اگر سلامت طبع کی قید نہ ہو تو اس وقت یہ جواب ہے کہ ولی حمیم نہیں فرمایا بلکہ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ فرمایا ہے تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ شر ہی میں کمی رہے گی اور اگر تم انتقام لوگے تو گو اس وقت وہ عدم قدرت کی وجہ سے خاموش ہو جائے مگر در پردہ کینہ مضمر رکھے گا اور حتی الامکان لوگوں سے تمہارے خلاف سازش کرے گا جس کو غلطی سے آدمی کبھی یوں سمجھ جاتا ہے کہ انتقام اصلح ہوا۔ تو ایک ادب یہ بتایا تبلیغ کا کہ صبر و ضبط سے کام لیا جائے اور جو ناگوار امور مخالفین کی طرف سے پیش آویں انہیں برداشت کیا جائے اور یہ مدافعت سیئۃ بالحسنۃ چونکہ کام تھا نہایت مشکل اس لیے اس کی ترغیب کے لیے فرماتے ہیں وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے تو اس مدافعت کی ترغیب دو وجہ سے دلائی گئی ہے ایک باعتبار اخلاق کے کہ ایسا کرنے سے صابرین میں شمار ہوگا اور ایک باعتبار اجر و ثواب کے ایسا کرو گے تو اجر عظیم کے مستحق ہو جاؤ گے اب اس میں ایک مانع بھی تھا۔

یعنی دشمن شیطان جو ہر وقت لگا ہوا ہے اس کا بھی علاج بتاتے ہیں۔ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اگر آپ کو شیطان کی طرف سے وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے یعنی بعض اوقات مخالفین کی باتوں پر شیاطین غصہ دلاتے ہیں اور اس وقت صبر کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے وقت کے لیے فرماتے ہیں فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ خدا کی پناہ میں چلے جاؤ یہ مطلب نہیں کہ صرف زبان سے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھ لیا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ خدا سے دل سے دعا کرو کہ وہ شیطان کے وسوسے کو دور کردے، اور صبر پر استقامت دے۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ بلاشبہ وہ سُننے والا خوب جاننے والا ہے یعنی وہ تمہاری زبان سے پناہ مانگنے کو بھی سُنیں گے اور دل سے پناہ مانگنے کو بھی جانیں گے اور پھر تم کو پناہ دیں گے اور مدد کریں گے اور شیطان کو دفع کر دیں گے ان آیات میں حق تعالیٰ نے پورے پورے آداب اور تکملات دعوت الی اللہ کے اور اس کے طریقے سب بتلا دیئے انتہی کلامہٗ اس مضمون کی افادیت کے پیش نظر تبرکاً اور تلذذاً یہ تمام کلمات وعظ الدعوت الی اللہ از صفحہ ۳۶ تا صفحہ ۴۸ سے نقل کیے گئے ہیں حضرات قارئین اصل کی مراجعت فرمالیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ

اور ایک اس کی نشانی یہ کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی پڑی، پھر جب

اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ

اُتارا ہم نے اس پر پانی، تازی ہوئی اور اُبھری۔ بے شک جس

اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۳۹)

نے اس کو جلایا، وہ جلادے گا مردے، وہ سب چیز کر سکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ

جو لوگ ٹیڑھے دھنستے ہیں ہماری باتوں میں ہم سے چھپے نہیں۔

اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ

بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں، بہتر یا ایک جو

يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا

آوے گا بچ کر اس دن قیامت کے، کرتے جاؤ جو چاہو، بیشک جو

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا

کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔ جو لوگ منکر ہوئے سمجھوتی سے، جب ان

جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ

پاس آئی۔ اور یہ کتاب ہے نادر۔ اس پر جھوٹ کا دخل نہیں

بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ

آگے سے نہ پیچھے سے۔ اُتاری ہے حکمتوں والے سب

حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ

خوبیوں سراہے کی۔ تجھ سے وہی کہتے ہیں، جو کہہ دیا ہے سب رسولوں سے

مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ

تجھ سے پہلے۔ تیرے رب کے ہاں معافی بھی ہے، اور سزا بھی ہے

اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا

دکھ والی۔ اور اگر ہم اس کو کرتے قرآن اُوپری زبان کا، تو کہتے اس کی باتیں

فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ

کیوں نہ کھولی گئیں۔ اوپری زبان اور عرب کا آدمی؛ تو کہہ یہ ایمان

اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

والوں کو سوجھ ہے، اور روگ کا دفع۔ اور جو یقین نہیں لاتے

فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ

ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ ان کو اندھاپا۔ ان کو

يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

پکارتے ہیں دور کی جگہ سے۔ اور ہم نے دی تھی موسیٰ

الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

کو کتاب، پھر اس میں پھوٹ پڑی - اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے نکل

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ

چکی تیرے رب سے، تو ان میں فیصلہ ہو جاتا - اور وہ دھوکے میں ہیں اس سے جو

مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ

چین نہیں دیتا - جس نے کی بھلائی سو اپنے واسطے، اور جس نے

اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

کی برائی وہ بھی اسی پر - اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے بندوں پر -

بیان دلائل قدرت وتنبیہ وتہدید برائے ملحدین در آیات واحکام خداوندی

قال اللہ تعالیٰ - وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ ... الیٰ ..... بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○

(ربط) گذشتہ آیات میں دعوت الی اللہ کے مضمون کے ضمن میں معاندین کے مقابلہ اور ان کی رکاوٹوں کا ذکر تھا اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ اپنی قدرت کی ایسی نشانیاں ذکر فرما رہے ہیں جن کو تصور کر کے داعی الی اللہ کو کسی بھی مرحلہ پر مایوس نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ طبعی طور سے یہ ممکن ہے کہ داعی الی اللہ مخاطبین کی بے بسی غفلت عناد اور بغاوت کا رنگ دیکھ کر مایوس ہو جائے تو اس کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ رب العزت کی قدرت کی یہ نشانیاں دیکھنی چاہئیے کہ زمین بنجر ہو چکنے کے بعد بارش کے پانی سے زندہ ہو جاتی ہے اور ایسی خشک اور بے آب وگیاہ زمین بارش برسنے کے بعد بسا اوقات سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے سبزہ اور پھلواریاں اس میں لہلہانے لگتی ہیں تو اسی طرح یہ بہت ممکن ہے جو مخاطبین آج تک وعظ و نصیحت کا اثر نہیں قبول کر رہے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت وحی الٰہی جو قلوب کے لیے حیات وشادابی کا سامان ہے سے اپنے قلوب کو شاداب بنالیں گے۔ اس وجہ سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اسی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ ایسے مجرمین جو اللہ کے دین میں تحریف کرتے ہیں۔ وہ خدا سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ اور اس سلسلے میں جو کچھ بھی ذہنی کوفت اور اذیت آپ کو پہنچے اس پر صبر کیجئے۔ یہ بات آج کوئی نئی بات نہیں۔ انبیاء سابقین کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوتا رہا ہے ایسے مجرمین کا جرم بیشک اس امر کا

موجب ہے کہ وہ جلد ہی حق تعالیٰ کے عذاب اور قہر سے ہلاک کر دیئے جائیں لیکن خدا کا یہ قانون طے ہو
ہو چکا ہے کہ ان کو مہلت دی جائے تاکہ دنیا دیکھ لے کہ اللہ کا دین وہ سچا دین ہے کہ مخالفین کی عداوت سے
اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ تو ارشاد فرمایا۔

اور اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے یہ بھی ایک عظیم نشانی ہے کہ اے مخاطب تو دیکھتا ہے
زمین کو کر دبی دبائی پڑی ہے۔ پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو لہلہانے لگی۔ اُبھرنے اور پھلنے پھولنے لگی۔
بیشک جس پروردگار نے اس خشک و بنجر زمین کو زندہ کیا۔ یقیناً وہی مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے
بے شک وہ ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہے۔ تو اسی طرح قیامت میں مردوں کو زندہ کرے گا اور قدرت کاملہ
سے وہ دنیا میں بھی مردہ قلوب کو حیات بخش کر ان کو ایمان و معرفت اور تقویٰ و طاعت کی شادابی
سے سرسبز و شاداب بنا سکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کے یہ دلائل قدرت یقیناً ایسے واضح ہیں کہ ان کو سُن
کر ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ اس کی طاعت و بندگی کے لیے سرنگوں ہو جائے لیکن حیرت اور افسوس کا مقام
ہے کہ پھر بھی بہت سے لوگ اللہ کی آیات میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ سو ایسے ملحدین کو سُن لینا چاہیئے کہ
بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم ان کو خوب
دیکھ رہے ہیں اور ان کو سزا دینے پر بھی ہم قادر ہیں تو بھلا یہ بتاؤ جو شخص آگ میں ڈالا جائے جیسا کہ
ان مکذبین و مجرمین کو ڈالا جائے گا وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز نہایت ہی امن و سکون
کی حالت میں آئے۔ یہ ہے قانون خداوندی اور اس کا فیصلہ لہٰذا کرو جو جی چاہے۔ بے شک جو کچھ تم کر رہے
ہو وہ خوب دیکھ رہا ہے کہ ایسے مجرمین کس طرح اللہ کی باتوں اس کی نشانیوں اور احکام میں کج روی اختیار
کرتے ہیں۔ اور آیات اللہ کا مطلب اپنی خواہشات کے مطابق گھڑ لیتے ہیں تو بلاشبہ ایسے سرکش و باغی اللہ
کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے جہاں ان کا بہت بُرا حشر ہوگا اور ظاہر ہے کہ
ایسا شخص اور وہ سلیم الفطرت انسان جو اپنی سلامتی اور فطرت سے اللہ کی باتوں کو سُنے، مانے اور ان پر عمل
کرے۔ یقیناً برابر نہیں ہو سکتے۔ بے شک جن لوگوں نے اللہ کے پیغام نصیحت کا انکار کیا جب کہ ان کے
پاس وہ پہنچ چکا۔ وہ درحقیقت اپنی کج روی عناد اور حق کے ساتھ بغاوت ہی کی وجہ سے انکار و روگردانی
کرتے ہیں۔ خود پیغام خداوندی میں کسی طرح کی بھی کوئی کمی نہیں وہ تو یقیناً ایک بہت ہی باوقعت بلند پایہ
کتاب ہے کہ ہرگز نہیں آسکتا ہے کوئی باطل اس تک نہ اس کے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ
نازل کی ہوئی کتاب ہے اس پروردگار کی طرف سے جو بڑی حکمتوں والا نہایت پسندیدہ قابل تعریف ہے۔
اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے ایسی بلند پایہ حکمتوں سے لبریز کتاب پر بھی اگر یہ بدنصیب ایمان
نہ لائیں تو اے ہمارے پیغمبر آپ اس پر غم نہ کیجئے اور نہ مایوس ہوں ان منکرین کی طرف سے نہیں کہی جا رہی
ہیں یہ باتیں آپ کو مگر وہی جو آپ سے پہلے رسولوں کو کہی گئیں تو جس طرح انہوں نے ان باتوں کو
برداشت کیا آپ بھی برداشت کریں اور اس امر سے بھی تسلی حاصل کیجئے کہ بے شک آپ کا رب

بڑی مغفرت فرمانے والا ہے۔ اگر کوئی شخص بغاوت و سرکشی سے باز آجائے اور بہت ہی دردناک سزا والا ہے۔ عہ اگر کوئی باز نہ آئے تو آپ کو پریشان و غمگین نہ ہونا چاہیئے مطیعین و فرمانبرداروں کے واسطے رحمت و مغفرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور مجرمین نافرمانوں کے واسطے سزا اور عذاب کی کوئی کمی نہیں۔ اور رہی یہ بات ان معترضین و مخالفین کی کہ قرآن کا کچھ حصہ عجمی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا تو اگر ہم اس قرآن کو عجمی بناتے اور اس کے کچھ حصے یا کل کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو پھر یہ لوگ یوں کہتے کیوں نہیں صاف صاف بیان کی گئیں اس کی آیتیں۔ ہم تو عربی ہیں۔ اب عجمی زبان کیونکر سمجھیں اور یوں کہتے کیا عجیب بات ہے یہ قرآن عجمی ہے۔ اور رسول عربی ہے آپ کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن تو یقین کرنے والوں کے واسطے ہر نیک کام اور سعادت و فلاح کے لیے اور شفا ہے۔ ان تمام بیماریوں کے لیے جو بُرے کاموں سے دلوں میں پیدا ہو جائیں جو لوگ اس کے باوجود بھی اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے ہیں تو درحقیقت ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے جس کی وجہ سے کوئی نصیحت و حکمت کی بات سننے ہی پر قادر نہیں اور وہ ان کے تدبر اور توجہ نہ ہونے کی وجہ سے چھپا ہوا ہے۔ عناد و تعصب نے ان کی آنکھیں چندھیا دی ہیں۔ جس کی وجہ سے انہیں قرآنی حقائق اور معارف نظر نہیں آرہے ہیں جس طرح آفتاب کی روشنی خفاش کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے تو یہ لوگ گویا پکارے جا رہے ہیں کسی دور جگہ سے کہ آواز اگر سنائی بھی دے تو سمجھ میں نہیں آسکتا کہ کیا کہا جا رہا ہے۔ بالکل اسی طرح یہ لوگ قرآن کریم کے مضامین اس کے حقائق اور پیغام نصیحت سمجھنے سے قاصر و محروم ہیں اور یہ بات اور کفار مکہ کی روش کوئی نئی اور عجیب بات نہیں اللہ کے رسولوں کے ساتھ منکرین ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔ کسی نے مانا اور کسی نے نہیں مانا کسی نے کج روی اختیار کی اور کسی نے سلامتی طبع کا ثبوت دیا۔ تو آپ کو ان کفار قریش کی ایسی روش پر مغموم نہ ہونا چاہیئے اور اگر ایک بات آپ کے رب کی طرف سے طے نہ ہو چکی ہوتی اور وہ یہ کہ دنیا میں ان کو مہلت دینا ہے اور آخرت کا عذاب ان پر دائمی مسلط کیا جائے تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور عذاب سے ہلاک کر دیئے جاتے اور یہ لوگ تو بیشک اس عذاب کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جو ان کو تردد میں ڈالنے والا ہے اللہ نے تو بس یہ قانون طے کر دیا ہے کہ جو شخص نیک کام کرے تو وہ اسی کے فائدے کے لیے ہے اور جو کوئی شخص بُرا کام کرے اس کا وبال اسی پر ہے اور اے ہمارے پیغمبر آپ کا پروردگار تو ذرہ برابر بھی بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ وہ کسی کی نیکی اور طاعت کو ضائع کر دے یا کسی کو بلا جرم اور معصیت کے عذاب میں ڈال دے۔ عدل و انصاف سے ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے جس کا وہ مستحق ہو۔

عہ سعید بن المسیبؒ سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ کی مغفرت اور درگذر نہ ہوتا کسی کی زندگی خوشگوار نہ رہتی۔ اور اگر اس کی وعید و عقاب نہ ہوتا تو ہر شخص بے خوف ہو جاتا۔

الحاد فی الدین اور تحریف

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا حق تعالیٰ شانہ نے ان آیات میں ملحدین پر بڑی ہی شدید وعید اور تنبیہ بیان فرمائی ہے۔ نافرمانی کے متعدد مراتب ہیں ایک درجہ کفر کا ہے کہ اللہ ہی پر ایمان نہ لائے۔ قیامت کا اور اللہ کے رسول ؐ کا انکار کرے۔ ایک درجہ یہ ہے کہ ایمان لاکر احکام خداوندی کی تعمیل نہ کرے نہ فرائض ادا کرتا ہو اور نہ معاصی سے اجتناب کرتا ہو۔ ایک درجہ یہ ہے کہ اللہ کی باتوں کو اپنی اغراض کے مطابق بنانے کے لیے اس کے کلام کو اصل مفہوم اور مقصد سے پھیر کر اپنے مقصد پر منطبق کرتا ہو تو اس تیسری نوع کی نافرمانی اور مخالفت کو الحاد کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے منقول ہے فرمایا الالحاد وضع الکلام علی غیر مواضعہ یعنی کلام کو اس کے اصل مقصد سے ہٹا کر دوسرے کسی مقصد پر منطبق کرنا۔ اور اس کے مفہوم کو بدل دینا۔ اسی کو تحریف بھی کہا جاتا ہے۔

الفاظ کو برقرار رکھتے ہوئے مراد بدل دینا تحریف معنوی ہے۔ اسی کا نام بروایت ابن عباس ؓ تاویل فاسد بھی ہے۔

اہل کتاب اور یہود کے قرآن کریم نے منجملہ دیگر عیوب کے یہ بھی ایک عظیم عیب فرمایا ہے۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ یہود تحریف لفظی کے ساتھ تحریف معنوی کے بھی مرتکب ہوتے تھے حق تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا کیونکہ خود ہی وعدہ فرما لیا جیسے کہ ارشاد ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ آیت میں تو یہ امکان نہ رہا کہ قرآن کریم میں کوئی تحریف کر سکے۔ البتہ تحریف معنوی کرنے والے ملحدین ہو سکتے تھے کہ قرآن کریم کے مضامین اور معانی میں تحریف کریں چنانچہ ایسا ہوا اور محرفین وملحدین نے اس طرح کی تحریفات کا ارتکاب کیا تو ان پر بطور وعید فرمایا گیا کہ وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

منکرین حدیث اور زائغین بہت سی آیات واحکام میں یہی روش اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً اقامت الصلوٰۃ کا مفہوم محض اللہ کی یاد اِیتاء زکوٰۃ سے مراد پاکی اور اخلاقی عظمتوں کا حصول وغیرہ وغیرہ۔ اسی چیز کو ائمہ مفسرین تفسیر بالرائے کہتے ہیں۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن النقیب ؒ کا ایک کلام نقل کیا ہے جس میں انھوں نے تفسیر بالرائے کی صورتوں کو واضح فرمایا ہے۔

جملۃ ما تحصل فی معنی	کہ حدیث تفسیر بالرائے کی شرح میں مجموعی
حدیث التفسیر بالرأی	طور پر جو اقوال حاصل اور مفہوم ہوتے ہیں
خمسۃ اقوال احدھا التفسیر	وہ پانچ ہیں ایک یہ کہ تفسیر بالرائے یہ ہے کہ

من غیر حصول العلوم التی تجوز معھا التفسیر۔ والثانی تفسیر المتشابہ الذی لا یعلم الا اللہ الثالث التفسیر للمذھب الفاسد بان یجعل المذھب اصلاً والتفسیر تابع فیرد الیہ بای طریق امکن وان کان ضعیفۃً الرابع التفسیر ان مراد اللہ کذا علی القطع من غیر دلیل۔ الخامس التفسیر بالاستحسان للھوٰی الخ۔

انسان ان علوم کو حاصل کیے بغیر تفسیر قرآن کرے۔ جن کے حاصل کیے بغیر تفسیر کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ اور دوسرے ان متشابہات کی تفسیر اور بحث اور تحیص جن کی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تیسرے یہ کہ مذہب فاسد اور باطل کی حمایت کے لیے تفسیر کرے جس کی صورت یہ ہو کہ اپنے اس مسلک اور مذہب کو اصل قرار دے پھر آیت قرآن کی تفسیر کو اس مذہب اور مسلک کی طرف پھیرے اور اس پر منطبق کرے۔ جہاں تک بھی اس کو قدرت و امکان ہو اگرچہ ایسی تاویلات بعیدہ اختیار کرنے کیلیے سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ بلا کسی ثبوت اور سند (اپنی رائے سے) یہ دعویٰ کرے کہ بس اللہ کی مراد یہی ہے پانچویں صورت یہ کہ اپنی پسندیدہ خواہشات کے مطابق تاویل کرے اور ان ہی کی طرف آیات قرآنی کو پھیرے۔ (اور ان پر منطبق کرے)

یہی وہ چیز ہے جس کو خداوند عالم نے قرآن کریم میں بھی واضح فرما دیا ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

اور اے مخاطب مت در پے ہو تو اس چیز کے جس کا تجھے کوئی علم نہیں بے شک انسان کے کان اور نگاہ اور دل یہ سب کے سب قیامت کے روز باز پرس کیے جائیں گے۔

اور اسی طرح فرمایا گیا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جدال و خصومت کرتے ہیں بغیر کسی علم اور ہدایت اور روشن کتاب کے۔ جھکاتے ہوئے ہے اپنے بازو (تکبر و غرور سے) تاکہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے گمراہ کردے ایسے شخص کے لیے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔ (سورۃ الحج) دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور قیامت میں ہم اس کو جلتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے

اللہ کے ساتھ اور اس کے بارے میں جدال و خصومت یہی ہے کہ اللہ کی طرف ایسے امور کی نسبت کرے جو اس کی منشاء اور اس کے دین کے خلاف ہیں اور جن کو وہ پسند نہیں فرماتا گویا یہ روشن نظری اور فکری اعتبار سے اللہ رب العزت سے مقابلہ اور خصومت کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ خصومت و جدال کرنے والا انسان اپنا رخ حق سے پھیر کر باطل کی طرف مائل کرنے والا ہوتا ہے۔ تو بالکل اس کی یہی تصویر ہوتی ہے اپنے بازو پھیرے ہوئے غرور و تکبر سے جس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکائے ایسے ہی ظالموں اور خواہشات نفسانیہ کو اپنا معبود بنا لینے والوں کے لیے یہ وعید نازل ہوئی ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اور اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے اللہ ایسے ظالموں کی رہبری نہیں کرتا۔

علامہ نظام الدین نیشاپوریؒ تفسیر غرائب القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہ بات جان لینی چاہیے کہ دیانت اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں ہرگز ایسی کوئی تاویل اختیار نہ کی جائے جن سے ان حقائق کا ابطال ہوتا ہو جن کی تفسیر و تشریح اور تحقیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہؓ اور سلف صالحین نے کی جیسے معاد جسمانی، حشر و نشر، جنت و جہنم، صراط، میزانِ اعمال، نعماء جنت، حور و قصور، انہار و اشجار وغیرہ بلکہ لازم اور ضروری ہے کہ ان تمام چیزوں کو انہی کیفیات، اور احوال کے ساتھ مانا جائے جن احوال و کیفیات سے یہ چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان حقائق کو برقرار رکھتے ہوئے دوسرے بعض لطائف و اسرار اور رموز کی طرف اشارہ کر دیا جائے جو ان ہی حقائق و رموز سے ماخوذ و مستنبط ہوں جن کو شارع علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے اسی نوع کے جو رموز و لطائف حضرات عارفین اور صوفیاء کی تفاسیر میں منقول ہوئے ہیں۔ وہ محض ایک تمثیل و تشبیہ اور اشارہ کا درجہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم کائنات میں جو حقائق خارج اور نفس الامر (یعنی عالم صورت) میں پیدا فرمائی ہیں ان کی کوئی نہ کوئی مثال اور نظیر عالم معنی میں ہوتی ہے (انتہیٰ کلامہ)

بلکہ عالم معنی میں تو انسان کے اعمال و افعال کی بھی مثالی صورتیں ہوتی ہیں جس کا قرینہ وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ مرد صالح اور مؤمن کے سامنے اس کی قبر میں سوال و جواب کے بعد ایک حسین و جمیل شکل ظاہر ہوگی تو یہ شخص پوچھے گا تو کون ہے تیرا چہرہ تو خیر کی خبری کر رہا ہے وہ شکل جواب دے گی انا عملک الصالح کہ میں تو تیرا عمل صالح ہوں۔ اور فاجر و بدکار شخص کے سامنے ایک شکل ظاہر ہوگی جو نہایت ہی قبیح اور ہیبت ناک ہوگی جس کو دیکھ کر یہ کافر و فاجر آدمی دریافت کرے گا تو جواب

دیا جائے گا۔ انا عملک الخبیث کہ میں تیرا عمل خبیث ہوں۔ غرض قبر میں ظاہر ہونے والی یہ حسین و جمیل شکل اور قبیح و مصیبت ناک صورت اعمال کی صورتیں ہوں گی۔

بہرکیف تفسیر بالرائے کی ان پانچ صورتوں کے علاوہ ایک شکل یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے ایسے معنی بیان کرنا جس سے ان حقائق کا ابطال اور رد لازم آتا ہو جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور شریعت نے اس کو متعین کیا۔

یہ شکل بھی تفسیر بالرائے کے ساتھ ملحق ہے کہ کسی آیت کے کوئی ایسے جدید معنی اختراع اور ایجاد کیے جائیں جس کی طرف نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اشارہ فرمایا ہو اور نہ ہی صحابہ و سلف صالحین اور ائمہ متقدمین میں سے کسی کا ذہن اس عجیب و غریب معنی کی طرف متوجہ ہوا ہو تو یہ تفسیر و تشریح بھی اصول شریعت کے لحاظ سے الحاد اور تحریف ہے، اس لیے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ قرآن کے یہ معنی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھے اور صحابہ اور ائمہ مفسرین جن کی زندگیاں ہی قرآن و حدیث کی خدمت میں گذریں کیا وہ سبھی اس مفہوم کو نہ سمجھ سکے۔ اور ناگہاں چودہ سو برس کے بعد یورپ کی یونیورسٹیوں سے تربیت پاکر آنے والوں پر یہ معنی اور عجیب و غریب حقائق منکشف ہونے لگے اور یہ لوگ نہایت ہی بے باکی کے ساتھ پیغمبر خدا اور صحابہ و ائمہ اور علماء اسلام کے مدمقابل ان کی تعلیمات کو مٹانے اور مسخ کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جن حقائق کو قرآن میں اللہ اور اس کے رسول ؐ نے ثابت کیا ان کے رد کرنے کے لیے کبھی سائنس اور فلسفہ کا سہارا لے رہے ہیں کبھی ادیبانہ عبارتوں سے نہایت عیاری اور چالاکی سے عامۃ المسلمین کے ذہنوں کو پراگندہ اور مرعوب کر رہے ہیں۔

بہرکیف تمام امت کا اس پر اجماع ہے اور شریعت کے اصول سے یہ بات طے شدہ ہے کہ صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مفسرین کے نزدیک قرآن کریم اور آیت کلام اللہ کی جو تفسیر متفق علیہ ہے اس سے خروج اور عدول بلاشبہ ضلالت اور گمراہی ہے کچھ نئے تعلیم یافتہ لوگ ان جدت طرازیوں کو کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کمال نہیں بلکہ یہ تو ضلال ہے۔

فقہاء اور متکلمین ایسے ملحد اور تفسیر بالرائے کرنیوالے کو زندیق ہی کہتے ہیں اور زندیق کے معنی یہ بیان کیے گئے کہ جو شخص اسلام اور شریعت کے الفاظ بولتا ہو مگر مراد اسلام اور شریعت کے خلاف لیتا ہو تو ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں زندیق کہتے ہیں۔

خداوند عالم سب مسلمانوں کو قرآن کریم اسی طرح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے جس طرح کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا اور اس پر عمل کی توفیق سے ہمارے قلوب کا تزکیہ اور تطہیر فرمائے جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے۔ آمِین یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ چوبیسویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ

اسی کی طرف حوالہ ہے خبر قیامت کی - اور کوئی میوے نہیں جو نکلتے ہیں

ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا

اپنے غلاف سے اور گابھ نہیں رہتا کسی مادہ کو، اور نہ وہ جنے جس کی

تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا

اس کو خبر نہیں - اور جس دن اُن کو پکارے گا کہاں ہیں میرے شریک! بولیں گے

آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا

ہم نے تجھ کو کہہ سنایا، ہم میں کوئی نہیں اقرار کرتا۔ اور چوک گیا ان سے جو پکارتے

يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَظَنُّوا مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ ﴿٤٨﴾

تھے پہلے - اور اٹکلے کر ان کو نہیں کہیں خلاصی -

لَا يَسْأَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِنْ مَسَّهُ

نہیں تھکتا آدمی مانگنے سے بھلائی، اور اگر لگ جاوے اسکو

الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِنَّا

برائی تو آس توڑے ناامید ہو کر - اور اگر ہم چکھادیں اس کو کچھ اپنی مہر،

مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا

پیچھے ایک تکلیف کے جو اس کو لگی تھی تو کہنے لگے گا یہ ہے میرے لائق اور

أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ

میں نہیں سمجھتا قیامت اٹھنی ہے - اگر میں پھر گیا اپنے رب کی طرف، بیشک

لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا

مجھ کو ہے اس کے پاس خوبی - سو ہم جتادیں گے منکروں کو جو انہوں نے کیا ہے۔

عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَآ

اور چکھا دیں گے ان کو ایک گاڑھی مار - اور جب

اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا

ہم نعمت بھیجیں انسان پر ، ٹلا جاوے اور موڑ لے اپنی کروٹ۔ اور جب

مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

لگے اس کو برائی تو دعائیں کرے چوڑی - تو کہہ بھلا دیکھو تو! اگر

كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ

یہ ہو اللہ کے پاس سے، پھر تم نے اس کو نہ مانا، اس سے بہکا کون؟

هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَ

جو دور چلا جاوے مخالف ہو کر - اب ہم دکھا دیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں،

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ

اور آپ ان کی جان میں ، جب تک کھل جاوے ان پر، کہ یہ ٹھیک ہے . کیا

بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ

تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ ! سنتا ہے . وہ دھوکے میں ہیں

مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

اپنے رب کی ملاقات سے - سنتا ہے ! وہ گھیر رہا ہے ہر چیز کو -

احاطۂ علم خداوندی و بیان ذلت و ناکامی مجرمین در روز قیامت مع تجہیل و تحمیق اہل ضلال

قال اللہ تعالیٰ ۔ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ..... الی .... اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۔

(ربط) گذشتہ آیات میں منکرین توحید و رسالت اور قرآن کریم میں طعن و اعتراض کرنے والوں کا ذکر تھا اور ان پر وعید و تنبیہ تھی۔ اب ان آیات میں مجموعی طور پر ان کی تحمیق و تجہیل کی جا رہی ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اسی ذیل میں مشرکین مکہ قیامت کے بارے میں تمسخر اور انکار کے رنگ میں جو دریافت کرتے تھے کہ وہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا بھی جواب دیا گیا کہ اس کا علم خدا ہی کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے وہی جانتا ہے کہ کب آئے گی تو فرمایا اسی پروردگار کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے قیامت کا علم۔ بس اسی خالق کو قیامت کے وقوع کا علم ہے مخلوق کو اس کا کوئی علم نہیں اور ظاہر ہے کہ اگر مخلوق کو قیامت کے آنے کا علم نہ ہو تو اس سے یہ کیسے لازم آسکتا ہے کہ قیامت آنے والی نہیں ہے جیسا کہ یہ منکرین استدلال کرتے ہیں۔ اور قیامت تو کیا ہر چیز کا علم اللہ ہی کو ہے تمام کائنات اسی کے احاطہ علم میں گھری ہوئی ہے حتیٰ کہ وہی پروردگار جانتا ہے جو پھل اپنے خوشوں اور گچھوں سے نکلتے ہیں۔ اور اس حمل کو جو کوئی عورت اٹھائے ہوئے ہو۔ اور نہ ہی کوئی عورت بچہ جنتی ہے مگر اسی کے علم سے کہ کیا ہوگا کیسا ہوگا کب ہوگا غرض یہ سب کچھ اللہ ہی کے علم میں ہوتا ہے اور قیامت تو وہ دن ہوگا کہ اس میں پروردگار پکارے گا ان مشرکین کو اور کہے گا کہاں ہے وہ میرے شریک جن کو تم نے میری عبادت اور الوہیت میں شریک ٹھہرایا تھا اب ان کو لاؤ تاکہ وہ اس مصیبت و پریشانی سے تم کو نجات دلا دیں۔ جواب دیں گے۔ اے پروردگار ہم تو آپ سے یہی کہتے ہیں کہ اب ہم میں سے کوئی بھی اس کی گواہی دینے یا دعویٰ کرنے والا نہیں ہے کیونکہ اب سب حقائق روشن ہو گئے اور وہ تمام معبود ان سے غائب ہوں گے جن کو یہ پہلے پکارا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ سمجھیں گے کہ اب ان کے واسطے کوئی بچاؤ نہیں ہے۔ ایسا انسان جس کے دل میں نہ ایمان ہو اور نہ اعتقاد توحید مال کی خواہش اور طلب سے کبھی نہیں تھکتا بلکہ حرص میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور یہ بات کفر و معصیت کے آثار لازمہ میں سے ہے جو انسانی طبیعت پر بہرکیف مرتب ہو کر رہتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی اخلاقی خرابی اور گندگی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو ناامید و بدحواس ہو جاتا ہے۔ غرض مال کا لالچ اخلاقی خرابیوں میں مبتلا اپنے رب سے بدگمان یہ ہیں وہ آثار خبیثہ جو کفر و شرک پر مرتب ہو کر رہتے ہیں اور انہی آثار خبیثہ میں سے یہ بھی ہے اگر ہم ایسے انسان کو کسی مہربانی کا مزہ چکھا دیں بعد کسی مصیبت کے کہ جو اس کو پہنچی تھی۔ تو یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرا حق ہی ہے۔ مجھ کو یہ ملنا ہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ میں تو بہت لائق اور باکمال ہوں میں نے تو اپنی قابلیت سے ایسی ہی تدابیر اختیار کی تھیں تو میری حسن تدبیر کا یہی نتیجہ ہونا چاہیئے تھا۔ اور پھر اپنی اس خود فریبی میں مبتلا غرور و بدمستی کی حالت میں یوں کہتا ہے اور میں تو نہیں سمجھتا کہ روز قیامت آنے والا ہے اور اگر مجھ کو میرے رب کی طرف لوٹا بھی دیا گیا تو اس کے پاس میرے واسطے بہت ہی بہترین حالت ہوگی یہ بیہودہ لوگ اپنے مونہوں سے اب اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن یاد رکھو یقیناً ہم ان منکروں کو خوب بتا دیں گے ان کے وہ تمام کام جو انہوں نے کیے اور ضرور بالضرور ہم ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور

ایسے انسان کی یہ بھی ایک عجیب فطرت ہے کہ ہم جب اس پر انعام فرماتے ہیں تو وہ بے رخی کرتا ہے اور اپنا پہلو بچانے لگتا ہے اور ظاہر ہے کہ نعمتوں میں منعم سے منہ موڑ لینا انتہائی کمینہ پن ہے۔ اور پھر جب اس کو تکلیف پہنچے تو لمبی چوڑی دعاؤں والا ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی غایت بے صبری، دنیا میں انہماک اور حب مال حرص اور نفس کی خواہشات میں مبتلا ہونے میں بدترین آثار ہیں جو اللہ کی نافرمانی اور کفر و شرک کے باعث انسان میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان حقائق اور کفر و شرک کے مفاسد بیان کرتے ہوئے ان منکرین سے نہایت ہی نرمی اور تلطف کے انداز میں آپ کہہ دیجئے اگر یہ قرآن جس کا کلام الٰہی ہونا اس کی معجزانہ شان علوم الٰہیہ اور حکمتوں سے لبریز ہونے آخرت اور غیب کی خبروں پر مشتمل ہونے کے باعث اظہر من الشمس ہے ایسی صورت میں کہ تم اس پر ابھی تک ایمان نہیں لائے۔ میں کہتا ہوں عقل اور فطرت کے لحاظ سے سوچو اور اس پر غور کر کے جواب دو کہ اگر یہ قرآن جیسا کہ حقیقت ہے۔ اللہ کی طرف سے ہو اور پھر بھی تم اس کا انکار کرو تو بھلا بتاؤ اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جو انتہائی مخالفت میں پڑا ہوا ہے حق کے قبول کرنے سے سوچ اور عقل سے کام لو تاکہ حق واضح ہو جائے۔ اور قبول حق میں طبعاً کوئی تامل نہ ہو تو ہم اس مقصد کے لیے عنقریب ان کو دکھا دیں گے۔ اپنی قدرت کی نشانیاں آفاق عالم میں یا ان کے اطراف و اکناف میں اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان کے سامنے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک یہ قرآن حق ہی ہے اور یہ مجبور ہو جائیں گے کہ اس کی حقانیت کو دل سے مانیں گو عناد کی وجہ سے انکار کرتے رہے۔

چنانچہ ان کے قرب و جوار میں ظاہر کیے جانے والے دلائل میں غزوۂ بدر اور اس میں مسلمانوں کی فتح و کامیابی تھی۔ حالانکہ اس بے سر و سامانی میں ظاہری اسباب کے لحاظ سے یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں فتح حاصل ہو جائے گی۔ اور خود ان کی ذات اور وجود میں ایسے بیشمار دلائل موجود ہیں جن کے باعث ان کو ایمان لانے اور قرآن کریم کی حقانیت تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیئے۔ تو کیا یہ بات آپ کے رب کو ثبوت اور شہادت کے درجہ میں کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا اور جانتا ہے اور ایسے علیم و خبیر سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے اور اس رب کی شہادت میں آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی بھی ہے اور اللہ کا گواہ ہونا بہت بڑی بات ہے جیسے کہ ارشاد ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا عقلاً ایسے دلائل و شواہد کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ منکرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتے اور جو کچھ آپ قیامت کے متعلق کہتے ہیں۔ اس کو مانتے لیکن خبردار ہو جاؤ یہ لوگ تو شک و تردد ہی میں پڑے ہوئے ہیں اپنے پروردگار سے قیامت کے روز ملاقات کرنے سے یاد رکھو وہ پروردگار تو ہر چیز کا پورا پورا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

کائنات کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ ہر شخص کے اعمال و احوال بھی اس کے احاطۂ علم میں گھرے ہوئے ہیں۔ لہٰذا قیامت کے روز ہر ایک کے عمل کے مطابق اس کو بدلہ دیا جائے گا اور جب کہ ہر چیز اس کے علم میں ہے تو اصل قیامت کے آنے کا علم بھی اسی کو ہے تو منکرین کا یہ سوال

نہایت ہی لغو بات ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ بس اس کا علم اور جواب اسی رب کی طرف لوٹایا جائے گا جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا کی تفسیر میں حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ ہم ایسے دلائل اور حجتیں قائم کریں گے جن سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ قرآن اللہ کا کلام منزل ہے جو اس کے رسول پر اُتارا گیا جن میں سے بعض دلائل تو خارجیہ ہوں گے جو عالم کے کناروں یا کفار قریش کے قرب و جوار میں ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ فتوحات اسلام کی اشاعت اور تمام ادیان و مذاہب پر اس کے غلبہ نے اس حقیقت کو ظاہر اور ثابت کر دیا اور فِي أَنْفُسِهِمْ سے انسان کی تخلیق اور اس کی زندگی میں قدرت خداوندی کے عجیب نمونے اور اس کے احوال مختلفہ مراد ہیں۔

دلائل آفاق و انفس

آیت مبارکہ "سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ" اس امر کو واضح کرتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی خالقیت و قدرت اور وحدانیت نیز اثبات قیامت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے دلائل دو قسم کے ہیں ایک قسم دلائل کی متکلمین کے یہاں دلائل انفس کہلاتی ہے اور دوسری قسم دلائل آفاق۔ حضرات ائمہ متکلمین ان دونوں قسموں کی تفصیل و تحقیق فرماتے ہیں۔ ان تفصیلات کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ اجمالاً یہ سمجھ لیا جائے کہ دلائل انفس سے مراد انسانی زندگی اور اس کے جملہ احوال و کیفیات ہیں کہ انسان جب بھی اپنی ذات و صفات اور وہ تمام عوارض و کیفیات جو اس پر واقع ہوتی ہیں غور کرے تو اس کو اس بات پر یقین کرنا پڑے گا کہ ضرور اس کا کوئی خالق ہے۔ اور وہ واحد و یکتا ہے وہی اس کا رب ہے جس کی عظمت و کبریائی کی کوئی حد نہیں۔ دلائل انفس کے تتبع اور تلاش کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے انسانی فکر کو دعوت دی اور فرمایا وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ یعنی اے انسانو! خود تمہارے نفسوں میں بہت نشانیاں ہیں (جن کے ذریعے تم اپنے رب کو پہچان سکتے ہو)۔ تو کیا پھر بھی تم نہیں دیکھتے ہو۔

انسانی ہستی حق تعالیٰ کی خالقیت اور کمالِ قدرت کی ایسی زندہ دلیل ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی اس دلیل کے معارضہ اور مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے کہ انسان ابتداء میں معدوم محض تھا اس کو نہ کسی قسم کا حسی وجود حاصل تھا۔ اور نہ عقلی وجود۔ خدا ہی نے اس کو وجود کا خلعت عطا کیا۔ اس مضمون پر قرآن کریم کی سینکڑوں آیات مشتمل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں کتاب منازل العرفان فی علوم القرآن از ص ۴۴۹ تا ص ۴۹۰۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا استدلال

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ اپنے رسالہ "حجۃ الاسلام" یوں فرماتے ہیں: "کون شخص

ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پردۂ عدم میں مستور تھے۔ اور عنقریب پھر وہی ایک زمانہ آنے والا ہے کہ ہم اس پردۂ عدم میں جا چھپیں گے۔ ہمارا وجود دو عدموں میں اس طرح گھرا ہوا ہے جس طرح نورِ زمین شب گزشتہ اور شب آئندہ کی دو ظلمتوں میں محصور ہے زمین پر نور کی یہ آمد و رفت بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ یہ نور زمین کا ذاتی نہیں ہے بلکہ مستعار اور عطاءِ غیر ہے۔ کیونکہ اگر یہ نور زمین کا ذاتی ہوتا تو کبھی زائل نہ ہوتا پس اس طرح موت و حیات کی کشمکش اور وجود و عدم کی آمد و رفت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کائنات کا وجود ذاتی نہیں ہے۔ ورنہ عدم و زوال کو کبھی قبول نہ کرتا۔ بلکہ جس طرح زمین کی روشنی آفتاب کا فیض ہے اور پانی کی گرمی مثلاً آگ کا فیض ہے۔ اسی طرح ہمارا وجود بھی کسی ایسی ذات کا فیض اور عطیہ ہوگا کہ جس کا وجود اصلی اور خانہ زاد ہو اور وجود اس کی ذات کے لیے اس طرح لازم ہے جیسے آفتاب کے لیے نور اور آگ کے لیے حرارت اور چار کے عدد کے لیے زوجیت اور تین کے لیے فردیت لازم ہے یہ ناممکن ہے کہ آفتاب ہو اور نور نہ ہو آگ ہو اور حرارت نہ ہو اسی موجود اصلی ازلی اور دائمی کا نام اللہ تعالیٰ خدا اور واجب الوجود ہے یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن کریم کی اس آیت نے بخوبی واضح کر دیا:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ہ (بقرہ ۴)	کیسے تم اللہ تعالیٰ سے کفر کرتے ہو حالانکہ تم پہلے موجود نہ تھے، اسی خدا نے تم کو وجود و حیات عطا کی پھر وہی تم کو موت دیگا۔ پھر تمہیں زندہ کریگا۔ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤگے۔

حکیم فرفوریوس کا مقالہ ہے کہ جو امور بداہت عقل سے ثابت ہیں منجملہ ان کے ایک مسئلہ ثبوتِ صانع کا بھی ہے جتنے حق پسند حکماء گذرے ہیں۔ وہ سب اس مسئلہ کی بداہت کے قائل تھے اور جو لوگ ثبوت صانع کی بداہت کے قائل نہیں۔ وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے یا ان کو حکماء کے زمرہ میں شمار کیا جائے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد قرآن کریم میں فرماتے ہیں اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتدا ہی سے معرفت خداوندی اور اس کی ربوبیت کی تخم ریزی نہ ہوتی اور انسانی حیات کا سب سے زیادہ اساسی اور جوہری عقدہ کا حل ناخنِ عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیاں میں پھنسکر صرف ایک نظری مسئلہ ہی بن کر رہ جاتا۔ جس پر سب کا تو کیا اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے۔ جیسا کہ تجربہ شاہد ہے کہ فکر و استدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلافِ آراء پر منتج ہوا کرتی ہیں۔ اس لیے قدرت نے جہاں غور و فکر کی قوت اور نور وحی و الہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی وہیں اس اساسی و بنیادی عقیدہ کی تعلیم سے بھی فطرۃً بہرہ ور اور مانوس بنا دیا۔ جس کے اجمال میں کل آسمانی ہدایات کی تفصیل لپٹی ہوئی تھی۔ اور جس کے بغیر مذہب کا کوئی ستون کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ اسی ازلی اور خدائی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ آدمؑ

کی اولاد ہر قرن اور گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے اور جن معدودے افراد نے کسی عقلی اور روحانی بیماری کی وجہ سے عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظروں میں بھی ذلیل اور اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسے بخار اور صفرا میں مبتلا مریض لذیذ و خوشگوار غذاؤں کو تلخ اور بدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔

بہرحال ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک ہر طبقہ اور درجے کے انسانوں کا خدا تعالیٰ کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق و اجماع اس بات کی نہایت قوی اور واضح دلیل ہے کہ یہ عقیدہ افکار و عقول کی تگ و دو سے پہلے ہی خالق حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلاواسطہ تلقین فرما دیا گیا ہے۔ ورنہ فکر و استدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہونا ممکن نہ تھا۔ قرآن کریم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے ان آیات میں انسانی فطرت میں رچے ہوئے اس عقیدہ پر روشنی ڈالی۔ یہ صحیح ہے کہ ہم کو یہ یاد نہیں کہ اس بنیادی عقیدہ کی تعلیم کب اور کہاں دی گئی۔ اور کس ماحول میں ہم اس عقیدہ سے مانوس ہوئے۔ لیکن جس کسی انشاء پرداز اور صاحب بیان انسان کو زمانۂ طفولیت میں طے ہونے والے ان تمام مراحل کا علم نہیں اور نہ ہی قوت حافظہ میں ان چیزوں کے نقوش مستحضر ہیں۔ تاہم وہ یقین کرتا ہے کہ ضرور کسی معلم نے اس کو ابتداء عمر میں یہ الفاظ بولنے سکھائے اور ان الفاظ کے لکھنے کی تربیت دی تب ہی تو یہ اس طرح رواں دواں بول رہا ہے اور لکھ رہا ہے۔ اسی طرح بنی نوع انسان کا عقیدۂ ربوبیت الٰہی پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز ابتداء فطرت اور خلقت میں ضرور کسی معلم کے ذریعے ان تک پہنچی ہے عہ

الغرض انسانی فطرت اور انسان میں ودیعت رکھے ہوئے عظیم ترین دلائل قدرت دلائل انفس ہیں۔ ان میں غور و فکر خود انسانی فطرت اور اس میں ودیعت رکھے ہوئے کمالات ہی میں غور و فکر کرنا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ امام رازی کی تفسیر علامہ حسین جسر طرابلسی کا رسالہ حمیدیہ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیہ وحقیقۃ الشریعۃ المحمدیہ۔ (مناہل العرفان فی علوم القرآن تالیف ناچیز محمد مالک کاندھلوی)

خالق حقیقی کی حقیقت اور قدرت پر استدلال کے لیے دلائل کی دوسری قسم دلائل آفاق ہیں۔ دلائل آفاق سے مراد کائنات عالم آسمان و زمین اور ان کے درمیان جملہ موجودات و مخلوقات چاند سورج ستارے بحر و بر اور ان کے تہوں میں مستور و مخفی عجائب ہیں ان مخلوقات اور ان کے عجائب احوال جو عقول انسانی کو حیرت میں ڈالنے والے ہیں ان سے استدلال کرنا۔ یہ دلائل آفاق سے استدلال کی دوسری نوع ہے، دنیا کا بڑے سے بڑا فیلسوف اور طبیعات کا ماہر بھی ان احوال کا مشاہدہ کر کے ان کو مادی اسباب و علل پر محمول کرنے سے عاجز ہے۔ ان موجودات کے مشاہدہ اور ان میں پیدا ہونے والے تغیرات سے خالق حقیقی پر ایمان لانا ہر عاقل کے لیے عقل کا قطعی فیصلہ معلوم ہوتا ہے اس موضوع

عہ از تحقیقات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

پر بھی قرآن کریم نے بڑے بسط و تفصیل سے کلام کیا، اور خلق سمٰوٰت و ارض کے دلائل سینکڑوں آیات میں ذکر فرما دیئے۔

تفصیل کے لیے کتاب منازل العرفان فی علوم القرآن ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ میں ایسے نافرمان انسان کی کمینہ فطرت کا ذکر فرمایا گیا جو اپنے منعم کو پہچاننے کی بجائے اس سے بے رخی اختیار کرے اور بیگانہ بن جائے۔ حالانکہ انعام کا تقاضا ہے کہ منعم سے تعلق ہو، منعم کی فرمانبرداری کرے اور منعم کی ناراضگی کا خوف ہو۔ اور انعام کے یہ آثار حیوان پر بھی ظاہر ہوتے ہیں جو انسانی شعور اور احساس سے عاری ہوتا ہے انسان اگر ایسی روش اختیار کرے تو بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے انسان نے اپنا درجہ جانوروں سے بھی زیادہ نیچا کرلیا۔ اور لفظ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ سے وہ دعا مراد نہیں جو تضرع و زاری اور انابت الی اللہ کی صورت میں ہو بلکہ یہ دعا اس کا جزع فزع اور اللہ کی شکایت کرنا، بے صبری اور بے قراری کا مظاہرہ ہے۔ بہرکیف ان الفاظ میں ایسے انسان کی غایت درجہ دناءت اور کمینہ پن بیان کیا گیا کہ انعامات کے حصول پر فخر و تکبر اور خدا سے بے نیازی بلکہ بغاوت کا رنگ اختیار کرلے۔ اور جب کوئی تکلیف پہنچے تو بے صبری کے ساتھ رب العالمین کی بارگاہ میں شکوہ کرنے لگے تو جو شخص اس روش میں کفر اور کفران اور تکلیف میں بے صبری اختیار کرے۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی انسان ذلیل و کمینہ ہوسکتا ہے۔ حق تعالیٰ نے ان کلمات میں ایسی مذموم خصلت سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَاھْدِنَا اِلٰی سَوَاءِ الصِّرَاطِ۔

اٰمین اٰمین یارب العٰلمین

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ حٰمٓ السجدۃ یوم الاثنین ۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى

سورۃ الشوریٰ مکیہ ہے اور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے جس کی ترپن آیات اور پانچ رکوع ہیں۔
ابن عباسؓ جابرؓ اور عکرمہؓ سے منقول ہے فرمایا یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ کو سورۃ حٰمٓ عٓسٓقٓ بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں اس سورت میں بعض ائمہ مفسرین کے قول کے مطابق چار آیتیں ایسی ہیں جو مکہ مکرمہ میں نازل نہیں ہوئیں۔ ان کا نزول بعد الہجرت مدینہ منورہ میں ہوا وہ آیات قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى سے چوتھی آیت تک ہیں۔ بعض دیگر

مفسرین جیسے مقاتل بن حیانؒ وغیرہ نے آیت اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی کو مستثنیٰ قرار دیا۔ کسی نے وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ کو غیر مکیہ کہا۔ اس سورت کا مضمون سورۂ حٰمٓ السجدۃ کے مضمون سے مربوط ہے۔ کیونکہ اس میں بھی مضامین زیادہ تر اثبات رسالت وحی الٰہی اور عظمت قرآن کے بیان پر مشتمل ہیں اور اسی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار مکہ کی ایذاؤں اور ان کی بیہودہ روش پر رنج نہ فرمائیں۔

آیاتہا ۵۳ — ۴۲ سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی مَکِّیَّۃٌ ۶۲ — رکوعاتہا ۵

سورۂ شوریٰ مکی ہے اور اس میں ترپن آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

حٰمٓ ۞ عٓسٓقٓ ۞ کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ

اسی طرح وحی بھیجتا ہے تیری طرف، اور تجھ سے

مِنْ قَبْلِکَ ۙ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۞ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

پہلوں کی طرف اللہ زبردست حکمت والا - اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں

وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۞ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ

میں اور زمین میں - اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا۔ قریب ہے کہ آسمان

یَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِھِنَّ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ

پھٹ پڑیں اوپر سے ، اور فرشتے پاکی بولتے ہیں خوبیاں

رَبِّھِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰہَ

اپنے رب کی، اور گناہ بخشواتے ہیں زمین والوں کے ۔ سنتا ہے وہی ہے

ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۞ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ

معاف کرنے والا مہربان - اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس کے سوا

اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶﴾

رفیق اللہ کو وہ یاد ہیں، اور تجھ پر نہیں ان کا ذمہ۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ

اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا، کہ تو ڈر سنادے

الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ

بڑے گاؤں کو، اور آس پاس والوں کو اور خبر سنادے جمع ہونے کے دن کی

فِيْهِ ۗ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴿۷﴾ وَلَوْ

اس میں دھوکا نہیں۔ ایک فرقہ بہشت میں، اور ایک فرقہ آگ میں۔ اور اگر

شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ

چاہتا اللہ، تو سب لوگوں کو کرتا ایک ہی فرقہ پر وہ داخل کرتا ہے جس کو

يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّ

چاہے اپنی مہر میں۔ اور گنہگار جو ہیں ان کا کوئی نہیں رفیق

لَا نَصِيْرٍ ﴿۸﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ

نہ مددگار۔ کیا انہوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے کام بنانیوالے! سو اللہ

هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

جو ہے وہی ہے کام بنانے والا اور وہی جلاتا ہے مردے۔ اور وہ ہر چیز کر

قَدِيْرٌ ﴿۹﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى

سکتا ہے۔ اور جس بات میں پھوٹ ہو تم لوگ کوئی چیز ہو، اس کی چکوتی ہے

اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾

اللہ پر حوالہ۔ وہ اللہ ہے رب میرا، اسی پر مجھ کو بھروسہ، اور اسی کی طرف میری رجوع۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

بنا نکالنے والا آسمان کا اور زمین کا۔ بنا دیئے تم ہی میں سے جوڑے،

اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ

اور چوپایوں میں سے جوڑے۔ بکھیرتا ہے تم کو اسی طرح۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪ لَهٗ

نہیں اس کی طرح کا سا کوئی۔ اور وہی ہے سنتا دیکھتا۔ اسی

مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔ پھیلا دیتا ہے روزی جس کو

يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑫

چاہے، اور ماپ دیتا ہے۔ وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

اثبات وحی الٰہی مع بیان عظمت ربّ کبریا و وعید بر شرک و نافرمانی

قال اللہ تعالیٰ۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ .... الی .... اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

(ربط) گذشتہ سورت کے مضامین کا حاصل مخالفین کے اعتراضات کا رد اور ان پر توبیخ و تنبیہ تھا۔ اب اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور وحی الٰہی کی عظمت کو ثابت کیا جا رہا ہے۔ اور اسی کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے۔ اور مجرمین و منکرین پر توبیخ و وعید بھی ہے کہ یہ اپنے افعال قبیحہ کی سزا سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ ارشاد ہے۔

حٰمٓ عٓسٓقٓ اللہ رب العزت ہی اس کی مراد خوب جاننے والا ہے۔ اصول دین اور احکام شریعت کی تعیین اور تحقیق کے لیے جیسے آپ پر یہ سورت نازل کی جا رہی ہے اسی طرح اے ہمارے پیغمبر ہم آپ پر وحی اتارتے ہیں اور ان پیغمبروں پر بھی جو آپ سے پہلے گذرے۔ یہ وحی اس خدا کی طرف سے ہے جو بڑی عزت والا زبردست حکمت والا ہے۔ اس پروردگار کی شان یہ ہے کہ اس کے واسطے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہی سب سے برتر اور بڑی عظیم شان والا ہے اس کی

عظمتِ شان کو اگر کوئی منکر دکافر نہ جانے تو نہ جانے لیکن اس کی عظمت شان کی حقیقت تو یہ ہے کہ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں۔ اس کی ہیبت وعظمت کو برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے[1] اور وہ فرشتے جو آسمانوں میں ہیں پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد وثناء کے ساتھ اور استغفار کرتے رہتے ہیں زمین والوں کے لیے کیونکہ اللہ کا حق عظمت ادا کرنے سے ہر شخص قاصر ہے خواہ وہ کتنا ہی عابد وزاہد اور مطیع وفرمانبردار ہو اور اس لحاظ سے بندہ اپنے رب کا حق نہ ادا کرسکے لامحالہ مستحق عقوبت ہے تو اس وجہ سے روئے زمین پر بسنے والوں کے لیے فرشتے معافی مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار تیرے حق میں بندوں سے جو کچھ تقصیر وکوتاہی رہ گئی تو اس سے درگذر فرما۔ آگاہ ہوجاؤ اے لوگو! اللہ بڑا ہی مغفرت والا نہایت ہی مہربان ہے کہ اہل ایمان کی تقصیرات اور گناہوں سے درگذر فرماتے ہوئے اپنے انعامات ورحمتوں سے نوازتا ہے۔ اور کافروں کو بھی اس نے اپنی اسی شان غفوری ورحیمی سے یہ موقع دے دیا کہ جب بھی وہ کفر سے تائب ہوکر خدا کی بندگی کا رُخ کریں اور ایمان لائیں تو ان کو دھتکارا نہیں جاتا۔ اے نبی کریمؐ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نافرمانوں کو دیکھ کر رنج نہ کریں ایسے لوگوں کی نافرمانی خدا کی شان عظمت میں کوئی کمی نہیں کرسکتی۔ اور جن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبود اور کارساز بنالیے ہیں۔ اللہ ان کو خوب دیکھ بھال کر رہا ہے جونہی اس کی حکمت کے لحاظ سے مناسب وقت ہوگا خدا ان کو سزا دے گا اور وہ نہ خدا کے علم سے چھپے ہوئے ہیں اور نہ خدا کی گرفت سے بچ سکتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کوئی ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپؐ کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور نہ ہی آپؐ کو یہ اختیار ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاہیں ان پر عذاب نازل کردیں۔ اور ہم نے اسی طرح جیسا کہ یہ تمام احکام خداوندی آپؐ کے سامنے ہیں آپؐ کی طرف بذریعہ وحی بھیجا ہے۔ قرآن عربی تاکہ آپؐ ڈرائیں اُمُّ الْقُرٰی یعنی مکہ میں بسنے والوں کو اور ان

---

[1] عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ آسمانوں کا اوپر سے پھٹ پڑنا اللہ رب العزت کی عظمت اور ہیبت کے باعث بیان فرمایا گیا۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں شاید اس وجہ سے کہ کفر اور شرک کو دیکھ کر آسمان وزمین کانپ جاتے ہیں جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا جامع ترمذی کی روایت میں ہے اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ مَا مِنْ مَوْضِعٍ مِنْهَا اَرْبَعَةِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدًا لِلّٰهِ یعنی آسمان کراہتا ہے ناقابل برداشت بوجھ کی وجہ سے اور ضروری ہے کہ وہ کراہے آسمان میں چار انگلی کے بقدر بھی کوئی ایسی جگہ خالی نہیں کہ اس میں کوئی فرشتہ ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کے سامنے سجدہ میں نہ ہو تو عظمت خداوندی اور اس کی ہیبت وجلال سے آسمان قریب ہے کہ پھٹ پڑیں۔ اور شرک وکفر سے پھٹ پڑنے کے قریب ہونا بھی اللہ رب العزت کی عظمت ہی کے باعث ہے۔ لہٰذا ان دونوں توجیہوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ ۱۲۔

لوگوں کو جو اس کے ارد گرد ہیں اور اس دن سے جو میدان حشر میں اوّلین و آخرین کے جمع ہونے کا ہے جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں جس میں بس یہی فیصلہ ہونا ہے کہ ایک گروہ جنّت میں اور ایک گروہ جہنم میں علے اور سب کچھ اللہ کی حکمت اور اس کی تقدیر سے ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور ان میں ایمان وکفر اور توحید و شرک کا فرق و اختلاف نہ ہوتا۔ لیکن یہ اللہ کی بے پایاں حکمتیں ہیں کہ وہ جس کو چاہتا ہے ایمان و ہدایت کے لیے اس کو اپنی رحمت میں داخل کرلیتا ہے۔ اور جس کو چاہے اس کی بدنصیبی اور شقاوت کی وجہ سے محروم کر دے اور ایسے ظالموں کے واسطے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔ اور قیامت کے روز جو یوم الجمع ہے یہ ظالم بے سرو سامانی اور بدحواسی کے عالم میں عذاب خداوندی میں ڈال دیئے جائیں گے۔ حق تعالیٰ کی عظمت کو پہچاننا چاہیئے اور مشرکین و منکرین کو اس کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرنا چاہیئے۔ آخر اس طرح کی بے خوفی اور جرأت کس وجہ سے ہے؟ کیا انہوں نے خدا کے علاوہ اپنے واسطے کچھ مددگار بنا لیے ہیں۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بس اللہ ہی ہے جو مددگار دولی ہے۔ وہی سب کا کارساز ہے۔ بگڑی ہوئی بنانا تو کیا وہ تو مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ الغرض توحید و شرک اور ایمان وکفر کا فرق دنیا میں اللہ نے اپنی حکمت سے مقدر فرمایا ہے کیونکہ دنیا دار الامتحان ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔ اس لیے بحکمت خداوندی ضروری تھا کہ دنیا میں دونوں چیزیں

علے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر مجلس میں ہمارے سامنے تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں (دستاویزیں) تھیں آپ نے فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو یہ دو کتابیں کیسی ہیں۔ ہم نے عرض کیا نہیں۔ یا رسول اللہ مگر یہ کہ آپ ہمیں بتا دیں۔ آپ نے اس کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو دائیں ہاتھ میں تھی۔ فرمایا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے۔ جس میں اہل جنت کے نام مع ان کے آباء کے ناموں کے اور قبائل لکھے ہوئے ہیں اور ان کے آخر میں میزان اجمالی (آخری) لگا دی گئی ہے جس میں نہ کوئی کمی ہوگی اور نہ کوئی اضافہ ہو سکے گا۔ پھر آپ نے اس کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو بائیں ہاتھ میں تھی۔ فرمایا اس میں اہل جہنم کے نام ہیں مع ان کے آباؤ اجداد اور قبائل کے ناموں کے اور پھر اخیر میں آخری میزان لگا دی گئی کہ اب آئندہ اس میں نہ کمی ہوگی اور نہ اضافہ ہوگا اس پر حضرات صحابہؓ نے عرض کیا تو پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب عمل کی کیا ضرورت باقی رہ گئی (اگر یہ فیصلہ ہو چکا) آپ نے فرمایا۔ سَدِّدُوا وَقَارِبُوا کہ استقامت و پختگی کے ساتھ مسلسل عمل میں لگے رہو اور اعتدال کے ساتھ شریعت کے راستہ پر چلتے رہو۔ جنتی شخص کے لیے جنت کے کام کے ساتھ مہر لگا دی گئی اسی پر اس کا خاتمہ ہوگا۔ خواہ پہلے وہ کسی قسم کا بھی کام کر چکا ہو۔ اور جو شخص جہنم کے لیے طے ہو گیا۔ اس کے واسطے جہنم کے کام کی مہر لگ گئی ہے خواہ وہ پہلے کچھ بھی کر چکا ہو پھر آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سمیٹتے ہوئے فرمایا۔ فرغ ربکم من العباد ایک ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ بائیں ہاتھ سے دوسری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ فَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (جامع ترمذی) اس موضوع کی تفصیلات مسئلہ تقدیر کے ذیل میں گذر چکیں۔ ۱۲ واللہ اعلم بالصواب

مقدر کی جائیں تاکہ آخرت میں مطیعین کو جزا اور مجرمین کو سزا دی جائے۔ اور اللہ رب العزت سے کسی بھی شخص کا حال اور اس کا عمل پوشیدہ نہیں اس لیے اے لوگو! سن لو تم جس کسی بات پر بھی اختلاف کرو گے پس اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ اسی کی بارگاہ سے ہر چیز کا فیصلہ صادر ہوگا۔ یہی ہے خدا جو میرا رب ہے بس میں تو اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف ہر حالت میں رجوع کرتا ہوں میں تمہاری مخالفت سے نہ ڈرتا ہوں اور نہ تمہاری کسی قسم کی دلجوئی کے لیے تمہاری طرف مائل ہوسکتا ہوں۔ وہ پروردگار تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جس نے تمہارے واسطے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے اور اسی طرح مویشیوں میں سے جوڑے انواع و اقسام کے بنائے اور ان جوڑوں کے ملانے اور ازدواجی صورت پیدا فرما دینے کے ذریعے تمہیں پھیلا رہا ہے۔ نسلاً بعد نسل۔ یقیناً وہ پروردگار اپنی ذات و صفات میں ایسا کامل اور برتر ہے کہ اس کا کوئی مثل نہیں ہے اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی۔ اسی کے تصرف میں تمام کائنات ہے جب چاہا کسی چیز کو خواہ رزق ہو عمل ہدایت و گمراہی ہو راحت و تکلیف ہو نفع و نقصان صحت و بیماری ہو۔ عزت و ذلت ہو ان سب چیزوں کی کنجیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اگر وہ کسی چیز کو کھول دے تو کوئی دوسرا بند نہیں کرسکتا۔ اور اگر بند کر دے تو کھول نہیں سکتا یہ سب باتیں دلائل سے ثابت ہیں۔ جن کے انکار کی عقلاً تو کوئی گنجائش نہیں اسی کے قبضہ میں رزق ہے۔ جس کے واسطے چاہے رزق پھیلا دے۔ اور جس کے واسطے چاہے تنگ کر دے بے شک وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ جانتا ہے کہ جس کو رزق زیادہ دیا تو کس حکمت سے دیا۔ اور جس پر تنگی کی تو کس حکمت سے کی۔

مَنْ حَوْلَهَا اور اُمُّ الْقُرٰی کا مفہوم

بالعموم مفسرین اُمُّ الْقُرٰی سے مکہ مکرمہ مراد لیتے ہیں کیونکہ مکہ مکرمہ عرب کی سرزمین میں قدیم ترین شہر اور قوم عرب کا اصل مولد و مسکن تھا اس وجہ سے مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہا گیا اور تاریخ قدیم میں اسی نام سے اس کو ذکر کیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہؑ کو اسی وادی میں چھوڑا تھا جیسے آیت رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ میں مکہ مکرمہ کی آبادی کی تفصیل گذر چکی۔

اس آیت مبارکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جانا کہ آپ ڈرائیں مکہ میں بسنے والوں کو اور اس کے اطراف و اکناف میں بسنے والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی بعثت کے منافی نہیں آپ تمام عالم کے لیے داعی اور بشیر و نذیر ہیں تو اس آیت میں تخصیص ام القریٰ و من حولہا کی یا تو اہل مکہ اور قرب و جوار میں رہنے والوں کی اہمیت کی وجہ سے ہے یا یہ معنیٰ کہ اولاً آپ ان کو ڈرائیں۔ پھر تمام دنیا کے انسانوں کو جیسے کہ ابتداء میں آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ میں قرابت دار عشیرہ و قبیلہ والوں کو ڈرانے

کا حکم نازل ہوا امام راغبؒ فرماتے ہیں مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کرۂ ارض اور تمام روئے زمین کے واسطے یہ حصۂ زمین اصل نقطۂ مرکز یہ ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ پانی کی سطح پر اللہ رب العزت نے پہلے بلبلے کی طرح یہ ٹکڑا جامد ظاہر فرمایا اور پھر اسی سے ساری زمین بچھائی اور پھیلائی گئی تو تمام آبادی عالم اور خطۂ زمین کے لیے یہی جگہ اصل ہوئی اور اصل کو اُمّ یعنی ماں کہا جاتا ہے۔ امام بغویؒ اور شیخ قشیریؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور یہ کہ کعبہ سُرَّۃ الارض یعنی زمین کی ناف ہے اور تمام دنیا اس کے ارد گرد پھیلائی گئی۔ اگرچہ جانب شمال میں آبادی زائد ہے۔ بہ نسبت جنوب کی جانب کے۔

آیت مبارکہ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ اور ابن جریر طبریؒ نے یہی بیان کیا کہ روئے زمین و دنیا کی آبادی کی اصل یہی سرزمین مکہ ہے جہاں کعبۃ اللہ ہے۔ علامہ یاقوت حمویؒ نے ابن عباسؓ سے ایک روایت کا یہ مضمون بیان کیا ہے کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ اللہ نے ایک ہوا چلائی جس نے پانی کی لہروں کو شق کیا اور پانی کی سطح پر ایک بلبلہ نمودار ہوا جو قبہ کی شکل کا تھا پھر اسی سے اللہ نے تمام زمین کو مرکب فرمایا اور بنایا اور سطح زمین کو پانی پر بچھا دیا۔ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ زمین کا جو ٹکڑا سب سے پہلے اللہ نے پیدا فرمایا وہ جگہ کعبۃ اللہ کی ہے تو یہ جگہ روئے زمین کے واسطے نقطۂ مرکز یہ ہوا۔ اس تکوینی مرکزیت کے ساتھ اللہ نے اس کو شرعی مرکزیت بھی عطا کر دی۔ کہ روئے زمین کے انسانوں کو اسی کی طرف عبادت کا حکم دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے اسی جگہ جنت سے موتیوں کا خیمہ اتارا گیا تھا جس کا انہوں نے طواف کیا۔ پھر اسی جگہ بیت اللہ کی عمارت قائم ہوئی۔ تفصیل کے لیے ناچیز کی کتاب تاریخ الحرمین ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی سرزمین مکّہ میں آمد اور اُس کی آبادی

تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ طوفان نوح علیہ السّلام کے بعد جب حضرت نوحؑ کی اولاد زمین پر پھیلی تو حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار دو سو سینتالیس برس قبل شہر بابل اور اس کے برج کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ شہر ملک عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان دوآب میں واقع تھا۔ اور بقول بعض۔ فرات کے کنارے پر تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جو تارخ کے بیٹے تھے جن کو آذر بھی کہا جاتا ہے۔ قصبہ اہواز میں پیدا ہوئے جو شہر بابل کے کنارے واقع تھا اور بعض کا خیال ہے خاص شہر بابل میں پیدا ہوئے وہاں کلدانی قوم آباد تھی جو بت پرست تھے۔ اور بت بنا بنا کر بیچا کرتے تھے حضرت ابراہیمؑ کے باپ بھی بت پرست بلکہ بت تراش تھے اس زمانہ میں ایک بڑی تعداد لوگوں کی ستاروں کی پوجا کیا کرتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کو خداوند عالم نے ابتدا ہی سے رشد و ہدایت سے نوازا تھا۔ بُت پرستی اور ستاروں کی پوجا کی بڑی شد و مد سے مخالفت کیا کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کی دلائل و حقائق سے تجہیل و تحمیق بھی

کیا کرتے تھے جس کی تفصیل گزشتہ پاروں کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ قصۂ نمرود اور ایسے بعض واقعات کے بعد اللہ رب العزت کی وحی سے آپؑ اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہؑ کو وادی مکہ کی طرف لے کر روانہ ہو گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس وقت شیر خوار بچے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ ان کو یہاں چھوڑ کر شام کی طرف روانہ ہو گئے ایک مشک میں پانی اور کچھ کھجوریں چھوڑ کر گئے۔ پانی جب ختم ہو گیا اور پیاس کی شدت سے اسمٰعیل علیہ السلام تڑپنے لگے۔ اور اسی حالت میں حضرت ہاجرہؑ پانی تلاش کرنے کے لیے صفا و مروہ پہاڑیوں پر چکر لگانے لگیں تو ساتویں چکر پر اسمٰعیلؑ کی جگہ پر پانی دیکھا دوڑی ہوئی آئیں۔ یہ زم زم کا چشمہ اللہ نے ظاہر فرمایا۔ اسی کی یادگار سعی بین الصفا والمروہ کی صورت میں مقرر کر دی گئی۔ تفصیل کے لیے احادیث وکتب تاریخ کی مراجعت فرمائی جائے۔ تو جب چاہ زم زم میں ایک کثیر مقدار میں پانی دیکھ کر اس غیر آباد بنجر وادی میں ایک قافلہ نے قیام کرنے اور یہاں سکونت کی درخواست کی۔ تو ہاجرہ علیہا السلام نے تنہائی کے خیال سے ان کو اجازت دیدی کہ بہتر ہے کہ یہاں کچھ لوگ آباد ہو جائیں۔ اس طرح ابتداء میں یہ ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہوا۔ یہ قبیلہ جُرہم تھا۔ اہل یمن سے یہ لوگ تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے انہی لوگوں سے عربی زبان سیکھی۔ اور ان کے بڑے ہونے پر اس قوم نے اسمٰعیل علیہ السلام کو اپنا سردار بنالیا رفتہ رفتہ یہ مختصر گاؤں ایک عظیم شہر مکہ مکرمہ ہو گیا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا

راہ ڈال دی تم کو دین میں، وہی جو کہہ دیا تھا نوح کو،

وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ

اور جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور وہ جو کہہ دیا ہم نے

اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا

ابراہیم کو، اور موسیٰ کو اور عیسےٰ کو یہ کہ قائم رکھو

الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ

دین، اور پھوٹ نہ ڈالو اس میں۔ بھاری پڑتا ہے شریک والوں کو، جس طرف تو

مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَ

بلاتا ہے انکو۔ اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے۔ اور راہ دیتا ہے اپنی طرف

يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

اس کو جو رجوع لائے ۔ اور پھوٹ جو ڈالی سو سمجھ آ چکنے

مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

پیچھے ، آپس کی ضد سے ۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو نکل گئی

مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ

تیرے رب سے، ایک ٹھہرے وعدے تک تو فیصلہ ہو جاتا ان میں ۔ اور جن

الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ

کو ہاتھ لگی ہے کتاب ان کے پیچھے ، وہ دھوکے میں ہیں اس سے جو

مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا

چین نہیں دیتا ۔ سو تو اسی طرف بلا ۔ اور قائم رہ جیسا فرما دیا ۔ اور نہ

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ

چل ان کے چاؤں پر ، اور کہہ میں یقین لایا ہر کتاب پر ، جو

كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ

اُتاری اللہ نے ۔ اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے بیچ ، اللہ رب ہے ہمارا اور تمہارا ۔

اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ

ہم کو ملتے ہیں ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام ۔ کچھ جھگڑا نہیں ہم میں اور تم میں ۔ اللہ

يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ

اکٹھا کرے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف پھر جانا ہے ۔ اور جو لوگ جھگڑا ڈالتے

فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ

ہیں ۔ اللہ کی بات میں ، جب خلق اس کو مان چکی ، ان کا جھگڑا ڈگ رہا ہے ۔

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۱۶﴾

ان کے رب کے ہاں، اور ان پر غصہ ہے اور ان کو سخت مار ہے۔

مقصد وحید جملہ ادیانِ سماویہ توحید خداوندی وقیام عدل وانصاف

قال اللہ تعالیٰ۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ.... الی.... وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۔

(ربط) سورۂ شوریٰ کی ابتداء حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وکبریائی اور توحید کے بیان سے تھی اسی کے ضمن میں وحی الٰہی کا اثبات تھا۔ اور کفر وشرک کا رد اور ابطال اب ان آیات میں ذکر فرمایا جا رہا ہے اللہ رب العزت نے جس قدر بھی پیغمبر مبعوث فرمائے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ تک اور جتنے ادیان وشرائع مقرر فرمائے ان سب کا مقصد وحید صرف توحید خداوندی رہا بلکہ جملہ ادیان کی یہی تعلیم تھی۔ اور ہر پیغمبر کی یہی ہدایت تھی۔ اب اسی تعلیم ہدایت کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے آپؐ کی دعوت کوئی نئی دعوت نہیں۔ آپؐ کی تعلیمات کوئی نرالی تعلیمات نہیں بلکہ جملہ تعلیمات وہدایت سماویہ کا لباب وجوہر اور ان کی تکمیل ہیں۔ اس بنا پر کسی کتابی اور آسمانی مذہب رکھنے والے کو آپؐ کی رسالت پر ایمان لانے میں اصولاً کوئی تامل نہ ہونا چاہیے۔ اور آپؐ کا پیغام تمام امتوں کے درمیان وحدت واتفاق کا پیغام ہے۔ اس وجہ سے بھی آپ کے پیغام کو قبول کرنے میں کسی کو اختلاف وتردد نہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا مقرر کردیا ہے اے لوگو: اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے وہی دین جس کا حکم اللہ نے نوح (علیہ السلام) کو کیا جس کی بنیاد توحید خداوندی ہے اور ہر نبی نے اپنی قوم کو اسی کی دعوت دی۔ اور جس چیز کی ہم نے آپؐ کو وحی بھیجی۔ اور جس چیز کا ہم نے حکم دیا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو اور ان کی امتوں کو وہ یہ تھا کہ اللہ کا یہ دین قائم رکھو۔ اور خدا کی توحید پر قائم رہو۔ اور اس کے سوا کسی کی بندگی ہرگز نہ کرو۔ اس کے تمام احکام مانو اور ان پر عمل کرو۔ اور یہ کہ اس میں تفرقہ نہ ڈالو تمام انبیاء کی تعلیمات جب کہ ان بنیادی اصول میں متحد تھیں تو عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس دعوت کو قبول کیا جاتا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر مبعوث ہوئے اور شرک وبت پرستی سے اجتناب کیا جاتا مگر مشرکین پر یہ بات یعنی دعوت توحید بہت گراں اور ناگوار ہے جس کی طرف آپؐ ان کو بلا رہے ہیں لیکن اللہ اپنی طرف کھینچتا ہے اسی کو جس کو چاہے اور اپنے تک اسی کو رسائی عطا کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی اللہ ہی کی مشیت سے اجتباء وانتخاب ہوتا ہے اور توفیق ایمان سے نوازا جاتا ہے اور توفیق ایمان کے بعد جس کو رجوع اور انابت الی اللہ نصیب ہو اسی پر طاعت وبندگی اور قرب کے راستے کھلتے ہیں۔

اور امم سابقہ کا یہ تفرق و اختلاف حق میں کسی قسم کے خفا اور التباس کے باعث نہ تھا بلکہ ان لوگوں نے نہیں اختلاف کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا محض باہمی حسد اور بغض کی وجہ سے ایسی مذموم حرکت اور بدترین روش کا تقاضا تو یہ تھا کہ عذاب خداوندی ان پر مسلط ہوتا اور یہ ہلاک کر دیئے جاتے لیکن اگر ایک فیصلہ آپ کے رب کی طرف سے پہلے نہ ہو چکا ہوتا ایک متعین وقت تک مہلت کا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ عذاب خداوندی نازل ہو جاتا اور دنیا دیکھ لیتی کہ حق سے اختلاف کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے مگر اللہ نے اپنی حکمت سے یہ طے کر لیا تھا کہ دنیا دار الامتحان ہے اسی طرح حق و باطل کی کشمکش چلتی رہے۔ قیامت قائم ہونے پر ایسے مجرمین اور حق سے اختلاف کرنے والوں کو جہنم کے عذاب میں ڈالا جائے گا اور بے شک ان امم سابقہ کے بعد اب جن لوگوں کو کتاب الٰہی کا وارث بنایا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت ہوئے وہ اس کتاب کی طرف شک ہی میں پڑے ہوئے ہیں جو ان کو تردد میں ڈالنے والا ہے۔ اے ہمارے پیغمبر آپ ان منکرین کے انکار اور مشرکین کے شرک سے رنجیدہ نہ ہوں اور نہ ہی ہمت ہاریں بس آپ تو اسی چیز کے لیے جس کی وحی آپ کو کی گئی اور اس کا حکم نوحؑ کو ابراہیمؑ و موسیٰؑ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کیا گیا۔ دعوت دیتے رہیئے اور اسی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیئے جیسا کہ آپ کو حکم کیا گیا۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔ اس خیال سے کہ ان کی بعض خواہشات اگر مان لی جائیں تو شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور بلکہ آپ تو یہ اعلان کر دیجئے کہ جب کہ یہ لوگ کسی طرح بھی ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں تو میں تو ایمان لا چکا ہوں اس چیز پر جو اللہ نے اپنی کتاب سے نازل کی ہے لہٰذا اے منکرو! اور کافرو! تم یہ توقع نہ رکھو کہ میں تمہاری کسی خواہش کو پورا کرنے میں اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی یا اس کو نظر انداز کر دوں گا۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔ انصاف کروں۔ حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے حق پر تمہیں آمادہ کروں اور خود اس پر قائم رہوں۔ اس لیے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں تم کو حق کی دعوت دیتے ہوئے خود حق سے انحراف کر جاؤں اور تمہاری باطل خواہش اور خوشنودی کو پورا کرنے کا ارادہ کروں۔

اللہ ہی ہمارا رب ہے اور وہی تمہارا بھی رب ہے۔ اب جب کہ تم کسی طرح حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو بس ہمارے واسطے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے واسطے ہیں۔ لہٰذا جیسے تمہارے اعمال ہوں گے۔ ان کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔ اب کوئی حجت بازی اور خصومت کی گنجائش نہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان۔ اللہ ہم سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا۔ جس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہاں پہنچ کر سب پر حقیقت کھل جائے گی۔ ایمان و کفر اور توحید و شرک کا انجام نظر آجائیگا۔ اور اس وقت مجرمین و مشرکین کو سوائے حسرت وندامت کے اور کچھ بھی چارہ کار نہ ہوگا۔ اور جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں حجت بازی کرتے ہیں بعد اس کے کہ اہل عقل کی طرف سے اس کو قبول کر لیا گیا اور

سلیم الفطرت انسان ایمان لاچکے تو اب ایسے لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر خدا کی طرف سے غضب نازل ہونے والا ہے۔ اور ان کے واسطے دنیوی عذاب اور غضب خداوندی کے علاوہ آخرت میں بڑا ہی سخت عذاب ہے کیونکہ اللہ کے دین کی سچائی اور اس کی کتاب کی حقانیت ظاہر ہوچکی۔ سمجھدار لوگ ایمان لاچکے اور بہت سے وہ لوگ جو اگرچہ مذہبی تعصب اور عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے۔ مگر کتاب الٰہی کی سچائی اور حقانیت کا اقرار کرتے ہیں۔ اس بنا پر اب حجت پوری ہوگئی۔ اب اس کے بعد جو لوگ بھی خواہ مخواہ جھگڑے ڈالتے ہیں یا ایمان لانے والوں سے الجھتے ہیں ان کے واسطے ظاہر ہے کہ عذاب خداوندی دنیا اور آخرت میں ہوگا۔

ابتداءِ تشریع احکام اور جملہ انبیا علیہم السلام کا اصولِ شرائع میں اتفاق

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے وہ رسول جن سے تشریع احکام کا سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ اور سب سے آخری نبی جن پر سلسلۂ نبوت و رسالت منتہی ہوا اور کمالات نبوت کی تکمیل ہوئی۔ وہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام سے قبل دنیا میں ایمان و کفر اور توحید و شرک کا اختلاف نہ تھا۔ دس قرن اسی طرح گذرے۔ سب سے پہلے رسول شرک کا مقابلہ کرنے والے حضرت نوح علیہ السلام ہی ہیں۔ اسی وجہ سے ایک حدیث میں ہے اول رسول بعث الی الارض نوح کہ سب سے پہلے رسول جو زمین والوں کے واسطے بھیجے گئے وہ نوحؑ ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ پہلے رسول تھے کفر و شرک کے مقابلہ کے لیے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ سے معلوم ہوتا کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے ایک ہی سچا دین رہا۔ ایک مدت کے بعد جب لوگوں نے دین میں اختلاف ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا جو اہل ایمان و طاعت کو ثواب و نجات کی بشارت سناتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد جس قدر بھی رسول دنیا میں آئے اور کتابیں نازل کی گئیں وہ سب اصول میں ایک تھے۔ کیونکہ راستہ ایک ہی تھا۔ (توحید و عبادتِ خداوندی) البتہ فروع میں تفاوت و اختلاف ہونا چاہیئے تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ تندرستی ایک ہے۔ اور بیماریاں بے شمار۔ جب ایک مرض پیدا ہوا تو اسی کے موافق دوا اور پرہیز مقرر کیا گیا۔ پھر جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق تجویز ہوا۔ پھر سب سے آخر میں ایسا طریقہ اور قاعدہ مقرر فرما دیا جو سب بیماریوں سے بچائے اور سب کے بدلے کفایت کرے وہ طریقہ اسلام ہے۔ جس کے لیے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے اور وہ نسخۂ روحانی قرآن شریف

ہے۔ جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے پیغام شفاء ہے۔

حضرت نوحؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جتنے انبیاء و رسل آئے ان میں اولوالعزم رسول حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یہی زیادہ مشہور ہیں اور ان کے مذہب کے پیرو دنیا میں کثیر تعداد میں ہوئے اس وجہ سے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور آپ کے دین کی تشریح ان انبیاء علیہم السلام کے شرائع کی شرکت اور مشابہت کے ساتھ بیان کی گئی۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ ان ادیان سے تعلق رکھنے والوں کو آپ کا دین قبول کرنے میں کوئی تامل باقی نہ رہے۔ جب کہ آپ کی کتاب کتب سابقہ کی تصدیق کر رہی ہے۔ اور ان انبیاء سابقین کی تعلیمات و ہدایات بنیادی اصول کے لحاظ سے متفق و متحد ہیں تو پھر ان انبیاء پر ایمان لانے والے ان کتب سابقہ کے ماننے والے یہود و نصاریٰ کو عقلاً و طبعاً آپ پر ایمان لانے سے کسی طرح بھی گریز نہ کرنا چاہیئے۔

****

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا

اللہ وہ ہے جس نے اُتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو۔ اور تجھ

يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ

کو کیا خبر ہے شاید وہ گھڑی پاس ہو۔ شتابی کرتے ہیں اس کی

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ

جو یقین نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو یقین رکھتے ہیں ان کو اس کا ڈر ہے، اور

يَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي

جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہے۔ سُنتا ہے جو لوگ جھگڑتے ہیں اس گھڑی

السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ

کے آنے میں وہ بہکے ہیں صریح۔ اللہ نرمی رکھتا ہے اپنے بندوں پر

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾

روزی دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور وہ ہے زور آور زبردست۔

بیان نزول کتاب باحق وصداقت و نزول میزان برائے عدل و انصاف

قال اللہ تعالےٰ۔ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ... الیٰ۔ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ۝

(ربط) گذشتہ آیات کا حاصل یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی انبیاء سابقین اور اولوالعزم رسولوں کی وحی ہی کی طرح ہے۔ اور آپؐ کا دین بھی اصولاً وہی دین ہے۔ آپؐ کی کتاب بھی جملہ کتب سابقہ کے علوم کی حامل اور مصدق ہے۔ اب ان آیات میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ حق تعالےٰ نے اپنی کتاب حق وصداقت کے ساتھ نازل فرما دی ہے۔ اور یہ کتاب الٰہی درحقیقت حق وصداقت کو تولنے کی ترازو ہے۔ اس ترازو میں حق و باطل کو تولا جاتا ہے جیسے مادی ترازو میں مادی اشیاء تولی جاتی ہیں اور پورے تول سے عدل وانصاف قائم کیا جاتا ہے اسی طرح یہ کتاب الٰہی ایک طرف حقوق خداوندی صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے معیار ہے تو دوسری طرف حقوق العباد کو بھی عدل وانصاف سے ادا کرنے کا ایک محکم ضابطہ اور مکمل دستور ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر آمادہ کرنے والی قوت وصلاحیت ایمان بالآخرت ہے۔ اسی یقین کے باعث انسان اپنے اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرسکتا ہے۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہی دراصل ہر انسان کا اپنی ذات کے ساتھ عدل وانصاف کا قائم کرنا ہے۔ کیونکہ ان حقوق کا اتلاف حقیقت میں اپنی ذات پر ظلم کرنا ہے تو ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے اس کتاب یعنی قرآن کو اتارا حق کے ساتھ اور ترازو کو یعنی عدل وانصاف مقرر فرمایا تو جب یہ کتاب اللہ کی ہے تو اللہ پر ایمان کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اس کے احکام کی اطاعت ہو اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ حقوق العباد میں عدل وانصاف قائم کیا جائے۔ جیسے ترازو میں کوئی چیز برابر تولی جاتی ہے۔ یہی نجات کا ذریعہ ہے کہ قرآن پر ایمان لایا جائے۔ محض خدا کا قائل ہونا یا اس پر ایمان کا دعویٰ کافی نہیں تاوقتیکہ اس کے قانون اور دستور عدل وانصاف پر عمل نہ کیا جائے۔ منکرین کا بلا دلیل معارضہ اور حجت بازی اور قیامت کا ذکر اور یہ سوال کرنا کہ وہ کب آئے گی، بے معنی اور لغو بات ہے آپؐ اس پر رنجیدہ نہ ہوں۔ اور آپؐ کو کیا معلوم شاید یہ کہ قیامت قریب ہو اگر وقوع قیامت کا وقت معلوم نہیں تو اس سے یہ کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ آنے والی ہی نہیں جیسے کہ یہ منکرین کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جلد ہی قیامت کے آنے کا مطالبہ کرتے ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان ویقین نہیں رکھتے کیونکہ ان کو قیامت کی عظمت وہیبت کا اندازہ نہیں ہے اور جو لوگ اس کا یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے کانپتے اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور واقع ہو کر رہے گی۔ خبردار ہو جاؤ جو لوگ قیامت کے بارہ میں جھگڑتے ہیں وہ انتہائی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جو

گمراہی کا ایسا آخری مقام ہے کہ حق اور یقین سے بہت ہی دور ہوچکا تو اب کیا توقع کی جائے کہ ایسے بدنصیب پھر حق کی طرف رجوع کرلیں گے۔ اور رہا یہ امر کہ منکرین اور نافرمان دنیا میں عیش و عشرت کر رہے ہیں مال و دولت اور رزق کی کمی نہیں تو اصل یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ مجرموں کو بھی دنیا میں روزی اور راحت دیتا ہے۔ جس کو چاہے وہ رزق دیتا ہے۔ کیونکہ وہ تو رب ہے۔ اور شان ربوبیت تقاضا کرتی ہے کہ ہر جاندار کو روزی عطا فرمائے۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر، انسان ہو یا حیوان وہ بڑی ہی قوت اور عزت والا ہے۔ جس کے فیصلہ اور تقسیم کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔ اسی طرح آخرت میں بھی اس کے فیصلے کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ مجرمین کو آخرت میں عذاب اور سزا سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اس لیے ان کفار و مجرمین کو دنیا کی نعمتوں سے مغرور نہ ہونا چاہیئے اور اس دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیئے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں بھی ان کا یہ مال و دولت انکے کچھ کام آسکے گا یا یہ اسی طرح آرام و راحت میں رہیں گے۔ اللہ رب العزت اپنی شان لطیفی کے باعث نیک و بد سب ہی کو رزق عطا فرماتا ہے۔ رزق اور دنیوی راحتوں کی زیادتی اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ شخص اللہ کی نظروں میں بھی پسندیدہ ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عکرمہؒ سے اَللّٰہُ لَطِیۡفٌ کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں کے ساتھ بہت ہی انعام اور مہربانی کا معاملہ فرمانے والا ہے کہ ان کے حق اور استعداد سے زائد ان کو عطا فرماتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا اللہ کا لطف و کرم بندوں کے ساتھ یہ ہے کہ ایک جانب ان کو منافع پہنچا رہا ہے دوسری جانب ان سے بلائیں اور مصیبتیں ٹال رہا ہے۔ یہ بھی اس کا لطف و کرم ہے کہ بندوں کو ان کے حوائج و ضروریات سے بہت زائد عطا فرماتا ہے اور ان کو احکام کا مامور ان کی طاقت سے بہت کم کا فرمایا جاتا ہے۔ ورنہ تو یہ ہوسکتا تھا کہ انسانی قویٰ جس قدر عملی محنت برداشت کرسکیں، اتنی محنتوں کا ان کو مامور کردیا جاتا۔ سبحان اللہ کیا لطف و کرم ہے کہ عطا میں تو ضرورت و حاجت کو نہیں دیکھا جا رہا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر دیا جا رہا ہے اور اطاعت میں جس قدر انسان کی ہمت ہوسکتی ہے اس سے بہت کم کا مامور بنایا جارہا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ ان الدین یسر یہ نہیں کہ جس قدر طاقت بشریہ اتنا ہی مکلف کردیا جاتا۔ اور پھر ان پابندیوں میں بھی خطا اور نسیان سے درگذر کا ضابطۂ عفو مقرر فرمادیا گیا

خوفِ آخرت ایمان و معرفت کا ثمرہ ہے

آخرت کا خوف ظاہر ہے کہ ایمان و یقین ہی پر مرتب ہوسکتا ہے۔ جو شخص قیامت پر ایمان رکھتا ہوگا اسی کا دل قیامت کی ہیبت سے کانپے گا اور جس کو قیامت کا یقین نہیں وہ اس کے ذکر

عہ روح المعانی ج ۲۵۔ تفسیر مظہری ج ۸۔

ہی کو مذاق شمار کرے گا۔ اور اسی طرح کی بے وقعتی اس بات کا باعث بنے گی کہ وہ قیامت کا ذکر دلانے والے اہل ایمان اور ان کی دعوت فکر کو سُن کر یہ کہے کہ لے آؤ جلدی سے وہ قیامت جس سے تم ڈرا رہے ہو۔ اسی استہزاء اور تمسخر کی کیفیت کو قرآن کریم کے یہ لفظ نقل کر رہے ہیں۔ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا لیکن ان کے بالمقابل جو اہل ایمان ہیں وہ اس سے لرز رہے ہیں اور دل ان کے کانپتے ہیں جو وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا میں بیان فرمایا گیا۔ اور یہ خوف ظاہر ہے کہ اعتقاد قیامت ہی سے ہو سکتا ہے لفظ مشفقون اشفاق سے مشتق ہے لغت میں اشفاق کے معنی کسی چیز کے اندیشہ اور خوف سے دل کا کانپنا۔ قلب کا یہ اضطراب و خوف ایک تو قیامت کے واقع ہونے کے اعتقاد پر ہوگا۔ دوسرے اس عقیدہ اور تخیل پر کہ جو ایمان اور عمل صالح قیامت کے روز کام آتے ہیں۔ کہیں وہ رد نہ کر دیئے جائیں۔ رہا یہ امر کہ عارفین اور کاملِ الایمان اہل اللہ کو اشتیاق موت اور لقاء خداوندی، وہ شوق طبعی ہوتا ہے۔ اور یہ خوف جس کا ذکر کیا گیا یہ خوف اعتقادی ہے اس وجہ سے معلوم ہوا کہ خوف آخرت شوق موت و لقاء رب کے منافی نہیں۔ پھر یہ کہ شوق کا باعث لقاء رب کا تصور ہوتا ہے اور خوف کا منشاء قیامت کی ہیبت اور اپنے اعمال کے ضیاع کا اندیشہ ہے اور یہ جائز ہے کہ ایک جہت سے قلب میں جذبۂ شوق وارد ہو تو دوسری جہت سے خوف سے اضطراب ہو، یہی وہ حقیقت ہے جس کو حدیث میں بیان فرمایا گیا۔ من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ۔ کہ جو شخص اللہ کی ملاقات محبوب رکھے گا اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرمائے گا۔ اسی کیفیت کو قرآن کریم کی اس آیت میں فرمایا۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ تو یہاں اولیاء اللہ کی پہچان اور خصوصیت ہی یہ بیان کی گئی کہ وہ موت و لقاء خداوندی کے شائق و آرزومند ہوں۔ اور ولایت کا صدق تمناء موت ہی ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ بات بھی حل ہو گئی جو احوال قبور کے سلسلہ میں بیان کی گئی کہ بعض مردہ جب کہ وہ پروردگار کے قاصدوں یعنی نکیرین کا جواب صحیح صحیح دیدے گا تو کہے گا۔ رب اقم الساعۃ کہ اے پروردگار قیامت (جلدی ہی) قائم کر دیجئے۔ تو یہ خوف آخرت کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہ اشتیاق اس کو جنت کی نعمتوں کی بشارت سُن کر حاصل ہوگا۔ اور اس بشارت کے بعد خوف و اضطراب کا جو منشاء تھا وہ ہو چکا ہوگا۔ یا یہ کہ یہ شوق عالم برزخ اور احوال آخرت کے انکشاف پر ہے۔ اور جو خوف ایمان کی خصوصیت بیان کی گئی۔ وہ دنیوی زندگی۔ یعنی عالم دنیا میں ہے بہرکیف مؤمن کی زندگی خوف آخرت اور شوق لقاء خداوندی متضاد جذبوں سے معمور رہتی ہے اور یہ کیفیت دراصل يَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ کی پوری پوری ترجمان ہوتی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ

جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی ، بڑھا دیں ہم اس کو

فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ

اُس کی کھیتی ۔ اور جو کوئی ہو چاہتا دُنیا کی

الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ

کھیتی ، اس کو دیں ہم اس میں سے ، اور اس کو نہیں آخرت میں

مِنْ نَّصِیْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ

کچھ حصہ ۔ کیا ان کے اور شریک ہیں جو راہ ڈال ہے انہوں

الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ

نے ان کے واسطے دین کی، جس کا حکم نہیں دیا اللہ نے ۔ اور اگر نہ ہوتی بات فیصلہ کی،

لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾

تو فیصلہ ہو جاتا ان میں ، اور بے شک جو گناہگار ہیں ان کو دکھ کی مار ہے ۔

تَرَى الظّٰلِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ

تو دیکھے گنہگار ڈرتے ہوں گے اپنی کمائی سے ، اور وہ پڑتا ہے

بِهِمْ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ

ان پر ۔ اور جو یقین لائے ، اور بھلے کام کیے باغوں میں ہیں

الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ

بہشت کے ۔ ان کو ہے جو چاہیں اپنے رب کے پاس ۔ یہی ہے بڑی

الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

بزرگی ۔ یہ خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے ایماندار بندوں کو، جو کرتے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا

ہیں بھلے کام ۔ تو کہہ ، میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ نیگ مگر

الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۗ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ

دوستی چاہیے ناتے میں ۔ اور جو کوئی کما دے گا نیکی ، ہم اس کو بڑھا

فِيْهَا حُسْنًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

دیں گے اس کی خوبی ۔ بے شک اللہ معاف کرتا ہے حق ماننا ۔

ترغیب دارِ آخرت و تنبیہ از طلب دنیا و خسارہ مجرمین و ظالمین

قال اللہ تعالیٰ ۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۔

(ربط) گذشتہ مضمون حق تعالےٰ شانہ کی شان رزاقی اور لطیفی پر ختم فرمایا گیا جس سے بتانا مقصود تھا کہ دنیوی رزق کی تقسیم اللہ رب العزت کے محض رزاق ہونے پر ہے رزق کی کمی اور زیادتی اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہونے پر مبنی نہیں ہے ۔ اب ان آیات میں یہ ذکر فرمایا جارہا ہے کہ انسان کی سعادت اسی میں مضمر ہے کہ وہ طالب آخرت بنے ۔ اور اسی کو اپنی زندگی کا اصل مقصود سمجھے ۔ طلب دنیا انسانی زندگی کا مقصد نہیں ۔ اس لیے جو شخص اپنی فکر طلب آخرت بنالے گا خدا کی مدد توفیق اور رحمت شامل ہوگی اور اس کی کوشش کو قبول فرمایا جائے گا ۔ اور اس میں برکت دی جائے گی ۔ لیکن اس کے برعکس اگر اس کا مقصود زندگی دنیا ہی کمانا ہے تو ہم اس کو اگرچہ دنیا دے تو دیں گے مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا ۔ تو ارشاد فرمایا جو شخص ارادہ کرتا ہے آخرت کی کھیتی کا تو ہم اضافہ کرتے ہیں اس کے واسطے اس کی کھیتی میں کہ طالب آخرت کے اعمال قبول کیے جاتے ہیں اور اس کے ثمرات اجر و ثواب اور انعام کے اس پر مرتب ہوتے ہیں اور اس پر اضافہ اور برکت سے نوازا جاتا ہے ، اعمال حسنہ اور عبادات میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور اجر و ثواب میں بھی زیادتی ہوتی رہتی ہے جس طرح ایک تخم اور دانہ زمین میں بو دیئے جانے کے بعد اس کا سلسلۂ نشو و نما ہوتا ہے تا آنکہ وہ بلندی کے آخری مقام تک پہنچ جائے ۔ اسی طرح اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۔ یعنی جو شخص ایک نیکی کا کام کرے اس کے واسطے اس سے دس گنا زائد ثواب ہے ۔ لیکن جو شخص دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم دیدیتے ہیں اس کو دنیا میں سے اور پھر آخرت میں اس کے واسطے کوئی حصہ نہیں ۔ بہر کیف اللہ کا مشروع کیا ہوا ۔ یہ دین حق ہے جس کی بنیادی تعلیم اور ہدایت اخلاص ہے ۔ ہر عمل صرف اللہ ہی کے لیے اور آخرت ہی کے واسطے ہونا چاہیئے ۔ صرف ایسا ہی عمل قابل قبول ہے ۔ اور مثمر بھی ہے ۔ اخلاص عمل عقیدۂ توحید کے بغیر ممکن نہیں ۔

جو لوگ توحید خداوندی کے قائل نہیں اور انہوں نے شرک جیسے ناپاک اعتقاد سے اپنے قلب کو آلودہ کر رکھا ہے وہ بتائیں کہ کیا ان کے واسطے کچھ شرکاء ہیں کہ جو انہوں نے خدا کے ساتھ تجویز کر رکھے ہیں تو کیا ان شرکاء نے ان کے واسطے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ ظاہر ہے کہ نہ خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کیلئے کوئی دین تجویز کرلیں جو یقیناً خدا کی اجازت سے نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے ایسے مشرکین کے من گھڑت خیالات اور رسوم کو یہ کہنا کہ یہ اللہ کا دین ہے محض مہمل اور بے معنی بات ہے۔ یہ بات بلاشبہ ایسی تھی کہ فوراً ہی اللہ کے عذاب سے ان مجرمین اور گستاخوں کو تباہ کر دیا جاتا مگر یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل اور مہلت ہے اور اگر اللہ کا یہ قول فیصل طے شدہ نہ ہوتا کہ ایسے مجرموں کو دنیا میں مہلت دی جائے گی اور آخرت میں عذاب شدید میں مبتلا ہونا پڑے گا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور ان کا کام تمام ہو جاتا اور بے شک ظالموں کے واسطے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ اس وقت ان کا حال یہ ہوگا کہ اے مخاطب تو ان ظالموں کو دیکھے گا کہ کانپ رہے ہوں گے ان اعمال سے جو انہوں نے کیے۔ اور وہ عذاب ان پر ضرور مسلط ہو کر رہے گا۔ جس سے وہ کسی بھی صورت سے نہ بچ سکیں گے۔ یہ حشر تو منکرین دکافرین کا ہوگا۔ اور اس کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے ان کے واسطے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے اپنے پروردگار کے پاس یہی ہے بہت بڑی فضیلت اور انعام واکرام یہی ہے وہ جس کی بشارت دے رہا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے۔

مجرمین کو تنبیہ اور عذاب آخرت سے ڈرانا اور ان کے بالمقابل مؤمنین ومطیعین کو ثواب آخرت اور نعماء جنت کی بشارت سنانا انتہائی اخلاص اور ہمدردی ہے اگر اس کے باوجود بھی ایسے لوگ جن کی عقلیں بھی بیمار اور قلوب گندہ ہیں وہ اللہ کے پیغمبر کے اخلاص وہمدردی پر یقین نہیں رکھتے تو اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! میں تم سے اس مشفقانہ نصیحت اور ہمدردانہ وعظ اور تبلیغ ودعوت پر کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا ہوں۔ اور اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر صرف اس محبت کا جو قرابت داری میں ہوتی ہے کہ تم میرے ساتھ اس قرابت نسبی کا جو مجھے قریش کے ہر قبیلہ اور شاخ کے ساتھ حاصل ہے لحاظ کر کے کم از کم ایذا تو نہ پہنچاؤ اور اس حق قرابت کے باعث میری طرف رُخ کرو اور توجہ سے میری بات سنو۔ اگر تم میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم ایذا تو نہ پہنچاؤ۔ اور جب کہ میں تم سے کسی مالی صلہ اور معاوضہ کا طالب بھی نہیں تو یہ میرا انتہائی اخلاص ہے اور تعلق قرابت اس کا باعث ہونا چاہیئے کہ میری بات پر غور کرو۔ اور اس کو قبول کرو۔ حق نبوت نہیں مانتے تو حق قرابت کا لحاظ کرلو۔ جو عقل اور فطرت کا تقاضا ہے۔ اور میں تم کو پھر یہی بات ہمدردی اور نصیحت کے طور پر کہتا ہوں جو شخص بھی کوئی نیکی کا کام کرے گا۔ اللہ رب العزت کا یہ پیغام ہے کہ ہم اس کے واسطے اس کی نیکی میں اجر وثواب کا اضافہ کرتے ہیں۔ بے شک اللہ تو بہت ہی درگذر کرنے والا اور قدردان ہے کہ اگر اعمال میں کسی طرح کی

تقصیر و کوتاہی واقع ہو جائے تو درگذر فرماتا ہے۔ اور جو کچھ بندہ نیکی کرتا ہے اسکو وہ سراہتا ہے وہ قدردان ہے اہل ایمان و عمل صالح کو انعامات و اجور سے محروم نہیں رکھتا۔

اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى کی تفسیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار مکہ کو یہ خطاب بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا تھا۔ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ یعنی اے میری قوم تم مجھے کیوں ستاتے ہو۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بھیجا ہوا تو اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے اس دعوت و تبلیغ اور پیغام نصیحت پر کوئی معاوضہ تو نہیں چاہتا البتہ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم سے جو قرابت و رشتہ داری ہے۔ اس کے باعث میری طرف کچھ رخ کرو۔ اور میری بات سنو۔ مجھے ایذا نہ پہنچاؤ۔ اگر ایمان نہیں لاتے تو میرے حال پر مجھ کو چھوڑ دو تاکہ میں خدا کا یہ پیغام دوسروں تک پہنچا دوں۔

قرابت کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم میری اطاعت کرتے۔ اگر اطاعت نہیں کی تو ایذا رسانی سے تو باز آجاؤ۔ آخر میں تمہارا عزیز و قریب ہوں کوئی دشمن تو نہیں۔ اس لیے میری بات سنو۔ اور اس پر توجہ کرو۔

قوت نیکی نہ داری بد مکن بر وجود خود ستم بیحد مکن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى کے یہی معنی منقول ہیں۔

قریش مکہ کی طرف سے جب ایذاؤں اور رکاوٹوں کی یہ نوبت آگئی کہ آپ ظاہر اسباب میں پیغام خداوندی لوگوں تک پہنچانے پر قادر نہ رہے تو آپ اسی کیفیت کو اس طرح فرمایا کرتے۔ منعونی ان ابلغ کلام ربی مجھے تو قریش کے لوگوں نے اس بات سے مجبور کر رکھا ہے کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں۔ تو اس صورت حال میں اس آیت کا نزول ہوا جس میں آپ نے حق قرابت کا احساس دلاتے ہوئے یہی چاہا کہ کلام رب اور پیغام خداوندی پہنچانے میں تم میری دشمنی سے باز آجاؤ ابن جریر طبری حافظ عماد الدین ابن کثیر بغوی امام رازی اور حافظ جلال الدین سیوطی غرض جملہ اکابر ائمہ مفسرین اور امت کے تمام محدثین بالعموم یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ عامر شعبی ضحاک علی بن ابی طلحہ عوفی اور یوسف بن مہران رحمۃ اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ ائمہ مفسرین میں سے مجاہد قتادہ اور عکرمہ نے اسی کو اختیار کیا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴) سعید بن جبیر نے فرمایا۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کو فرمایا۔

لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّآ اَنْ لَّا تُؤْذُوْنِیْ فِیْ نَفْسِیْ الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى لقرابتی مِنْکُمْ وَتَحْفَظُوا الْقَرَابَةَ الَّتِیْ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ۔ یعنی میں تم سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا

بجز اس کے کہ تم مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ میری اس قرابت کی وجہ سے جو تم سے ہے اور تم اس قرابت کا لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد رابع)

امام بیہقیؒ نے دلائل میں شعبیؒ سے روایت کیا ہے کہ (ایک زمانہ تھا کہ) لوگ کثرت سے اس آیت کے بارے میں ہم سے دریافت کرتے اور حجت بازی کرتے۔ ہم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ یہ صورت حال ہے آپ اس آیت کی مراد بیان فرمائیں تو ابن عباسؓ نے اس کی مراد میں یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب قریش کی تمام شاخوں سے ملتا تھا کوئی شاخ ایسی نہ تھی کہ جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نسب نہ ملتا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ پر جو قریش مکہ نے انکار کیا آپؐ کو جھٹلایا عداوت اور ستانے پر تل گئے تو اس پر آپؐ نے فرمایا اے لوگو! میں تم سے کچھ نہیں طلب کرتا۔ بجز (مودۃ فی القربیٰ) اس لیے تم میری قرابت کا لحاظ کرو۔ اور مجھے ایذا نہ پہنچاؤ اور قدرت دو کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۲۵)

الغرض اس تفسیر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ "اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى" میں استثناء، استثنا متصل نہیں بلکہ استثناء منقطع ہے۔ استثناء متصل ہونے کی صورت میں تو مراد میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا۔ بجز اس معاوضہ محبت قرابت کے یعنی تبلیغ رسالت کے معاوضہ سے مجھ کو بس یہ معاوضہ محبت قرابت مطلوب ہے" مگر اس کے برعکس روایات مذکورہ کی بنا پر یہ استثناء منقطع ہو گا جہاں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا میں جس طرح استثنا بَرْدًا وشَرَابًا سے حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا کا کیا گیا کیونکہ یہ ماقبل کی جنس سے نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دوزخی نہیں چکھ سکیں گے کوئی ٹھنڈک اور نہ ہی کوئی پینے کی چیز مگر کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ (زخموں کی) تو یہ استثناء منقطع ہے۔ اسی طرح آیت "اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى" استثناء منقطع ہے اس لیے کہ مودت فی القربیٰ جنس اجرت سے نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مودت فی القربیٰ تبلیغ رسالت کا کسی قسم کا معاوضہ ہے اور آیت کی مراد صاف طور سے یہی ہے کہ میں تم سے کسی قسم کی اُجرت کا طالب نہیں البتہ صرف اس محبت کو یاد دلاتا ہوں جس کا میں بحق قرابت مستحق اور امیدوار ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ اس محبت کا یاد دلانا بھی اپنی کسی منفعت کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ بھی صرف تمہارے ہی نفع کے لیے ہے اور یہ بات قطعی ہے کہ حق قرابت کو یاد دلانا یہ کوئی اجرت و معاوضہ نہیں کہلایا جا سکتا۔

الفاظ آیت کی دلالت اسی مراد کو متعین کر رہی ہے تمام اہل سنت حضرات اور ائمہ مفسرین نے اسی کو اختیار کیا۔ جیسا کہ بیان کیا گیا۔ نیز آیت میں لفظ فی القربیٰ بھی اسی معنی کی تائید کر رہا ہے۔ جس کا لفظی ترجمہ یہی ہے کہ مگر وہ محبت جو قرابت داری میں ہو یوں نہیں فرمایا گیا۔ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ اگر یہ عنوان ہوتا تو احتمال ہو سکتا تھا کہ اس کی یہ تاویل کی جا سکے۔ اہل قرابت کی محبت کا اگرچہ اس تقدیر پر یہ معنی

بھی لفظی دلالت سے بعید ہوتے تو فِی الْقُرْبٰی کے عنوان نے اس احتمالِ بعید کو بھی ختم کر ڈالا، اور وہی مراد متعین ہوگئی جو روایات مذکورہ کے حوالہ سے ذکر کی گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ اپنے ترجمہ قرآن فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں۔

"بگو نمی طلبم از شما بر تبلیغ قرآن ہیچ مزدے لیکن باید کہ بیش گیرید دوستی درمیان خویشاوندان" اور پھر اس پر حاشیہ میں یہ فرماتے ہیں یعنی با من صلہ رحمی کنید و ایذا نہ رسانید کہ میرے ساتھ صلہ رحمی کرو اور ایذاء نہ پہنچاؤ۔ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ اپنے ترجمۂ قرآن میں لکھتے ہیں "تو کہہ میں مانگتا نہیں اس پہ کچھ نیگ (صلہ) مگر دوستی چاہیے ناتے میں" اور حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں، یعنی قرآن پہنچانے پر نیگ نہیں مانگتا مگر قرابت کی دوستی، یعنی میں تمہارا بھائی ہوں ذات کا مجھ سے بدی نہ کرو۔ اسی طرح حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ بھی اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ "نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اس کے کچھ بدلا مگر دوستی بیچ قرابت کے"عہ

فرقہ شیعہ کی اختراع کردہ تفسیر

فرقہ شیعہ اس آیت کی یہ مشہور و معروف اور جملہ ائمہ مفسرین کی اختیار کردہ تفسیر کو جو الفاظ کی دلالت سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہے، چھوڑ کر جداگانہ تفسیر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت والوں سے محبت کرنا مراد ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں سے یہ کہہ دو کہ تم سے اپنی تعلیم و دعوت اور تبلیغ پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا البتہ صرف یہ مانگتا ہوں کہ میرے قرابت والوں سے محبت کرو اور میری قرابت والے صرف چار ہیں۔ فاطمہؓ، علیؓ، حسنؓ، حسینؓ رضی اللہ عنہم۔ یہ عجیب فلسفہ ہے کہ قرابت کے تمام رشتوں کو خارج قرار دے دیا جائے حتیٰ کہ آپؐ کی تین دیگر صاحبزادیاں بھی۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد بھی قرابت داروں کی فہرست سے خارج ہوں۔ بہرکیف شیعہ فرقہ کی تفسیر کی رو سے اجرتِ رسالت قرابت داروں کی اور ان میں سے بھی صرف چار کی محبت ہے۔ پھر یہ کہ قرابت داروں کی محبت بھی محض محبت کے معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ یہ کہ میرے بعد ان کو اور ان کی اولاد کو خلیفہ اور بادشاہ بناؤ۔ جس کا حاصل دنیا یہ سمجھ سکتی ہے کہ آپؐ یہ فرمانا چاہتے ہیں۔ میری محنت و جانفشانی سے جو غلبۂ اقتدار حاصل ہو یعنی یہ حکومت اس طرح مجھ کو مل جائے وہ نسلاً بعد

عہ من افاضات حضرت الوالد المحترم مولانا الشیخ محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ حسب ما ضبطت ہٰذہ الکلمات حین ما کنت اسمع منہ تفسیر ہٰذہ الآیۃ المبارکۃ اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ فی العلیین واسبغ علیہ من نعمہ ظاہرۃ و باطنۃ آمین یا رب العالمین

نسل میری اولاد ہی میں رہے باہر جانے نہ پائے۔ اہل حق کے قول اور شیعہ فرقہ کی تفسیر میں فرق ظاہر ہے۔

(۱) پہلے قول کے لحاظ سے القربیٰ کا مفہوم قرابت ہے۔ جو لغت کی وضع کے مطابق ہے اور دوسرے قول کی رو سے قربیٰ کے معنی قرابت داروں کے ہوتے۔ حالانکہ اس معنی کے واسطے اہل عرب لفظ اَلْقُرَبَاء جو جمع قریب ہے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کریم کی جمع کرماء۔ لفظ القربیٰ تو اپنی وضع عربیہ کی رو سے یہ مفہوم نہیں ادا کرتا۔

(۲) اس کے علاوہ اصل قابل غور یہ امر ہے کہ آیت مبارکہ کا یہ مطلب تجویز کرنا سراسر شانِ نبوت اور منصب رسالت کے خلاف ہے بلکہ مقام نبوت کے تقدس وعظمت پر ایک بہتان عظیم ہے۔ یہ شیوہ تو اہل دنیا اور خود غرض قسم کے لوگوں کا ہوتا ہے کہ کوئی کام کریں تو یہ چاہیں کہ اس کا فائدہ ان کی اولاد کو پہنچے۔ حالانکہ اس قسم کے اوہام وشکوک سے تو انبیاء علیہم السلام کی ذاتِ پاک کو پاک رکھنے کے لیے یہ قانون مقرر کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کا کوئی ترکہ نہیں ہوتا۔ اور ان کی اولاد ورثہ ان کے مال کے وارث نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد حتیٰ کہ آزاد کردہ غلاموں پر صدقات حرام کر دیئے گئے۔ بہرکیف اگر یہ بات تصور کی جائے جو شیعہ کہتے ہیں تو لامحالہ یہ ایک قسم کا معاوضہ ہوگا۔ خدمات نبوت کے انجام دینے پر جو قرآن کریم اور انبیاء علیہم السلام کے طرز کے سراسر منافی ہوگا۔ باربار قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کہ میں اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کے صریح خلاف ہوگا جو قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر ذکر فرمایا۔ مثلاً

(۱) قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (سورۂ انعام)

(۲) وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (سورۂ یوسف)

(۳) اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (المؤمنون)

(۴) قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (فرقان)

(۵) قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (سورۂ سبا)

(۶) قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورۂ ص)

(۷) اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ (سورۂ طور)

تو ان تمام آیات کے ہوتے ہوئے ایسا کوئی مطلب اختراع کرنا جس سے منصب رسالت کی ذمہ داریاں ادا کرنے پر اجرت ونفع کا طلب کرنا لازم آتا ہو۔ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اگر بالفرض ایسا کوئی مضمون تصور کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ دوسرے انبیاء سے گھٹ جائے۔

کیونکہ کسی اور پیغمبر نے تو ادائے رسالت پر اس چیز کا مطالبہ نہیں کیا کہ اس کی اولاد اور قرابت داروں سے اس قسم کے منافع اور فوائد پہنچانے کا معاملہ کیا جاتے۔

(۳) پھر یہ کہ قرآن نے انبیاء علیہم السلام کے واجب الاتباع ہونے کی دلیل بھی بیان کی ہے کہ وہ طالب اُجرت نہیں ہوتے جیسا کہ سورۂ یٰسٓ اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ یعنی ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں تو آیت اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا یہ مطلب تجویز کرنا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طالب اُجرت ہونا لازم آتا ہے۔ یہ آپ کے لازم الاتباع ہونے کو ساقط کر دے گا۔ العیاذ باللہ۔

(۴) پھر یہ کہ سورۃ شوریٰ بالاتفاق مکی سورت ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا۔ اور حضرت حسن بن علیؓ غزوۂ بدر کے بعد ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور حضرت حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے اور جب یہ سورت مکی ہے تو لامحالہ یہ آیت حسنؓ و حسینؓ کی پیدائش سے کئی سال قبل نازل ہو چکی تھی تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر ایسی قرابت سے فرمائیں جس کا اس وقت کہیں وجود ہی نہیں۔ بالخصوص اس صورت میں کہ القربیٰ معرف باللام ہے اور معرفہ وہاں لایا جاتا ہے۔ جہاں مخاطبین کو معلوم اور ان کے نزدیک معروف ہو اور جو پیدا بھی نہیں وہ مخاطبین کو معروف و معلوم کیسے ہو سکتا ہے۔ زائد سے زائد یہ ممکن ہے کہ آیت سے حضرت فاطمہؓ و حضرت علیؓ کی محبت کا وجوب ثابت کیا جائے۔ تو اس سے اہلِ سنّت کب منکر ہیں۔ اہل سنّت کے نزدیک تو اہلِ بیت کی محبت جزو ایمان ہے۔ البتہ وجوب محبت سے دوسروں کے ساتھ ساتھ حضرت فاطمہؓ کا بھی امام ہونا لازم آئے گا۔ پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ نصوص قرآن و حدیث میں جن لوگوں کے ساتھ محبت کا حکم دیا گیا مثلاً علماء و صلحاء تو ان کی بھی امامت ضروری ہو۔ اور ان کو بھی امام معصوم کے درجہ میں قرار دیا جائے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی صاحب فہم اس امر کا جواز تصور نہیں کر سکتا۔

(۵) نیز یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ تو اگر کسی تاویل کے ذریعے القربیٰ سے ذَوِی الْقُرْبٰى یعنی قرابت والے مراد لیے جائیں تو پھر کلام خداوندی میں للقربیٰ یعنی قرابت داروں کے واسطے۔ نہ کہ فی القربیٰ جیسے کہ آیت مبارکہ میں ہے۔ اور قرآن کریم میں جہاں بھی کہیں قرابت داروں کا ذکر ہے وہاں لفظ ذوی القربیٰ کا لایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى۔ اور آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى۔ اور اسی طرح وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ اور وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى جہاں بھی کہیں قرآن کریم کو قرابت داروں کا ذکر مقصود تھا وہاں لفظ ذوی القربیٰ آیا ہے نہ کہ فی القربیٰ۔ تو یہ بات واضح ہے کہ فِي الْقُرْبٰى کا مفہوم وہی ہے جو اہل حق نے بیان کیا۔ اور تمام ائمہ مفسرین سلف اور حضرات صحابہؓ سے

نقل کیا گیا۔ وہ تفسیر جمہور مفسرین کے نزدیک معتبر ہے۔ البتہ فی القربیٰ کی ایک اور تفسیر حافظ ابن کثیرؒ نے بروایت قتادہؒ حسن بصریؒ سے یہ نقل کی ہے۔ المودۃ فی القربیٰ۔ اے الاّ ان تودّدوا الی اللہ تعالےٰ و ان تقرّبوا الیہ بطاعتہ یعنی میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تم اللہ سے محبت کا معاملہ کرو اور اس کا تقرب حاصل کرو۔ طاعت و بندگی کے ذریعہ سے گویا یہ تشریح و تفسیر ہے۔ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا" کی مراد یہ کہ بس تم سے میں صرف اسی چیز کا طالب ہوں جو تم کو اللہ سے قریب کردے۔ اور وہ اس پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت و بندگی ہے۔

ذوی القربیٰ کی محبت اہلِ سنّت کے نزدیک ایمان کی بنیاد ہے

اہل سنّت کا مسلک یہ ہے کہ آل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی اساس اور روح ہے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب حضرت سیدہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور جملہ اہل بیت کی محبت فرض ولازم ہے۔ اور اہلِ بیت میں آپؐ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور آپؐ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اور دیگر اقارب نبوی جو مشرف باسلام ہوئے سب داخل ہیں۔ ہر شخص کی محبت وعظمت اس کے مرتبے کے بقدر لازم ہے تو سوال طلب امر یہ ہے کہ اگر اس آیت کے باعث شیعوں کے نزدیک محبت کے لیے اطاعت لازم ہے تو بلا تخصیص تمام اقارب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہونی چاہیئے۔ اور حضرت فاطمہؓ کے علاوہ دیگر تین صاحبزادیاں حضرت زینبؓ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کی اطاعت بھی فرض ہونی چاہیئے۔ اور ان کے اصول سے حضرت فاطمہؓ کو امام بھی ہونا چاہیئے اور جب فاطمہؓ کی امامت ضروری ہوئی تو دیگر صاحبزادیوں کی بھی امامت کا درجہ فرض ہونا چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں۔ بہر حال یہ آیت اگر اہل بیت کی محبت کو لازم کرتی ہے تو اہل سنّت خود اس کے قائل ہیں لہٰذا اہلِ تشیع کو اہل سنّت پر اعتراض کا کوئی حق نہیں اگر پھر بھی اعتراض کریں تو یہ اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا بلکہ بہتان ہوگا اور اگر محبت سے اطاعت کے لزوم کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہم ان سے یہ پوچھیں گے کہ پھر جملہ اہلِ بیت کی اطاعت کی فرضیت کے کیوں قائل نہیں۔ اور اس کا جواب دو کہ بعض اہلِ بیت کی محبت کو فرض کہتے ہو اور بعض کی محبت سے گریز بلکہ نفرت کرتے ہو۔ اور اس کا جواب دو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ تو ایک صاحبزادی سے شرف زوجیت کے باعث امام معصوم اور خلیفہ بلا فصل ہوتے لیکن حضرت عثمان ذوالنورینؓ دو صاحبزادیوں سے شرف زوجیت رکھنے کے باوجود نہ امام ہوئے نہ معصوم اور نہ مستحق محبت ہوئے بلکہ ان کا بغض ونفرت تشیع کی حقیقت اور روح بنا؛ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی جواب قیامت تک نہیں دیا جاسکتا۔ اور

اس وجہ تفریق پر بجا طور پر یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ فَأْتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ. اہل بیت کے بارے میں وہ تمام احادیث ملاحظہ فرمائی جائیں جو محدثین نے باب فضائل اہل بیت میں بیان فرمائیں۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ فَإِن يَشَإِ اللَّهُ

کیا کہتے ہیں اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ، سو اگر اللہ چاہے

يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ

مہر کر دے تیرے دل پر۔ اور مٹا دے اللہ جھوٹ کو، اور ثابت

الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٤﴾

کرتا ہے سچ کو اپنی باتوں سے۔ اس کو معلوم ہے جو دلوں میں ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو

اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے، اور معاف

عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٢٥﴾ وَيَسْتَجِيبُ

کرتا ہے برائیاں، اور جانتا ہے جو کرتے ہو۔ اور دعا سنتا ہے

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن

ایمان والوں کی جو بھلے کام کرتے ہیں، اور بڑھتی دیتا ہے ان کو

فَضْلِهِ ۚ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ

اپنے فضل سے۔ اور جو منکر ہیں ان کو سخت مار ہے۔ اور اگر

بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ

پھیلا دے اللہ روزی اپنے بندوں کو تو دھوم اٹھاویں ملک میں،

وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ

پر اُتارتا ہے ماپ کر جتنی چاہتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں

خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۲۷﴾

کی خبر رکھتا ہے۔

مذمت افتراء علی اللہ ومحرومی بدنصیباں از قبول حق وکامیابی مؤمنین ،

قال اللہ تعالیٰ۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ۝

ربط ، گذشتہ آیات میں طالبین دنیا اور طالبین آخرت کا ذکر تھا اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام دعوت حق آخرت کا فکر پیدا کرنے کے لیے کیسی محنت کرتے ہیں اور اخلاص و ہمدردی کے جذبہ سے ان کی غرض اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی کہ اللہ کے بندے حق اور ہدایت قبول کر کے نجات و سعادت حاصل کر لیں۔ اب ان آیات میں ایسے معاندین ومتکبرین کا ذکر ہے جو اپنے عناد و تکبر میں اس قدر غرق ہوتے ہیں کہ قبول حق تو درکنار وہ اللہ رب العزت پر افتراء و بہتان پردازی سے بھی باز نہیں آتے۔ تو ان کے رد کے ساتھ یہ بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ رب العزت یہی چاہتا ہے کہ حق اور باطل میں دنیا کے سامنے امتیاز کر دیا جائے۔ اور دلائل حق کے ذریعہ باطل کو مٹا دیا جائے۔ اسی مقصد کے لیے بعثت انبیاء ہے۔ اور اسی غرض کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل کیے گئے اور ان سب کی تکمیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعے کی گئی۔

ارشاد فرمایا گیا۔ یہ لوگ تو حق وصداقت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کیا کرتے۔ بلکہ یہ لوگ تو آپ کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے کہ نبوت اور وحی الٰہی کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ حالانکہ آپ کی زبان فیض ترجمان سے علوم و معارف خرق عادت کے طور پر معجزانہ انداز سے ظاہر اور جاری ہیں اور بطور خرق عادت معجزانہ شان سے ایسے علوم و معارف کا کسی زبان سے جاری ہونا یہ خود دلیل ہے کہ وہ اللہ کی وحی اور اس کی طرف سے عطا کردہ علوم ہیں اور یہ بھی بات ثابت ہے کہ بارگاہ خداوندی سے علوم و معارف کی عطا صرف صادق و برگزیدہ ہی کو ہو سکتی ہے۔ جھوٹے اور افتراء پرداز پر باطنی علوم اور حکمتوں کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ تو اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب پر مہر کر دے اور بند لگا دے جس کے بعد ایسے شخص کی زبان سے علم و حکمت کی کوئی بات ہی جاری نہ ہو مگر پھر بھی وحی الٰہی اور علوم و معارف کا یہ سلسلہ جاری رہنا آپ کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسی طرح باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو ثابت و مضبوط کیا کرتا ہے اپنے کلمات و احکام سے جو دلائل شرعیہ سے بھی اور دلائل تکوینیہ و معجزات سے اس طرح ثابت کیے جاتے ہیں کہ کسی بھی منکر

کو اس کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہ رہے۔ بے شک وہ پروردگار دلوں کی باتیں اور احوال بھی خوب جاننے والا ہے۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت سے کسی کے نہ اقوال و افعال مخفی ہیں اور نہ ہی عقائد وہ سب پر مطلع ہے اور اس پر سزا دینے کی بڑی قدرت رکھتا ہے۔

اور وہ پروردگار جس طرح معاندین و مخالفین کے ہر عمل اور عقیدۂ خیال کو جانتا ہے اسی طرح وہ مطیعین و منیبین کو بھی جانتا ہے۔ چنانچہ وہ توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں سے اور درگذر کرتا ہے ان کی برائیوں اور خطاؤں سے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم کرتے ہو کہ کونسا قول و عمل اخلاص کے ساتھ اور کون سی بات محض زبانی اور بے اخلاص ہے۔ لہٰذا اس پر ویسے ہی ثمرات مرتب ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے ان لوگوں کی عبادت کو جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے اور ان کو اپنے فضل سے اور ثواب زائد بھی عطا کرتا ہے۔ جو ان کے عمل کے معیار اور درجہ سے بڑھ کر ہوتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے واسطے بڑا ہی سخت عذاب ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں پر اس موجودہ صورت حال میں روزی کو پھیلا دیتا۔ اور کوئی کسی کا حاجت مند نہ رہتا تو لوگ بغاوت و فساد برپا کر دیتے زمین میں کیونکہ ایسی صورت میں نہ کوئی تابع رہتا ہے اور نہ کوئی متبوع۔ بلکہ ہر ایک آمر مطلق بن جاتا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا۔ اب اللہ نے اپنی تکوینی حکمت سے ایک دوسرے کا محتاج بنا دیا حتیٰ کہ بادشاہ اور امراء خدمت گذاروں کے محتاج ہو گئے۔ فقراء اور غرباء جو اگرچہ اپنی کمائی میں امراء کے محتاج ہیں لیکن اس کے بالمقابل امراء بھی ان کے محتاج بنا دیے گئے کہ ان کی خدمت و اعانت کے بغیر ان کی زندگی نہیں گذر سکتی۔ لیکن وہ اتارتا ہے رزق ایک اندازہ کے ساتھ جتنا بھی چاہے اپنی حکمت کے لحاظ سے اس حکمت کے پیش نظر اللہ نے رزق میں مخلوق کے درمیان تفاوت درجات رکھا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے إنّ اللہ تعالٰی قسم بینکم اخلاقکم کما قسم بینکم ارزاقکم کہ اللہ نے تمہارے درمیان اخلاق کی بھی اسی طرح تقسیم کر دی ہے جیسے کہ تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم کیے۔ بے شک وہ پروردگار اپنے بندوں کے احوال پر خوب مطلع ہے۔ اور خوب ان کو دیکھنے والا ہے۔

فَإِنْ يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ کا عنوان فرض محال کے درجہ میں ہے جیسے لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ میں بفرض محال ہی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے بیان کی گئی مقصود محض ایک قانون الٰہی اور ایسی بات پر ہلاکت و تباہی کا مرتب ہونے والا نتیجہ بیان کرنا ہوتا ہے یعنی بفرض محال اگر آپ بھی اللہ پر جھوٹ و بہتان باندھتے تو اللہ رب العزت آپ کے دل پر مہر کر دیتا۔ اور اس کے بعد پھر فرشتہ یہ کلام معجز لے کر آپ پر نہ اترتا۔ اور سلسلۂ وحی بند کر دیا جاتا۔

یہ بات بالکل وہی ہے جو اس آیت مبارکہ میں فرمائی گئی تھی۔ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ (بنی اسرائیل)

مگر اس لیے کہ درحقیقت یہ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں حق اور وحی الٰہی ہے اور بدباطنوں کا اس کے بارہ میں یہ کہنا محض بہتان ہے اس لیے یہ سلسلہ منقطع نہیں کیا جاتا بلکہ وحی الٰہی کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا کر دنیا کے سامنے ظاہر کر دے گا۔ اور حق کی حقانیت ثابت اور پختہ ہو جائے گی۔ حق کو ثابت کرنے والے ظاہر ہے کہ وہ دلائل و براہین ہیں جو دلائل آفاق اور دلائل انفس کی نوعیت سے دنیا کو دکھا دیئے گئے۔ جس کو قرآن کریم نے ارشاد فرما دیا ہے۔ سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ آیت ہٰذا کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں اور اس تفسیر کی رو سے وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ جملہ مستانفہ ہوا۔ یعنی اس کا ماقبل جملہ۔ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ کے مضمون پر عطف نہیں بلکہ ایک مستقل مضمون ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے آئندہ اس کی حکمت تکوینیہ سے جو بات پیش آنے والی ہے اس کا بیان ہے کہ اللہ رب العزت باطل کو مٹا دے گا اور حق کو ثابت کرے گا۔ بعض حضرات مفسرین کی رائے میں اس کا عطف یختم کے اوپر ہے۔ لیکن اس اعراب کی تقدیر میں قدرے تکلف ہے هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ میں کبائر سے تائب ہونے والوں کی توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے اور وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ میں صغائر سے درگذر کا بیان ہے یا یہ کہہ دیجیے کہ ایک جز یعنی قبول توبہ کے وعدہ میں مستقبل کے گناہوں کی معافی کا بیان فرمایا گیا کہ بندے جب تائب ہوں گے خدا ان کے گناہوں کی مغفرت فرما دے گا۔ اور دوسرے جز يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ میں ماضی کے گناہوں کے متعلق فرمایا کہ خدا تعالیٰ تو اپنی شان رحیمی کے باعث درگذر فرماتا رہتا ہے۔ لیکن وعدۂ عفو اور معاملۂ درگذر سے کسی کو دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیئے اور اس کی گرفت و مؤاخذہ سے بے فکر نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بندوں کے تمام احوال سے باخبر بھی ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں تو آئندہ کی عملی زندگی میں مؤاخذہ کی فکر کو قائم کرنے کے لیے فرما دیا۔ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۔ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت بندوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور دعا و طلب سے بڑھ کر ان کو عطا فرماتا ہے اور بروایت شقیق بن سلمؒ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت کا اپنے فضل سے اہل ایمان اور تائبین کو زائد عطا فرمانا، شفاعت کا حق ہے اُن مذنبین کے لیے جو اپنے گناہوں کے باعث عذاب کے مستحق ہیں۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ میں حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے تقسیم رزق میں معیار اپنی حکمت و مشیت کو بیان فرمایا کہ وہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے۔ جس میں یہ صورت ہوتی ہے کہ کسی کو زائد عطا فرماتا ہے اور غنی کرتا ہے تو اس کا غنا بھی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اور جس پر رزق کی تنگی فرماتا ہے اس پر فقر بھی حکمت خداوندی ہی سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ ایک زمانہ ایک شخص پر تنگی کا گذرتا ہے تو پھر اس کو

فراخی اور منا عطا کر دیا جاتا ہے۔ کبھی اس کا عکس ہوتا ہے کہ ایک زمانہ فراخی و وسعت کا گذرا۔ پھر اس کو فقیر و تنگدست کر دیا گیا۔

آیت مبارکہ میں رزق کی وسعت کا یہ ذکر تمام بندوں کے حق میں ہے ورنہ بعض پر تو رزق کی وسعت متحقق ہے اور لو شرطیہ کا عنوان دلالت کرتا ہے کہ یہ بسط رزق متحقق نہیں ہوا تو مراد یہ ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ سب پر رزق کی وسعت کر دیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بغاوت و سرکشی کرنے لگتے۔ اور دنیا میں کوئی صالح اور مطیع نہ رہتا۔ اور اگر اس کے بالمقابل سب بندوں کو فقیر و محتاج بنا دیتا تو سب کے سب اپنے ضعف و عجز کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے اس وجہ سے تقسیم رزق میں بندوں کے درمیان فرق رکھا گیا ہے۔ احادیث میں ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا تو آدم علیہ السّلام نے ان میں دیکھا کہ کچھ غنی ہیں اور کچھ فقیر تو عرض کیا لولا سویت بین عبادك کہ اے پروردگار تو نے اپنے بندوں کے درمیان مساوات و برابری (رزق میں) کیوں نہ کر دی جواب دیا گیا۔ احببت ان اشکر یعنی میں نے یہ چاہا کہ میرا شکر ادا کیا جایا کرے۔ اور یہ بات اسی پر موقوف ہے کہ تفاوت مراتب ہو۔ علامہ طیبیؒ کی رائے یہ ہے کہ عباد سے کل بندے مراد نہیں بلکہ اللہ کے وہ خاص بندے ہیں جن کو اللہ نے اپنی ولایت و قرب کی کرامت سے نوازا تھا کہ اللہ نے ان پر رزق کو نہیں پھیلایا اگر ان پر رزق پھیلا دیا جاتا تو وہ بغاوت و سرکشی کا رنگ اختیار کر لیتے اور یہ بات اللہ رب العزت کی سنّت ہے کہ وہ اپنے اولیاء مقربین کو غنا و تونگری کی بجائے فقر و تنگدستی میں ڈالدیتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث کا مضمون ہے۔ اذا احب اللہ عبدا حماہ الدنیا کما یظل احدکم و یحمی سقیمہ الماء۔ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے تو اس کو دنیا اور دنیا کی لذتوں سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اس بیمار کو پانی سے بچاتا ہو جس کو پانی نقصان دیتا ہو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر کو پسند نہیں فرمایا۔ الفاظ کی دلالت سے پہلے بیان کردہ معنی بہتر ہیں۔ آیت کے ظاہری الفاظ اور اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ اگر تمام بندوں پر رزق پھیلا دیتا تو لوگ زمین میں بغاوت و سرکشی کرنے لگتے بعض حضرات کو یہ اشکال گذرا کہ جس طرح غنا و تونگری کے سبب سے بغاوت کا احتمال تھا تو اسی طرح فقر بھی تو بغاوت و نافرمانی کا ذریعہ ہو سکتا ہے تو پھر غنا پر ہی کیوں بغاوت کا ذکر فرمایا گیا تو زمخشریؒ نے اس کا جواب دیا کہ فقر کے ساتھ بغاوت و سرکشی کم ہوتی ہے اور اکثر مادۂ بغاوت، تونگری اور غنا سے پیدا ہوتا ہے تو اس وجہ سے بغاوت کو بسط رزق کے ساتھ مخصوص فرما دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

(تفسیر روح المعانی ج ۲۵)

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا

اور وہی ہے جو اُتارتا ہے مینہ، پیچھے اس سے کہ آس توڑ چکے،

وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ

اور پھیلاتا ہے اپنی مہر، اور وہی ہے کام بنانیوالا خوبیوں سراہا۔ اور ایک

اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ

اس کی نشانی ہے بنانا آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور جتنے بکھیرے

فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا

ہیں ان میں جانور۔ اور وہ جب چاہے ان سب کو

یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ؑ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ

اکٹھا کر سکتا ہے۔ اور جو پڑے تم پر کوئی سختی،

فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾ؕ وَمَآ

سو بدلہ اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے، اور معاف کرتا ہے بہت، اور

اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ

تم تھکانے والے نہیں بھاگ کر زمین میں۔ اور کوئی نہیں تم کو اللہ کے

اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی

سوا کام بنانے والا، نہ مددگار۔ اور ایک اس کی نشانی ہے چلتے

الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ؕ اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ

جہاز دریا میں، جیسے پہاڑ۔ اگر چاہے تھام دے باؤ، پھر رہ جاویں

رَوَاكِدَ عَلٰی ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ

سارے دن ٹھہرے اُسکی پیٹھ پر۔ مقرر اس میں پتے ہیں ہر ٹھہرنے والے کو

شَكُورٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ﴿۳۴﴾

جو حق مانے۔ یا تباہ کر دے ان کو ان کی کمائی سے، اور معاف بھی کرے بہتوں کو۔

وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ

اور جان لیویں جو جھگڑتے ہیں ہماری قدرتوں میں - کہ نہیں ان کو بھاگنے

مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

کی جگہ - سو جو ملا ہے تم کو کچھ چیز ہو، سو برتنا ہے دنیا کے جیتے۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى

اور جو اللہ کے ہاں ہے بہتر ہے، اور رہنے والا، واسطے ایمان والوں کے جو

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾

اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

پیغامِ بشارتِ رحمت برائے بندگانِ خدا در حالتِ یأس و ناامیدی و ذکرِ دلائلِ قدرت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ .... الی .... وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں ایسے مجرمین و نافرمانوں کی مذمت تھی جو خداوند عالم پر جھوٹ بہتان باندھتے ہوں اور ان کی ناکامی و محرومی کا بیان تھا اب ان آیات میں اللہ رب العالمین اپنی ایک خاص رحمت و عنایت کا ذکر فرما رہے ہیں کہ پروردگار عالم اپنی شان ربوبیت سے کس طرح اپنے بندوں پر مایوسی کے عالم میں بھی اپنی رحمت فرماتا ہے اس مضمون سے ایک طرف تو مجرمین کے بالمقابل مطیعین کے لیے رحمت و عنایت کا بیان ہے دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے اس رنج و غم کو دور کرنا ہے جو کفار و مجرمین کی بغاوت و نافرمانی سے پیدا ہو رہا تھا۔ اسی طرح اہل ایمان کو بھی تسلی مقصود تھی کہ ایک طبقہ کی مخالفت سے نہ پریشان ہوں اور نہ ہی مایوس ہوں۔ کیونکہ اللہ رب العزت

کی شانِ رحیمی کا یہ عالم ہے کہ مایوسی کی حالت میں بارشیں برسا کر مردہ زمین کو زندہ اور بنجر علاقہ کو
شاداب بنا دیتا ہے۔ اور اس کی قدرت کاملہ کی جو نشانیاں دنیا کے سامنے ظاہر ہیں۔ ان کو دیکھ کر
یقین کر لینا چاہیئے۔ تو فرمایا اور وہی خدا ہے ایسا مہربان و کریم کہ بارش برساتا ہے بعد اس کے کہ
لوگ نا امید ہو چکے ہوں؎ اور بکھیرتا ہے اپنی رحمت سارے عالم پر جس سے ہر قسم کے پھول میوے
اور غلے اور نباتات پیدا ہوتے ہیں جو تمام انسانوں اور حیوانوں کی غذا اور منفعت کا سامان ہے اور
وہی کارساز لائق حمد و ستائش ہے۔ اور منجملہ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین
کا پیدا کرنا ہے اور ہر اس جاندار چیز کا پیدا کرنا ہے جس کو ان کے درمیان متحرک بنایا۔ اور پھیلایا اور جس
طرح اللہ نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا اور اپنی قدرت کے ذریعے ایک ہی امر یعنی امر تکوین سے
سارے عالم میں بکھیر دیا وہی خداوند عالم ان سب کو جمع کرنے پر بھی بڑا ہی قادر ہے جب بھی وہ چاہے
اور وہ پروردگار جس طرح خالق منعم قادر و ولی کارساز ہے اور ہر حالت میں قابل حمد و ثناء ہے۔ بندوں سے
عفو و درگذر شانِ رحیمی اور کریمی کے باعث فرماتا ہے اسی طرح وہ منتقم اور صاحب جلال بھی ہے اور
بندوں کے اعمال و افعال پر جیسے انتقام عالم آخرت میں ہے دنیا میں بھی پروردگار نے اپنے
بندوں کے واسطے انتقام کا سلسلہ جاری فرمایا اس بنا پر ہر ایک کو یہی اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ وہی ہر چیز
کا خالق و پیدا کرنے والا ہے خواہ کوئی چیز خیر ہو یا شر راحت ہو یا تکلیف اور جو کچھ اے لوگو! تم
کو مصیبت پہنچی ہے وہ ان ہی اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھ انجام دیتے ہیں۔ اور یہ
مصیبت جو بطور مکافاتِ عمل واقع ہوتی ہے یہ نہیں کہ ہر برائی کا بدلہ ہو بلکہ وہ پروردگار تو درگذر
فرما لیتا ہے بہت سی باتوں سے اور دنیاوی مصائب بہت ہی کم اعمال کا بدلہ ہوتے ہیں اور جب
پروردگار عالم بندوں کے اعمال پر مؤاخذہ فرمائے تو تم ہرگز نہیں عاجز کر سکتے ہو اس کو زمین میں
رہتے ہوئے زمین ہی میں انسان کے پاس مادی وسائل ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے سے آفات و
مصائب کو ٹالنے کی کوشش کیا کرتا ہے تو جب اس عالم اسباب میں بھی وہ عذاب خداوندی اور اس
کی گرفت کو نہیں ٹلا سکتا تو آسمانوں کی بلائیں یا عالم آخرت کے مصائب اور سزاؤں کو کہاں ٹال سکے گا۔
اور نہیں ہے تمہارے واسطے خدا کے سوا کوئی حامی و مددگار اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے سمندر
میں چلنے والے جہاز و کشتیاں ہیں جو پہاڑوں کی طرح سمندر میں نمایاں اور بلند نظر آتی ہیں ظاہر ہے ان
کا سمندر کی سطح پر چلنا خدا کی قدرت کی نشانیوں میں عظیم تر نشانی ہے۔ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے
تو وہ سب جہاز و کشتیاں ٹھہر جانے والی ہو جائیں سمندر کی سطح پر۔ تو یہ سب کچھ اس کی قدرت ہے کہ

؎ ابن کثیرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین
قحط ہو رہا ہے اور بارش نہیں برستی تو اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ۱۲

ہوا چلاتا ہے۔ اور جہاز و کشتیاں پانی کی سطح پر چلتی ہیں۔ بے شک اس میں قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ہر صبر اور شکر کرنے والے مؤمن کے لیے جہاں وہ پروردگار ہواؤں کے ذریعہ جہازوں اور کشتیوں کو رواں دواں رکھتا ہے اور اس طرح مخلوق کے منافع اس سے وابستہ ہیں تو یہ اس کی عنایت و رحمت ہے خواہ وہ ان ہواؤں کے ذریعہ مخلوق پر انعام و کرم فرمائے یا اگر وہ چاہے تو ان ہی ہواؤں کو تیز و تند بنا کر ان کے ذریعہ ان جہازوں کو ہلاک و تباہ کرے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کیے ہیں۔ اور وہ تو بہت سے لوگوں سے درگذر فرماتا ہے اور وہ پروردگار جس طرح لوگوں کی بداعمالیاں اور برائیاں جانتا ہے اس طرح وہ ان بدمزاج اور کج رو لوگوں کو بھی جانتا ہے جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔ حال یہ ہے کہ ان کے واسطے کوئی بچاؤ نہیں۔ نہ دنیا میں کوئی خدا کے مؤاخذہ سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں۔ یہ مجرم و باغی دنیا کی دولت اور مادی وسائل سے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ اور ان کی یہ سب کچھ نخوت و بغاوت دنیا وی زندگی ہی پر غرور کی وجہ سے ہے۔ سو لے لوگو! سن لو جو کچھ بھی تم کو دنیا کی چیزوں میں سے دیا گیا سو وہ محض چند روزہ زندگی کا سامان ہے۔ عارضی نفع اٹھانے کے لیے انسان کی زندگی فانی ہے۔ اور سارا عالم بھی اسی طرح فانی ہے اس لیے ہر ایک کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ہی یہ سارا ساز و سامان بھی ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اجر و ثواب اور نعمتیں اللہ کے یہاں ہیں وہی بہتر ہیں اور پائیدار ان لوگوں کے واسطے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس لیے عقل کا تقاضا ہے کہ دنیا کی فکر اور طلب کو چھوڑ کر آخرت کی فکر اور طلب میں لگ جانا چاہیئے اور دنیا وی مال و دولت سے مغرور ہو کر خدا کے ساتھ بغاوت کا طرز نہ اختیار کرنا چاہیئے۔ آیت وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ کی تفسیر میں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں یعنی جیسی نعمتیں ایک خاص اندازہ اور خاص اوقات و احوال کی رعایت سے دی جاتی ہیں۔ مصائب کا نزول بھی خاص اسباب و ضوابط کے ماتحت ہوتا ہے مثلاً بندوں کو جو کوئی سختی اور مصیبت پیش آئے اس کا سبب قریب یا بعید بندوں ہی کے بعض اعمال و افعال ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح جیسے ایک آدمی غذا وغیرہ میں احتیاط نہ کرنے سے خود بیمار پڑ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے یا بعض مرتبہ والدہ کی بد پرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے یا کبھی کبھی ایک محلہ والے یا شہر والوں کی بے تدبیری اور حماقت سے پورے محلہ اور شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہی حال روحانی اور باطنی بد پرہیزی اور بے تدبیری کا سمجھ لو گویا دنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہے اور مستقبل میں ان کے لیے تنبیہ اور امتحان کا موقع بہم پہنچاتی ہے۔ اور یہ اس پر ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت بندوں کے بہت سے گناہوں سے درگذر کرتی ہے۔ اگر ہر جرم پر گرفت ہوتی تو زمین پر کوئی متنفس بھی باقی نہ رہتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب عاقل و بالغ لوگوں کو ہے گنہگار ہوں یا نیک۔ مگر نبی اس میں داخل نہیں (اور چھوٹے بچے بھی شامل نہیں) ان کے واسطے اور کچھ ہو گا۔

اور سختی دنیا کی بھی آگئی اور قبر اور آخرت کی بھی۔

غرض مصائب کے نزول کا راز اور اس کی حکمت بتا دی گئی اور یہ بھی الفاظ کی دلالت سے ظاہر ہوگیا۔ مصائب کا عموم ہے خواہ دنیاوی ہوں یا قبر و آخرت کی۔

ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی بندے کے گناہ زائد ہو جائیں اور اس کے پاس کوئی چیز ان گناہوں کے کفارہ کے واسطے نہ ہو تو اللہ تعالٰے اس کو کسی غم اور فکر میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

ضحاکؒ سے منقول ہے۔ فرمایا ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم پڑھ کر بھول جائے تو بجز اس کے کوئی وجہ نہیں کہ اس کے کسی گناہ ہی کی بدولت اس نعمت سے محرومی واقع ہوئی ہے۔ اور پھر یہ آیت تلاوت کی اور افسردگی کے لہجہ میں فرمایا۔ اور کون سی مصیبت اس سے بڑھ کر ہوسکتی ہے کہ قرآن کریم بھلا دیا جائے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ وَ ارْزُقْنَا تلاوتہ اٰناء اللیل واطراف النھار واجعلہ لنا حجۃ یارب العٰلمین۔ آمین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ

اور جو بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی سے

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ

اور جب غصہ آوے وہ معاف کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے

اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى

حکم مانا اپنے رب کا اور کھڑی کی نماز - اور ان کا کام ہے مشورہ

بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ

سے آپس کے اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ کہ جب ہووے

الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ

ان پر چڑھائی تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ برائی ویسی

مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ لَا

ہے - پھر جو کوئی معاف کرے اور سنوارے، سو اس کا ثواب ہے اللہ کے ذمے،

يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ

بیشک اس کو خوش نہیں آتے گنہگار۔ اور جو کوئی بدلہ لے اپنے ظلم پر، سو ان پر

مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤١﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ

بھی نہیں الاہنا - الاہنا تو ان پر، جو ظلم

يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ

کرتے ہیں لوگوں پر، اور دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں ناحق،

أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ

ان لوگوں کو ہے دکھ کی مار - اور البتہ جس نے سہا اور معاف کیا

إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾

بیشک یہ کام ہمت کے ہیں -

بیانِ اوصافِ اہلِ ایمان و تقویٰ و حسنِ اخلاق و معاشرت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ ... الیٰ ... لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝

ربط، گذشتہ آیات میں دنیوی زندگی کا فانی ہونا بیان فرمایا گیا تھا اور یہ کہ دنیا کی تمام نعمتیں اور لذتیں درحقیقت ایک دھوکہ ہے اس میں پڑ کر انسان کو آخرت سے غفلت نہ اختیار کرنی چاہئے اب ان آیات میں اہل ایمان و تقویٰ اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں ایسے اوصاف جن کے باعث ایک طرف ان کی زندگی کا وہ رخ جو اللہ کے ساتھ ہے وہ بھی نہایت اعلیٰ اور اکمل معلوم ہوتا ہے دوسری طرف حسن اخلاق اور معاشرت کی عظمت و برتری ظاہر ہو رہی ہے۔ فرمایا اور وہ لوگ جو ایمان توکل کی صفت سے متصف ہونے کے ساتھ پرہیز کرتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کی

باتوں سے، اور جب ان کو غصہ آتے تو وہ درگذر کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کی اور نماز کی پابندی کی اور ان کے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ اور جب ان پر ظلم و زیادتی ہو تو وہ صرف بدلہ ہی لیتے ہیں۔ نہ کہ جذبۂ انتقام میں حد سے بڑھ جائیں۔ اور ظاہر ہے کہ برائی کا بدلہ ویسا ہی برائی کا معاملہ کرلینا ہے جیسا کہ کیا گیا، لیکن اگر کوئی شخص معاف کردے اور باہمی معاملہ درست کرلے۔ بجائے انتقام لینے کے تو بیشک اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو شخص بدلہ لے اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد نہ کوئی زیادتی کرے بدلہ لینے میں تو بے شک ایسے لوگوں پر کسی قسم کا مؤاخذہ نہیں۔ بے شک مؤاخذہ ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی اور تکبر کرتے ہیں تو یقیناً ایسے لوگوں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو بے شک یہ کام بڑی ہی پختگی اور ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ تو جو لوگ ان اوصاف کے ساتھ متصف ہوں گے خدا کے یہاں ان کا بہت بلند مقام ہوگا۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے جو اوصاف حمیدہ بیان فرمائے ان میں عقائد، فرائض، عبادات، معاملات و معاشرت اور محاسن اخلاق کی تمام عظمتوں اور خوبیوں کو جمع فرما دیا۔ اور ان اوصاف کے ضمن میں یہ بات ظاہر فرمادی گئی کہ ایمان اور کمالات ایمان ہی دراصل وہ خوبیاں ہیں جن کی بدولت آخرت کی سعادت و فلاح کے ساتھ معاشرتی فلاح اور بلندیاں بھی انسان کو حاصل ہوسکتی ہیں۔ ظالم سے ظلم کا بدلہ لینا درست ہے لیکن زیادتی اور تعدی کسی طرح جائز نہیں اور اگر صبر و عفو سے کام لے تو بہت ہی بہتر ہے۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ کے بعد تمام سرداران قریش کو جو ہمیشہ آنحضرتؐ اور صحابہؓ کو ستانے میں پیش پیش رہے مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے میدانِ کارزار میں آتے رہے عام معافی کا اعلان فرما دیا اور جس طرح حضرت یوسفؑ اپنے ظالم بھائیوں کو باوجود قدرتِ انتقام کے یہ کہہ کر معاف کرتے رہے لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ آج کے دن تم پر کوئی ملامت و مؤاخذہ نہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سب کو اعلانِ عفو و درگذر سے نوازتے رہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے فضیل بن عیاضؒ کے ایک خادم عبدالصمد بن یزیدؒ سے نقل کیا کہ میں نے فضیل بن عیاضؒ سے سنا وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے پاس کوئی شخص کسی کی شکایت لے کر آئے تو تم یہ کہہ دیا کرو اے میرے بھائی اس کو معاف کردو۔ اگر وہ یہ کہے کہ میرا دل گوارہ نہیں کرتا کہ میں اس کو معاف کردوں تو پھر اس کو یہ کہو کہ اگر بدلہ ہی لینا ہے تو اس طرح لو جیسے اللہ نے اس کی اجازت دی۔

ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ اور ان کی شان میں توہین کر رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے اور یہ باتیں سن کر تعجب

فرما رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ جب وہ شخص بہت ہی زیادتی کرنے لگا اور حد سے بڑھا تو ابوبکرؓ نے اس کی کسی بات کا جواب دیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی اور مجلس سے اُٹھ کر تشریف لے جانے لگے۔ ابوبکرؓ فوراً ہی دوڑے اور آپؐ کے سامنے حاضر ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہؐ وہ شخص مجھ کو گالیاں دے رہا تھا اور آپؐ بیٹھے رہے۔ لیکن جب میں نے اس کی کسی بات کا جواب دیا تو آپؐ ناگواری سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے ابوبکرؓ جب تک تم خاموش رہے تو ایک فرشتہ تمہارے ساتھ تھا جو تمہاری بات کا جواب دے رہا تھا۔ لیکن جب تم اس پر غضبناک ہوئے تو فرشتہ اُٹھ کر چلا گیا۔ اور تمہارے درمیان شیطان آ گیا۔ اور ظاہر ہے کہ میں ایسا نہیں تھا کہ شیطان کے ساتھ کسی مجلس میں بیٹھا رہوں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ اے ابوبکرؓ تین چیزیں برحق ہیں ایک یہ کہ جس کسی پر بھی ظلم کیا جائے پھر اس سے چشم پوشی اور درگذر کرے محض اللہ کے لیے تو اللہ اس کو عزت و سربلندی عطا فرمائے گا۔ اور اس کی مدد فرمائے گا۔ اور جو شخص بھی عطا و بخشش کا دروازہ کھولے گا تو اس پر اللہ کی طرف سے برکت و فراخی کا دروازہ کھلے گا اور جو شخص سوال اور بھیک مانگنے کا دروازہ کھولے گا تو اس کے واسطے اللہ کی طرف سے قلت و تنگی ہی کا دروازہ کھلے گا۔

حلم و درگذر اور صبر و عفو انسانی کمالات میں عظیم ترین کمال ہے

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ اور مہاجرین اولین کے اوصاف و احوال کو صراحۃً اور حضرات خلفاء راشدینؓ کی خصوصیات کو اشارۃً ذکر فرما دیا ہے۔ ابتداء میں مہاجرین اولین کے وصف ایمان اور توکل کو بیان فرمایا کہ نہایت ہی عسرت و تنگی میں ہجرت کی اور محض اسلام کی خاطر اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کی وجہ سے اپنا وطن گھر بار چھوڑا اپنے عزیز و اقارب حتیٰ کہ اہل و عیال، تجارت، مال و دولت اور جائیداد سب کچھ اللہ کے لیے چھوڑا اور محض قادر مطلق پر بھروسہ کرتے ہوئے ہجرت کے لیے قدم اٹھایا اور عرصہ دراز تک مشکلات و شدائد کا مقابلہ کرتے رہے اس وصف کے بعد آیت اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ میں وصف عفت و عدل کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ تہذیب نفس ـــ قوت بہیمیہ (شہویہ) اور قوت سبعیہ (قہر و غضب) کو عقل کے تابع کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس آیت کے عموم میں انصار اور ان کے اتباع بھی شامل ہیں۔ اور وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ خصوصیت کے ساتھ صدیق اکبرؓ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں وہ سب سے مقدم اور سب کے پیشوا ثابت ہوئے۔ اجابتِ حق تسلیم و انقیاد اور اقامت صلوٰۃ آپ کا معروف اور نمایاں وصف تھا اور اقامت صلوٰۃ کا یہ نمایاں وصف اس امر کا باعث بنا کہ آپؐ نے مرض الوفات میں انہی کو اپنی جگہ امامت کے لیے

مامور فرمایا۔ اگرچہ حضرت عائشہؓ بار بار اس کو ٹالتی رہیں۔ لیکن آپؐ ہر بار یہی فرماتے مروا ابابکر فلیصل بالناس یعنی ابوبکرؓ کو کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اور لفظ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپؓ کا معروف وصف شوریٰ تھا آپؓ اپنے زمانہ خلافت میں کوئی امر بدون فقہا صحابہؓ کے مشورہ کے نافذ نہیں کیا کرتے تھے اسی وجہ سے ملت اسلامیہ کا عظیم ترین سرمایہ وہ ذخیرۂ اجماعیات ہے یعنی وہ امور ہیں جن پر فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اجماع ہو چکا تھا۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى۔

ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اجماعیات اللہ کے نزدیک صحیح اور پسندیدہ بلکہ قابل مدح وتحسین ہیں اور یہ ایسا وصف ہے جس کو حق تعالیٰ نے بطور مدح ذکر فرمایا۔ اور وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے یہی ان کا امتیازی وصف تھا اور اسی انفاق فی سبیل اللہ کے باعث بشارت عظیم سے فائز ہوئے۔

اور وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر منطبق ہے کیونکہ آپؓ نے اپنے عہد خلافت میں باغیوں سے بغاوت پر جہاد وقتال کیا۔ اور آیت سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا سے انتقام کی اجازت دی گئی مگر عفو اور اصلاح چشم پوشی اور درگذر کو افضل اور بہتر فرمایا گیا عجب نہیں کہ اس لفظ وَاَصْلَحَ سے حضرت حسنؓ کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ انہوں نے امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح فرمائی۔ اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔ اِنَّ ابنی هٰذا سید ویصلح اللہ بہ بین فئتین عظیمتین۔ یعنی یہ میرا فرزند سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا اور چونکہ لفظ وَاَصْلَحَ مسلمانوں کے درمیان اتفاق واقع ہونے اور باہمی نزاع وتفرقہ اٹھ جانے پر دلالت کرتا ہے اس لیے اس میں ایک لطیف اشارہ حضرت معاویہؓ کی امارت وحکومت کی طرف بھی ہے۔ کیونکہ وَاَصْلَحَ کا مقام مدح میں ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ صلح عند اللہ صحیح اور معتبر ہوگی تو اس طرح اس مصالحت کے نص قرآنی کے اشارہ سے حق ہونا معلوم ہوا ہے۔ اور اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ سے اشارہ امراء بنی امیہ کی جانب ہے جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میری اُمت کی ہلاکت چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی اور اخیر میں وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ سے ایسے ثابت قدم علماء ربانیین کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے امراء وسلاطین کے جور وظلم پر صبر کیا۔ اور اس اندیشہ سے کہ امت انتشار وافتراق کا شکار نہ ہو جائے مسلمانوں کو امیر وقت کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے منع کیا اور باوجود کراہت کے اطاعت قبول کی۔ اور اس گروہ کے سرخیل اور امام علی بن الحسین تھے رضی اللہ عنہ وعن آبائہ الکرام۔ (حضرات قارئین تفصیل کے لیے ازالۃ الخفاء از صہ۵۹۲ کی مراجعت فرمائیں)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى

اور جس کو راہ نہ دے اللہ، تو کوئی نہیں اس کا کام بنانیوالا اس کے سوا۔ اور تو دیکھے

الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ

گنہگاروں کو، جس وقت دیکھیں گے عذاب، کہیں گے کسی طرح پھر جانے کی بھی

مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ

ہوگی کوئی راہ؟ اور تو دیکھے ان کو سامنے لائے گئے ہیں آگ کے،

مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ

نوے آنکھیں ذلت سے، دیکھتے ہیں چھپی نگاہ سے۔ اور کہتے ہیں جو

اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ

ایماندار تھے، مقرر ٹوٹے والے وہی ہیں جنہوں نے گنوائی اپنی جان، اور اپنا گھر

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾

قیامت کے دن۔ سنتا ہے! گنہگار پڑے ہیں سدا کی مار میں۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

اور کوئی نہ ہوئے ان کے حمایتی جو مدد کرتے ان کی اللہ کے سوا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا

اور جس کو بھٹکا دے اللہ اس کو کہیں نہیں راہ۔ مانو اپنے

لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ

رب کا حکم، اس سے پہلے کہ آوے ایک دن، جو پھرنا نہیں اللہ کے ہاں سے۔

مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾

نہ ملے گا تم کو بچاؤ اس دن، اور نہ ملے گا الوپ ہو جانا۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ

پھر اگر وہ ٹلا دیں تو تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر نگہبان ۔ تیرا

عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا

ذمہ بھی ہے پہنچا دینا ۔ اور ہم جب چکھاتے ہیں آدمی کو اپنی طرف سے

رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ

مہر، اس پر ریجھتا ہے ۔ اور اگر پہنچتی ہے ان کو برائی کچھ بدلہ اپنی کمائی کا،

اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿٤٨﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

تو انسان بڑا ناشکر ہے ۔ اللہ کا راج ہے آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا

زمین میں ۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے ۔ بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں،

وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا

اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے ۔ یا ان کو دیتا ہے جوڑے بیٹے

وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ

اور بیٹیاں ، اور کرتا ہے جس کو چاہے بانجھ ، وہ ہے سب جانتا

قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾

کر سکتا ۔

قباحت حال و محرومی و ذلت کفار روز قیامت

و بیان کمزوری فطرت انسانی

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ

(ربط) اس سے قبل آیات میں اہل ایمان وتقویٰ اور ان کے اوصاف خاصہ کا ذکر تھا اب ان آیات میں گمراہوں اور مجرموں کی بدنصیبی ذلت ومحرومی کا بیان ہے۔ ساتھ ہی انسان کی اس فطری کمزوری کا بھی بیان ہے جو اکثر مراحل میں اس کو افعال رذیلہ اور خصائص ذمیمہ کا مرتکب بناتی ہے ارشاد ہے اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تو پھر اس کے بعد اس کے واسطے کوئی چارہ ساز نہیں کہ اس کو ہدایت دیدے۔ اور اے مخاطب تو دیکھے گا قیامت کے روز ظالموں کو جبکہ وہ عذاب خداوندی دیکھتے ہوں گے کہتے ہوں گے کیا ہے ہمارے واسطے دنیا کی طرف لوٹنے کی کوئی سبیل تاکہ اب ہم ایمان لاکر اعمال صالح کرلیں۔ جیساکہ دوسرے موقع پر ان کی اس تمنا کو ذکر فرمایا گیا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اور اے ہمارے پیغمبر آپ ان کو دیکھیں گے کہ ان کو جہنم پر پیش کیا جارہا ہوگا اس حال میں کہ ذلت کی وجہ سے وہ سرنگوں اور دیکھتے ہوں گے چھپی چھپی نگاہ سے جیسے مجرم ذلت وشرمساری سے اپنے اوپر واقع ہونے والی سزا خوف وذلت کی کیفیت سے دیکھتا ہو۔ اور اس کو جرأت بھی نہ ہو کہ کوئی چیز نگاہ اٹھاکر دیکھ لے اور اس وقت ایمان والے کہتے ہوں گے اپنی نجات وکامیابی پر شکر کرتے ہوئے اور خوشی کے جذبہ سے بے شک پورا پورا خسارہ اٹھانے والے لوگ وہی ہیں جنہوں نے ہلاکت وخسارہ میں ڈالا اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں متعلقین کو قیامت کے روز۔ بے شک ظالم لوگ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہیں اور ایسے ظالموں کے واسطے کوئی مددگار بھی نہ ہوں گے۔ جو ان کی مدد کرسکیں خدا کو چھوڑ کر اور حقیقت یہی ہے کہ جس کو خدا گمراہ کردے اس کے واسطے کوئی راستہ ہی نہیں ہے قبول حق اور ہدایت کا۔ اس صورت حال کا تقاضا یہی ہے کہ اے انسانو! قبول کرلو اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری اس سے قبل کہ وہ دن عذاب خداوندی کا آجائے جس کو کوئی لوٹانے والا نہ ہوگا۔ درآنحالیکہ اس دن تمہارے واسطے اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی اور نہ تمہارے لیے کوئی روک ٹوک ہی کرنے والا ہوگا کہ اللہ رب العزت سے یہی پوچھ لے کہ ان کا یہ حال کیوں ہورہا ہے۔ یہ حقائق ایسے ہیں کہ ان کو سُن کر کسی بھی شخص کو اعراض نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن پھر بھی اگر یہ لوگ اعراض کریں اور ایمان نہ لائیں تو آپ اس کی وجہ سے غم اور ملال نہ کریں۔ اس لیے کہ ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بناکر نہیں بھیجا ہے جس کے باعث آپ سے باز پرس کی جائے۔ آپ کے ذمہ تو صرف پیغام خداوندی پہنچا دینا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ اس اعراض کا سبب تعلق مع اللہ کا ضعف ہے جو ان کی اس حالت سے معلوم ہوتا ہے جو اکثر انسانوں میں پائی جاتی ہے کہ جب ہم اس قسم کے کسی انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہونے لگتا ہے اور اتراتا ہے اور اگر ایسے لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ اپنے ہاتھوں سے پہلے کرچکے ہیں تو پھر ایسا آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اور وہ نہ اللہ کے انعام کو سمجھتا ہے اور نہ اپنے کیئے ہوئے گناہوں سے تائب ہوتا ہے اور نہ عملی طور پر اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ غرض اپنی اس فطری کمزوری اور خرابی کے باعث اس طرح کی ہلاکت میں اپنے آپ کو ڈالتا ہے اور ایسے انسان کی یہ حالت بتاتی ہے کہ اس کو حق تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں وہ محض اپنی خواہشات نفسانیہ کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ لہٰذا ایسے بدنصیبوں کو کہاں سے توفیق ہوسکتی ہے اور وہ کیسے ہدایت قبول کرسکتے ہیں اس لیے اے پیغمبر

آپ اس غم میں اپنے کو ہلاک نہ کریں. اور زائد فکر و پریشانی میں نہ پڑیں. اللہ رب العزت کائنات کا مالک اور خالق ہے اسی کے قبضہ قدرت میں ہر چیز ہے جس طرح انواع و اقسام مخلوقات میں پیدا کیں ان میں تفاوت مراتب رکھا خیر و شر کی تقسیم کی۔ اسی طرح رب العزت نے انسانوں میں عقائد و اعمال کے لحاظ سے بھی تقسیم فرما دی کوئی راہ راست پر ہے۔ اور خیر کے کاموں میں لگا ہوا ہے اور کوئی گمراہی پر ہے اور فواحش و معاصی میں مبتلا ہے۔ بے شک اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی جو چاہے پیدا کرے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے[1] اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے۔ یا جن کے واسطے چاہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں کو جمع کر دیتا ہے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دیتا ہے بیشک وہ بڑا ہی جاننے والا بڑی ہی قدرت والا ہے تو بالکل اسی طرح ہر انسان میں جیسے افعال و خصائل چاہے وہ پیدا فرما دیتا ہے اور جس طرح کسی کو عقیم و بے اولاد بنانا اسی کی قدرت ہے اسی طرح کسی انسان سے ہر طرح کی خیر اور نفع کی توقع ختم ہو جانا یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ

اور کسی آدمی کی حد نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ۔ مگر اشارہ سے یا

مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ

پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا، پھر پہنچا دے اُسکے حکم

مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝۵۱ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ

سے جو چاہے وہ سب سے اوپر ہے حکمتوں والا۔ اور اسی طرح بھیجا ہم نے

اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ

تیری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے۔ تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور

[1] بغویؒ نے اس کی تفسیر میں بیان کیا ہے جیسے حضرت لوط علیہ السلام کہ ان کی صرف بیٹیاں تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ ان کے صرف بیٹے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں بیٹیوں کا ثبوت نہیں ملتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں جمع کی گئیں۔ اگرچہ آپ کے خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آپ کے صاحبزادوں میں سے کوئی زندہ نہیں رہے۔ کیونکہ ممکن تھا کسی صاحبزادے کی موجودگی کی وجہ سے آپ کے بعد لوگ ان کو آپ کے قائم مقام پیغمبر کہنے لگتے۔ اور اللہ کے پیغمبروں میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ پیغمبر گذرے کہ جن کی کوئی اولاد ہی نہ تھی۔ ۱۲

لَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ

نہ ایمان ، پر ہم نے رکھی ہے یہ روشنی ، اس سے راہ دیتے ہیں جس کو

نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ

چاہیں اپنے بندوں میں - اور تو البتہ سمجھاتا ہے سیدھی

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ

راہ - راہ اللہ کی ، جس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

مَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

زمین میں - سنتا ہے ! اللہ ہی تک پہنچ ہے کاموں کی -

اثبات رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و تحقیق اقسام وحی

قال اللہ تعالیٰ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ ... الی ...... تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ

(ربط) اس سورت کا آغاز وحی کے مضمون سے تھا درمیان میں دلائل نبوت و توحید بعث و نشر قیامت جزاء و سزا اور مجرمین و مطیعین کے احوال کا بیان فرمایا گیا اب سورت کا اختتام پھر مضمون وحی سے فرمایا جارہا ہے تاکہ سورت کے مضمون کا آغاز اور اس کی انتہا باہم مربوط ہوجائے اور ربط کی یہ خصوصیت اکثر سورتوں کے مضامین میں پائی جاتی ہے۔ اور بلغاء کے نزدیک کلام اللہ کی یہ بھی ایک معجزانہ شان ہے ان آیات میں مسئلہ نبوت کی تحقیق اور وحی کے اقسام کی تفصیل بیان کرکے مخالفین اور بالخصوص یہود کے ایک شبہ کا جواب دینا بھی ہے۔ یہود کہا کرتے تھے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان سے بلا واسطہ اس طرح ہمکلام ہوتے جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اللہ ہمکلام ہوا تھا۔

امام قرطبیؒ نے اس کا سبب نزول اسی اعتراض کو بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام کیوں نہیں کرتے ۔ اور کیوں نہیں بالمشافہ اللہ کو دیکھتے ہو۔ اگر آپ نبی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح براہ راست کلام کریں اور موسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ کو دیکھیں۔ جب تک آپ ایسا نہیں کریں گے ہم آپ کی بات پر یقین نہیں کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے تو خدا کو نہیں دیکھا (یہ تم غلط کہتے ہو) اور اسی طرح انہوں نے اللہ سے براہ راست

بلا واسطہ تو کلام نہیں کیا بلکہ از پس پردہ کلام ہوا تھا۔) اور یہ آیات نازل ہوئیں وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ الخ (قرطبی صـ۵۳ ج۱۶)

تو ان آیات میں اقسام وحی کی تحقیق کرتے ہوئے یہود کی اس بات کا بھی رد کیا جارہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کو دیکھا اور بلا واسطہ کلام کیا تھا تو ارشاد فرمایا جارہا ہے۔ وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ۔ اور کسی بھی آدمی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ دنیا میں خدا تعالیٰ اس سے بلا واسطہ یا بالمشافہ اس کے روبرو اس سے کلام کرے۔ مگر یا تو اشارہ سے کہ باطنی طور سے بحالت بیداری بطریق الہام اس کے دل میں کسی چیز کا القا کردے یا بحالت خواب اسکو خواب میں کوئی چیز دکھلادے یا بتلادے خواہ یہ القاء الفاظ کے ساتھ ہو یا صرف معنی کے ساتھ یا یہ کہ پردے کے پیچھے کلام کرے کہ کلام تو سنائی دے مگر متکلم نظر نہ آتا ہو یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی قاصد بھیج دے فرشتوں میں سے کسی فرشتے کو جو کسی آدمی کی شکل میں ظاہر ہو کر پھر وہ اللہ کی وحی پہنچا دے اس کے حکم سے وہ جو چاہے غرض یہی تین صورتیں ہیں جو خداوند عالم کی اپنے پیغمبر سے ہمکلامی کی ہو سکتی ہیں۔ ان تین صورتوں کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کسی بشر کے ساتھ اس شکل میں کلام کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہایت ہی بلند مرتبہ والا بڑا ہی حکیم ہے اور جس طرح ہم نے اور پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی ہے اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح ہدایت یعنی قرآن کو بذریعہ وحی بھیجا وہ قرآن کریم جو قلوب کے واسطے روح ہے کہ جیسے بدن کی حیات بغیر روح کے ممکن نہیں اسی طرح دلوں کی حیات و زندگی قرآن کریم ہے۔ اور یہ قرآن آپ کی نبوت کی واضح دلیل ہے۔ اس لیے کہ آپ تو اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اُمّی ہونے کی وجہ سے جانتے نہ تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے جس کی طرف اب آپؐ دنیا کو دعوت دے رہے ہیں لیکن ہم نے بنایا ہے اس قرآن کو نور ہدایت جو آپؐ پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا۔ جس کے ذریعے ہم راستہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، جو تمام عالم کے واسطے نور ہدایت اور نور مبین ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے کہ آفتاب عالم تاب کی روشنی میں کوئی بینا آدمی ذرہ برابر شبہ نہیں کرسکتا۔ ظاہر ہے کہ ایسے نور مبین کا منکر نابینا ہی ہو سکتا ہے۔ بے شک اے پیغمبر آپؐ اس نور ہدایت کے ذریعے مخلوق خدا کو سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ جو ایسے خدا کا راستہ ہے جس کے واسطے ہر وہ چیز ہے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے۔ وہ سب کا خالق و مالک ہے آگاہ ہو جاؤ خدا ہی کی طرف خلائق کے تمام امور لوٹتے ہیں۔ اسی کے حکم سے ہر چیز ہوتی ہے اور ہر امر کا فیصلہ اور عمل کا انجام بھی اسی کی طرف سے ہے۔ اہل ایمان و ہدایت اور نیکوں کو وہی جزا دے گا اور جو لوگ راہ حق اور ہدایت سے برگشتہ ہوں گے ان کو سزا دے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہادی برحق کی اطاعت کرو۔ اور ان کے احکام کی پیروی کرو۔ اسی میں نجات و کامیابی ہے۔

وحی کا مفہوم

امام راغبؒ نے مفردات میں لفظ وحی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا اشارة سريعة في خفية

یعنی پوشیدہ اور مخفی طور سے ایک سریع اشارہ اور رمز۔ لفظ خفیۃ سے تو یہ ظاہر کیا کہ وحی الٰہی کا تعلق ظاہری حواس کے ادراک اور احساس سے نہیں یہ باطنی مدرکات اور شعور سے تعلق رکھنے والا امر ہے۔ اور لفظ سریعۃ کی دلالت یہ بتا رہی ہے کہ وہ ایک آن کی آن میں عرش الٰہی سے قلب پیغمبر پر وارد ہو جاتی ہے اور فی خفیۃ کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ مجلس میں حضرات صحابہ موجود ہوتے اور نزول وحی ہو جاتا اس طرح کہ کسی کو کوئی خبر بھی نہ لگتی۔ اکثر ایسا ہی ہوتا تھا۔ اگرچہ بعض اوقات اللہ کا فرشتہ نظروں کے سامنے محسوس ہوتا اور وہ کوئی کلام کرتا تو دوسرے بھی اس کو سنتے جیسے کہ حدیث ایمان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جبریل امینؑ کا نووارد شخص کی شکل میں آنا اور ان کے سوالات کا قصہ مذکور ہے۔

لفظ وحی اگرچہ اپنے مشتقات کے استعمال اور اصل وضع کے لحاظ سے عموم رکھتا ہے اور غیر انبیاء کے واسطے بھی استعمال کیا گیا۔ مثلاً وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ بلکہ انسانوں کے سوا کے لیے بھی استعمال ہوا۔ مثلاً وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ حتیٰ کہ شیاطین کے بارے میں بھی فرمایا گیا اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ اور يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ لیکن اصطلاح شریعت کی رو سے وحی انبیاء کے ساتھ مختص ہے۔ وحی صرف اسی کلام یا پیغام اور امر خداوندی کا نام ہوگا جو بارگاہِ خداوندی سے اس پیغمبر کو دیا جائے۔ اس لحاظ سے وحی کا مفہوم الہام اور القاء ربانی وغیبی سے ممتاز وجدا ہوگا۔

حقیقت نبوّت اور وحی

حق تعالیٰ نے انسان میں دو قوتیں ودیعت رکھی ہیں۔ ایک قوت ملکیہ و روحانیہ اور دوسری قوت جسمانیہ و بہیمیہ جس طرح اطباء و حکماء کو قوت بہیمیہ کے امراض کے علاج اور اس کی تربیت کے لیے پیدا فرمایا گیا اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام قوت روحانیہ کے علاج و تربیت کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔ انبیاء علیہم السلام جو صورت جسمانیہ اور اپنے مادہ کے لحاظ سے اگرچہ بشر ہوتے ہیں لیکن اس بشریت کے باوجود ان کی بشری قوت؛ قوت ملکیہ کے تابع اور اس کی محکوم ہوتی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے اور اس کو معصیت کی طرف بلاتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے۔ لیکن جو قرین مجھ پر مسلط کیا گیا ہے وہ میرا مطیع و منقاد اور تابع ہے فلا یامرنی الا بخیر کہ وہ مجھ کو خیر کے سوا اور کسی چیز کا حکم نہیں کرتا۔ یہ حضرات کسی وقت بشریت سے منسلخ ہو کر ملاء اعلیٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور اس حالت میں ملأ اعلیٰ سے جو کچھ علوم و ہدایات ان پر القاء فرمائی جاتی ہیں اسی کو وحی کہا جاتا ہے اور اس انسلاخی حالت کے ختم ہو جانے کے بعد وہ علوم و ہدایات لے کر بندگان خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس میں کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ وحی کے وقت گھنٹہ کی سی گونج سنائی دیتی ہے اور کبھی فرشتہ کی صورت نظر آتی ہے جو اسکی اصلی صورت ہو اور کبھی کسی بشر کی شکل میں متشکل ہو کر وہ سامنے آتا ہے اور وہ فرشتہ اللہ کا کلام پہنچا دیتا ہے اور یہ اخذ وحی نہایت ہی سرعت

کے ساتھ ہوتا ہے اسی چیز کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام راغبؒ نے اشارۃ سریعۃ کی قید ذکر کی۔ اور یہی وجہ صعوبت کے پیش آنے کی ہوتی تھی جیسے کہ ارشاد ہے اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً۔ حتیٰ کہ سردیوں کے زمانہ میں بھی آپؐ کی پیشانی سے پسینہ ٹپکتا ہے۔

کیونکہ عالم خواب باطنی قویٰ اور مدرکات سے متعلق ہے تو اس لحاظ سے وحی کے ذریعہ جو علم وادراک ہے وہ ایک گونہ خواب کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے محض باطنی ادراکات کے ذریعہ کسی چیز کے سننے اور جاننے کے اعتبار سے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ خواب ایک ظنی چیز ہے۔ اور وحی الٰہی امر قطعی ہے یہی سبب ہے کہ وحی کی ابتداء خوابوں سے ہوئی۔ جیسے کہ آفتاب کے طلوع سے قبل آسمان بر صبح کی سپیدی طلوع آفتاب کی تمہید ہوتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور وحی سے قبل چھ ماہ تک سچے خوابوں کا سلسلہ آفتاب رسالت سے قبل تمہید نبوت تھی۔

انبیاء علیہم السلام چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس بنا پر ان کا خواب بھی وحی کی طرح قطعی اور امر خداوندی ہوتا ہے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا تو کہا اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔ اس کے جواب میں اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ فرمانا یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ کہ اے باپ کر گذریئے وہ بات جس کا آپؐ کو حکم دیا گیا۔ یہ نہیں کہا کہ کر گذریئے وہ چیز جو آپؐ نے خواب میں دیکھی۔

بہر کیف عالم روحانیت اور ملاء اعلیٰ کے امور کا القاء اللہ کی طرف سے وحی کی حقیقت ہے یعنی جو چیز انسان نہ آنکھ سے دیکھ سکتا ہو اور نہ کان سے سن سکتا ہو اور نہ عقل سے اس کا ادراک کر سکتا ہو اس کا علم بذریعہ وحی الٰہی ہوتا ہے۔

غرض وحی الٰہی اور نبوت ایک موہبہ اور عطیۂ خداوندی ہے کوئی کسبی واکتسابی یا فطری صلاحیت یا آثار وکیفیات کا نام نہیں جیسے کہ فلاسفہ اور ملحدین کا گمان ہے۔ فلاسفہ وحی کی حقیقت میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک فطری ملکہ ہے۔ یعنی انسانی فطرت کی ایک اعلیٰ حالت کا نام ہے اور نبی کے قوائے طبیعہ کا ایک عمل ہے تفصیل کے لیے علم الکلام حضرت والد محترم مولانا ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہٗ ملاحظہ فرمائیں۔

اقسام وحی کی تحقیق و تفصیل

ان آیات میں وحی خداوندی کے اقسام کی تفصیل وتحقیق فرمائی گئی کہ اللہ کی وحی کسی بشر یعنی اس کے پیغمبر پر صرف ان تین شکلوں ہی میں منحصر ہے اللہ کا کلام پیغمبر سے یا بہ شکل وحی یعنی اشارہ خفیہ کی صورت میں ہوگا۔ یا از پس پردہ ہوگا۔ یا کسی قاصد کے ذریعے ہوگا کہ وہ آکر اللہ کا پیغام اور کلام پہنچادے۔ ان ہی تین صورتوں کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اِلَّا وَحْیًا کی شکل تو وہ ہوگی کہ اندر ہی اندر بغیر کسی ظاہری

توسط اور واسطہ کے اللہ کلام نازل ہو جائے۔ جس کو نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ میں بیان فرمایا گیا کہ ظاہری طور پر نہ آنکھ کسی متکلم کو دیکھتی ہو اور نہ ظاہری کان کوئی آواز سنتے ہوں اور قلب پر اللہ کی وحی اور کلام نازل ہو جائے کہ حواس ظاہرہ کے دخل کے بغیر ہی قلب اپنے کانوں سے کلام الٰہی سن لے۔ عارفین کہتے ہیں حواس اصل میں تو اندر ہیں۔ جب عالم ظاہر سے تجرد ہوتا ہے تو حواس باطنہ اپنا عمل شروع کرتے ہیں۔ جیسے عالم خواب میں مدرکات اپنا عمل اس وقت شروع کرتے ہیں جب انسان پر نوم (نیند) طاری ہو جائے اور حواس عالم ظاہر کے احساس و ادراک سے معطل اور غافل ہو جاتے ہیں۔ اسی حقیقت کو قرآن کریم کی یہ آیت ظاہر کر رہی ہے فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ دوسری صورت کا حاصل یہ ہے کہ قوت سامعہ کا تو دخل اور توسط ہو مگر قوت باصرہ اور آنکھوں کا درمیان میں دخل و توسط نہ ہو وہ از پس پردہ نزول وحی کی صورت ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ کا کلام سُنا۔ آنکھوں سے نہ کوئی متکلم نظر آرہا تھا اور نہ خداوند قدوس کا دیدار تھا۔ تیسری شکل کا حاصل یہ ہے کہ کسی قاصد اور فرشتہ کے ذریعہ وحی الٰہی آئے۔ اور خدا کا پیغمبر اس فرشتہ اور قاصد کو آنکھوں سے دیکھتا بھی ہو اور کانوں سے اس کے کلام کو سنتا ہو جیسے کہ بسا اوقات جبریل امینؑ حضرت دحیۃ الکلبیؓ کی شکل میں اترتے اور اللہ کی وحی پہنچا دیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حارث بن ہشام کے سوال کے جواب میں جو چیز ذکر فرما رہی ہیں وہ وحی کی ان تین شکلوں میں سے دو کو مشتمل ہے جس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشدہ علی وأحیاناً یتمثل لی الملک بشراً فیکلمنی فاعی مایقول یعنی بسا اوقات وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے گھنٹہ یا ٹالی کی جھنکار اور گونج کی طرح اور یہ مجھ پر زائد شدید ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات میرے سامنے فرشتہ بشر کی شکل میں متشکل ہو کر رونما ہوتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں جو کچھ وہ کہتا ہے تو مثل صلصلة الجرس کی شکل الّا وحیا کی ہوتی تھی۔ اور یتمثل لی الملک بشرا کی صورت وہ ہوتی تھی جس کو قرآن کریم نے أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ میں بیان فرمایا۔ یہی دو صورتیں غالب تھیں اور مِن وَرَاءِ حِجَابٍ نادر اور قلیل تھی اس وجہ سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس کو صراحۃً نہیں فرمایا گیا اور اِلّا وحیًا کی صورت شدید اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اس میں آپؐ کو اپنی صفت بشریت سے منسلخ ہو کر ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا بخلاف اس صورت کے کہ فرشتہ ہی بصورت بشر نزول کر کے پیغام خداوندی پہنچا دے تو اس میں اپنے قویٰ میں تصرف کی مشقت نہیں ہوتی تھی۔ اس وجہ سے یہ دوسری صورت سہل ہوتی تھی بہ نسبت پہلی صورت کے یہ صورتیں تو وحی الٰہی کی وہ تھیں کہ ملاء اعلیٰ سے عالم دنیا کی طرف پیغمبر پر اللہ کا کلام اتارا جائے گویا یہ نزول وحی کا درجہ ہوا۔ ایک درجہ اسماء کا یہ ہوا کہ موحیٰ الیہ کو اوپر بلایا جائے۔ جیسے کہ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتوں آسمانوں کی بلندیوں کے بعد سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور تک اور پھر وہاں سے مزید بلندیوں تک پہنچایا گیا کہ قاب قوسین کی صورت ہوگئی اور اس کے بعد پھر آپؐ کو وحی کی گئی جیسے کہ فرمایا گیا

فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی یعنی جانبین سے مکالمہ ہوا۔ اگرچہ رؤیت میں اختلاف ہے لیکن برتقدیر ثبوت یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیدار اور کلام جُدا جُدا ہوگا۔ رؤیت مع الکلام کا جمع ہونا اس آیت کی رو سے بظاہر مشکل ہے کیونکہ بیان کردہ تین شکلوں کو انفصال کے عنوان سے بیان فرمایا گیا ہے کہ کلام خداوندی ان صورتوں میں سے کسی ایک ہی صورت میں ہو سکتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کلام من وراء حجاب یعنی ازپس پردہ تو ہوسکتا ہے لیکن یہ کہ عیاناً اور بالمشافہ دیدار خداوندی کے ساتھ کلام بھی جمع ہوجائے؟ تو یہ نہیں ہوگا۔

الہام اور اُس کی صورتیں

الہام بھی ملاءِ غیب سے علوم وہدایات کے القاء کا نام ہے جو انبیاء کے سوا دیگر اللہ کے برگزیدہ بندوں کے قلب پر ہو۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

الہام۔ جو علم کہ قلب میں بغیر کسی اکتساب اور استدلال کے حق تعالیٰ شانہٗ یا ملاء اعلیٰ کی جانب سے القاء ہو اس کو الہام کہتے ہیں۔

قال تعالیٰ۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ — پھر اللہ نے اس کو فجور اور تقویٰ کا الہام فرمایا۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا الہام اس لیے فرمایا کہ نفس اس پر عمل کرے اور فجور کا الہام اس لیے فرمایا تاکہ اس سے پرہیز کرے۔

حصین بن منذر خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مشرف باسلام ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو یہ تعلیم فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ۔ — اے اللہ مجھ کو رشد وہدایت کا الہام فرما اور شر نفس سے مجھ کو پناہ دے۔

(۱) وقال تعالیٰ۔ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی اَنْ اَرْضِعِیْهِ (سورۂ قصص) — اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کو الہام کیا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

(۲) وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ۔ — حواریین کو یہ الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

(۳) قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا (سورۂ کہف) — اور ذوالقرنین کو یہ الہام کیا کہ خواہ ان کو عذاب دو یا ان کے ساتھ احسان کرو۔ (سورۂ کہف)

الہام کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ من جانب اللہ براہ راست قلب پر القاء ہوتا ہے اس کو علم لدنی کہتے ہیں، کما قال تعالیٰ شانہٗ۔ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔

والعلم اللدنی ھو الذی لا واسطۃ	علم لدنی وہ ہے کہ جس کے حصول میں نفس
فی حصولہ بین النفس وبین الباری	اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔
وانما ھو کالضوء من سراج الغیب	علم لدنی بمنزلہ روشنی کے ہے کہ سراج غیب
یقع علیٰ قلب صاف فارغ لطیف	سے قلب صاف وشفاف پر واقع
(کذا فی الرسالۃ اللدنیۃ ص۲۸)	ہوتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منکرین علم لدنی سے یہ فرمایا کرتے تھے۔

قد اخذتم علمکم میتا عن	تم نے (خطاب بہ علماء ظاہر) علم مَیِّتًا عن
میت ونحن اخذنا علمنا عن الحی الذی	مَیِّتٍ حاصل کیا ہے اور ہم نے علم حَیٌّ لَّا
لایموت (کذا فی الیواقیت والجواہر ص۲۱/۱)	یَمُوْتُ سے لیا ہے۔

اور کبھی ملأ اعلیٰ اور مَلَکِ الہام کے توسط سے کوئی چیز قلب میں القاء کی جاتی ہے اس کو القاء فی القلب اور نفث فی الروع کہتے ہیں۔ مَلَکِ الہام قلب میں القاء کرتا ہے مگر نظر نہیں آتا۔

کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روح القدس
ان روح القدس نفث فی روعی لن	یعنی جبریلؑ نے میرے قلب میں یہ ڈالا ہے کہ
تموت نفس تستکمل رزقھا	کوئی نفس اس وقت تک ہرگز نہ مرے گا
(الحدیث)	جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ لے لے۔
وقال تعالیٰ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى	جب کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی طرف وحی
الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا	بھیجتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (سورۂ انفال)	مسلمانوں کے دلوں کو ثابت اور قائم رکھو۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واعظ اللہ فی قلب کل مؤمن جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام ترمذیؒ نے نواس بن سمعانؓ سے روایت کیا ہے اس واعظ اللہ سے یہی الہام الٰہی بواسطۃ الملائک مراد ہے جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ نے مدارج السالکین میں ذکر کیا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ متمثل بشکل بشر ہو کر شفاہًا اور عیانًا مخاطبت اور کلام کرتا ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ	اور جس وقت کہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم
اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ	اللہ نے تجھ کو پسند کیا ہے اور تجھ کو پاک بنایا ہے
عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ۔	اور جہان کی عورتوں پر تجھ کو فضیلت دی۔

وقال تعالیٰ۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔	جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک خاص کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا جو دنیا و آخرت میں صاحب وجاہت ہوگا۔
وقال تعالیٰ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (سورۂ مریم)	اور ذکر کرو کتاب میں مریم کا جبکہ وہ شرقی مکان میں اپنے لوگوں سے علیحدہ ہوئیں پس ایک پردہ بنایا۔ پس بھیجا ہم نے ان کے پاس ایک فرشتہ جو آدمی کی شکل میں ان کے سامنے ظاہر ہوا۔ حضرت مریمؑ بولیں کہ اللہ کی پناہ تجھ سے اگر تو اللہ سے ڈرتا ہے کہا کہ جز این نیست کہ میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اس لیے آیا ہوں کہ تجھ کو لڑکا دے جاؤں۔
وقد کانت الملٰئکۃ تخاطب عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالسلام فلمّا اکتوی ترک خطابہ فلما ترک الکی عاد الیہ خطاب ملکی۔	فرشتے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کیا کرتے تھے مگر جب وہ داغ لگوانے لگے تو فرشتوں نے سلام چھوڑ دیا پس جب انہوں نے داغ لینا چھوڑ دیا تو فرشتے پھر مخاطبت اور سلام کرنے لگے۔
وقال ابو عمر کان ای عمران بن حصین من فضلاء الصحابۃ وفقھائھم یقول عنہ اھل البصرۃ انہ کان یری الحفظۃ وکانت تکلمہ حتیٰ اکتوی (کذا فی الاصابہ ص۲۶ ج ۳)	ابو عمر بن عبد البر فرماتے ہیں کہ عمران بن حصینؓ بڑے جلیل القدر تھے اور فقہاء صحابہ میں سے تھے اہل بصرہ خود حضرت عمرانؓ سے ناقل ہیں کہ وہ کراماً کاتبین کو دیکھا کرتے تھے۔ اور ان سے باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ داغ لیا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہٗ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ قلب کے دو دروازے ہیں۔ ایک عالم ملکوت اور ملاء اعلیٰ کی طرف ہے اور دوسرا عالم شہادت کی طرف۔ ظاہری علوم اور معارف ظاہری باب یعنی حواس خمسۂ ظاہرہ سے قلب میں داخل ہوتے ہیں۔ اور عالم ملکوت اور ملاء اعلیٰ کے علوم باطنی دروازہ سے قلب میں آتے ہیں

وروی الحسن عن رسول اللہ صلی اللہ	حسن بصریؒ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے

ع مدارج السالکین ص۲۵ ج ۱

علیہ وسلم العلم علمان
فعلم باطن فی القلب فذلك هو
العلم النافع وسئل بعض العلماء
عن العلم الباطن فقال هو سرٌّ
من اسرار اللہ تعالیٰ یقذفہ
اللہ تعالیٰ فی قلوب احبائہ لم
یطلع علیہ ملکاً ولا بشرا
وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم
ان من اُمتی محدثین ومعلمین
و مکلمین وان عمر منھم و
قرأ ابن عباسؓ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ
قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ
والمحدث ھو الملہَم والملھم
ھو الذی انکشف لہ فی باطن
قلبہ من جھۃ الداخل لا من
جھۃ المحسوسات الخارجۃ۔
وکان ابو یزید وغیرہ یقول
لیس العالم الذی یحفظ
من کتاب فاذا نَسِیَ ماحفظہٗ
صار جاھلا انما العالم الذی
یاخذ علمہ من ربہ ای وقت
شآء بلا حفظٍ ولا درس وھذا ھو
العلم الربانی والیہ الاشارۃ
بقولہ تعالیٰ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا
عِلْمًا۔ مع ان کل علم من لدنہ ولکن
بعضھا بوسائط تعلیم الخلق فلا یسمّی ذلك
علما لدنیا بل اللدنی الذی ینفتح فی سرّ
القلب من غیر سبب مالوف من خارج آہ

روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے یہ ارشاد
فرمایا کہ علم دو ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی
اور آخرت میں علم باطن ہی نفع دیتا ہے۔ بعض
علماء سے علم باطن کے متعلق دریافت کیا
گیا تو یہ فرمایا کہ وہ ایک سرِ الٰہی ہے جس کو
حق تعالیٰ اپنے محبوبین کے دلوں میں ڈالتے
ہیں اور اس پر کسی فرشتہ اور بشر کو بھی مطلع
نہیں فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے محدث
اور معلم اور مکلم ہوں گے۔ اور عمرؓ ان میں
سے ہیں۔ اور ابن عباسؓ کی قراءت میں
ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ
اور محدث وہ ملہم من اللہ ہے کہ جس کے باطن
قلب میں ان حواس ظاہرہ کے علاوہ علوم و
معارف کے لیے کوئی راستہ کھل گیا ہو۔ بایزید
رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص
عالم نہیں جو کسی کتاب کو یاد کرلے اس لیے کہ
اگر وہ اس کو بھول جائے تو جاہل رہ جائیگا۔
عالم حقیقۃً وہ ہے کہ جو اپنے رب سے
جس وقت چاہتا ہے علم حاصل کرتا ہو بغیر
حفظ اور تدریس کے اور یہی علم ربانی ہے
اور وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا میں اسی
طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ ہر علم اللہ ہی کے پاس
سے ہے مگر بعض علم تعلیم خلق کے واسطہ سے
حاصل ہوتا ہے اس کو علم لدنی نہیں کہتے۔ علم
لدنی وہ ہے کہ جو بغیر کسی خارجی سبب کے خود بخود
قلب میں من جانب اللہ آتا ہو۔

حجۃ الاسلام قدس سرہٗ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ حوض میں پانی لانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نہر وغیرہ سے پانی لایا جاوے۔ دوسرے یہ کہ اسی حوض کو کھود کر اور اس کو آلات سے صاف کر کے اسی میں کوئی چشمہ جاری کر دیا جائے اور یہ پانی بہ نسبت نہر کے پانی کے نہایت صاف اور شیریں اور لذیذ ہوگا اسی طرح قلب بھی بمنزلہ حوض کے ہے تو کبھی علم اس میں حواس کی نہر سے لایا جاتا ہے اور کبھی بذریعہ خلوت و عزلت، مجاہدہ و ریاضت قلب کو کھود کر صاف کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت خود اندرون قلب ہی سے علم کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور تحصیل علوم میں حواس ظاہرہ کی ضرورت بالکل باقی نہیں رہتی۔ حجۃ الاسلام رسالہ لدنیہ میں فرماتے ہیں۔ مگر اس باطنی باب کا انفتاح تحصیل علوم اور صلاح و تقویٰ اور ریاضت صادقہ اور مجاہدہ کبرہ اور مراقبہ صحیحہ اور تفکر پر موقوف ہے۔

كما قال النبي صلى الله عليه وسلم من عمل بما علم اورثه الله العلم بما لم يعلم وقال صلى الله عليه وسلم من خلص لله اربعين صباحا اظهر الله تعالى ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه و قال النبي صلى الله عليه وسلم تفكر ساعة خير من عبادة ستين سنة۔ فالمتفكر اذا سلك سبيل الصواب يصير من ذوي الالباب وتنفتح روزنة من عالم الغيب في قلبه فيصير عالما كاملا عاقلا ملهما مؤيدا (رسالہ لدنیہ صـ۳۳)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو علم پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چالیس روز اخلاص کے ساتھ عبادت کرے اللہ تعالیٰ علم و حکمت کے چشمے اس کے قلب سے اس کی زبان پر جاری فرما دیتے ہیں۔ اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک گھڑی تفکر اور مراقبہ ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ پس متفکر جب صحیح راستہ پر چلے تو وہ عند اللہ اولی الالباب میں سے ہو جاتا ہے اور عالم غیب سے ایک روزن اُسکے قلب میں کھل جاتا ہے اس وقت یہ شخص پورا عالم اور عاقل اور ملہم اور مؤید من اللہ ہوتا ہے۔

الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق

حافظ تورپشتی رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق ظاہر ہے انبیاء کا الہام قطعی ہوتا ہے جس طرح انبیاء کرام معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اسی طرح ان کا الہام بھی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے بخلاف الہام اولیاء کے کہ وہ ظنی ہوتا ہے اور خطاء سے معصوم نہیں ہوتا اور یہ فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے رؤیاء صالح میں۔ انبیاء کا رؤیاء صالح وحی ہوتا ہے۔ اولیاء کا نہیں۔

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

والہام کہ اولیاء راہست مقتبس از انوار نبوت است و از برکات وفیوض متابعت انبیاء است علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات (مکتوب ۲۳ جلد ۳ صفحہ ۴۱)	اور اولیاء کا الہام انوار نبوت سے ماخوذ ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض اور برکت سے ہوتا ہے۔ فافہم واستقم۔

یعنی جس طرح مؤمنین کا ایمان اور ان کی دیگر صفات مثلاً زہد وورع۔ قناعت و توکل۔ رضا و تسلیم وغیرہ وغیرہ انبیاء کرام ہی کے ایمان اور صفات کا ایک عکس ہوتا ہے۔ مؤمنین کے ایمان اور ان کے زہد اور ورع کو انبیاء کرام کے ایمان اور زہد وورع سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

اسی طرح الہام مؤمنین کو الہام انبیاء سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ الہام مؤمنین تو الہام انبیاء کا ایک ادنیٰ سا پرتو اور عکس ہوتا ہے۔ یہ کہاں اُس کے ہمسر ہو سکتا ہے این الثریٰ من الثریا۔

نیز الہام اولیاء فقط کسی بشارت یا تفہیم پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور الہام انبیاء میں امر ونہی اور احکام الٰہیہ جو بندوں کے متعلق ہوں وہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء پر اپنے الہام کی تبلیغ واجب ہے اور اولیاء پر نہیں بلکہ اُس کا اخفاء اولیٰ ہے۔ جب تک کوئی ضرورت شرعیہ و دینیہ داعی نہ ہو۔

وحی والہام کی تحقیق و تفصیل میں حضرت والد محترمؒ کا یہ کلام نہایت جامع اور اسرار و حکمت پر مشتمل تھا جو ہدیۂ ناظرین کیا گیا۔ بحمد اللہ قد تم تفسیر سورۃ الشوریٰ یوم السبت ۱۹ من شہر جمادی الثانیۃ ۱۳۹۱ھ۔ ولله الحمد علیٰ ذٰلک حمدا کثیرا اللّٰہم وفقنی لاتمام ھٰذا التفسیر المبارک ویسرہ لی بفضلک یا ارحم الراحمین۔

سورۃ زخرف مکی ہے اور اس میں نواسی آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

حٰمٓ ۝١ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا

قسم ہے اس کتاب واضح کی۔ ہم نے رکھا اس کو قرآن عربی زبان کا،

؏ بحوالہ علم الکلام حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝٣ وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا

شاید تم بوجھو - اور یہ بڑی کتاب میں ہم پاس ہے -

لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ ۝٤ أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَن

اونچا محکم - کیا پھیر دیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ سمجھوتی موڑ کر

كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ ۝٥ وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِن نَّبِيٍّ فِي

اس سے کہ تم ہو لوگ حد پر نہیں رہتے۔ اور بہت بھیجے ہیں ہم نے نبی

الْأَوَّلِينَ ۝٦ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ

پہلوں میں - اور نہیں آتا لوگوں کو کوئی پیغام لانے والا، جس سے

يَسْتَهْزِئُونَ ۝٧ فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُم بَطْشًا وَمَضَىٰ

ٹھٹھا نہیں کرتے - پھر کھپا دیئے ہم نے ان سے سخت زور والے، اور چلی آئی

مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ۝٨ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ

ہے حقیقت پہلوں کی - اور اگر تو ان سے پوچھے کس نے بنائے آسمان

وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝٩ الَّذِي

اور زمین؟ تو کہیں بنائے اس زبردست خبردار نے۔ وہی ہے

جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا

جس نے بنا دی تم کو زمین بچھونا، اور رکھ دیں تم کو اس میں راہیں

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝١٠ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

شاید تم راہ پاؤ - اور جس نے اُتارا آسمان سے پانی

بِقَدَرٍ فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝١١ وَ

ماپ کر، پھر اُبھارا ہم نے اس سے ایک دیس مردہ۔ اسی طرح تم کو نکالیں گے - اور

الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ

جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے، اور بنا دیئے تم کو چوپائے اور کشتی،

وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ

جس پر سوار ہوتے ہو - تا چڑھ بیٹھو اس کی پیٹھ پر، پھر

تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا

یاد کرو اپنے رب کا احسان، جب بیٹھ چکو اس پر، اور کہو

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾

پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں دیا ہمارے یہ اور ہم نہ تھے اس کے مقابل ہونیوالے.

وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ

اور ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے - اور ٹھہرائی ہے انہوں نے اسکو اولاد اس کے

جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾

بندوں سے - تحقیق انسان بڑا ناشکر ہے صریح -

سورۂ زخرف بھی کی سورتوں میں ہے۔ اور کی آیات و سورتوں کی طرح اس کے مضامین بھی بالعموم توحید و رسالت کے دلائل پر مشتمل ہیں۔ اور شرک کی دلائلِ عقل و فطرت سے تردید کی گئی۔ اس کی نواسی آیات اور سات رکوع ہیں۔

گزشتہ سورۂ شوریٰ کی ابتدا اثبات وحی سے تھی اور اسی پر اس کی انتہا بھی ہوئی کہ رسالت و نبوت کو ثابت کرتے ہوئے وحی الٰہی کی قسموں کی تحقیق و تفصیل بیان فرمائی گئی۔ اب اس سورت کی ابتدا سورۂ سابقہ کی نہایت کے ساتھ مربوط ہے کہ ابتداء سورت میں کتاب الٰہی کی عظمت بیان کی جارہی ہے کہ وہ کتاب مبین ہے اور قرآن کریم کلام عربی ہے جس کے عربی ہونے کی وجہ سے اہلِ عرب اسکے اعجاز و حقانیت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور اس طرح ان کو قرآن کریم پر ایمان لانے اور اس کو کلام الٰہی ماننے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے۔

بیانِ عظمت و حقانیتِ کلام ربّانی و وعید بر روشِ مجرمین و ملحدین

قال اللہ تعالیٰ حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ .... الیٰ .... اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۔

(ربط) گذشتہ سورۃ کا اختتامی مضمون وحی الٰہی کی تحقیق اور نزول وحی کی صورتوں پر تھا۔ اب اس سورت کی ابتداء وحی الٰہی اور کتاب ربانی کی عظمت اور اوصاف عالیہ کے بیان سے کی جا رہی ہے۔ فرمایا۔

حٰمٓ خدا تعالیٰ ہی اس کی مراد خوب جانتا ہے۔ قسم ہے اس کتاب کی جو واضح ہے جس کی روشنی اور وضاحت جہل اور گمراہیوں کی تاریکی بھی دور کرنے والی ہے۔ جس کتاب کو بنایا ہے ہم نے قرآن عربی امید ہے کہ اے مخاطبو! تم اس کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے سمجھو کہ وہ حق ہے اور اللہ کی طرف سے ایک جامع کتاب ہدایت ہے اور بیشک یہ قرآن عربی لوحِ محفوظ میں ہمارے پاس ہمیشہ سے ہے جو نہایت ہی بلند پایہ بڑا ہی مستحکم اور محفوظ[1] حکمتوں سے لبریز ہے کیا پھر تم سے ہم اعراض کر لیں۔ ذکر و نصیحت کرنے سے اس بنا پر کہ تم حد سے گزر جانے والے ہو۔ کہ ہم تمہیں نہ نصیحت کریں۔ اور نہ تمہاری برائیوں پر تنبیہ و وعید نازل کریں۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہم زجر و تنبیہ بھی کریں گے۔ وعظ و نصیحت بھی کریں گے خواہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو اور یہ بات تمہاری اے کفارِ مکہ آج کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ دستور تو پرانے زمانوں سے چلا آرہا ہے۔ اور ہم نے کتنے ہی رسول بھیجے پہلی قوموں میں وہ اللہ کا پیغام لے کر ان قوموں میں مبعوث ہوتے رہے۔ اور نہ آتا اُن کے پاس کوئی بھی رسول اللہ کے رسولوں میں سے مگر یہ کہ وہ اس کے ساتھ مذاق کرتے۔ تو کسی کے مذاق و تمسخر سے اللہ رب العزت اپنی ہدایات کے نزول کو نہیں روکتا۔ پھر ہم نے ہلاک کر ڈالا۔ ان میں سے سخت زور والوں کو بھی۔ اور چلی آئی ہے یہ مثال اور ایک عبرت ناک تاریخ پہلے لوگوں کی۔ اللہ رب العزت کے رسول کے منکرین و مکذبین کے یہ عبرتناک واقعات حق تعالیٰ کی قدرت و الوہیت اور عظمت کی کھلی نشانیاں ہیں۔ ان کو دیکھ کر کوئی بھی خدا کی قدرت و خالقیت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور یہ منکرین بھی اگرچہ اپنی زبانوں سے انکار کرتے ہوں لیکن ان کے دل اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر تم ان سے سوال کرو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ضرور یہی کہیں گے کہ اس پروردگار نے جو بڑی ہی عزت، زبردست علم والا ہے۔ کیونکہ ہر مخلوق اپنے خالق کی عظمت بھی بتا رہی ہے۔ اور اس کے علم و حکمت کی بھی واضح دلیل ہے۔ وہی ہے پروردگار جس نے اے انسانو! زمین کو تمہارے واسطے بچھونا بنایا۔ اور بنائے اس زمین میں تمہارے واسطے راستے تاکہ تم اپنے منافع اور حوائج کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ راستہ پا سکو اور سہولت سے سفر کر سکو اور وہ پروردگار ایسا مہربان

---

[1] مستحکم و مضبوط اور حکمتوں سے لبریز کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لفظ حکیم اس جگہ دونوں معنی پر مشتمل ہے۔

ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا اندازے کے مطابق کہ جہاں جتنا پانی چاہا برسایا۔ پھر اس پانی کے ذریعہ شاداب کر دیا ایک مردہ جگہ کو جو بے آب وگیاہ بنجر علاقہ تھا پانی نے برس کر اس کو سرسبز و شاداب بنا دیا تو جس طرح مردہ زمین سے سبزہ اور غلہ اُگ رہا ہے اور مردہ زمین کی تہوں کے اندر سے نباتات اور سبزے نمودار ہو رہے ہیں زمین کی تہہ میں دبے ہوئے تخم اور دانے زمین میں مل جانے اور مٹی مٹی ہو چکنے کے بعد پھر اسی طرح نباتات و سبزہ کی شکل میں رونما ہو رہے ہیں جو پہلے موجود تھی تو اسی طرح اے لوگو! تم بھی اپنی قبروں سے نکالے جاؤ گے اگرچہ تم زمین میں دفن ہونے کے بعد زمین کے اجزاء کے ساتھ خلط ملط ہو جاؤ ریزہ ریزہ ہو جاؤ۔ لیکن پھر تمہارا نکلنا اور اٹھنا ہر تخم سے دوبارہ درخت اور سبزہ کے نمودار ہونے کی طرح ہوگا اور وہ پروردگار جس نے جوڑے بنائے ہر چیز کے مثلاً نر و مادہ نیک و بد، اچھا برا، سیاہ سفید، خشک و تر، گرم و سرد اور نافع و مضر، اور بنا دیا کشتیوں اور چوپایوں کو ایسا کہ تم ان پر سوار ہوتے ہو۔ اور ان پر تم بر و بحر کا سفر کرتے ہو اور کشتیوں اور جانوروں کو اس طرح بنایا ہے کہ تم ان کشتیوں اور چوپاؤں کی پشت پر برابر جم کر بیٹھ سکو پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کیا کرو جب تم ان پر سوار ہوا کرو اور کہا کرو اپنے پروردگار کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے۔ پاکی ہے اس ذات کی جس نے مسخر و تابع کر دیا۔ ہمارے واسطے اس کو اور ہم تو نہ تھے ایسے کہ اس کو قابو لانے والے ہوتے۔ ظاہر ہے کہ یہ طاقتور حیوان اور وہ تمام مشینیں جو کائنات کی طاقتوں ہوا پانی اور آگ کی قوتوں سے چلتی ہوں انسانِ ضعیف کی کیا مجال تھی ان کو اپنے قابو میں لا سکتا۔ اور اے انسانو! تم اپنے اس دنیوی سفر کے وقت اصل منزل کی طرف واپسی کا تصور کرتے ہوئے یہ سوچا کرو کہ دنیا کی یہ زندگی بھی ایک سفر ہے اور اس سفر سے اصل حقیقی منزل کی طرف ہی لوٹنا ہے اور کہا کرو[1]۔ بے شک ہم تم اپنے رب ہی کی طرف یقیناً واپس لوٹنے والے ہیں۔ یہ دلائل قدرت

---

[1] چنانچہ کتاب الاذکار والادعیہ میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سفر شروع کرتے وقت سواری پر سوار ہونے کے بعد یہ کلمات دعائیہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سواری پر سوار ہوتے تو تین بار تکبیر فرماتے اور تین بار سُبحان اللہ فرماتے اور ایک بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور ایک روایت میں ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ بھی تین بار فرماتے اور پھر یہ آیت مبارکہ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا پڑھتے۔ اس کے بعد یہ کلمات فرماتے اَللّٰھُمَّ انی اسئلک فی سفری ھٰذا مِنَ البِرِّ والتقوی وَمِنَ العمل ما تُحِبُّ وترضیٰ اللّٰھم ھون علینا السفر وَاطْوِلنا البُعد اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃُ فی الاھل اللّٰھُمَّ اصحبنا فی سفرنا ھٰذا واخلفنا فی اَھلنا۔ یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا اور عمل میں سے ایسے عمل کا جو تجھے پسند ہو اے اللہ ہم پر یہ سفر آسان کر اور اس کے بُعد کو تو لپیٹ دے مختصر کر دے۔ اے اللہ تو ہی ساتھی ہے ہمارا سفر میں اور خلیفہ ہے ہمارے اہل میں۔ اے اللہ تو ہمارا ساتھی رہ ہمارے سفر میں۔ اور خلیفہ و نگران رہ ہمارے اہل میں۔ ۱۲

اور انعامات عظیمہ بلاشبہ اس بات کا موجب تھے کہ لوگ اللہ کی خالقیت اور اس کی وحدانیت کو پہچانتے اور اس پر ایمان لاتے لیکن افسوس بہت سے انسانوں نے اپنی بدنصیبی اور محرومی کا ثبوت دیا اور اللہ کے لیے اس کے بندوں میں سے ہی اولاد کو ٹھہرایا۔ جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسےٰ بن مریمؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ جو صریح شرک ہے۔ اور حق تعالےٰ کی الوہیت و وحدانیت کا انکار ہے۔ بے شک انسان بڑا ہی کھلم کھلا ناشکرا اور نافرمان ہے بجائے اس کے کہ حق تعالےٰ کی نعمتوں کو پہچان کر اس کا شاکر و مطیع ہونا اس نے نافرمانی اور گستاخی کا طریقہ اختیار کیا کہ اللہ کے واسطے اولاد تجویز کی۔

نصاریٰ نے تو ایک بیٹا تجویز کیا تھا مشرکین مکہ نے مزید یہ ظلم کیا کہ بیٹیاں تجویز کر ڈالیں۔ جب کہ خود ان لوگوں کو بیٹیوں سے عار معلوم ہوتا ہے۔ اولاد چونکہ باپ کے وجود کا ایک جزء ہوتا ہے تو خداوند عالم کے لیے تجویز اولاد کو اس عنوان سے تعبیر کیا کہ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اور ظاہر ہے یہ عقیدہ اس امر کو موجب ہے کہ خداوند عالم کو ایک مرکب شئی تصور کیا گیا۔ اور مرکب چیز بلاشبہ حادث ہوتی ہے۔ تو اس طرح تجویز اولاد اس امر کو مستلزم ہوتی کہ خداوند عالم کی خالقیت اور قدرت ہی کا انکار ہے۔ پھر یہ کہ اولاد اور باپ میں یقیناً مشابہت اور مجانست ہوتی ہے۔ دونوں ایک جنس کے نہ ہوں تو والد و مولود کیونکر ہو سکتے ہیں۔ تو اس طرح خدا کے واسطے امثال اور نظائر بھی گویا تجویز کر دیئے۔ جو اس کی شان صمدیت کے منافی ہے پھر یہ بھی ہے کہ اولاد کا رشتہ عالم کائنات میں ایک طرح کی احتیاج پر مشتمل ہے تو اولاد کی تجویز خداوند عالم کے محتاج ہونے کو ثابت کرنے والی ہے جو کسی طرح بھی ممکن التصور نہیں۔ تو پھر کیونکر ایسا لغو اور احمقانہ عقیدہ خدا کے لیے اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر انسان کی ناشکری اور نافرمانی کی کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾

کیا رکھ لیں اپنی پیدائش میں سے بیٹیاں؟ اور تم کو دیئے چن کر بیٹے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ

اور جب ان میں کسی کو خوشخبری ملے اس چیز کی، جو رحمٰن پر نام دھرا، سارے دن رہے

وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ

اس کا منہ سیاہ، اور وہ دل میں گھٹ رہا۔ اور ایسا شخص

يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ

کہ پلتا رہے گہنے میں، اور جھگڑے میں بات

غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ

نہ کہہ سکے۔ اور ٹھہرایا فرشتوں کو جو بندے ہیں

الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ

رحمٰن کے عورت۔ کیا دیکھتے تھے ان کا بننا؟ اب لکھ رکھیں گے انکی گواہی

وَيُسْــَٔـلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ

اور ان سے پوچھ ہوگی۔ اور کہتے ہیں اگر چاہتا رحمٰن، ہم نہ پوجتے ان کو۔

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ ۭ

کچھ خبر نہیں ان کو اس کی۔ یہ سب اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیا ہم نے کوئی کتاب دی ہے ان کو اس سے پہلے؟ سو یہ اس پر مضبوط ہیں۔

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي

بلکہ کہتے ہیں، ہم نے پائے اپنے باپ دادے ایک راہ پر، اور ہم انہی کے

اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

قدموں پر ہیں راہ پائے۔ اور اسی طرح جو بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے

فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ

ڈر سنانے والا کسی گاؤں میں، سو کہنے لگے وہاں کے آسودہ لوگ۔ ہم نے پائے

اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ

اپنے باپ دادے ایک راہ پر، اور ہم انہی کے قدموں پر چلتے ہیں۔ وہ بولا

اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَاۗءَكُمْ ۭ

اور جو میں لا دوں تم کو اس سے زیادہ سوجھ کی راہ جس پر تم نے پائے اپنے باپ دادے،

قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ

تو بھی کہنے لگے ہم کو تمہارے ہاتھ بھیجا نہ ماننا - پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾

سو دیکھ آخر کیسا ہوا جھٹلانے والوں کا؟

تقبیح وتوبیخ بر عناد ومخاصمت مشرکین و انکار از قبول حق

قال اللہ تعالیٰ۔ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ .... الیٰ .... كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

ربط، گذشتہ آیات میں وحی الٰہی اور کلام ربانی کی عظمت اور حقانیت کے بیان کے ساتھ مجرمین و ملحدین کی غلط روش اور بیہودہ خصلتوں پر وعید تھی اب ان آیات میں مشرکین کا عناد اور ان کی مخاصمت کا بیان ہے اور یہ کہ ان کی مشرکانہ روش کس قدر گستاخانہ ہے کہ خدا کے واسطے اول تو اولاد تجویز کرتے ہیں اور پھر یہ کہ اس سلسلہ میں بیٹیاں خدا کے لیے تجویز کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ خود اپنے لیے بیٹیوں کے تصور کو انتہائی عار اور اس کی خبر دی جائے تو غصہ اور غم میں ان کا منہ کالا ہو جاتا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ قبول حق سے انکار محض عصبیت کی وجہ سے ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کو چھوڑنا گوارا نہیں کرتے تو ارشاد فرمایا کیا اس پروردگار نے اختیار کر لیا ہے۔ اپنی مخلوقات میں سے اپنے واسطے بیٹیوں کو اور تم کو منتخب و مخصوص کر دیا بیٹوں کے ساتھ کہ تم اپنے واسطے تو بیٹیاں گوارا نہ کرو۔ اور خدا کے واسطے ان کو تجویز کرو۔ حالانکہ جب کبھی بھی ان میں سے کسی کو بشارت سنائی جائے اس چیز کی جس کو انہوں نے رحمٰن کے واسطے نمونہ بنا رکھا ہے تو غصہ کے مارے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے دن بھر اور حال یہ ہے کہ وہ دل میں گھٹ رہا ہے اور پیچ و تاب کھاتا ہے یہ تو عجیب احمقانہ فیصلہ اور مضحکہ خیز تصور ہے تو کیا وہ لڑکی جو پرورش پاتی ہے (زیب و زینت) زیور میں اور وہ جو خصومت میں اپنے مدعا کو بھی ظاہر کرنے والی نہیں ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کو خدا کی اولاد اور اس کا نمونہ قرار دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ زیبائش و آرائش میں نشوونما پانا جسمانی ضعف اور قوائے بدنیہ کے نقصان کی علامت ہے کیونکہ جسمانی زیب و زینت اور آرائش و آسائش انسان کی عملی صلاحیتوں کو ناقص بنانے والی ہے اور اپنے مدعیٰ کو ظاہر و ثابت نہ کر سکنا یہ قوائے فکریہ اور عقل کی کمزوری کی علامت ہے۔ چنانچہ یہ کمزوری عورتوں میں واضح طور پر پائی جاتی ہے گو بات طویل کریں گی لیکن نہ تو اپنے مقصد کو مدلل کر سکیں گی اور نہ مخالف کی بات کا معقول جواب اور رد کر سکیں گی۔ اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں کس قدر ظلم اور حماقت ہے کہ خدا کے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا جائے۔

کیا یہ لوگ موجود تھے ان کی تخلیق کے وقت۔ اب ہم لکھ رکھیں گے ان کی گواہی اور ان سے باز پرس کی جائیگی، کہ تم نے اولاً تو خدا کی اولاد تجویز کی اور پھر فرشتوں کو مؤنثوں کی صف میں لے جا کر کھڑا کر دیا ہے حالانکہ وہ نہ جنس مذکر ہیں اور نہ مؤنث۔ اور پوچھا جائے گا کہ تمہاری اس بات کی کیا دلیل ہے۔ بجائے اس کے کہ اپنی اس احمقانہ اور بیہودہ بات پر شرمندہ ہوتے اور یہ کہنے لگے اگر اللہ چاہتا تو ہم ان بتوں کی عبادت نہ کرتے جب اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر بات جانتا ہی ہے تو اس نے ہماری یہ بات جاننے کے باوجود جب ہم کو نہیں روکا تو معلوم ہوا کہ ہمارا یہ سب عمل اس کی مرضی سے ہے۔ اور اچھا ہے۔ حالانکہ ان کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں کہ اس چیز کی وجہ سے انسان کے اپنے اختیار و ارادہ سے کیے ہوئے بُرے کام اچھے نہیں ہو سکتے۔ خیر و شر بیشک اللہ کے ارادہ اور قدرت سے ہے۔ لیکن انسان اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہے۔ اگر ان کا یہ فلسفہ درست قرار دے لیا جائے تو ہر ظالم و خونخوار اپنے ہر عمل کے درست ہونے کے واسطے یہی استدلال پیش کرنے لگے گا کہ جب خدا نے مجھے اس کام سے نہیں روکا تو معلوم ہوا کہ یہ کام اچھا ہے اور ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی صاحبِ عقل اس فلسفہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ یہ تو سب اٹکل اور تخمین کی باتیں کرتے ہیں۔ جو خود انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ رکھی ہیں کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دے رکھی ہے اس سے پہلے تو وہ اس کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں کوئی نوشتہ پیغام یا دلیل عقلی تو کیا ہوتی بلکہ وہ تو یہ کہنے لگتے ہیں بیشک ہم نے پایا ہے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر اور ہم انہی کے نشاناتِ قدم سے راہ پاتے ہیں اور جس طرح یہ منکرین و مشرکین اپنے باپ دادوں کی اتباع کرتے ہوئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اسی طرح یہ ہے کہ جب بھی ہم نے آپ سے پہلے کسی کو رسول بنا کر بھیجا اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا کسی بستی میں تو وہاں کے عیش پرستوں نے یہی کہا کہ ہم نے تو پایا ہے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر اور ہم تو بس انہی کے قدموں پر چلتے ہیں۔

اللہ کا وہ پیغمبر ہمیشہ ان منکرین کی بات پر بولا تو کیا اگر میں تمہارے پاس اس سے زیادہ ہدایت کی چیز لے آؤں۔ جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ تو بھی تم میرا انکار کرو گے اور اس بے دلیل اور عقل و فطرت کے خلاف بات کے مقابلہ میں رشد و ہدایت کی یہ معقول بات نہیں مانو گے تو انہوں نے بس یہی جواب دیا ہم تو اس چیز کا انکار کرتے ہیں جو تم دے کر بھیجے گئے ہو تو ہم نے اس بات پر ان سے انتقام لیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی گستاخیاں کب تک برداشت کی جا سکتی ہیں۔ سو اے مخاطب تو دیکھ لے کیسا ہوتا ہے انجام اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا اور مکذبین و منکرین یعنی قوم عاد و ثمود وغیرہ کے واقعات تاریخ عالم ہو چکے ہیں۔ ان کو ہر شخص اور بالخصوص اہل عرب خوب جانتے ہیں تو ان عبرت ناک واقعات سے بخوبی یہ کفارِ قریش عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦٓ إِنَّنِى بَرَآءٌ مِّمَّا

اور جب کہا ابراہیمؑ نے اپنے باپ کو، اور اس کی قوم کو، میں الگ ہوں ان

تَعْبُدُونَ ﴿۲۶﴾ إِلَّا ٱلَّذِى فَطَرَنِى فَإِنَّهُۥ سَيَهْدِينِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا

چیزوں سے جنکو پوجتے ہو۔ مگر جس نے مجھ کو بنایا، سو وہ مجھ کو راہ دے گا۔ اور یہی بات پیچھے

كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِى عَقِبِهِۦ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هَٰٓؤُلَآءِ

چھوڑ گیا اپنی اولاد میں، شاید وہ رجوع رہیں۔ کوئی نہیں! پر میں نے برتنے

وَءَابَآءَهُمْ حَتَّىٰ جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۲۹﴾ وَ

دیا انکو اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ پہنچا ان کو دین سچا، اور رسول کھول سنانیوالا۔ اور

لَمَّا جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ قَالُوا۟ هَٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِۦ كَٰفِرُونَ ﴿۳۰﴾ وَ

جب پہنچا انکو سچا دین، کہنے لگے، یہ جادو ہے، اور ہم نہ مانیں گے۔ اور

قَالُوا۟ لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ ٱلْقَرْيَتَيْنِ

کہتے ہیں کیوں نہ اُترا یہ قرآن کسی بڑے مرد پر ان دو بستیوں

عَظِيمٍ ﴿۳۱﴾ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا

کے۔ کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی مہر؟ ہم نے بانٹی ہے

بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ

ان میں روزی ان کی دنیا کے جیتے، اور اونچے کیے درجے

فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَ

ایک کے ایک سے، کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو کمیرا۔ اور

رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ أَن يَكُونَ

تیرے رب کی مہر بہتر ہے ان چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں۔ اور اگر یہ نہ ہو تا کہ

النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ

لوگ ہو جاویں ایک دین پر، تو ہم دیتے ان کو جو منکر ہیں رحمٰن سے،

لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

ان کے گھروں کو چھت روپے کے، اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں۔

وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَ

اور ان کے گھروں کو دروازے اور تخت، جن پر تکیہ لگا کر بیٹھیں۔ اور سونے کے۔ اور

اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ

یہ سب کچھ نہیں مگر برتنا دنیا کے جیتے۔ اور پچھلا گھر

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

تیرے رب کے ہاں انہیں کو ہے جو ڈر رکھیں۔

بیان استقامت ابراہیم علیہ السلام بر توحید خداوندی و نفرت و برائت از شرک

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ .... الیٰ ... عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔

(ربط) گذشتہ آیات میں مشرکین و منکرین کے عناد و تعصب اور ان کے قبولِ حق سے انکار و نفرت کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کا لقب ہی حنیف مسلم تھا ایک رنگ بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ کس طرح توحید پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھے اور انہوں نے اسی جذبۂ توحید میں اپنی قوم اور اپنے باپ سے بھی نفرت و برات کا اعلان کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید و شرک دو متناقض چیزیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کے دل میں ایمان و توحید کا رنگ رچ گیا ہو وہ شرک اور مشرکین سے نفرت و بیزاری ہی اختیار کرے گا۔ یہی اسوۂ ابراہیمی ان آیات میں بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ شانہٗ کی اس حکمت تکوینی کا بھی ذکر ہے جس کے باعث اس نے دنیا میں ایمان و کفر اور ہدایت و ضلالت کی تقسیم فرمائی۔ تو ارشاد فرمایا۔ اور جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ کو اور قوم کو کہ اے لوگو! بیشک میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو اور تم نے ان کو اپنا معبود بنا رکھا ہے مگر اس ذات سے کہ

مجھ کو پیدا کیا۔ بس میں تو اسی کی عبادت کرتا ہوں وہی میرا یکتا معبود حقیقی ہے۔ بیشک وہی مجھ کو راہ دکھاتا ہے۔
اور اسی بات کو ابراہیم علیہ السلام نے ایک باقی رہنے والا پیغام بنا کر چھوڑ دیا اپنی اولاد میں تاکہ وہ رجوع
کریں۔ اسی معبود واحد کی طرف۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اسوہ اور ان کی میراث
ان کی اولاد اور آنے والی نسلوں میں باقی رہتی۔ لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ یہ ہوا کہ میں نے ان کو دنیوی ساز و سامان اور
راحتوں سے متمتع کیا اور ان کے بزرگوں کو یہاں تک کہ ان کے پاس حق آگیا۔ اور ایسا رسول جو ہر بات کھول
کر بیان کر دینے والا ہے۔ جس نے سچا دین پیش کیا۔ واضح دلائل سے حق ثابت کیا قرآن کریم کی آیات پڑھ کر
سنائیں۔ حق و باطل کے فرق اور ان کے ثمرات کو نہایت صفائی سے بیان کر دیا جس کے بعد کوئی گنجائش تو نہ تھی کہ ایسے
رسول مبین پر لوگ ایمان نہ لاتے اور اس کے دین سے اعراض و انحراف کرتے مگر افسوس انہوں نے اعراض و
انکار کیا اور جب ان کے پاس حق پہنچا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں ہیں۔ اور
کہا کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دونوں بستیوں والوں میں سے کسی بڑے مرد پر کہ وہ سربرآوردہ اور دولتمند
ہوتا تو ہم اس کی پیروی کر لیتے۔ اب کسی فقیر اور معمولی آدمی کی کیونکر اتباع کریں۔ اے ہمارے پیغمبر تو کیا یہ لوگ
تقسیم کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو کہ نبوت و رسالت کا منصب ان کی رائے اور مرضی کے مطابق تقسیم
کیا جائے۔ دنیا کے مال و دولت، سرداری اور عزت و وجاہت سے نبوت و رسالت کا کوئی تعلق نہیں تقسیم
دنیا کا خدا کے یہاں اور قانون ہے۔ اور نبوت و رسالت سے سرفراز فرمانے کا معیار دوسرا ہے۔ اور جس طرح دنیا
کی نعمت تقسیم کرنے میں ہم ہی قادر و مختار ہیں اس میں کسی کے مشورہ اور مرضی کے پابند نہیں۔ اسی طرح رسالت و
نبوت کی عطا میں بھی ہم ہی مختار مطلق ہیں جس کو چاہیں اس منصب سے نوازیں۔ نعمت خواہ دنیوی یا اخروی اور روحانی
ہو اس کی عطا و تقسیم میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ چنانچہ ضابطہ یہی ٹھہرا ہوا ہے کہ ہم ہی نے تقسیم کیا ہے ان کی روزی کو
دنیا کی زندگی میں اور بلند کر دیئے بعضوں کے درجے بعضوں پر کہ کسی کو غنی بنایا اور کسی کو فقیر کسی کو عزت والا تو کسی
کو نیچے مرتبہ والا۔ یہ سب کچھ اس غرض سے کیا کہ بعض دوسرے بعض کو اپنا تابع اور مددگار بنا لے تاکہ دنیوی نظام
صحیح اسلوب پر قائم رہے۔ اگر ہر ایک کو برابر کر دیتا تو کوئی کسی کی بات نہ مانتا نہ تابعدار ہوتا۔ اور نہ کوئی کسی کی
خدمت کرتا اور ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو نظام معیشت درہم برہم ہو جاتا تو فرق مراتب دنیوی مال و دولت
میں مقتضائے حکمت تھا تو اسی کے مطابق دنیا کی دولت تقسیم کی گئی۔ کسی کو زائد دیا جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ
خدا کے ہاں اس کی قدر و منزلت زائد ہے۔ اصل عزت اور خیر کی چیز رحمت خداوندی ہے۔ جو علوم نبوت ہیں۔ اور
وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ تو اے مخاطب تیرے رب کی رحمت بہتر ہے۔ ان
چیزوں سے جو یہ دنیا والے جمع کرتے ہیں۔ نبوت و رسالت کا شرف دنیوی مال و دولت اور عزت و جاہ
سے کہیں بڑھ کر ہے اس لیے یہ فیصلہ درست نہیں کہ نبی اور رسول کسی بستی کا دولت مند شخص ہی ہونا چاہیئے۔
بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اور اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ہی ایک ہی جماعت ہو جائیں تو ہم ان
لوگوں کے لیے جو (خدائے) رحمٰن کے منکر ہیں۔ گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے۔ اور وہ سیڑھیاں بھی چاندی کی

کی بنا دیتے جن پر وہ چڑھیں۔ اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ یہ سب کچھ چاندی کی بنا دیتے اور سونے کے غرض مکانوں کی چھتیں، سیڑھیاں دروازے تخت وچوکیاں سب کچھ سونے چاندی کے بنا دیتے لیکن اس قدر زیب وزینت کو دیکھ کر انسانی طبائع کا متاثر ہونا اور ان چیزوں کی طرف مائل ہوجانا قریب تر تھا۔ جس کا نتیجہ یہی ہوتا کہ دنیا کے تمام لوگ آخرت سے ترک تعلق کر کے صرف دنیوی ساز وسامان اور زیب وزینت ہی کے ہو کر رہ جاتے اور یہ بات حکمت خداوندی کے خلاف تھی۔ اس وجہ سے کافروں کو بھی دنیا کی دولت کم دی گئی۔ اور اصل یہی ہے یہ سب کچھ نہیں ہے۔ مگر صرف دنیا کی زندگی میں برتنے کا سامان جس سے چند روزہ تمتع ہی ہو سکتا ہے۔ اور آخرت کی تمام نعمتیں راحتیں۔ عزتیں! اے مخاطب تیرے رب کے ہاں صرف تقویٰ والوں ہی کے لیے ہے۔ دنیا کی شادابی اور بہار میں سب شریک ہیں۔ مگر آخرت کی دائمی اور لازوال نعمتیں ایمان و تقویٰ والوں کے واسطے مخصوص ہیں۔

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت رکھتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ چکھاتا۔

صحیحین میں ہے کہ ازواج مطہرات نے جس زمانہ میں نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطالبہ سے ناراض ہو کر ایک ماہ تک کے لیے ازواج مطہرات سے ملنے جلنے بات چیت سے پرہیز کرنے کی قسم کھائی تھی۔ اور بالا خانہ پر مقیم تھے تو عمر فاروق جب وہاں حاضر ہوئے اور یہ دیکھا کہ آپ کھُری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جس کی تیلیوں نے آپ کے پہلو مبارک پر نشان ڈال رکھا ہے تو اس منظر کو دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ قیصر وکسریٰ جس حال میں ہیں ظاہر ہے کہ (جن کے پاس دنیا کی نعمتوں کی کوئی حد وانتہا نہیں) اور آپ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں (جو اس حالت میں ہیں) تو آپ اپنی امت کے لیے دعا کر دیجیے کہ اللہ ان کو فراخی عطا کر دے۔ روایات میں ہے کہ آپ عمر فاروق کی یہ بات سنتے ہی چونک کر اُٹھ کر ہو بیٹھے۔ اور دوبارہ آپ نے یہ فرمایا اَفِي شَكٍّ اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ (کہ اے ابن خطاب تو ابھی شک ہی میں پڑا ہوا ہے)۔ یہ لوگ تو وہ ہیں کہ دنیا کی لذتیں انہیں دنیا میں جلدی ہی دے دی گئیں۔ جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ ان کے واسطے دنیا ہو اور ہمارے واسطے آخرت ہو۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

اور جو کوئی آنکھیں چُرا دے رحمٰن کی یاد سے،

نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ

ہم اس پر تعین کریں ایک شیطان، پھر وہ رہے اس کا ساتھی۔ اور وہ ان کو

لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾

روکتے ہیں راہ سے ، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پر ہیں .

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ

یہاں تک کہ جب آوے ہم پاس کہے کسی طرح مجھ میں اور تجھ میں فرق ہو

الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ

مشرق مغرب کا سا کہ بُرا ساتھی ہے - اور کچھ فائدہ نہیں تم کو آج کے دن،

اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ

جب تم ظالم ٹھہرے. اس سے کہ تم مار میں شامل ہو - سو کیا تو سنا دے گا

الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

بہروں کو؟ یا سجھا دے گا اندھوں کو؟ اور صریح غلطی میں بھٹکتوں کو ؟

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ

پھر اگر کبھی ہم تجھ کو لے گئے . تو ہم کو ان سے بدلہ لینا - یا تجھ کو دکھا دیں،

الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ

جو ان کو وعدہ دیا ہے ، تو یہ ہمارے بس میں ہیں - سو تو مضبوط رہ اسی پر

بِالَّذِيْۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾

جو تجھ کو حکم آیا - تو ہے بیشک سیدھی راہ پر -

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور یہ مذکور رہے گا تیرا اور تیری قوم کا اور آگے تم سے پوچھ ہوگی -

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا

اور پوچھ دیکھ ، جو رسول بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے ، کبھی ہم نے رکھے ہیں

مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

رحمن کے سوا اور حاکم کہ پوجے جاویں۔

تنبیہ و توبیخ بر غفلت و اعراض از ذکر خداوندی و حسرت و ندامت مجرمین در آخرت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ ... الیٰ ... اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۔

(ربط) اس سے قبل آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک خاص اسوہ یعنی توحید خداوندی پر استقامت اور کفر و شرک سے برائت و بیزاری کا بیان فرمایا گیا تھا۔ ساتھ ہی دنیا کے ساز و سامان اور اس کی آرائش و آسائش کی بے وقعتی کا ذکر تھا اور یہ کہ اصل شرف اور عظمت انسان کو صرف وحی الٰہی ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے غفلت و اعراض پر تنبیہ و توبیخ کی جا رہی ہے۔ اور یہ کہ ایسے غافلوں اور بے حس لوگوں کا انجام نہایت ہی عبرتناک ہوگا اور ان کو حسرت و ندامت کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی مقصود ہے۔ تو فرمایا اور جو شخص اللہ کی نصیحت قرآن کریم اور وحی الٰہی سے اندھا بن جاوے جان بوجھ کر اعراض و غفلت اختیار کرے جیسے کہ اہل کتاب سب کچھ جاننے کے باوجود بھی یہی کہتے رہے کہ ہمیں کچھ نہیں معلوم چنانچہ ارشاد ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ تو ہم اس پر مسلط کر دیتے ہیں ایک شیطان جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور بے شک یہ شیاطین اللہ کے ذکر و نصیحت سے اعراض کرنے والے غافلین کو ہر وقت روکتے رہتے ہیں۔ حق کے راستہ سے۔ اور اس کے باوجود یہ لوگ گمان کرتے رہتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں ان کا یہ تغافل و اعراض باقی رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا تو اب اس شیطان کے بہکانے کے ثمرات اور نتائج کو دیکھ کر پچھتاتے ہوئے کہے گا۔ کاش میرے اور تیرے درمیان دنیا میں مشرق و مغرب کے برابر بُعد ہوتا تو تو بہت ہی بُرا ساتھی تھا کہ تُو نے مجھے اس طرح گمراہ کیا لیکن یہ حسرت کام نہ آئے گی اور نیز ان سے کہا جائے گا اے ظالمو! ہرگز یہ چیز تم کو آج کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے گی۔ جب کہ تم دنیا میں کفر کر کے بہت بڑا ظلم کر چکے ہو۔ اب تو بے شک عذاب میں تم سب ہی شریک ہو تو کیا اسی حالت میں کہ ان منکرین نے سب کچھ دلائل حق کا مشاہدہ کر لیا اور حقائق سُن لیے مگر پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے۔ آپ ایسے بہروں کو سنا سکتے ہیں یا ایسے اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ان کو راہ راست پر لا سکتے ہیں۔ پھر آپ یہ بات یاد رکھیے کہ ایسے سرکشوں اور نافرمانوں کی یہ بغاوت و سرکشی اپنے انجام بد سے خالی نہیں جا سکتی ضرور اس پر عذاب خداوندی آکر رہے گا۔ خواہ آپ کی حیات میں یا آپ کی وفات کے بعد

تو اگر ہم آپ کو دنیا سے اٹھالیں تو پھر بھی ان کافروں پر عذاب آکر رہے گا۔ یا وہ عذاب جس کا وعدہ ہم نے کیا ہے۔ آپ کو دنیوی حیات میں دکھلا دیں۔ تو بھی کوئی بعید نہیں۔ بہر کیف ہم ان سے ضرور انتقام لینے والے ہیں۔ اور یہ مجرم انتقام خداوندی سے کسی بھی حالت میں نہیں بچ سکتے۔ تو آپ مضبوطی سے پکڑے رکھیے اسی اللہ کے کلام اور دین کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا۔ بے شک آپ سیدھے راستہ پر ہیں۔ آپ اپنے کام میں لگے رہیں۔ اعتراض کرنے والے اگر اعتراض کرتے ہیں تو اس پر غم نہ کیجیے اور بے شک یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے بڑے شرف کی چیز ہے آپ کے لیے تو ظاہر ہے۔ اس وجہ سے کہ رب العالمین نے اس کلام کے ساتھ آپکو مخاطب بنایا اور نبوت و رسالت کا منصب عظیم عطا فرمایا اور آپ کی قوم کے لیے اس لیے کہ وہ آپ کے توسط سے کلام الٰہی اور خطاب ربانی کے مخاطب بنے پھر تا کہ جو کچھ قرآنی تعلیمات ہیں وہ عزت و برتری کی حامل ہیں۔ لہٰذا جس کسی کو اس نعمت سے سرفراز کیا گیا درحقیقت اس کو بڑا عظیم اعزاز دیا گیا جو دنیا اور آخرت کی تمام عظمتوں اور عزتوں کا ضامن ہے۔ اور ایسے عظیم انعام سے نوازے جانے والوں کو بے فکر ہو جانا چاہیے اس وجہ سے جان لینا چاہیے کہ عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا کہ اس کلام الٰہی کا کیا حق ادا کیا۔ پیغمبر سے

عہ مقصود یہ ہے کہ اے پیغمبر بعضے وعدے تو ہم آپ کو آپ کی زندگی میں دکھلا دیں گے اور بعض وعدے آپ کے بعد ظہور پذیر ہوں۔ خدا نے جو وعدے کیے ہیں وہ ضرور بالضرور پورے ہوں گے۔ کوئی دیر سے کوئی سویر سے چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا کہ بعضے وعدے آپ کی زندگی میں پورے ہو گئے جیسے فتح خیبر اور مکہ کا اور بعضے وعدے جیسے فارس اور روم کی فتح کا وعدہ سو یہ آپ کے زمانۂ حیات میں واقع نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کے زمانہ میں پورا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء بعثت سے تا حین وفات فارس اور روم کی فتح کا وعدہ دیتے۔ اور فرماتے رہے کہ اللہ تعالےٰ اس دین کو کیا اہل قری وامصار اور کیا اہل بادیہ صحرا غرض سب کے گھروں میں پہنچا دیگا خواہ بعزت اور خواہ بذلت بعزت تو یہ کہ مشرف باسلام ہونگے اور بذلت یہ کہ جزیہ اور خراج دیتے ہوئے اسلام کے باج گذار نبیں گے اور ظاہر ہے کہ فتح فارس اور روم کی فتح کا وعدہ زمانہ نبوت سراپا سعادت میں ظہور پذیر نہیں ہوا بلکہ آپ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کے زمانہ میں پورا ہوا اور جس کے ہاتھ پر اللہ کے وہ وعدے پورے ہوں جن کا اللہ نے اپنے نبی سے وعدہ کیا تھا۔ وہی اس کے نبی کا خلیفۂ خاص ہے۔

بہر حال معلوم ہوا کہ اس آیت میں جو لفظ اِمَّا اور اَوْ واقع ہوا ہے وہ تردید اور تردد کے لیے نہیں بلکہ توزیع و تقسیم کے لیے ہے کہ تکمیل وعدہ کی قسمیں متعدد ہیں۔

اور جملہ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ کے معنی یہ ہیں کہ اے پیغمبر جماعت قریش میں سے چند وہ لوگ ہونگے جو ظاہر و باطن کی شرافت سے مشرف و ممتاز ہو کر آپ کے دین کے مددگار ہوں گے۔ اور آپ کے بعد آپ کے خلیفہ ہوں گے۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ کریں گے۔ (ازالۃ الخفاء ص ۵۹۵)

حق تبلیغ کا سوال ہوگا. اور امت سے اس پر عمل کرنے کا سوال ہوگا۔ اور آپ ان سب پیغمبروں سے پوچھ لیجئے جن کو ہم نے آپؐ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا یعنی ان کی کتابوں اور ان پر ایمان رکھنے والوں سے کہ کیا ہم نے رحمٰن کے سوا اور کچھ معبود بنائے ہیں. جن کی عبادت کی جاتی ہو. ظاہر ہے کہ تمام پیغمبروں کی تعلیم اور ہدایت توحید کی بنا پر ایک رہی ہے. کسی دین و شریعت میں اور کسی نبی کی تعلیم میں خدا کے سوا کسی معبود کا کوئی تصور ہی نہیں. تو پھر آخر ان مشرکین مکہ نے خدا کے ساتھ ان بتوں کو عبادت میں کیوں شریک کر لیا ہے. اور نصاریٰ نے تین خداؤں کا عقیدہ رکھا اور یہود نے بھی بہت سے رب بنائے. غرض تمام انبیاء سابقین کی تعلیمات اور ان کی تاریخ صرف توحید خداوندی ہے. پھر کفار مکہ اور یہود و نصاریٰ کیوں نہیں آپؐ کی ہدایت و تعلیم کی پیروی کرتے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون

وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۶﴾

اور اس کے سرداروں پاس، تو کہا میں بھیجا ہوں جہان کے صاحب کا۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا

پھر جب لایا ان پاس ہماری نشانیاں وہ تو لگے اُن پر

يَضْحَكُونَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ

ہنسنے - اور جو دکھاتے گئے ہم انکو نشانی سو دوسری سے بڑی۔

أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۸﴾ وَ

اور پکڑا ہم نے ان کو تکلیف میں، شاید وہ باز آویں - اور

قَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

کہنے لگے اے جادو گر! پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو، جیسا سکھا رکھا ہے تجھ کو

إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ

ہم مقرر راہ پر آویں گے۔ پھر جب اٹھالی ہم نے ان پر سے تکلیف، تبھی وہ

يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ

وعدہ توڑ ڈالتے۔ اور پکارا فرعون اپنی قوم میں، بولا، اے قوم میری! بھلا

لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا

مجھ کو نہیں حکومت مصر کی اور یہ نہریں چلتی ہیں میرے نیچے۔ کیا تم نہیں

تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ؕ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ۵

دیکھتے۔ بھلا میں بہتر ہوں! اس شخص سے جس کو عزت نہیں۔

وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ

اور صاف نہیں بول سکتا۔ پھر کیوں نہ آ پڑے اس پر کنگن سونے

ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ

کے، یا آتے اس کے ساتھ فرشتے پرا باندھ کر۔ پھر عقل کھو دی

قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ

اپنی قوم کی پھر اسی کا کہا مانا۔ مقرر وہ تھے لوگ بے حکم۔ پھر جب

اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ ۙ فَجَعَلْنٰهُمْ

ہم کو بھی جھنجھلا دلائی، تو ہم نے اُن سے بدلہ لیا۔ پھر ڈبو دیا ان سب کو۔ پھر کر ڈالا اُنکو

سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

گئے گذرے، اور کہاوت پچھلوں کے واسطے۔

قصۂ موسیٰ علیہ السلام برائے تائید مضامین سابقہ و اثبات غلبۂ حق بر باطل

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ وَمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۔

(ربط) گذشتہ آیات میں اعراض و نافرمانی کرنے والوں پر توبیخ و تنبیہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

تسلی دینا مقصود تھا کہ ایسے لوگوں کے اعراض و مخالفت سے اللہ کے دین کو ہرگز کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔
اب اسی مناسبت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ جب وہ اللہ کی نشانیاں لے کر فرعون کے سامنے آئے تو فرعون کی مخالفت اور مقابلہ اور فرعون کی تمام طاقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا سکی۔ نتیجہ یہی ہوا کہ حق غالب آیا اور فرعون کی تمام طاغوتی طاقتیں پارہ پارہ ہوئیں۔ تو ارشاد فرمایا اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے دلائل و معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سربرآوردہ لوگوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان لوگوں کے پاس آکر یہی کہا اے لوگو! بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں تمہاری ہدایت کے واسطے مجھے بھیجا گیا ہے۔ لیکن جب موسیٰ (علیہ السلام) فرعون اور فرعون کی قوم کے پاس ہماری نشانیاں اور معجزات لے کر آئے تو وہ لوگ ناگہاں ان پر ہنسنے لگے اور ان نشانیوں کا مذاق بنانا شروع کر دیا۔ حالانکہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ ان دلائل و معجزات پر غور کر کے ان کو قبول کرتے اور ان کے ذریعہ ہدایت حاصل کرتے۔
اور ہم تو جو بھی نشانی دکھاتے وہ دوسری سے بڑھ کر ہوتی ظاہر ہے کہ سب نشانیاں قبول حق کے واسطے کافی تھیں۔ مگر ان کا اعراض اور نافرمانی کا درجہ بڑھتا ہی گیا۔ اور پھر جب یہ کسی طرح باز نہ آئے تو ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا شاید یہ رجوع کرلیں۔ حق کی طرف۔ باز تو کیا آتے الٹا اور سرکشی بڑھتی گئی اور کہنے لگے اے جادوگر دعا کر دیجئے ہمارے واسطے اپنے رب سے اس چیز کی جس کا اس رب نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔ یعنی وہ قہر و عذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ آپ اس کو دور کرنے کے واسطے اپنے رب سے دعا کیجئے اگر ایسا ہو گیا۔ تو بے شک ہم ہدایت قبول کرلیں گے۔ اور ایمان لے آئیں گے۔ لیکن جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو ناگہاں پھر وہ وعدہ توڑنے والے ہو جاتے اور بار بار انہوں نے اپنی فطرت کا مظاہرہ کیا کہ جونہی تکلیف اور مصیبت کی گھڑی ختم ہوتی فوراً اپنے قول و قرار سے پھر گئے اور نوبت بدبختی کی یہاں تک پہنچی کہ فرعون نے اپنی قوم میں پکارا اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین و تحقیر کرتے ہوئے کہا اے میری قوم کیا میرے پاس نہیں ہے مصر کی سلطنت اور یہ نہریں جو میرے محلات کے نیچے بہہ رہی ہیں تو کیا تم یہ سب کچھ نہیں دیکھ رہے ہو۔ بھلا میں ہوں بہتر اس شخص سے جس کو کوئی عزت نہیں۔ اور وہ نہیں ہے ایسا کہ صاف بول سکے۔ تو میں مال و دولت اور عزت میں بھی اس سے یقیناً بڑھ کر ہوں اور وجاہت و شخصیت میں بھی میرا مقام بلند ہے اگر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خدا کا پیغمبر ہے تو پھر کیوں نہ اس پر ڈال دیئے گئے سونے کے کنگن یا کیوں نہ آگئے اس کے ساتھ فرشتے صف بستہ ہو کر غرض اس طرح کی بے معنی اور مہمل باتوں کے ذریعہ اس فرعون نے اپنی قوم کی عقل کھو دی پھر قوم نے اس کی پیروی کی۔ حالانکہ ادنیٰ عقل رکھنے والے کو بھی جان لینا چاہیے تھا کہ یہ سب کچھ ان کو بے وقوف بنانے والی باتیں ہیں۔ بے شک یہ لوگ نافرمان تھے۔ جب فطرت میں خبث رچا ہوا اور عمل نافرمانی کا ہو تو پھر یقیناً اس قوم کا یہی شیوہ ہونا چاہیئے تھا کہ حقیقت اور عقل کو بالائے طاق رکھ کر فرعون کی باتوں میں آکر

؎ ان آیات تسع اور قوم بنی اسرائیل کے عذاب کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی۔ ۱۲

احمق نہیں۔ پھر جب ان لوگوں نے اپنی اس باغیانہ روش سے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو ان سب کو ہم نے ڈبو دیا۔ جب کہ فرعون مع اپنی جماعت کے حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا تھا تو دریا میں اللہ رب العزت نے جو راستہ حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کے گزرنے کا بنایا تھا اسی راستہ پر ان فرعونیوں کو ڈال کر غرق کر ڈالا۔ پھر بنا دیا ان کو دنیا سے گزر جانے والا اور نمونہ عبرت کر دیا بعد میں آنے والوں کے لیے تاکہ بعد میں آنے والی نسلیں یہ عبرتناک واقعہ سُن کر اس طرح کی سرکشی اور بغاوت سے باز آئیں۔ اور خدا کے پیغمبر کی اطاعت کریں۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ

اور جب کہاوت لائیے مریم کے بیٹے کی تو تبھی قوم تیری

مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوا ءَأَلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ

لگتے ہیں اس سے چلانے ۔ اور کہتے ہیں ہمارے ٹھاکر بہتر ہیں یا

هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿۵۸﴾

وہ! یہ نام جو دھرتے ہیں تجھ پر، سب جھگڑنے کو۔ بلکہ یہ لوگ ہیں جھگڑالو۔

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي

وہ کیا ہے؟ ایک بندہ ہے کہ ہم نے اس پر فضل کیا اور کھڑا کیا بنی اسرائیل

إِسْرَاءِيلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ

کے واسطے ۔ اور اگر ہم چاہیں نکالیں تم میں سے فرشتے، رہیں زمین میں

يَخْلُفُونَ ﴿۶۰﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَ

تمہاری جگہ ۔ اور وہ نشان ہے اس گھڑی کا، سو اس میں دھوکا نہ کرو، اور

اتَّبِعُونِ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ

میرا کہا مانو۔ یہ ایک سیدھی راہ ہے ۔ اور نہ روکے تم کو شیطان ۔

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ

وہ تمہارا دشمن ہے صریح ۔ اور جب آیا عیسےٰ نشانیاں لے کر،

قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي

بولا میں لایا ہوں تمہارے پاس پکی باتیں، اور بتانے کو بعضی چیز جس

تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ

میں تم جھگڑتے تھے ۔ سو ڈرو اللہ سے، اور میرا کہا مانو ۔ بے شک اللہ جو ہے

رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾

وہی ہے رب میرا اور رب تمہارا ۔ اس کی بندگی کرو، یہ ایک سیدھی راہ ہے ۔

تردید خصومت مشرکین دربارۂ توحید دعوت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا ...الیٰ... هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ

(ربط) سابقہ مضامین انبیاء سابقین کی تعلیم کے بیان پر مشتمل تھے کہ ہر پیغمبر کی دعوت و تعلیم توحید ہی رہی ہے۔ اور اب نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ نے بھی اسی توحید کی دعوت دی ہے تو پھر کفار قریش کو اس دعوت پر کیا تامل اور اعتراض ہے اور وہ دعوتِ توحید جس پر ہر پیغمبر کا اتفاق رہا کیوں نہیں اس کو قبول کرتے ۔ اب ان آیات میں کفار کے ایک معاندانہ اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے جس کا منشا ء نصاریٰ کا حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کو معبود بنانا تھا اس لغو اعتراض کا جواب دیتے ہوئے یہ بیان کیا گیا کہ اللہ کے جس پیغمبر یعنی مسیح ابن مریمؑ کے قصہ کو تم اپنے شرک کی دلیل قرار دے رہے ہو تو خود ان مسیح بن مریمؑ کی تعلیم تو محض توحید تھی ۔

بعض احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قریش سے یہ فرمایا تھا۔ لیس احد یعبد من دون اللہ فیہ خیر یعنی اللہ کے سوا جو بھی معبود ہے اس میں کوئی خیر نہیں تو اس پر بعضوں نے کہا پھر تو اس میں عیسےٰ (علیہ السّلام) بھی داخل ہیں۔ کیونکہ ان کو بھی نصاریٰ نے معبود بنایا تھا۔ اور آپ ان کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ نبی صالح تھے ۔ تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اس عموم میں عیسےٰ (علیہ السلام) داخل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ تو شرک کی تردید کرتے تھے ۔

اور توحید کے داعی تھے۔ اب اگر ان کی مرضی اور دعوت کے خلاف کوئی قوم ان کو معبود بنالے تو یہ ان کی خیریت کے منافی نہیں۔ خیریت کی نفی اس صورت میں ہوگی جب کہ اس شرک میں ان معبودوں کی مرضی اور دعوت کو دخل ہو اور نہ کبھی انہوں نے اس شرک سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کیا ہو اور نہ ہی روکا ہو۔ لیکن جس نے نفرت و بیزاری ظاہر کی ہو روکا ہو۔ تردید کی ہو اور اس کے برعکس توحید ہی کی دعوت دی ہو تو وہ کیونکر اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت پڑھی۔ اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ یعنی اے مشرکو! تم اور وہ تمہارے معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جہنم کا ایندھن ہیں۔ تو یہ لوگ کہنے لگے۔ اچھا حضرت عیسے ؑ بھی تو نصاریٰ کے معبود تھے۔ کیونکہ نصاریٰ نے ان کو معبود بنایا تھا۔ تو پھر بتاؤ تمہارے خیال میں ہمارے معبود اچھے ہیں یا عیسیٰ ؑ ارشاد فرمایا۔ اور جب کبھی بھی مثال بیان کی جانے مریم کے بیٹے (عیسے علیہ السلام) کی تو اس وقت آپ کی قوم اس سے چلانے لگتی ہے۔ اعتراض اور خصومت کرتے ہوئے اور کہنے لگتے ہیں بتائیے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ اور وہ خود جانتے ہیں کہ ان کا یہ استدلال یا خصومت مہمل اور بے معنی ہے تو نہیں پیش کرتے ہیں ابن مریم کو آپ کے رد برو مگر محض جھگڑنے کے واسطے۔ اور یہ بات کوئی وقتی یا عارضی نہیں بلکہ یہ لوگ تو ہیں ہی جھگڑالو ان خصومت اور جھگڑا کرنے والے مشرکین کا ابن مریم کو اپنے معبودوں کے درجہ میں قرار دے کر پیش کرنا قطعاً غلط اور بیہودہ جھگڑا ہے وہ تو داعی توحید تھے شرک سے قطعاً بیزار و متنفر تھے۔ وہ تو صرف ایک بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا۔ اور بنایا تھا ہم نے ان کو ایک مثال بنی اسرائیل کے واسطے کہ بنی اسرائیل کے لیے پیکر ہدایت اور نمونۂ توحید تھے۔ اور سابقہ تاریخ میں بنی اسرائیل نے جو شرک و بت پرستی کی مختلف قسمیں جاری کر رکھی تھیں ان کا رد اور ازالہ کریں۔

یہ بات بیشک درست ہے کہ عیسے ابن مریم میں بہت سے آثار فرشتوں کے تھے لیکن ان آثار کی وجہ سے ان کو معبود بنالینا کیسے ممکن تھا۔ حالانکہ فرشتے خود اللہ کی مخلوق ہیں اور اگر ہم چاہیں تو بنا دیں تم میں سے فرشتے زمین میں جو تمہاری جگہ ہوں اور تمہاری نسل میں سے ہو کر بعد میں زمین پر بسیں جیسا کہ ہر ایک نسل پہلی نسل کے بعد بسا کرتی ہے۔ تو ہم کو سب طرح قدرت ہے تو اگر مریم کے بیٹے عیسے (علیہ السلام) بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور اس طرح ان کو اللہ نے فرشتوں کا سا نمونہ بنا دیا جن کے نہ باپ ہیں اور نہ ماں یا ان کو آدم علیہ السلام کی طرح پیدا فرما دیا تو نہ آدم ؑ خدا اور خدا کے بیٹے ہوئے اور نہ فرشتے معبود ہو سکتے ہیں تو پھر عیسے بن مریم کو نصاریٰ کا معبود بنالینا کیونکر از روئے عقل صحیح ہو سکتا ہے اور وہ بیشک ایک نشان ہے قیامت کے واسطے تو اس میں ہرگز کوئی شبہ نہ کرو۔ اور میری بات مانو یہی ایک سیدھا راستہ ہے۔ اور ہرگز ایسا نہ ہونا چاہئے کہ شیطان تم کو روکے۔ اس سیدھے راستے سے وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

غرض یہ کہ حضرت عیسے بن مریم ؑ کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مریم کے بیٹے اور خدا کے بندے تھے۔ نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے۔ اور ان کی تعلیم و ہدایت میں سراسر توحید ہی تھی۔ مگر نصاریٰ نے کس قدر ظلم کیا کہ ان کو معبود بنایا۔

اور توحید کے بجائے شرک کو اختیار کیا۔

اور جب آیا عیسےٰ نشانیاں اور دلائل لے کر تو کہا اے میری قوم میں لے کر آیا ہوں تمہارے پاس حکمت کی باتیں اور اس لیے کہ کھول کر بتادوں میں تم کو بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ اور باہم جھگڑ رہے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ وہ محکم و مضبوط بات جو ہر قسم کی حکمت سے لبریز ہے۔ یہ ہے کہ بیشک صرف اللہ ہی ہے جو میرا بھی معبود ہے اور تمہارا بھی معبود ہے۔ بس اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ بہرکیف یہ تھا پیغام مسیح بن مریم علیہ السلام جس میں توحید خداوندی کی دعوت تھی۔ اور شرک سے نفرت و بیزاری کا اعلان تھا۔ اس کے باوجود اگر نصاریٰ نے ان کو معبود بنایا تو یہ چیز ان کی فضیلت و خیریت اور عبدیت و بندگی پر کیسے اثرانداز ہو سکتی ہے۔

تفسیر

”وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ“

اور مسئلہ نزول عیسےٰ بن مریم علیہما السلام

جمہور مفسرین کے نزدیک وَاِنَّهٗ کی ضمیر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی عیسےٰ بن مریم بے شک ایک علامت ہیں قیامت کے لیے۔ اور اس سے مراد ان کا آسمان سے نزول فرمانا اور زمین پر آنا ہے تو ان کا یہ آنا منجملہ علاماتِ قیامت کے ایک عظیم نشانی بنایا گیا۔ ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباس ابوہریرہ ابوالعالیہ ابومالک عکرمہ حسن بصری قتادہ ضحاک مجاہد رضی اللہ عنہم اور جملہ ائمہ مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے کہ اِنَّهٗ کی ضمیر عیسےٰ علیہ السلام کی طرف[1] راجع ہے۔ تفسیر درمنثور میں مجاہدؒ سے مروی ہے۔

قَالَ ”اٰيَةٌ لِّلسَّاعَةِ“ خروج عیسٰی ابن مریم قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ فرمایا قیامت کی نشانی حضرت عیسٰی بن مریم کا قیامت سے پہلے تشریف لانا۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہی تفسیر صحیح ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی صحابی سے اس کے خلاف کوئی تفسیر جب منقول نہیں تو ایسی صورت میں حبرامت اور بحرِ اُمت ترجمان القرآن ابن عباسؓ کی تفسیر کے مقابلہ میں کونسی تفسیر قابل قبول ہو سکتی ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر ابن جریر (۲۵ - ۵۴) مطبوعہ میریہ تفسیر ابن کثیر (۶ - ۱۴۶) مطبوعہ میریہ الدرالمنثور (۶ - ۲۰) طبع مصر، عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسٰی

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ - ۲۰۰

علیہ السلام (ص۵) ملاحظہ ہو۔ عقیدۃ الاسلام (ص۵) میں جناب امام العصر حضرت انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اذا تواترت الاحادیث بنزولہ و تواترت الآثار وھو المتبادر من نظم الآیۃ فلا یجوز تفسیر بغیرہ الخ

جب عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث و آثار متواتر ہیں اور قرآن کریم کی آیت کا واضح مفہوم بھی یہی ہے تو اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر صحیح نہ ہوگی۔

(۳) وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (نساء ۱۵۹)

اور کوئی شخص بھی اہل کتاب میں سے نہ رہے گا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔

"موتہ" کی ضمیر میں نزاع ہے۔ ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ مجاہدؒ، عکرمہؒ، ابن سیرینؒ، ضحاکؒ وغیرہ کی تفسیر کے مطابق اس کی تصحیح و ترجیح فرمائی ہے کہ "موتہ" کی ضمیر راجع ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور مقصود یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جتنے اہل کتاب ہوں گے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے سب ایمان لے آئیں گے اور اسی قول کو ابن جریرؒ اپنی تفسیر میں "اولیٰ ھذہ الاقوال بالصحۃ" قرار دیتے ہیں۔ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وھذا القول ھو الحق کما سنبینہ بالدلیل القاطع ان شاء اللہ...

یہی قول حق ہے جیسا کہ آگے دلیل قطعی کے ساتھ اس کو بیان کریں گے۔ انشاءاللہ!

اور پھر فرماتے ہیں حاصل یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی ذات کو ایک خاص نشان بنایا تھا۔ اور حق تعالیٰ کی قدرت عظیم کے دلائل میں سے بہت بڑی دلیل تھے۔

حاصل یہ ہے کہ ان کا پہلی مرتبہ آنا خاص بنی اسرائیل کے لیے ایک نشان تھا کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور ماں کی گود ہی سے بولنا شروع کیا اور اللہ کی ربوبیت اپنی عبدیت کے اقرار اور اعتراف سے بولنے کا آغاز فرمایا اور پھر نبوت و رسالت ملنے کے بعد عجیب و غریب معجزات دکھلائے اور پھر جب دشمنوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ تاکہ اپنے باپ آدمؑ کی طرح چند روز آسمان پر رہیں اور زمانۂ آئندہ میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر نازل ہوں اور ان کا یہ دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہوگا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اس اعتبار سے وہ من وجہ اپنے باپ آدمؑ کا نمونہ بنے کہ جو بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ اور باپ کی طرح چند روز کے لیے آسمان پر چلے گئے۔ اور آیات قرآنیہ اور احادیث صریحہ سے حضرت آدمؑ کا آسمان سے زمین پر ہبوط اور نزول قطعی طور پر ثابت ہے۔

اسی طرح قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر نزول و ہبوط۔ اپنے باپ

آدمؑ کے ہبوط کا نمونہ ہوگا اور اس طرح آسمان سے ہبوط اور نزول قربِ قیامت کی علامت ہوگا ان کے نزول سے لوگ سمجھ لیں گے کہ قیامت بالکل قریب آگئی ہے آیات قرآنیہ سے اور احادیث نبویہ سے تفصیلاً یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ دجال لعین کے خروج کے بعد حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ افضل الصلاۃ والسلام آسمان سے نزول فرمائیں گے اور دجال کو قتل فرمائیں گے اور زمین کو دجال اور اس کے متبعین کی خباثت وفساد سے اور یہودیوں کی ناپاکیوں اور گندگیوں سے پاک کریں گے۔ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں۔ اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان سے نازل ہوں گے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ جب انقراض عالم کی مدت قریب ہوگی تو عیسیٰ علیہ السلام چونکہ بنی آدمؑ میں سے ہیں اور بعض اعتبارات سے اپنے باپ آدم علیہ السلام کا نمونہ ہیں۔ اس لیے اول ان کو خدا تعالیٰ نے کفار کے شر سے بچا کر ایک مدت معینہ کے لیے آسمان پر اٹھا لیا۔ اور چونکہ کوئی انسان آسمان پر فوت نہ ہوگا۔ بلکہ زمین ہی پر مرے گا۔

لہٰذا جب عیسیٰ علیہ السلام کی اجل مقررہ اور مدت حیات اختتام کو پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو آسمان سے زمین پر نازل کرے گا۔ تاکہ ان کی موت زمین پر آئے اور جس نبی آخر الزمانؐ کی بشارت دینے کے لیے وہ مبعوث ہوئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ ان ہی کے قدموں میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہوگی چنانچہ قیامت کے قریب دجال کے قتل کے لیے آسمان سے نازل ہوں گے اور پھر کچھ عرصہ بعد مدینہ منورہ میں جا کر وفات پائیں گے۔ اور روضۂ اقدس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مدفون ہوں گے۔ اور بعض مؤرخین مثلاً علامہ سمہودیؒ کی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ حجرۂ شریفہ میں جو ایک قبر کی جگہ باقی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے آگے یعنی آپؐ کے قدمین شریفین سے سمتِ مشرق میں واقع ہے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۰۵ جلد ۱۶ و زاد المسیر ص ۳۲۵ جلد ۷ و تفسیر ابن جریر و تفسیر ابن کثیر جلد رابع و درمنثور)

ان تمام تفاسیر میں صحابہ و تابعین سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے اور اس کے خلاف کسی سے منقول نہیں اور سورۃ نساء کے اخیر میں وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ۔ کی تفسیر میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی طرف حضرت والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

ابن کثیرؒ نے اسی کو قول حق قرار دیا اور فرمایا کہ دلیل قطعی سے یہی ثابت ہے۔

علاوہ ازیں نزول عیسیٰ علیہ السلام احادیث متواترہ سے ثابت ہے جن کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ ائمہ محدثین نے تو ان احادیث کو بھی متواتر فرمایا ہے جو تیس ۳۰ سے پچاس ۵۰ تک شمار کی گئی ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے احادیث نزول کو اخبار متواترہ سے تعبیر کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا کہ یہ تمام احادیث قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں۔ اس لحاظ سے مسئلۂ نزول مسیحؑ دین کے لوازم اور ضروریات میں سے ہوا جس پر ایمان کے بغیر قانون شریعت سے کوئی شخص مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔

فقہ اکبر صفحہ ۱۳ میں امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے۔

وخروج الدجال و یاجوج و ماجوج و طلوع الشمس من مغربها ونزول عیسٰی علیه السلام من السماء و سائر علامات القیامة علی ماوردت به الاخبار الصحیحة حق کائن واللّٰه تعالٰی یهدی من یشاء الٰی صراط مستقیم۔

خروج دجال اور خروج یاجوج و ماجوج اور آفتاب کا مغرب سے طلوع اور حضرت عیسٰیؑ کا آسمان سے نزول اور باقی علامات قیامت جن کا احادیث صحیحہ میں ذکر آیا ہے۔ یہ اور وہ سب حق ہیں اور ضرور ہو کر رہیں گی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

امام اعظمؒ کی اس عبارت میں نزول کے ساتھ من السماء کا لفظ صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ عیسٰی بن مریمؑ کا نزول آسمان سے ہوگا۔ نیز یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ اس جسد عنصری کے ساتھ آسمان سے نازل ہونگے۔

قال الامام البیهقی اخبرنا ابو عبداللّٰه الحافظ انا ابو بکر بن اسحاق انا احمد بن ابراهیم ثنا ابن کبیر حدثنی اللیث عن یونس عن ابن شهاب عن نافع مولی ابی قتادة الانصاری قال فی کتاب الاسماء والصفات۔

انّ ابا هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم من السماء فیکم و امامکم منکم۔ (رواه البیهقی فی کتاب الاسماء والصفات)۔

امام بیہقی سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری خوشی کا کیا حال ہوگا جبکہ عیسٰی بن مریمؑ تمہارے درمیان آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام خود تم میں سے ہوگا۔

امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر فرمایا اور یہ سند صحیح ہے۔ اس کے بعد امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔

وقال رواه البخاری فی الصحیح عن یحیٰی

کہ اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے

بن بکیر واخرجہ مسلم من وجہ آخر عن یونس وانما اراد نزولہ من السماء بعد الرفع الیہ (کتاب الاسماء والصفات ص۴۲۴ طبع مصر، باب قولہ تعالیٰ عزوجل بعیسیٰ علیہ السلام اِنّی مُتَوَفِّیکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ الآیۃ۔

بھی روایت کیا ہے اور جزایں نیست کہ نزول سے مراد آسمان سے اترنا ہے جیسا کہ رفع سے آسمان پر اٹھایا جانا مراد ہے۔

بخاری اور مسلم کی روایت میں اگرچہ لفظ من السماء کا موجود نہیں مگر اصل حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ اس لیے امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا۔ اور بتلا دیا کہ حدیث میں صرف نزول من السماء ہی مراد ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معنی مراد نہیں ہو سکتے۔

وعن ابن عباس مرفوعًا قال الدجال اول من یتبعہ سبعون الفا من الیھود علیھم السیجان۔ الیٰ قولہ قال ابن عباس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعند ذلک ینزل عیسیٰ بن مریم من السماء علیٰ جبل افیق اماما ھادیا وحکما عادلا (الحدیث) (کنز العمال ص۲۶۸ ج ۷)

اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو لوگ دجال کا اتباع کریں گے وہ ستر ہزار یہودی ہوں گے اُن کے سروں پر طیلسان ہوں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت جبکہ دجال خروج کریگا تو اس وقت عیسےٰ بن مریمؑ کوہ افیق پر آسمان سے نازل ہونگے اور وہ اس امت کے حق میں امام اور ہادی اور حاکم منصف ہوں گے۔

یہ ابن عباسؓ کی مفصل روایت کا ایک ٹکڑا ہے جس میں صراحۃً لفظ آسمان کا موجود ہے اور امام قرطبیؒ نے اسی حدیث کو اپنی تفسیر میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے اس میں بھی من السماء کا لفظ صراحۃً موجود ہے۔ و ذکر الثعلبی والزمخشری وغیرھما من حدیث ابی ہریرۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ینزل عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام من السماء علی ثنیۃ من الارض المقدسۃ یقال لھا افیق۔ الیٰ آخر الحدیث تفسیر قرطبی ص۱۰۶ ج ۱۶۔

حاصل یہ ہے کہ اس آیت وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ میں اِنَّہٗ کی ضمیر عیسےٰ بن مریمؑ کی طرف راجع ہے جو ایک ذاتِ معین کا عَلَم ہے اور قیامت کے قریب ان کے نزول کی خبر دی گئی ہے اور یہی تمام امت کا اجماعی عقیدہ ہے جیسا کہ عقیدۂ طحاویہ اور شرح عقیدہ سفارینیہ میں صراحۃً مذکور ہے۔ جس طرح حضرت عیسےٰؑ کا اسی جسم عنصری کے ساتھ رفع آسمانی قطعی اور یقینی ہے اسی طرح قیامت کے نزدیک اسی عیسےٰ بن مریمؑ کا جن کی ولادت اور نبوت کا قرآن میں ذکر ہے اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان سے نزول بھی قطعی اور یقینی ہے۔

لہٰذا کسی ملحد اور زندیق کا یہ کہنا کہ مسیحؑ خود نہیں آئیں گے بلکہ ان کا کوئی مثیل اور شبیہ آئے گا۔ یہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں صریح تحریف ہے۔ بے شمار احادیث میں نہایت تفصیل اور صراحت کے ساتھ عیسیٰ بن مریمؑ کے نزول کا ذکر ہے اور عیسےٰ بن مریمؑ ایک ذات معین کا علم اور نام ہے جو فلسطین میں پیدا ہوئے تھے۔ جس سے ذات معین کے علاوہ کوئی دوسرا شخص مراد نہیں ہوسکتا علَم شخصی کو بلا وجہ نکرہ بنانا قطعاً جائز نہیں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیحؑ کی تعیین وتشخیص میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ ان کے اُترنے کا مقام بھی متعین کردیا کہ وہ دمشق ہے۔ جیسے سارا عالم جانتا ہے مگر مرزا کہتا ہے کہ اس سے قادیان مراد ہے۔

نیز احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ وتابعین سے بھی ثابت نہیں کہ وہ کسی خطۂ زمین میں پیدا ہوں گے یا کوئی اور شخص حضرت عیسےٰ بن مریمؑ کے ہم صورت یا ہم صفت ہندوستان کے کسی خطہ میں پیدا ہوگا۔ اور انگریزوں کا باج گزار ہوگا اور وہ "مثل مسیح" گھسیٹی کے پیٹ سے پیدا ہوگا۔ اور انگریزوں کی کچہریوں میں گھستا پھرے گا۔

اشکال مرزا کہتا ہے کہ لفظ نزول جو بحق مسیح آیا ہے اس سے آسمان سے اُترنا مراد نہیں بلکہ پیدا ہونا مراد ہے۔

جواب یہ بالکل غلط ہے نزول کے معنی لغت میں پیدائش کے نہیں نیز حدیث نزول میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام دو رنگین کپڑے پہنے دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کے جامع مسجد کے منارۂ شرقیہ پر اُتریں گے۔ سو اگر بقول مرزا نزول کے معنی پیدائش کے ہوں تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام دو رنگین کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کے منارۂ شرقی پر پیدا ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی بالکل مہمل ہیں اور سراسر غلط ہیں۔ اور اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ مسیح بن مریمؑ تو وفات پاگئے۔ اب ان کی جگہ دوسرا مسیح پیدا ہوگا۔ تو اس دوسرے شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے مسیح ہونے کی دلیل پیش کرے اور بتلائے کہ وہ کس دلیل کی بنا پر اپنے کو مسیح کہتا ہے محض حضرت عیسےٰ بن مریمؑ کی وفات سے تو کسی کا مسیح ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ محض کسی نبی کی موت سے کسی زندہ کی نبوت ثابت نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ وہ زندہ اپنی نبوت کی دلیل نہ پیش کرے مثلاً اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں ہندوستان کا "شاہ جہان"، یا "عالمگیر" ہوں اور دلیل یہ بیان کرتا ہو کہ شاہ جہان اور عالمگیر مرچکے ہیں تو محض شاہ جہان اور عالمگیر کی وفات سے تو اس کی بادشاہت ثابت نہیں ہوسکتی اور اگر یہ کہے کہ میں ان کا مثل اور شبیہ ہوں تو سوال یہ ہوگا کہ کس چیز میں آپ شاہجہان اور عالمگیر کے مشابہ ہیں۔ مرزائے قادیان نہ ذات میں حضرت عیسےٰ کے مشابہ ہے۔ اور نہ صفات میں۔ دعویٰ ہی دعویٰ ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں یا ان کا ظل اور بروز ہوں جس پر دلیل کوئی نہیں اور اگر محض لفظ ظل اور لفظ بروز بڑھا دینے سے نبوت اور رسالت اور مسیحیت کا دعویٰ جائز ہے تو پھر اس طرح تو دعوائے الوہیت بھی جائز ہونا چاہئے کہ کوئی یہ کہے کہ میں خدائے تعالےٰ کا ظل اور بروز ہوں اور اس کی صفات کا مظہر ہوں۔

اطلاع یہ تمام تفصیل والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب قدس اللہ سرہٗ کی کتاب "القول المحکم فی نزول عیسےٰ بن مریمؑ" اور اس موضوع پر دیگر تالیفات ومضامین سے

سے ماخوذ ہے۔ حق تعالیٰ والد مرحوم کے علوم سے اُمت کو ہمیشہ مستفیض فرماتا رہے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

پھر پھٹ گئے فرقے ان کے بیچ سے۔ سو خرابی ہے گنہگاروں کو،

مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ

آفت سے دکھ والے دن کی۔ اب یہی راہ دیکھتے ہیں اسی گھڑی کی

اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ

کہ آ کھڑی ہو ان پر اچانک اور ان کو خبر نہ ہو۔ جتنے دوست ہیں

یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾ یٰعِبَادِ

اس دن دشمن ہوں گے، مگر جو ہیں ڈر والے۔ اے بندو میرے!

لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ۚ اَلَّذِیْنَ

نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن، اور نہ تم غم کھاؤ۔ جو

اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ۚ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ

یقین لائے ہماری باتوں پر، اور رہے حکم بردار۔ چلے جاؤ بہشت میں تم

وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ

اور تمہاری عورتیں کہ تمہاری عزت کریں۔ لیے پھرتے ہیں ان پاس رکابیاں سونے

ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ

کی اور آبخورے، اور وہاں ہے جو دل چاہے، اور جس سے

الْاَعْیُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ۚ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ

آنکھیں آرام پاویں۔ اور تم کو ان میں ہمیشہ رہنا۔ اور وہی بہشت ہے

الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِیْهَا

جو میراث پائی تم نے بدلے ان کاموں کے جو کرتے تھے ۔ تم کو اُن میں

فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ

میوے ہیں بہت ان میں سے کھاتے ہو ۔ البتہ جو گنہگار ہیں

عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِیْهِ

دوزخ کی مار میں ہیں ہمیشہ رہتے ۔ نہ ہلکی ہوتی ہے ان پر اور وہ اسی میں

مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾

پڑے ہیں نااُمید ۔ اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا ، لیکن تھے وہی بے انصاف ۔

وَ نَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور پکاریں گے اے مالک ! کہیں ہم کو فیصل کر چکے تیرا رب ۔ وہ کہے گا ، تم کو رہنا ہے ۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾

ہم لائے ہیں تمہارے پاس سچا دین ، پر تم بہت لوگ سچی بات سے بُرا مانتے ہو ۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا

کیا انہوں نے ٹھہرائی ہے ایک بات تو ہم بھی کچھ ٹھہرا دیں گے ۔ کیا خیال رکھتے ہیں کہ ہم نہیں

نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ بَلٰی وَ رُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

جانتے ان کا بھید اور مشورہ ۔ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ان کے پاس ہیں لکھتے ۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۱﴾

تو کہہ اگر ہو رحمٰن کی اولاد ! تو میں سب سے پہلے پوجوں ۔

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا

پاک ذات ہے وہ رب آسمانوں کا اور زمین کا صاحب تخت کا ، ان باتوں سے

يَصِفُونَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا

جو بناتے ہیں - اب چھوڑ دے ان کو بک بک کریں، اور کھیلیں، جب تک ملیں

يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَآءِ

اپنے اس دن سے، جس کا ان کو وعدہ ہے - اور وہی ہے جسکی بندگی ہے آسمان میں،

إِلٰهٌ وَّفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۸۴﴾ وَ

اور جس کی بندگی ہے زمین میں - اور وہی ہے حکمت والا سب جانتا - اور

تَبٰرَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا

بڑی برکت ہے اس کی جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جو

بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۵﴾

ان کے بیچ ہے - اور اسی پاس ہے خبر قیامت کی - اور اسی تک پھر جاؤ گے -

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا

اور اختیار نہیں رکھتے جن کو یہ پکارتے ہیں، سفارش کا، مگر

مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ

جس نے گواہی دی سچی، اور ان کو خبر تھی - اور اگر تو ان سے پوچھے کہ

مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿۸۷﴾ وَقِيلِهِ

ان کو کس نے بنایا؟ تو کہیں گے اللہ نے، پھر کہاں سے الٹ جاتے ہو؟ قسم ہے رسول کے

يٰرَبِّ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ

اس کہنے کی، کہ اے رب! یہ لوگ ہیں کہ یقین نہیں لاتے - سو تو منہ پھیر ان کی طرف سے،

وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۸۹﴾

اور کہہ، سلام ہے، اب آخر کو معلوم کر لیں گے -

تنبیہ بر مخالفت از حق و بیان انعام و اکرام مطیعین و ذلت و ناکامی مجرمین

قال اللہ تعالیٰ۔ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ..... الیٰ ..... فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ

(ربط) آیات سابقہ میں مشرکین مکہ کے ایک لغو اور مہمل اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت عیسےٰ بن مریم علیہ السلام کی دعوتِ توحید کا ذکر تھا اور یہ کہ ان کی زندگی کو اللہ نے اپنی قدرت کی ایک عظیم نشانی بنایا تھا۔ جب تک زمین پر رہے اللہ کی نشانیاں دکھاتے ہوئے اپنی قوم کو توحید ہی کی دعوت دی۔ اور جب قیامت کے قریب آسمان سے نزول فرمائیں گے تب بھی وہ یہی دعوتِ توحید دیتے ہوں گے۔ ان کی تعلیم و ہدایت میں نہ کوئی ابہام تھا اور نہ اس سے اختلاف کی کوئی گنجائش تھی۔ اب ان آیات میں اہل کتاب کے مختلف گروہوں اور ان کی حق سے مخالفت کا بیان ہے۔ اور ساتھ اس پر تنبیہ کی جا رہی ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے انجام سے ہرگز غافل نہ ہونا چاہیے۔ تو فرمایا۔

پھر مختلف گروہ ہو گئے ان کے درمیان حالانکہ اہل کتاب کو ایک ہی دین پر متفق ہونا چاہیے تھا لیکن یہود ان کے منکر ہوئے اور نصاریٰ قائل ہوئے۔ مگر قائل ہونے اور عقیدت رکھنے کے باوجود خود نصاریٰ میں بہت سے فرقے ہو گئے۔ کسی نے حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ کسی نے ان کو تین خداؤں میں سے ایک کہا۔ اور کسی نے کہا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ کہ اللہ تو مسیح ہی ہے۔ سو ہلاکت ہے ان ظالموں کے لیے ایک دردناک دن کے عذاب سے۔ قدرت کی نشانیاں اور مجرمین پر مختلف اوقات میں قہر و عذاب کا نزول تو اس امر کے لیے کافی تھا کہ ایسے لوگ عبرت حاصل کر لیتے لیکن افسوس ایسے لوگ کسی طرح بھی اپنی باغیانہ روش نہیں چھوڑتے تو کیا یہ بس قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان پر وہ ناگہاں آجائے اور حال یہ کہ ان کو خبر بھی نہ ہو کہ قیامت آرہی ہے۔ قیامت کا دن جس بے چینی اور گھبراہٹ کا دن ہوگا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ دن تو ایسا ہوگا۔ تمام دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان لوگوں کے جو تقویٰ والے ہیں ہر دوست اپنے دوسرے دوست سے بیگانہ و بیزار ہوگا۔ البتہ اہل ایمان و تقویٰ دنیا کی دوستی کو وہاں بھی یاد رکھتے ہوئے اپنے دوستوں کو پوچھتے ہوں گے اور یاد کرتے ہوں گے عہ تو ایسے ایمان و تقویٰ والوں کو پروردگار

عہ اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت علیؓ سے ایک روایت میں آنحضرتؐ سے یہ بیان فرمایا کہ دو دوست ایماندار ہوں گے۔ اور دو دوست کافر۔ مؤمن دوستوں میں سے جب ایک کا انتقال ہوا اور اس کو جنت کی بشارت سنائی گئی تو اس نے اپنے دوست کو یاد کیا اور کہا کہ اے پروردگار فلاں میرا دوست مجھ کو تیری اطاعت و بندگی کا اور تیرے رسولؐ کی فرمانبرداری کا حکم کرتا تھا اور مجھ کو خیر پر آمادہ کرتا اور برائیوں سے روکتا تھا اور مجھ کو بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں تو اے اللہ! تو میرے اس مؤمن دوست کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عالم کی طرف سے کہا جاتا ہوگا ۔ اے میرے بندو کوئی خوف نہیں تم پر آج کے دن اور نہ ہی تم غمگین ہوگے میرا یہ پیغام میرے ان بندوں کے واسطے ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور ہمارے فرمانبردار رہے۔ ان کو ہماری طرف سے یہ بشارت ہے کہ داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں اس طرح کہ تم عزت واکرام اور راحت ومسرت کے ساتھ ہو کھائے جاتے ہوں گے۔ ان پر پیالے یا رکابیاں سونے کے اور آبخورے اور وہاں ان کے واسطے ہر وہ چیز ہوگی۔ جس کے لیے ان کا دل چاہے اور ہر وہ چیز جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں۔ وہ لذتیں جو اہل ایمان کو آخرت میں عطا کی جائیں گی۔ اور اے میرے بندو! تم ان جنتوں میں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ جنتیں جن کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے۔ ان اعمال کی وجہ سے جو دنیا میں کیا کرتے تھے ۔ تمہارے واسطے ان میں بہت سے پھل اور میوے جن کو تم کھاتے رہوگے۔ اس کے برعکس مجرمین ونافرمانوں کی ذلت ومعصیت کا یہ عالم ہوگا کہ بے شک یہ مجرمین دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہنے والے ہوں گے اس حال میں کہ نہ وہ عذاب ان سے کسی وقت ہلکا ہوگا اور نہ منقطع ہوگا۔ بلکہ مسلسل اسی شدت وعظمت کے ساتھ جاری رہے گا۔ اور وہ اسی میں رہیں گے ۔ تمام امیدوں کے ختم ہو جانے کے بعد مایوسی کے عالم میں یہ سب کچھ بلاشبہ ان کے اعمال اور نافرمانیوں کا انجام ہے ۔ اور ہم نے تو ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے ۔

اہل جہنم جب ہر طرف سے مایوس ہو چکیں گے اور کسی طرح اس بات کی امید نہ رہے گی کہ یہ عذاب ٹل جائے۔ یا کم از کم ہلکا ہی کر دیا جائے تو اس بے قراری میں داروغہ جہنم کی طرف متوجہ ہوں گے اور پکاریں گے۔ اے مالک اب ہم میں طاقتِ برداشت نہیں۔ کہیں کہ ہم پر فیصلہ کر دے آپ کا رب کہ ہمارا کام تمام ہی کر دیا جائے کہ یہ عذاب یا تو ہمارا قصہ ہی ختم کر دے یا ہم پر موت ہی آ جائے تاکہ مر کر ہی اس مصیبت

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا) میرے بعد گمراہی سے محفوظ رکھنا یہاں تک کہ تو اس کو ایسی ہی نعمتیں دکھا دے جیسی نعمتیں تو نے مجھے دکھائیں۔ اور تو اس سے ایسے ہی راضی ہو جائے جیسے تو مجھ سے راضی ہوا۔ اس بات پر اس سے کہا جائے گا کہ اگر تیرا ساتھی ایسا ہی ہے تو اس کے واسطے بھی یہی نعمتیں ہیں۔ پھر جب دوسرا ساتھی اس کا انتقال کرے گا۔ تو دونوں کی روحیں جمع ہوں گی اور ہر ایک دوسرے کو کہے گا کہ تو میرا کتنا اچھا بھائی کتنا اچھا ساتھی اور کتنا عزیز دوست ہے اور اس کے بالمقابل کافر دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوا اور اس کو جہنم کی خبر دی گئی تو وہ کہے گا کہ اے پروردگار میرا فلاں دوست مجھے تیری اور تیرے رسول ؐ کی معصیت کی ترغیب دیتا تھا اور مجھے شر پر آمادہ کرتا اور خیر سے روکتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تجھ سے نہیں ملوں گا۔ تو اے اللہ تو اسکو ہدایت سے محروم رکھ اور ایسا عذاب دے جیسا تو نے مجھے دیا اور یہ کافر اپنے دوست پر غصہ ہوگا۔

اور اس پر لعنت وملامت کرتا ہوگا۔ ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے آنحضرت ؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو شخصوں کے درمیان اللہ کے لیے محبت ہو ان میں سے ایک مشرق اور دوسرا مغرب میں ہو تو بھی اللہ ان دونوں کو قیامت میں جمع کرے گا۔

سے چھٹکارا نصیب ہو جائے۔ مالک جواب دے گا۔ ایک طویل وقت گزرنے کے بعد جب کہ عذاب کی شدت کے علاوہ جواب کے انتظار کی بھی مزید بے چینی ہو گی۔ آگاہ ہو جاؤ بے شک تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے اب چیخنے چلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہم تو تمہارے پاس حق لیکر آئے۔ لیکن تم میں سے بہت لوگ حق سے نفرت ہی کرتے رہے۔

کفارِ مکہ کو چاہیئے کہ ان باتوں کو سُن کر خدا کے عذاب سے ڈریں اس کی نافرمانی اور اس کے پیغمبر کی مخالفت و عداوت سے باز آ جائیں اگر ایسا نہیں کرتے تو پھر سوچ لیں کیا انہوں نے ٹھیرالی ہے کوئی بات؟ اگر اس پر یہ بھروسہ کر کے سمجھ رہے ہوں کہ ہم کامیاب ہو جائیں گے اور اللہ کے پیغمبر کو ناکام بنا دیں گے۔ اگر ایسا ہے تو پھر سُن لینا چاہیئے۔ ہم بھی کوئی بات ٹھیراتے ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ان کی تدبیر اور سازش اللہ کی تدبیر پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں سُنتے ہیں۔ ان کے خفیہ راز اور ان کی آپس کی سرگوشیوں کو۔ بے شک ہم خوب جانتے ہیں۔ اور خوب سُنتے ہیں۔ اور ہمارے قاصد تو ان کے پاس ہر وقت موجود رہتے ہیں جو ان کی ہر بات اور عمل لکھتے رہتے ہیں۔ ہمارے سے ان کی کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ یہ بات دلائل قطعیہ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ خدا ایک ہے۔ اس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اس لیے ایک اور طریقہ سے ان مشرکین مکہ پر حجت پوری کرنے کی غرض سے آپ کہہ دیجیئے اگر بالفرض رحمٰن کے واسطے کوئی اولاد ہوتی تو میں ہوتا سب سے پہلے اس کو پوجنے والا اور اس کو خدا کے ساتھ شریک قرار دے لیتا لیکن تم دیکھتے ہو کہ میں سوائے اللہ رب العزت کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتا اور پھر اے نصاریٰ اور عرب کے منکرو تم کیسے خدا کے واسطے اولاد تجویز کرتے ہو۔ خبردار ہرگز ایسا ممکن نہیں بلکہ پاکی ہے آسمانوں اور زمین کے رب کی جو رب ہے عرش عظیم کا۔ پاکی ہے ہر اس عیب اور شرک کی بات سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

اس صورتِ حال میں کہ ان بدنصیبوں کی آنکھیں نہ کسی عبرت ناک واقعات سے کھلتی ہیں۔ اور نہ ہی دلائل و حقائق سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ تو چھوڑ دو ان کو یہ اپنی ان ہی بیہودہ باتوں میں منہمک رہیں۔ اور لہو و لعب میں پڑے رہیں۔ یہاں تک کہ یہ ملاقات کر لیں اپنے اس دن سے کہ جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ کسی بدنصیب کے انکار سے حق تعالیٰ کی ربوبیت اور شان کبریائی پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہ پروردگار معبود ہے آسمان میں اور وہی معبود ہے زمین میں بھی اور وہی ہے بڑی حکمت رکھنے والا باخبر۔ اور بڑی برکت و عظمت والی ہے وہ ذات جس کے واسطے آسمانوں اور زمین کی سلطنت۔ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی بھی ہے۔ اور اسی کو ہے قیامت کا علم اور اسی کی طرف سے لوگو تم سب کو لوٹایا جائے گا۔ اس عظمت و کبریائی اور قدرت کاملہ اور تمام کائنات پر اس کی سلطنت و حکمرانی کے ہوتے ہوئے اگر چند احمق انسان خدا کی الوہیت کا انکار کریں یا دنیوی مال و متاع کے نشہ میں مغرور و بدمست ہو کر بیہودہ باتیں کریں تو اس سے نہ اللہ کی وحی پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے۔ اور نہ کوئی اس کے پیغمبر کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اصل نقصان تو ان ہی مجرموں کا ہوگا کہ جب حق تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ تو کوئی نہ بچانے والا ہوگا۔ اور نہ کوئی سفارش کر سکے گا۔ اور جن معبودوں کی یہ مشرکین عبادت کرتے تھے ان کے وہ معبود خود ان سے بیزار ومتنفر ہوں گے اور حال یہ ہوگا کہ نہیں قدرت رکھیں گے سفارش کی وہ معبود جن کو یہ پکارا کرتے تھے۔ اللہ کو چھوڑ کر مگر ہاں وہ جس نے گواہی دی حق کی اور حال یہ ہے کہ وہ جانتے تھے۔ اور اہل ایمان بیشک اپنے بھائیوں کے آخرت میں کام آئیں گے۔ اور ان کی شفاعت بھی کریں گے۔

عجیب بات ہے کہ حق تعالیٰ کی توحید والوہیت کا انکار کرنے والے خود دل سے اور اپنی فطرت سے اس کے معترف ہیں کہ دراصل اللہ ہی کائنات کا خالق ومالک اور اس کا انتظام چلانے والا ہے۔ چنانچہ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ تو پھر یہ لوگ کہاں بھٹک رہے ہیں۔ اللہ کے پیغمبر نے دعوت توحید میں کوئی کمی نہیں کی ہر طرح سے سمجھایا۔ حقائق ودلائل پیش کیے لیکن ہر دلیل اور معجزہ پر انحراف واعراض ہی کرتے رہے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ خدا کا پیغمبر حسرت ومایوسی کے عالم میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی بے بسی کا شکوہ کرنے پر مجبور ہوا۔ اللہ نے اپنے پیغمبر کی مخلصانہ التجا اور درد بھری آواز کی قسم کھاتے ہوئے اپنی رحمت ونصرت کی بشارت سنائی اور فرمایا۔ اور قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے میرے پروردگار۔ یہ قوم تو ایمان لانے کو تیار ہی نہیں تو اے ہمارے پیغمبر آپ ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہوں اور ان سے درگذر کیجئے اور کہہ دیجئے سلام ہے اور عنقریب ہی یہ لوگ معلوم کر لیں گے کہ دنیا میں کس طرح ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں کیسے عذاب ومصائب میں مبتلا ہونا ہوگا۔ حق تعالیٰ نے ان کلمات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور ان مجرموں کے ایمان نہ لانے پر جو صدمہ اور رنج تھا اس کو کم کرنے کی تلقین کے ساتھ لطیف انداز سے یہ بشارت دے دی گئی کہ آپ کے دشمنوں اور مخالفوں کو اپنی اس عداوت ومخالفت کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ اور اپنی آنکھوں سے اپنی ذلت وناکامی اور اللہ کے پیغمبر کی فتح ونصرت کا مشاہدہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ رب العزت نے قریش مکہ پر غلبہ عطا فرمایا یہود اور اہل کتاب بھی ذلیل وناکام ہوئے۔ یہاں تک کہ مکہ اور خیبر فتح ہوا۔ یہود ذلیل ہوئے غلام بنے اور جلاوطن ہوئے۔ اور اس طرح اللہ کا یہ لکھا ہوا فیصلہ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ دنیا کی نظروں کے سامنے آکر رہا۔

والحمد للہ علی ذلک صدق اللہ وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب وحدہ۔ قد تم بحمد اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ الزخرف یوم الاثنین ۷ من شھر رجب ۱۴۰۱ھ اللھم وفقنی لاتمام ھذا التفسیر المبارک بفضلک ورحمتک انک تھدی من تشآء الی صراط مستقیم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الدُّخَان

سورۃ الدخان بھی مکی سورتوں میں سے ہے۔ اس سورت کی انسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورت ان اہم اور عظیم سورتوں میں شمار کی گئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نمازمیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کو ان بیس سورتوں میں شامل کیا ہے جو نظائر کہلاتی ہیں اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مضمون کی مشابہت کی وجہ سے ملا کر دو دو سورتیں ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے۔

ابن مردویہؒ نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص جمعہ کی شب میں یا جمعہ کے دن سورت الدخان کی تلاوت کرے اللہ تعالےٰ اس کے واسطے جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔ بیہقیؒ نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کی شب میں حٰم الدخان اور سورت یٰسین کی تلاوت کرے تو صبح کو وہ اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کر دی گئی ہوگی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ صبح کو اٹھے گا اس حال میں کہ ستر ہزار فرشتے اس کے واسطے دعائے مغفرت کرتے ہوں گے۔

(ربط) گزشتہ سورت کے اکثر مضامین قرآن حکیم کی حقانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اثبات پر مشتمل تھے۔ قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے پر دلائل و براہین کے سلسلہ کے بعد منکرین و مجرمین کی سزاؤں اور ان کے عبرتناک احوال کا ذکر تھا اور اسی پر سورت کا مضمون ختم فرمایا۔ اب اس سورت کا آغاز بھی قرآنی عظمتوں کے مضمون سے ہو رہا ہے اور یہ کہ اس کا نزول جس مبارک رات میں ہوا وہ کیسی عظیم برکتوں والی رات تھی اور اس شب مبارک کی کیا کیا خصوصیات ہیں تو جو کتاب الٰہی خود عظمت والی ہو اور جس زمانہ میں اتاری جائے وہ بھی برکتوں والا زمانہ ہو تو بلاشبہ اس پر ایمان اور اس کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری بھی ہر خیر و برکت کا موجب ہوگی۔

آیَاتُهَا ۵۹ (۴۴) سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ (۶۴) رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورۂ دخان مکی ہے اس کی انسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

حٰمٓ ۚ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ ② اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

قسم ہے اس کتاب واضح کی۔ ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں،

اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ ④

ہم ہیں کہہ سنانے والے۔ اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا۔

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۚ ⑤ رَحْمَةً مِّنْ

حکم ہو کر ہمارے پاس سے، ہم ہیں بھیجنے والے۔ مہر ہے تیرے

رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ ⑥ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ

رب کی۔ وہی ہے سنتا جانتا۔ رب آسمانوں کا اور

الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ⑦ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

زمین کا۔ اور جو ان کے بیچ ہے۔ اگر تم کو یقین ہے۔ کسی کی بندگی نہیں

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧

سوائے اُسکے، جلاتا ہے اور مارتا ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ⑨ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاۗءُ

کوئی نہیں! وہ دھوکے میں ہیں کھیلتے۔ سو تو راہ دیکھ جس دن کو لادے آسمان

بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۙ ⑩ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑪

دھواں صریح۔ جو گھیر لے لوگوں کو۔ یہ ہے دکھ کی مار۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ

اے رب کھول دے ہم سے یہ آفت، ہم یقین لاتے ہیں۔ کہاں ملے ان کو

الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ

سمجھنا؟ اور آچکا ان پاس رسول کھول سنانیوالا۔ پھر اس سے پیٹھ پھیری۔

وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا

اور کہنے لگے، سکھایا ہے باؤلا۔ ہم کھولتے ہیں عذاب تھوڑے دنوں،

اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا

تم پھر وہی کرتے ہو۔ جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ، ہم

مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

بدلہ لینے والے ہیں۔

بیان عظمت کتاب اللہ و برکات زمانۂ نزول قرآن مع دعوت ایمان

وبدنصیبی محرومین واشقیاء از سعادت خداوندی

قال اللہ تعالیٰ۔ حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ... الیٰ... اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ سورت کا مضمون توحید و رسالت کا اثبات تھا اور اس سے اختلاف و اعراض کرنے والے مجرمین کی بدنصیبی کا ذکر کرتے ہوئے ان کے افسوسناک عبرتناک انجام کا بیان تھا اور اسی موضوع پر سورت کا مضمون ختم فرما دیا گیا تھا کہ اگر ان واقعات کو سُنکر بھی قریش کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تو ان کو سوچ لینا چاہئے کہ ایسا ہی عبرتناک انجام ان کا بھی ہوگا۔ ساتھ ہی آپ کو تسلی دینا بھی مقصود تھا کہ قریش مکہ کی مخالفت و دشمنی سے آپ زائد پریشان نہ ہوں اور اتمام حجت کے ساتھ فرما دیا گیا تھا۔ وَقُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ تو اسی مناسبت سے اب اس سورت کی ابتداء قرآن کی عظمت و حقانیت سے ہو رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کتاب الٰہی کی حقانیت و عظمت اس طرح سمجھی جا سکتی

ہے کہ وہ ذات جس نے یہ کتاب نازل کی وہ بھی بڑی عظمتوں والی ذات ہے اور جس زمانہ اور ساعت میں اس کو اتارا گیا اس کی برکتوں اور عظمتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ تو جب اس کتاب کو نازل کرنے والی ذات بھی باعظمت ہے اور زمانۂ نزول بھی برکتوں اور عظمتوں کا زمانہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کتاب الٰہی کی عظمت و بلندی کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں ہو سکتی تو ارشاد فرمایا۔

حٰمٓ اللہ رب العزت ہی اس کی مراد خوب جاننے والا ہے۔ قسم ہے اس کتاب کی جو نہایت ہی واضح اور روشن ہے جس کے نور ہدایت سے سارا عالم روشن و منور ہوا۔ جس کے علوم ہدایت و معرفت نے لوگوں کو ضلالت و گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ایمان و معرفت کی روشنی بخشی[1] اس کتاب الٰہی کی عظمتوں کا یہ حال ہے کہ بے شک ہم نے اس کو اتارا ہے لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ایک برکت والی رات میں جو کہ شب قدر ہے پھر بتدریج ۲۳ سال کی مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا اور یہ رات ایسی مبارک ہے کہ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی بڑھ کر ہے۔ بے شک ہم لوگوں کو آگاہ کر دینے والے ہیں اسی رات میں[2] جدا ہوتا ہے اور طے کر دیا جاتا ہے ہر کام جانچا ہوا جو حق تعالیٰ کی طرف سے محکم و طے شدہ اور حکمتوں سے معمور ہوتا ہے حکم ہو کر ہماری جانب سے،

بے شک ہم ہیں بھیجنے والے فرشتوں[3] کو ہر کام پر جو ان کے مناسب ہے اور احکام خداوندی کی اس وحی کے ساتھ جو جبرئیل امین کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجی جاتی رہی رحمت بنا کر اپنے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پروردگار کی طرف سے بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے اس لیے تمام عالم کے حالات سے باخبر ہے۔ اور وہ دنیا والوں کی پکار بھی سننے والا ہے تو اس نے اپنی حکمت سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء و مرسلین کے بعد خاتم الانبیاء بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ پر قرآن کریم نازل کر کے آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا۔ جو رب ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے جس کی ربوبیت و خالقیت کائنات کے ایک ایک ذرہ سے ظاہر ہے جس کے مشاہدہ سے تم سمجھ سکتے ہو اگر تم یقین کرنے والے ہو تو ان روشن اور واضح دلائل سے تم بخوبی جان سکتے ہو کہ نہیں ہے کوئی بندگی کے لائق سوائے اس کے۔ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ وہی ہے پالنے والا تمہارا۔ اور تمہارے آباؤ اجداد کا جو پہلے گزرنے والے ہیں۔ ان واضح نشانیوں اور قطعی دلائل کا

---

[1] ان الفاظ میں یہ اشارہ مقصود ہے کہ لفظ مبین کا لازمی اور متعدی دونوں معنی میں استعمال درست ہے اور یہ بات اہل عرب کے نزدیک معروف ہے۔ ۱۲

[2] ترجمہ میں لفظ "جدا ہوتا ہے" حضرت شیخ الہندؒ کا اختیار کردہ لفظ ہے جس سے طے کرنے کے معنی بھی مفہوم ہوتے ہیں جیسے بعض روایات سے یہ تفصیل معلوم ہوتی ہے اسی وجہ سے لفظ "اور طے کر دیا جاتا ہے" درمیان میں بڑھا دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

[3] مفسرین کی ایک رائے کے مطابق مرسلین کا متعلق فرشتے ہیں اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے۔ دوسری رائے کے مطابق مرسلین کا مفعول رسل یعنی انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن کو اللہ رب العزت نے احکام دیکر بندوں کی طرف بھیجا۔ ۱۲

تقاضا تو یہ تھا کہ لوگ خدا کی خالقیت و ربوبیت کو پہچان کر اس کو مانتے اس کی توحید و الوہیت پر ایمان لاتے لیکن پھر بھی یہ مشرکین و منکرین نہیں مانتے اور نہ ایمان لاتے ہیں بلکہ وہ تو دھوکہ میں پڑے ہیں۔ اسی طرح کھیل تماشے میں لگے ہوتے ہیں کہ ہر نصیحت اور عبرت کی بات ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہیں اور ان کی یہ لہو لعب میں انہماک کی زندگی یہ بتاتی ہے کہ ان کو خدا کے سامنے پیشی کا کوئی تصور ہی نہیں چاہیے تو یہ تھا کہ یہ مشرکین و منکرین گزرے ہوئے واقعات سے عبرت حاصل کرتے اور یہ دیکھ کر اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا کیسا بُرا انجام ہوا۔ آپ پر ایمان لے آتے لیکن اس غفلت ولا پرواہی کی روش نے جب انکی طرف سے مایوسی پیدا کر دی ہے تو پھر انتظار کر اس دن کا کہ لے کر آئے آسمان ایک کھلا ہوا دھواں جو لوگوں کو ڈھانک لے جس کے بعد واضح بھی ہو جائے گا اور ہر ایک کو یہی کہنا پڑے گا کہ یہ ہے دردناک عذاب جس کے واقع ہونے پر بے چینی و بیقراری کے عالم میں ہر ایک کی زبان سے جاری ہوگا کہ اے ہمارے رب کھول دے ہم پر سے یہ عذاب اور اسے دور کردے ہم ایمان لاتے ہیں۔ کہاں ہے ان کے واسطے عبرت و نصیحت حالانکہ اس سے قبل ان کے پاس آچکا ایک ایسا رسول۔ جو کھلی ہوئی شان والا تھا یا وہ رسول جو کھول کھول کر انکو اللہ کے احکام و نشانیاں بتانے والا تھا تو جب ایسے واضح شان والے رسول اور واضح نشانیوں سے عبرت حاصل نہ ہوئی تو اب کیا اس عذاب یا نشانی کو دیکھ کر عبرت و نصیحت ہوگی۔ چنانچہ یہ لوگ تو ایسے رسول کے آجانے کے بعد بھی پھر اس سے روگردانی کرتے رہے اور کہا کہ یہ تو ایک سکھایا پڑھایا ہوا شخص دیوانہ ہے جس کو کوئی شخص آکر پڑھا جاتا ہے جیسے کہ ارشاد ہے اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ اور خود یہ مجنون ہے کہ جنون و دیوانگی میں یہ باتیں کہتا ہے الغرض جب ایسے رسول عظیم اور معجزات ظاہرہ کے بعد یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اس دھوئیں کے عذاب کو دیکھ کر کیا ایمان لائیں گے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کا یہ وعدہ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ کوئی حقیقی اور سچا وعدہ نہیں بلکہ محض ایک مصیبت کو ٹلانے کے لیے حیلہ اور بہانہ ہے۔ مگر خیر پھر بھی ہم حجت پوری کرنے کے لیے کھولے دیتے ہیں اس عذاب کو تھوڑی مدت تک کے لیے لیکن ہم جانتے ہیں کہ یقیناً تم پھر لوٹنے والے ہو اپنی پہلی ہی حالت کی طرف اور وہی حرکتیں کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو حقیقت یہ ہے کہ جس دن ہم بڑی سخت پکڑ کے ساتھ پکڑیں گے تو اس روز ہم پورا پورا انتقام لینے والے ہوں گے اور یہ قانون خداوندی ہے کہ جرم کی اصل سزا اور بدلہ سے پہلے کچھ تنبیہ و تہدید کے مرحلے گزارے جاتے ہیں تاکہ اگر کسی میں کچھ بھی صلاحیت اور سعادت کا اثر ہے تو وہ باز آجائے اور یہ قانون خداوندی اور طریق سزا بھی دراصل حق تعالیٰ کی طرف سے حجت کو پورا کر دینا ہے۔

تفسیر آیتِ دُخان

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ کی تفسیر میں مفسرین نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایات بیان کی ہیں تفسیر درمنثور، روح المعانی اور حافظ

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں جس دخان کا ذکر ہے وہ دخان مبین گذر چکا ہے یا آئندہ پیش آنیوالے واقعہ اور علامات قیامت میں سے کسی علامت کا بیان ہے سلف سے یہی دو قول منقول ہیں۔ بعضوں نے پہلا قول اختیار کیا ہے۔ اور بعضوں نے دوسرا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ یہ دخان مبین قیامت کے قریب پیش آنے والی علامت ہے جو تمام لوگوں پر پھیل جائے گا مگر اہل ایمان کے حق میں تو یہ محض خفیف زکام کی طرح ہوگا اور کافروں، منافقوں کی ناک میں اور کانوں کے ذریعہ دماغ کے اندر گھس کر انکو بیہوش کر ڈالے گا جیسے کہ ابن ابی حاتمؒ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا کہ قیامت کے قریب یہ دھواں لوگوں پر چھا جائے گا۔ مؤمن کو تو محض زکام کی سی کیفیت ہوگی اور کافر کے دماغ میں گھس کر اس کو بے ہوش کر دے گا۔ ؏۱

حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہمیں جھانکا اور یہ فرمایا جب کہ ہم آپس میں قیامت کا ذکر کر رہے تھے کہ:

لا تقوم الساعة حتى تروا عشر آيات طلوع الشمس من مغربها والدخان والدابة وخروج ياجوج وماجوج وخروج عيسى بن مريم والدجال وثلثة خسوف خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزيرة العرب ونار تخرج من قعر عدن تسوق الناس تبيت معهم حيث باتوا وتقيل معهم حيث قالوا۔ (صحيح مسلم)	قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم یہ دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ سورج کا طلوع مغرب سے، دھوئیں کا ظاہر ہونا اور دابۃ الارض کا نکلنا اور یاجوج وماجوج کا ظاہر ہونا اور عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول اور دجال کا نکلنا اور تین واقع زمین کے دھنسنے کے زلزلوں کے ساتھ ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک جزیرۂ عرب میں۔ اور ایک آگ جو عدن کے علاقہ کے وسط میں سے نکلے گی جو لوگوں کو ہنکاتی ہوگی اور وہ رات کو بھی ان کے ساتھ رہے گی۔

جہاں وہ رات گذاریں گے اور دوپہر کو بھی ان کے ساتھ رہے گی جہاں وہ دوپہر گذاریں گے۔

اور ایک روایت میں حضرت حذیفہؓ سے یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دس آیات میں دخان (دھوئیں) کا ذکر فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ الدخان کہ یہ دھواں کیا ہے؟ تو آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ دھواں مشرق و مغرب کے مابین پھیل جائے گا اور چالیس روز تک باقی رہے گا۔ ؏۲

؏۱ - تفسیر ابن کثیر ج ۴ - روح المعانی ج ۲۴۔
؏۲ - تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

اس قول کے بالمقابل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول یہ تھا کہ اس آیت میں دھوئیں سے مراد وہ علامات قیامت والا دھواں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قریش نے جب اسلام سے روگردانی کی اور کسی طرح بھی تمرّد و سرکشی سے باز نہ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے انتہائی رنج اور صدمہ کے باعث یہ کلمات جاری ہوئے۔ اللّٰھم علیھم بسنین کسنی یوسفؑ یعنی اے اللہ تو ان قریش مکہ پر ایسی شدت وسختی کے سال مسلط کر دے جیسے یوسفؑ کے زمانہ میں اہلِ مصر پر۔ تو اس کے بعد قریش کے لوگ انتہائی فاقہ اور قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ نوبت مردار کا گوشت اور چمڑوں کے کھانے کی آگئی۔ ہڈیاں اُبال کر پینے لگے۔ کمزوری کا یہ عالم ہوگیا کہ جب بھی آسمان کی طرف سر اٹھاکر دیکھتے تو کمزوری اور نقاہت سے آنکھوں کے سامنے ایک بادل اور دھواں سا نظر آتا۔ اور مزید یہ ہوا کہ اسی سال یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال مشرف باسلام ہوگیا تو جو امداد اور غلہ کی فراہمی وہاں سے ہوتی تھی وہ اس نے بند کر دی تو مزید قحط و فاقہ کی مصیبت بڑھ گئی۔ تو دخان مبین یہ آنکھوں کے سامنے چھاجانے والا اندھیرا اور غبار کی طرح کا منظر ہے جو غایت کمزوری سے محسوس ہوتا ہے۔ روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ خود عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے جب عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کا ذکر کیا گیا تو اس کی تردید فرمائی۔ چنانچہ مسروقؒ (جو عبداللہ بن مسعودؓ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں) فرماتے ہیں ہم ایک روز کوفہ کی مسجد میں پہنچے ابواب کندہ کے نزدیک تو وہاں دیکھا کہ ایک شخص وعظ کر رہا ہے۔ اور یَوْمَ تَأْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ کے متعلق بیان کر رہا ہے کہ لوگو! تم جانتے ہی ہو کہ یہ دخان مبین کیا ہے؟ سنو! یہ دخان مبین (دھواں) قیامت کے روز ظاہر ہوگا جو کفار ومنافقین کی آنکھوں، ناک اور کانوں میں بھر دیا جائے گا (جس سے وہ بے ہوش ہوجائیں گے) لیکن مومن کے لیے صرف ایک زکام کی سی کیفیت ہوگی تو مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے یہ تفسیر نقل کی وہ سُن کر چونک گئے اور اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے پیغمبر کو یہ خطاب فرمایا ہے قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ۔ یعنی آپ یہ اعلان فرما دیجئے کہ میں امرِ حق اور تبلیغ رسالت پر کسی قسم کے معاوضہ کا سوال نہیں کرتا اور نہ ہی میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ مراد یہ تھی کہ اگر کوئی بات وحی الٰہی نہیں تو پھر میں خود اپنی طرف سے بناکر پیش کرنے والا نہیں ہوں تو اسی کے مطابق کسی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ صحیح اور تحقیقی علم کے بغیر کوئی بات کہے۔ ابن مسعودؓ یہ کہتے ہوئے فرمانے لگے کہ یہ بھی علم کا ایک شعبہ ہے کہ انسان جس بات کو نہ جانتا ہو اس کے بارہ میں یہ کہہ دے "اللہ اعلم"۔

اچھا اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ آیت مبارکہ کی کیا مراد ہے اور یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ قریش کے لوگ جب اسلام سے مسلسل نفرت وبیزاری ہی اختیار کرتے رہے اور رسول اللہ کے مقابلے میں نافرمانی ہی کرتے رہے تو آپ نے ان کے حق میں بد دعا فرمائی اے اللہ ان پر یوسفؑ کے زمانہ کی طرح قحط وشدت کے سال مقدر فرما تو ان پر فاقہ اور قحط مسلط ہوا اور نوبت ہڈیوں اور مردار کھانے کی آگئی اور یہ لوگ فاقہ میں اس قدر کمزور ہوگئے کہ جب نظر اوپر اٹھاکر آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں ہی دھواں نظر آتا تو یہی وہ چیز ہے

جس کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا گیا۔ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ قریش کے لوگ جب اس مصیبت سے بدحواس ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ تو مکارم اخلاق اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ آپ بارش کے لیے دعا فرما دیجئے قوم مُضر کے واسطے یہ لوگ ہلاک ہوئے جا رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمادی تو کچھ سیرابی ان کو حاصل ہوگئی۔ یہ سیرابی وہ ہے جس کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۔ کہ یہ مصیبت ہم دور کر دیتے ہیں تھوڑے وقت کے لیے مگر بے شک تم پھر لوٹنے والے ہو اسی نافرمانی اور کفر کی جانب۔ ابن مسعودؓ فرمانے لگے کیا عذاب قیامت دور ہو سکتا ہے یعنی اگر اس دخان مبین کو احوال قیامت اور قیامت کے عذاب پر محمول کیا جائے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ یہاں یہ تصریح ہے کہ ہم یہ عذاب دُور کیے دیتے ہیں - اور قیامت کا کوئی عذاب اور شدت دور نہیں ہو سکتی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ عذاب قیامت کے متعلقات میں سے نہیں ہو سکتا۔ فرمایا الغرض جب پھر ان پر خوشحالی لوٹ آئی تو اس پر اللہ نے یہ فرمایا يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اور یہ گرفت غزوۂ بدر کی گرفت ہے (جو قدرت خداوندی کی طرف سے انتقام تھا) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں۔ الدخان۔ الروم۔ القمر۔ اللزام البطشۃ۔ امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں اس مضمون کو متعدد سندوں کے ساتھ تخریج فرمایا ہے عله

اور ایک روایت سند صحیح کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ آپ کی اسی دعا پر جب قریش کے لوگ فقر و فاقہ اور قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوئے تو ابوسفیانؓ اور کچھ اہل مکہ آپ کے پاس گئے اور کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کا تو یہ خیال ہے کہ آپ رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہوئی جا رہی ہے تو دعا کر دیجئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اس پر بارش برسی اور قحط کے آثار دور ہوئے اور مسلسل سات روز اس طرح بارش کا سلسلہ جاری رہا کہ آسمان نظر نہ آتا تھا۔

علامہ آلوسیؒ اس روایت کو نقل کرکے بیان فرماتے ہیں کہ ظاہر مضمون سے تو یہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں تصریح کی ہے کہ یہ قصہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا (یعنی مکی زندگی میں قبل از ہجرت) اور یہ آیت بھی مکیہ ہے مگر بعض روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ ہجرت کے بعد کا ہے اور ابوسفیانؓ کا مدینہ منورہ جا کر درخواست کرنا مذکور ہے۔ تو بہت ممکن ہے کہ اس قسم کا واقعہ اہل مکہ پر دو مرتبہ پیش آیا ہو عله

عله امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں یہ مضمون تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے اسکو روایت کیا۔ ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ بھی متعدد سندوں سے اس کو بیان کرتے ہیں۔ مسروقؒ کی طرح عبداللہ بن مسعودؓ کے دوسرے تلمیذ خاص اعمشؒ نے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے مجاہدؒ ابوالعالیہؒ ابراہیم نخعیؒ ضحاکؒ عطیۃ العوفیؒ کی تفاسیر بھی اسی کی تائید کر رہی ہیں۔ یہ سب اسی کے قائل ہیں کہ دخان کا واقعہ گزر چکا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

عله روح المعانی ج ۲۵۔

مفسرین کی ایک جماعت نے عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کو ترجیح دیتے ہوئے اس کے قرائن و مؤیدات کو ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں)

علامہ آلوسیؒ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کی تفسیر پر کلام فرمانے کے بعد اخیر میں کہتے ہیں الفاظِ آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دخان کو اسی معنی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے جو ابن مسعودؓ نے اختیار کیے اور مضمون کا ربط اس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن حکیم کا نزول لیلۃ مبارکہ میں ذکر فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ یہ کتاب الٰہی بڑی ہی برکتوں اور رحمتوں والی کتاب ہے۔ چاہیے تھا کہ اہل مکہ اس کتاب سے منتفع ہوتے اور جس ذات سراپا رحمت پر یہ کتاب اتری اس سے بھی منتفع ہوتے لیکن افسوس کہ وہ شک اور کفر میں مبتلا رہے اور اپنی جبلی بدنصیبی سے لہو لعب ہی میں پڑے رہے تو اس کے بعد مناسب یہی تھا کہ ان کی ذلت و محرومی اور بدحالی کا مضمون لایا جاتا چنانچہ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ سے ان کے فقر و مصیبت اور ذلت کا حال بیان فرما دیا گیا[1] اور ساتھ ہی اس مہلت کا بھی تذکرہ کر دیا گیا جو انکو دی گئی۔

تفسیر لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

لیلۃ مبارکہ کی تفسیر میں بعض مفسرین شب براءت یعنی شعبان کی پندرہویں رات بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ ان آیات میں فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ بطور قرینہ اسی کی تائید کر رہا ہے یعنی اس رات میں ہر چیز کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور احادیث میں شعبان کی پندرھویں رات کی یہی خصوصیت ذکر فرمائی گئی ہے کہ اس رات میں ہر پیدا ہونے والا بچہ اور ہر فوت ہونے والا انسان اس کا رزق، عمل غرض جملہ احوال طے کیے جاتے ہیں جیسے حدیث جامع ترمذی میں مذکور ہے۔ لیکن یہاں لیلۂ مبارکہ کی تفسیر لیلۂ براءۃ سے کرنا اس لیے مشکل ہے کہ اس رات میں حق تعالیٰ نے نزولِ قرآن کا بھی ذکر فرمایا اور قرآن کا نزول ہونا جو دوسری آیات کی تصریح سے معلوم ہوا) رمضان مبارک اور لیلۃ القدر میں ہے جیسے کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ اور سورت القدر میں ہے إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہی متعین ہے کہ شب قدر میں قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارا گیا اور پھر تیئیس سال کی مدت میں بتدریج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا گیا۔ تو اس وجہ سے اس موقعہ پر لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ براءت مراد لیا جانا مشکل ہے۔

حضرت استاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ سال بھر کے متعلق قضا و قدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اسی عظیم الشان رات میں طے کیے جاتے ہوں۔

[1] روح المعانی ج ۲۵۔

اور لوح محفوظ سے نقل کر کے (جس میں ہر چیز ازل سے لکھی ہوئی ہے جیسے کہ ارشادِ مبارک ہے وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ) ان فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔ جو شعبہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لیلۃ البرأت یعنی شعبان کی پندرھویں رات ہے ممکن ہے کہ وہاں سے کام کی ابتداء اور شب قدر میں انتہاء ہوتی ہو۔ واللہ اعلم علہ

تو اسی بنیاد پر سمجھا جا سکتا ہے کہ لیلۃ البرأت میں نزول قرآن کا فیصلہ اور اس کو ان ملائکہ کے حوالہ کرنا ہو جو تکوینی طور پر اس کو نازل کرنے پر مامور کیے گئے اور لیلۃ القدر میں اس امر تکوینی کا لفاذ اور تحقیق یعنی لوح محفوظ (جہاں یہ کلام الٰہی ہمیشہ سے تھا اور بلکہ اس وقت سے تھا جب کہ زمین و آسمان کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی) علہ سے آسمان دنیا پر اتارا گیا تو اس طرح ایک نزول بمعنی تکوین۔ لیلۃ برأت میں ہوا اور ایک نزول لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر شب قدر میں ہوا اور کوئی تعجب نہیں کہ اس سورت مبارکہ کی ان آیات میں دونوں قسم کے نزول کی طرف اشارہ ہو کہ شب برأت میں فیصلہ نزول از لوح محفوظ اور شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اُتر جانا مراد ہو۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَ

اور جانچ چکے ہیں ہم ان سے پہلے ، فرعون کی قوم کو، اور

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ

آیا ان پاس رسول عزت والا ۔ کہ حوالے کرو میرے، بندے خدا کے ۔ میں

لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ

تم پاس آیا ہوں بھیجا معتبر ۔ اور یہ کہ چڑھے نہ جاؤ اللہ کے مقابل۔ میں

اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ

لاتا ہوں تم پاس ایک سند کھلی ۔ اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی،

علہ فوائد قرآن کریم از حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی رح۔

علہ ان الفاظ میں جامع ترمذی کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں حق تعالیٰ شانہٗ کا آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے ہزار سال قبل فرشتوں کے سامنے قرآن کریم کی سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰس تلاوت فرمانے کا ذکر ہے۔

اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾

اس سے کہ مجھ کو سنگسار کرو ۔ اور اگر تم یقین نہیں کرتے مجھ پر تو مجھ سے پرے ہو جاؤ ۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ

پھر پکارا اپنے رب کو کہ یہ لوگ گنا ہگار ہیں ۔ پھر لے نکل رات سے میرے

لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ

بندوں کو، البتہ تمہارا پیچھا کریں گے ۔ اور چھوڑ جا دریا کو تھم رہا ۔ البتہ وہ

جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾

لشکر ڈوبنے والے ہیں ۔ کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمے ۔

وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿۲۷﴾

اور کھیتیاں اور گھر خاصے ؟ اور آرام جس میں تھے باتیں بناتے ؟

كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ

اسی طرح ۔ اور وہ سب ہاتھ لگایا ہم نے ایک اور قوم کو ۔ پھر نہ رویا ان پر

السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾

آسمان اور زمین اور نہ ملی ان کو ڈھیل ۔

عبرتناک انجام قوم مجرمین و ہلاکت و بربادی فرعون لعین

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ .... الی .... وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں قرآن کریم کی عظمت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں پر وعید تھی اور ان کی نافرمانی و استکبار کرنے پر ہلاکت و تباہی سے ڈرایا گیا تھا تو اب ان آیات میں اس کی مناسبت سے قوم فرعون کی سرکشی و نافرمانی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے عبرت ناک انجام کو بیان کیا جا رہا ہے۔

جو دنیا کے مغرور و سرکشوں کی عبرت کے لیے کافی ہے اور اس تاریخی حقیقت کو دیکھ کر ایسے لوگ یہ سمجھ لیں کہ خداوند ذوالجلال کی گرفت کیسی شدید ہوتی ہے اور اس کا انتقام کیسا شدید اور ہولناک ہوتا ہے ارشاد فرمایا اور بے شک آزمایا ہے ہم نے ان قریش مکہ سے پہلے قوم فرعون کو اور آچکا تھا ان کے پاس ایک رسول بڑی عزت والا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کی رسالت و نبوت ہی دراصل فرعون اور اس کی قوم کے واسطے ایک امتحان تھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے یا نہیں اللہ کا یہ رسول یہ پیغام لے کر فرعون کے پاس پہنچا کہ حوالہ کر دو میرے اللہ کے بندوں کو میں ان کو جہاں چاہوں لے جاؤں اور جو احکام خداوندی اس کے بندوں کے متعلق ہیں میں ان کو وہ احکام سکھادوں تاکہ وہ دین و دنیا کی سعادت حاصل کر سکیں۔ یقیناً میں تمہارے واسطے اللہ کا بھیجا ہوا قابل اعتماد رسول ہوں اور یہ بھی تمہیں ایک پیغام ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں ہرگز سرکشی مت کرو یقیناً میں لا رہا ہوں تمہارے پاس ایک واضح نشانی اور سند دلیل اس بات پر کہ میں خدا کا برگزیدہ اور رسول امین ہوں یعنی عصا اور ید بیضاء کا معجزہ جو اللہ نے مجھے عطا کیا ہے جس کو دیکھنے کے بعد کسی کو بھی میری رسالت کے ماننے اور خداوند تعالیٰ پر ایمان لانے میں ہرگز کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے۔ اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو۔ لہٰذا نہ میں تمہاری دھمکیوں سے مرعوب ہو سکتا ہوں اور نہ ہی مجھ کو تمہاری طرف سے کسی قسم کی ایذاء کا کوئی ڈر ہے میرا پروردگار جب میرا حامی و مددگار ہے اور اس نے مجھ کو یہ وعدہ کر لیا ہے کہ فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا کہ اے موسیٰ و ہارون یہ فرعونی تم تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے۔ تو پھر مجھے کیا پرواہ ہے اور اگر اپنی بدنصیبی اور حماقت سے میری بات نہیں مانتے اور مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو پھر مجھ سے جدا رہو۔ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو تاکہ میں اپنی قوم کو لے جاؤں اور اس میں تم میری راہ نہ روکو مگر ایک طویل عرصہ تک جب فرعون کی شقاوت و بدبختی اور نافرمانی کا مقابلہ کرتے رہے تو بالآخر اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار یہ لوگ تو بڑے ہی مجرم ہیں اور اپنی سرکشی سے کسی طرح باز نہیں آ رہے ہیں تو بس اب میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے بارگاہ کبریائی میں کیا دیر ہو سکتی ہے۔ خدا کے پیغمبر نے مجبور و بے بس ہو کر مظلومیت کے عالم میں اپنے رب کو پکارا فوراً ہی دعا کی قبولیت کے ساتھ حکم ہوا تو اچھا نکل جاؤ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر یہ ضرور ہے کہ بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا یعنی تم بغیر فرعون کو اطلاع کیے راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر نکل جاؤ۔ ظاہر ہے کہ معلوم ہونے پر وہ تعاقب کرے گا اور جو سمندر راستہ میں پڑے گا تم اس سمندر کو چھوڑ جانا ٹھہرا ہوا جو تمہارے عصا مارنے سے خشک ہو جائے گا۔ اور تم اس پر سے عبور کر جاؤ گے لیکن یہ فکر نہ کرنا وہ اسی طرح خشک رہے گا تو اس پر سے فرعون کا لشکر بھی گزر کر تم کو اور بنی اسرائیل کو پکڑ لے گا۔ نہیں بلکہ یقیناً وہ تو ایک ایسا لشکر ہوگا جس کو ڈبو دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر اس سمندر سے عبور کر گئے تو اسی راستہ کو فرعون اور اس کے لشکر نے اختیار کیا اور وہ سب کے سب اس میں ڈبو دیئے گئے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ. خداوند عالم

کے قہر و عذاب سے تباہ ہونے والے ان لوگوں نے کس قدر چھوڑے باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور عزت کے ٹھکانے اور نعمتیں، عیش و عشرت کا سامان جن میں یہ مست تھے۔ یہ سب کچھ اللہ نے قوم فرعون سے چھین کر بنی اسرائیل کو عطا کر دیا اور مصر کی سرزمین اپنی تمام شادابیوں پھلوں اور پھولوں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دے دی گئی۔ یوں ہی ہوتا ہے خدا کی طرف سے مجرمین کی ہلاکت و بربادی کا انجام چنانچہ ہم نے فرعونیوں کو ہلاک کر ڈالا اور وارث بنا دیا ان سب چیزوں کا ایک دوسری قوم یعنی بنی اسرائیل کو۔ بارگاہِ خداوندی میں یہ اس درجہ مبغوض و قابلِ نفرت قوم تھی۔ ان کی ایسی عبرت ناک تباہی ہوگئی لیکن پھر نہ رویا ان پر آسمان اور نہ زمین اور نہ ہی ان کو کسی قسم کی مہلت دی گئی بلکہ آناً فاناً ہلاک اور برباد کر دیئے گئے۔ یعنی یہ قوم ایسی قابلِ نفرت تھی کہ مخلوقاتِ خداوندی میں سے کوئی بھی مخلوق ان کی بربادی پر رنجیدہ نہ ہوئی اس لیے کہ نہ تو کوئی ان کے اعمال صالحہ تھے کہ آسمان پر چڑھتے ہوں اور اب آسمان اس محرومی پر غم کرے اور نہ روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی تھی جہاں انہوں نے اللہ کی عبادت کی ہو کہ زمین اس سے محرومی پر روئے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بھی بندہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے واسطے آسمان میں دو دروازے نہ ہوں ایک دروازہ جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور دوسرا دروازہ جس سے اس کا عمل چڑھتا ہے تو جب بندۂ مؤمن مرجاتا ہے تو اس پر یہ دونوں دروازے روتے ہیں اور آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِيْنَ۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں سعید بن جبیرؓ سے روایت کیا ہے۔ بیان کیا کہ ایک شخص عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابوالعباس (یہ کنیت تھی عبداللہ بن عباسؓ کی) کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول دیکھا ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ۔ بھلا آسمان و زمین بھی کسی پر رویا کرتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا۔ بے شک اور فرمایا کہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں کہ اس کے واسطے آسمان میں ایک دروازہ نہ ہوتا ہو جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور ایک دروازہ جس سے اس کا عمل چڑھتا ہے اور عمل نہ چڑھنے پر یہ دروازے صدمہ کرتے ہیں اور روتے ہیں اسی طرح زمین کا وہ حصہ جہاں وہ بندہ نماز پڑھتا تھا جب اس پر وہ مؤمن کی نماز اور عبادت نہیں رہتی تو وہ روتا ہے اور فرعون کی قوم وہ تھی جس کے واسطے نہ تو کوئی عمل صالح تھا کہ آسمان روتا اور نہ زمین پر ان کے کوئی آثار صالح تھے کہ وہ روتی اسی لیے ارشاد فرمایا گیا۔ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ۔

ایک روایت میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ مؤمن کی موت پر زمین چالیس روز تک روتی ہے بعہ

بعہ مگر یہ مضمون کسی سند صحیح سے ثابت نہیں حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ نے اسکی تصریح کی۔ مراد یہ ہے کہ چالیس روز تک رونے کی مدت کا ثبوت کسی سند صحیح اور قابلِ اعتبار روایت سے نہیں ہے۔

مجاہدؒ نے جب اس آیت کی تفسیر کی اور کسی نے ازراہ تعجب کہا۔ اچھا کیا زمین بھی روتی ہے فرمایا تمہیں اس پر کیا تعجب ہے وہ کیوں نہ روئے گی جب کہ اس زمین پر سے وہ بندہ گزر گیا جو اس کو رکوع و سجود سے آباد رکھتا تھا اور کیا ہوا آسمان کو؟ کہ وہ اس بندہ کے مرنے پر نہ روئے جس کی تکبیر اور تسبیح و تحمید کی آوازیں اس میں گونجتی تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنو اسرائیل کو لے کر بحر قلزم سے عبور اور قوم فرعون کی غرقابی کی تفصیل سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں گزر چکی ہے۔ حضرات قارئین مراجعت فرمالیں۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾

اور ہم نے نکالا بنی اسرائیل کو ، ذلت کی مار سے ۔

مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ

جو فرعون سے تھی ۔ بے شک وہ تھا چڑھ رہا ، حد سے بڑھنے والا ۔ اور انکو

اخْتَرْنَٰهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَٰلَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَءَاتَيْنَٰهُم مِّنَ

ہم نے پسند کیا جان بوجھ کر ، جہان کے لوگوں سے ۔ اور دیں ان کو نشانیاں ،

الْءَايَٰتِ مَا فِيهِ بَلَٰٓؤٌا۟ مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾

جن میں مدد تھی صریح ۔ یہ لوگ کہتے ہیں ۔

إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿٣٥﴾

اور کچھ نہیں ہمارا یہی مرنا ہے پہلا اور ہم کو پھر اٹھنا نہیں ۔

فَأْتُوا۟ بِـَٔابَآئِنَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ

بھلا لے آؤ ہمارے باپ دادے اگر تم سچے ہو ۔ اب یہ بہتر ہیں یا

قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَٰهُمْ ۖ إِنَّهُمْ

تبع کی قوم ؟ اور جو ان سے پہلے تھے ۔ ہم نے اُن کو کھپا دیا وہ

كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

تھے گنہگار ۔ اور ہم نے جو بنایا آسمان اور زمین ، اور جو

بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ

ان کے بیچ ہے کھیل نہیں بنایا ۔ ان کو بنایا ہم نے ٹھیک کام پر ، پر

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

بہت لوگ نہیں سمجھتے ۔

نجات و کامیابی بنی اسرائیل مع بیان بعث بعد موت

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات کا مضمون قوم مجرمین کے عبرت ناک انجام اور فرعون لعین کی ہلاکت اور تباہی کا تھا تو اب ان آیات میں اس کے بالمقابل یہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ساتھیوں کو کس طرح نجات و کامیابی عطا فرمائی اور اسی کے ساتھ ان دلائل کو بھی ذکر کیا جا رہا ہے جو بعث بعد از موت کو ثابت کرنے والے ہیں ۔ اور ان شبہات اور لغو اعتراضات کو بھی رد کیا گیا جو منکرین کیا کرتے تھے ۔ ارشاد فرمایا ! اور بے شک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو ایک ذلت کے عذاب سے جو فرعون کی طرف سے ان پر مسلط تھا ۔ یقیناً وہ بہت ہی سر چڑھا حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا کہ وہ اپنی غرور و سرکشی میں دنیا کے مغروروں اور متکبروں سے بڑھ کر تھا اور اس کی سرکشی ہر ظلم و تعدی کے حدود سے آگے متجاوز تھی ۔ اور ہم نے ان کو برتری دی تھی جانتے ہوئے جہان کے لوگوں پر یعنی ہم جانتے تھے کہ قوم بنی اسرائیل میں کتنی کمزوریاں اور کس کس طرح کے نقائص و عیوب ہیں لیکن محض اپنے انعام و اکرام کے باعث لوگوں پر فضیلت و برتری بخشی تھی اور دیں ہم نے ان کو ایسی نشانیاں جن میں واضح طور پر ان کی مدد تھی اور محض انعام خداوندی تھا اور ان کو من و سلویٰ جیسا پاکیزہ رزق عطا کیا پھر فرعون کی غلامی اور اس کی ذلت سے نکالا اور اس کی سلطنت و دولت کا وارث بنایا تو یہ انعامات نہایت ہی واضح تھے اور محض انعامات خداوندی تھے کہ بنی اسرائیل میں کوئی خوبی نہ تھی کہ وہ انعامات سے نوازے جاتے بلکہ اس کے بالمقابل ان میں تو بہت سے عیب تھے تو ہم نے ان کے عیوب و نقائص کو جانتے ہوئے اور دیکھتے ہوئے بھی یہ نعمتیں دی تھیں یہ واقعات ہر قوم کے واسطے بلاشبہ سامانِ عبرت ہیں اور ایسے مضبوط دلائل ہیں کہ قدرتِ خداوندی

پر ایمان لائیں اور قیامت پر یقین کریں مگر عجیب بات ہے۔ قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے بلکہ انکار کرتے ہوئے یہ لوگ کہتے ہیں بس اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہی ہے ہمارا مرنا پچھلی مرتبہ اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ بس یہی دنیوی موت آخری موت ہے اس کے بعد نہ کوئی قیامت ہے اور نہ کوئی صور پھونکنا ہے نہ اٹھنا ہے اور نہ پھر مدہوش ہونا ہے۔ یہ منکرین اپنے اس عناد و انکار پر پوری قوت کے ساتھ جمے ہوئے اسی طرح کا مطالبہ کرنے لگے جیساکہ پچھلے منکرین اپنے انبیاء سے کیا کرتے تھے تو اچھا اگر دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ زندہ کر کے اگر ہو تم سچے۔ تب ہم یقین کریں گے کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ حق تعالے ایسے بدنصیبوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے بتاؤ کیا یہ بہتر ہیں قوت و شوکت میں یا قوم تبع جو یمن کی نہایت ہی طاقتور قوم اور مادی ساز و سامان سے پوری طرح آراستہ تھی اور وہ قومیں جو ان سے پہلے گزریں مثلاً عاد و ثمود ہم نے ہلاک کر ڈالا ان سب کو ان کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے بے شک وہ بڑے ہی گنہگار تھے آخر ہر انسان کو یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم نے اتنا بڑا یہ کارخانہ عالم کس لیے بنایا یہ حقیقت ہے کہ اور ہم نے جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان پیدا کیا۔ ہم نے اس طرح نہیں بنایا ہے کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہیں اور یہ سب کچھ محض کھیل تماشا ہے بلکہ یہ کائنات ایک حکمت کے ساتھ پیدا کی گئی ہے اور نہیں بنایا ہم نے آسمان اور زمین کو مگر ایک قوی اور مضبوط حکمت کے ساتھ چاہیئے تو یہ تھا یہ لوگ اس حقیقت و حکمت کو سمجھتے مگر ان قوموں کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور حقائق و دلائل سے چشم پوشی کرتے ہوئے اس عناد و انکار پر ڈٹے رہتے ہیں اور یہی حال اب کفار مکہ کا ہے کہ ہر دلیل کے باوجود قیامت اور بعث بعد الموت پر ایمان لانے کے واسطے تیار نہیں حالانکہ یہ بات قطعی اور لازم التسلیم ہے کہ جو قادر کسی چیز کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ بلاشبہ اس کے اعادہ پر قادر ہے تخلیق کائنات کے سلسلہ میں خدا کی خالقیت کا اقرار کرنے کے بعد یہ ناقابل فہم منطق ہے کہ قریش مکہ قیامت پر ایمان نہ لائیں۔

قوم تبّع

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں ذکر فرماتے ہیں کہ قوم تبع یمن کی ایک قوم تھی جو قوم سبا کہلاتی تھی اس قوم کو اللہ تعالے نے بے شمار انعامات سے نوازا تھا مگر یہ اپنی سرکشی پر قائم رہی جس کے نتیجہ میں خداوند عالم نے اس کو تباہ و برباد کر ڈالا ان کے شہر اجڑ گئے باغات اور کھیتیاں بنجر ہوگئیں جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۂ سبا میں تفصیل سے کیا تو اس قوم کا تاریخی حوالہ قریش مکہ کی عبرت و تنبیہ کے لیے فرمایا گیا اور یہ قوم تبع عرب قحطان تھے جب کہ قریش عرب عدنان تھے تبع یمن کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جیساکہ کسریٰ شاہ فارس کو اور قیصر شاہ روم کو اور فرعون بادشاہ مصر کو اور نجاشی شاہ حبشہ کو کہتے تھے۔

یمن میں اس لقب سے بہت سے بادشاہ گزرے جس تبع کا یہاں ذکر ہے اس کا نام بعض روایات میں اسعد بیان کیا جاتا ہے اور بعض احادیث سے اس کا ایمان لانا بھی ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔

قوم تبع اگرچہ بالعموم اپنے تاریخی ادوار میں کافر گزری اور ان کا بادشاہ فرعون اور قیصر و کسریٰ کی طرح کافر ہوتا تھا لیکن اہل یمن کے بعض فرمانروا اور تبع کا یمن سے نکل کر بلاد سمرقند میں جانے کا بعض تواریخ میں ذکر ملتا ہے اور یہ کہ یہ تبع شاہ یمن جب یمن سے نکلا اور سمرقند وغیرہ پہنچا تو اس زمانہ میں اس کا ملک نہایت وسیع اور مضبوط ہو چکا تھا اور رعایا بھی بڑی تعداد میں تھی اس نے حیرہ شہر آباد کیا تھا۔ ایام جاہلیت میں جب اس کا گزر مدینہ منورہ سے ہوا تو اس نے اہل مدینہ سے قتال کا ارادہ کیا اہل مدینہ نے مقابلہ کیا اور اس کے باوجود کہ دن کے وقت اس کے ساتھ قتال کرتے اور جب رات ہوتی تو مہمان نوازی کرتے اس طرز عمل پر یہ بادشاہ شرمایا اور قتال کے ارادہ سے باز آیا۔ اور مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں میں سے ان دو علماء کو اپنا مصاحب بنا لیا۔ جنہوں نے اس کو نصیحت کی تھی کہ اے تبع تیرا یہ طرز صحیح نہیں اور تو ہرگز اس شہر کے باشندوں پر غالب نہیں آسکتا کیونکہ یہ شہر اس نبی آخر الزمانؐ کی ہجرت گاہ ہے جو اخیر زمانہ میں مبعوث ہوں گے تو شاہ تبع اس ارادہ سے باز آگیا تھا اور ان دونوں کو اپنا مصاحب بنا کر اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ پھر یہ بادشاہ جب مکہ کی طرف پہنچا تو وہاں بھی حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو ان دونوں نے اس کو اس سے بھی منع کیا اور کہا کہ یہ اللہ کا گھر ہے جسے ابراہیم خلیلؑ نے بنایا تھا اور اس کعبہ کی بہت ہی بڑی شان ہو گی ان ہی نبی آخر الزمانؐ کی وجہ سے تو بادشاہ یہ سنکر بیت اللہ کی عزت و تکریم و تعظیم کرنے لگا۔ طواف کیا اور قیمتی غلاف چڑھایا اور جب یمن کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو اہل مکہ کو یہودی مذہب قبول کرنے کی دعوت دی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین ہی آسمانی ہدایت کا دین تھا اور حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کی بعثت نہیں ہوئی تھی۔ تو اس وقت اہل یمن بالعموم اس بادشاہ تبع کے ساتھ یہودی ہو گئے تھے محمد بن اسحاقؒ نے اس قصہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں بعض مزید چیزیں ذکر کیں۔ تبع کے بارہ میں بعض روایات ابن عباسؓ اور کعب احبارؓ سے مروی ہیں کہ اس نے دین حق قبول کر لیا تھا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ سے منقول ہے تبع نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جس سے قبل بیت اللہ پر غلاف کا دستور نہیں تھا۔ بعض تاریخی نقول سے ثابت ہے کہ اس نے اپنی قوم پر تین سو چھبیس برس حکومت کی اور قوم حمیر میں اس سے زیادہ کوئی طویل العمر نہیں ہوا اور یہ بھی منقول ہے کہ یہ بادشاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تقریباً سات سو سال قبل مرا ہے اور یہ بھی ذکر کیا گیا کہ جب ان دو علماء یہود نے مدینہ منورہ کے بارہ میں یہ بتایا کہ یہ شہر رسول آخر الزمانؐ کی ہجرت گاہ ہے اور وہ اس شہر میں آ کر بسیں گے جن کا نام احمد و محمدؐ ہو گا۔ تو اس نے آپ کی شان میں چند اشعار کہے۔

شَهِدتُ علیٰ احمد انّہٗ — رَسُولُ اللهِ بارئ النَّسمِ

فلو مدّ عمری الیٰ عمرہٖ — لکنت وزیرًا وابن عم

وَجَاهَدتُّ بالسيف اعدائهٗ وفرجت عن صدره کل غم

یعنی میں گواہی دیتا ہوں احمدؐ کے بارہ میں کہ وہ اس پروردگار کے رسول ہیں جو کائنات کا خالق ہے اور اگر میری عمر ان کے وقت تک دراز کر دی جائے تو میں ان کا وزیر اور چچازاد بھائی ہوتا اور میں تلوار اٹھا کر ان کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتا اور ان کے دل سے ہر غم و پریشانی کو دور کرتا۔

بعض تاریخی نقول سے یہ بھی ثابت ہے کہ مدینہ کے بعض علماء یہود نے اس علم و معرفت کی بناء پر کہ یہ سرزمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے مدینہ میں قیام کی اجازت طلب کی تو شاہ تبع نے سب کو اجازت دی ان کو بہت سا مال و دولت بھی دیا اور ایک خاص مکان تیار کرایا کہ نبی آخر الزمانؐ جب ہجرت کر کے آئیں تو وہ اس مکان میں قیام پذیر ہوں اور ایک خط بھی لکھا جس میں آپؐ سے ملاقات کی تمنا کا اظہار تھا اور مذکورہ اشعار بھی اس میں تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اسی عالم کی اولاد میں تھے اور یہ مکان وہی ہے جو تبع نے اسی غرض سے بنوایا تھا چنانچہ خدا کے حکم سے وہ اونٹنی اسی مقام پر آکر ٹھہری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاریؓ کے یہاں مقیم رہے[1]

شیخ زین الدین مراغیؒ بیان کیا کرتے تھے کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر نہیں اترے تھے بلکہ اپنے مکان پر اترے تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ گویا ابوایوب انصاریؓ کا قیام تو اس مکان میں آپؐ کے انتظار میں تھا۔[2]

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى

تحقیق فیصلے کا دن ، وعدہ ہے ان سب کا ۔ جس دن کام نہ آوے کوئی

عَن مَّوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ

رفیق کسی رفیق کے کچھ ، اور نہ ان کو مدد پہنچے ۔ مگر جس پر مہر کرے

اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾ إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾

اللہ ۔ بے شک وہی ہے زبردست رحم والا ۔ مقرر درخت سیہنڈ کا ۔

طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ

کھانا ہے گناہگار کا ۔ جیسے پگھلا تانبا ۔ کھولتا ہے پیٹوں میں جیسے کھولتا

[1] تفسیر ابن کثیر، تاریخ ابن عساکر۔ فتح الباری جلد ۷

[2] روض الانف بحوالہ سیرت المصطفیٰ جلد اول حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ۱۲

الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا

پانی - پکڑو اس کو، اور دھکیل لے جاؤ بیچوں بیچ دوزخ کے - پھر ڈالو

فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ

اس کے سر پر جلتے پانی کا عذاب - یہ چکھ - تو ہی ہے بڑا

الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ

عزت والا سردار - یہ وہی ہے جس میں تم دھوکا رکھتے تھے - بے شک

الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾

ڈر والے، گھر میں ہیں چین کے - باغوں میں اور چشموں میں -

يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ

پہنتے ہیں پوشاک ریشمی، پتلی اور گاڑھی ایک دوسرے کے سامنے - اسی طرح -

وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ

اور بیاہ دیں ہم نے انکو گوریاں بڑی آنکھوں والیاں - منگواتے ہیں وہاں ہر میوہ خاطر جمع

آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ

سے - نہ چکھیں گے وہاں مرنا، مگر جو پہلے مر چکے،

وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِنْ رَبِّكَ ذَٰلِكَ هُوَ

اور بچایا ان کو دوزخ کی مار سے - فضل سے تیرے رب کے - یہی ہے

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ

بڑی مراد ملنی - سو یہ قرآن آسان کیا ہم نے تیری بولی میں، شاید وہ

يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

یاد رکھیں - اب تو راہ دیکھ، وہ بھی راہ تکتے ہیں -

تہدید تنبیہ از روز قیامت و بیان نجات و کامیابی مومنین متقین

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ .... الیٰ .... فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ

ربط، گزشتہ آیات میں مجرمین کی سزاؤں اور ان کے عبرتناک انجام کا بیان تھا جس کے بعد ان کے بالمقابل مطیعین کے انعام و اکرام کا ذکر فرمایا گیا تو اب اختتام مضمون پر مزید یوم آخرت کی عظمت و مصیبت کا بیان فرماتے ہوئے اہلِ ایمان و تقویٰ پر حق تعالیٰ کے جو انعامات ہوں گے ان کا ذکر کیا گیا۔ اور کافر و نافرمان کیسی شدت و تکلیف اور مصیبتوں میں مبتلا ہوں گے اس کو بھی واضح کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا گیا کہ اصل کامیابی اور کامرانی حق تعالیٰ پر ایمان لانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین کرنے میں ہے اور یہ سب باتیں قرآن کریم اور وحی الٰہی پر ایمان لانے ہی پر موقوف ہیں تو اخیر میں قرآن کریم کی حقانیت بیان کرتے ہوئے زبان عربی میں نہایت آسان اور سہل تعبیرات کے ساتھ نازل کیے جانے کی حکمت بیان کردی گئی اور اس پر ایمان نہ لانے والوں کو یہ دھمکی بھی دے دی گئی کہ اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو پھر عذابِ خداوندی کا ان کے واسطے انتظار کریں تو ارشاد فرمایا۔

بے شک فیصلہ کا دن یعنی روزِ قیامت ان سب کا ایک مقرر کردہ وقت ہے کہ سب کا حساب و کتاب بیک وقت ہی ہو جائے گا یہ دن وہ ہوگا کہ جس میں کوئی دوست کسی دوست کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ہی وہ مدد کیے جائیں گے مگر وہ شخص جس پر اللہ رحم کرے۔ بس وہی اس دن کے عذاب اور پریشانی سے بچ سکے گا۔ ورنہ کسی کو کسی ذریعہ نہ کوئی مدد مل سکے گی اور نہ کوئی کسی کے کچھ کام آئیگا۔ یقیناً وہی بڑی قوت والا مہربان ہے اس کی مہربانی اس قدر غالب ہے کہ ہر چیز پر محیط ہے اور وہ اپنی شانِ رحیمی کے ساتھ اتنا زبردست اور طاقت والا ہے کہ اس کی رحمت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ بے شک درختِ زقوم کھانا ہے گنہگار کا وہ اپنی شدت تلخی کے علاوہ ایسا ہے۔ جیسے پگھلا ہوا تانبا ایسا سخت گرم ہوگا کہ کھولتا ہوگا پیٹوں میں جیسے کھولتا ہوا گرم پانی ان تکالیف و آلام کے ساتھ حکم ہوگا فرشتوں کو جو عذاب جہنم پر مامور ہوں گے کہ پکڑو اس کو اور دھکیل کر لے جاؤ اس دہکتی ہوئی آگ (جہنم) کے بیچ میں پھر ڈالو اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب جو دماغ سے اتر کر آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل پڑے گا (اعاذنا اللہ) اس دردناک عذاب اور ایسے شدید عذاب میں مبتلا ہونے والے مجرم کو تہدید و تحقیر کے ساتھ کہا جائے گا لے چکھ لے اب اس عذاب و ذلت کا مزہ تو ہی ہے وہ بڑی عزت و کرامت والا کہ اپنے اس غرور و نخوت کی وجہ سے اللہ کے سامنے سر جھکانے اور اللہ کے پیغمبر کی فرمانبرداری سے انکار کرتا رہا۔ اب دیکھ لے وہ تیری عزت و سرداری کہاں گئی یہی تو ہے بے شک اے مجرمو! وہ آخرت اور عذابِ آخرت جس کے بارہ میں تم دھوکے ہی میں پڑے ہوئے تھے اور بے محابا

خدا کے پیغمبر کا انکار کرتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے تو پھر نہ زندہ اٹھنا ہے اور نہ حشر ہے اور نہ ثواب وعقاب یہ سزائیں اور ذلت ورسوائی تو مجرمین کے واسطے ہوگی۔ مگر اس کے برعکس یقیناً تقویٰ والے امن وچین کی جگہ میں ہوں گے باغات اور چشموں میں ہر قسم کی نعمتوں وراحتوں میں ہوں گے۔ پہنتے ہوں گے پوشاک نرم ونطیف اور گاڑھے ریشم کی کہ بعض پوشاک نرم وباریک ہوگی اور بعض دبیز ان نعمتوں اور عزتوں کے ساتھ حالت یہ ہوگی کہ ایک دوسرے کے سامنے رُخ کرنے والے ہوں گے یہ نہیں کہ ایک دوسرے سے اعراض کرے یا نفرت وبغض کی وجہ سے ایک دوسرے سے منہ موڑے جو کہ انسانی زندگی میں ایک آزار ہے تو ہر نوع کی الجھن اور کلفت سے پاک مخلصانہ اور دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف مائل ہوں گے رُخ اور توجہ کرنے والے ہوں گے اے مخاطب! سن لو ایسا ہی ہے حال ہمارے انعامات اور نوازشوں کا جو ہم اہلِ ایمان اور تقویٰ پر کرتے ہیں اور ہم ان متقین، مؤمنین کے ساتھ ان کے جوڑے ملادیں گے۔ ایسی حوروں کے جو بڑی آنکھوں والیاں ہوں گی ان پر نعمتوں کی فراخی اور ان کے اکرام وعزت کا یہ مقام ہوگا، طلب کرتے ہوں گے ان جنتوں میں ہر قسم کا میوہ اور پھل نہایت ہی اطمینان اور سکون کی حالت کے ساتھ۔ ہر ڈر اور خوف وپریشانی سے مامون ہوں گے۔ نہ چکھیں گے وہاں موت کا مزہ مگر بس وہی موت جو پہلے آچکی اور یہ کس قدر انعام ہے خداوند عالم کا کہ بچالیا ان کو جہنم کے عذاب سے جو محض فضل ہے۔ اے مخاطب تیرے رب کی طرف سے دگرنہ کوئی بھی اپنے عمل اور تقوے سے مستحق نہیں ہے کہ ایسے انعامات سے نوازا جائے اور یہ بھی اللہ کا واقعی فضل وکرم ہے کہ جو انسان اپنی فطری اور طبعی کمزوریوں سے طرح طرح کی خطاؤں اور غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے اس کو عذاب جہنم سے بچادے۔

بلاشبہ یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے جو قرآنی مضامین اور وحی الٰہی کے ذریعے دنیا کے سامنے بیان کردی گئی کیا ان حقائق کو اے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے یہ مخاطبین اولین قریش مکہ نہیں سمجھتے ہم نے تو اس قرآن کو نہایت ہی آسان کردیا ہے آپ کی زبان عربی میں شاید یہ لوگ نصیحت حاصل کرلیں اس کے باوجود بھی اگر یہ باز نہیں آتے۔ دشمنی اور مخالفت پر ڈٹے رہیں تو پھر انتظار کیجئے ان کی شقاوت ونافرمانی کے برے انجام کا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی راہ تک رہے ہیں اس بات کی کہ آپ پر کوئی افتاد پڑے اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے لیکن اللہ کے فضل سے حق کو غلبہ ہوگا اور مجرمین ومنکرین ذلیل وناکام ہوں گے۔

درختِ زقوم

درخت زقوم جس کا ترجمہ اہل لغت سینڈھ کا درخت کرتے ہیں یہ نہایت ہی بدبودار تلخ اور زہریلا ہوتا ہے اس درخت کو اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے دوزخ کے اندر اگایا ہے جو دوزخ کی آگ اور شعلوں سے نشو ونما پاتا ہے جو ظالموں اور کافروں کے لیے عذاب جہنم کی مصیبتوں میں ایک خاص

مصیبت کے درجہ میں رکھا گیا ہے دوزخی جب بھوک سے بیقرار ہوں گے تو ان کو یہ کھانے کے واسطے دیا جائے گا جس کی بدبو اور تلخی کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ اسے حلق کے نیچے اتارا جا سکے۔

اس کا ذکر سورۂ صافات میں گزر چکا ہے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کی مراجعت فرما لی جائے۔ (یعنی معارف القرآن ہٰذا کی جلد ۷)

دنیا کے درختوں میں یہ درخت نہایت بدبودار اور بدمزہ اور بدشکل ہوتا ہے اور ایسا زہریلا ہوتا ہے کہ اگر بدن سے چھو جائے تو تمام بدن میں زہر سرایت کر جائے اور وہ ہلاک ہو جائے۔

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں درخت زقوم جہنم میں ایک ایسا درخت ہے جس کی شاخیں تمام جہنم میں پھیلی ہوئی ہیں جس طرح کہ شجرۂ طوبیٰ جنت کا وہ درخت ہے جس کی شاخیں تمام جنت میں پھیلی ہوئی ہیں۔

مجاہدؒ کی روایت میں ہے کہ شجرۃ الزقوم ایسا تلخ اور بدمزہ ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر پڑے تو تمام دنیا میں بسنے والوں کی زندگی برباد کر دے۔ عله

شیخ الاسلام حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائدِ قرآن کریم میں فرماتے ہیں کہ دوزخ کے اس درخت زقوم کو جس کو سیہنڈ کا درخت کہا جاتا ہے محض کسی ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے اس نام سے تعبیر کیا گیا ہے ورنہ دوزخ کے سیہنڈ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے جس طرح کہ نعماء جنت اور جنت کے پھل ان ناموں سے تعبیر کیے گئے ہیں جو دنیا کے پھل ہیں محض اشتراک اسمی کی وجہ سے ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا کے پھلوں کو جنت کے پھلوں سے کوئی نسبت نہیں جنت کے پھل کروڑ ہا کروڑ درجہ بڑھ کر ہیں اسی طرح دنیا کے زقوم سے جہنم کا زقوم بلا شبہ کروڑ ہا کروڑ درجہ بدتر ہے۔ عله

درخت زقوم کا آگ میں اُگنا کوئی قابلِ تعجب امر نہیں ممکن ہے اس کا مزاج ناری ہو جیسے بعض کیڑے آگ میں پلتے ہیں اور رہتے ہیں۔

سہارن پور یو۔ پی کے کسی باغ میں ایک درخت تھا جس سے آگ کے شعلے نظر آتے تھے اور کچھ درخت ایسے تھے جن کی نشوونما آگ کے ذریعے ہوتی تھی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں احقر اور دو صاحب علم ہندی الاصل مکی المسکن ایک مجمع میں تھے ان دو حضرات میں سے کسی ایک نے کہا مکہ میں زقوم کا پھل کھایا جاتا ہے جس کو "برشومی" کہتے ہیں اور قرآن سے وہ طعام اہل نار کا معلوم ہوتا ہے تو ایسی لذیذ چیز سے وعید کیا ہوئی۔

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں میں نے کہا قرآن شریف میں شجرۃ الزقوم آیا ہے ثمرۃ الزقوم نہیں آیا

عله تفسیر ابن کثیر جلد رابع۔ ۱۲ عله فوائد عثمانی۔ ۱۲

اور شجرہ ماکول نہیں ہے (تو یہ ممکن ہے کہ پھل کی کیفیت سے درخت کی کیفیت اور حالت جُدا ہو) اور ان دونوں صاحبوں اور اہلِ مجلس نے اس جواب کو بہت پسند کیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس جواب کی اس وقت ضرورت ہے کہ جب بر شومی (درحقیقت) اسی زقوم کا پھل ہو اور اگر کوئی دوسری نوع ہے تو سوال بھی ساقط ہے علہ

شیخ الاسلام حضرت عثمانی رح نے اپنے فوائد میں یہ فرمایا کسی نے یہ کہا زقوم فلاں لغت میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں بعض عرب انہیں سامنے رکھ کر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ زقوم کھائیں علہ (واللہ اعلم بالصواب) کوئی تعجب نہیں کہ حضرت تھانوی رح کی مجلس میں جو زقوم کا پھل کھانے کا ذکر کیا ہو وہ اسی طرح کا ہو۔

(واللہ اعلم بالصواب)

اہلِ جنّت کا ہر خوف اور تکلیف سے مامون ہونا

دنیا دار الفناء اور دار المحن ہے کہ یہاں نہ کسی چیز کو دوام ہے اور نہ کسی کو آلام و مصائب سے کلی طور پر تحفظ ہو سکتا ہے بلکہ کسی نہ کسی طرح سے تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا ہونا لوازم دنیا میں سے ہے اس کے بالمقابل جنت دار الخلد ہے وہاں کی ہر راحت اور نعمت دائمی ہے اور وہاں ہر خوف و حزن سے تحفظ ہے اس لیے فرمایا لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ کہ جنتی جنت میں کسی موت کا مزہ نہ چکھیں گے بس جو موت ان کو دنیوی زندگی میں آگئی وہ آگئی اب مزید کسی موت کا اندیشہ ان کو پریشان نہ کرے گا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم و دیگر کتب حدیث میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل دیوار پر اس کو کھڑا کر دیا جائے گا (جہاں سے اس کو جنتی اور جہنمی دونوں دیکھ سکیں گے) اور پھر اس کو ذبح کر کے اعلان کر دیا جائے گا یا اھل الجنۃ خلود فلا موت و یا اھل النار خلود فلا موت یعنی اے اہل جنت بس اب دوام ہے (تمہارے لیے) اس لیے آئندہ کوئی موت نہیں اور اہل نار تمہیں بھی دوام ہے بس اس کے بعد اب کوئی موت نہیں اس اعلان کے سننے پر اہل جنت کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہے گی اور اہل نار کی حسرت و بیقراری کا عالم عجیب ہو گا۔

ابو اسحاق رح نے بروایت ابو مسلم الاغر رح ابو سعید خدری رض اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنتی جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اعلان کیا جائے گا۔

علہ تفسیر بیان القرآن جلد ۱۰۔ علہ فوائد عثمانی۔ سورۃ صافات۔ ۱۲

یا اھل الجنۃ ان لکم ان تصحوا فلا تسقموا ابدا و ان لکم ان تعیشوا فلا تموتوا ابدا و ان لکم ان تنعموا فلا تبئسوا ابدا و ان لکم ان تشبوا فلا تھرموا ابدا

کہ اے اہل جنت (آگاہ ہو جاؤ) بے شک تمہارے واسطے (اب) یہ ہے کہ تم تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہیں مرو گے اور یہ کہ تم ہمیشہ خوش رہو گے کبھی سختی اور تنگی میں نہیں پڑو گے اور تمہارے واسطے یہ بھی ہے کہ تم ہمیشہ نوجوان اور مضبوط رہو گے کبھی بوڑھے اور کمزور نہ ہو گے۔

الحمد للہ تفسیر سورۂ دخان بتوفیق خداوندی سے مکمل ہوئی۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ

آیاتھا ۳۷ — ۴۵ سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۶۵ — رکوعاتھا ۴

سورۂ جاثیہ مکی ہے اور اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ

اتارا کتاب کا ہے اللہ سے، جو زبردست ہے حکمت والا۔ بے شک

فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾ وَفِیْ

آسمانوں میں اور زمین میں، بہت پتے ہیں ماننے والوں کو۔ اور تمہارے

خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

بنانے میں، اور جتنے بکھیرتا ہے جانور پتے ہیں ایک لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں۔

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

اور بدلنے میں رات دن کے، اور جو اتاری اللہ نے آسمان سے

مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ

روزی پھر جلایا اس سے زمین کو مر گئے پیچھے، اور بدلنے میں

الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۵ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

باؤں کے، پتے ہیں ایک لوگوں کو جو بوجھتے ہیں - یہ باتیں ہیں اللہ کی، ہم سناتے ہیں

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ

تجھ کو ٹھیک - پھر کون سی بات کو اللہ اور اس کی باتیں چھوڑ کر

يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝۷ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ

مانیں گے ؟ خرابی ہے ہر جھوٹے گناہگار کی - کہ سنے باتیں

اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا

اللہ کی، اس پاس پڑھی جاویں، پھر ضد کرے غرور سے، جیسے وہ سنی نہیں۔

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۸ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا

سو خوشی سنا اس کو ایک دکھ کی مار کی۔ اور جب خبر پاوے ہماری باتوں میں کسی چیز کی،

اِتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹ مِنْ

اس کو ٹھہراوے ٹھٹھا - ایسوں کو ذلت کی مار ہے - پرے

وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا

ان کے دوزخ ہے۔ اور کام نہ آوے گا ان کو جو کمایا تھا کچھ اور نہ

مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

وہ جو پکڑے تھے اللہ کے سوا رفیق - اور ان کو بڑی

عَظِيمٌ ﴿١٠﴾ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

مار ہے ۔ یہ سوجھا دیا ۔ اور جو منکر ہیں اپنے رب کی باتوں سے ،

لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿١١﴾

ان کو مار ہے ایک بلا کی دکھ والی ۔

بیانِ عظمت کتابِ خداوندی و ذکرِ دلائلِ قدرت و تنبیہ بر اعراض و انحراف

قال اللہ تعالیٰ ۔ حٰمٓ ٥ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۔۔ الیٰ ۔۔ مِنْ رِجْزٍ أَلِيمٌ ٥

(ربط) گزشتہ سورت کا مضمون ان اوصاف کے بیان پر ختم کیا گیا تھا ۔ جو انسانی فوز و فلاح اور سعادت کے ضامن ہیں اور یہ کہ قرآن کریم عربی زبان میں آسان و سہل بنا کر نازل کیا گیا اب اگر اس کے بعد بھی لوگ ہدایت قبول نہ کریں تو یہ انکی محرومی اور بدنصیبی ہے تو اس مناسبت سے سورۂ جاثیہ کی ابتداء عظمت کتاب خداوندی سے کی جا رہی ہے اور ساتھ دلائل قدرت کا بھی بیان ہے کہ قادر مطلق کی قدرت و عظمت کو دیکھ کر اس کی کتاب کی عظمت کو بھی پہچان سکیں ۔ ساتھ انعامات کا بھی ذکر ہے اور قادر مطلق و منعم حقیقی کی نافرمانی پر تنبیہ و وعید بھی ۔ تو ارشاد فرمایا ۔

حٰمٓ ۔ اتارنا ہے اس کتاب کا اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمتوں والا جس کی عزت و کبریائی اور حکمتیں اس کتاب الٰہی میں رونما ہیں اور تمام کائنات اللہ رب العزت کی الوہیت و وحدانیت کی گواہ ہے ۔ یقیناً آسمانوں میں اور زمین میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں ماننے والوں کے لیے اور کائنات کی دوسری بے شمار نشانیوں کا تو کیا کہنا اے انسان ! خود تمہارے پیدا کرنے میں اور جس قدر بھی پھیلا رکھے ہیں جانور ہر ایک میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو یقین لائیں کہ انسان خود اپنی ساخت اور دوسرے حیوانات پر غور کرے تو پروردگار کی معرفت اور اس کی قدرت کو پہچاننے کی ہزار ہا نشانیاں اور دلائل مل جائیں گے ۔ اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان سے رزق اتارا کر بارش برسائی پھر اس سے زمین کو زندہ ترو تازہ و شاداب کیا اس کے مر جانے کے بعد اور ہواؤں کو لوٹانے پلٹانے میں نشانیاں ہیں ۔ ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں کہ اگر ذرا بھی غور کریں تو ان کو اس بات کا کامل یقین حاصل ہو جائے کہ یہ تمام کام صرف اسی زبردست طاقت اور حکمت والے پروردگار کے قبضۂ قدرت میں ہے جو یکتا ہے اور عقل اس کا فیصلہ کرتی ہے ۔ اور مشاہدہ اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اس ذات عزیز و حکیم کے سوا یہ چیزیں کسی کے بس میں نہیں انہی نشانیوں کو کہا جا رہا ہے کہ یہ ہیں اللہ کی نشانیاں جو ہم آپ کو سنا رہے ہیں

ٹھیک ٹھاک اور ان دلائل وحقائق کا سننا اور مشاہدہ کرنا اس بات کا موجب ہے کہ ہر بات کا یقین کریں اور اس پر ایمان لائیں جب یہ چیز اس قدر واضح ہے تو پھر کون سی بات ہے اللہ اور اس کی نشانیوں کے بعد ایسی کہ یہ اس پر ایمان لائیں گے۔ حقائق اور دلائل کو تسلیم کرنے سے اکثر انسان کا عناد اور اس کی ضد مانع ہوتی ہے تو ایسی صورت میں یہ سمجھ لینا چاہیئے ہلاکت و بربادی ہے ہر جھوٹے افتراء پرداز گنہگار کے لیے کہ سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو اس کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں مگر پھر بھی وہ اپنے کفر و نافرمانی پر اصرار کرتا ہے۔ تکبر کرتے ہوئے اس طرح کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں ہے تو اگر اس نافرمان انسان کے غرور و تکبر کا یہی حال ہے تو پھر لے ہمارے پیغمبر اس کو خوشخبری سنا دیں ایک دردناک عذاب کی اور اگر کسی وقت ہماری نشانیوں میں کوئی نشانی جان لیتا ہے اور مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کو مانے تو بنا لیتا ہے اس کو مذاق تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے واسطے بڑا ہی ذلت کا عذاب ہے۔ اللہ کے احکام اور اس کی آیات کے ساتھ تمسخر اللہ کے دین کی اہانت و تحقیر ہے یہی سزا ہوگی کہ ان پر ذلت و خواری کا عذاب مسلط کر دیا جائے گا اور ان کے پیچھے جہنم ہے کہ دنیا کی زندگی اس میں حائل ہے جوں ہی دار دنیا سے کوچ کریں گے جہنم کا عذاب ان پر مسلط اور ان کو محیط ہو گا اور کام نہ آئے گا ان کے واسطے ذرہ برابر جو انہوں نے اپنی زندگی میں کمایا۔ اور نہ کام آئیں گے جنکو انہوں نے اپنا ولی بنایا تھا خدا کو چھوڑ کر بلکہ ان کے اولیاء اور معبود خود اپنی اپنی مصیبت میں مبتلا ہوں گے اور ان کے واسطے بڑا ہی زبردست عذاب ہے۔ یہ ہے سامان ہدایت جو اللہ کی نشانیوں کے بعد اس کے دلائل قدرت پر مشتمل ہے لیکن جو لوگ اپنے رب کی باتوں۔ دلائل قدرت۔ احکام و نشانیوں کا انکار کریں ان کے واسطے بڑا ہی دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے عقل و فطرت کے خلاف حق سے انکار و انحراف کیا اور اپنے خالق کی نافرمانی کی اور ظاہر ہے کہ بغاوت و نافرمانی کا تو ایسا ہی انجام ہونا چاہیئے۔

دلائل قدرت کی تفصیل اور ان کے انواع کی تحقیق گزر چکی۔

نیز دلائل آفاق و انفس کی بحث منازل العرفان فی علوم القرآن میں قدرے وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے ان آیات کی تفسیر کے لیے اس کی مراجعت فرمائی جائے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ

اللہ وہ ہے جس نے بس میں دیا تمہارے دریا، کہ چلیں اس میں جہاز

بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اس کے حکم سے، اور تلاش کرو اس کے فضل سے، اور شاید تم حق مانو۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ

اور کام لگائے تمہارے، جو کچھ ہیں آسمانوں میں اور زمین میں سب، اسی کی طرف سے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اس میں پتے ہیں ایک لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ

کہہ دے ایمان والوں کو کہ معاف کریں ان کو جو امید نہیں رکھتے

اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ

اللہ کے دنوں کی، کہ وہ سزا دے ان لوگوں کو، بدلہ اسکا جو کماتے تھے۔ جس نے

عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى

بھلا کیا تو اپنے واسطے۔ اور جس نے بُرا کیا، تو اپنے حق میں۔ پھر اپنے

رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

رب کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

دلائل قدرت وتکوینی انعامات خداوندی

قال اللہ تعالیٰ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ ... اِلٰى ... ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات حق تعالےٰ کی قدرت کی نشانیوں پر مشتمل تھیں جن سے پروردگار عالم کی الوہیت و وحدانیت کو ثابت کرتے ہوئے اعراض و انحراف کرنے والوں پر وعید تھی اب مزید چند دلائل کا ذکر کرتے ہوئے بعث بعد الموت اور قیامت کو ثابت فرمایا جارہا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے بس میں کر دیا ہے سمندر کو تا کہ چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے حالانکہ سمندر جیسی ہیبت ناک موجوں پر جہازوں اور کشتیوں کا چلنا مادی اسباب کے لحاظ سے متوقع

نہ تھا اب بحری سفر انسان کر رہا ہے تجارت بھی، سیر و سیاحت بھی اور شکار بھی ہے اس کی تہوں میں سے موتی اور ہیرے قیمتی جواہرات بھی نکالے جا رہے ہیں۔ مچھلیوں کو دوا اور غذا میں استعمال کیا جا رہا ہے تو یہ بے شمار منافع اور فوائد خالق کائنات کی قدرت اور اس منعم حقیقی کے عظیم تر دلائل اور شواہد ہیں اور یہ سب کچھ اس لیے بھی کہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور امید ہے کہ تم اپنے اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرو۔ ان تمام انعامات کو دیکھ کر انسانی فطرت کا یہی تقاضا ہے کہ منعم سے قلب میں محبت ہو اور جذبۂ طاعت و فرمانبرداری اور حق انعام ادا کرنے کے واسطے مستعد ہو جائے اور کام میں لگا دیا تمہارے واسطے ہر اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس طور سے یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔

اسی نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا اور ان جملہ مخلوقات میں تصرف کرنے اور ان سے منتفع ہونے کی تم میں صلاحیت پیدا کی اور ان کو تمہارے سامنے مسخر و تابع کر دیا ورنہ ایک معمولی جانور بھی انسان سے بہت زیادہ طاقت رکھتا ہے اور ممکن نہ ہو سکتا تھا کہ انسان خود اپنی طاقت سے جانور پر سوار ہو کر اس کو جہاں چاہے لیے پھرے۔ بے شک ان سب باتوں میں بڑی ہی نشانیاں ہیں ایسے لوگوں کے واسطے جو غور و فکر کرتے ہوں تو غور و فکر کرنے والے یقیناً یہ بات سمجھ لیں گے کہ جب ہمارے خالق نے یہ تمام کائنات ہمارے لیے اور ہمارے کام میں سب چیزوں کو لگا رکھا ہے تو انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ ہم کو اس کے کام میں لگ جانا چاہیئے اور یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ دنیا میں انسان کی یہ زندگی حیات مستعار ہے حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے اس کے واسطے بھی چاہیئے کہ عمل کا کچھ ذخیرہ مہیا کیا جائے۔

ایسے دلائل اور خالق حقیقی کی قدرت کاملہ کی نشانیاں اور اس کے بے پایاں انعامات کے باوجود بھی جو لوگ اپنے منعم حقیقی اور خالق کائنات کے ساتھ اپنی زندگیوں کا رشتہ وابستہ نہیں کرتے اہل اللہ کے دلوں میں ان سے تکدر اور تنفر پیدا ہونا ایک ایمانی تقاضا ہے غصہ اور جذبۂ انتقام کا ابھرنا بھی طبعی تاثر ہے تو ان جذبات پر قابو پانے کے لیے صبر و تحمل کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔ کہہ دو اے ہمارے پیغمبر ایمان والوں کو کہ درگذر کریں وہ ان لوگوں سے جو امید ہی نہیں رکھتے ہیں۔ اللہ کے دنوں کی کہ سزا دے اللہ ایک قوم کو ان اعمال کی جو وہ کرتے تھے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ نہ اس کی رحمت کی امید ہے اور نہ اس کے عذاب کی فکر ہے۔ اور نہ اس بات کا احساس ہے کہ اللہ اپنے اور اپنے دین کے دشمنوں کو خاص سزا دے گا اور ان کو ناکام و ذلیل کرے گا اور جو اس کے دوست ہیں اور اس کے دین کے قبول کرنے والے ہیں ان کو اپنے انعام و اکرام سے نوازے گا نیز ان کو کامیاب فرمائے گا۔ ہمارے یہاں تو یہ قانون طے ہو چکا کہ جس کسی شخص نے نیکی کا کام کیا بس وہ اسی کے واسطے ہے نافع و باعث عزت اور جس کسی نے برا کام کیا تو اس کا وبال اسی پر ہے۔ پھر یہ بھی جان رکھو کہ تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے وہاں پہنچ کر ہر شخص اپنے اعمال صالحہ کا اجر و ثواب دیکھ لے گا اور اعمال خبیثہ کی سزا اور عذاب بھی دیکھ لے گا غرض ہر شخص کی نیکی اور بدی اس کے سامنے آجائے گی۔

اہل ایمان کو کافروں کی معاندانہ روش پر درگذر کی تلقین

قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا میں اہل ایمان کو صبر و تحمل کی تلقین فرمائی گئی کیونکہ انسان طبعاً دشمنوں کی مذموم اور بیہودہ حرکتوں پر مشتعل ہوجایا کرتا ہے اور اس قسم کا اشتعال اشاعت دین اعلاءِ کلمۃ اللہ کے مقصد میں رکاوٹ کا باعث بن سکتا ہے تو ان کلماتِ مبارکہ میں عفو و درگذر کی ہدایت فرمائی گئی مقصد یہ کہ باہمی نزاع اور مخاصمت کی معمولی سی باتوں میں یہ صورت پیدا نہ کی جائے۔ عہ

اس تفسیر پر آیت کو قبل از مشروعیت جہاد زمانہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت جہاد و قتال کے حکم سے قبل نازل ہوئی تھی۔ جب حق تعالیٰ نے جہاد کا حکم نازل فرمایا تو پھر عفو و درگذر کا مسئلہ نہ رہا بلکہ اس کے بعد تو جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کی صورت مقرر کر دی گئی۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ مسلمان کافروں کی ایذاؤں اور تکالیف پر صبر کریں اور درگذر سے کام لیں اور اہل کتاب سے بھی ایسا ہی معاملہ رکھیں تاکہ تالیف قلبی ہو اور وہ اسلام سے قریب ہوسکیں لیکن جب کافروں پر اس مروت اور حسن خلق کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ پہلے سے زائد عناد و دشمنی برتنے لگے تو جہاد کا حکم نازل ہوا۔ قتادہؒ مجاہدؒ اور عبداللہ بن عباسؓ سے یہی منقول ہے (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ

اور ہم نے دی بنی

عہ بعض ائمہ مفسرین مثلاً نحاسؒ اور مہدیؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عمر فاروقؓ کے ایک واقعہ کے متعلق نازل ہوئی کہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل کسی مشرک نے ان کو گالی دی اور برا بھلا کہا تو حضرت عمرؓ اس پر بہت زائد مشتعل ہوئے اور اس کے منہ پر چپت بھی مارنے کا ارادہ کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی مقاتلؒ سے منقول ہے کہ یہ آیت بھی اس سورت کی دیگر آیات کی طرح مکیہ ہے اور اس تاویل کی ضرورت نہیں کہ عمرؓ نے ہجرت کے بعد ارادہ کیا تھا اس لیے کہ مکہ میں تو مسلمان مجبور و بے بس تھے۔ کیونکہ عمر فاروقؓ کی جرأت و ہمت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے حضرت موسیٰؑ کا نمونہ بنکر اس کافر کے منہ پر گھونسہ مار کر کام تمام کرسکتے تھے۔

إِسْرَآءِيلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُم مِّنَ

اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور پیغمبری، اور کھانے کو دیں

الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُم بَيِّنٰتٍ

ستھری چیزیں اور بزرگی دی ان کو جہان پر۔ اور دیں ان کو کھلی باتیں

مِّنَ الْأَمْرِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوٓا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ

دین کی، پھر پھوٹ جو ڈالی، تو سمجھ آچکے پیچھے آپس کی

بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا

ضد سے۔ تیرا رب چکوتی کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات

كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ

میں وہ جھگڑتے تھے۔ پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستے پر

الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۸﴾

اس کام کے، سو تو اسی پر چل، اور نہ چل چاؤں پر نادانوں کے۔

إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ وَإِنَّ الظّٰلِمِينَ

وہ کام نہ آویں گے اللہ کے سامنے کچھ۔ اور بے انصاف

بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۖ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا

ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اللہ رفیق ہے ڈر والوں کا۔ یہ

بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۲۰﴾

سوجھ کی باتیں ہیں لوگوں کے واسطے، اور راہ کی، اور مہر ہے ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّـَٔاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ

کیا خیال رکھتے ہیں جنہوں نے کمائی ہیں برائیاں کہ ہم کر دیں گے ان کو، برابر

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ

ان کے جو یقین لائے اور کیے بھلے کام ؟ ایک سا ان کا جینا اور

مَمَاتُهُمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۲۱ۧ

مرنا ۔ برے دعوے ہیں جو کرتے ہیں ۔

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ ....الیٰ .... سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ

(ربط) ماقبل آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کی نشانیوں کا بیان چل رہا تھا اور یہ کہ اللہ رب العزت کے کس قدر انعامات ہیں کہ اس نے اپنے بندوں ہی کے فوائد و منافع کے لیے ساری کائنات پیدا کی اور کائنات پر ان کو تصرف کرنے کی صلاحیت اور قدرت بھی عطا فرمائی جس کا ثمرہ اور نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ انسان اپنے رب کا فرمانبردار ہوتا تو اس مقصد اور حقیقت کی توضیح کے لیے قانون جزاء و سزا بھی ذکر فرما دیا گیا تھا تو اب ان آیات میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے کہ پروردگار عالم نے کیسے انعامات سے ان کو نوازا لیکن اس بدنصیب قوم نے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کی اور اس کی نازل کی ہوئی ہدایت و رحمت سے محرومی اختیار کی اور عملی بغاوت و سرکشی کو اپنی زندگی کا شعار بنا یا۔ ارشاد فرمایا۔

اور بے شک دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور سلطنت و پیغمبری اور ان روحانی انعامات و اعزاز و کرامت کے ساتھ عطا کیں ان کو کھانے کے لیے پاکیزہ چیزیں اور فضیلت و برتری دی ان کو تمام جہان پر کہ کسی قوم اور خاندان میں اللہ نے اس وقت اس قدر فضیلتیں اور دین دنیا کی عزتیں جمع نہیں فرمائیں تھیں جتنی کہ بنی اسرائیل کو دیں کتاب تورات دی پھر حکومت و سلطنت یا قوت فیصلہ و حکمت سے نوازا کہ دین کی باتیں سمجھیں اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیں اور جو قانون الٰہی دے دیا گیا اس کے مطابق وہ نظام حکومت قائم کریں اور پھر سب باتوں کے علاوہ انہیں کھلی نشانیاں اور دلائل یا احکام دین دیئے جس کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ متحد ہو کر اللہ کے احکام کی پیروی کرتے اور باہم کسی قسم کا اختلاف نہ کرتے مگر افسوس کہ انہوں نے باہم اختلاف نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آچکا تھا اور سمجھ چکے تھے کہ علم و ہدایت یہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تعلیمات سے ہمیں عطا کیا اور یہ

اختلاف صرف آپس میں ضد اور عناد کی وجہ سے تھا اور اصل کتاب ہدایت کو چھوڑ کر بے شمار فرقے بن گئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ نفسانیت اور ضد و عناد کی وجہ سے حق سے بغاوت اور مخالفت حق و باطل کو ملتبس و مشتبہ نہیں کر سکتی۔

بے شک آپ کا رب فیصلہ کر دے گا ان کے درمیان قیامت کے روز اس بات کا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کی یہ تاریخ ان کی سرکشی اور نفسانیت و عناد کے باعث باہم فرقہ وارانہ کشمکش کا دور گزر جانے کے بعد پھر بنا دیا ہم نے آپ کو پیغمبر و ہادی دین کے ایک دستور پر بس آپ اسی کی اتباع و پیروی کیجئے اور مت چلیئے ان لوگوں کی خواہشوں پر جو نادان ہیں اگر کسی وقت جذبۂ ہمدردی یا مصلحت کے خیال سے آپؐ ان کی کسی بات کو بالفرض پوری کرنے کا ارادہ کریں تو آپؐ کو اس بات سے آگاہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہرگز خدا کے یہاں آپ کے ذرہ برابر بھی کام نہ آئیں گے۔ اور کسی بھی فروگزاشت پر اگر خدا کا کوئی قہر کسی کی طرف متوجہ ہو تو اس کو کوئی بھی دفع نہیں کر سکتا مؤمن مطیع کا کافر نافرمان سے اور باغی و مجرم سے کسی قسم کی موافقت ممکن ہی نہیں ہر ایک کا راستہ جُدا ہے۔

اور بے شک ظالم و مجرم ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں اور اللہ مددگار ہے تقویٰ والوں کا اس لیے ایمان و تقویٰ والوں کو اپنے خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیئے اور ظالم کی خواہشات و افکار کا قطعاً نہ لحاظ کرنا چاہیئے اور نہ ان کی روش اختیار کرنی چاہیئے ان کا راستہ ظلم و بغاوت کا راستہ ہے اور اہل ایمان کا راستہ فرمانبرداری و اطاعت کا راستہ ہے اور اس پر چلنے والوں کا خدا ساتھی اور مددگار ہے تو پھر کسی کی مخالفت و دشمنی کی کیا پرواہ یہ ہیں بصیرت و عبرت کی باتیں دنیا کے تمام انسانوں کے واسطے اور ہدایت کا سامان ہے اور رحمت ایسی قوم کے واسطے جو یقین رکھتی ہو تو ان بصیرت افروز باتوں اور حقائق پر مشتمل نصیحتوں سے لوگوں کو ہدایت حاصل کرنی چاہیئے اور صراطِ مستقیم پر چل کر دین و دنیا کی رحمت و برکت کا مستحق بننا چاہیئے ؎

انسان کی عملی زندگی میں حق و باطل ہدایت و گمراہی اور عدل و ظلم کا راستہ قطعی مختلف ہے یہ ناممکن ہے کہ حق و ہدایت کی پیروی کرنے والا مؤمن اور باطل و گمراہی میں مبتلا ہونے والا انسان برابر ہو ایسا تصور ہرگز بھی نہ کرنا چاہیئے مگر اہل مکہ ایسی واضح اور روشن حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے بلکہ ان کے نفس

؎ دین و دنیا کی رحمتوں اور برکتوں کی طرف اشارہ ہے

اسی کے ساتھ ان کلمات سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ قانونِ شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے بصیرتؔ ہدایتؔ اور رحمتؔ ترتیب طبعی بھی ایسی ہی ہے انسان کی پہلے آنکھیں کھلتی ہیں تو صحیح راستہ نظر آتا ہے اور منزل مقصود پہچان کر اس کی طرف چلنا شروع کر دیتا ہے تو بصیرت، راستہ نظر آنا ہوا اور ہدایت منزل تک پہنچانے والے راستہ پر چل پڑنا ہے اور رحمت حصول مقصد اور وصول منزل پر مرتب ہونے والے ثمرہ کا نام ہے۔

نے ان کو ایسی گمراہی میں ڈالا کہ شعور و احساس تک باقی نہ رہا تو کیا ایسے لوگوں نے جو برائیاں کما رہے ہیں یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم ان کو برابر کر دیں گے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے اس طرح کہ ان کا جینا اور مرنا برابر ہو جائے۔ اگر کسی قسم کا کوئی تصور اور گمان ہے تو بہت ہی بُرا ہے یہ فیصلہ جو کر رہے ہیں کون عقل والا یہ سوچ سکتا ہے کہ ایک بدکار انسان اور ایک مرد صالح خدا کے نزدیک برابر ہو گا اور اس مجرم کے ساتھ وہی انعامُ اکرام کا معاملہ کیا جائے گا جو بدکار ظالم و مجرم کے ساتھ ہرگز نہیں آخرت میں تو کیا برابری ہو سکتی ہے۔ دنیا کی زندگی میں بھی یہ ممکن نہیں مؤمن کو دنیا میں بھی حیات طیبہ نصیب ہوتی ہے اور حق تعالےٰ کی طرف سے عزت و نصرت سے نوازا جاتا ہے اور بدکار انسان دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ناکام و محروم رہتا ہے۔ غرض نیکی اور بدی کا فرق دنیا میں بھی نظر آتا ہے اور آخرت میں بھی اسی طرح نظر آئے گا اس لیے کسی نافرمانُ مجرم کو مادی اور ظاہری عیش و عشرت کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیئے۔

ان آیات میں حق تعالےٰ شانہٗ نے بنی اسرائیل پر فائز کردہ انعامات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مجرمانہ نافرمانیاں اور بغاوت کا بیان اہل کتاب کو تنبیہ کے لیے فرمایا اور اس لیے بھی کہ اہل کتاب کو ان باتوں سے صبر و ہمت حاصل ہو۔

ابن کثیرؒ و علامہ آلوسی رحؒ نے ائمہ مفسرین سے بحوالہٗ کلبیؒ یہ روایت نقل کی ہے کہ کفار قریش میں سے عتبہ شیبہ اور ولید بن عتبہ نے حضرت علی بن ابی طالب اور حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما اور دوسرے بعض مسلمانوں سے ایک روز یہ کہا کہ خدا کی قسم تمہارا دین کوئی بہتر دین نہیں اور نہ تم ہم سے افضل ہو ہمارا حال تم سے بدرجہا بہتر ہے۔ اگر وہ بات یعنی آخرت و قیامت ہو بھی گئی تو وہاں بھی ہم تم سے افضل اور بہتر ہوں گے جیسا کہ ہم دنیا میں تم سے افضل ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ جس میں قانونِ خداوندی بیان کر دیا گیا کہ مجرم و فرمانبردار برابر نہیں ہو سکتے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی غرض ہے کہ ہر مؤمن کو اپنی زندگی کے ہر مرحلہ پر یہی تصور و اعتقاد اپنے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں رچاتے ہوئے اپنی کوتاہیوں اور غفلت سے ڈرتے رہنا چاہیئے اور اعمال صالحہ کے لیے زیادہ سے زیادہ جد و جہد کرتا رہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی روایت میں ہے کہ ربیعؒ ایک دفعہ تہجد کی نماز میں جب اس آیت پر سے گزرے اور اسکو تلاوت کیا تو یہی آیت بار بار لوٹاتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی حضرت فضیل بن عیاضؒ خود اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کرتے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ ان دو فریقوں میں سے میں کس فریق میں شامل ہوں۔

اللّٰھُمَّ ارزقنا حلاوۃ الایمان وبشاشتہ آمین یارب العالمین۔

انسانی زندگی شریعت اور شارع کی محتاج ہے

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ

انسانی زندگی شریعت اور شارع کی محتاج ہے اس لیے کہ انسان اپنی ذات سے خود ہر کام انجام نہیں دے سکتا تا وقتیکہ اس کی مدد دوسرے نہ کریں اسی واسطے انسانی حیات مدنیت واجتماعیت کے ساتھ وابستہ ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ لوگوں کی ضرورتیں اغراض اور خواہشات مختلف ہوتی ہیں اور طبعاً ہر شخص اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے اور اپنی غرض کو دوسرے کی غرض ومقصد پر مقدم رکھتا ہے تو ایسی صورت میں ہر ایک اپنی غرض وخواہش کو پورا کرنا چاہے گا اور جبکہ اغراض وخواہشات متناقض ہیں تو یقیناً نزاع وفساد کا برپا ہونا لازم ہے اس وجہ سے انسانی حیات اس بات کی محتاج ہوئی کہ اس کے واسطے ایک ایسا قانونِ ہدایت ہو جو سرتاپا رحمت ہو جو عدل وانصاف کا پیکر ہوتے ہوئے اغراض وخواہشاتِ نفس سے پاک ہو اور ظاہر ہے کہ اس ضرورت واحتیاج کو کوئی انسانی دستور اور قانون پورا نہیں کر سکتا کیونکہ انسانی فہم وادراک وشعور اول تو ناقص پھر یہ کہ اغراض وخواہشات نفس کی آمیزش سے پاک نہیں ہو سکتے پھر طبائع اور مزاج کا بھی عظیم اختلاف و فرق۔ تو ایسی صورت میں صرف وحی الٰہی اور قانون خداوندی ہی انسان کے واسطے راہنما اصول اور باعث رحمت و عافیت ہو سکتا ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا کی ہدایت کے واسطے لے کر آئے اور ان جملہ علوم ہدایت و رحمت کا مجموعہ اور لباب وجوہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شریعت ہوئی جس کو ان الفاظ میں یاد فرمایا جا رہا ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ الخ

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ

اور بنائے اللہ نے آسمان اور

الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ

زمین جیسے چاہئیں، اور تا بدلہ پاوے ہر کوئی اپنی کمائی کا، اور

هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ

ان پر ظلم نہ ہوگا - بھلا دیکھ تو! جس نے ٹھہرایا اپنا حاکم اپنی چاؤ کو

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ

اور راہ سے کھویا اس کو اللہ نے جانتا بوجھتا، اور مہر کی اس کے کان پر اور دل پر اور ڈالی

عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ

اس کی آنکھ پر اندھیری - پھر کون راہ پر لاوے اس کو اللہ کے سوا؟

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

کیا تم سوچ نہیں کرتے ؟ اور کہتے ہیں ، اور نہیں ، یہی ہے ہمارا جینا دُنیا کا ،

نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ

ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور مرتے ہیں ہم سو زمانے سے - اور ان کو کچھ

بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِذَا تُتْلٰى

خبر نہیں اس کی - نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں - اور جب سنائیے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا

ان کو ہماری آیتیں کھلی ، اور جھگڑا نہیں ان کو ، مگر یہی کہتے ہیں

ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ

لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو - تو کہہ ، اللہ جلاتا ہے تم کو

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ

پھر مارے گا تم کو ، پھر اکٹھا کرے گا تم کو قیامت کے دن تک اس میں کچھ شک

فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

نہیں ، پر بہت لوگ نہیں سمجھتے - اور اللہ کا راج ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ

آسمانوں میں اور زمین میں - اور جس دن اُٹھے گی قیامت ، اُس دن

يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ

خراب ہوں گے جھوٹے - اور تو دیکھے ہر فرقہ زانو پر بیٹھے ہیں - ہر

اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ

فرقہ بلایا جاتا ہے اپنے دفتر پر ، آج بدلہ پاؤ گے جیسا تم کرتے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا

تھے۔ یہ ہمارا دفتر ہے، بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک۔ ہم

كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

لکھواتے جاتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے۔ سو جو یقین لائے ہیں،

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ

اور بھلے کام کیے، سو ان کو داخل کرے گا ان کا رب اپنی مہر میں۔ یہ

هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ

جو ہے یہی ہے صریح مراد ملنی۔ اور جو منکر ہوئے کیا تم کو سنائی

اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

نہ جاتی تھیں باتیں میری؟ پھر تم نے غرور کیا، اور ہو رہے تم لوگ گنہگار۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ

اور جب کہیے کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور اس گھڑی میں دھوکا نہیں،

فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا

تم کہتے ہو، ہم نہیں سمجھتے کیا ہے وہ گھڑی، ہم کو آتا ہے تو ایک

ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ

خیال سا، اور ہم کو یقین نہیں ہوتا۔ اور کھلیں اُن پر برائیاں

مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾

اُن کاموں کی جو کیے تھے اور اُلٹ پڑی ان پر جس چیز سے ٹھٹھا کرتے تھے۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ

اور حکم ہوا کہ آج ہم تم کو بھلائیں گے جیسے تم نے بھلا دیا اپنے اس دن کا ملنا،

هٰذَا وَمَأْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور گھر تمہارا دوزخ ہے، اور کوئی نہیں تمہارے مددگار -

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ

یہ تم پر اس واسطے کہ تم نے پکڑا اللہ کی باتوں کو ٹھٹھا اور بہلے

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ

دنیا کے جینے پر - سو آج نہ ان کو نکلنا ہے وہاں سے اور نہ اُن

يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ

سے چاہیں توبہ - سو اللہ کو ہے سب خوبی، جو رب ہے آسمانوں کا، اور رب

الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ

ہے زمین کا، رب سارے جہان کا - اور اُسی کو بڑائی ہے آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

اور زمین میں - اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔

دلائل قدرت خداوندی تردید کفار و دھریین مع بیان انجام ہدایت وضلالت

قال اللہ تعالیٰ - وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ---- الیٰ ---- وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(ربط) ماقبل آیات میں بنی اسرائیل پران خاص انعامات کا بیان تھا جن سے ان کو نوازا گیا تھا ان انعامات میں دین و دنیا کی نعمتیں عزت و راحت اور علم و حکمت کے فضائل و کمالات شامل تھے ساتھ ہی ان کی نافرمانی اور بغاوت کا ذکر تھا اور یہ کہ قانونِ خداوندی یہ طے ہوچکا کہ نیک اور بد برابر نہیں ہوسکتے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اب ان آیات میں حق تعالےٰ شانہٗ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائیں۔ دھریوں کا رد فرمایا اور یہ کہ خالقیت و مالکیت اور حاکمیت سب اللہ ہی کے واسطے ہے۔ اور قرآن حکیم وہ کتاب ہدایت ہے۔

جو حق وصداقت کے ساتھ ہر بات دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے اس کتاب پر عمل نجات وکامیابی کا باعث ہے اور خدا کے احکام فراموش کردینا اس کے انعامات ورحمتوں سے محرومی ہے۔ ارشاد فرمایا اور پیدا کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک انداز کے ساتھ کہ جیسے چاہیئے تھا ایسے پیدا کیا جس میں بڑی عظیم حکمتیں اور بلند پایہ مصلحتیں ہیں ان میں سے ہر چیز اللہ رب العزت کی قدرت کی عظیم نشانی اور اس کی الوہیت ووحدانیت کی کھلی دلیل ہے۔

اور یہ ساری کائنات آسمان وزمین بیکار وعبث نہیں بنائے گئے بلکہ اس وجہ سے کہ بدلہ دیا جائے ہر انسان کو ان کے اعمال کا جو وہ کرے اور یہ حقیقت ہے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ تخلیق کائنات میں عمل کی مکافات کے نمونے رکھ دیئے گئے جن کو دیکھ کر ہر انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ نیکی کا انجام فلاح وکامیابی اور بدی کا انجام تباہی وبربادی ہے کھیتی کرنے والا جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

کا سبق ہر کھیتی سبزہ اور درخت انسانوں کو سکھا رہا ہے راہ ہدایت سے بھٹکانے والی اصل چیز انسان کا نفس اور نفس کی خواہشات ہیں تو اے مخاطب کیا تو نے دیکھ لیا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو ہی اپنا معبود بنالیا ہے جس طرف اس کی خواہش لے جانا چاہتی ہے اسی طرف چل پڑتا ہے حق وصداقت ظاہر ہونے اور اس کو سمجھنے کے باوجود بھی حق کی پیروی نہیں کرتا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے گمراہ کردیا اللہ نے اس کو اس کی اپنی شقاوت کی وجہ سے اور مہر لگادی اس کے کان پر اور اس کے دل پر اور پردہ ڈال دیا اس کی نگاہ پر تو اللہ کی طرف سے اس محرومی اور بدنصیبی کے بعد کون ایسے شخص کو ہدایت دے سکتا ہے

اے مخاطبو! کیا پھر بھی تم غور وفکر نہیں کرتے ہو افسوس کہ جب انسان حق وصداقت سے اعراض کرکے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو ضائع کر ڈالتا ہے نہ دلائل وحقائق کو دیکھتا ہے اور نہ ہی عبرت ناک واقعات سے عبرت ونصیحت حاصل کرتا ہے تو پھر اس کے احساسات۔ ادراک وشعور سب کچھ اسی دنیوی زندگی تک محدود ہوکر رہ جاتے ہیں اور ایسے لوگ کہتے ہیں یہ کچھ نہیں بجز ہماری اس دنیا کی زندگی کے بس ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ موت وحیات کا بس اسی طرح جاری ہے اور ہم کو سوائے زمانہ؏ کے اور کوئی چیز نہیں مارتی یہ زمانہ

؏۔ اس آیت مبارکہ میں ان منکرین خدا کے بیہودہ نظریہ کا رد ہے جو خدا کی خالقیت اور قدرت کا انکار کرتے ہیں اور کائنات کی ہر چیز کو زمانہ اور زمانہ کی تاثیر اس کے انقلابات کی طرف منسوب کردیتے ہیں کہ یہ سب کچھ زمانہ ہی ہے اور اس کی پشت پر نہ کسی خالق وقادر مطلق کی طاقت وارادہ کارفرما ہے اور نہ ہی زمانہ کا کوئی خالق ہے اسی وجہ سے اس فرقہ کو دہریہ کہا جاتا ہے۔

"دھر" لغت میں طویل زمانہ کو کہا جاتا ہے امام راغبؒ فرماتے ہیں دھر اصل میں بقاء عالم کی مدت کا نام ہے اس کی ابتداء سے لے کر فناء وانقضاء تک۔ لیکن دھر کا بالعموم مدت طویلہ پر اطلاق کیا جاتا ہے بعض ائمہ لغت

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہی سب کچھ انقلابات و تبدیلیاں لاتا ہے یہی مؤثر و کارساز ہے اور زمانہ کے انقلابات و تغیرات کی پشت پر کوئی بھی قدرت و طاقت کارفرما نہیں یہ ہے۔ ان کا عقیدہ اور حال یہ ہے کہ ان کو کچھ بھی خبر نہیں یہ تو محض اٹکل و تخمین ہی ہے جو یہ گمان کر رہے ہیں کہ اگر اس قسم کے بدنصیب لوگوں نے اپنی عقل و دانائی اور فکر و تدبر کی صلاحیتوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا تو کم از کم یہی کرتے کہ اللہ کی آیتوں ہی کو سنکر کچھ حق و ہدایت کی طرف رخ کر لیتے مگر افسوس ایسا نہ ہوا بلکہ اسی شقاوت و بغاوت پر قائم رہے اور جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ان کی حجت اور دلیل اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ کہنے لگتے ہیں لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے اگر تم سچے ہو اس دعویٰ میں کہ قیامت آئے گی اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اے ہمارے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجئے اللہ ہی تم کو زندگی دیتا ہے وہی پھر تم کو مارتا ہے اور وہی پھر تم سب کو جمع کرے گا قیامت کے دن تک جس میں کوئی شبہ نہیں اور ظاہر ہے ایسی مدلّل اور شبہ سے پاک حقیقت ہر ایک کو تسلیم کرنی چاہیئے اور اس پر ایمان لانا چاہیئے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ہیں کہ جس پروردگار نے ایک مرتبہ زندگی عطا کی ہے اس کو مارنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کر دینا کیا مشکل ہے اور ہر ایک کو ایک جگہ اکٹھا کر دینا اس کی قدرت کے آگے کوئی دشوار

(بقیہ حاشیہ) کا خیال ہے کہ دھر مصدر ہے دھر یدھر کے لیے جس کے معنی غلبہ کے ہیں۔

یہ فرقہ قدرتِ خداوندی کا انکار کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے زمانہ ہی کرتا ہے۔ نہ کوئی موت و حیات کا مالک ہے نہ ملک الموت ہے اور نہ کوئی حکم خداوندی ہے بس انسان دنیا میں ایسے ہی آجاتے ہیں اور یوں ہی مر جاتے ہیں۔ ان کی موت و حیات کسی کے حکم و ارادہ کے تابع نہیں یہ فرقہ حوادث و آفات اور عزت و ذلت نفع نقصان کو بھی دھر کی طرف منسوب کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ ایسے منکرین اور دہریوں یا ان کے اثرات سے متاثر ہو کر لوگوں کے اشعار و قصائد زمانہ کے ظلم و ستم کی شکایات سے بھرے ہوتے ہیں۔

فلاسفہ کے نزدیک زمانہ حرکت فلکیہ کا نام ہے تو اس نوع کے لوگ فلک کو بُرا بھلا کہہ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی مخالفت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر کہ زمانہ کو گالیاں نہ دیا کرو اللہ ہی کی قدرت و ارادہ زمانہ اور زمانہ کے تغیرات ہیں ایک حدیث میں آپؐ نے اس کی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص یہ کہے "افسوس زمانہ کی بدنصیبی و ناکامی یا نحوست"۔ اور ایک حدیث قدسی کا مضمون ہے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ابنِ آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے زمانہ کو بُرا کہتا ہے حالانکہ زمانہ تو میں ہی ہوں میرے ہی قبضہ میں رات دن ہے جس طرح چاہوں زمانہ کو لوٹاتا پلٹاتا رہتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(روح المعانی جلد ۲۵۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۴)

چیز نہیں ۔ عالم میں بکھرے ذرات ۔ اڑتی ہوائیں اور سمندر کی موجوں کو جو پروردگار ایک جگہ جمع کرنے پر قادر ہے وہی قادر مطلق ہر انسان کو دوبارہ زندہ کرکے میدان حشر میں جمع کرلے گا اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی جس طرح چاہے وہ آسمانوں اور زمین میں اپنا حکم جاری و نافذ فرما دے دنیا کی کوئی طاقت اس کا حکم نہیں پھیر سکتی ۔ جس طرح کہ ساری کائنات ہوا کا رُخ اور اس کا جھونکا نہیں تبدیل کر سکتی چاند سورج کی رفتار نہیں روکی جاسکتی بالکل اسی طرح اللہ کا ہر ارادہ اور فیصلہ اٹل ہے اسکے حکم و ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی ۔

اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن خسارہ میں پڑے ہوں گے جھوٹے اور باطل پرست لوگ ذلت و عاجزی کا یہ مقام ہوگا ۔ اور تو دیکھے گا ہر قوم کو کہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے اور ذلت و خواری کی وجہ سے ایک حرف بھی منہ سے بولنے کی قدرت نہ ہوگی ۔ ہیبت و رعب طاری ہوگا ۔ ایسی حالت میں ہر امت کو بلایا جاتا ہوگا اس کے نامۂ اعمال کی طرف کہ اے مجرمو آجاؤ اور اپنے نامۂ اعمال کے مطابق بدلہ لے لو ۔ کہا جاتا ہوگا آج تمہیں بدلہ دیا جا رہا ہے ان اعمال کا جو تم کرتے تھے ۔ ساتھ ہی یہ بھی حجت قائم کی جارہی ہوگی کہ یہ ہے ہمارا دفتر جو تمہارے سامنے بول رہا ہے ٹھیک ٹھیک جس میں ذرہ برابر بھی کمی بیشی نہیں ہم تو لکھوا لیتے تھے وہ کام جو تم کرتے تھے ۔ تو اب اس کا یہی انجام ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو ان کو ان کا رب داخل کرلے گا اپنی رحمت میں ۔ جہاں ہر نوع کی نعمتیں اور رب العالمین کی مہربانیاں ہوں گی ۔ یہی ہے روشن کامیابی لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ بلاشبہ ناکام و ذلیل ہوں گے اور ایسے مجرموں ، ناکاموں اور ذلیل انسانوں کو خطاب کیا جارہا ہوگا کہ اے لوگو ! کیا ایسا نہیں تھا کہ میری آیتیں تم کو سنائی جاتی تھیں مگر تم نے غرور و سرکشی کی اور تم نافرمان و مجرم قوم رہے اور ایسے نافرمانوں اور مغرور و متکبر مجرموں کا حال تو یہ ہے کہ جب کہا جائے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور جس طرح اس نے قیامت کا وعدہ فرمایا تو وہ ضرور قائم ہوکر رہے گی اور قیامت وہ حقیقت ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں تو اے لوگو ! تم کہتے

عـہ یعنی ہیبت و عظمت خداوندی سے مرعوب ہوکر گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں گے ۔

حافظ ابن کثیرؒ اس کی تفسیر میں ایک روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ کافروں کے سامنے جب جہنم لائی جائے گی (ظاہر کی جائے گی) اس کے شعلے بھڑکتے ہوں گے اور آگ کے شعلوں کی آواز سمندر کے طوفانی تھپیڑوں کی طرح اٹھتے ہوئے جب نظر آئے گی تو کوئی بھی ایسا باقی نہ رہے گا کہ وہ گھٹنوں کے بل نہ بیٹھ جائے حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی یہی کہتے ہوں گے نفسی نفسی اے پروردگار میں آج تجھ سے کچھ نہیں مانگتا ۔ نفسی نفسی حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی کہتے ہوں گے مجاہدؒ کعب احبارؓ اور حسن بصریؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴)

ہو ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے بس ہم تو زیادہ سے زیادہ گمان ہی کرتے ہیں۔ ایک قسم کا گمان کرنا اور ہمیں اس پر ہرگز یقین نہیں کہ عالم فنا ہو جانے کے بعد قیامت قائم ہوگی اور مُردوں کو پھر دوبارہ زندہ کرکے حشر قائم کیا جائے گا اور ظاہر ہو جائیں گی ایسے لوگوں کے سامنے ان کی وہ برائیاں جو انہوں نے اپنی زندگی میں کیں اور مسلط ہو جائے گا ان پر عذاب اس چیز کا جس پر تمسخر و مذاق کرتے تھے۔ اور قرآن کریم میں جو وعید و عذاب کی آیات نازل ہوتی تھیں دنیا میں اُن کا مذاق اڑاتے تھے لیکن آخرت میں وہی وعید و عذاب خداوندی ان پر مسلط ہوگا اور ان مجرموں کے واسطے اعلان کر دیا جائے گا آج کے دن ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں جیسے کہ تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلایا اور اب تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا کوئی مددگار بھی نہیں تمہاری یہ ذلت و رسوائی اور بے یاری و مددگاری یہ تم پر اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنایا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکہ میں ڈالے رکھا اور تمہیں یہ خیال بھی نہ آیا کہ خدا کے رو برو حاضر ہونا ہے سو آج نہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے کوئی معذرت و توبہ قبول کی جائے گی اور نہ ہی اس امر کا امکان اور موقعہ ہوگا کہ وہ کسی طرح خدا کو راضی کر لیں۔ بس اللہ ہی کے واسطے ہے ہر تعریف و ثناء جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا اور رب ہے تمام جہانوں کا اور اسی کے واسطے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ اس لیے اس کو نہ کسی کی اطاعت و فرمانبرداری کی حاجت ہے اور نہ کسی کی نافرمانی و بغاوت سے ڈر ہے اگر کفار و منکرین اس کی نافرمانی کریں تو اس کی شانِ کبریائی میں کوئی فرق نہیں آسکتا اور وہ نافرمانوں کو سزا دے تو اس کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی اس کا مجرمین کو ڈھیل دینا محض اس کی حکمت ہے۔ وہ جب چاہتا ہے ہر مغرور و متکبر کے غرور و سرکشی کو ایک آن میں تہہ و بالا کر ڈالتا ہے لہٰذا ہر انسان کو چاہئے کہ اس کی عظمت و بزرگی کے سامنے سراپا اطاعت و انقیاد بنا رہے اس کے انعامات و احسانات کو پہچان کر انعامات خداوندی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے دنیا کی زندگی، مال و دولت اور عزت و جاہ پر مغرور ہو کر خدا کے ساتھ مقابلہ اور بغاوت پر آمادہ نہ ہونا چاہیئے اور اس کے انجام سے بھی ایک لمحہ کے واسطے غافل نہ ہونا چاہیئے۔

ایک حدیث قدسی کا مضمون ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی واحدا منھما قَذَفْتُہٗ فی النار (رواہ مسلم) کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہہ بند ہے (یعنی جس طرح یہ لباس سارے بدن انسانی پر محیط ہے اسی طرح عظمت و کبریائی ذاتِ خداوندی کا ہر جانب سے احاطہ کیے ہوئے ہے) لہٰذا جو شخص بھی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت کرے گا میں اسے جہنم میں جھونک دوں گا۔ اعاذنا اللہ منھا وجعلنا مطیعین لا مرک یارب العلمین واحفظنا عن غضبک یا ارحم الراحمین وقنا عذاب الجحیم یا اکرم الاکرمین۔

مجاہدؒ نے وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ کی تفسیر میں حق تعالیٰ شانہٗ کی حاکمیت و سلطنت بیان کی گئی اور لفظ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ذات خداوندی کی اس غلبہ و قدرت کی صفت کو بیان کر رہا ہے کہ اس کے اسرار اور ارادہ کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا اور لفظ حکیم یہ ظاہر کر رہا ہے کہ مجرموں کو جرائم کی سزا فوراً ہی نہ دینا اور اس میں تاخیر و مہلت یہ سب کچھ اس کی حکمت پر موقوف ہے۔

اَلحمدُ لِلّٰہ سورۂ جاثیہ بتوفیق خداوندی پوری ہوئی خداوند عالم باقی تفسیر کی تکمیل اپنی تائید و توفیق سے فرمائے۔

آمین یا رب العالمین۔

الحمد للہ پچیسواں سپارہ مکمل ہوا
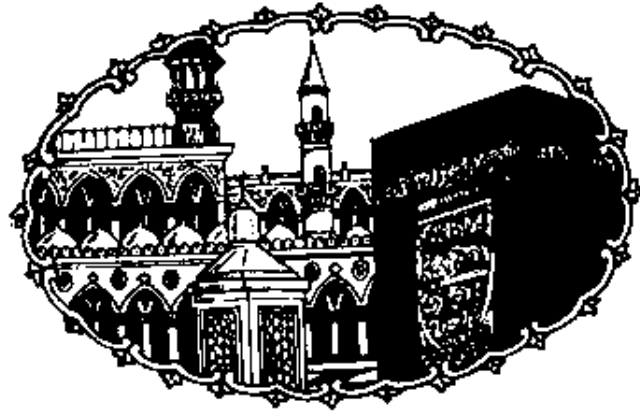
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُورۃ الاحقاف

سورۂ احقاف مکیہ ہے جس کی پینتیس آیات اور چار رکوع ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اسی روایت کے پیش نظر اکثر مفسرین نے اسکو مکیہ قرار دیا ہے اور جملہ آیات کے بارہ میں بغیر کسی استثنار کے ان کی یہی رائے ہے۔

بعض مفسرین آیہ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کو مستثنیٰ کرتے ہوتے یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی طبرانی عوف بن مالکؓ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آیت قُلْ أَرَءَيْتُمْ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کے قصہ میں نازل ہوئی ہے امام بخاری مسلم نسائی ابن جریر باسناد سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی ایسے شخص کے بارہ میں جو زمین پر چلتا ہو یہ کہتے ہوتے نہیں سنا کہ یہ شخص اہل جنت میں سے ہے سوائے عبداللہ بن سلامؓ کے اور انہی کے متعلق قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ اور عبداللہ بن سلامؓ کے اسلام لانے کا واقعہ مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔

بعض مفسرین نے مکی آیات میں سے اس آیت کو بھی مستثنیٰ کیا ہے وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَكُمَا مروان نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے جب یہ کہا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے بارہ میں نازل ہوئی جب کہ وہ اسلام لانے سے اعراض کر رہے تھے اور انکے والدین انکو اسلام کی دعوت دے رہے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسکی بڑی سختی کے ساتھ تردید کی اور فرمایا کہ یہ آیت تو ابو مروان کے متعلق نازل ہوئی تھی جبکہ مروان اس کی پشت میں تھا اس سورت کے زیادہ تر مضامین دلائل قدرت، قرآن کریم کی حقانیت اور اثبات حشر ونشر پر مشتمل ہیں۔

سورۂ احقاف کا نام اس مناسبت سے ہے کہ اس سورت میں قوم عاد کا ذکر ہے جن کی سرکشی اور نافرمانی کے باعث عذاب خداوندی نے انکو ہلاک و تباہ کیا تو انکی بستیاں سرزمین یمن کے علاقہ احقاف میں تھیں جیسے کہ ارشاد ہے وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ اس سورت کی ابتداء قرآن کریم کی عظمت وحقانیت کے بیان سے ہے پھر شرک و بت پرستی کا رد ہے اور منکرین کے شبہات کا رد اور دلائل کے ساتھ حقانیت قرآن کو ثابت کیا گیا پھر انسانی زندگی کے دونوں رخ ہدایت وگمراہی کے بیان کیئے گئے اخیر میں حضرت ہود علیہ السلام اور انکی قوم عاد کا قصہ ہے اور انکی ہلاکت کا بیان

ہے اس طرح اس سورت کے مضامین گزشتہ سورت کے مضامین کے ساتھ مربوط ہیں۔

❖ ❖ ❖

آیاتہا ۳۵ (۴۶) سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ (۶۶) رکوعاتہا ۴

سورۂ احقاف مکی ہے اسکی پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝

اُتارا کتاب کا ہے اللہ سے جو زبردست ہے حکمت والا

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ

ہم نے جو بنائے آسمان و زمین اور جو انکے بیچ ہے سو ایک کام پر اور

اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝

ایک ٹھہرے وعدہ پر اور جو منکر ہیں ڈر سنایا نہیں دھیان کرتے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا

تو کہہ بھلا دیکھو تو! جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا دکھاؤ تو مجھ کو انہوں نے

خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ

کیا بنایا زمین میں؟ یا کچھ ان کو ساجھا ہے آسمانوں میں؟ لاؤ

بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ

میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا چلا آتا کوئی علم اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

سچے اور اس سے بہکا کون؟ جو پکارے اللہ کے سوا

مَنْ لَّا يَسْتَجِيبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ
ایسے کو کہ نہ پہنچے اسکی پکار کو دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں

دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝۵ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً
ان کے پکارنے کی اور جب لوگ جمع ہوں گے وہ ہوں گے اُن کے دشمن

وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا
اور ہوں گے اُن کے پوجنے سے منکر اور جب سناتے ان کو ہماری باتیں

بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ
کھلی کہتے ہیں منکر سچی بات کو جب ان تک پہنچی یہ جادو

مُّبِيْنٌ ۝۷ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا
ہے صریح کیا کہتے ہیں؟ یہ بنا لایا - تو کہہ اگر میں یہ بنا لایا ہوں تو تم

تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ
میرا بھلا نہیں کر سکتے اللہ کے سامنے کچھ اس کو خوب خبر ہے جن باتوں میں

فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ
لگے ہو وہ بس ہے حق بتانے والا میرے تمہارے بیچ اور وہی ہے گناہ بخشتا

الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ
مہربان تو کہہ میں کچھ نیا رسول نہیں آیا اور مجھ کو معلوم

مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَ
نہیں کیا ہونا ہے مجھ سے اور نہ تم سے؟ میں اسی پر چلتا ہوں جو حکم آتا ہے مجھ کو اور

مَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ
میرا کام یہی ہے ڈر سنا دینا کھول کر تو کہہ بھلا دیکھو تو! اگر یہ ہو

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ

اللہ کے ہاں سے اور تم نے اسکو نہیں مانا اور گواہی دے چکا ایک گواہ

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ

بنی اسرائیل کا ایک ایسی کتاب کی پھر وہ یقین لایا اور تم نے غرور کیا بے شک

اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩

اللہ راہ نہیں دیتا گنہ گاروں کو

دلائل قدرت خداوندی و گمراہی منکرین قیامت و اثبات رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ... الیٰ ... لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

(ربط) گذشتہ سورت کی آخری آیات میں قرآن کریم کی حقانیت کا بیان تھا اور یہ کہ قیامت ایک حقیقت ہے جس پر ایمان ویقین انسانی سعادت اور فوز وفلاح ہے اور دین و احکام دین کا تمسخر و مذاق جس طرح کہ منکرین و مکذبین کا شیوہ ہے بد نصیبی و بدبختی ہے حق تعالیٰ کی شان کبریائی کے مقابلہ میں کسی کو بھی جرأت نہیں ہو سکتی کہ سر اٹھا سکے ارشاد فرمایا جا رہا ہے حٰمٓ خداوند عالم ہی اسکی مراد خوب جانتا ہے قسم ہے اس کتاب ہدایت کی اتارنا ہے اس کتاب عظیم کا اللہ ہی کی طرف سے جو زبردست حکمت والا ہے اسکی شان حکیمی کے باعث اس کتاب الٰہی کی ہر بات حکمت سے لبریز ہے اور اسکی قوت وغلبہ کی وجہ سے اسکے کسی حکم یا فرمان کو ٹلایا نہیں جا سکتا۔ اسی ہدایت اور احکام کی تمام مخلوق کو دعوت دی گئی اور اسی کے واسطے عالم پیدا کیا گیا چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ ہم نے نہیں بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ انکے درمیان ہے مگر ٹھیک ٹھیک اور حق کے ساتھ کہ ہر پیدا کی ہوئی چیز حکمت کے ساتھ ہے اور اس کا حق ہونا اور حق تعالیٰ کی خالقیت کا دلیل ہونا برحق ہے اور ایک مقررہ وقت کے ساتھ لہٰذا عالم کی ہر چیز اسی وقت تک کے لیے جسکے واسطے اللہ نے اسکو بنایا حتی کہ خود عالم بھی اسی وقت تک قائم رہے گا جب تک کے واسطے اللہ نے اسکو بنایا ہے اور جو لوگ منکر ہیں وہ ان باتوں سے بے رخی کرتے ہیں جن سے ان کو ڈرایا گیا نہ تنبیہ و تہدید کا خیال ہے نہ عبرتناک

واقعات کی طرف کوئی توجہ اور نہ آخرت کی تیاری جو بھی وعید ونصیحت کی باتیں سنتے ہیں بے توجہی سے اس کو ٹال دیتے ہیں کہدو اسے ہمارے پیغمبر بھلا دیکھو تو کہ تم جن کو پکارتے ہو اللہ کو چھوڑ کر تم مجھے دکھلاؤ کہ انہوں نے کیا چیز پیدا کی ہے زمین سے یا انکے واسطے کچھ شرکت ہے آسمانوں اور آسمانوں کی کسی چیز میں خداوند عالم نے تو سارا عالم بنایا زمین و آسمان پیدا کیے بتاؤ ان معبودوں نے جن کو خدا کی الوہیت و عبادت میں تم شریک کرتے ہو انہوں نے کیا پیدا کیا ہے کیا زمین کا کوئی ٹکڑا بنایا یا آسمان و آسمان کی کوئی چیز پیدا کی میرے پاس لے کر آؤ کوئی نوشتہ یا لکھی ہوئی کتاب یا کوئی ثبوت اور نقل علم سے اگر تم سچے ہو ظاہر ہے کہ اس دعوی پر دنیا میں کسی کی ہمت نہیں کہ جواب دے سکے اور ثبوت پیش کر سکے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارتا ہے جو اسکو قیامت تک جواب نہیں دے سکتا اور جواب تو کیا وہ معبود تو اپنے عابدوں کی پکار سے ہی بے خبر ہیں بت پرستوں کے معبود بت ہوں یا مادہ پرستوں کے خیالی معبود کوئی بھی ان میں سے ایسا نہیں کہ خود اس میں ادراک اور شعور ہو تو جب ان معبودانِ باطلہ میں خود ہی ادراک و شعور نہیں تو اپنے عابدوں کی پکار کہاں سے سنیں گے اور انکی بات کیا پوری کریں گے فرشتوں اور انبیاء کو خدا اور معبود بنانے والے بھی خود اپنی آواز نہ فرشتوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ انبیاء کو فرشتے اور انبیاء وہی سن سکیں گے جو خدا انہیں سناتے گا اور وہی کر سکیں گے جسکی اجازت خدا دے گا اور جب یہ لوگ مشرکین و کفار جمع کیے جائیں گے میدان حشر میں تو وہ انکے معبود ان کے دشمن ہوں گے اور انکی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے بلکہ سخت بیزاری اور نفرت کا اظہار کریں گے اور ان کی بیزاری و نفرت اپنے عابدوں سے دشمنی کی صورت میں محسوس ہوتی ہوگی اور جب سنائی جاتی ہیں انکو ہماری واضح آیتیں اور کھلے احکام تو یہ منکر اس حق کو جو انکے سامنے آچکا کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے بجائے اسکے کہ آیات قرآنیہ کی طرف توجہ اور ان سے عبرت و نصیحت حاصل کریں یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ "یہ تو جادو ہے" اور اس میں انکی یہ غرض بھی ہوتی ہے کہ آیات کو سن کر قلبی میلان جو ہوتا ہے تو اس سے لوگوں کے ذہنوں کو برگشتہ کرنے کے لیے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہ جادو ہے اور دلوں کا میلان بھی جادو کا اثر ہے بلکہ یہ لوگ کبھی کبھی یہ کہتے ہیں یہ تو خود ہی انہوں نے بنایا ہے نہ خدا کی وحی ہے اور نہ یہ خدا کے رسول ہیں خدا پر بہتان لگایا ہے کہ یہ اس کی کتاب ہے تو کہدو اسے ہمارے پیغمبر اگر میں اس خدا پر کسی بات کا افتراء کروں اور کوئی کلام خود بنا کر تمہیں سناؤں اور یہ کہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بات خدا کے قہر اور غضب کو دعوت دینا ہوگی اور میں یہ کیسے جسارت کر سکتا ہوں کہ انسانوں پر تو کبھی جھوٹ نہ لگاؤں اور خداوند عالم پر جھوٹ بہتان لگاؤں یقیناً ایسا اگر کیا تو خدا کا غضب نازل ہوگا تو پھر تم میرے واسطے کسی بات کی بھی قدرت نہ رکھ سکو گے اللہ کے سامنے وہ خوب جانتا ہے ان باتوں کو —— جن میں تم لگے ہوتے ہو لہذا

اس قسم کی بے ہودہ باتوں اور مہمل خیالات کے انجام سے غافل نہ ہو وہی پروردگار کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہونے کے لحاظ سے یقیناً وہ میرے اور تمہارے درمیان ایسا فیصلہ کر دے گا کہ تم خود اس کلام ربانی کی حقانیت اور میری نبوت ورسالت کا یقین کر لو گے اور وہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے اگر تم اب بھی باز آجاؤ تو اسکی مغفرت ومہربانیاں تمہیں نوازنے کیلئے کافی ہیں کہدو اے ہمارے پیغمبر میں نہیں ہوں کوئی نرالا رسول رسولوں میں سے بلکہ اللہ کے رسول جس طرح دنیا میں اللہ کی ہدایات لیکر آئے میں بھی اسی خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں اسکی وحی اور کلام مجھ پر نازل ہوتا ہے جس طرح اللہ کے پیغمبروں نے خدا کی توحید والوہیت کی طرف دعوت دی میں بھی تم کو خدا کی توحید کی دعوت دیتا ہوں شرک وکفر اور بت پرستی چھوڑ دینے کیلئے کہتا ہوں پھر آخر میری باتوں سے تم کیوں بدکتے ہو اور میری نبوت ورسالت کے ماننے اور قرآن کریم پر ایمان لانے میں کیا تأمل ہے میں اللہ کا رسول ہوں میرے ذمہ صرف اللہ کا پیغام اور اسکے احکام پہنچانا ہے میں اسکا ذمہ دار نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میری کامیابی وناکامی بھی اللہ کے علم میں ہے اور یہ بھی اللہ کے علم میں ہے کہ تمہاری اس نافرمانی اور بغاوت کا انجام کیا ہوگا ان سب باتوں سے بے پرواہ ہو کر میں تو صرف اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جسکی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو صرف کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں عذاب خداوندی اور آخرت کے انجام سے اللہ کا معاملہ جو کچھ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ دنیا میں ہوگا وہ تو تمہارے سامنے آہی جائے گا اور جو آخرت میں ہوگا اسکو بھی تم دیکھ لو گے اے ہمارے پیغمبر کہدو بھلا یہ بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کے یہاں سے ہو اور تم اس کا انکار کر دو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہی دینے والا گواہی دے اسی کی مثل کتاب پر جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ اور یہ کہے کہ ایسی ہی وحی اللہ کی موسیٰؑ وعیسیٰؑ پر نازل ہوتی تھی اور انکو کتاب تورات وانجیل دی گئی جن میں اسی قرآن اور صاحب قرآن پیغمبر کی خبر دیگئی یہ نشانیاں اور علامت بتائی گئی اور خود یہ قرآن انکی تصدیق بھی کر رہا ہے پھر وہ قرآن پر ایمان لاتے اور تم غرور وتکبر ہی کرتے ہو قرآن اور صاحب قرآن پر ایمان لانے اور انکے سامنے اطاعت وفرمانبرداری کا سر جھکانے سے تو بھلا بتاؤ تمہارا کیا انجام ہوگا یہ تو صریح ظلم اور ناانصافی ہے اور اللہ تعالیٰ راہنمائی نہیں کرتا ہے ظالموں کو بلکہ وہ اپنی بداعمالیوں کے باعث توفیق خداوندی سے محروم رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہی ہے کہ وہ گمراہ ہی رہیں اور عذاب آخرت سے نیز دنیا کی ذلت سے نجات نہ پاسکیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت

آیت مبارکہ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ان منکرین کو خطاب ہے جو آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے میں طرح طرح کے شکوک و اوہام اور اعتراضات کرتے تھے تو فرمایا گیا آپ اس بات کا اعلان کر دیجئے کہ میں کوئی انوکھا اور عجیب رسول نہیں ہوں کہ تم کو میری نبوت پر ایمان لانے اور اس کو سمجھنے میں کوئی دشواری ہوئی بلکہ میری رسالت و نبوت اور وحی انبیاء سابقین کی طرح ہی ہے اس عنوان میں ایک طرف مکذبین و منکرین کو قرآن کریم کے وحی الٰہی اور آپ کی شانِ رسالت کو سمجھنے کی دعوت دی جارہی ہے تو دوسری طرف انبیاء سابقین کی تاریخ کی طرف بھی ذہنوں کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ اس قدیم تاریخ سے عبرت حاصل کریں کہ انکی قوموں نے جب انکو جھٹلایا تو عذاب خداوندی سے تباہ و برباد کر دیئے گئے تو اے قریش مکہ تم بھی اپنے انجام سے غافل نہ رہو اسی کے ساتھ اہل کتاب کو بھی گویا مخاطب کر کے یہ بتایا جارہا ہے کہ جب انبیاء سابقین کی نبوت اور ان پر نازل کی ہوتی کتابوں کو اہل کتاب پہچانتے ہیں تو بس انکو حقیقت وحی اور میری ـــــ رسالت کو بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہیئے اسی حقیقت کو قرآن کریم کی اس آیت میں ظاہر فرما دیا گیا اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔

مَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ : کی تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی مجھے اس سے سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہونا ہے میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا نہ میں اس وقت پوری پوری تفاصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلا سکتا ہوں کہ دنیا و آخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی ہاں ایک بات کہتا ہوں کہ میرا کام صرف وحی الٰہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا ہے اور کفر و عصیان کے تحت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے آگے چل کر دنیا یا آخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آنے والا ہے اس کی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کوئی مطلب ـ بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس ـ

ان کلمات میں مَآ اَدْرِيْ کی مراد دنیا و آخرت کے احوال کے تعمیم کے ساتھ فرمائی ہے اور اصل مقصد آیت کی توضیح و تعیین سے ان اشکالات کو رفع کر دیا جو بعض مفسرین کو اس لحاظ سے پیش آتے کہ آخرت کے بارہ میں تو انجام کا علم آپ کو متعدد آیات اور وحی خداوندی سے ہو چکا تھا جن میں آپ کے درجات کی عظمت و برتری بیان کر دی گئی تھی حتیٰ کہ مقام محمود میں اٹھانے کی بشارت دے دی گئی تو پھر مَآ اَدْرِيْ کا مفہوم بلحاظ آخرت کیا ہو گا حضرت شیخ کے یہ کلمات متقدمین مفسرین اور ائمہ کو اس سلسلہ میں پیش آنے والے اشکالات اور ان کے دیئے ہوئے جوابات سے ذہن کو علیحدہ رکھتے ہوئے اصل مراد اور مقصد آیت کو متعین اور واضح کر رہے ہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ نے بلحاظ آخرت اسکی تفسیر میں یہ فرمایا کہ یہ آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ سے قبل نازل ہوئی تھی اسکے بعد پھر حق تعالیٰ نے اعلان فرمایا جس سے

ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت میں آپؐ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا یہ جان لیا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ضحاکؒ سے اسکی تفسیر میں بیان کیا کہ "مجھے معلوم نہیں ہے کہ اس کے بعد مجھے کیا حکم دیا جائے گا اور کس چیز سے مجھ کو منع کیا جائے گا"۔

حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ یہ نفی علم معاذ اللہ آخرت کے انجام کے لحاظ سے نہیں کیونکہ آخرت کی عظمت وسیادت تو آپؐ کو بتادی گئی اور آپؐ نے اسکو جان لیا اب یہ نفی علم دنیا کے لحاظ سے ہے کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا میں اپنے وطن سے نکالا جاؤں گا جیسے کہ دوسرے انبیاء نکالے گئے یا قتل کر دیا جاؤں گا جیساکہ دوسرے انبیاء کو بھی قتل کیا گیا اور اسی طرح میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا کہ تم کو زمین میں دھنسایا جائے گا جیساکہ پہلی امتوں کو دھنسایا گیا یا مسخ کیا جائے گا جیساکہ بعضوں کو کیا گیا یا پتھروں کی بارش کر کے ہلاک کر دیا جائے گا جیساکہ بعض قوموں کو ہلاک کیا گیا اسی طرح یہ بھی نہیں جانتا کہ اے لوگو تم ایمان لاؤ گے یا کفر ہی پر قائم رہتے ہوئے عذاب خداوندی سے تباہ کر دیئے جاؤ گے۔

رہا اس حدیث کا مضمون جو خارجہ بن زیدؒ ام العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سند سے بیان کرتے ہیں یہ ام العلاءؓ ان صحابیات میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اور مہاجرین کی نصرت کا عہد کیا تھا تو جب انصار نے حضرات مہاجرین کو قرعہ اندازی کے ذریعہ اپنی اپنی برادری میں شریک کیا تو حضرت عثمان بن مظعونؓ کا قرعہ ان کے نام پر نکلا عثمان بن مظعونؓ بیمار ہوئے اور وفات پاگئے تو جب انکو غسل دینے کے بعد کفنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ام علاءؓ بیان کرتی ہیں میری زبان سے یہ کلمات نکلے اے ابو السائب (یہ کنیت تھی عثمان بن مظعونؓ کی) خدا کی رحمتیں تم پر ہوں میری گواہی ہے تمہارے متعلق کہ خدا نے تمہارا بڑا اکرام کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور تمہیں کیا معلوم کہ خدا نے انکے ساتھ کیسا معاملہ اکرام کا کیا ایک روایت میں یہ ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ اگر ان کا اکرام نہ ہوا تو پھر اللہ کے یہاں کس کا اکرام ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ام علاءؓ بس ان پر انکے رب کی طرف سے یقین واقع ہوگیا یعنی موت آچکی اور مجھے انکے بارہ میں خیر کی امید ہے اور حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

تو یہ ان بشارات کے منافی نہیں ہے جو آپؐ کے بارہ میں رفع درجات اور اس مقام محمود میں اٹھائے جانے کے متعلق ہے جس پر اولین وآخرین رشک کرتے ہوں گے مقصود آپؐ کا یہ تھا کہ احوال آخرت کی الواع تو بے شمار ہیں نفس نجات وجنت متعین ہونے کے باوجود وہاں کا کیا حال ہوگا کس قسم کا معاملہ ہوگا یہ کوئی نہیں جانتا۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ اس پر بطور فائدہ یہ فرماتے ہیں پس جب اپنے اور تمہارے

احوال آئندہ کے علم کا باوجود شدت تلبس ان احوال کے میں مدعی نہیں ہوں تو اور مغیبات بعیدہ کی نسبت تو میں کیا دعویٰ کرتا پس اس باب میں بھی کسی امر عجیب کا مدعی نہیں ہوں یہ وہی چیز ہے جو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ الخ، جن احوال وامور کا وحی سے علم ہو گیا ہے خواہ وہ اپنے متعلق ہوں یا غیر کے اور خواہ دنیاوی احوال ہوں یا اخروی ان کا علم بے شک کامل ہے اور اسی کا اشارہ آئندہ یہ الفاظ کر رہے ہیں اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجاہدؒ ضحاکؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ یہ شاہد بنی اسرائیل اور علماء تورات میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر پہلی نظر پڑتے ہی آپؐ کی نبوت کو پہچان لیا اور اعتراف کیا کہ آپؐ اللہ کے وہی سچے رسول ہیں جن کی کتب سابقہ میں بشارت موجود ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب کے مشرکین بنی اسرائیل کے علم و فضل سے مرعوب تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا اور آپؐ کی تعلیمات سے بہت سے لوگ متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے اور عرب میں اس بات کا کافی چرچا ہونے لگا تو مشرکین نے چاہا کہ اہل کتاب کا عندیہ لیں کہ وہ کیا کہتے ہیں اور اس سلسلے میں انکی کیا رائے ہے مقصد یہ تھا کہ وہ آپؐ کی تکذیب کر دیں گے تو ایک بات ہاتھ آجائے گی اور اسکو سند بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے کہ دیکھو اہل علم اور اہل کتاب بھی ان باتوں کو غلط کہتے ہیں مگر مشرکین اپنی اس غرض میں ناکام ہوئے حق تعالیٰ شانہٗ نے انکی بنی اسرائیل کی زبانوں سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرائی نہ صرف اسی حد تک بلکہ انہوں نے اقرار کیا کہ اس عظیم الشان رسول کی بشارت اور انکی علامات ونشانیاں تو ہماری کتابوں میں موجود ہیں اور یہ کتاب (قرآن کریم) بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ اس کا ذکر کتب سماویہ میں فرمایا گیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور کعب احبارؓ جیسے حق پرست علماء یہود اسلام لاتے اور جو لوگ ان میں متعصب ومعاند اور جاہ پرست تھے انہوں نے جان بوجھ کر بھی عناد اور انکار کی روش اختیار کی تو اس آیت مبارکہ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ میں اسی چیز کو بیان فرمایا جا رہا ہے۔

ابو یعلی طبرانی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ عوف بن مالک الاشجعیؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد سے نکل کر) باہر جانے لگے اور میں آپؐ کے ساتھ تھا یہاں تک کہ

سلہ تفسیر ابن کثیر جلد ۴ روح المعانی قرطبی۔ فوائد عثمانی بیان القرآن

یہودیوں کے کنیسہ میں داخل ہوتے یہ انکی عید کا دن تھا ان لوگوں کو اس روز ہمارا وہاں پہنچنا کچھ پسند نہیں
کیا آپ نے اندر جانے کے بعد فرمایا اے یہودیو! مجھے وہ بارہ آدمی دکھاؤ جو گواہی دیتے ہوں لَآ اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ وَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو آسمان کے نیچے جو بھی یہودی ہے اس سے اللہ تعالیٰ اپنا غضب
دور فرما دے گا یہ سن کر وہ سب خاموش ہو گئے کسی نے کوئی جواب نہ دیا اسکے بعد آپ نے فرمایا تو
بھی کسی نے جواب نہ دیا آپ نے پھر تیسری مرتبہ فرمایا تب بھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا اسکے بعد آپ نے فرمایا اچھا اگر تم جواب نہیں دیتے تو سن لو میں الحاشر
ہوں میں ہی عاقب ہوں اور میں ہی مقفی ہوں خواہ تم ایمان لاؤ یا انکار کرو یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کنیسہ سے لوٹنے لگے اور میں آپ کے ساتھ تھا
ہم نکلنے ہی والے تھے کہ ایک شخص آپ کے پیچھے سے یہ کہتے ہوئے اے محمدؐ ذرا آپ اسی جگہ ٹھہریں آپ
نے اس شخص کی طرف رخ کیا تو اس نے کہا اے گروہ یہود تم لوگ مجھے کیسا سمجھتے ہو سب نے جواب
دیا خدا کی قسم ہم میں سے کوئی شخص تم سے زیادہ کتاب اللہ کا نہ عالم ہے نہ تم سے زیادہ کوئی سمجھنے والا
ہے اور نہ تمہارے باپ سے اور نہ تمہارے دادا سے۔

جب یہودی یہ کہہ چکے تو اس شخص نے کہا تو پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں
اور محمدؐ اللہ کے برحق رسول ہیں میں خدا کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کو تم تورات
و انجیل میں پاتے ہو یہ سن کر سب یہودی غیظ و غضب میں مشتعل ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم جھوٹے ہو
تم ہمارے میں سب سے برے اور سب سے بُرے آدمی کے بیٹے ہو راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ
عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو میں اور عبداللہ بن سلامؓ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہاں
سے باہر چلے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ
وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الخ

علامہ آلوسیؒ نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ آیت مدینہ
منورہ میں نازل ہوئی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ
اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو اگر یہ

كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ
کچھ بہتر ہوتا تو یہ نہ دوڑتے اس پر پہلے ہم سے اور جب راہ

يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪
پر نہیں آئے اسکے بتانے سے تو یہ اب کہیں گے یہ جھوٹ ہے مدت کا

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا

اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ کی ہے راہ ڈالتی اور مہر اور ایک یہ

كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ

کتاب ہے اسکو سچا کرتی عربی زبان میں کہ ڈر سناوے گنہگاروں کو

وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ

اور خوشخبری نیکی والوں کو مقرر جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ ﴿۱۳﴾

پھر ثابت رہے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھاویں گے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

وہ ہیں بہشت کے لوگ سدا رہیں گے اس میں بدلہ اس کا جو کرتے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ

تھے اور ہم نے تاکید کیا ہے انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ

پیٹ میں رکھا اسکو اسکی ماں نے تکلیف سے اور جنا اسکو تکلیف سے اور حمل میں رہنا اسکا اور دودھ

ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ

چھوڑنا تیس مہینے میں ہے یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچا چالیس برس

سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ

کو کہنے لگا اے رب میرے میری قسمت میں کر کہ شکر کروں احسان تیرے کا جو مجھ

اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ

پر کیا اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں نیک کام جس سے تو راضی ہو

وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۚ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ

اور نیک دے مجھ کو اولاد میری میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں ہوں

الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ

حکم بردار وہ لوگ ہیں جن سے ہم قبول کرتے بہتر سے بہتر

مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ

کام جو کیے ہیں اور معاف کرتے ہیں ہم برائیاں اُن کی جنت کے لوگوں میں

وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِي قَالَ

سچا وعدہ جو ان کو ملنا تھا اور جس شخص نے کہا

لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ

اپنے ماں باپ کو میں بیزار ہوں تم سے کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا

الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ

قبر سے اور گزر چکی ہیں راتی سنگتیں مجھ سے پہلے اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے کرلے خرابی تیری تو ایمان

إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُولُ مَا هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ

لا بے شک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پھر کہتا ہے یہ سب نقلیں ہیں

الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ

پہلوں کی وہ لوگ ہیں جن پر ثابت ہوئی بات شامل اور فرقوں میں

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ

جو گزرے ہیں ان سے پہلے جنوں کے اور آدمیوں کے بیشک وہ

كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ

تھے ٹوٹے میں آتے اور ہر فرقے کے کئی درجے ہیں اپنے کیے کاموں سے اور تا پورے

اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ

انکو کام اُنکے اور ان پر ظلم نہ ہو گا اور جس دن لاتے جاویں گے

كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا

منکر آگ کے سرے پر ضائع کیئے تم نے اپنے مزے اپنے دنیا کے جیتے

وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا

اور ان کو برت چکے اب ۔ آج سزا پاؤ گے ذلت کی مار بدلہ اسکا

كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ

جو تم غرور کرتے تھے ملک میں ناحق اور اس کا جو تم

تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

بے حکمی کرتے تھے

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الیٰ .... وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ

(ربط) ماقبل آیات میں کتاب الٰہی کی عظمت بیان کرتے ہوئے کفار کے بے ہودہ اعتراضات کا ذکر تھا اب ان آیات میں اسی طرح چند لغو اور مہمل اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اہل ایمان کی استقامت کا ذکر اور ان پر حق تعالیٰ شانہٗ کے خاص انعامات بیان کیئے جا رہے ہیں اسی کے ساتھ انسان کی سعادت مندی اور اسکی محرومی اور بدنصیبی کا ایک معیار اور ضابطہ بھی بیان فرمایا جا رہا ہے ارشاد فرمایا۔

اور کہنے لگے کافر ایمان والوں کو اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ لوگ اسکی طرف ہم سے پہلے سبقت نہ کرتے کیونکہ ہم لوگ عزت والے اور عقل مند ہیں بہتر چیز کی طرف سبقت کرنا ہمارا ہی کام ہے جب ہم نے اسکو قبول نہیں کیا اور اسکو قبول کرنے والے غلام اور لونڈی کمزور اور غریب ہیں جیسے

بلال، صہیب، عمار، خباب اور سمیہ رضی اللہ عنہم تو معلوم ہوا کہ یہ دین کوئی بہتر دین نہیں ظاہر ہے کہ کافروں کی یہ باتیں مہمل اور خلاف عقل ہیں اور یہ لوگ جب اس دینِ حق کی ہدایت اور راہ نہ پا سکے تو آئندہ یہ کہیں گے یہ پرانا جھوٹ ہے کہ انبیاء سابقین بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے وہ بھی خدا پر بہتان تھا یہ بھی خدا پر بہتان ہے اور یہ اسکے رسول نہیں حالانکہ[1] اس سے پہلے تو موسیٰ کی کتاب تھی جو انکے واسطے پیشوا سیدھی راہ پر ڈالنے والی اور رحمت کا سامان تھی اور یہ کتاب قرآن کریم اسکی تصدیق کرنے والی ہے جو عربی زبان میں ہے اس وجہ سے اہلِ عرب اسکو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور ان پر اس کتاب الٰہی کی حقانیت کسی درجہ میں بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی اس وجہ سے کہ ڈراتے ظالموں کو اور خوشخبری سناتے نیکی کرنے والوں کو کتاب الٰہی اور وحی خداوندی سے یہ قانون طے ہو چکا ہے کہ بے شک جن لوگوں نے کہہ لیا دل کے اعتقاد اور ایمان ویقین کے ساتھ کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اسی پر ثابت قدم رہے اور انکی عملی زندگی کے ہر شعبہ سے حق تعالیٰ کی الوہیت وربوبیت کے عقیدہ پر ثابت قدم رہنے کا ثبوت ملتا ہے تو ان پر نہ کوئی خوف واندیشہ ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے اطمینان وسکون اور ہر غم وصدمہ سے محفوظ یہ لوگ بہشت والے ہوں گے جو ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے یہ ان اعمال کا بدلہ ہو گا جو وہ اپنی زندگی میں کرتے تھے جو حق تعالیٰ اپنی رحمت سے انکو عطا فرمائے گا اس کتاب الٰہی میں جو کتب سماویہ کے واسطے مصدق ہے اور زبان عربی میں نازل کی گئی جس کو اہل عرب بخوبی سمجھ سکتے ہیں انسانی سعادت کے جملہ اصول بیان کر دیئے گئے ہیں جہاں اس کتاب الٰہی میں عقیدۂ ربوبیت کے حقوق اور تقاضوں کو پورا کرنے کے احکام ان بندوں کے واسطے اتارے گئے جو اسکے رب ہونے کا اقرار کر چکے اسی کے ساتھ حقوق العباد بھی ادا کرنے کی ہدایت وتاکید فرما دیگئی وحی الٰہی ایک طرف رب کے حقوق ادا کرنے کا حکم دے رہی ہے تو دوسری طرف انسان کو اپنے مُربّی کے حقوق ادا کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا باپ کے احسانات وانعامات انسان اپنے شعور کے عالم میں محسوس کر ہی لیتا ہے ماں کی شفقت ومحبت اور اس کے انعام واحسان کو ہر انسان اس طرح سمجھ سکتا ہے کہ اسکی ماں نے اسکو پیٹ میں رکھا ایک مدت تک تکلیف کے ساتھ اور اسکو جنا ہے تکلیف سے کہ حالتِ حمل میں بوجھ برداشت کیا طرح طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں بھی پیش آئیں پھر وضع حمل کے وقت بھی مشقت اور خطرہ کا مقابلہ کیا اور اس کا حمل اور دودھ کا چھڑانا تیس مہینہ میں ہے یہاں تک کہ جب پہنچ گیا اپنی قوت کو کہ جسمانی قویٰ کے لحاظ سے پوری توانائی اور طاقت آگئی اور پہنچا

[1] ترجمہ میں لفظ حالانکہ اختیار کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ آیت وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ میں واؤ حالیہ ہے ۱۲

چالیس برس کی عمر کو جس پر پہنچ کر اسکی عقلی اور فکری صلاحیتیں بھی مکمل ہوگئیں تو یہ صاحب سعادت اور عقل وفطرت کے مطابق روش اختیار کرنے والا انسان اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرکے کہنے لگا اے میرے رب مجھے اس بات کا حصہ عطا کردے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تونے مجھ پر فرمائی اور میرے ماں باپ پر اور مجھے اس امر کی توفیق عطا فرما کہ میں ایسا نیک کام کروں جسکو تو پسند کرے اور صالح بنادے تو میری اولاد کو میرے واسطے کہ دنیا میں بھی ان کے صلاح وتقویٰ اور سعادت مندی سے مجھے خوشی اور راحت حاصل ہو اور آخرت میں بھی اولادِ صالح کی نیکیوں سے میرے لیئے اللہ کی عنایات اور رحمتوں میں اضافہ ہو میں آپ کی طرف اے پروردگار رجوع کرتا ہوں اپنے گناہوں سے تائب ہوتے ہوئے اور بیشک میں آپ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں[۱]

یہ ہے وہ سعادت وصلاح کا نمونہ جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی ہمہ وقت کوشش میں لگا ہوا ہے جو اپنی صلاحیت کے باعث اللہ رب العزت سے تین چیزوں کا طالب ہے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کے شکر کی توفیق عطا فرمائے دوسرے یہ کہ ایسے عمل کی توفیق سے نواز دے جو اسے پسند ہو اور اس عمل سے وہ راضی ہوجائے تیسرے یہ کہ اولاد کو نیک اور صالح بنادے یہی تین چیزیں درحقیقت سعادت بشریہ ہیں اور اس سعادت اور خوبیوں سے متصف افراد اہلِ ایمان میں سے بارگاہِ خداوندی میں پسندیدہ افراد ہیں انکے بارہ میں رب العالمین کا یہ پیغام بشارت ہے کہ یہ ہیں وہ لوگ جن سے ہم قبول کرتے ہیں انکے وہ بہتر کام جو انہوں نے کیئے اور درگزر کرتے ہیں ہم ان کی برائیوں سے اس طرح کہ وہ جنت والوں میں سے ہیں یہ اللہ کا وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے ہمیشہ کیا جاتا تھا بلاشبہ ان کا مقام اللہ کے سچے وعدہ کے مطابق اہل جنت میں ہوگا اور بطورِ اکرام دخولِ جنت کے وقت اس کا اظہار کیا جاتا ہوگا یہ تو پیکر سعادت اور ایمان وتقویٰ کی خوبی سے متصف انسان کا حال ہے اور اس کے بالمقابل جو شقاوت وبدبختی میں مبتلا انسان ہوگا وہ ایسا شخص ہے جس نے اپنے ماں باپ کو کہا جب کہ اس کے ماں باپ ایمان وتقویٰ کی دعوت دیتے ہوں افسوس ہے تم پر کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو اور ڈراتے ہو میں نکالا جاؤں گا قبر سے یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ بہت سے قرن انسانوں کے جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں سے کوئی بھی اب تک زندہ ہوکر نہیں آیا تو پھر میں کیونکر اس بات کا اعتبار کرلوں اس ناعاقبت اندیش بدبخت انسان کے شفیق ومحسن ماں باپ جذبۂ

---

[۱] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ مہاجرین وانصار میں سے صرف صدیق اکبرؓ ہی ایک ایسے شخص ہیں جو خود بھی ایمان لاتے اور انکے والدین بھی اور انکی اولاد بھی فتح مکہ کے بعد انکے گھرانہ میں ایک فرد بھی ایسا باقی نہ رہا تھا جو اسلام نہ لے آیا ہو۔

اخلاص و محبت میں اسکو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہوتے کہتے ہیں
ہلاکت و بربادی ہو تیرے واسطے بس ایمان لے آ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اس بدبخت انسان کے
ماں باپ اگرچہ نصیحت کرتے ہیں اللہ سے اسکی توفیق و ہدایت کی دعا بھی کرتے ہیں پھر اپنی عظمت
و بزرگی کا حق ادا کرتے ہوتے ڈانٹتے بھی ہیں مگر پھر کہتا ہے نہیں ہیں یہ سب باتیں مگر پہلوں کی نقل
کی ہوئی کہانیاں جو ہم پرانے وقتوں سے سنتے چلے آرہے ہیں جن کا کوئی واقعی مصداق نہیں تو یہ ہیں وہ
لوگ جن پر خدا کا فیصلہ عذاب ثابت ہو چکا ان امتوں کے درمیان انکا شمار ہونے کی وجہ سے جو پہلے گزر
چکیں جنوں میں سے اور انسانوں میں سے یقیناً وہ لوگ خسارہ میں تھے کیونکہ اللہ نے فطری طور پر ایمان و ہدایت
کا جوہر ان میں ودیعت رکھا تھا اسکو ضائع کر دیا اور ہر ایک کے واسطے درجے ہیں اپنے کیتے ہوتے
کاموں کے مطابق اور یہ سب کچھ احکام خداوندی وحی الٰہی اور ہدایت و گمراہی کے اصول اور نجات و ہلاکت
کے راز اس لیئے نازل کر دیئے گئے تاکہ اللہ تعالیٰ پورا پورا بدلہ دیدے ان کے اعمال کا اور ان پر کوئی
ظلم نہیں کیا جائے گا نہ کسی کی نیکی ضائع کی جائے گی اور نہ ہی یہ ہوگا کہ کسی کو بلا جرم کے سزا دی جائے
قیامت برحق ہے وہ آکر رہے گی اور جس دن لاتے جائیں گے کافر آگ کے سامنے جہنم کے کنارے
تو انکو کہا جائے گا لیجا چکے ہو تم اپنے مزے دنیا کی زندگی میں اور ان سے تم نفع اٹھا چکے ہو لیکن اس
دنیوی زندگی کو تم نے غفلت و لاپرواہی اور نافرمانی میں گزار دیا بس اب آج کے دن تم کو ذلت
کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس غرور و تکبر کی وجہ سے جو تم زمین یعنی دنیا میں کرتے تھے ناحق اور ان
نافرمانیوں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ جھوٹی شیخی اور تکبر کی سزا یہی ہے کہ ذلت
و رسوائی کا عذاب مسلط ہو۔

فائدہ اَذْهَبْتُمْ کی مراد ترجمہ کے الفاظ سے یہ ظاہر کی گئی کہ حاصل کرلیں دنیا کی لذتیں اور
راحتیں بعض ائمہ مفسرین نے اذھب باب افعال سے ہونے کی وجہ سے ازالہ
اور اضاعت کے معنی کیئے ہیں تو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ضائع کر دیئے تم نے اپنے مزے یعنی
صورۃً وہ نیکیاں اور بھلائیاں جو کیں وہ اس بنا پر کہ ایمان کی روح ان اعمال میں موجود نہ تھی ضائع کر دیں اور
آخرت میں ان کا کوئی ثمرہ اور فائدہ تو کیا ہوتا الٹا عذاب و ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سے جن وانس کی تعمیم اسی فرمان کے مطابق ہے جو ارشاد فرمایا گیا لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ چونکہ حق تعالیٰ کی بندگی اور اسکی الوہیت پر ایمان لانے کے مکلف جن وانس
دونوں ہیں جیسے کہ فرمایا گیا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. تو انسانوں
کی طرح جو جنات منکر و نافرمان رہے وہ بھی کفار و مشرکین کی طرح جہنم
کا ایندھن بنتے۔

مدتِ حمل و زمانۂ رضاعت کے بارہ میں مفسرین کی تحقیق

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت اور سورۂ لقمان کی آیت وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ سے بعض ائمہ مفسرین نے یہ استدلال کیا ہے کہ مدت حمل کم از کم چھ ماہ ہے اور دو سال مدت رضاعت کا بیان ہے جو کہ سورۂ لقمان میں فرمایا گیا اور مدت رضاعت اور مدت حمل دونوں کو مجموعی طور پر یہاں اس آیت میں ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (تیس ماہ) کی تعبیر سے ذکر فرمایا اس استدلال کو درست فرماتے ہوئے محمد بن اسحاق کی سند سے ایک حدیث کا مضمون بیان کیا کہ ایک واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسا ہی پیش آیا کہ ایک شخص کے یہاں نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور صورت حال بیان کی ابتداءً عثمان غنیؓ کو تردد ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس میں کوئی تردد نہ کیا جائے کیا آپ قرآن کریم کی یہ آیت نہیں دیکھتے وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اور دوسری جگہ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اور سورۂ لقمان میں ہے وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ تو جب دودھ پلانے کی مدت دو سال ہوئی تو ظاہر ہے کہ تیس ماہ میں سے اب حمل کے لیے چھ ماہ ہی باقی رہیں گے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے موافقت فرمائی اس روایت سے بہرکیف یہ معلوم ہوا کہ امکان ہے کہ وضع حمل چھ ماہ میں بھی ہو جاتے۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرمایا اگر وضع حمل نو ماہ میں ہو تو پھر دودھ پلانے کی مدت ۲۱ ماہ رکھی جاتے اگر سات ماہ میں وضع حمل ہو تو ۲۳ مہینہ تاکہ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا کی تکمیل وتعمیل ہو جاتے کیونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔[1]

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ مجموعی مدت حمل و رضاعت کی تیس ماہ بطورِ عادت اکثر یہ بیان کی گئی ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "لڑکا اگر قوی ہو تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑتا ہے اور نو مہینہ حمل کے" اس طرح تیس ماہ ہو گئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں اس مجموعی مدت میں ایک چیز یعنی حمل کی اقل مدت چھ ماہ اور رضاعت کی اکثر مدت یعنی دو برس اس وجہ سے اختیار کی گئی کہ یہی دو مدتیں منضبط ہو سکتی ہیں ورنہ دودھ چھڑانے کی کم سے کم مدت کی کوئی تحدید نہیں اسی طرح اکثر مدت حمل کی بھی کوئی تحدید قطعی نہیں روح المعانی میں جالینوس اور ابن سینا کا مشاہدہ نقل کیا ہے۔[2]

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴   [2] تفسیر بیان القرآن ج ۲

فقہ حنفی میں امام ابوحنیفہؒ سے مدت رضاعت ڈھائی سال بیان کی گئی ہے تفسیر مدارک میں امام اعظمؒ سے اسکی تفسیر میں یہ ذکر کیا گیا وَحَمْلُهٗ بالاکف یعنی بانہوں اور گود میں اٹھانا اور بانہوں پر لیئے پھرنا جو کہ بالعموم شیر خوارگی کے زمانہ میں ہوتا ہے اور سورۂ بقرہ کی آیت یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ میں دو سال کی مدت بلحاظ اجرت رضاعت بیان فرمائی گئی ہوگی کہ اس سے زائد مدت کی رضاعت کے مصارف والد کے ذمہ نہ ہوں گے اگر کسی مرضعہ سے دودھ پلوانا ہے فتویٰ اگرچہ جمہور کے قول پر ہے مگر حرمت رضاعت کے مسئلہ میں احتیاط یہی ہے کہ امام صاحبؒ کے قول پر عمل کیا جاتے۔

فائدہ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً میں انسان کی جوانی اور قویٰ کی مضبوطی بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا "اور پہنچ گیا چالیس سال کی عمر کو" جو قوائے عقلیہ اور فکریہ کا کمال اور اس کا بلوغ ہے انسان کا فہم اور فکر جس حالت پر چالیس برس کی عمر میں پہنچ جاتا ہے اسکے بعد بالعموم اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ اسکی نشو ونما کا دور مکمل ہو چکا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو خلعت نبوت و رسالت چالیس برس کی عمر پر عطا فرمایا گیا۔

حافظ موصلیؒ نے حضرت عثمانؓ کی روایت بیان کی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمان بندہ جب چالیس برس کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب ہلکا فرما دیتا ہے اور جب ساٹھ برس کا ہو جاتا ہے تو اسکو رجوع الی اللہ کی صلاحیت و توفیق نصیب ہوتی ہے اور جب ستر برس کا ہو جاتے تو آسمانوں میں ملائکہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی برس کا ہو جاتے تو اسکی خطاؤں کا کفارہ ہونے لگتا ہے اور اس کی نیکیاں اللہ تعالیٰ ثابت فرما دیتا ہے اور اگر نوے برس کا ہو گیا تو اسکے گناہوں کی مغفرت کے ساتھ اسکی شفاعت بھی اسکے گھر والوں کے لیے قبول کر لی جاتی ہے اور آسمان والے اسکو کہتے ہیں اسیر اللہ فی ارضہ [1]

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ کے ترجمہ میں جو توضیحی الفاظ اضافہ کیے گئے ان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ان کلمات سے پہلے اس انسان کا ذکر تھا جو سعادت و تقویٰ کا پیکر ہے اسکے بعد شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہونے والے انسان کا بیان ان کلمات سے فرمایا جا رہا ہے کہ ہر بدبخت انسان کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ جب اسکے ماں باپ اسکو رشد و ہدایت کی دعوت دیتے ہیں وہ انکی ہمدردانہ نصیحتوں کو ایسے ہی انداز سے ٹھکرا دیتا ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں یہ ہر اس کافر کا ذکر ہے جو اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہو جو اس کو

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴۔ اخرجہ الحافظ الموصلی و روی من غیر هذا الوجه فی مسند الامام احمد و قد طعن المحدثون علی اسنادہ ۱۲

رشد و ہدایت کی دعوت دیتے ہوں اور وہ ماں باپ کی بات ٹھکرا رہا ہو اور مسلسل انکارِ قیامت کرتا ہے اور کسی طرح کفر سے باز نہ آتے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ اس آیت کا مصداق کسی معین شخص کو قرار دیا جائے۔

مروان کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جس وقت کہ وہ خطبہ دے رہا تھا ابن ابی حاتم نے عبداللہ المدینی سے روایت کی ہے کہ مروان جس وقت خطبہ دے رہا تھا تو میں مسجد میں تھا وہ کہنے لگا کہ میں امیر المؤمنین یزید کے متعلق بہتر رائے رکھتا ہوں اگر امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کیا تھا تو ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی تو اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا یعنی ابوبکرؓ نے عمر فاروقؓ کو متعین کیا تھا اور عمر فاروقؓ نے چھ حضرات کی مجلس شوریٰ مقرر کرکے ان ہی میں سے کسی ایک کو خلافت کے واسطے فرما دیا تھا لہٰذا یہ تو ابوبکرؓ و عمرؓ کا طریقہ اور انکی سنت ہوئی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کہنے لگے کیا یہ طریقہ اور میراث ہرقل کی نہیں ہے؟ خدا کی قسم ابوبکرؓ و عمرؓ نے نہ تو اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ بنایا اور نہ ہی اپنے خاندان کے کسی فرد کو اور فرمایا کیا تو وہ ابن اللعین نہیں ہے کہ تیرے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت لعنت فرمائی تھی جب تو اس کی پشت میں تھا یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سن لی اور فرمایا اے مروان کیا تو عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے بارہ میں ایسا کہتا ہے تو جھوٹ بول رہا ہے خدا کی قسم یہ آیت ان کے بارہ میں نازل نہیں ہوئی یہ تو فلاں ابنِ فلاں کے متعلق اتری ہے اور اگر میں چاہوں تو انکے نام بھی بتا سکتی ہوں (روح المعانی ج ۲۶ تفسیر ابنِ کثیر ج ۴)

سب سے بڑا قرینہ اس بات کا خود قرآنِ کریم کے وہ الفاظ ہیں جو اس آیت میں مروان کے دعویٰ کی تردید کر رہے ہیں کیونکہ اس مضمون کا اختتام أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ یہ بتا رہا ہے کہ یہ ذکر اُن بدبخت اور شقاوت کے پیکر بیٹوں کا ہے جو ماں باپ کے پیغام رشد و ہدایت کو ٹھکرا دیں اور زندگی میں کبھی قبول نہ کریں حتیٰ کہ کفر پر خاتمہ ہو جائے اور اس کا انجام ان ہی نافرمان قوموں کی طرح ہو جو گزر چکیں اور خدا کے عذاب کا فیصلہ انکے حق میں ہو گیا تو ظاہر ہے ان الفاظ کا مصداق ہرگز ایسا کوئی فرد نہیں ہو سکتا جو ایمان کی سعادت سے مشرف ہوا ہو اور شرف صحابیت نصیب ہوا ہو حجۃ الوداع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا ہو ناممکن ہے کہ ان خصائص و فضائل کے حامل فرد کو قرآن کریم اس طرح معذبین اور مجرمین کی فہرست میں درج کر دے اور عذاب کا فیصلہ بھی کر دیا جائے (واللہ اعلم بالصواب)

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ

اور یاد کر عاد کے بھائی کو جب ڈرایا اپنی قوم کو احقاف میں

وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ

اور گزر چکے تھے ڈرانے والے آگے سے اور پیچھے سے

أَلَّا تَعْبُدُوٓا إِلَّا اللّٰهَ ۭ إِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

کہ بندگی نہ کرو کسی کی اللہ کے سوا میں ڈرتا ہوں تم پر آفت سے ایک

عَظِيمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوٓا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا ۚ فَأْتِنَا بِمَا

بڑے دن کی بولے کیا آیا ہے ہم پاس کہ پھیر دے ہم کو ہمارے ٹھاکروں سے سو لے آ ہم

تَعِدُنَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۲۲﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ

پر جو وعدہ دیتا ہے اگر ہے تو سچا کہا یہ خبر تو اللہ ہی کو ہے

عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَأُبَلِّغُكُمْ مَّآ أُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيٓ أَرٰىكُمْ قَوْمًا

اور میں پہنچا دیتا ہوں جو کچھ دیا میرے ہاتھ لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ

تَجْهَلُونَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ ۙ

نادانی کرتے ہو پھر جب دیکھا اس کو ابر سامنے آیا انکے نالوں کے

قَالُوا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ

بولے یہ ابر ہے ہم پر برسے گا کوئی نہیں یہ وہ ہے جسکی تم شتابی کرتے تھے

رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا

باؤ ہے جس میں دکھ کی مار ہے اکھاڑ مارے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے

فَأَصْبَحُوا لَا يُرٰىٓ إِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ

پھر کل کو رہ گئے کوئی نظر نہیں آتا سوائے ان کے گھروں کے یوں ہم سزا دیتے ہیں گنہگار

الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيمَآ إِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيهِ وَ

لوگوں کو اور ہم نے مقدور دیئے تھے ان کو جو تم کو مقدور نہیں دیئے اور

جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

ان کو دیئے تھے کان اور آنکھیں اور دل پھر کام نہ آئے انکو

سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ

کان انکے نہ آنکھیں ان کی نہ دل ان کے کسی چیز میں، کہ تھے

كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اس پر منکر ہوتے اللہ کی باتوں سے اور الٹ پڑی ان پر جس بات سے

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾

ٹھٹھا کرتے تھے

تسلی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بر تکذیب کفار و مجرمین

قال تعالیٰ ۔ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ

(ربط) سعادت وشقاوت کا ایک بنیادی ضابطہ اور قبول ایمان واعراض عن الحق پر مرتب ہونے والے ثمرات ونتائج کا ذکر کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے امم سابقہ کا حال بیان کرتے ہوئے کہ کس طرح اللہ کے پیغمبر انکو ہدایت کی دعوت دیتے رہے بالآخر جب وہ اپنی بغاوت وسرکشی سے باز نہ آئے تو خدا تعالیٰ کے قہر وعذاب سے تباہ وبرباد کردیئے گئے فرمایا۔

اور یاد کرو عاد کے بھائی ہود علیہ السلام کو جب کہ ڈرایا انھوں نے اپنی قوم کو احقاف میں جبکہ ان سے پہلے بھی نبی اپنی قوموں کو ڈراتے رہے اور بہت سے ڈرانے والے ان سے پہلے

ملہ ہر پیغمبر چونکہ خود اپنی قوم میں مبعوث ہوتے اس بناء پر حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی فرمایا گیا دیگر انبیاء کی طرح جیسے کہ ارشاد ہے وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۔ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ہود علیہ السلام سے پہلے اور انکے بعد بہت سے ڈرانے والے آئے جنہوں نے اپنی اپنی قوم کو عذابِ خداوندی سے ڈرایا اور سب کا یہی ایک پیغام تھا اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

گزر چکے تھے اور انکے پیچھے بھی سب کا پیغام یہی تھا کہ بندگی کرو کسی کی بھی سوائے اللہ کے میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے ہیبت ناک دن کی آفت سے جس آفت کو نہ کوئی ٹلانے والا ہوگا اور نہ کسی کی دوستی اور سفارش کام دے گی یہ سب کچھ خدا کے پیغمبر نے کہا لیکن یہ لوگ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس آیا ہے اسلئے کہ تو ہم کو اپنے معبودوں سے پھیر دے کسی اور معبود کی طرف اگر یہی غرض ہے تو پھر لے آ ہمارے سامنے وہ چیز جس کا تو دعویٰ کرتا ہے اور اس سے ہمیں ڈراتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے ہم اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ پر قائم رہیں گے اور اپنے معبودوں کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے اگر تو سچا ہے تو پھر وہ عذاب لے آجس سے ڈراتا ہے خدا کے پیغمبر نے کہا یہ علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے کہ عذاب کب نازل ہوگا میں تو تم کو وہی باتیں پہنچا دیتا ہوں جو دیکر بھیجا گیا ہوں اور پیغمبر کا کام ہی صرف یہ ہے کہ اللہ کے احکام اور پیغام اسکی مخلوق کو پہنچاتے تمہیں چاہیئے تھا کہ تم اس بات پر یقین کرتے لیکن میں تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم نادانی کرنے والے لوگ ہو کیونکہ تمہارے یہ مطالبے بلاشبہ تمہاری نادانی اور جہالت کی دلیل ہیں خدا کے پیغمبر کو عذاب نازل کرنے کی قدرت ہے اور نہ اختیار اور نہ اس کا علم کہ نافرمان قوم پر کب دنیوی عذاب نازل ہوگا اور کب تک ان کو مہلت ہے۔

پھر جب دیکھا اس ابر کو جو انکی وادیوں کی طرف آنے والا تھا تو ـــــــ اسکو اپنی وادیوں کی طرف بڑھتا دیکھ کر خوش ہو کر کہنے لگے کہ یہ سامنے سے آنے والا بادل تو ہم پر برسنے والا بادل ہے جس سے ہماری یہ ساری وادیاں اور ندی نالے بھر جائیں گے[۱] قہر خداوندی نے انکو جواب دیا نہیں بلکہ یہ تو وہ چیز ہے جس کو تم جلدی طلب کر رہے تھے ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے جو اکھاڑ پھینکے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے چنانچہ وہ بادل بجائے سیرابی کے عذاب خداوندی بن کر ان پر برسنے لگا اور سات رات اور آٹھ دن مسلسل یہ غضبناک طوفانی آندھی عذاب خداوندی برساتی رہی جس نے درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا عمارتیں منہدم ہوگئیں انسان اور بڑے بڑے طاقتور جانور اس ہوا کے سامنے تنکوں کی حقیقت سے کچھ زائد نہ تھے۔

چنانچہ جب صبح کو یہ اٹھے تو کوئی چیز نظر نہ آتی تھی بجز انکے مکانوں کے جو کھنڈرات کی صورت میں نظر آرہے تھے جنکو دیکھنے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں نافرمان قوم کو اس لیئے قریش مکہ کو بھی چاہیئے کہ وہ ان واقعات کو سن کر ہوش میں آجائیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغاوت اور اللہ کی نافرمانی پر انکو ڈرنا چاہیئے کہیں انکا بھی حشر ایسا ہی نہ

[۱] بعض تاریخی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سال ان پر نہایت ہی قحط اور خشکی کا تھا تو اور بھی اس بادل کو دیکھ کر توقعات باندھنے لگے۔

ہو جائے اور کفار مکہ کو اپنی قوت وطاقت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے اور بے شک ہم نے ان لوگوں کو طاقت و مضبوطی دی تھی ان ہی چیزوں میں کہ جن میں اے کفار مکہ تم کو طاقت اور زور دیا ہے مال و دولت اور عزت و وجاہت کا مگر ان کا مال و اولاد طاقت واقتدار اور جتھے کچھ کام نہ آئے اور عذاب خداوندی نہ ٹلا سکے تو اسی طرح تمہاری یہ تمام قوتیں بھی عذاب خداوندی کے سامنے بے حقیقت ہوں گی پھر آخر تم کس چیز پر مغرور ہو اور ہم نے دیئے تھے انکو کان اور آنکھیں اور دل نصیحتوں کو سن سکتے تھے عبرت کی نشانیاں دیکھ سکتے تھے اور دلوں سے اللہ کی باتوں پر یقین کر سکتے تھے مگر کام نہ آئے انکے کان اور نہ انکی نگاہیں اور نہ انکے دل کسی بھی چیز میں جب کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے اور چمٹ گیا ان پر وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑا رہے تھے وہ عذاب ان پر مسلط ہوا اور جس چیز کا تمسخر کر رہے تھے وہی انکی ہلاکت کا باعث ہوئی اور آخر الامر انجام یہی ہوا کہ قوتیں سب موجود مگر عذاب الٰہی نے آگھیرا نہ کوئی اندرونی قوت اس عذاب کو رفع کر سکی اور نہ بیرونی۔ تو اسی طرح قریش مکہ کو بھی اپنا انجام سوچ لینا چاہیے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے سند غریب سے ایک روایت امام احمد بن حنبلؒ کی مسند سے ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قوم عاد ایک دفعہ قحط میں مبتلا ہوئی تو انہوں نے ایک وفد روانہ کیا جسکو قیل کہا جاتا ہے وہ وفد معاویہ بن بکر پر سے گزرا تو ایک ماہ اسکے یہاں ٹھہرا جو اسکو شراب پلاتا اور دو گانے والی لونڈیاں اسکو اپنے نغمہ و سرور میں مست کرتی رہیں یہاں تک کہ ایک ماہ گزر گیا تو وہ تہرہ پہاڑ کی طرف روانہ ہوا اور کہا اے پروردگار تو جانتا ہے کہ نہ تو میں کسی مریض کی جانب آیا ہوں کہ اس کا علاج کروں اور نہ کسی قیدی کی طرف کہ اس کا فدیہ ادا کردوں۔

اے اللہ (بس یہی طلب ہے) تو عاد کو سیراب کر دے جس چیز سے بھی تو سیراب کرنے والا ہو تو اچانک چند بادل سیاہ رنگ کے سامنے سے گزرنے لگے تو ان میں سے ایک آواز آئی ان میں جو بادل چاہے اختیار کر لے اس نے ان بادلوں میں سیاہ ترین بادل اختیار کر لیا فوراً اسمیں آواز آئی خذہا رماداً رمدداً الخ یعنی لے لے یہ بادل اس طرح کہ جلا کر راکھ کر دینے والے شعلے اور ریزہ ریزہ کر دینے والا کہ قوم عاد میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑے تو ایک آندھی چلی جس نے پوری بستی ہلاک کر دی اور کوئی مکان باقی نہ بچا کہ وہ منہدم نہ ہو گیا ہو اور درخت جڑوں سے اکھڑ گئے اور یہ تناور اور طاقت ور ڈیل ڈول والے زمین پر پچھڑے ہوتے پڑے تھے جیسے کہ کھجور کے درخت اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے ہوں كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ یہ آندھی مسلسل سات راتوں اور آٹھ دن تک چلتی رہی سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا۔

علامہ آلوسیؒ نے ایک روایت کے مضمون میں یہ بیان کیا کہ سب سے پہلے اس عذاب کو ایک عورت نے دیکھا کہ ایک ہوا کا جھونکا انکی بستی کی طرف اٹھا جس میں دہکتی ہوئی آگ کے شعلے تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے جب یہ محسوس کیا کہ یہ آندھی عذاب خداوندی لے کر آرہی ہے تو ایک خط اپنے پر کھینچ لیا اور ایک خط اس جگہ پر جہاں مؤمنین تھے تو ان پر یہ ہوا نہایت لطیف و خوشگوار ہو کر لگ رہی تھی حالانکہ یہی ہوا قوم عاد کو انکی بستی درختوں اور مکانات کو اکھاڑ پھینک رہی تھی اور یہ نظر آرہا تھا کہ ان پر پتھروں کی بارش ہو رہی ہے۔

(ابن ابی شیبہ بحوالہ تفسیر روح المعانی)[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب کبھی تیز ہوا چلنے لگتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اللّٰھم انی اسألک خیرھا وخیر ما فیھا وخیر ما ارسلت بہ واعوذبک من شرھا وشر ما فیھا وشر ما ارسلت بہ[2] (کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ہوا کی خیر کا اور ہر اس چیز کا جو اس میں ہو اور جسکے ساتھ اس ہوا کو چلایا گیا اور اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں اسکے شر سے اور ہر اس برائی سے جو اس میں ہے اور جسکے ساتھ یہ بھیجی گئی) اور جب آسمان پر بادل چھاتا تو آپ کے چہرۂ انور کا رنگ فکر و پریشانی سے متغیر ہو جاتا اور اضطراب کی سی کیفیت میں کبھی آپ باہر نکلتے اور کبھی اندر داخل ہوتے اور آگے چلتے اور کبھی پیچھے ہٹتے اور جب بارش برسنے لگتی تو یہ آثار فکر و بے چینی کے آپ سے دور ہو جاتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز میں نے دریافت کر لیا یا رسول اللہ یہ کیا بات ہے اور یہ کیفیت آپ پر کیوں واقع ہوتی ہے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا مجھے نہیں معلوم جب بادل آتا ہے تو یہ کیسا بادل ہو گا کہیں ایسا ہی تو نہیں جیسا کہ ایک قوم نے اس بادل کو دیکھ کر کہا یہ ابر تو ہم پر برسے گا اور ہمیں سیراب کرے گا[3] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی ان لوگوں کو کیا خبر تھی اس بادل میں کیسا خطرناک عذاب ہے نہ ہی اس کا تصور ہو سکتا تھا تو اسی وجہ سے میں ہر بادل کو دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہوں کہ خدا جانے یہ عذاب و ہلاکت کو لے کر آرہا ہے (العیاذ باللہ) یا اللہ کی رحمت رزق و برکت اور شادابی لے کر آرہا ہے۔

مقامِ احقاف

ائمہ مفسرین فرماتے ہیں کہ عاد کے بھائی حضرت ہود علیہ السلام تھے جن کو حق تعالیٰ نے عادِ اولیٰ کی طرف مبعوث فرمایا تھا انکی بستیاں مقام احقاف میں واقع تھیں لفظ احقاف حقف کی جمع ہے جو ریت

---

[1] روح المعانی ج ۲۶ ۔

[2] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ۔

[3] صحیح مسلم جامع ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و مسند عبد بن حمید بحوالہ تفسیر روح المعانی جلد ۲۶ ۔

کے پہاڑ کو کہتے ہیں حافظ ابن کثیرؒ نے طبقات الارض کے ایک ماہر امام ابن زید کا یہ قول نقل کیا عکرمہؒ سے منقول ہے کہ احقاف پہاڑوں اور غاروں کو کہتے ہیں عاد اولیٰ کی آبادیاں ایسی ہی سرزمین میں واقع تھیں

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرموت میں ایک وادی کا نام احقاف ہے قتادہؒ کہا کرتے تھے کہ یہ بات مشہور ہے کہ عاد یمن میں رہنے والی ایک قوم تھی جو ریگستانی علاقہ میں ساحل سمندر پر آباد ہوئی اور اسی کے قرب وجوار میں انکی بستیاں بھی آباد ہوگئیں۔

مؤلف ارض القرآن بلادِ احقاف کے تحت یہ لکھتے ہیں کہ یمامہ عمان بحرین حضرموت اور مغربی یمن کے درمیان جو صحرائے اعظم الدھنار یا ربع خالی کے نام سے واقع ہے اگرچہ وہ آبادی کے قابل نہیں لیکن اس کے اطراف وجوانب میں کہیں کہیں آبادی کے لائق کچھ صاف زمین ہے خصوصًا اس حصہ میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں تاہم عہد قدیم میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو خداوند عالم نے اسکی نافرمانی کی پاداش میں نیست ونابود کر دیا تھا

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى

اور ہم کھپا چکے ہیں جتنی تمہارے آس پاس ہیں بستیاں

وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ

اور پھیر پھیر سنائیں انکو باتیں شاید وہ پھر آویں۔ پھر کیوں نہ مدد پہنچی

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ

انکی جن کو پکڑا تھا اللہ سے ورے درجہ پانے کو پوجنا؟ کوئی نہیں

ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾

گم ہوگئے ان سے اور یہی جھوٹ تھا انکا اور جو باندھتے تھے

تذکرۂ ہلاکت اُمم سابقہ برائے عبرت اہل مکہ

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ ..... الیٰ ...... وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ

در ربط گذشتہ آیات میں قوم عاد کی ہلاکت وتباہی کا ذکر فرمایا گیا جس سے مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ

انہوں نے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی انکے دین کا تمسخر و مذاق بنایا اور عذاب خداوندی کی وعید کو سن کر پیغمبر سے مطالبہ کرنے لگے کہ اچھا وہ عذاب لے آؤ جس سے ڈرا رہے ہو تو اب اس مناسبت سے اجمالاً ان دوسری قوموں کی تباہی کا حوالہ دیا جا رہا ہے جو مکہ کے اطراف اور شام کے علاقہ میں بسنے والی تھیں اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ نہ انکے معبود کام آتے اور نہ انکے وسائل اور مال و دولت عذاب خداوندی کو ٹال سکے قرآن واقعات سے قریش مکہ کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور نبی کریم کی نافرمانی اور بغاوت سے باز آجانا چاہیئے ارشاد فرمایا اور بے شک ہم ہلاک کر چکے ہیں تمہارے آس پاس کی بہت سی بستیاں مثلاً قوم ثمود اور قوم لوط کی بستیاں بھی اسی طرح تباہ کر دیں جیسے کہ عاد کی بستی تباہ کر دی گئی جو مکہ والوں کے قرب وجوار میں واقع تھیں اور ان علاقوں پر سے اہل مکہ کا تجارتی سفروں میں گزر ہوتا تھا اور ان کی ہلاکت کے واقعات عام طور پر لوگوں میں معروف تھے ہر ایک جانتا تھا اور تاریخی واقعات کے ذیل میں انکو بیان بھی کیا جاتا تھا ان کا حسرت ناک حال یہ تھا کہ اور پھیر پھیر کر ہم نے سنائیں انکو باتیں اور دلائل و نشانیاں بار بار دکھائیں شاید یہ کہ وہ لوٹ جائیں حق و ہدایت کی طرف لیکن نہ انکو نصیحتوں سے کچھ فائدہ پہنچا اور نہ دلائل و بینات سے حق کی طرف رجوع کیا جس کا انجام یہی ہوا کہ تباہ و برباد کر دیئے گئے تو کیوں نہ مدد کی انہوں نے جنکو انہوں نے اپنا معبود بنا لیا تھا تقرب حاصل کرنے کے لیے خدا کو چھوڑ کر نہیں! مدد تو کیا کرتے بلکہ وہ تو ان سے گم ہو گئے اور قطعاً بے گانگی اختیار کر لی اور یہ ان کا صریح جھوٹ تھا اور جو کچھ وہ اپنی طرف سے گھڑتے تھے اور یہ بات یقینی ہے کہ من گھڑت باتیں اور جھوٹ نہ چلا کرتا ہے اور نہ کام آتا ہے تو اسی طرح جو مشرکین زندگی بھر شرک کرتے رہے اور اپنے بتوں کو یہ سمجھتے تھے کہ انکی عبادت خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیئے ہے جب میدان حشر ہوگا تو وہ سب معبود غائب ہوں گے اور انکے سارے جھوٹ اور من گھڑت افسانے ان کے سامنے وبال اور عذاب بن کر ظاہر ہو رہے ہوں گے ان مضامین کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

⁂

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ

اور جب متوجہ کر دیئے ہم نے تیری طرف کتنے لوگ جنوں میں سے سننے لگے قرآن

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى

پھر جب وہاں پہنچے بولے چپ رہو پھر جب تمام ہوا اُلٹے گئے اپنی

قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا

قوم کو ڈر سناتے بولے اے قوم ہماری! ہم نے سنی ایک کتاب

أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

جو اتری ہے موسیٰ کے بعد سچا کرتی سب اگلیوں کو

يَهْدِيْٓ إِلَى الْحَقِّ وَإِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ

سوجھاتی سچا دین اور ایک راہ سیدھی اے قوم ہماری

أَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

مانو اللہ کے بلانے والے کو اور اس پر یقین لاؤ کہ بخشے تم کو کچھ گناہ تمہارے

وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ

اور بچادے تم کو ایک دکھ کی مار سے اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے

اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ

بلانے والے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اسکو اسکے سوا

أَوْلِيَآءُ ۚ أُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ

مددگار وہ لوگ بھٹکتے ہیں صریح کیا نہیں دیکھتے ؟ کہ وہ

اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ

اللہ جس نے بنائے آسمان اور زمین اور نہ تھکا

بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى إِنَّهٗ عَلٰى

ان کے بنانے میں وہ سکتا ہے کہ جِلادے مُردے - کیوں نہیں ؟ وہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ہر چیز کر سکتا ہے اور جس دن سامنے لائیے منکروں کو

عَلَى النَّارِ ۚ أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۚ قَالَ

آگ کے اب یہ ٹھیک نہیں ؟ کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے ہمارے رب کی کہا

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٤﴾ فَاصْبِرْ كَمَا

تو چکھو مار۔ بدلہ اس کا جو تم منکر ہوتے تھے سو تو ٹھہرا رہ جیسے

صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ

ٹھہرے رہے ہمت والے رسول اور شتابی نہ کر انکے واسطے یہ لوگ

يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ

جس دن دیکھیں گے جس چیز کا ان سے وعدہ ہے جیسے ڈھیل نہ پائی تھی مگر ایک گھڑی دن

بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

پہنچا دینا اب وہی کھپیں گے جو لوگ بے حکم ہیں

اطاعت وقبول حق جماعتے از جنات ببرکت استماع قرآن آیات بینات

وانجام معرضین از دعوت داعی اللہ ومنکرین دین

قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ .... الیٰ .... اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ

(ربط) اس سے قبل آیات میں انسانوں کے تمرد وسرکشی کا بیان تھا اب ان آیات میں جنوں کی اطاعت وفرمانبرداری کا حال بیان کیا جا رہا ہے جس سے یہ بات ظاہر کرنی مقصود ہے کہ جنات طبعی طور پر متمرد وسرکش ہوتے ہیں کیونکہ انکی تخلیق آگ سے فرمائی گئی لیکن اسکے باوجود ان میں سے ایک جماعت نے جب قرآن حکیم کی طرف توجہ کی اور کان لگا کر آیاتِ خداوندی سنیں تو انکی وہ تمام سختی بالکل موم بن گئی یہ محض برکت اس بات کی تھی کہ انہوں نے قرآن کریم کی طرف توجہ کی اور آیاتِ قرآنیہ سنی مگر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ کفارِ مکہ انسان ہونے کے باوجود نہ تو نرماتے ہیں اور نہ ہی ان میں سعادت کے آثار محسوس ہوتے ہیں اور یہ صرف اسی وجہ سے کہ انکو کبھی قرآن کریم کی طرف نہ توجہ ہوتی ہے اور نہ وہ آیات سنتے ہیں اس بنیادی فرق کو واضح کرتے ہوئے اخیر میں قیامت کا مضمون بیان کیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیگئی یہ فرماتے ہوئے کہ مجرمین اسکے علم اور نگاہوں سے چھپے ہوتے نہیں ہیں اور ہرگز بھی خداوند عالم کی گرفت سے نہیں بچ سکتے اور غلبہ وکامیابی

یقیناً حق کی ہو گی۔

ارشاد فرمایا اور جس وقت کہ متوجہ کر دیا ہم نے آپ کی طرف جنوں میں سے ایک جماعت کو جو کان لگا کر سننے لگے قرآن کو تو جب وہ وہاں پہنچے تو کہنے لگے ان میں سے بعض افراد اپنے ساتھیوں کو کہ خاموش رہو قرآن کا حق یہی ہے کہ جب تلاوت ہو تو سب سننے والے خاموش رہیں اور سنیں پھر جب ختم ہوا سلسلۂ تلاوت تو لوٹے اپنی قوم کی طرف انکو عذابِ خداوندی سے ڈراتے ہوئے۔

کلام الٰہی کو سن کر اسکی بلاغت اور اسکی حقانیت کو پہچانا اور یقین حاصل ہو گیا کہ بے شک یہ کلام خداوندی ہے کہنے لگے اے ہماری قوم ہم نے سنی ایک کتاب جو موسیٰؑ کے بعد اتاری گئی ہے تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلے کتابوں کی جو راہنمائی کرتی ہے سچے دین اور سیدھے راستہ کی طرف اور ظاہر ہے کہ جو کتاب حقانیت اور راہ حق کی راہنمائی کرتی ہو انبیاء سابقین کی کتابوں کی تصدیق بھی کر رہی ہو تو بلاشبہ اس پر ایمان لے آنا چاہیئے اور داعی حق کی دعوت پر لبیک کہنا یہ عقل اور فطرت کا تقاضا ہے اس لیئے اے ہماری قوم مان لو اللہ کے داعی کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ وہ پروردگار بخش دیگا تمہارے گناہوں کو اور پناہ دے گا تمہیں دردناک عذاب سے کیونکہ اللہ کے داعی کی دعوت قبول کر لینا اور اس پر ایمان لانا گزشتہ گناہوں اور گمراہیوں کا کفارہ ہے اور آئندہ عذابِ آخرت سے بھی نجات کا ذریعہ ہے قبول حق اور پیغمبر خدا پر ایمان لانے میں خود ایمان لانے والے ہی کا فائدہ ہے اور اس سے اعراض و انحراف میں خدا کی شانِ عظمت والوہیت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آسکتی چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اور جو اللہ کے داعی کو نہ مانے تو اسکو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ عاجز نہیں کر سکتا اللہ کو زمین میں اور نہ اس کے واسطے خدا کو چھوڑ کر کوئی مددگار ہو سکتے ہیں ایسے لوگ بڑی ہی صریح گمراہی میں پڑے ہوتے ہیں جنہوں نے نہ کلام خداوندی کی عظمت اور اسکی شان کو پہچانا نہ اسکی حقیقت کو سمجھا اور نہ ہی یہ سوچا کہ وہ کلام جو صحیح عقائد پاکیزہ اصول حق و ہدایت کا پیکر ہو خدا کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہو وہ بلاشبہ اللہ کا کلام ہے اور اس کلام کو لانے والا خدا کا پیغمبر اور اس کا داعی ہے ان حقائق کو سمجھنے کے واسطے تو کائنات میں بے شمار دلیلیں موجود ہیں۔

کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور نہیں تھکا انکے بنانے میں تو وہ خدا قدرت رکھتا ہے اس بات پر کہ مردوں کو زندہ کر دے بے شک وہ ہر چیز پر بڑی ہی قدرت رکھنے والا ہے لہٰذا اس قسم کے کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہیئے کہ مر کر کہاں زندہ ہوں گے جس اللہ کو زمین و آسمان جیسی عظیم مخلوقات پیدا کرنا کچھ مشکل نہ ہوا اس پروردگار کو مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہو سکتا ہے قیامت اور بعث بعد الموت برحق ہے اور جس دن کافروں کو پیش کیا جائے گا جہنم پر اور انکو دہکتی ہوئی آگ اور اس کے شعلے نظر آرہے ہوں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کیا نہیں ہے یہ حق کہیں گے بے شک! اور قسم ہے ہمارے رب کی اس اقرار و اعتراف کے بعد

پروردگار فرمائے گا تو پھر چکھو تم عذاب اس کفر و نافرمانی کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔
بہرحال یہ حقائق ہیں جن پر کائنات اور کائنات کی ہر چیز شاہد ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار ممکن نہیں کہ منکرین کو سزا ضرور ملنی ہے خواہ دنیا و آخرت دونوں میں یا آخرت میں اگر اللہ کی حکمت کا یہی تقاضا ہو تو اے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صبر کیجئے آپ بھی جیسا کہ صبر کیا ہمت والے رسولوں نے جیسے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور جلدی نہ کیجئے انکے لئے نزولِ عذاب کی۔
اگر مجرمین و منکرین کو ڈھیل اور مہلت دی جا رہی ہے تو وہ اللہ کی حکمت پر مبنی ہے عذاب آکر رہے گا اگر دنیا میں نہ آیا تو آخرت کے عذاب سے تو کوئی منکر و کافر کسی طرح نہ بچ سکے گا اور آخرت کا عذاب اس قدر ہولناک ہوگا کہ وہ دنیا کی ہر راحت ولذت کو بھلا دے گا صورت حال یہ ہوگی یہ لوگ جس دن کہ وہ عذاب دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا رہا محسوس کرتے ہوں گے کہ نہیں ٹھہرے ہیں مگر دن کی صرف ایک گھڑی اور دنیا کی عیش و عشرت کی ساری زندگی صرف ایک گھڑی محسوس ہونے لگے گی اور عذابِ آخرت کا پہلا منظر ہی دنیا کی ساری لذتوں کو بھلا دے گا۔
یا یہ کہ دنیا کی زندگی میں عذاب کی تاخیر سے جو یہ خیال کر رہے تھے کہ بہت دیر ہوگئی اور طویل مدت گذر گئی مگر عذاب نازل نہیں ہوا مگر جب عذابِ خداوندی نظر آئے گا تو سمجھیں گے مہلت اور ڈھیل تو ہم کو صرف دن کی ایک گھڑی ہی کے بقدر ملی ہے نہ یہ کہ کوئی طویل زمانہ گذرا ہو۔
یا یہ کہ عالم قبر کو وہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ وہ ایک طویل مدت نہیں بلکہ صرف ایک گھڑی ہی گزری ہے کہ مرنے کے بعد اب ہم پھر زندہ ہو کر خداوند عالم کے روبرو حاضر ہیں تو مرنے کے بعد سے لے کر عالم آخرت تک خواہ کتنی ہی طویل مدت گذرے مگر قبر میں رہنا صرف ایک گھڑی ہی معلوم ہوگا جس طرح ایک انسان سونے کے بعد آنکھ کھلنے پر یہ نہیں محسوس کرتا کہ اسکے سونے کے دوران کتنا وقت گذرا بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنکھ لگی اور بس پھر بیدار ہوگئے نیند آنے اور بیدار ہونے میں کسی امتدادِ وقت کا احساس ہی نہیں ہوتا لہٰذا عالم قبر اور مرنے کے بعد سے آخرت و قیامت میں اٹھنے کا مسئلہ بس ایسا ہی ہے جیسا انسان سویا اور اس کے بعد پھر بیدار ہوا یہ پیغام ہے جو خدا کی طرف سے اسکے رسول نے دنیا کو پہنچا دیا اب اسکے بعد ہلاک وہی لوگ کئے جائیں گے جو نافرمان ہیں اور جنہوں نے اللہ کے پیغمبر کے پہنچاتے ہوتے پیغام کو نہ سنا نہ اسکو مانا اور نہ اسپر عمل پیرا ہوتے۔

جنّوں کے ایک گروہ کا قرآن کریم سُننا

جنوں کی ایک جماعت کا ذکر جو ان آیات میں فرمایا گیا اسکی غرض تو یہ ہے کہ کفارِ مکہ باوجودیکہ از قسم بنی آدم اشرف المخلوق ہیں اور خدا نے نوعِ بشر میں حلم و بردباری اور تاثر انفعال کی صلاحیت بہت زائد رکھی ہے اسکے بالمقابل نوعِ جن میں اس وجہ سے کہ وہ مخلوق ناری ہیں شدت و تمرد اور سرکشی اور خارجی تاثرات سے متاثر نہ ہونے کا وصف ان میں زائد ہے لیکن اس جماعت نے جب قرآن کریم کی طرف توجہ کی اور غور و فکر کے ساتھ سنا تو فوراً ہی حق کی طرف قلوب مائل ہوگئے اور قرآن کریم کی عظمت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اطاعت و فرمانبرداری کا سر جھکا دیا اور نہ صرف یہ کہ خود ہدایت قبول کی بلکہ اپنی قوم کی طرف ہادی و راہنما اور داعی بن کر لوٹے تو اس قصہ سے اہل مکہ کے عناد اور تمرد و سرکشی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم اور رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر متنفر و برگشتہ تھے۔ جنوں کا یہ گروہ کون تھا اور کس وقت اور کہاں یہ واقعہ پیش آیا؟ تو اس سلسلہ میں۔

ایک روایت تو حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں یہ نقل کی ہے تو یہ واقعہ مقام ”نخلہ“ میں پیش آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشاء ادا فرما رہے تھے اور یہ افراد نصیبین کے جنوں میں سے تھے جن کی تعداد سات تھی اس روایت کو ائمہ محدثین نے امام احمدؒ کے تفردات میں شمار کیا ہے۔

بیہقیؒ نے اپنی کتاب ”دلائل النبوۃ“ میں سعید بن جُبیرؒ کی سند سے عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ذکر کی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے سامنے خود کچھ نہیں پڑھا اور نہ انکو دیکھا اصل قصہ یہ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے اصحاب کے ساتھ بازارِ عکاظ کی طرف جا رہے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا کہ جنات و شیاطین اور آسمانوں کی خبروں کے درمیان رکاوٹ قائم کر دی گئی تھی اور جب بھی کوئی جن آسمانوں پر چڑھ کر غیبی خبروں کی طرف کان لگاتا تو شہاب ثاقب اس پر ٹوٹ پڑتا اور جلا کر راکھ کر دیتا تو جنوں میں اس صورتِ حال کے پیش آنے پر تشویش ہوئی اور باہم یہ کہنے لگے کہ ضرور کوئی نئی بات ایسی پیش آئی ہے جس کے باعث اب آسمانوں کی خبروں کا سُننا ممکن نہیں رہا تو تلاش کے لیے جنوں کی جماعتیں روئے زمین کے اطراف مشرق و مغرب کی طرف نکل کھڑی ہوئیں ان میں سے ایک جماعت جس نے تہامہ (مکہ) کا رُخ کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جب کہ آپؐ مقامِ نخلہ میں تھے (بازارِ عکاظ جاتے ہوئے) اور اس وقت صحابہ کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے تو ناگہاں قرآن کریم کی آواز انکے کانوں میں پہنچی فوراً ہی متوجہ ہوئے اور غور سے سننے لگے جب آپؐ فارغ ہوئے تو کہنے لگے بس یہی وہ چیز ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے قرآن کریم کی آواز انہیں نہایت ہی عجیب مؤثر اور دل کش معلوم ہوئی اسکی ہیبت و عظمت دلوں پر

چھا گئی اور اپنے دلوں میں ایمان و ایقان کا ایسا جوہر لے کر لوٹے کہ اپنی قوم کو بھی رشد و فلاح کی دعوت دینے لگے جس کا ان کلمات میں ذکر ہے يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یہی وہ قصہ ہے جس کو سورۂ جن میں قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا میں فرمایا گیا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی آمد کا اور قرآن کریم کے سننے کا علم نہیں ہوا تھا ایک درخت نے باذن اللہ کچھ اجمالی اطلاع آپ کو دی اور پھر اسکی تفصیل بذریعہ وحی آپ کو بتائی گئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی اس جماعت نے داعی بننے کے بعد جنوں میں اسلام پھیلایا اور بہت بڑی تعداد میں جن مسلمان ہوئے اور حضورؐ سے ملاقات کرنے اور دین سیکھنے کیلئے انکے وفود آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

علامہ خفاجیؒ نے چھ مرتبہ جنوں کی آمد کو بیان کیا ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے لیلۃ الجن کا قصہ کتب حدیث میں معروف ہے قارئین تفسیر ابن کثیر اور روح المعانی کی مراجعت فرمائیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دفعہ قصداً آپ جنوں کی طرف تشریف لے گئے اور انکو وعظ و نصیحت کے ساتھ دین کی تعلیم دی تمّت تفسیر سورۃ الاحقاف بفضل اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ ہجری۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورۃ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم)

سُورۂ محمّد مدنی ہے جسکی اڑتیس آیات اور چار رکوع ہیں اس سُورت کا مدنی ہونا اکثر مفسرین کے نزدیک بالاتفاق ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور قتادہؒ سے یہ منقول ہے کہ اس سورت کی تمام آیات مدنیہ ہیں لیکن آیت وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ اس وقت نازل ہوئی جب آپ ہجرت کرتے ہوتے مکہ مکرمہ سے نکل کر غار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور مکہ مکرمہ پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے یہ فرما رہے تھے اے سر زمین مکہ تو مجھ کو روئے زمین میں سب سے زیادہ محبوب بستی ہے اور اگر یہ تیرے باشندے مجھ کو یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں ہرگز یہاں سے نہ نکلتا تو اس لحاظ سے اس آیت کو مکیہ کہا جا سکتا ہے مفسرین کی اس اصطلاح کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ جو آیات مدینہ منورہ

پہنچنے سے قبل نازل ہوئیں وہ مکیہ ہیں حتیٰ کہ سفر ہجرت کے دوران نازل ہونے والی آیات بھی مکیہ ہی ہیں۔

اس سورت کی ابتدا ایک عجیب اور عظمت اعلان سے ہورہی ہے کہ کافر اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں جن کا مقصد زندگی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا ہے اور دعوت محمدیہ کا مقابلہ کرنا ہے ان کے اعمال برباد ہیں اسکے بعد مسلمانوں کو جہاد و قتال کا حکم ہے پھر مسلمانوں کی فتح و نصرت اور غلبہ وعزت کا معیار بیان کیا گیا اور یہ کہ مسلمان قوم اللہ کی نصرت کی کب مستحق ہوتی ہے ساتھ ہی کفار مکہ کی تباہی کی مثال واضح کردی گئی اسی کے ضمن میں منافقین کی سازشوں کا بھی ذکر ہوگیا پھر سورت کے اختتام پر مسلمانوں کو دعوت دی گئی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے عزت و کامیابی کا راستہ طے کریں سورۂ محمد کا دوسرا نام مفسرین نے سورۃ القتال بھی بیان کیا ہے کیونکہ اس سورت کا نزول سچے مسلمان اور کفار و منافقین کے درمیان تمیز کرنے ہی کے لئے فرمایا گیا ہے جس میں مختلف اسلوب اور پیرایوں میں سعداء و اشقیاء کے حالات اور انکے مراتب و منازل بیان کئے گئے ہیں۔

آیاتها ۳۸ ۴۷ سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ ۹۵ رکوعاتها ۴

سورۂ محمد مدنی ہے جس کی اڑتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے کھو دیئے اس نے

اَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا

ان کے کیے اور جو یقین لائے اور کیے بھلے کام اور مانا

بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ

جو اترا محمد پر اور وہی ہے سچا دین انکے رب کی طرف سے

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ

اُن سے اُتاریں اُنکی بُرائیاں اور سنوارا ان کا حال یہ اس پر کہ جو منکر ہیں وہ

كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا

چلے جھوٹی بات پر اور جو یقین لائے انہوں نے

الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

مانی سچی بات اپنے رب کی طرف سے یوں بتاتا ہے اللہ لوگوں کو انکے احوال

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ

سو جب تم بھڑو منکروں سے تو گردنیں ہیں مارنی یہاں تک کہ جب

اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا

کتا ڈال چکے ان میں تو مضبوط باندھو قید پھر یا احسان کرلو پیچھے اور یا

فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛۚ ذٰلِكَ ؕ وَلَوْ يَشَآءُ

پھڑوائی لیجیو، جب تک کہ رکھ دے لڑائی اپنا راچھ یہ سن چکے اور اگر چاہے

اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ

اللہ، تو بدلہ لے اُن سے پر جانچنے کو تمہارے ایک سے دوسرے کو

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ

اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں تو نہ

يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ

کھو دے گا انکے کیے انکو راہ دے گا اور سنوارے گا

بَالَهُمْ ⑤ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ

ان کا حال اور داخل کریگا انکو بہشت میں

عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥

معلوم کروادی ہے ان کو

تنبیہ وتہدید بر کفر وانکار منکرین وبشارت برائے اہل ایمان ومطیعین

قال اللہ تعالیٰ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ... الیٰ ... عَرَّفَہَا لَہُمْ

(ربط) گذشتہ سورت کا اختتام مجرمین کی ہلاکت وتباہی کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا اور مقصود اہل مکہ کو تنبیہ تھی کہ وہ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دینا تھا کہ آپ اللہ کی مدد اور رحمت کا انتظار کریں حق بہرحال غالب ہوگا تو اب اس سورت کی ابتداء کافروں اور منکروں کے اعمال کی بربادی کے بیان سے کی جارہی ہے اور یہ کہ حق اور باطل کا فرق اس دنیوی زندگی میں بھی انسان کے سامنے آکر رہے گا اور آخرت میں بھی باطل پرستوں کی تباہی اور عذاب اور اہل حق کی کامیابی ونجات قطعی اور یقینی ہے۔

ان مضامین کے ساتھ یہ بھی فرمایا جارہا ہے کہ حق اور باطل کا معرکہ اسکا متقاضی ہے کہ اہل حق اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے باطل سے جہاد کرنے کے واسطے تیار ہوجائیں جہاد کا حکم ایک امتحان ہے جسکے ذریعہ مؤمنین ومطیعین کا ایثار واخلاص اور قربانی کا جذبہ معلوم ہوگا اور ساتھ ہی باطل پر حق کی فتح وکامیابی بھی تاریخ عالم میں ایک حقیقت بن کر دنیا کی نظروں میں آئے گی۔

فرمایا جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستہ سے روکا انہوں نے اپنے اعمال برباد کر دیئے اگرچہ قبل از اسلام انکے اعمال کتنے ہی بہتر ہوں سخاوت کی ہو غریبوں کی اعانت وامداد کی ہو یا خدمت خلق کی ہو جیسے کہ بہت سے شریف الطبع لوگ جاہلیت میں کرتے تھے لیکن جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو سب نیکیاں اور خوبیاں برباد کردیں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیکی کے کام کیئے اور مانا اس کتاب یا دین کو جو نازل کیا گیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور وہی تو حق ہے انکے پروردگار کی طرف سے تو اللہ نے انکی برائیاں مٹادیں جو بھی کچھ انہوں نے جاہلیت کے زمانہ میں کرلی ہوں اور درست کر دیا ان کا حال جیسے کہ کسی بیمار کی بیماری دور ہوگئی تو اب وہ اپنے نظام بدن کو محسوس کرے گا کہ درست ہوگیا ہے تو کفر کا مرض دور ہونے سے اعمال واحوال کی درستگی ہونی ہی چاہیئے یہ اس وجہ سے کہ کافروں نے پیروی کی باطل کی اور ایمان والوں نے حق کا اتباع کیا جو انکے رب کی طرف سے ہے بس یونہی قائم کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے واسطے انکی مثالیں کہ منکرین ونافرمانوں کے واسطے انکے نمونے ہیں جنکے نقش قدم پر چل کر بعد والے بھی گمراہ ہوتے ہیں اور اہل ایمان ومطیعین ایمان ویقین والوں کے واسطے نمونہ ہوتے ہیں جن کی پیروی کرتے ہوئے وہ نجات وکامیابی کے مستحق ہوتے ہیں اور یہی وہ معیار ہے جس پر اعمال کی بربادی یا احوال کی اصلاح موقوف ہے عالم دنیا میں جب حق تعالیٰ نے حق اور باطل کا مقابلہ

مقدر فرما دیا ہے تو لامحالہ اہل حق پر باطل کے مقابلہ میں جہاد کی ذمہ داری عائد ہوگی تو ایسی صورت میں بارگاہ رب العزت سے اہل ایمان کو فرمایا جا رہا ہے تو اے ایمان والو! جب تم میدان جہاد میں مقابلہ کرو کافروں سے تو مارو انکی گردنیں یہاں تک کہ جب انکو خوب قتل کر چکو تو باقی ماندہ کافروں کو مضبوط باندھ لو قید و بند سے پھر اسکے بعد یا تو احسان کرو اور انکو رہا کر دو بغیر کسی فدیہ کے یا معاوضہ لے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے یعنی قتل و خونریزی اور ضرب و قید کا سلسلہ جاری رہے تاآنکہ لڑائی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دے اور قتال موقوف ہو جائے یہی ہے فیصلہ جس کو خوب توجہ اور غور سے سن لینا چاہیئے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا اور قوم عاد اور ثمود کی طرح ہلاک کر دیتا اسکی ضرورت ہی نہ تھی کہ جہاد و قتال کا حکم دیا جاتا لیکن یہ اس لیئے کہ امتحان لے اور جانچے اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ اور جو لوگ جہاد کے دوران اللہ کی راہ میں قتل کیئے گئے تو اللہ انکے اعمال ضائع نہیں کرے گا انکی راہنمائی فرمائے گا جنت کے منازل و محلات کی طرف اور انکا حال بھی بہتر فرمائے گا ہر طرح کی نعمتیں اور کرامتیں عطا فرما کر بالخصوص اپنی رضا اور خوشنودی کے انعام سے بھی جو ہر نعمت اور لذت سے بڑھ کر ہے اس لیئے اگر کچھ لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو یہ نہ سمجھیں کہ انکی جان ضائع ہو گئی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا بہترین اور اعلیٰ عوض حاصل کر لیا۔

اور داخل فرمائے گا ان شہیدوں کو جنت میں جو انکو معلوم کرا دی ہے اسکے احوال اور نعمتوں کا قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پورا علم کرا دیا ہے اور نیز شہید فی سبیل اللہ کو دنیا سے گزرنے سے قبل اللہ رب العزت اس کا وہ مقام بھی دکھا دیتا ہے جو اللہ نے اسکو آخرت میں عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا ہوتا ہے چنانچہ جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ہر ایک اپنے ٹھکانے کو اس طرح پہچانتا ہو گا جیسے دنیا میں ہر ایک کو اپنا گھر معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عَرَّفَهَا لَهُمْ کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے طَيَّبَهَا لَهُمْ۔ طیب کے معنی خوشبو کے ہیں یعنی وہ مکانات جنتیوں کے واسطے خوشبوؤں سے مہکتے ہوئے ہوں گے۔

میدان جہاد میں مسلمانوں کو ثابت قدمی اور قوت کے ساتھ مقابلہ کا حکم

آیۃ مبارکہ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا میں مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں جہاد کا حکم اور کفر و شرک کی طاغوتی طاقتوں کی سرکوبی کی تاکید کی جا رہی ہے ابتداء میں حق اور باطل کا مقابلہ ذکر فرمایا گیا تو ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہی ہے کہ اہل حق اور مؤمنین کو ضروری ہے کہ کفر کی شوکت اور

غلبہ پامال کرنے کے واسطے جہاد کے لیئے اٹھ کھڑے ہوں اور کافروں سے خوب مقابلہ اور مقاتلہ کریں اور
انکی گردنیں اڑائیں اور ان مجرمین کا خون بہائیں تاآنکہ انکی قوت اور حوصلے شکستہ ہوجائیں اور مسلمانوں
سے مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہے کافروں کے عناد اور مسلمانوں سے مقابلہ میں جو ایک طویل عرصہ
تک ان کی ظالمانہ جدوجہد کا سلسلہ رہا کا علاج بجز اسکے کچھ نہیں کہ اب مسلمان انکی یہ طاغوتی
طاقتیں پامال کرنے کے لیئے جہاد کریں اور جب تک لڑائی ختم نہ ہوجائے اسکے علاوہ اور کسی چیز کی
گنجائش نہیں ہاں جب لڑائی ختم ہوجائے اور کافروں کے خون بہہ جائیں اور وہ مسلمانوں کے سامنے عاجز و
درماندہ ہوجائیں تو پھر بے شک اختیار ہے کہ احسان کرکے بغیر کسی فدیہ اور معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے
یا فدیہ لے کر رہا کردیا جائے حاصل یہ کہ اعلاء کلمۃ اللہ اور کفر کے غلبہ کو ختم کرنے کے لیے جیسے کہ ارشاد
ہے وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ خوب قتال کیا
جائے اور اعداء اللہ کی جب تک خوب خونریزی نہ ہوجائے قتال ترک نہ کیا جائے یہاں تک کہ حق
کی ہیبت اور رعب کافروں کے دلوں پر اس قدر طاری ہوجائے کہ وہ ہتھیار ڈال دیں اور آئندہ کبھی
مسلمانوں کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی ہمت بھی نہ کرسکیں۔

غزوۂ بدر کے موقعہ پر اعداء اللہ کے اثخان یعنی خوب خون ریزی اور حوصلہ شکستگی سے قبل
فدیہ لینے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا قبل اسکے کہ کوئی واضح حکم خداوندی نازل ہوتا بارگاہ خداوندی سے عتاب
نازل ہوا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ جسکی تفصیل سورۂ
انفال میں گزر چکی ہے کہ غزوۂ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے غالب آجانے کے بعد کفار
قریش میں سے جب ستر آدمی مسلمانوں کی قید میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے بارہ میں
صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے صدیق اکبرؓ نے رائے دی کہ یارسول اللہ یہ لوگ آپؐ کے خویش
و رشتہ دار ہیں اگر فدیہ لے کر انکو چھوڑ دیا جائے تو ممکن ہے کہ اس احسان و نرمی سے یہ لوگ ایمان
کی طرف مائل ہوجائیں اور یہ حسن سلوک انکی ہدایت کا ذریعہ بن جائے اور ساتھ ہی فدیہ کی وجہ سے
تنگ دست اور بے سہارا مسلمانوں کی بھی کچھ اعانت ہوجائے اور یہ مال فدیہ آئندہ مسلمانوں کے لیئے
جنگی قوت میں اضافہ کا باعث بھی ہوسکتا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ یارسول اللہ یہ لوگ ائمۃ
الکفر اور کافروں کے سرغنہ اور سردار ہیں انکی گردنیں اڑا دیجیئے تاکہ کفر کی طاقت پارہ پارہ ہوجائے سعد
بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی موافقت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبعی
رأفت و مہربانی اور نرم دلی کے جذبہ سے فدیہ لے کر رہا فرمانا قبول فرما لیا تھا جس پر وہ عتاب
خداوندی نازل ہوا تھا تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں سورۂ انفال تفسیر روح المعانی ابن کثیر اور معارف القرآن
حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

ان آیات میں کون سی آیت کس آیت کے لئے ناسخ ہے، اسکی تحقیق کیلئے تفسیر احکام القرآن قاضی جصاصؒ کی مراجعت فرمائیں۔

بعض ائمہ حنفیہ سے منقول ہے کہ آیت "فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً"، سورۂ براۃ کی آیت "فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ"، سے منسوخ کردی گئی بعض روایات میں عبداللہ بن عباسؓ اور ضحاکؒ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا لیکن اکثر ائمہ مفسرین نسخ کے قائل نہیں ہیں اس موقعہ پر ان آیات میں باہم کوئی تعارض اور مفہوم کا کوئی اختلاف نہیں اور اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی آیت کو منسوخ قرار دیا جائے فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً کا حکم جب کہ اثخان وخون ریزی کے بعد ہے تو لامحالہ یہ نوبت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ کے بعد ہی آئے گی۔

اور غزوۂ بدر میں چونکہ اس وقت تک کفر کی شوکت پامال نہ ہوئی تھی اس وجہ سے فدیہ قبول کرنا مشیت خداوندی کے مطابق نہ ہوا تھا (واللہ اعلم بالصواب)

شیخ الاسلام حضرت شیخ عثمانیؒ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں حق وباطل کا معرکہ تو رہتا ہی ہے جس وقت مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہو جائے تو مسلمانوں کو پوری مضبوطی اور بہادری سے مقابلہ کرنا چاہیئے باطل کا زور جب ہی ٹوٹے گا جب بڑے بڑے شریر مارے جائیں اس لئے ہنگامۂ کارزار میں کسل وسستی وبزدلی اور توقف وتردّد کو راہ نہ دو دشمنان خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو کافی خون ریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور ان کا زور ٹوٹ جائے اس وقت قید کرنا بھی کفایت کرتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى الخ یہ قید وبند ممکن ہے ان کے لئے تازیانۂ عبرت کا کام دے اور مسلمانوں کے پاس رہ کر انکو اس بات کا بھی موقعہ ملے گا کہ وہ اپنی اور مسلمانوں کی حالت کا موازنہ کریں اور جانچیں اور تعلیمات میں غور کرنے کا بھی موقعہ ملے گا اس طرح ہو سکتا ہے کہ شدہ شدہ حق وصداقت کا راستہ اختیار کرلیں یا مصلحت سمجھو تو بدون معاوضہ کے رہا کردو تو اس صورت میں ممکن ہے کہ بہت سے افراد تمہارے اس احسان سے اور خوبی اخلاق سے متاثر ہو کر تمہاری طرف راغب ہوں اور تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں اور خود ہی مشرف باسلام ہو جائیں یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان قیدیوں کے عوض ان مظلوم مسلمانوں کو رہا کرایا جا سکے جو کفار کے قید وبند میں مبتلا اور ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوتے ہیں تو یہ متعدد فوائد اس میں ہیں بہرحال اسیران جنگ کو ان کے وطن واپس کردینے کی دو ہی صورتیں ہیں معاوضہ میں چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کردینا ان میں جو صورت امام کے نزدیک اصلح ہو وہ اختیار کر سکتا ہے حنفیہ کے ہاں بھی فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اسی طرح کی روایات موجود ہیں ہاں اگر قیدیوں کو انکے وطن واپس کرنا مصلحت نہ ہو تو بہترین صورتیں ہیں

ذمی بنا کر بطور رعیت کے رکھنا یا غلام بنالینا یا قتل کر دینا احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت صرف خاص خاص حالات میں ملتا ہے جبکہ وہ کسی ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا ہو جس کی سزا قتل سے کم نہیں ہو سکتی تھی البتہ غلام یا رعیت بنا کر رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں (فوائد عثمانی)

اس سورت کا موضوع چونکہ مؤمنین مخلصین اور منافقین و منکرین کے درمیان تمیز قائم کرنا اور انکی علامات و نشانیاں اس طرح ظاہر کرنا ہے کہ اہل ایمان اور منافق کے درمیان کسی طرح کا التباس باقی نہ رہے تو اس ضمن میں اشارۃً خلافت خاصہ اور اسکے لوازم کا بھی اظہار ہو رہا ہے کیونکہ ایک طرف بیان فرمایا جارہا ہے اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے کافروں اور اللہ کے راستہ سے روکنے والے فریق کا تو دوسری طرف وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے دوسرے فریق مؤمنین مخلصین کا ذکر ہے اور یہ دونوں فریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے یہ الفاظ آیات انکے وجود پر دلالت کر رہے ہیں آیت کا عموم اگرچہ ہر مسلمان اور کافر و منافق کو شامل ہے مگر بلحاظ نزول اشارہ اور تعریض ہے کہ یہ دونوں گروہ نزول آیت کے وقت موجود تھے اسکے بعد آیۃ مبارکہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ مسلمانوں کے گروہ کو چاہیئے کہ وہ کافروں سے جہاد و قتال کرے اور حق کی حمایت و نصرت کے واسطے مستعد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسکی بدولت انکو دنیا میں مظفر و منصور فرمائے گا اور آخرت میں نجات و مغفرت اور جنت کی بلند و بالا نعمتوں سے سرفراز فرما کر آخرت کا بھی اعزاز بخشے گا جس کے لیے اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ سے فرمائی جارہی ہے گویا واضح اعلان ہو رہا ہے کہ دنیا میں فتح و نصرت حاصل ہوگی اور آخرت میں جنت کی نعمتوں کا وعدہ پھر اس کے بعد جملہ مِنْ قَرْیَتِکَ الَّتِیْٓ اَخْرَجَتْکَ اور آیۃ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ کے مقابل اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ سے دلالۃً سمجھ میں آیا کہ یہ مہاجرین اولین ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور مَثَلُ الْجَنَّۃِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ میں انکے اجر و ثواب کا بیان ہے پھر اسکے بعد آیت فَہَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ سے یہ واضح کیا جارہا ہے کہ اگر فاسقین و منافقین کے گروہ کو اقتدار دے دیا جائے تو فساد فی الارض اور قطع رحمی کا سلسلہ عالم میں پھیل جائے گا اسکے بالمقابل جب مؤمنین مخلصین اور صالحین کی حکومت و اقتدار کا دور ہو گا تو اہل زمین امن و عافیت اور صلاح کی زندگی گزارنے لگیں گے چنانچہ خلافت راشدہ کے دور نے دنیا کے سامنے اس کا ثبوت پیش کر دیا منافقین و مفسدین ناکام و ذلیل ہوئے فتوحات سے اسلام کو اللہ نے غلبہ عطا فرمایا قیصر و کسریٰ کی حکومتیں اور طاقتیں پارہ پارہ ہو گئیں اور مسلمانوں کا افلاس انکی غربت اور ذلت غنا و خوشحالی اور غلبہ و عزت سے تبدیل ہو گئی اور جو وعدے اہل ایمان و اخلاص سے کیئے گئے تھے دنیا ہی میں اس کا مشاہدہ خلفاء راشدین کے دور میں ہو گیا یہ تاریخی حقیقت ہر صاحب عقل انسان کو اس پر مجبور کرتی ہے کہ وہ

خلافت راشدہ کے منہاج نبوت پر ہونے پر ایمان لائے اور خلفاء راشدین کے اخلاص، ایمان وتقویٰ اور عند اللہ تعالیٰ انکے مکرم و مشرف ہونے اور ماجور و مظفر و منصور ہونے کو قرآنی فیصلہ سمجھے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ. ماخوذ از افاضات حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ ـــــ مراجعت فرمائیں (ازالۃ الخفاء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو! اگر تم مدد کرو گے اللہ کی

يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا

تو وہ تمہاری مدد کریگا اور جما دے گا تمہارے پاؤں اور جو لوگ منکر ہوئے ان کو

لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ

لگی ٹھوکر اور کھو دیئے انکے کیئے یہ اس پر کہ انہوں نے پسند نہ رکھا جو اتارا

اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

اللہ نے، پھر اکارت کر دیئے انکے کیئے کیا پھرے نہیں ملک میں

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ

کہ دیکھیں آخر کیسا ہوا ان کا جو پہلے تھے اُن سے؟ اکھاڑ مارا

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

اللہ نے انکو اور منکروں کو ملتی ہیں ایسی چیزیں یہ اس پر کہ اللہ رفیق ہے

مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ

ان کا جو یقین لائے اور جو منکر ہیں

لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ ع

انکا رفیق نہیں کوئی

معیار نصرتِ خداوندی و غلبۂ مؤمنین و خسران و ہلاکت منکرین

قال اللہ تعالیٰ. یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ ...... لِلٰی ..... وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ

(ربط) سابق مضمون مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں جہاد و قتال کی ترغیب و تشویق پر مشتمل تھا اور یہ کہ اہل حق پر یہ لازم ہے کہ باطل کو مٹانے کیلئے اپنی پوری قوت صرف کر ڈالیں جب تک وہ فریضہ جہاد ادا نہیں کریں گے عنداللہ بری الذمہ نہ ہو سکیں گے تو اب ان آیات میں مسلمانوں کی فتح و کامیابی اور میدان جہاد میں انکی ثابت قدمی کا معیار بیان فرمایا جا رہا ہے۔

فرمایا اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور میدان جہاد میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا کہ اللہ کی مدد سے تمہارے قدم کبھی بھی نہیں ڈگمگائیں گے اسلام اور طاعت خداوندی پر بھی قائم رہو گے اور یہ عملی و اعتقادی پختگی ثابت قدمی اس طرح مسلمان کی زندگی میں سرایت کر جائے گی کہ میدان جنگ میں جب کافروں سے مقابلہ ہوگا تو وہاں بھی مضبوط و ثابت قدم رہیں گے اور اس کے برعکس جو لوگ کافر ہیں انکے واسطے منہ کے بل گرنا ذلیل و مغلوب کرنا ہے اور بجائے اسکے کہ اچھے کام یا انکی وہ کوششیں جو مسلمانوں کے خلاف ہوں کامیاب ہوں یہی فیصلہ ہے کہ انکے کیئے ہوتے کام برباد کر دیئے اس وجہ سے نہ تو انکے کوئی اچھے کام اور نیک عمل ان کے کام آئے اور نہ انکے ساتھ جو کچھ انہوں نے اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محنت کی تدبیریں کیں وہ کارگر ثابت ہوئیں جسکا حاصل یہی ہے کہ آخرت اور دنیا ہر لحاظ سے انکے اعمال اور کوششیں حبط و برباد ہوئیں اور یہ سب کچھ اس بناء پر ہے کہ انہوں نے نفرت کی اس چیز سے جو اللہ نے نازل کی تو ظاہر ہے کہ اسکا یہی انجام ہوا کہ ان کے اعمال برباد کر دیئے حالانکہ اگر یہ خیر کے کام ایمان کے ساتھ کیئے جاتے تو اجر و ثواب کا ذریعہ ہو سکتے تھے

جہاد کا حکم فرمانے کے بعد ان آیات میں رب العزت نے مسلمانوں کو خدا کے دین کی مدد کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ خود انکی کامیابی و فتح کا راز یہی ہے۔

اگر مسلمان من حیث القوم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور عزت کی زندگی مطلوب ہے تو انکو چاہیئے کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں مصروف رہیں اور اپنی کوششیں اسی مقصد کے واسطے وقف کر دیں اسی کی برکت سے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں مضبوط و ثابت قدم رہیں گے اور یہی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اصل کامیابی آخرت کی ہے وہ صرف ایمان و تقویٰ

ملو حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر دے پر یہ بھی منظور نہیں جانچنا منظور ہے سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنی اور اللہ کی طرف سے کام بنانا۔ ۱۲

پر موقوف ہے۔

تاریخ اسکی شاہد ہے دیکھ لیں تو کیا انہوں نے سفر نہیں کیا ہے زمین میں کہ دیکھ لیں کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے جب انہوں نے انکار کیا اور خدا کے رسولوں کا مقابلہ کیا تو ہلاکت و تباہی مسلط کر دی اللہ نے ان پر اور کافروں کے واسطے انکی مثالیں ہیں جو عبرت کے واسطے کافی ہیں تو اب کفار مکہ بھی ان واقعات کو دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتے ہیں اور ابھی وقت ہے کہ وہ ہدایت قبول کر لیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ مولیٰ و مددگار ہے ایمان والوں کا اور بے شک جو کافر ہیں انکا کوئی مددگار نہیں حتیٰ کہ خود انکے معبود اور انکے ذرائع و وسائل بھی انکو عذاب خداوندی سے نہ بچا سکے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

فائدہ غزوۂ احد میں جب وقتی طور پر مسلمانوں کو کچھ پریشانی پیش آگئی تھی تو ابو سفیان بن حرب نے پکارا تھا لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم۔ حضرات صحابہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم کیا کہیں آپ نے فرمایا۔ کہہ دو اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ

مقرر اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لاتے اور کیے بھلے کام باغوں میں

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَ

نیچے بہتی انکے ندیاں اور جو منکر ہیں برتتے ہیں اور

يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ﴿١٢﴾ وَ

کھاتے ہیں جیسے کھاویں ڈھور اور آگ ہے گھر ان کا اور

كَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي

کتنی تھی بستیاں جو زیادہ تھیں زور میں اس تیری بستی سے جس

أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ

نے تجھ کو نکالا۔ ہم نے انکو کھپا دیا پھر کوئی نہیں انکا مددگار بھلا ایک جو چلتا ہے

بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا

سوجھی راہ پر اپنے رب کی، برابر اسکے جسکو بھلا دکھایا اسکا برا کام اور چلتے ہیں

اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِیْهَآ

اپنے چاؤں پر احوال اس بہشت کا جو وعدہ ہے ڈر والوں کو اس میں

اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ

نہریں ہیں پانی کی جو بو نہیں کر گیا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ

یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۬ۚ وَ

نہیں پھرا اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کو اور

اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ۭ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

نہریں ہیں شہد کی جھاگ اتارا ہوا اور ان کو وہاں سب طرح کے میوے

وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا

اور معافی ہے انکے رب سے برابر انکے جو سدا رہتا ہے آگ میں اور پلایا ہے

مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ

انکو کھولتا پانی تو کاٹ نکلا انکی آنتیں اور بعضے ان میں ہیں کہ کان رکھتے

اِلَیْكَ ۚ حَتّٰۤی اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا

تیری طرف یہاں تک کہ جب نکلیں تیرے پاس سے کہتے ہیں انکو جنکو علم

الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی

ملا کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی یہ وہی ہیں جن کے دل پر

قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ

مہر رکھی ہے اللہ نے اور چلے ہیں اپنی چاؤں پر اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں

هُدًی وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ

انکو اور بڑھی اس سے سوجھ اور انکو اس سے ملا بچکر چلنا اب یہی راہ دیکھتے ہیں اس گھڑی کی

اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ

کہ آکھڑی ہو ان پر اچانک سو آچکی ہیں اسکی نشانیاں سو کہاں ملے گی انکو

اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

جب وہ آپہنچی سمجھ پکڑنی سو تو جان رکھ کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ

اور معافی مانگ اپنے گناہ کو اور ایمان دار مردوں کو اور عورتوں کو اور اللہ کو

يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

معلوم ہے گشت تمہاری، اور گھر تمہارا

جزاء انعامات اہلِ سعادت و محرومی و بدنصیبی اہلِ شقاوت

قال اللّٰہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...... الیٰ ...... مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ

(ربط) گذشتہ آیات میں مسلمانوں کے غلبہ و کامیابی کا ایک راز بیان فرمایا گیا اور وہ ضابطہ جس پر نصرت خداوندی انکے شامل حال ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ تاریخی واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے ظاہر کر دیا گیا کہ ہمیشہ سے قانونِ قدرت اسی طرح چلا آرہا ہے کہ حق کو غلبہ ہوتا ہے اور باطل اپنے جملہ مادی وسائل اور ذرائع کے ناکام و مغلوب ہوتا ہے تو اب ان آیات میں اہل مکہ پر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہونے والے انعامات کا ـــــ بیان ہے اور یہ کہ انکو دنیوی کامیابی برتری اور عزت کے علاوہ آخرت میں جنت کی بے پایاں نعمتوں سے نوازا جائے گا اور جو قومیں شقاوت و بدبختی کا شکار ہو گئیں انکے واسطے سوائے ذلت و ناکامی اور عذاب آخرت کے اور کچھ نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ کافر کی حیات بے مقصد اور بے معنی ہے اس لحاظ سے ان کا دنیوی زندگی میں کھانا پینا مادی اسباب عیش و راحت سے تمتع بالکل حیوانوں کی طرح ہے کہ حیوان کا بھی اس دنیوی زندگی کا کوئی مقصد حیات نہیں بس یہی دنیا کی زندگی اسکی زندگی ہے بالکل یہی حال کفار و منکرین کا بھی ہے۔

ارشاد فرمایا جارہا ہے بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ایمان والوں کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے نیکی کے کام کئے ایسے باغات میں جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ دنیا

کے سازو سامان سے نفع اٹھا رہے ہیں اور کھا رہے ہیں جیسے کہ چوپائے کھاتے ہوں کہ انکو اس حیات دنیوی کے مابعد آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں اور سمجھتے ہی نہیں کہ یہ دنیوی حیات کس مقصد کیلئے انسان کو دی گئی ہے اور نیز مال و دولت کی حرص بھی اچھے برے اور نفع نقصان میں انکو تمیز نہیں کرنے دیتی جس طرح چوپائے تمیز نہیں کرتے کہ کیا چیز اچھی ہے اور کیا بری بس چارہ کی حرص ہے اور ہر چیز پیٹ میں بھرے چلے جا رہے ہیں تو ٹھیک ہے چند دن مزے اڑالیں مگر بس آگ ہی انکا ٹھکانا ہے جو انکے واسطے گویا اسی طرح تیار کیا ہوا ہے جیسے کسی انسان کے واسطے اس کا گھر بطور ٹھکانے کے تیار کیا جاتا ہے۔

اور کتنی ہی بستیاں تھیں گزری ہوئی تاریخ میں جنکے تذکرے موجود ہیں جو زیادہ طاقت ور تھیں بہ نسبت آپ کی اس بستی کے کہ جس نے نکالا آپ کو اور آپ اس سرزمین سے ہجرت کرکے اب مدینہ منورہ جا رہے ہیں کہ ہم نے انکو تباہ کر ڈالا پھر انکا کوئی مددگار نہ تھا اس لیے اہل مکہ کو اپنے زور اور طاقت پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے یہ قوم عاد و ثمود اور مدین والے تو بڑے ہی طاقتور تھے مالی وسائل بھی بہت تھے ہر قسم کا سازو سامان تھا حتیٰ کہ پہاڑوں میں تراشے ہوئے محفوظ ترین مکانات تھے لیکن کیا کسی نے انکی کوئی مدد کرلی جب عذاب خداوندی آیا تو ایک ہی رات میں بستیاں کی بستیاں نیست و نابود ہوگئیں[1] تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح حجت اور صحیح راستہ پر ہے وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جسکے واسطے اسکے برے اعمال رچا دیئے گئے اور وہ ان ہی اعمال خبیثہ کو اچھا سمجھ رہا ہے اور وہ لوگ اپنی خواہشات پر ہی چلتے ہیں؟ ہرگز نہیں دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے ظاہر ہے کہ جو شخص نہایت ہی ——— شرح صدر اور فہم و بصیرت کے ساتھ حق و صداقت کے کشادہ راستہ پر بے روک ٹوک چل رہا ہو وہ اس شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جو متحیر و مبہوت و بدحواسی کے عالم میں ایک تاریک راستہ میں بھٹک رہا ہے اور ٹھوکریں کھا رہا ہے حتیٰ کہ وہ سیاہ و سفید اور نیک و بد کی بھی تمیز نہ کر سکتا ہو اور خواہشات نفس کی پیروی میں ہر بری چیز کو بھلی سمجھ رہا ہو حال اس جنت کا جسکا تقویٰ والوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جو متغیر و بدبو دار نہیں ہوتا خواہ وہ کتنے ہی زمانہ تک رکھا رہے جس کا مزہ شہد سے زیادہ شیریں اور رنگ دودھ سے زائد سفید ہے نہ اسکے رنگ میں تغیر آتا ہے اور نہ اسکے مزے میں اور نہریں ہیں دودھ کی جسکے مزہ میں کوئی فرق نہیں آتا خواہ کتنا ہی وقت گزر جائے اور نہریں ہیں شراب طہور کی جس میں لذت ہے پینے والوں کے واسطے برخلاف دنیوی شرابوں کے کہ نہ ان میں کوئی لذت نہ مزہ

---

[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ہجرت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ سے نکل کر مدینہ منورہ جا رہے تھے اور مکہ سے نکلتے وقت آپ نے چہرۂ انور مکہ کی آبادی یعنی بیت اللہ کی طرف کیا اور فرمایا اے سرزمین مکہ تو مجھے کس قدر محبوب ہے خدا کی قسم اگر یہ تیری قوم مجھ کو نکلنے پر مجبور نہ کرتی تو میں ہرگز نہ نکلتا: ۱۲

نہ فرحت بلکہ بدبوگندگی اور قلب کی بے چینی اور دماغ کی مدہوشی اور جسمانی امراض کے سوا ان میں کچھ نہیں اور نہریں ہیں شہد کی جو جھاگ سے صاف کیا ہوا ہو جس میں تکدر کا تو کیا شائبہ ہو اس میں جھاگ تک بھی نہ ہو گا بلور کی طرح صاف اور چمکدار ہو گا۔

اور غرض انکے واسطے اس جنت میں ہر قسم کے پھل ہوں گے کہ لطیف مشروبات کے لطف و سرور کے ساتھ ماکولات میں بھی مفرح اور لذیذ پھل ہوں گے اور ان سب نعمتوں سے بڑھ کر یہ کہ مغفرت و معافی ہو گی انکے رب کی طرف سے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس سے بھی قلب کو اطمینان ہو جائے گا کہ اب آئندہ کسی بات پر پروردگار کی طرف سے عتاب و عقاب نہ ہو گا ورنہ تو انسان کو ہر نعمت کے ہوتے ہوئے بھی نعمتوں کے زوال اور مصیبت کے نزول کا تصور فکر و غم کا موجب ہوتا ہے جس سے اہل جنت مامون کر دیئے جائیں گے حق تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ معافی اور اعلان خوشنودی فرما دینے کی وجہ سے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ تو کیا یہ ایمان و تقویٰ والے جنکو ایسی عظیم الشان نعمتوں سے نوازا جائے گا اس شخص کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ کے لیے آگ میں ہو اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جاتے گا جو انکی آنتوں کو بھی کاٹ ڈالے (اعاذنا اللہ منہ) یقیناً دونوں گروہ برابر نہیں ہر عقل والا سمجھ سکتا ہے بس اسی طرح اہل ایمان اور منکر بھی برابر نہیں اہل ایمان و تقویٰ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سرشار ہوں گے اور منکرین و کفار آلام و مصائب اور نارِ جہنم میں مبتلا ہوں گے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے باسناد حکیم بن معاویہؓ عن ابیہ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے بیشک جنت میں پانی کے سمندر کے ساتھ ایک سمندر دودھ کا ہے اور ایک شہد اور ایک شراب طہور کا جن سے نہریں نکل رہی ہیں۔

اور ایک حدیث میں ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے لوگو! جب تم اللہ سے جنت کے لیے دعا مانگو تو فردوس کا سوال کیا کرو کیونکہ فردوس جنت کا درمیانی اور اعلیٰ ترین مقام ہے جس سے تمام نہریں جنت کی بہہ رہی ہیں اور اسکے اوپر عرشِ رحمٰن ہے۔

بہرحال اہلِ ایمان و تقویٰ یقین و توجہ کے ساتھ ان باتوں کو سن کر وحی الٰہی اور تعلیماتِ نبویہ کے آثار قبول کرتے ہیں اور روحانی ہدایات و معارف سے اپنے قلوب کو منور اور اپنی زندگیوں کو مزین بناتے ہیں اس کے بالمقابل ایک گروہ منافقین کا ہے جن کا یہ حال ہے اور بہت سے ان میں سے ایسے ہیں کہ جو کان لگاتے ہیں اے ہمارے پیغمبر آپ کی طرف اور آپ کی باتیں سنتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو کہتے ہیں ان لوگوں سے جنکو علم دیا گیا اور وہ علم و رشد

سلہ اس کا ثبوت شراب کے اثرات کے تجزیہ و تحقیق سے واضح طور پر موجود ہے اور یورپ کے لوگ جو شراب میں بدمست رہتے ہیں انکی صورت و شکل اور حالت اس کا شاہد ہیں ۱۲

کے باعث ایمان سے مشرف ہوئے یعنی حضرات صحابہؓ سے کیا ہے یہ بات جو ابھی آپ نے کہی ہے اس ارشاد فرماتے ہوئے قول کی تحقیر و تنقیص کرتے ہوئے کہ یہ بھی کوئی ہم تو نہیں سمجھ سکے کیا کہا ہے تاکہ ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سننے والے ان سے متاثر نہ ہوں بلکہ جو تاثر ان پر ہوا ہو اس کو بھی تذبذب کی کیفیت میں بدل ڈالیں یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور جب دلوں پر مہر لگ گئی تو اب کہاں انکو سمجھ اور ہدایت نصیب ہو سکتی ہے اور جن لوگوں نے ہدایت قبول کی خدا تعالیٰ انکی ہدایت میں اور اضافہ کرتا ہے اور خدا نے ان کو تقویٰ عطا کیا ہے اس وجہ سے جب بھی وہ پیغمبر خدا کا ارشاد سنتے ہیں انکے ایمان و تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے اور منافقین جب بھی اس طرح کی کوئی کوشش کرتے ہیں کہ انکے ایمان و اعتقاد کو کوئی ٹھیس پہنچے خدا تعالیٰ اسکے برعکس انکے نور ایمان و تقویٰ میں اور زیادتی ہی فرماتا ہے یہ باتیں ایسی ہیں کہ انکو سن کر ہر منافق و منکر کو اپنے نفاق و کفر اور اسلام کے خلاف سازشوں اور مسلمانوں کے ساتھ ریشہ دوانیوں سے باز آجانا چاہیئے بلکہ دلائل و حقائق کی روشنی میں ان لوگوں کو حق و ہدایت قبول کر لینا چاہیئے مگر پھر افسوس انکے نفاق و کفر میں نہ کوئی کمی ہے اور نہ ہی اس سے رجوع کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں تو پھر کیا یہ صرف قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ناگہاں ان پر آجائے ایسے منکروں کو قیامت دور نہ سمجھنی چاہیئے اور نہ اسکا ذکر سن کر مذاق اڑانا چاہیئے پس حقیقت تو یہ ہے کہ قیامت کی نشانیاں تو آچکی ہیں پھر بھی یہ لوگ نہ باز آتے ہیں اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔

تو کہاں سود مند ہوگا انکا نصیحت قبول کرنا جب کہ قیامت ان پر آہی جائے گی اس وقت تو توبہ کے سب دروازے بند ہو چکے ہوں گے نہ تو کوئی توبہ قبول ہوگی نہ کوئی معذرت سنی جائے گی اور نہ ہی کسی کا ایمان قبول ہوگا جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ میں یہ قانون واضح فرما دیا گیا یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا کیونکہ قیامت کے قریب علامات مثلاً طلوع الشمس من المغرب سے نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا اور عالم غیب نظروں کے سامنے مشاہد ہونے لگے گا تو پھر ایمان بالغیب ہی نہ رہے گا اور ایمان تو وہی ہے جو بالغیب ہو۔

بہر کیف[۱] یہ پیغام توحید اور دعوت ایمان منکرین و کفار سنیں یا نہ سنیں، مانیں یا نہ مانیں اے ہمارے پیغمبر! آپ جان لیجئے یہ بات کہ یقیناً وہ خدا تنہا ایک ہی معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جیسا[۲] کہ آپ

عـــہ ”بہر کیف“ فاعلم میں جو ”فا“ ہے اسکا ترجمہ کیا گیا ۱۲

عـــہ۲ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ خطاب عام ہے اور بعض کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے تو یہ الفاظ جیسا کہ آپ جانتے ہیں اسی قول کے پیش نظر ہیں یہ علم اگرچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے تھا لیکن مقصود اسکے مقتضا پر عمل کی تلقین و تاکید ہے۔

جانتے ہیں اسی پر قائم رہیئے اور استغفار کرتے رہیئے اپنی تقصیر ولغزش کے لیے اور تمام ایمان دار مردوں اور عورتوں کیلیئے اور اللہ کو معلوم ہے تمہارا لوٹنا پلٹنا چلنا پھرنا اور تمہارا ٹھکانا تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں اور نہ کسی کا انجام اور ٹھکانا کہ آخرت میں کیا ہے وہ بھی اس سے مخفی نہیں اسلیئے نہ تو اہل ایمان کو مایوس ہونا چاہیئے اور نہ کفار پر عالم دنیا میں عذاب کی تاخیر سے پریشان ہونا چاہیئے اور نہ ہی یہ سمجھنا چاہیئے کہ جس مغلوبی اور مظلومی کے دور سے مسلمان آج گزر رہے ہیں وہ کبھی بدلے گا نہیں یہ سب باتیں اللہ کے علم محیط وازلی میں ہیں غرض عارضی اور وقتی احوال کو مستقل نہ سمجھنا چاہیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلیئے امر بالاستغفار کی حقیقت

آیت مبارکہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ میں استغفار کا حکم مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تو اس صورت میں "ذنب" سے مراد امرِ خداوندی کی خلاف ورزی اور نافرمانی جیسی کوئی چیز ہرگز ممکن نہیں اسلیئے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور عصمت انبیاء کا مسئلہ دین کے اصول مسلّم میں سے ہے جیساکہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں مسئلہ عصمت انبیاءؑ پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل کے ساتھ کلام فرمایا ہے اس وجہ سے لامحالہ لفظ ذنب سے مراد کوتاہی اور کمی یا منشاءِ خداوندی کی کسی اجتہادی مسئلہ میں پوری پوری مطابقت کا نہ ہونا سمجھا جائے گا قانون ہے حسنات الابرار سیئات المقربین کہ عام نیکوں کے حسنات ونیکیاں بارگاہِ خداوندی کے مقربین کے حق میں خطاء وتقصیر ہیں اصل حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہر لحظہ مدارج کی ترقی اور بلندی کا ہوتا ہے اور ہر آنے والی گھڑی گذشتہ گھڑی کی نسبت عظمت وبلندی کے مقام پر پہنچانے والی ہوتی تھی اور آپؐ کے قلب وذہن میں جن مدارج ومقامات کی آرزو ہوتی تھی ان تک آپؐ کا اپنے تخیل کے لحاظ سے یہ محسوس کرنا کہ نہیں عروج ہوا تقصیر کا درجہ ہے جسکو ذنب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور اس پر گویا یہ حکم ہے اور اسی کی تعمیل میں آپ کا یہ دستور العمل تھا جس کو ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنّی لَاَستغفر اللّٰہ کل یوم مأۃ مرۃ: کہ ہر روز میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں سو مرتبہ (مسند احمد بن حنبل جامع ترمذی) امام مسلم ابوداؤد ونسائی نے اغر مزنیؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انہٗ لیغان قلبی وانی لاستغفر اللّٰہ کل یوم مأۃ مرۃ کذا

عـہ مسند احمد بن حنبلؒ جامع ترمذی صحیح مسلم سنن نسائی

قلب پر ایک قسم کی رکاوٹ یا تکدر محسوس ہوتا ہے اور البتہ میں اللہ رب العزت سے استغفار کرتا ہوں ہر روز ایک سو مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے تھے آپ نے فرمایا جب بھی میں صبح کرتا ہوں تو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ میں سو مرتبہ استغفار نہ کر لوں معلوم ہوا کہ کل یوم سے ہر دن کی صبح کے وقت اسکی پابندی مراد ہے وگرنہ آپؐ کی تو ایک ایک مجلس میں ایک ہی دن میں متعدد بار ایک سو مرتبہ سے زائد استغفار کی تعداد ہو جاتی تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک ہی نشست میں آپؐ کے استغفار شمار کرتے تو سو مرتبہ سے زائد ہو جاتا تھا۔ اور یہ جو رکاوٹ یا مراتب عالیہ کی عروج و بلندی میں کمی کا ذکر حدیث میں وارد ہوا اسکی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ پیغمبر خدا کی ظاہر اشتغال کے لحاظ سے دو جانبیں ہیں ایک اشتغال الی الحق اور دوسری جانب اشتغال مع الخلق ہے اگرچہ آپؐ کا اشتغال مع الخلق بھی جو کہ امت کی تعلیم و تربیت کی صورت میں ہے اللہ ہی کے لیے ہے لیکن صورۃً اشتغال الی الحق سے بظاہر تعطل نظر آتا ہے تو اسی کو آپؐ تقصیر و کوتاہی فرما رہے ہیں اور اسی پر سلسلہ استغفار ہے اور یہی وہ ہے جس کو وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ میں فرمایا گیا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ
اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اُتری ایک سورت

فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا
پھر جب اُتری ایک سورت جانچی ہوئی اور ذکر ہوا اس میں

الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
لڑائی کا تو تُو دیکھتا ہے جنکے دل میں

مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ
روگ ہے تکتے ہیں تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بیہوش پڑا مرنے

الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ⑳ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا
کے وقت سو خرابی ہے انکی حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی پھر جب

عَزَمَ الْاَمْرُ ۚ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ

تاکید ہو کام کی تو اگر سچے رہیں اللہ سے، تو ان کا بھلا ہے پھر تم

عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ

سے یہ بھی توقع ہے اگر تم کو حکومت ہو کر خرابی ڈالو ملک میں، اور

تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ

توڑو اپنے ناتے ایسے لوگ وہی ہیں جنکو پھٹکارا اللہ نے پھر کر دیا

وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ

انکو بہرے، اور اندھی انکی آنکھیں کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا

عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى

دلوں پر لگ رہے ہیں اُنکے قفل؟ جو لوگ اُلٹے پھر گئے اپنی

اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ

پیٹھ پر پیچھے اس سے کہ کھل چکی ان پر راہ، شیطان نے

سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ

بات بنائی انکے دل میں اور دیر کے وعدے دیتے یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہا ان سے

كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ

جو بیزار ہیں اللہ کے اُتارے سے ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعضے کام میں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

اور اللہ جانتا ہے ان کا مشورہ کرنا پھر کیسا ہوگا؟ جب کہ فرشتے جان نکالیں گے

يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا

انکی مارتے جاتے ہیں اُن کے منہ پر اور پیٹھ پر یہ اس پر کہ وہ چلے اس راہ

مَآ اَسۡخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوۡا رِضۡوَانَهٗ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ۲۸

جس سے اللہ بیزار، اور ناپسند کی اسکی خوشی، پھر اُس نے اکارت کردیئے انکے کیے

جذبۂ ایمان و اخلاص مؤمنین و شناعت اعتقاد و عمل منافقین

قال اللہ تعالیٰ وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَتۡ سُوۡرَةٌ ۔۔۔ اِلیٰ ۔۔۔ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ

(ربط) گذشتہ آیات میں سعادت منداہل ایمان اور انکی مقبولیت عنداللہ کا ذکر تھا اور یہ کہ مجرمین کا انجام ہلاکت اور دین و دنیا کی ذلت و رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں تو اب ان آیات میں یہ ذکر فرمایا جارہا ہے کہ مؤمنین مخلصین کا جذبہ کس قدر پاکیزہ ہوتا ہے اور وہ اللہ کا دین قائم کرنے کیلئے کس طرح جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو کرتے ہیں مگر اسکے برعکس منافق اور وہ لوگ جنکے دلوں میں روگ ہوتا ہے وہ کس کس طرح دین اور احکام دین کی پیروی کرنے سے گریز کرتے ہیں ایسے لوگوں کی بداعمالیوں اور فساد فی الارض کو بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کا پھر اعادہ کیا گیا انسانی سعادت اور کامیابی خدا اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری میں ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔

اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اتاری گئی ایک سورت خاص طور سے جس میں جہاد کی اجازت دے دی جائے اور احکام جہاد کی تفصیل بیان کردی جائے حضرات صحابہؓ جہاد کی فرضیت سے قبل اسکی تمنا اور طلب میں تھے جسکے لیے سب سے پہلے "اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا" نازل کی گئی یہ تو جذبہ اہل ایمان کا تھا لیکن پھر جب نازل کی گئی ایک سورت جانچی ہوئی جو اپنے ٹھیک وقت پر اتاری گئی اور جس میں جچے تلے احکام تھے اور اس میں ذکر ہوا قتال کا تو اے ہمارے پیغمبر! آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جنکے دلوں میں مرض ہے تو وہ حیرانی اور بدحواسی کے عالم میں آپ کی طرف دیکھتے ہیں اس شخص کی طرح دیکھنا جس پر موت کے وقت کی غشی طاری ہوتی ہو کہ خوفزدہ ہو کر پھٹی پھٹی بے رونق آنکھوں سے دیکھتا ہے جیسے کہ مرتے وقت انسان کی آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے بس ہلاکت و بربادی ہے انکے واسطے جو نفاق اور ضعف ایمان کی وجہ سے اسی طرح کی کیفیات میں مبتلا ہیں حکم ماننا اور بھلی بات کہنا ہی سعادت و نجات ہے پھر جب معاملہ پختہ ہو جاتے اور جہاد کے لیے قدم اٹھانا ضروری ہو جاتے تو کامیابی اسی میں مضمر ہے کہ فرمانبرداری و اطاعت کا جو زبان سے اظہار کیا جارہا ہے اس کی تکمیل عملاً کریں یہی انکے قول و قرار کی عملی تصدیق ہوگی سو اگر وہ سچے رہتے اللہ کے ساتھ اپنے وعدوں اور اقراروں میں تو انکے حق میں بہتر ہوتا تو اے

ؔ علامہ آلوسیؒ کی رائے یہ ہے کہ فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ میں اذا کا جواب فَلَوۡ صَدَقُوا اللّٰهَ ہے اس

باقی حاشیہ صفحہ ۶۱۵ پر ہے

وہ لوگو! جو دل کی بیماری نفاق اور گندگی میں مبتلا ہونے کے باعث جہاد کی فرضیت کا حکم نازل ہوتے ہی اپنے اوپر موت کی سی گھٹن اور بدحواسی محسوس کرنے لگے ہو کیا یہ بات متوقع نہیں ہے کہ اگر تم جہاد سے روگردانی کرو تو پھر نوبت یہ آجائے گی کہ تم زمین میں فساد برپا کر دوگے اور قطع رحمی کر دوگے کہ قرابتوں کو پامال کر کے اور انکی حق تلفی کر کے نظام عالم کو تباہ و برباد کر دوگے یہ لوگ یقیناً ایسے ہیں کہ اللہ نے انکو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اس طرح عله کہ انکو بہرا کر دیا حق کے سننے سے اور اندھا کر دیا ہے حقائق کے مشاہدے سے انکی آنکھوں کو اس وجہ سے نہ تو کوئی حق کی بات سننے کی توفیق ہو سکتی ہے اور نہ ہی حق اور دلائل و آیات کا مشاہدہ ممکن ہے اور یہی وہ ذرائع اور راستے ہیں جن سے انسان سعادت اور حق قبول کیا کرتا ہے اور ظاہر ہے حق تعالیٰ نے جو حواس انسان کو اسی غرض سے عطا کیے ہیں وہ ان کو کام میں لاتے اگر وہ ان کو اپنی بدنصیبی سے معطل کر دے تو یقیناً خدا کی رحمت سے دور ہوگا رحمت خداوندی کا مستحق انسان تو وہی ہے جو ہدایت اور حق قبول کرے۔

انسان کو اللہ نے جس طرح ظاہری بینائی اور بصارت عطا کی ہے اسکو قلب کی بینائی اور بصیرت بھی عطا کی ہے اسے عقل و فکر سے نوازا ہے۔

تو ایسے لوگ کیوں نہیں غور و فکر کرتے قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا دلوں پر لگے ہوئے ہیں ان کے قفل کہ انکی بداعمالیوں اور غفلت کی وجہ سے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا بے شک جو لوگ الٹے پھر گئے ہیں اپنی پیٹھ پر بجائے اسکے کہ حق و ہدایت کی طرف بڑھیں اور پیش قدمی کریں وہ پھر پشت کی طرف الٹے جاہلیت و کفر ہی کی جانب لوٹ رہے ہیں بعد اسکے کہ انکو سیدھا راستہ واضح ہو چکا حقیقت یہ ہے شیطان نے انکے واسطے گمراہی رچا دی ہے عله انکے دلوں میں اور دور کی باتیں سجھائیں کہ جہاد میں جانے سے تو ہو سکتا ہے جلد مر جائیں اور اگر نہ گئے تو دیر تک زندہ رہیں گے خواہ مخواہ جہاد میں جا کر مر جانے سے کیا فائدہ دور دراز کی باتیں اور امیدیں بھی دل میں رچائیں

عله اس لفظ میں اشارہ ہے کہ فاتصویر کے معنی میں ہے نہ کہ تعقیب کے لیے کیونکہ ان لوگوں کا اندھا اور بہرا ہونا مقدم ہے لَعَنَهُمُ اللّٰهُ سے بلکہ ملعون ہونا ان احوال پر مرتب ہے ۱۲۔

عله "اَلشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰی لَهُمْ" میں شیطان کی طرف دو باتوں کی نسبت کی گئی ایک تسویل اور دوسرے املاء تسویل کے معنی مزین کر دینے اور رچا دینے کے ہیں یعنی شیطان نے برے اور قابل نفرت کاموں کو مزین کر کے انکے دلوں میں پسندیدہ اور قابل رغبت بنا دیا مراد یہ کہ ان کو ایسی طویل آرزوؤں اور امیدوں میں الجھا دیا کہ انکے پورے ہونے کی امید نہیں۔

اور دھوکہ میں ڈالا جیسا کہ ارشاد ہے "وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا" یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جو اللہ کی نازل کی ہوئی چیز سے نفرت کرتے تھے کہا یعنی یہودیوں سے ہم تمہاری اطاعت کریں گے بعضے کاموں میں اگرچہ ہم نے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کیا ہے لیکن ہم درحقیقت انکے ساتھ نہیں بلکہ دل سے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری موافقت و اطاعت کریں گے اگر مسلمان تم پر حملہ کریں گے تو ہم اس وجہ سے کہ ظاہر میں مسلمان ہیں یہ نہیں ہوگا کہ انکا ساتھ دیتے ہوئے تم سے لڑیں بلکہ ایسی صورت میں کہ تم مسلمانوں سے مقابلہ کرو ہم تمہارا ساتھ دیں گے منافقین یہ باتیں کہہ رہے ہیں اور اللہ ان کے یہ خفیہ مشورے جانتا ہے یہ منافقین ان خفیہ معاہدوں اور رازدارانہ مشوروں کو یہ خیال کرتے ہیں کہ انکی کسی کو خبر نہیں یہ غلط ہے خدا جانتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ انکی معاندانہ باہمی اور حاسدانہ مکاریاں خدا کو معلوم ہیں اور عنقریب انکے مکروفریب کے تمام حربے طشت ازبام کردے گا اور یہ لوگ اپنی ان منافقانہ سازشوں کی سزا اور عذاب سے ہرگز نہیں بچ سکتے تو پھر یہ سوچ لیں کہ کیا حال ہوگا جب کہ فرشتے انکی جان نکالیں گے اور مارتے جا رہے ہوں گے ان کے مونہوں اور پیٹھ پر تو اس وقت نفاق کا مزہ خوب چکھیں گے یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جس نے اللہ کو ناراض کیا اور خدا اس سے بیزار ہے اور پسند نہ کی انہوں نے اللہ کی رضامندی تو انکے سارے کام اکارت کر ڈالے اور جو تدبیریں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی تھیں وہ بھی برباد ہوئیں اور ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا اس طرح دنیا میں تباہ ہوئے اور آخرت کے عذاب کو بھی اپنے اوپر مسلط کر لیا۔

سمہ جیسے کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ یوں تو کفار کی ارواح کے قبض کے وقت جسم کا ایک ایک حصہ کرب و عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن اس وجہ سے کہ منافقین نے مونہہ سے جھوٹ بولا تھا مونہوں پر مار پڑتی ہوگی اور اللہ کی اطاعت سے پیٹھ پھیری تھی تو پشت پر فرشتے گرز مارتے ہوں گے ۱۲

بقیہ حاشیہ از صفحہ ۴۱۳

تقدیر پر مراد یہ ہوگی کہ جہاد کے حکم و تاکید اور مرحلہ جہاد کے سامنے آجانے پر اگر یہ لوگ اللہ کے ساتھ سچے رہتے تو بہتر تھا اور بعض ائمہ نحاۃ وعربیہ کی رائے یہ ہے کہ فَاِذَا عَزَمَ کا جواب محذوف ہے اور وہ کَرِهُوْا وغیرہ جیسا مضمون ہے یعنی جہاد کے حکم اور اسکی نوبت آنے پر دل سے اسکو ناگوار سمجھنے لگے اور پہلو تہی کرنے لگے جیسے کہ حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ اور فرمایا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً۔ تفسیر سورۂ نساء میں گزر چکی ۱۲

اقتدار و حکومت ایمان و اخلاص کے بغیر فساد عالم کا باعث ہے

فائدہ آیت مبارکہ فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ میں لفظ تولی کا ترجمہ روگردانی سے کیا گیا ہے جیسا کہ بعض ائمہ مفسرین کرام یہی مفہوم ذکر کرتے ہیں تو اعراض و روگردانی کے معنی لینے کی صورت میں اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِي الۡاَرۡضِ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد سے اعراض و روگردانی کرو گے تو زمین میں فساد برپا ہو جائے گا اور عدل و انصاف قائم نہ رہ سکے گا بلکہ ظلم و استبداد اور حق تلفی و قطع رحمی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا اس سے یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ درحقیقت دنیا میں قیام امن اور تحفظِ حقوق کا ذریعہ ہے اس لیئے کہ حقوق انسانی کا تحفظ صرف اللہ کے قانون میں ہے اور جہاد اعلاء کلمۃ اللہ اور دینِ خداوندی کے قائم کرنے ہی کے واسطے ہوتا ہے اسکے برعکس کفر ہر قسم کی بدامنی ظلم و حق تلفی کا باعث ہے اور آج کی دنیا میں یہ بات مشاہدہ اور تجربہ میں بخوبی آچکی ہے دنیا کے امن و سکون کو تباہ کرنے والی ایٹمی طاقتیں سرزمین کفر ہی سے تمام عالم میں پھیل رہی ہیں اور اس امر کا اعتراف ہر صاحب عقل کرنے پر مجبور ہے کہ کفر ہی درحقیقت تمام فتنوں کا سرچشمہ اور امنِ عالم کو تباہ کرنے والا ہے ایک طرف کفر فسادِ عالم کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف حق تلفی اور ظلم و استبداد کا بھی باعث ہے بعض ائمہ مفسرین نے اِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ کا ترجمہ ولایت سے مشتق قرار دیتے ہوئے حکومت و ولایت کے حاصل کرنے کا کیا ہے یعنی اگر تم کو حکومت مل جائے" حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے ترجمہ میں اسی کو اختیار فرمایا۔ تو اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ ایسے منافقین جن کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ سے بھی کوئی بات سچی نہیں کرتے اگر حکومت و اقتدار حاصل کر لیں تو انجام یہ ہوگا امنِ عالم کو تباہ کر دیں گے اور لوگوں کے حقوق پامال کرتے ہوئے قطع رحمی کرنے لگیں گے حکومت و اقتدار کا نشہ بالعموم اعتدال و انصاف کی راہ سے بھٹکا دیتا ہے دنیا کی حرص، جاہ و مال، نفس پرستی، اغراض و خواہشات کی پیروی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ فتنے اور ہنگامے پھیلتے ہیں باہمی تعلقات انس و محبت اور اخوت کی فضا قطعًا ختم ہو جاتی ہے ان تمام برائیوں سے بچانے والی قوت ایمان و اخلاص ہے اس لیے اگر حکومت و اقتدار ان برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے تو وہ ایمان و اخلاص ہی کی وجہ سے ممکن ہوگا ورنہ منافق قسم کے لوگوں کا اقتدار و حکومت عالم کی تباہی ہی کا موجب ہوگی عـه

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ میں یہی ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ فساد فی الارض اور قطع علائق مخلوق خدا کو خدا کی رحمت سے دور اور محروم کر دینے والی ہے

عـه ملاحظہ فرمائیں روح المعانی تفسیر قرطبی اور ابن کثیر ۱۲ منہ

صلہ رحمی کی تاکید اور معاشرہ میں اس کے آثار و برکات

تفسیر کے سابق حصوں میں صلہ رحمی کے بارہ میں تفصیل سے کلام کیا جا چکا ہے صلہ رحمی حقوق قرابت کے ادا کرنے کا نام ہے قطع رحمی کرنے والے کتاب اللہ میں بدترین مجرم قرار دیئے گئے اور صلہ رحمی اور حقوق قرابت ادا کرنے والوں کو مفلحین و فائزین میں شمار فرمایا گیا۔

لفظ "رحم" وضع لغت کے لحاظ سے ماں کے پیٹ میں بچہ کے مقام تخلیق کو کہتے ہیں کیونکہ تمام رشتوں اور قرابتوں کا اصل منشاء یہی ہے اس وجہ سے رحم قرابت کا نام ہوا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[1] کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جو شخص صلہ رحمی کرے گا میں اسکو اپنے قریب کروں گا اور جو شخص قطع رحمی کرے گا میں اسکو اپنے سے قطع اور جدا کر دوں گا۔

اور یہ بھی ارشاد ہے کہ میں رحمٰن و رحیم ہوں رحم (قرابت) کو میں نے اپنے نام میں سے نکالا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ آپ نے فرمایا قطع رحمی اور ظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اسکی آخرت کی سزا کے علاوہ دنیا میں بھی اسکی سزا جلد از جلد دیتا ہو[2] حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اسکے رزق اور اسکی عمر میں برکت ہو تو اسکو چاہیئے کہ وہ صلہ رحمی کرے اور صلہ رحمی یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی عزیز و قریب قرابت کا لحاظ کرتا ہے تو اسکے ساتھ ایسا ہی حق قرابت کی ادائیگی کا معاملہ کیا جائے گا بلکہ صلہ رحمی کی حقیقت وہ ہے جسکو فرمایا گیا لیس الواصل بالمکافیٔ ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلھا یعنی صلہ رحمی کرنیوالا وہ شخص نہیں جو مکافات اور بدلہ کا معاملہ کر رہا ہو حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا تو وہ شخص ہے کہ جب اسکے ساتھ قطع تعلق اور حقوق قرابت کی پامالی کا معاملہ کیا جاتے تو یہ صلہ رحمی کرے اور اپنے اوپر جو حق قرابت عائد ہے اسکو ادا کرتا رہے۔

ظاہر ہے کہ معاشرہ میں اگر یہ خوبی عملی طور پر پھیل جاتے کہ ہر شخص اپنے حقوق کی وصولی اور مطالبہ کے جذبات و جدوجہد سے بے نیاز ہو کر صرف اسی فکر میں لگ جائے کہ مجھ پر جو حقوق دوسروں کے عائد ہیں جس طرح ممکن ہو اور جو بھی کچھ ہو ادا کروں گا تو بلاشبہ یہ طرز زندگی انسانی حیات کو اطمینان و راحت اور سکون و عافیت کا گہوارہ بنا دے گا۔

---

[1] ابن کثیر۔ جامع ترمذی ابو داؤد۔ ۱۲

[2] ابن کثیر۔ ۱۲

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ

کیا خیال رکھتے ہیں؟ جنکے دل میں روگ ہے کہ اللہ نہ کھولے گا

اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ

ان کے جیوں کے بیر اور اگر ہم چاہیں تجھ کو دکھادیں انکو، سو پہچان تو چکا ہے تو انکے چہرے

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

سے اور آگے پہچان لے گا بات کے ڈھب سے اور اللہ کو معلوم ہیں تمہارے کام

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ

اور البتہ تم کو جانچیں گے تا معلوم کریں جو تم میں لڑائی والے ہیں اور ٹھہرنے والے

وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ

اور تحقیق کریں تمہاری خبریں جو لوگ منکر ہوئے اور روکا اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ

کی راہ سے اور خلاف ہوئے رسول سے پیچھے اسکے کہ کھل چکی ان پر

الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾

راہ نہ بگاڑ سکینگے اللہ کا کچھ اور وہ اکارت کر دیگا انکے کیے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو! حکم پر چلو اللہ کے

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ

اور حکم پر چلو رسول کے اور

لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

ضائع مت کرو اپنے کیے

تہدید و تحذیر با ظہار مکر و تدابیر منافقین و دشمنان اسلام و مسلمین

قال اللہ تعالیٰ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ..... الیٰ ..... وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔

(ربط) گذشتہ آیات میں جہاد کے حکم پر منافقین کے بیہودہ رویہ اور طرز عمل کا ذکر تھا اب ان آیات میں انکو مخاطب کرتے ہوئے تنبیہ کی جارہی ہے اور آگاہ کیا جارہا ہے کہ اللہ رب العزت سے انکی کوئی بھی بات مخفی نہیں ہے اللہ جب چاہے انکے راز فاش کرسکتا ہے انکے نام انکی علامات اور نشانیوں کے ذریعے سے بھی مسلمانوں کو آگاہ کرسکتا ہے کہ یہ لوگ منافق اور اسلام و مسلمانوں کے دشمن ہیں ساتھ ہی اہل ایمان کو اس پر متوجہ کیا جارہا ہے کہ دشمنانِ اسلام کے اس رویہ اور طرز عمل سے نہ گھبرائیں بلکہ اسکو ایک طرح سے جہاد کا مرحلہ سمجھتے ہوئے ہمت کے ساتھ مردانہ دار مقابلہ کریں اور صبر و استقامت اختیار کریں اللہ اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں لگے رہیں اسی میں کامیابی ہے ارشاد فرمایا۔

کیا گمان کرلیا ہے ان لوگوں نے جنکے دلوں میں روگ ہے کہ اللہ ظاہر نہیں کرے گا انکے کینے اور دل میں چھپے ہوئے وہ جذباتِ حسد و عناد جو مسلمانوں کے خلاف انکے دلوں میں بھرے ہوئے ہیں انکو ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیئے بلکہ انکو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ انکے یہ سارے مکائد اور راز بہت جلد طشت از بام کر دیئے جائیں گے اور امتحان و آزمائش کی ایسی بھٹی میں انکو ڈالے گا کہ کھرا اور کھوٹا الگ ہوجائے گا اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھلا دیں وہ لوگ اور ان منافقین کو نام بنام آپ کے سامنے ظاہر کردیا جائے لیکن حکمت خداوندی یہ نہیں کہ سب منافقوں کو باشخاصہم آپ کو دکھلا دیا جاتے ویسے تو آپ انکو پہچان چکے ہیں انکے چہروں کی نشانیوں سے اور آئندہ پہچانیں گے انکی گفتگو کے انداز سے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے اعمال، انسانوں کی نظروں سے تمہارے اعمال چھپ سکتے ہیں مگر اللہ سے کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں خواہ کتنے ہی پردوں میں وہ کام کیا جاتے اور البتہ ہم تم کو آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم معلوم کرلیں دیکھ لیں اور دنیا کی نظروں میں بھی یہ بات سے آئیں کہ کون لوگ تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور تم میں سے کون صابر اور ثابت قدم رہنے والے ہیں اور خوب جانچ لیں ہم تمہاری خبریں تاکہ ہر ایک کے ایمان و انقیاد اور اطاعت و فرمانبرداری کا حال عملی طور سے ظاہر ہوجاتے۔

بے شک جو لوگ منکر ہیں اور انہوں نے اللہ کی راہ سے دوسروں کو بھی روکا اور مخالفت کی اللہ کے

سے لفظ "ویسے تو" فَلَعَرَفْتَهُمْ میں حرف "فا" کا ترجمہ ہے فا چونکہ تعقیب کے لیے استعمال کی جاتی ہے اور یہاں بھی جس معرفت کا ذکر ہورہا ہے وہ ایسی معرفت اور پہچان ہے جو حاصل ہوچکی اس بنا پر "ویسے تو" کا عنوان محاورہ کی رُو سے اختیار کیا۔ ۱۲

رسول کی - بعد اسکے کہ ظاہر ہو چکی ہدایت اور سیدھی راہ ان پر تو ایسے لوگ ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور ضائع کر دے گا اللہ انکے سب کام اور انکی وہ تمام تر کوششیں جو اللہ اور اسکے رسول کے مقابلہ میں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے کریں گے وہ سب کوششیں بے کار ہوں گی اور اس سلسلہ میں جو وہ نام و نمود کے طور پر کچھ بہتر کام کریں گے اللہ تعالیٰ اسکو بھی برباد کر دیگا اس لیئے اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور فرمانبرداری کرو اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے اعمال باطل نہ کرو کسی قسم کی ریاء اور باطنی کھوٹ کی وجہ سے۔

نفاق کے آثار کا چہرہ اور لب و لہجہ سے نمایاں ہونا

منافقین کا ذکر کرتے ہوئے ان آیات میں یہ فرمایا گیا کہ اگر ہم چاہیں تو آپ کو انکے چہرے دکھا دیں اور بعض اشخاص کے ساتھ انکے سامنے آپ کو کر دیں مگر یہ بات حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے اس وجہ سے صرف اتنی ہی بات پر اکتفاء کی جاتی ہے کہ آپ انکے باطنی نفاق کے آثار و نشانات انکے ظاہری اعمال اور احوال میں جانچیں چنانچہ جب بھی اس حیثیت سے دیکھا جائے گا تو وہ پہچان لیے جائیں گے اللہ رب العزت نے مؤمن کو نورِ فراست عطا کیا ہے وہ لب و لہجہ اور طرز گفتگو سے پہچان لے گا مخلص و منافق کی بات اور عمل کا رنگ ڈھنگ مختلف ہوتا ہے بعض روایات سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بعض منافقین کے نام سے آگاہ کر دیا تھا اور جس وقت آپ کو انکے ناموں سے آگاہ کیا گیا تو آپ نے انکو اسی وقت نام بنام اپنی مجلس سے پکار کر اٹھا دیا بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ منافقین کے نام بتا دیئے تھے اور اسی وجہ سے بعض دفعہ کبار صحابہؓ ان سے راستہ میں جب کبھی ملتے تو قسم دے کر پوچھتے کہ تمہیں خدا کی قسم، بتا دو کہیں ہمارا نام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین میں نہیں ذکر فرمایا۔

الغرض ابتداء میں تو شخصی طور پر منافقین کو ظاہر و معین نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہی بتایا گیا تھا وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ لیکن تفسیر در منثور کی ایک روایت سے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے معلوم ہوا کہ بعد میں کچھ منافقین کے نام اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیئے چنانچہ فرماتے ہیں۔

ثم دل اللہ تعالیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد علی المنافقین فکان یدعوا باسم الرجل من اھل النفاق کہ بعد میں اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب منافقین بتا دیئے تو آپ منافقین میں کسی کا نام لے کر بعنوان

منافق پکارا کرتے۔

اور تفسیر روح المعانی میں حضرت انسؓ سے بیان کیا کان علیہ السلام یعرفھم بسیماھم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکی نشانی سے انکو پہچان لیتے تھے یہاں اس آیت میں ایک پہچان تو سابق بتائی فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ اور ایک معرفت و پہچان مستقبل کے بارہ میں فرمائی گئی فَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ کہ لب ولہجہ سے پہچان لیں گے ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں سابق پہچان باطن کے نفاق کا اثر ظاہر میں محسوس ہونا ایک امر ظنی کے درجہ کی چیز ہے اور لحن القول ایک حسی مشاہدہ ہے۔

اور رہا حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نام بنام منافقین کا بتا دینا تو وہ اشخاص معینہ کی حیثیت سے تھا جنکو گویا بارگاہ رب العالمین سے طے کر دیا گیا تھا کہ یہ منافق ہیں انکے علاوہ باقی منافقین کے بارہ میں یہ فرما دیا گیا کہ آپ انکو انکے لب ولہجہ سے پہچان لیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے

اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ

پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے تو ہرگز نہ بخشے گا

لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ

انکو اللہ سو تم بودے نہ ہوتے جاؤ اور پکارنے لگو صلح اور تم ہی رہوگے اوپر

وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ إِنَّمَا الْحَيَاةُ

اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دیگا تمکو تمہارے کاموں میں یہ دنیا کا جینا تو

الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ

کھیل ہے اور تماشا اور اگر تم یقین لاؤگے اور بچ چلو گے دے گا تمکو

أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ إِنْ يَسْأَلْكُمُوهَا

تمہارے نیگ، اور نہ مانگے گا تم سے مال تمہارے اگر مانگے تم سے وہ مال

فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ

پھر تنگ کرے، تو بخیل ہو جاؤ اور کھول دے تمہارے دل کی خفگیاں۔ سنتے ہو تم لوگ

تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ

تم کو بلاتے ہیں کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں پھر تم میں کوئی ہے کہ نہیں دیتا

وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ

اور جو کوئی نہ دیگا سو نہ دیگا آپ کو اور اللہ بے نیاز ہے

وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ

اور تم محتاج اور اگر تم پھر جاؤ گے بدل لے گا کوئی لوگ

ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

سوا تمہارے پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح کے

بیان انجام کفر و عناد از اسلام و تلقین صبر و استقامت برائے مؤمنین

مع بشارت غلبہ و کامیابی حق

قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... الیٰ ... لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ

(ربط) اس سے قبل بیان چل رہا تھا کہ منافقین کا نفاق چھپا نہیں رہ سکتا اور انکی سازشیں بھی مخفی نہیں رہ سکتیں نفاق اور ان منافقین کی سازشیں اور مکر و فریب سب کچھ طشت از بام کر دیا جائے گا اب ان آیات میں منکروں اور اسلام کے دشمنوں کا انجام بد بیان کیا جا رہا ہے کہ انکے واسطے دنیا میں بھی ہلاکت ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کو صبر و استقامت کی تلقین فرماتے ہوئے انکو غلبہ و کامیابی کی بشارت سنائی جا رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمان قوم کی فتح و نصرت کس بنیاد پر قائم ہے انکو چاہئے کہ دنیا اور دنیا کی زیب و زینت اور دھوکہ میں نہ پڑیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد میں مصروف رہیں اور کسی قسم کی بھی جانی اور مالی قربانی سے کوئی دریغ نہ کریں جو کچھ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے لوٹ کر

اس کا فائدہ تصور سے بھی بالا و برتر ان ہی کو پہنچے گا اور اگر مال و دولت کی محبت میں بخل کریں گے اسکے نقصانات انہی کو برداشت کرنے پڑیں گے۔

ارشاد فرمایا بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے دوسروں کو روکا پھر وہ مر گئے اسی حالت پر کہ وہ کافر ہی رہے ہے تو اللہ تعالیٰ انکو ہرگز نہیں بخشے گا اسلیئے کہ کفر و شرک کی اللہ کے یہاں کوئی معافی اور مغفرت نہیں۔ بالخصوص جب کہ یہ کافر بھی رہے اور دوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکتے رہے۔

کافر چونکہ اسلام کا دشمن ہے اور دشمن اپنی ہر طاقت اور تدبیر بروئے کار لایا کرتا ہے غلبہ حاصل کرنے کیلیئے تو یقیناً وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑیں گے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ کفار کے مقابلہ میں سست، کمزور اور کم ہمت نہ بنیں اس لیئے اے مسلمانو! تم کمزور اور بودے نہ بنو اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر تم پکارنے لگو صلح کی طرف جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنی کمزوری کی وجہ سے انکے غلبہ اور تسلط کو مان لوگے اور پھر ایسی صورت میں نہ کبھی تم کافروں سے جہاد کر سکو گے اور نہ کفر کی قوت و شوکت کو توڑ سکو گے اور جب کفر کی قوت و شوکت نہ ٹوٹ سکے گی تو پھر ایمان و ہدایت عالم میں کس طرح پھیلے گی اور اعلاء کلمۃ اللہ اور غلبہ دین اسلام کیونکر ہو سکے گا۔

تو اے مسلمانو! تم ہرگز نہ گھبراؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اگر تم صبر و استقلال کے ساتھ احکام خداوندی پر ثابت قدم رہے تو اللہ تمہارے ساتھ ہے اور ہرگز بھی وہ پروردگار تمہارے کاموں میں کوئی نقصان نہ ہونے دے گا تم مطمئن رہو جب وہ تمہارے ساتھ ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم مغلوب ہو جاؤ اور تمہاری کوششیں کامیاب نہ ہوں اس لیئے گھبرا کر کافروں کیساتھ بغیر جہاد و قتال کے صلح کی طرف مائل نہ ہو۔ ہاں اگر کسی وقت اسلام کی مصلحت اور مسلمانوں کی بھلائی مصالحت میں نظر آئی تو اس پر وحی الٰہی سے تم کو مطلع کر دیا جائے گا اور اس میں پھر مضائقہ نہ ہوگا جیسے کہ صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اور اس پر مصالحت نہ ہونے کی صورت میں جو عظیم خطرات و نقصانات تھے ان سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بچانے کے لیئے صلح کر لینے کی اجازت دی جبکہ پہلے متعدد غزوات ہو چکے تھے اور کافروں کو مسلمانوں کی قوت و ہمت کا اندازہ ہو چکا تھا۔

رہا ہر مقابلہ اور جہاد کی صورت پیش آنے پر صلح کی پیش کش کرنا اور عملاً جہاد کی کوششوں سے گریز کرنا دنیوی حیات کے مرغوب ہونے کے آثار میں سے معلوم ہوتا ہے تو اسکے لیئے یہ بات ہر وقت قلب کی گہرائیوں میں رچی رہنی چاہیئے بس دنیا کی زندگی ایک کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم یقین لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو وہ پروردگا تمہارے اجر تم کو دے گا اور وہ نہیں مانگتا تمہارے

ملہ استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولٰنا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں آیت

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

مال اپنے کسی فائدہ کے لیے بلکہ یہ جو کچھ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم ہے اول تو مال میں سے بہت ہی معمولی مقدار کا ہے یہ نہیں کہ سارا مال تم سے طلب کیا جا رہا ہے اور پھر جو تھوڑا بہت مانگا جاتا ہے اسکے اجور اور بدلے دنیا اور آخرت میں تم ہی کو لوٹا دیئے جاتے ہیں۔

اگر وہ سوال کرلے تم سے تمہارے سارے مال کا جو تم کو دے رکھا ہے جس کا اسکو حق ہے پھر تم کو تنگ کرے اور مجبور کیا جاتے کہ کل مال ہی دینا ضروری ہے تو تم بخل کرنے لگو گے اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کر دے مال کی محبت تنگ دلی اور بخل جو انسان کی فطری کمزوری سے اسکے اندر چھپا ہوا ہوتا ہے تو کل مال طلب کرنے میں بہت سے لوگوں کے یہ مخفی عیب ظاہر ہوتے صرف چند ہی باکمال مردانِ خدا ایسے ہوتے جو اپنا سب کچھ سمیٹ کر لے آتے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرح کہہ دیتے جو کچھ تھا سب لے آیا اور گھر والوں کے واسطے اللہ اور اسکے رسول کو چھوڑ آیا ہوں اسلیئے اللہ کا یہ کس قدر احسان عظیم ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ جو درحقیقت خود انسانوں کے واسطے باعث خیر و فلاح اور برکت ہے اس میں صرف تھوڑے سے مال کو طلب کرتا ہے اور اس صورت سے انکی کوتاہیوں اور عیوب کی پردہ پوشی فرمانے والا ہو خبردار ہو جاؤ تم ایسے ہو کہ تمکو جب دعوت دی جاتی ہے اس بات کے لیئے کہ تم خرچ کرو اللہ کی راہ میں تو کچھ لوگ تم ہی سے وہ ہوتے ہیں کہ جو بخل کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو شخص بھی بخل کرے گا وہ حقیقت میں اپنے ہی لیئے بخل کر رہا ہے اسلیئے کہ اس بخل کا نقصان خود اسی کو پہنچے گا اور جو برکات و فوائد انفاق فی سبیل اللہ پر مرتب ہوتے ان سے اپنے آپ ہی کو محروم کر دینے والا ہو گا اور اللہ تو بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں اور نہ کسی کے خرچ کا وہ محتاج ہے اور تم ہی تو محتاج ہو اللہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا کی تفسیر میں یعنی اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کرو گے اور اس کھیل تماشے سے ذرا بچ کر چلو گے تو اللہ تعالےٰ اسکا پورا بدلہ دے گا اور تمہارا مال بھی تم سے طلب نہیں کرے گا اسے کیا حاجت ہے وہ تو خود دینے والا ہے کما قال تعالیٰ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ اور اگر طلب بھی کرے تو مالک حقیقی وہی ہے تمام مال اسی کا ہے مگر اسکے باوجود دین کے معاملہ میں جب خرچ کرنے کو کہتا ہے تو تمام مال خرچ کرنے کو نہیں بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ طلب کیا جاتا ہے وہ بھی اپنے لیئے نہیں بلکہ تمہارے ہی فائدہ کو ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "حق تعالےٰ نے اسنے ملک فتح کرا دیئے مسلمانوں کو تھوڑے ہی دن اپنی گرہ سے پیسہ خرچ کرنا پڑا پھر جتنا خرچ کیا تھا اس سے سو سو گنا ہاتھ لگا اسی مطلب سے قرآن کریم میں کئی جگہ فرمایا اللہ تعالےٰ کو قرض دو" انتہٰی کلامہٗ۔

رب العزت کے حق کہ تم اپنے وجود اور بقار حیات میں سراپا احتیاج ہو اور ایک لمحہ کے لیے بھی خدا سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔

اور اگر تم روگردانی کروگے تو اللہ ایک دوسری قوم کو تمہاری جگہ لے آئے گا اور وہ پھر تمہاری طرح نہ ہوں گے کہ احکام خداوندی کی فرمانبرداری میں پس وپیش کریں اور مال و دولت کی محبت میں انفاق فی سبیل اللہ کا فرض انجام دینے میں کوتاہی کریں خدا کا دین کسی جماعت پر موقوف نہیں کہ بس وہی دین خدا کی حفاظت و اعانت کر سکتے ہیں انکے سوا اور کوئی یہ کام انجام نہیں دے سکتا یہ خیال باطل ہے وہ اپنی حکمت سے جس قوم اور طبقہ کو چاہے اقامت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے منتخب کرلے اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود بابرکت کے لئے قرآنی بشارت

وَ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا کا خطاب درحقیقت ان قاصرین وضعفاء کے لئے تنبیہ و تہدید ہے جو اپنی فطری کمزوریوں یا حالات اور دیگر مصالح کے پیش نظر جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کا مقدس فرض ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی برتیں اور حُبِّ مال کے باعث خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل کریں تو ان کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ خدا کو تم جیسوں کی اعانت اور مدد کی ضرورت نہیں وہ بے نیاز ہے اور تم ہی سراپا محتاج ہو اگر تم اپنی اس روش سے باز نہ آؤ گے تو خداوند عالم تم جیسے گروہ کی جگہ اور کوئی گروہ اور جماعت لے آئے گا اور پھر وہ اپنے جان و مال اور علمی و عملی تمام تر قوتوں اور صلاحیتوں سے اللہ کا دین قائم کرنے میں مصروف ہو جائیں گے وہ نہایت فراخ دلی سے اللہ کے احکام کی تعمیل کریں گے اور بے دریغ اسکی راہ میں خرچ کریں گے۔

حدیث میں ہے کہ اس آیت کو سن کر بعض صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ دوسری قوم کون سی ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا[1] "اسکی قوم" اور فرمایا خدا کی قسم ایمان اگر ثریا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ اسکو وہاں سے بھی اتار لائیں گے،، الحمد للہ کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس بے مثال ایثار اور جوش ایمانی کا ثبوت دیا کہ ان کی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہ آئی تاہم فارس والوں نے اسلام میں داخل ہو کر علم اور ایمان کا وہ شاندار مظاہرہ کیا اور علمی و دینی ایسی زبردست خدمات انجام دیں جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو ناچار یہ اقرار کرنا

[1] ایک اور روایت ہے کہ انکی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا ۱۲

پڑتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے موافق یہ ہی قوم تھی جو بوقت ضرورت عرب کی جگہ پُر کر سکتی تھی

ہزار ہا علماء وائمہ سے قطع نظر کرکے تنہا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا وجود ہی اس پیش گوئی کے صدق پر کافی شہادت ہے بلکہ اس بشارت عظمیٰ کے کامل اور اولین مصداق امام صاحب ہی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے مناقب ابو حنیفہؒ پر جو کتاب لکھی اس میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد ابو حنیفہؒ اور انکے اصحاب ہیں کیونکہ ابنائے فارس میں کوئی جماعت علم کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچ سکی جس پر امام ابو حنیفہؒ اور انکے اصحاب پہنچے اور یہ حقیقت ہے کہ فقہ حنفی پر نظر کرنے والا شخص یہ اعتراف کرنے پر مجبور رہیگا کہ واقعی حضرت امام ابو حنیفہؒ دلائل فقہیہ اور استنباط احکام میں آسمان کے تارے توڑ کر لاتے ہیں۔

الحمد للہ تم تفسیر سورۃ محمد صباح یوم الجمعۃ ۵ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ ہجری و للہ الحمد والمنۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

تفسیر سورۃ الفتح

سُورۃُ الفتح کا مقامِ نزُول

سورۂ فتح مدنی سورت ہے جسکی انتیس آیات اور چار رکوع ہیں

عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے اگرچہ یہ نقل کیا گیا کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی لیکن تاریخی روایات واحادیث کثرت سے اسکی تصریح کر رہی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ ۶ھ ہجری میں حدیبیہ کے مقام سے واپس ہوتے تو یہ دوران سفر نازل ہوئی خاص مدینہ میں نزول نہیں ہوا یہی روایت صحیح ہے امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں یہی بیان کیا۔ ابن ابی شیبہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی یہی رائے ہے ائمہ محدثین کی ایک جماعت مثلاً ابو داؤد نسائی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ جب

ذی القعدہ ۶ھ ہجری میں حدیبیہ سے واپس ہو رہے تھے قریش مکہ سے مصالحت و معاہدہ کرنے کے بعد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آثار وحی شروع ہوتے آپ نے فرمایا اللہ رب العزت نے آج کی رات مجھ پر ایک سورت نازل فرمائی ہے جو مجھے دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہے اور وہ سورۃ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِينًا ہے امام احمدؒ بروایت مجمع بن جاریہؓ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ سے واپسی کے وقت یہ سورت مقام کراع الغمیم کے نزدیک نازل ہوئی جسکو آپ نے اپنی ناقہ پر سوار چلتے چلتے صحابہ کو تلاوت کر کے سنایا۔ طبقات ابن سعد میں مقام نزول ضجنان پہاڑ بتایا ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب پہاڑ کا نام ہے بہرکیف ان جملہ نقول اور روایات سے یہی ثابت ہے کہ سورۃ فتح حدیبیہ سے واپسی پر دوران سفر نازل ہوئی ہے مگر چونکہ جمہور مفسرین کے نزدیک سورتوں اور آیتوں کے مکی اور مدنی ہونے کا یہی ضابطہ ٹھہرا ہے کہ قبل از ہجرت جو آیات و سورتیں اتریں وہ مکیہ ہیں اور جو بعد ہجرت کے نازل ہوئیں وہ مدنیہ ہیں خواہ وہ کسی جگہ بھی اتری ہوں حتیٰ کہ حجۃ الوداع میں عرفات میں نازل ہونے والی آیت بھی مدنیہ ہوگی۔

گذشتہ سورۃ محمدؐ کا مضمون کافروں اور دشمنان اسلام سے مقابلہ اور جہاد کا تھا جس میں منافقین کی سازشوں اور اسلام کے خلاف انکے مکر و فریب اور انکی ذلت و ناکامی کا بیان تھا تو اب اسکے بالمقابل اس سورت فتح میں مسلمانوں کے غلبہ اور کامیابی کا ذکر اور فتح مبین کی بشارت ہے اور اہل ایمان واخلاص کے اوصاف اور نشانیوں کو بیان کیا جا رہا ہے اور اخیر میں جو طبقہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے بعد اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے قدم نہیں اٹھاتا جہاد کا عزم اور ہمت نہیں کرتا تو انکو دھمکی دی گئی تھی وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ. تو اب اس سورت میں ان تمام احوال اور اوصاف کے متبادل چیز سامنے رکھ دی گئی اگر پہلے مغلوبی ہے خدا اس کو فتح و کامیابی سے بدل رہا ہے اگر ایک قوم ضعف ایمان یا نفاق کی وجہ سے اللہ رب العزت کے دین کی حفاظت نہیں کر سکی تو کوئی حرج نہیں خدا نے ان کے بدلے ایسے مخلصین و مؤمنین اور جانثاروں کا گروہ پیدا فرما دیا ہے کہ انکے ایمان واخلاص اور تقویٰ کی برکتوں سے فتوحات اور حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایات سلمانوں کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھیں اور یہی واقعہ فتح عظیم کا ذریعہ اور اشاعت اسلام کا وسیلہ بنا اور اس فتح کے ذریعہ سے قوم منافقین کے بدلہ اللہ تعالیٰ نے مخلصین و مؤمنین کی جماعت عطا فرمائی اور مکہ دار الکفر سے دار الایمان ہوگیا تو ان وجوہ سے سورۃ فتح کے مضامین يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ: کی بشارت اور اعلان کی پوری پوری تصویر ہے ایک حدیث میں ہے کہ جب جبریل امینؑ یہ سورت لے کر اترے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک باد دی جبریلؑ کے پیغام تہنیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مبارک باد دی اور یہ بشارت سنائی (طبقات ابن سعد بحوالہ تفسیر روح المعانی جلد ۲۶) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص یہ سورت رمضان المبارک کی پہلی رات میں پڑھے گا تو تمام سال خیر و برکت اور عافیت اسکے واسطے قائم رہے گی۔

مقاصد سُورۃ الفتح

سورۃ فتح اپنے نام اور اپنے آغازِ عنوان سے ہی فتح مبین کا پیغام ہے اور تہنیت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور تمام اہلِ ایمان کے لیے اس سورۃ مبارکہ کے اہم مقاصد میں سے اس معاہدہ کا ذکر ہے جو صلح حدیبیہ کے عنوان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان طے پایا۔ یہی معاہدہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور دین کی برتری اور غلبہ کا سبب بنا اور مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے فتح مکہ کی نعمت سے نوازا جس پر یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کی بشارت مکمل ہوئی نیز اس سورت میں یہ بھی بتایا گیا کہ ایمان و تقویٰ مؤمن کو کس طرح اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد پر آمادہ کرتا ہے اور مؤمنین کس جانثاری کے جذبے سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

نیز بیعۃ الرضوان جیسے عظیم واقعہ کا ذکر ہے جس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرات صحابہؓ جو خدا اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد کرنے والے ہیں ان کا کیسا عظیم مقام ہے کہ خدا تعالیٰ نے انکو اپنی رضامندی کی بشارت دنیا ہی میں سنادی اسی کے ساتھ اس سورت کے مقاصد میں یہ بھی ہے کہ جہاد سے پہلو تہی کرنا اور لغو و مہمل اعذار پیش کر کے خود گھروں میں بیٹھے رہنا درحقیقت خود اپنے آپ کو ہلاکت اور ذلت میں ڈالنا ہے۔

اہل ایمان کے انقیاد و اطاعت کا ذکر ہے حضرات صحابہ کو فضائل و کمالات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور شرفِ صحبت کی برکت سے حاصل ہوئے اور یہ کہ دراصل وہی کمالات انسانی عظمتوں کے حامل ہیں تو یہ سورت مبارکہ ان بنیادی مقاصد پر مشتمل ہے۔

اہلِ حدیبیہ اور حضرات صحابہ کرامؓ کے جو فضائل بیان فرمائے گئے ظاہر ہے کہ ان میں خلفائے راشدینؓ بدرجہ اتم شامل ہیں بہرکیف اس سورت میں زیادہ تر مقصود دو چیزوں کو بیان کرنا ہے ایک یہ کہ جو صحابہ کرامؓ اس سفر میں آپؐ کے ہمرکاب تھے انکی جانثاری کی قدر افزائی کی جائے اور مغلوبانہ صلح کی وجہ سے جو انکے دل زخمی ہو رہے تھے ان پر مرہم رکھا جائے اسی وجہ سے خاص طور پر اہلِ حدیبیہ ہی کو مخاطب بنایا گیا اور ان ہی کو بشارتیں سنائی گئیں۔

دوسرا مقصود یہ ہے کہ جن اعراب نے اس سفر میں آپؐ کی معیت اور مرافقت سے پہلو تہی کی تھی انکو تنبیہ و تہدید کی جائے۔

مقصود اوّل یعنی اصحاب حدیبیہ کی قدر افزائی کے لیے طرح طرح کے عنوان اختیار فرمائے کہیں ان سے فتح و نصرت کے وعدے فرمائے اور کہیں بیعت کے فضائل بیان کیئے اور اپنی خوشنودی کی بشارت سنائی کہیں انکے اخلاص کی شہادت دی کہیں انکو غنیمتوں کا مژدہ سنایا اور خیبر کی غنیمتوں

کو انکے واسطے مختص کر دیا اور کہیں انکو نزول سکینہ سے سرفراز فرمایا۔ اس سورت میں تین جگہ نزول سکینہ کا ذکر فرمایا اور سکینہ بقول امام شافعیؒ اطمینان و سکونِ قلب کا نام ہے جو ایمان کی آخری منزل ہے جس کے بعد استقلال و استقامت کے خلاف کوئی فعل صادر نہیں ہو سکتا اور یہ سکینت وہ نعمت ہے جو پیغمبرانِ خدا اور خاصانِ خدا پر نازل ہوتی ہے کہیں یہ فرمایا کہ وصفِ تقویٰ کو اصحاب حدیبیہ کیلئے لازم کر دیا جیسے کہ ارشاد ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى اور لازم اسی چیز کو کہا جاتا ہے جس کا ملزوم سے جُدا ہونا محال ہو تو معلوم ہوا کہ ان حضرات سے وصف تقویٰ کا جُدا ہونا محال ہے پھر یہ فرمانا کہ وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا مزید اکرام و اعزاز ہے کہ یہ حضرات ہی درحقیقت اسکے مستحق تھے اور اسپر وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا فرما کر لگا دی کہ جیسے اللہ ہی کو علم ہے کہ اسکی رسالت کے لائق کون ہے اسی طرح اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کون لوگ ان بشارتوں کے مستحق اور لائق ہیں۔

حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہٗ سے میں نے ان آیات کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ حضرات شیعہ بتلائیں کہ جب خُدا ان سے راضی ہو گیا اور صفت تقویٰ کو انکے واسطے لازم کر دیا تو اب عصمت میں کیا کسر باقی رہ گئی شیعوں کو اگر ایسی کوئی آیت اپنے ائمہ کے متعلق مل جاتی تو نہ معلوم کیا کچھ کرتے آسمان و زمین سر پر اٹھا لیتے۔

مقصود دوم یعنی ساتھ نہ جانے والے اعراب و منافقین کی تہدید و تنبیہ! تو وہ بھی اس سورت میں بحد کمال فرما دی گئی۔ حتیٰ کہ ان کے دل میں چھپے ہوئے خیالات اور بیہودہ آرزوؤں اور باطل منصوبوں کو ظاہر کر کے ان کو قیامت تک کے واسطے تمام عالم میں شرمندہ کیا اور خیبر کی غنیمتوں سے محروم کر دیئے گئے۔

واقعۂ حدیبیہ اور فتح مبین

عمرۂ حدیبیہ اور واقعۃ الحدیبیہ کے نام سے یہ قصہ معروف ہے جس کی تفصیل احادیث میں ہے سورۃ فتح دراصل عمرۂ حدیبیہ کے ضمن میں پیش آنے والے واقعۂ صلح اور معاہدہ کے اسرار اور حکمتوں پر مشتمل ہے کہ اللہ رب العزت نے اس معاہدہ میں کیا انعامات فرمائے اور اپنی قدرت و حکمت سے اس معاہدہ کو فتح مبین بنایا۔

واقعہ حدیبیہ متعدد واقعات کا مجموعہ ہے جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کیونکہ فتح کا مفہوم کسی بند چیز کو کھول دینا ہے تو صلح حدیبیہ کے ذریعہ اسلام کی ترقی اور فتوحات کے لیے جو دروازے بند تھے وہ کھل گئے اس بناء پر یہ صلح ہی اللہ کے کلام میں فتح مبین کے عنوان سے تعبیر کی گئی حتیٰ کہ بعض صحابہ تو فتح مکہ

کی بجائے صلح حدیبیہ ہی کو فتح مبین کا مصداق کہا کرتے تھے جیسے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا اے لوگو! تم تو فتح، فتح مکہ کو شمار کرتے ہو اور ہم تو صلح حدیبیہ کو ہی فتح سمجھتے ہیں اسی طرح حضرت جابرؓ اور براء بن عازبؓ بھی کہا کرتے تھے اور حضرت براء بن عازبؓ یہ بھی فرماتے تھے ہم تو بیعتہ الرضوان کو فتح سمجھتے ہیں۔

واقعہ حدیبیہ احادیث میں جس طرح ذکر فرمایا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۶ ہجری کی ابتداء میں خواب دیکھا کہ آپؐ صحابہؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں اور آپؐ نے عمرہ کیا کچھ نے حلق کیا اور کچھ نے سر کے بال کم کرائے آپؐ نے یہ خواب صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بیان کیا آپؐ نے اس خواب کو بیان فرماتے ہوئے کوئی مدت متعین نہیں فرمائی تھی کہ کون سے سال کے بارہ میں دیکھا ہے کہ عمرہ کرکے واپس ہو رہے ہیں مگر شدتِ شوق میں یہی خیال کیا کہ اسی سال عمرہ اور حرم مکہ میں داخل ہونا نصیب ہوگا اور آپ نے بھی یہی قصد فرمایا کہ عمرہ کے لئے روانگی ہو جاتے تو چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ کی جماعت سے کہ آپؐ ذی قعدہ سنہ ۶ ہجری میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے اور ہدی (قربانی کا جانور) بھی آپؐ نے ساتھ لے لیا جو حرم میں ذبح کیا جائے قریش مکہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اہل مکہ کو جمع کیا اور یہ طے کیا کہ کسی طرح بھی آپؐ کو مکۂ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے حالانکہ خود قریش کے لوگ حرم بیت اللہ کا بہت احترام کرتے تھے اور یہ جائز نہیں سمجھتے تھے کہ کسی کو بھی بیت اللہ کے طواف اور عمرہ سے روکا جائے حتیٰ کہ دشمن کو بھی نہ روکتے تھے مقام حدیبیہ پہنچ کر آپؐ کی ناقہ بیٹھنے لگی لوگ اسکو چوکا مارتے اور کوشش کرتے کہ یہ اٹھ کر چلنے لگے مگر وہ اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی آپ نے فرمایا حبسھا حابس الفیل: کہ اس اونٹنی کو اسی ذات نے روک دیا ہے جو ہاتھیوں کو روکنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم سے یہ ناقہ رکی ہے اور آپؐ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا خدا کی قسم اہل مکہ مجھ سے جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں حرمات اللہ کی تعظیم قائم رہے اور شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ ہو تو میں ضرور اسکو منظور کر لوں گا کیونکہ آپؐ سمجھتے تھے کہ اس مرحلہ پر ضرور اہل مکہ کچھ نہ کچھ باتیں اپنی منوائیں گے اور دباؤ بھی ڈالیں گے الغرض آپؐ نے وہیں قیام فرمایا اسی کو آج کل "شمیسیہ" کہتے ہیں آپؐ نے اہل مکہ کی طرف قاصد روانہ فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے ہم تو صرف عمرہ کی غرض سے آتے ہیں ہم کو مکہ میں آنے دو، ہم عمرہ کرکے واپس چلے جائیں گے قریش مکہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا انتظار کے بعد آپؐ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی پیغام دیکر بھیجا اور ساتھ

؎ صحیح بخاری جلد دوئم

ہی ان مظلوم اور مغلوب مسلمان عورتوں اور مردوں کو جو کفارِ مکہ کی قید و بند میں تھے یہ بشارت بھی بھیجی کہ عنقریب اللہ کے فضل سے اسلام کا غلبہ ہو گا اور مکہ میں کامیابی اور غلبہ کے ساتھ اسلام داخل ہو گا۔

حضرت عثمانؓ کی واپسی میں دیر ہوئی کفار مکہ نے انکو روک لیا ادھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے اس وقت آپؐ کو یہ خیال ہوا کہ شاید اب لڑائی اور مقابلہ کی نوبت آئے گی تو آپؐ نے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر حضرات صحابہؓ کو بیعت کی دعوت دی کہ آپؐ کے دست مبارک پر جہاد کی بیعت کریں۔

قریش مکہ کو جب معلوم ہوا تو حضرت عثمانؓ کو واپس بھیج دیا اور کچھ رؤساء مکہ کا وفد آپؐ کے پاس صلح کی غرض سے آیا اور گفتگو کے بعد صلح نامہ تحریر کر کے اس پر طرفین کے دستخطوں کا معاملہ طے پایا شرائط صلح کے بارہ میں باہم بحث وتمحیص بھی ہوئی اور بعض شرائط صلح میں مسلمانوں کو اپنی مغلوبی اور پستی کا احساس ہو کر جوش اور ولولہ بھی آرہا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوحی الٰہی حضرات صحابہؓ کو تسلی دی اور فرمایا کوئی حرج نہیں ان باتوں کو مان لو آپؐ کے فرمانے پر مسلمانوں نے صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے وہ شرائط صلح مان لیں اور صلحنامہ تیار ہو گیا کفار کی طرف سے شرائط صلح میں سے ایک یہ تھی کہ آپؐ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال غیر مسلح حالت میں آکر عمرہ کر لیں اور فریقین دس سال تک ایک دوسرے پر کسی قسم کا حملہ اور جنگی اقدام نہ کریں گے اور اس مدت میں اگر کوئی مرد اہل مکہ میں سے آپؐ کے پاس مدینہ چلا جائے خواہ وہ مرد مسلمان ہی ہو تو آپ اسکو واپس کرنے پر مجبور ہوں گے اور اگر کوئی آپ لوگوں میں سے مکہ واپس آجائے گا تو ہم اسکو واپس نہ کریں گے اس آخری شرط پر صحابہ کو کافی تشویش تھی اور فاروق اعظمؓ بار بار یہ کہتے تھے کہ یا رسول اللہ ہم یہ ذلت اسلام میں کیوں قبول کریں مگر مصلحت آپؐ نے فرمایا نہیں اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اسکو بھی مان لو۔ اور نہایت ہی حکیمانہ کلمہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بدنصیب ہمارے میں سے دار الکفر آنا چاہتا ہے تو اسے دو لیسے کی ہمیں کیا ضرورت جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بعید کرنے کا ارادہ کیا ہو یعنی جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں میں جانا چاہتا ہے تو جانے دو ایسے بدبخت کی ہمیں کیا پرواہ ہے اور اگر کوئی مسلمان کفار کی قید و بند میں ہو گا اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے واسطے راستہ خلاصی کا پیدا فرما دے گا۔

یہ حکیمانہ بات سن کر صحابہ کے دل مطمئن ہو گئے صلح کا تمام معاملہ طے ہو گیا دستخط ہو گئے اور آپؐ نے حدیبیہ ہی میں (کیونکہ وہ حصۂ حدود حرم میں داخل تھا) ہدی کا جانور ذبح کیا اور احرام کھول دیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور راستہ ہی میں مقام کراع الغمیم یا ضجنان پر یہ سورت فتح نازل ہوئی

اس کے بعد آپ نے ۷ھ ہجری کے اوائل میں خیبر فتح کیا جو مدینہ منورہ کے شمال کی جانب واقع ہے یہود کا بڑا عظیم مرکز تھا خیبر پر حملہ میں صرف وہی چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ تھے جو حدیبیہ کی بیعت الرضوان میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کر چکے تھے پھر حسب معاہدہ ۷ھ ہجری ذی قعدہ عمرۃ القضاء کے لئے تشریف لے گئے اور امن وامان کے ساتھ عمرہ ادا فرمایا عہدنامہ میں دس سال تک باہم لڑائیوں کا سلسلہ بند کر دینے کا معاہدہ تھا لیکن قریش مکہ نے اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نقض عہد کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ ہجری میں مکہ مکرمہ کی طرف فوج کشی فرمائی اور رمضان المبارک میں اس کو فتح فرمایا تو حق تعالیٰ شانہ نے حدیبیہ میں جو بشارت فتح نازل فرمائی تھی وہ پوری ہوگئی

تفصیلات کتب سیرت سے ملاحظہ فرمائیں

معاہدۂ حدیبیہ اسلام کی عزت وسربلندی اور فتح عظیم!

معاہدوں کی نزاکت بڑی ہی اہم ہوتی ہے۔ قوموں کے درمیان معاہدوں میں بسا اوقات طبعی جذبات اور قومی عظمت ووقار کا مسئلہ بڑی ہی رکاوٹوں کا باعث ہو جاتا ہے اور پھر یہ کہ معاہدے صرف کسی موجودہ معاملہ اور وقتی مسئلہ کو حل کرنے کے واسطے نہیں ہوا کرتے بلکہ ایک طویل مستقبل کے مقاصد اور نشیب وفراز اور عواقب ونتائج پر نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ پائیدار عظمت وعزت اور اصل مقصد کی کامیابی کس صورت میں ہے اگر وقتی طور پر کوئی بات ظاہری مغلوبی اور پستی کی ایسی مان لی جاتے جس میں آئندہ کی عظمتیں اور غلبہ وکامیابی مضمر ہو تو بصیرت کا تقاضہ یہی ہے کہ وقتی عزت وسربلندی یا اپنی بات رہ جانے کے مسئلہ کو بالائے طاق رکھ کر حقیقی عزت اور غلبہ کی جانب کو ترجیح دی جاتے معاہدۂ حدیبیہ میں آنحضرت کی معجزانہ تدبیر بے پناہ بصیرت وعواقب پر صحیح نظر اور اسکے واسطے بہترین فیصلہ پھر یہ کہ طبعی جذبات پر قابو رکھنا صبر واستقامت جیسے اوصاف واضح طور پر نمایاں ہیں۔

شیخ الاسلام استاذ محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں ان ہی کے کلمات میں ملاحظہ فرمائیے۔

"حدیبیہ" کی صلح بظاہر ذلت ومغلوبی کی صلح نظر آتی ہے اور شرائط صلح پڑھ کر بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا چنانچہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی صلح کی ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون ومضطرب تھے وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور انکے طرفداروں

کی جمعیت کیا چیز ہے کیوں تمام نزاعات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کر دیا جاتا مگر رسول اللہ صلعم کی آنکھیں ان احوال و نتائج کو دیکھ رہی تھیں جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے اور اللہ نے آپؐ کا سینہ سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کے لئے کھول دیا تھا آپؐ بے مثال استغناء اور توکل و تحمل کے ساتھ انکی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو اللّٰہ ورسولہٗ اعلم کہہ کر تسلی دیتے رہے یعنی اللہ اور اسکا رسول زیادہ جانتا ہے تاآنکہ یہ سورت نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام "فتح مبین" رکھا لوگ اس پر بھی تعجب کرتے تھے کہ یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے فرمایا ہاں یہ بہت بڑی فتح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کی بیعت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور عفو ودرگزر سے کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر انکے بیہودہ مطالبات پر قطعاً برافروختہ نہ ہونا یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مدد و رحمت کے استجلاب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی اور روحانی طاقت اور پیغمبر علیہ السلام کی شان پیغمبری کا سکہ بٹھلا رہے تھے گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جیت نظر آتی تھی لیکن ٹھنڈے دل سے فرصت میں بیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فی الحقیقت تمام تر فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام فتح مبین رکھ کر متنبہ کر دیا کہ یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لیے بھی آپ کے حق میں بے شمار فتوحات ظاہری و باطنی کا دروازہ کھولتی ہے اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو باہم اختلاط اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقع ہاتھ آیا کفار مسلمانوں کی زبان سے اسلام کی باتیں سنتے اور ان مقدس مسلمانوں کے احوال واطوار کو دیکھتے تو خود بخود ایک کشش اسلام کی طرف ہوتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک یعنی تقریباً دو سال کی مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوتے تھے خالد بن الولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ جیسے نامور صحابہ اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے یہ جسموں کو نہیں دلوں کو فتح کر لینا اسی صلح حدیبیہ کی اعظم ترین برکت تھی اب جماعت اسلام چاروں طرف اس قدر پھیل گئی اور اتنی بڑھ گئی تھی کہ مکہ معظمہ کو فتح کرکے ہمیشہ کے لیے شرک کی گندگی سے پاک کر دینا بالکل سہل ہو گیا حدیبیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جانثار تھے لیکن دو برس کے بعد مکہ معظمہ کی فتح عظیم کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار آپؐ کے ہمرکاب تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کیلئے صلح حدیبیہ بطور اساس و بنیاد اور زریں دیباچہ کے تھی اور اس تحمل و توکل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت جو صلح کے سلسلے میں ظاہر ہوئی جن علوم ومعارف قدسیہ اور باطنی مقامات ومراتب کا فتح

باب ہوا ہوگا اس کا اندازہ تو کون کر سکتا ہے ہاں تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے یعنی جس طرح سلاطین دنیا کسی بہت بڑے فاتح جنرل کو خصوصی اعزاز و اکرام سے نوازتے ہیں خداوند قدوس نے اس فتح مبین کے صلہ میں آپ کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا جن میں پہلی چیز غفران الذنوب ہے۔ (ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ کے مرتبۂ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں) یہ بات اللہ تعالیٰ نے کسی اور بندہ کے لیے نہیں فرمائی مگر حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے اور لوگوں کو دیکھ کر رحم آتا تھا۔ صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں! اللہ تعالیٰ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا فرماتے۔ افلا اکون عبدًا شکورًا (تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ایسی بشارت اسی بندہ کو سنائیں گے جو سن کر نڈر نہ ہو جاتے بلکہ اور زیادہ خدا سے ڈرنے لگے شفاعت کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت مسیح کے پاس جائے گی تو وہ فرمائیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جو خاتم النبیین ہیں اور جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ معاف فرما چکا ہے۔ (یعنی اس مقام شفاعت میں اگر بالفرض کوئی تقصیر بھی ہو جاتے تو وہ بھی عفو عام کے تحت میں پہلے ہی آچکی ہے بجز انکے اور کسی کا یہ کام نہیں۔

(کذا فی الفوائد العثمانیہ)

يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿۲﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا

چلادے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تجھ کو اللہ

عَزِيزًا ﴿۳﴾

زبردست مدد

پیغام تہنیت برائے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

بفتح مبین و اعلان اتمام نعمت رب العالمین

قال اللّٰہُ تعالیٰ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ..... اِلیٰ ..... نَصْرًا عَزِيزًا

(ربط) جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا کہ سورۂ محمدؐ یا سورۂ قتال کا موضوع اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد فی سبیل اللہ تھا اور یہ کہ اہلِ ایمان کو منافقین کی سازشوں سے نہ پریشان ہونا چاہیئے اور نہ ہی اپنے مادی وسائل کی قلت سے ڈرنا چاہیئے۔ اللہ رب العزت ہر چیز پر قادر ہے، قوی کو ضعیف اور ضعیف کو قوی کر سکتا ہے غالب کو مغلوب و مفتوح اور مظلوم و بے سہارا قوم کو فتح و نصرت سے ہم کنار کر سکتا ہے تو اس سورۂ پاک میں مسلمانوں کو فتح مبین کی بشارت سنائی جارہی ہے۔

فرمایا بے شک ہم نے فیصلہ کر دیا ہے آپ کے واسطے فتح مبین کا جو کہ صلح حدیبیہ ہے جس سے ظاہری اور باطنی فتوحات اور دینی و دنیاوی نعمتوں کا دروازہ کھول دیا گیا یہ صلح حدیبیہ[1] جن رحمتوں نعمتوں اور کرامات کا آغاز ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ درگزر کرے آپ کے واسطے اللہ تعالیٰ آپ کی وہ تمام تقصیرات جو پہلے گذریں اور وہ جو بعد میں گذریں اس لئے اب آپ کی کسی بھی ایسی تقصیر پر جو قبل از نبوت ہوئی یا بعد از نبوت جو مقتضائے بشریت قبل از وحی پیغمبر سے ممکن ہے آپ سے نہ کوئی

---

[1] جمہور علماء کا قول یہی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ احمد بن حنبلؒ۔ ابن سعدؒ۔ ابوداؤدؒ نے یہی بیان کیا اور اس روایت کی ابن المنذرؒ ابن مردویہؒ نے تصحیح کی، بیہقی نے دلائل النبوۃ میں مجمع بن جاریۃ الانصاریؓ سے روایت کی ہے کہ قال شهدنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیبیۃ فلما انصرفنا عنها الى كراع الغميم فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند كراع الغميم فاجتمع الناس اليه فقرء عليهم اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا۔ الخ - ۱۲

مؤاخذہ ہوگا اور نہ سوال وعتاب اور نہ ہی ان باتوں پر کوئی گرفت ہوگی جو آپ کے مقام عالی اور آپ کی آرزو سے کم تر ہوں کیونکہ آپ کی تو آرزو ہر لمحہ یہی تھی کہ درجات زیادہ سے زیادہ بلند تر ہوں اور اللہ کا دین زائد سے زائد غالب اور بلند ہو اور صرف تقصیرات سے درگزر ہی نہیں بلکہ پورا کردے آپ پر اپنا انعام ظاہری و باطنی اور مادی و روحانی انعامات میں جو اب تک آپ پر ہو چکے ہیں اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر کہ ہمیشہ ہدایت اور استقامت کی سیدھی راہ پر آپ معرفت و شہود کے غیر محدود مراتب طے کرتے رہیں اور ابدان و قلوب پر اسلام کی حکومت قائم کرنے کی راہ میں آپ کے واسطے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے گی[1] اور مدد کرے اللہ آپ کی نہایت ہی مضبوط مدد۔ جس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہ سکے۔ اور جب وہ مدد و ظفر و کامیابی آپ کے قدموں کے ساتھ ہوگی تو لوگ دین الٰہی میں فوج در فوج داخل ہونے لگیں گے تو اس وقت آپ کا بس یہی وظیفہ ہوگا کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید اور استغفار ہی میں منہمک ہو جائیں گے تو یہ بات اس وعدہ کی تکمیل اور تتمیم ہو جائے گی جو اس وقت فرمایا جا رہا ہے (لیغفر لک اللہ ؕ)

فتح مبین اور انعامات خداوندی

ان آیات میں فتح مبین کی بشارت سناتے ہوئے چار خصوصی انعامات کا بیان فرمایا اوّل مغفرت دوم اتمام نعمت۔ سوم ہدایت صراط مستقیم۔ چہارم نصر عزیز۔

مغفرت ذنوب سے کنایہ ہے کہ آپ سے کسی قسم کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ آپ سید البشر ہیں اور اولین و آخرین انبیاء کے سردار ہیں یہ کرامت و فضیلت ایسی ہے ——— کہ کسی کو عطا نہیں کی گئی جس کا خاص طور پر ظہور قیامت کے روز شفاعت عظمیٰ کی صورت میں ہوگا جب کہ تمام پیغمبر نفسی نفسی کہتے ہوں گے اور ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی امر پر مؤاخذہ کا اندیشہ ہوگا اگرچہ وہ تقصیر نہ تو گناہ ہوگی اور نہ کسی خلاف امر خداوندی کا ارتکاب ہوگا بلکہ یا تو وہ بات بغیر کسی وحی خداوندی یا قبل از وحی منشاء خداوندی سے کچھ مختلف واقع ہوگی کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور عصمت کے منافی یہ امر ہے کہ صریح حکم خداوندی کے خلاف دیدہ و دانستہ کسی امر کا واقع ہونا۔ سو ظاہر ہے کہ یہ کسی بھی پیغمبر سے نہیں ہوا چہ جائیکہ سرور کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے! تو ارحم الراحمین نے خاتم النبیین کو لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، کی بشارت عظمیٰ سنا کر ہر قسم کے مؤاخذہ سے مطمئن کر دیا[2]

---

[1] فوائد شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ [2] روح المعانی جلد ۲۶۔

حدیث شفاعت میں ہے کہ جب اہل محشر روز حشر کی شدت سے گھبرا کر اوّل حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ وہ خدا کے خلیفہ اور پہلے رسول اور نبی ہیں اور ہمارے باپ ہیں تاکہ وہ ہمارے لیے شفاعت کریں تو حضرت آدم اپنی اُس لغزش کی بنا پر جو بھولے سے سرزد ہوگئی تھی معذرت کریں گے اور فرمائیں گے "لست لہا"، میں اس مقام اور مرتبہ کے لائق نہیں۔

بالآخر جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی خدمت میں یہ درخواست لے کر جائیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام اوّل تو یہی عذر کریں گے "لست لہا"، کہ میں بھی مقام شفاعت میں کھڑے ہونے کا اہل نہیں اور بعد ازاں اہل محشر کو یہ مشورہ دیں گے۔

ولٰكن ایتوا محمدًا صلى الله عليه وسلم عبدًا غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تاخر

صحیح بخاری ص۱۱۰

ولیکن تم سب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جنکی اگلی اور پچھلی تمام تقصیرات کو اللہ نے معاف کر دیا ہے۔

باب قول اللہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ صحیح بخاری ص۱۱۲۲۔

باب قول اللہ عز وجلّ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا از کتاب التفسیر۔

یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطرہ نہیں کہ ان سے کسی تقصیر پر کوئی سوال اور مواخذہ ہو اللہ تعالیٰ نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ کی بشارت دے کر اُنکو اس خطرہ اور اندیشہ سے مامون اور مطمئن کر دیا ہے لہٰذا تم انکی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرو اور ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں۔

فیاتون محمدًا صلى الله عليه وسلم فيقولون يا محمد انت رسول الله وخاتم الانبياء وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر اشفع لنا الى ربك الا ترىٰ ما نحن فيه۔

(صحیح بخاری تفسیر سورۃ اسراء)

پس اہل محشر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ نے آپ کی اگلی اور پچھلی کوتاہیوں کو معاف کر دیا اس لیے آپ ہمارے رب سے ہمارے لیے شفاعت کیجئے کیا آپ ہماری اس مصیبت و پریشانی کو نہیں دیکھ رہے ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔

سورۂ محمد کی تفسیر میں جیسا کہ گذر چکا ذنب سے اس آیت مبارکہ میں وہ سہو و نسیان مراد ہو سکتا

ہے جو مقتضائے بشریت آپؐ سے کسی وقت مدت العمر ظہور میں آیا ہو مقصدِ آیت یہ ہے کہ آپؐ ہمارے محبوب ہیں آپؐ کو تسلی اور بشارت دی جاتی ہے کہ آپؐ کی ہر بات سے درگزر کیا گیا اور کسی بھی امر پر آپ سے سوال و مؤاخذہ نہ ہوگا یہ پہلا انعام ہوا۔

دوسرا انعام، اتمامِ نعمت، کہ عفو تقصیر پر درگذر ہی پر اکتفاء نہ کیا جائے گا بلکہ اس نعمتِ بشارت کے بعد اور جس قدر بھی نعمتیں ہیں انکی بھی تکمیل و تتمیم فرما دی جائے گی اور ان نعمتوں میں سب سے بڑی اور عظیم تر نعمت یہ ہوگی کہ آپؐ کا دین کامل اور تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے گا۔

تیسرا انعام۔ ہدایت صراطِ مستقیم یعنی آپؐ کا دین اور شریعت ایسا سیدھا واضح اور ہموار راستہ ہوگا کہ اس پر چلنے میں نہ کسی کو رکاوٹ ہوگی نہ کوئی ابہام و خفا باقی رہے گا جس طرح کہ سورج کی روشنی میں سیدھے راہ پر چلنے والا مسافر بلا روک ٹوک سہولت کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہا ہو۔

چوتھا انعام۔ نصر عزیز، کہ ایسی کامیابی اور غلبہ جو نہایت مضبوط و مستحکم ہو جو کسی کی مخالفت و مقابلہ اور بغاوت سے متاثر نہ ہو سکے اور اسلام کے واسطے اس طرح راستہ کشادہ ہو جائے گا کہ بلا کسی روک ٹوک کے لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگیں گے اور جب فتح و نصرت اور غلبۂ دین اور اشاعت و قبولیت اسلام کا یہ منظر آپؐ کے سامنے آجائے تو سمجھ لینا کہ آپؐ کی بعثت کا مقصد پورا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے جس غرض کے واسطے دُنیا میں آپؐ کو مبعوث فرمایا تھا وہ غرض پوری ہو گئی تو بس مخلوق سے فارغ و یکسو ہو کر صرف اپنے خالق کی طرف رجوع کرنا اور اسی کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہو جانا جس کو سورۂ نصر میں فرمایا۔ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔

اور جب دار دنیا سے روانہ ہو کر دارِ آخرت میں قدم رکھو تو رنجیدہ و پریشان نہ ہونا کیونکہ ہم نے آپؐ کی ہر بات سے درگزر کر لیا ہے۔

اور جو فتح مبین اور نصرِ عزیز آپؐ کو عطا کی گئی اسکی تکمیل اور باقی ماندہ رفعت و بلندی کے مراتب آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے جانشینوں کے ہاتھوں پورے ہو جائیں گے چنانچہ ایران اور شام کی سرزمین آپؐ کے خلفائے نے فتح کی اور قیصر و کسریٰ کے خزائن تقسیم کیے گئے یہ تھی اتمامِ نعمت جسکی خبر ان کلمات میں دے دی گئی تھی وَیُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ اور یہی نصرِ عزیز کی تکمیل تھی جس کو وَیَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا میں فرمایا گیا۔

الغرض یہی حدیبیہ کی صلح فتح خیبر کا سبب بنی، دو سال بعد مکہ فتح ہو گیا حنین و طائف بھی فتح ہو گئے جس کے بعد کل حجاز۔ نجد اور یمن کے علاقوں میں اسلام کی حکومت قائم ہو گئی فتح روم و فارس سے ظاہری اور باطنی نعمتوں اور خیر کے دروازے کھل گئے۔

تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ

عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرماتے اور قیصر و کسریٰ اور مقوقس شاہ مصر وغیرہ وغیرہ کی طرف خطوط دیکر قاصد روانہ کیئے اور اس صلح کی وجہ سے مشرکین کا مسلمانوں کے ساتھ اختلاط شروع اور کافروں کے دلوں پر جو قفل پڑے ہوئے تھے وہ کھلنا شروع ہوئے اور اسلام کی باتیں کافروں کے کانوں اور دلوں میں داخل ہونے لگیں نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی ہی مدت میں بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور جو لوگ بیس سال سے اسلام کے دشمن خونخوار بنے ہوئے تھے اب وہ اسلام کے عاشق جانثار بن گئے۔

قریش نے اسلام کی رفتار اور گفتار اور اسکے کردار سے اندرونی طور پر یہ سمجھ لیا کہ اب اسلام دبنے والا نہیں اور جو لشکر حضور پرُ نور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے وہ کوئی بادشاہی فوج نہیں بلکہ وہ عاشقوں اور جانبازوں اور پروانوں کا کوئی لشکر ہے جن کے عشق کا یہ عالم ہے کہ حضور پرُ نور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرتا بلکہ صحابہ کے ہاتھوں پر گرتا ہے جسکو وہ اپنے منہ پر مل لیتے ہیں اور جب حضور پرُ نور صلی اللہ علیہ وسلم بولتے ہیں تو سناٹے کا یہ عالم ہوتا ہے کہ گویا انکے سر پر پرندے بیٹھے ہیں قریش نے یہ منظر دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ شخص کوئی بادشاہ نہیں بلکہ خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ ہے جس پر محبوبیت ختم ہے اور یہ مسلمان جو آپ کے گرد جمع ہیں ان پر عاشقیت ختم ہے ان دیوانوں اور پروانوں سے جنگ کرنا آسان نہیں اسلیئے صلح پر آمادہ ہو گئے بیس سال سے جو عداوت کا نشہ سر پر چڑھا ہوا تھا وہ ڈھیلا ہو گیا اور آج کل کی اصطلاح میں صلح کے معنی ہتھیار ڈال دینے کے ہیں قریش ظاہر میں بڑائی کی باتیں کرتے تھے مگر دل سے خوفزدہ تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دل سے مطمئن تھے اور قریش کی ہر شرط کو منظور کرتے جاتے تھے اسلیئے کہ آپؐ جانتے تھے کہ یہ سب چند روزہ قصہ ہے [1]

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ

وہی ہے جس نے اتارا چین دل میں

الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ

ایمان والوں کے، کہ اور بڑھے انکو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ اور اللہ کے ہیں لشکر

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۟ۙ

آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ ہے خبردار حکمت والا

[1] ازافادات حضرت والد محترم سید المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

تا پہنچا دے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو باغوں میں، نیچے بہتی

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ

ہیں انکے نہریں، سدا رہیں ان میں اور اتارے ان سے انکی برائیاں

وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ وَّيُعَذِّبَ

اور یہ ہے اللہ کے ہاں بڑی مراد ملنی اور تا عذاب کرے

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ

دغاباز مردوں کو اور عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو اور عورتوں کو جو اٹکلتے ہیں

بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ

اللہ پر بری اٹکلیں انہیں پر پڑے پھیر مصیبت کا اور غصے ہوا اللہ

عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

اُن پر اور انکو پھٹکارا اور رکھا انکے واسطے دوزخ اور بری جگہ پہنچے

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

اور اللہ کے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور ہے اللہ زبردست

حَكِيْمًا ۝

حکمت والا

بشارات اہل حدیبیہ بعطاء نعماء دنیویہ و اخرویہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ .. الٰى .... عَزِيْزًا حَكِيْمًا

ربط، گزشتہ آیات فتح مبین کی بشارت کے ساتھ ان بشارتوں اور کرامتوں پر مشتمل تھیں جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے ساتھ مخصوص تھیں اب ان آیات میں وہ کرامات اور بشارتیں ذکر فرمائی جارہی ہیں جو آپؐ کے ہمرکاب رفقاء اور حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعلق ہیں اور اس لحاظ سے کہ بضدھا تتبین الاشیاء: نور کی نورانیت ظلمت وتاریکی کے ہی مقابلہ میں پہچانی جاتی ہے تو اولاً اہل حدیبیہ کے فضائل بیان فرمائے گئے اور پھر بطور تکمیل مضمون انکے مقابل منافقین ومتخلفین کی ذلت اور کمینہ پن بیان کیا جارہا ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر حدیبیہ سے واپس ہوئے تو آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں آپؐ نے ان آیات کے نزول پر فرمایا یہ نصیحتیں اور بشارتیں جو اللہ نے نازل فرمائیں مجھے دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہیں حضرات صحابہ یہ سن کر فرمانے لگے یارسول اللہ یہ انعامات وکرامتیں جو اللہ نے نازل فرمائیں تو وہ آپؐ کے واسطے ہیں اور وہ آپؐ کے ساتھ ذکر گا لیکن ہماری عرض یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو اللہ ہمارے ساتھ کرے گا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ۔ الآیات

ارشاد فرمایا وہی ہے پروردگار جس نے سکینت وطمانیت کو اتارا اہل ایمان کے دلوں میں تاکہ انکے ایمان میں اور اضافہ ہو جائے استقامت ویقین کامل کی صورت میں انکے اصل ایمان کے ساتھ کہ اس سکینت اور طمانیت قلب سے رسول اللہؐ کی بات پر دل مطمئن ہو گئے گو کہ بعض باتیں بظاہر خلاف طبع تھیں اور ہوسکتا تھا کہ جس طرح کا فرضد پر ڈٹے ہوتے تھے یہ بھی ایسی ہی ضد کی صورت اختیار کر لیتے مگر اس اطمینان قلب کی وجہ سے انکے مراتب ایمان وعرفان میں ترقی ہوئی۔

پہلے تو جہاد کی بیعت سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہم اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں بہرکیف یہ ایمان کا ایک عجیب رنگ تھا اسکے بعد جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ابھرتے ہوئے مجاہدانہ جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور کر لی تو یہ تو ان کے ایمان کا دوسرا رنگ تھا جو پہلے رنگ پر اضافہ ہوا کہ اپنے جذبات وعواطف کو مغلوب کرتے ہوئے اللہ اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیا انکو اس ایمان وانقیاد کے ساتھ اس پر یقین بھی حاصل ہوگیا کہ اللہ ہی کے لیے ہیں لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ بڑا ہی خبردار حکمت والا ہے اسکے علم سے دشمنان اسلام کی کوئی سازش اور مخالفت پوشیدہ نہیں اور وہ اپنی حکمت سے جب چاہے گا۔ اپنے لشکروں کو جہاد کے واسطے حکم دیدیگا اور جب اسکے لشکر میدان جہاد میں آئیں گے جیسے کہ بدر وحنین میں تو پھر کسی کو مقابلہ کی تاب نہ ہوگی اور یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ پہنچا دے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں[1] کو ایسے باغوں (جنتوں) میں جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں جو ہمیشہ ان میں رہنے والے ہوں گے اور اس انعام واعزاز کے علاوہ یہ بھی ایک خصوصی

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

انعام ہوگا کہ مٹا دے گا ان سے انکی برائیاں اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی ہی کامیابی جو مخلصین و مطیعین اور مؤمنین صادقین کے حصہ میں آتی ہے اور اسکے برعکس منکرین و منافقین کے حق میں یہ مصلحت ہے کہ عذاب دے منافق مردوں (دغاباز مردوں) اور منافق عورتوں (دغاباز عورتوں) کو اور شرک کرنے والے مردوں اور شرک کرنے والی عورتوں کو جو گمان کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کے بارہ میں بُرا گمان بیشک انھی پر لوٹے گا چکر انکی برائی کا اور خدا کا غضب ہے ان پر اور لعنت کی خدا نے ان پر اور تیار کی انکے واسطے جہنم اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے جہاں کی مصیبتوں اور تکالیف کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ اللہ کے واسطے ہیں تمام لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے [2] اسی وجہ سے منافقین و منافقات اور مشرکین و مشرکات عذاب خداوندی سے نہیں بچ سکتے جنکے خیالات نہایت گندے تھے اور انکے دلوں میں بیہودہ آرزوئیں تھیں وہ سوچتے تھے مسلمان اگر لڑائی ہوتی تو ضرور ناکام ہوں گے کیونکہ نہ ان کے پاس فوج ہے نہ ساز و سامان، وطن سے دور ہوں گے مدد بھی نہ پہنچ سکے گی اسکے برعکس قریش مکہ طاقت ور ہیں ساز و سامان انکے پاس ہے وہ ضرور کامیاب ہوں گے تو ہم کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں کبھی یہ سوچتے کہ مسلمانوں کا یہ کہنا کہ ہم عمرے کے واسطے جا رہے ہیں یہ محض ایک دھوکہ ہے دراصل ان کا مقصد لڑائی ہے اور قریش مکہ پر حملہ کرنا ہے غرض اس طرح کے اوہام و خیالات میں تھے کہ اللہ رب العزت نے ارادہ کیا کہ ذلیل کیا جائے اور عذاب دنیوی و اخروی میں مبتلا ہوں چنانچہ جس قدر انہوں نے پیش بندیاں کیں احتیاط برتا ان کی سب تدبیریں ضائع گئیں اور مصیبتوں کے چکر نے انکو اپنے گھیرے میں لے لیا یہ تو دنیا کا عذاب ہوا مزید عذاب اُخروی یہ کہ غضب خداوندی کے مستحق بنے خدا کی لعنت ان پر ہوئی اور عذاب جہنم جو

حاشیہ صفحہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ اس سفر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں تو قرآن کریم نے انکے اکرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاص طور پر مؤمنات کا لفظ بھی بول دیا ورنہ تو بالعموم فضائل

بقیہ صفحہ ہذا و احکام میں ایک ہی عنوان اور صیغہ مذکر دونوں کو شامل ہوا کرتا ہے ۱۲

[1] حضرت شیخ الہند مولینا محمود الحسن قدس اللہ سرہٗ نے منافقین و منافقات کے ترجمہ میں یہ لفظ استعمال کیا جو نہایت ہی بلیغ و لذیذ ہے اس وجہ سے بین القوسین ذکر کر دیا گیا۔ ۱۲۔

[2] ان آیات میں دو جگہ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا گیا پہلی جگہ ان الفاظ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ رب العزت ہی مخلوقات کے تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا ہے اور وہ اپنی حکمت کے تقاضے سے جس طرح چاہتا ہے ہر امر طے فرماتا ہے اسی بناء پر وہاں اللہ رب العزت نے اپنی صفت عَلِيْمًا حَكِيْمًا فرمائی لیکن یہاں مقصود مجرمین و نافرمانوں کو تہدید و دھمکی ہے اس وجہ سے اس موقع پر وصف عَزِيْزًا حَكِيْمًا ارشاد فرمایا ۱۲ (روح المعانی)

ہمیشہ کیلئے سے مقرر کردیا گیا اللہ رب العزت بڑے ہی غلبہ اور طاقت والا ہے اسکے فیصلہ کو کوئی روک نہیں سکتا ساتھ ہی وہ حکمت والا بھی ہے بمقتضائے حکمت جب بھی مناسب جانتا ہے مجرمین کو سزا دیتا ہے۔

حضرات صحابہؓ کے قلوب میں نزول سکینت کی بشارت

ان کے مؤمن کامل اور صاحب تقویٰ ہونے کا اعلان ہے

آیت مبارکہ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ کا مصداق بلاشبہ حضرات صحابہ اور بالخصوص وہی حضرات ہیں جو حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے جب قرآن کریم نے واضح طور پر اس امر کی شہادت دے دی کہ اللہ رب العزت نے انکے دلوں میں سکینت وطمانینت نازل فرما دی تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد ان افراد اور مقدس ہستیوں کے بارہ میں کسی طرح کی ایمان ویقین کی کمزوری کا تصور کرنا قرآنی شہادت العیاذ باللہ ٹھکرانا ہے قرآن کریم نے شہادت دیدی کہ وہ تقویٰ، ایمان، عفت وپاکدامنی کے پیکر ہیں اور ایمان پر استقامت کا ان کو ایسا مقام حاصل ہے کہ اُن کے قدم صراط مستقیم سے کسی بھی مرحلہ پر کسی بھی لمحہ نہیں ڈگمگا سکتے اور حتیٰ کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا وصف انکے لیے لازم ذات بنا دیا جیسا کہ ارشاد ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی اور ساتھ یہ بھی فرما دیا گیا کہ اللہ رب العزت کے علم ازلی کے لحاظ سے وہی اس کے تمام عالم میں سب سے زیادہ مستحق اور لائق تھے اور جب تقویٰ کمال ایمان اور استقامت وسکینت کا وصف ان حضرات کا لازم ذات وصف ہوگیا تو بلاشبہ ان کا مقام ومرتبہ خداوند عالم کے نزدیک اولیاء اور اسکے محبوب ہونے کا ہوگیا اب اس میں شبہ وتردد قرآن میں شبہ کرنا ہے اور اللہ کی شہادت میں شبہ وتردد بدترین جرم ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا	وَّنَذِيْرًا ۸
ہم نے تجھ کو بھیجا	احوال بتانے والا، اور خوشی	اور ڈر سنانا

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَ

تا تم لوگ یقین لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اسکی مدد کرو، اور اسکا ادب رکھو، اور

تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا

اسکی پاکی بولو صبح اور شام اور جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وہ

يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ

ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ ہے اوپر انکے ہاتھ کے پھر جو کوئی قول توڑے

فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ

سو توڑتا ہے اپنے برے کو اور جو کوئی پورا کرے جس پر اقرار کیا اللہ

اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾

سے، دے گا اس کو نیگ بڑا

انعام بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و حق تعظیم و توقیر

و عہد اطاعت و فرمانبرداری

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ... اِلٰى ... فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

(ربط) گزشتہ آیات میں فتح مبین کی بشارت کے ساتھ ان چار انعامات کا ذکر فرمایا گیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ مخصوص تھے اب ان آیات میں اس انعام عظیم کا ذکر فرمایا گیا جو تمام امت پر بلکہ تمام انسانوں اور کل کائنات پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کے ذریعہ فرمایا گیا۔ اس انعام عظیم کے ذکر کے ساتھ رسول عظیم کے حقوق کا بھی اجمالاً تذکرہ فرما دیا گیا اور یہ کہ آپ پر ایمان اور بیعت کس قدر بلند پایہ فضیلت ہے کہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں اور جس وقت وہ بیعت کرتے ہوتے اپنا ہاتھ رسول خدا کے ہاتھ پر رکھتے ہیں تو اللہ کا ہاتھ اس کی شان بے چگون کے مطابق ایمان لانے والے مسلمانوں کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔

ارشاد فرمایا بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے اے ہمارے پیغمبر گواہی دینے والا تمام انبیاء علیہم السلام کے حق رسالت ادا کرنے اور انکی قوموں کی نافرمانی کرنے پر اور بشارت سنانے والا

اہل ایمان وطاعت کے لیئے اور ڈرانے والا نافرمانوں کو تاکہ اے لوگو! تم ایمان لے آؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اسکے رسول کی مدد کرو اور اسکی تعظیم و توقیر کرو اور پاکی بیان کرو اس اللہ کی جس نے ایسا رسولِ عظیم مبعوث فرمایا صبح اور شام نمازوں میں اور دیگر اوقات میں یقیناً جو لوگ بیعت کرتے ہیں آپ سے وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ انکے ہاتھوں کے اوپر ہے سو جو شخص بھی اس عہد و پیمان کو توڑے گا تو بس اس کا توڑنا خود اسی پر وبال و مصیبت ہوگا اور جو شخص پورا کرے گا وہ عہد جو اس نے اپنے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو ضرور عنقریب اللہ اسکو اجر عظیم دے گا اس لیئے کہ عہد و پیمان کو پورا کرنا بہترین خصلت اور موجب انعام ہے اور اسکے برعکس عہد توڑنا غداری ہے اور مجرمانہ کردار کا عملی ثبوت ہے جسکی سزا سے انسان ہرگز نہیں بچ سکتا عہد شکنی اور غداری کی سزا دنیا میں بھی ملے گی اور آخرت میں بھی اور اہل استقامت جس طرح آخرت میں انعام و اکرام کے مستحق ہونگے دنیا میں بھی حق تعالیٰ کے انعامات سے نوازے جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام امتوں اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہ ہونا سورۂ نساء کی آیت فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ کی تفسیر میں وضاحت سے بیان کیا جاچکا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان حشر کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہر پیغمبر اور اس پیغمبر کے ساتھ اسکی امت ہوگی امت سے جب یہ سوال ہوگا کیا ہمارا پیغام تم تک پہنچا تو وہ انکار کریں گے انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ شانہ کے پیغام پہنچا دینے کا اقرار کریں گے تو انکو گواہ پیش کرنے کے لیئے کہا جائے گا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ اے اللہ آپ کے پیغمبر آپ کا پیغام اور ہر حکم اپنی اپنی امتوں کو پہنچا چکے۔

عـه حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر اکثر حضرات صحابہ سے مروی ہے کہ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کی ضمیریں رسول کی طرف راجع ہیں اور وَتُسَبِّحُوْهُ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے کیونکہ مدد اور تعظیم حقوق رسالت سے ہے اور ظاہر ہے کہ اعانت و مدد پیغمبر ہی کی ہوسکتی ہے اس کے احکام و دین کی اشاعت اور مقاصد دین کی تکمیل کے لیے اس بنا پر یہ ممکن نہیں کہ وَتُعَزِّرُوْهُ کی ضمیر کا مرجع اللہ ہو اور تسبیح و پاکی ذاتِ کبریا کے لیئے ہے اس وجہ سے تُسَبِّحُوْهُ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے یہی وجہ ہے کہ جمہور کے نزدیک وَتُوَقِّرُوْهُ پر وقف لازم ہے اور آگے لفظ وَتُسَبِّحُوْهُ جملہ مستانفہ کے طور پر کلام مستقل ہے ۱۲

تفصیل کے لیے سورۂ نساء کی تفسیر کی مراجعت فرمائی جائے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت اللہ سے بیعت ہے

بیعت کی صورت یہ ہوتی تھی کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتے تھے اس کو فرمایا جا رہا ہے کہ صورۃً تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرنا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ بیعت اللہ کے ساتھ ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ بیعت خدا ہی کی طرف سے اور اسی کی نیابت میں لے رہے ہیں اللہ کا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اللہ کے احکام ہی کی اطاعت کے لیے بیعت لے رہا ہے لہٰذا یہ بیعت حقیقت میں اللہ ہی سے ہے یہ وہی حقیقت ہے جسکو قرآن کریم کی اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء) اسی طرح سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال)

یہ بیعت حدیبیہ میں اہل ایمان اور حضرات صحابہؓ سے تھی جو پہلے سے اصل اسلام پر بیعت کر چکے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایمان و اسلام پر بیعت کے علاوہ جہاد پر اور کبھی کسی اور امر خیر پر بھی بیعت لیتے تھے جیسے صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی النصح لکل مسلم (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اس بات پر کہ ہر مسلمان کے ساتھ اخلاص و ہمدردی کروں گا)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات صحابہ سے جو حدیبیہ میں ہمراہ تھے موت پر بیعت نہیں لی (کیونکہ مرنا تو مقصود نہیں) بلکہ اس بات پر بیعت لی تھی کہ ہم میدانِ جہاد سے بھاگیں گے نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحؒ نے فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا کی تفسیر میں حضرت جابرؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرۃ	کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقیناً کوئی شخص بھی جہنم میں نہیں جائے گا ان لوگوں میں سے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی (یعنی بیعت الرضوان میں شامل ہونے والا کوئی بھی

(ابن کثیر) شخص جہنم میں نہیں جائیگا)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے ہمسفر لوگوں میں سے نہ کسی نے بیعت کو توڑا اور نہ کوئی بیعت سے پیچھے رہا بجز ایک شخص جد بن قیس منافق کے یہ شخص منافق تھا جیسے کہ صحیح مسلم کی روایت میں وضاحت ہے جب بیعت لی جا رہی تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھامے ہوئے تھے یہ شخص جد بن قیس اپنے بیٹھے ہوئے اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ کر بیٹھا رہا بیعت الرضوان کی تفصیل انشاء اللہ العزیز آیت لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ کے تحت آئے گی، بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہ۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ

اب کہیں گے تجھ کو پیچھے رہنے والے گنوار ہم گے

شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ

رہ گئے اپنے مالوں میں اور گھروں میں سو ہمارا گناہ بخشوا کہتے ہیں

بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ

اپنی زبان سے جو نہیں انکے دل میں تو کہہ کس کا

يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ

کچھ چلتا ہے اللہ سے تمہارے واسطے اگر وہ چاہے تم پر تکلیف یا

اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪

چاہے تم کو فائدہ بلکہ اللہ ہے تمہارے کام سے خبردار

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى

کوئی نہیں! تم نے خیال کیا کہ پھر کر نہ آویگا رسول اور مسلمان اپنے

اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ

گھر کبھی اور بھلا نظر آیا تمہارے دل میں یہ اور انکل کی تم نے

ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ

بُری اٹکلیں اور تم لوگ تھے کھپنے والے اور جو کوئی یقین نہ لاوے

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَ

اللہ پر اور اسکے رسول پر تو ہم نے رکھی ہے منکروں کے واسطے دہکتی آگ اور

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

اللہ کا ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا بخشے جسکو چاہے

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

اور مار دے جسکو چاہے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ

اب کہیں گے پیچھے رہ گئے جب چلوگے غنیمتیں لینے کو چھوڑو ہم

لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا

چلیں تمہارے ساتھ چاہتے ہیں کہ بدلیں

كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ

اللہ کا کہا تو کہہ ہمارے ساتھ نہ چلو گے یونہی کہہ دیا اللہ نے

قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ

پہلے سے پھر اب کہیں گے نہیں تم جلتے ہو ہمارے بھلے سے کوئی نہیں! پر وہ سمجھتے نہیں

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ

رہے مگر تھوڑا کہہ دے پیچھے رہ گئے گنواروں کو آگے تم کو

اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ

بلاویں گے ایک لوگوں پر بڑے سخت لڑنے والے تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے

فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا

پھر اگر حکم مانو گے، دے گا تم کو اللہ نیگ اچھا اور اگر پلٹ جاؤ گے

كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦﴾ لَيْسَ

جیسے پلٹ گئے پہلی بار مار دے تمکو ایک دکھ کی مار

عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى

اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ

الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ

بیمار پر تکلیف اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اسکے رسول کا اس کو داخل کریگا

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا

باغوں میں جنکے نیچے بہتی ندیاں اور جو کوئی پلٹ جاوے اسکو مار دے

أَلِيمًا ﴿١٧﴾

دکھ کی مار

قبائح وشنائع منافقین ومتخلفین وبیان حکم معذورین

قال اللہ تعالیٰ سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ ---- إلى ..... عَذَابًا أَلِيمًا.

(ربط) آیات سابقہ میں مومنین ومطیعین کا ذکر تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے عہد وپیمان پر قائم رہنے والوں کی فضیلت ومدح تھی تو اب ان آیات میں منافقین اور عہد وپیمان توڑنے والوں کی شناعت وقباحت بیان فرمائی جارہی ہے اور یہ کہ اس طرح کے نفاق اور دھوکہ کا انجام کس قدر برا ہے دنیوی ذلت ورسوائی کے علاوہ عذاب آخرت بھی ہوگا البتہ حقیقۃً جو لوگ معذور ہیں ان پر اللہ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ نے تفسیر روح المعانی میں ان آیات کی تفسیر وتوضیح میں اس صورت حال کا ذکر فرمایا ہے جن پر ان آیات کا مضمون مرتب ہے۔

احادیثِ صحیحہ اور مرسلہ سے بھی اسی کو ان آیات کا شانِ نزول بیان کیا گیا اس کا حاصل یہ ہے
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ ہجری میں جب عمرہ کا ارادہ فرمایا تو اعراب یعنی بادیہ نشینوں اور
دیہات میں بسنے والے بعض قبائل کو بھی بلایا تاکہ وہ بھی آپؐ کے ہمراہ سفر میں شامل ہو جائیں آپؐ کو یہ خیال
تھا کہ شاید قریش کے قبائل رکاوٹ ڈالیں اور مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیں یا ہو سکتا ہے کہ مقابلہ
کی صورت پیدا ہو جاتے کیونکہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احزاب میں انکے بہت سے خویش واقارب مارے
گئے تھے اور یہ احتمال غالب تھا کہ جذبۂ انتقام میں آمادۂ پیکار ہو جائیں اور اسی بات کو جنگ کا
بہانہ نہ بنا لیا جاتے تو آپؐ کا جو اصل مقصد عمرہ کرنے کا ہے وہ فوت ہو جاتے گا اس لیے مناسب
سمجھا کہ ایک کثیر جماعت آپؐ کے ساتھ ہو تاکہ قریش کو ایسی جرأت ہی نہ ہو اور پھر یہ کہ ان بادیہ نشینوں
کی اہلِ مکہ کے ساتھ کچھ قرابتیں بھی وابستہ تھیں تو یہ توقع کہ شاید اس لحاظ میں قریش مکہ عمرہ کرنے سے
نہ روکیں بہرکیف آپؐ نے جب اعراب کو طلب فرمایا تو بہت سوں نے تو پہلے ہی انکار کر دیا اور مختلف
حیلے اور بہانے کر کے بیٹھے رہے البتہ ان میں سے جو با اخلاص مؤمن تھے وہ آپؐ کے ساتھ روانہ ہونے
کے واسطے تیار ہو گئے جب مقام حدیبیہ میں پہنچے تو قریش اپنی جاہلانہ حمیت اور جوشِ انتقام سے
مغلوب ہو کر جنگ پر آمادہ ہو گئے (جیسا کہ پہلے گزر چکا) اس موقعہ پر کافی رد و قدح کے بعد مصالحت کی
گئی جو بظاہر مغلوبانہ تھی اور بہت سے صحابہ کرام کو جذبۂ جہاد کے باعث یہی خیال تھا کہ بجاتے
کسی معاہدہ اور صلح کے مقابلہ اور جہاد کیا جاتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق و جانثار مخلصین
و محبین کو صدمہ بھی گزرا جس پر حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہ فرمایا کہ یہ معاہدہ کسی قسم کی شکست اور مغلوبی
نہیں بلکہ یہ تو "فتح مبین" ہے اس معاہدہ میں بہت سی مصلحتیں فتوحات اور فوائد ہمارے علم میں ہیں
خیبر فتح ہو گا۔ مکہ فتح ہو گا۔
خیبر و مکہ اور حنین کی غنیمتیں اے مسلمانو! تمہارے ہاتھ آئیں گی تو اس طرح قلب کی شکستگی
دور کی گئی اور جو صدمہ اور دل پر زخم تھا ان آیات نے اس پر مرہم کا کام دیا۔
معاہدۂ حدیبیہ کے بعد جب واپسی ہو گئی اور قریش نے خود اپنے عمل سے غداری کا ثبوت دیتے
ہوتے عہد و پیمان پارہ پارہ کر ڈالا اور اسی وجہ سے آپؐ نے خیبر پر حملہ کا ارادہ فرمایا تو اللہ کی وحی
سے آپؐ نے یہ اعلان فرما دیا کہ خیبر میں صرف وہی جا سکے گا جو سفر حدیبیہ میں ساتھ تھا تاکہ وہ اعراب
نہ جا سکیں جنہوں نے حیلے بہانے کر کے سفر حدیبیہ میں ساتھ چلنے سے جان بچائی تھی اور ساتھ ہی یہ
اعلان بھی کر دیا گیا کہ خیبر کی غنیمتوں میں سے صرف اس شخص کو ہی حصہ ملے گا جو حدیبیہ میں تھا ان اعراب
نے ہر چند چاہا کہ ہم بھی ساتھ چلیں تاکہ ہمیں بھی مالِ غنیمت مل جاتے اسی کا ان کلماتِ مبارکہ
میں ذکر ہے وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ۔ یہ
غنیمتیں خیبر ہی کی تھیں جو حدیبیہ کے بعد فوراً ہی مسلمانوں کو ملیں اور پھر انعاماتِ خداوندی میں اسی

پر اکتفاء نہیں فرمایا گیا بلکہ مزید اور غنائم کی بھی بشارت سنادی گئی وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا سے کہ انکے علاوہ اور بھی غنیمتیں اے مسلمانو! تم کو ملیں گی جن پر ابھی تم قادر نہیں ہوتے ہو یہ غنیمتیں روم اور فارس کی غنائم تھیں جن کا اس وقت وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا تو ان آیات میں ان منافقین اعراب کو تنبیہ کی گئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر بھی حاضر نہ ہوتے اور حدیبیہ کے سفر میں شریک ہونے سے عذر کر دیا تو اس تنبیہ و وعید کے علاوہ ان اعراب کو یہ دھمکی بھی دی گئی کہ اچھا اب تھے تم نے بہانے کرکے اپنی جان بچالی لیکن عنقریب ایک وقت آئے گا اور ایک سخت اور جنگجو اور طاقتور قوم سے لڑنے کے لیے تم کو بلایا جائے گا اس وقت تمہاری جانثاری اور اخلاص کا امتحان ہو جائے گا اسکی تمکو ابھی سے خبر کر دی ہے تاکہ تم سوچ لو اور خوب غور کر لو اس وقت خیبر میں تو تم کو چلنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جاتی البتہ آئندہ جب اس جنگجو اور طاقتور قوم سے مقابلہ ہوگا تو اس میں تم چاہو تو چلنا اس میں تم کو جہاد کے لیے نکلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔

جس کا ذکر سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ میں فرمایا گیا اور یہ طاقتور جنگجو قوم قریش مکہ کے علاوہ ہوگی جو قوت و شوکت میں ان قوموں سے بڑھ کر ہوگی جن سے اب تک مقابلہ پیش آیا اور ظاہر اسباب میں ان پر غلبہ و فتح ممکن معلوم نہ ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے بطور خرق عادت کمزور مسلمانوں کو فتح و کامیابی عطا فرمائے گا۔ اور اس پُر شوکت و عظمت قوم یعنی فارس و روم کی حکومت و سلطنت درہم برہم کر دے گا۔ اور اس زمانہ میں فارس و روم آدھی دنیا کے مالک تھے اور ساری دنیا ان سے مرعوب و ہیبت زدہ تھی اور لفظ سَتُدْعَوْنَ یہ بتا رہا ہے کہ یہ دعوت آئندہ عنقریب زمانہ میں دی جائے گی اور یہ عنوان بتا رہا ہے کہ اس دعوت کا داعی ظاہراً کوئی انسان واحد مخصوص نہ ہوگا بلکہ وہ داعی، اللہ ہوگا اور اس دعوت کو قبول کرنا اللہ کی دعوت کو قبول کرنا ہوگا اور اسکو ٹھکرانا اللہ کی دعوت کو ٹھکرانا ہوگا اور تاریخ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ روم و فارس سے قتال و مقابلہ صدیق اکبرؓ کے دور سے شروع ہو کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں پایہ تکمیل کو پہنچا تو اس نص قرآنی اور تاریخی حقیقت نے خلفائے ثلاثہ کی دعوت کو اللہ رب العزت کی دعوت قرار دیا اور ان کی دعوت کی قبولیت کو ایمان کا ثبوت شمار فرمایا گیا اور اس دعوت کے انکار کو کفر و ارتداد اور بغاوت کا درجہ دیا گیا قرار شاد فرمایا جا رہا ہے۔

اب کہیں گے آپ سے پیچھے رہ جانے والے لوگ بادیہ نشینوں یعنی جنگلی قسم کے لوگوں میں سے حیلے کے طور پر ہم کو مشغول رکھا اور مہلت نہ دی ہم کو ہمارے مالوں (کاروبار) اور گھر والوں نے تو آپ ہمارے واسطے مغفرت طلب کیجیے اس وجہ سے کہ ہم آپ کے ساتھ سفر نہیں کر سکے کہ رہے

ہیں یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات جو انکے دلوں میں نہیں ہے جانتے ہیں کہ یہ عذر غلط ہے، نہ حقیقت میں انکو کوئی عذر ہے اور نہ وہ آپکے ساتھ نہ جانے میں اپنے کو قصوروار سمجھ رہے ہیں کہ اس پر استغفار کی درخواست کریں یہ بھی ایک دھوکہ دینا ہے کہ انکی اس درخواست پر یہ گمان کرلیا جائے کہ واقعی یہ لوگ مجبور ہیں اور نہ جانے پر شرمندگی کے ساتھ معافی طلب کر رہے ہیں آپ کہدیجئے تو کس کو قدرت ہے تمہارے واسطے اللہ سے کسی چیز کو دفع کرنے کی۔ اگر اللہ چاہے کسی ضرر و مصیبت کو تمہارے لیے یا ارادہ کرے تم کو کوئی نفع پہنچانے کا یقیناً اللہ پر کسی کا بس نہیں دنیا کی کوئی طاقت اسکے کسی بھی ارادہ کو نہیں ٹلا سکتی ہر نفع نقصان اسی کے قبضے میں ہے اور اسی کی مشیت کے تابع ہے خداوند عالم کو اس طرح غلط اعذار اور حیلوں سے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو خوب خبردار ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو اے لوگو! یہ غلط ہے کہ تم کو تمہارے کاروبار اور گھر کے لوگوں نے مہلت نہیں دی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں نکلتے بلکہ تم نے تو یہ گمان کرلیا تھا کہ اب ہرگز نہیں لوٹیں گے رسول اور ایمان والے اپنے گھروں کی طرف کبھی بھی۔ یہ دیکھ کر کہ مسلمان کمزور اور بے سروسامان ہیں اور قریش مکہ بڑے طاقتور اور ساز و سامان سے آراستہ ہیں اور یقیناً مقابلہ کی صورت میں یہ جتنے جانے والے مسلمان ہیں سب کے سب قتل کر دیئے جائیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں پوری طرح رچادی گئی تھی اور تمہاری دلی آرزو تھی حالانکہ یہ بات اور اس طرح کی تمنائیں خود تمہاری ہلاکت و تباہی کا باعث تھیں اور بے شک تم نے یہ گمان بہت ہی بُرا گمان کیا اور تم لوگ اپنے اس کمینہ پن کے باعث تباہ ہوجانے والی قوم ہو کیونکہ یہ چیز ایسی نہیں کہ خدا تعالیٰ اس پر درگزر کرے اور تم اس کی سزا سے بچ سکو اور قانون خداوندی یہی ہے جو بھی کوئی ایمان نہ لاتے اللہ پر اور اس کے رسول پر تو بس سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب جس سے ہرگز بھی کوئی نہیں بچ سکتا اور اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت زمینوں اور آسمانوں کی اسکے حکم کو مجال نہیں کہ کوئی ٹلا سکے جسکو چاہے وہ بخش دے اور جسکو چاہے عذاب دے اگر اپنی مہربانی سے کسی کو بخشنا چاہے تو اسکو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر کسی کی معصیت و نافرمانی پر سزا دینا چاہے تو اسکو کوئی ٹلا نہیں سکتا اور اللہ ہے بڑا ہی درگزر کرنے والا مہربان کہ بندوں کے ہر گناہ پر انھیں سزا نہیں دیتا بلکہ درگزر ہی فرماتا ہے یہ اسکی مہربانی ہے اور رحمت ہے ورنہ قانون عذاب کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر تقصیر و معصیت پر سزا دی جاتے اور ظاہر ہے کہ اگر اس کا مواخذہ اور قانون سزا کا نفاذ ہونے لگے تو کوئی بھی عذاب سے نہیں بچ سکتا بلکہ نوبت یہ آجاتے وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى. تو وہ محض اپنی شان رحیمی سے ایسے عذاب سے

درگزر فرماتا ہے[عہ]۔ اس وقت تو بہ اعذار اور حیلے کر کے بیٹھے رہے مگر اسکے بعد اب عنقریب یہ پیچھے
رہنے والے کہیں گے جب اے مسلمانو! تم چلوگے غنیمتوں کے حاصل کرنے کے لیئے چھوڑ دو
ہمیں اپنے ساتھ چلنے سے نہ روکو ہم بھی چلتے ہیں تمہارے ساتھ چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا
کہا ہوا اور اس کا یہ فیصلہ ہے کہ جو اعراب جھوٹے ہیں اعذار پیش کر کے حدیبیہ کے سفر سے
رہ گئے اب وہ آئندہ خیبر کے سفر میں شریک نہ ہو سکیں گے ان لوگوں کو چونکہ خیبر میں فتح کی
توقع اور مال غنیمت کا لالچ تھا تو اس سفر میں ساتھ چلنے کے خواہش مند تھے جب کہ سفر حدیبیہ
میں خطرہ غالب تھا اور ظاہر اسباب سے انکے دلوں میں یہی رچا ہوا تھا کہ مسلمان بچ کر واپس
نہیں آسکیں گے تو اس میں چلنے کے واسطے تیار نہ ہوئے اس لیئے اے ہمارے پیغمبر! ان سے
کہہ دو تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے۔ یونہی فیصلہ کر دیا ہے اللہ نے تمہارے واسطے پہلے ہی
سے لہٰذا اب یہ تمہارے لیئے ممکن نہیں کہ تم اس سفر میں روانہ ہو اور غزوہ میں شرکت کرو تو
اس پر یہ لوگ کہنے لگیں گے نہیں یہ بات نہیں بلکہ تم لوگ تو ہم پر حسد کرتے ہو کہ ہمارا کچھ فائدہ
ہو جاتے اور بوجہ حسد تمہیں یہ برداشت نہیں کہ مال غنیمت میں ہمیں بھی کچھ حصہ مل جائے اسلیئے
یہ کہہ رہے ہو کہ خدا نے ہمارے جانے کو منع کر دیا ہے حالانکہ ہمارے جانے کی کوئی ممانعت نہیں
اور نہ ہی اسکی کوئی وجہ تو اس طرح یہ منافقین خدا کے فیصلہ اور بات کو بدلنا چاہتے ہیں کچھ نہیں! یہ
تو سمجھتے ہی نہیں کسی بھی بات کو مگر بہت کم نہ انکو یہ شعور ہے کہ انکے جھوٹ کو اور فریب
کو مسلمان اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خوب سمجھ رہے ہیں اور نہ ہی انکو یہ احساس
ہے کہ ان کی یہ حرکتیں انکے کمینہ پن اور مال کی حرص ولالچ کو عیاں کر رہی ہیں عجیب خود فریبی
میں مبتلا ہیں اپنی عیاری سے یہ چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دھوکہ
میں رکھیں حالانکہ وہ خود دھوکہ میں مبتلا ہیں کہہ دو! اے ہمارے پیغمبر ان پیچھے رہنے والے
گنواروں سے اچھا جب تم اب سفر خیبر میں نکلنے کا شوق ظاہر کر رہے ہو تو عنقریب تمہارا یہ شوق
اور جذبہ ظاہر ہو جاتے گا تو کوشش لو عنقریب تم کو بلایا جائے گا ایک ایسی قوم کی جانب جو بڑی ہی
قوت وشوکت والی ہوگی تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے یعنی از خود مرعوب ہو کر مطیع
وفرمانبردار ہو جائیں گے یا اس کے بعد تم قتال کر لو پھر مغلوب ومفتوح ہوں پھر اگر تم اطاعت کر لو
اللہ اور اس کے رسولؐ کی ایمان واخلاص کے ساتھ تو اللہ تم کو بہتر بدلہ دے گا اور اگر تم روگردانی کرو
گے جیسا کہ تم پہلے روگردانی اور نافرمانی کر چکے تو تم کو عذاب دے گا نہایت ہی دردناک عذاب

عہ ان کلمات سے مضمون عذاب کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کے وصف غفور رحیم کی مناسبت
اور لطافت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

یہ وعید و تنبیہ اور تہدید ان منافقین اور جھوٹوں کے واسطے ہے جو غلط اعذار پیش کرکے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ غداری کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ واقعۃً معذور و مجبور ہیں سفر کی ان میں قدرت ہی نہیں ان کے متعلق قانون خداوندی یہ ہے کہ نہیں ہے نابینا پر کوئی حرج اور نہ ہی کوئی حرج ہے کسی لنگڑے معذور انسان پر اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اگر یہ لوگ سفر جہاد پر نہ نکلیں ان پر نہ کوئی مؤاخذہ ہے اور نہ یہ اسکے پابند ہیں کہ خواہ کچھ بھی مشقت و تکلیف ہو یہ ضرور نکلیں اور جو بھی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسکو ایسے باغات (جنتوں) میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص روگردانی ونافرمانی کرے گا اسکو دردناک عذاب دیگا۔

سفر حدیبیہ میں شریک نہ ہونے والوں کی آزمائش اور سزا

ان آیاتِ مبارکہ میں جن منافقین کا حدیبیہ کے سفر سے تخلف کرنے اور پیچھے رہ جانے کا ذکر فرمایا گیا ان پر بطور تہدید کے یہ واضح کر دیا گیا کہ ایسے منافقوں کے لیے بطور سزا حق تعالیٰ کی طرف سے دو چیزیں مقدر کی گئیں۔

ایک تو غزوۂ خیبر (جس میں مال غنیمت ملنے کی توقع تھی) میں شرکت کی ممانعت جسکے نتیجہ میں مال و دولت سے محرومی ایسے منافقوں اور مال کے حریص لوگوں کے واسطے تکلیف دہ چیز اور حسرت و ملال کا باعث بنی دوسری سزا یہ طے کی گئی سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ کہ ایسی قوم کے مقابلہ اور جہاد کی طرف انکو بلایا جائے گا جو بڑی قوت اور شوکت والی ہوگی۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ۔ میں لفظ قوم نکرہ ہے اور نکرہ ظاہر ہے کہ غیر معیّن اور غیر معروف ہوتا ہے تو ان الفاظ کی دلالت سے یہ متعین ہوگیا کہ وہ قوم قریش کے علاوہ ہوگی جس سے تم واقف نہ ہوگے۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا کہ یہ قوم فارس اور روم تھی اور انکے قتال کی طرف دعوت دینے والے حضرات خلفائے ثلثہ تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کا ظہور نہ ہوا تھا کیونکہ آپؐ کے زمانہ میں حدیبیہ کے فوراً بعد غزوۂ خیبر ہوا اس میں تو واضح طور پر ممانعت نازل ہوگئی قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا (کہہ دو کہ ہرگز ہمارے ساتھ نہ چلو) اسکے بعد فتح مکہ اور غزوۂ حنین پیش آیا تو یہ دونوں واقعات بھی اس پیش گوئی کا مصداق نہیں کیونکہ یہ قومیں بھی قریش اور انکے لواحق میں تھے نیز حنین میں مقابلہ ہوازن سے پیش آیا اگرچہ وہ لوگ بڑے سخت تیر انداز تھے مگر وہ نہ تو تعداد میں زائد تھے اور نہ ہی قوت و شوکت والے تھے پھر غزوۂ تبوک پیش آیا وہ بھی اس کا مصداق نہیں ہوسکتا اس لیئے کہ تبوک میں تو قتال کی نوبت ہی پیش نہیں آئی حالانکہ الفاظ آیت یہ ہیں تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ کہ اس جنگ

کا انجام یہ ہوگا کہ حریف یا تو مرعوب ہو کر اسلام سے آئیگا یا جنگ و قتال کی نوبت آئی تو مفتوح و مغلوب ہوگا تو غزوۂ تبوک میں اسکی نوبت ہی نہیں آئی الغرض ان وجوہ سے بھی متعین اور ثابت ہوا کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد پیش آیا اور یہ مقابلہ فارس و روم ہی کے ساتھ تھا۔

حضرت علیؓ کے زمانہ میں پیش آنے والے مقابلہ کی حقیقت

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز نے "ازالۃ الخفاء" میں اس آیت پر تفصیل سے کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وعدہ حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں پورا ہوگیا خلافت عثمانی کے بعد اگرچہ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں بھی قتال اور مقابلہ کی صورت پیش آئی لیکن انہوں نے جس قتال کی طرف لوگوں کو دعوت دی وہ مسئلہ خلافت کو مضبوط کرنے کے لیے تھا اور اس گروہ کے مقابلہ میں جو خود مسلمانوں میں سے تھا ان کو مغلوب کرنے اور شکست دینے کے واسطے حضرت امیر معاویہؓ اور انکے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ ہوا یہ مقابلہ نہ تو کفر کے مقابلہ میں تھا اور نہ اس میں حضرت علیؓ نے اعراب کو دعوت دی تھی۔

بعض روایاتِ صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر کے حق میں یہ فرمایا تھا۔ یا علیؓ اِنَّكَ لتقاتل علٰی تاویلِ القرآن کما قاتلتُ علی تنزیلہ کہ اے علیؓ تم قتال کروگے قرآن کی تاویل پر یعنی اسکی مراد کی تحریف کرنے والوں سے مقابلہ کروگے جیسا کہ میں نے اس کی تنزیل پر لوگوں سے قتال کیا یعنی اس پر ایمان لانے کے واسطے ان لوگوں سے قتال کیا جو اس پر ایمان نہیں لاتے تھے اور یہ امر قطعی ہے کہ تاویل پر قتال و مقابلہ اسی سے ہوسکتا ہے اور اسی صورت میں کہ وہ گروہ اصل قرآن کو تو مانتا ہو مگر اس کی مراد میں تحریف و تاویل کرتا ہو اور تنزیلِ قرآن پر قتال کافروں ہی سے ہوسکتا ہے جو نزولِ قرآن کے منکر ہوں تو قتال علی التاویل اور قتال علی التنزیل دونوں جمع نہیں ہوسکتے الغرض وہ جنگجو اور طاقتور قوم جس کے ساتھ قتال کے لیے اعراب کو بلانے کا ذکر آیت مبارکہ میں ہوا اس کا ظہور خلفائے ثلاثہؓ کے زمانہ میں ہوا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ خلیفہ راشد تھے انکی دعوت کو قبول کرنا قرآنی حکم اور امر لازم تھا اور انکی دعوت کو قبول کرنے والا نص قرآنی سے مستحق اجر و ثواب تھا اور جنہوں نے انکے حکم سے انحراف کیا وہ مستوجب عذاب ہوئے[1] شیعہ حضرات اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ اسکے واسطے کوئی ادنیٰ

---

[1] خطبۂ صدیق اکبرؓ بروایت واقدیؒ، مراجعت فرمائیں ازالۃ الخفاء جلد اول طبع قدیم - ۱۲

سے ادنیٰ اور ضعیف سے ضعیف بھی روایت و دلیل نہیں اسکے بالمقابل ان حضرات صحابہ اور اصحاب حدیبیہ کے بارے میں جرح و تنقید بلکہ طعن و تنقیص کرتے ہیں جن کے واسطے قرآن کریم نے صفت تقویٰ کو لازم فرما دیا گویا ان حضرات کے واسطے وصف تقویٰ لازم مرجیات ہوا انکے ایمان و فضائل میں ایک نہیں متعدد آیات موجود ہیں۔

قرآنی پیش گوئی کا مصداق خلفائے ثلثہ تھے

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ مبارک اس پیشین گوئی کا مصداق نہیں ہو سکتا بچند وجوہ اوّل یہ کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں تین لڑائیاں ہوئیں۔ جملؓ، صفینؓ، نہروانؓ یہ تینوں لڑائیاں کلمہ گویان اسلام سے تھیں اَوْ یُسْلِمُوْنَ اس پر صادق نہیں آتا یہ لڑائیاں تو محض مسلمان باغیوں کو شکست دینے کے لئے تھیں دومؓ یہ کہ تینوں لڑائیاں عربوں ہی سے تھیں سوئم یہ کہ کسی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے کہ ان بدوؤں کو حضرت علی المرتضیٰؓ نے دعوت جہاد دی ہو۔

بنی امیہ نے بھی کبھی حجاز و یمن کے بدوؤں کو دعوت جہاد نہیں دی جیسا کہ کتب تواریخ شاہد ہیں باقی رہے حضرات خلفائے ثلاثہؓ تو واقعات تاریخیہ بتلا رہے ہیں کہ انکے عہد میں دنیا کی دو بڑی سلطنتوں یعنی روم و ایران سے لڑائی ہوئی اور رومیوں اور ایرانیوں کا قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ ہونا یقیناً ناقابل انکار ہے نیز یہ بھی ثابت ہے کہ ان تینوں خلفاءؓ نے ان لڑائیوں میں حجاز و یمن کے بدوؤں کو دعوت دی لہٰذا وہ بلانے والے قطعاً یہ تینوں خلفاء خصوصاً حضرات شیخینؓ ہیں پیشین گوئی کے تمام اجزاء ان پر منطبق ہیں اور جب ان کا داعی جہاد ہونا اور انکی دعوت کی اطاعت کا فرض ہونا ثابت ہو گیا تو خلیفہ برحق ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے

اگر باوجود اس پیشین گوئی کے تمام اجزاء کے منطبق ہو جانے کے کوئی شخص ان تینوں خلفاء کو اس آیت کا مصداق نہ مانے اس کا لازم نتیجہ یہ ہے کہ آیت کی پیشین گوئی پوری نہ ہو اور کلام الٰہی کی تکذیب ہو جائے۔ نعوذ باللہ۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیت خلافت بیان فرمائی ہے حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے بھی اس آیت کی عمدہ تقریر تحفہ اثنا عشریہ میں لکھی ہے مگر حضرت مولانا الشیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں جو تقریر اس آیت کی لکھی ہے وہ انھیں کا حصہ تھی میں اس موقع پر ازالۃ الخفاء کی وہ پوری تقریر ہدیہ ناظرین کرتا ہوں اور اسی کو خاتمہ بیان بناتا ہوں میں نے جو کچھ لکھا وہ سب ازالۃ الخفاء میں ہے۔

شکر لطف تو چمن چوں کند اے ابر بہار
کہ اگر خار و گل ایں ہمہ آوردۂ تست

ازالۃ الخفاء مقصد اوّل کی تیسری فصل جلد اوّل میں فرماتے ہیں۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ فی سورۃ الفتح۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا:

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح (چھبیسویں پارہ) میں فرمایا ہے۔

کہہ دو اے محمدؐ! پیچھے چھوڑے ہوؤں کو جو بادیہ نشینوں سے (ہیں) کہ عنقریب بلائے جاؤ گے تم ایک ایسی قوم (کی لڑائی) کی طرف (جو) سخت لڑنے والی (ہوگی) تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے پس اگر اطاعت کرو گے تو دے گا خدا تم کو اچھا بدلہ اور اگر منہ پھیرو گے تم جیسے کہ منہ پھیرا تھا اس بلانے سے پہلے تو عذاب کرے گا تم پر درد دینے والا عذاب۔

اس آیت کا سبب نزول باجماع مفسرین اور بدلالت سیاق وسباقِ آیات اور موافق مضمون احادیث صحیحہ کے یہ ہے جسکی تفصیل گزر چکی۔

اسی تفصیل کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ پھر فرماتے ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب جاننا چاہیئے کہ بلانے والے خلفائے ثلٰثہ تھے انکے سوا کوئی نہ تھا کیونکہ موافق احتمالاتِ عقلیہ کے یہ بلانے والے یا جنابِ مقدس نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہوں گے یا خلفائے ثلاثہ یا حضرت مرتضیٰؓ یا بنی امیہؓ یا بنی عباسؓ یا ترکؒ جنہوں نے سلطنت عرب کے ختم ہو جانے کے بعد سر اٹھایا تھا ان (چھ احتمالوں) سے زیادہ کوئی احتمال نہیں نکلتا (اب دیکھو کہ خلفائے ثلٰثہ کے سوا جس قدر احتمال ہیں سب باطل ہیں کیونکہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا بلانا کبھی ظاہر نہیں ہوا اسلیئے کہ یہ آیت حدیبیہ میں نازل ہوئی اور حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات گنتی کے ہیں اور معلوم ہے کہ ان میں سے کسی میں اس قسم کا بلانا نہیں ہوا حدیبیہ کے بعد ہی علی الاتصال غزوۂ خیبر ہوا اس غزوہ میں اعراب کے کسی متنفس کو آپؐ نے نہیں بلایا بلکہ اس غزوہ میں تو سوا ان لوگوں کے جو حدیبیہ میں شریک تھے کسی اور کا شریک کرنا منع تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ (یعنی اے نبی! اعراب سے) کہہ دو کہ تم (خیبر میں) ہمارے ساتھ نہ آؤ تمہارے متعلق پہلے ہی اللہ نے ایسا فرما دیا ہے۔ خیبر کے بعد غزوۂ فتح پیش آیا اس غزوہ میں کچھ اعراب بلائے گئے مگر اہل مکہ قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ

نہ تھے کیونکہ یہ وہی لوگ تھے جن سے لڑنے کے لیے مدینہ میں بلائے جا چکے تھے اور الفاظ بتا رہے ہیں کہ قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ سے اہل مکہ کے علاوہ کوئی دوسری قوم مراد ہے، غزوۂ حنین بھی مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اہل ہوازن (جن سے اس غزوہ میں لڑائی تھی) اس سے بہت ہی قلیل و ذلیل تھے کہ ان کو بارہ ہزار مردانِ جنگی کے مقابلے میں (جو حنین میں) ہمرکاب حضرت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم تھے یعنی (مہاجرین و انصار و مسلمین فتح مکہ) اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ کہا جاتے یہ دوسری بات ہے کہ حکمتِ الٰہی نے میدانِ جنگ میں بوجہ اسکے کہ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر کچھ ناز پیدا ہو گیا تھا دوسرا رنگ دکھا دیا غزوۂ تبوک بھی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ نہیں پایا جاتا (یعنی اس غزوہ کا انجام یہ نہیں ہوا کہ حریف اسلام لاتا یا اس سے جنگ کی نوبت آتی) مقصود (الٰہی) اس غزوہ سے صرف اہلِ شام و روم کے دلوں میں ہیبت پیدا کرنا تھا جب ہرقل نے جنبش نہ کی اور فوج نہ بھیجی تو مسلمان لوٹ آتے (باقی رہے حضرت مرتضیٰؓ اور بنی امیہ اور بنی عباس اور انکے بعد والے تو ان لوگوں نے حجاز اور یمن کے اعراب کو کافروں سے لڑنے کے لیے بلایا ہی نہیں۔ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے یقیناً یہ خاص قسم کا بلانا (جس میں چاروں مذکورہ اوصاف پائے جائیں) اتنی طویل مدت میں سوائے خلفائے ثلٰثہ کے اور کسی سے ظہور میں نہیں آیا واقدیؒ نے لکھا ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنا لیئے گئے ان کے عہد میں مسیلمہ بن قیس مارا گیا جس نے دعوائے نبوت کیا تھا اور انہیں نے بنو حنیفہ سے قتال کیا نیز انہیں کے زمانے میں سجاح اور اسود عنسی مارے گئے اور طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور انہیں نے یمامہ کو فتح کیا اور تمام عرب ان کا مطیع ہو گیا اس وقت انہوں نے ارادہ کیا کہ ملک شام پر لشکر کشی کریں اور انکی توجہ غزوۂ روم کی طرف مائل ہوئی چنانچہ انہوں نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو مسجدِ نبوی میں جمع کیا اور منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا اسکے بعد فرمایا کہ اے لوگو تمکو واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کے سبب سے فضیلت دی ہے اور تم کو محمد علیہ الصلوٰت والتسلیم کی امت میں کیا ہے اور تمہارے ایمان و یقین کو ترقی دی ہے اور کھلم کھلا تمہاری مدد کی ہے اور تمہارے ہی حق میں فرمایا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ الخ یعنی آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے دین تمہارا اور پوری کر دی میں نے تم پر نعمت اپنی اور پسند کیا میں نے اسلام کو تمہارے لیئے دین اور یہ بھی واضح رہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور ہمت ملک شام کی طرف تھی مگر اللہ نے انکو اٹھا لیا اور انکے لیے اپنا قرب پسند کیا (صلی اللہ علیہ وسلم) لہٰذا اب میں ارادہ رکھتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کو جمع کر کے شام کی طرف بھیجوں کیونکہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی وفات سے پہلے (اشارۃً) مجھے اس کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ زمین کی مشرق و مغرب سب میرے لیے لپیٹ دی گئی ہے اور جس قدر حصہ

زمین کا میرے لیے لپیٹا گیا وہاں تک میری امت کی سلطنت پہنچے گی بس اب تم لوگ (اس بارے میں) کیا کہتے ہو اللہ تم پر رحم کرے ان لوگوں نے کہا کہ یا خلیفۃ رسول اللہ (ہمارا بولنا آپکے سامنے کیا مناسب ہے) آپؓ اپنے حکم سے ہمیں اطلاع دیں اور جہاں چاہیں بھیج دیں کیونکہ اللہ عزوجل نے آپؓ کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے چنانچہ فرمایا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ بہت مسرور ہوتے اور خوش ہوتے اسکے بعد منبر سے اتر آتے اور بادشاہانِ یمن اور سرداران عرب اور اہلِ مکہ کے نام خطوط لکھے ان تمام خطوط کا مضمون یہ تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عبداللہ (ملقب بہ) ابن ابی قحافہ کی طرف سے تمام مسلمانوں کے نام۔ سلام ہو تم پر ---- میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جسکے سوا کوئی معبود نہیں اور درود پڑھتا ہوں اسکے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر میں نے ارادہ کیا ہے کہ تم کو ملک شام کی طرف بھیجوں تاکہ تم لوگ اسکو فتح کرو بس جو شخص تم میں سے جہاد کا ارادہ کرے اسکو چاہیئے کہ سبقت کرے اطاعت خدا اور اطاعت رسولؐ پر خط کے آخر میں یہ آیت لکھی تھی اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا الخ۔ اسکے بعد یہ خط سب کے پاس بھیج دیتے اور اسکے جواب کا انتظار کیا۔ سب سے پہلے جو شخص یمن بھیجا گیا وہ حضرت انس بن مالکؓ رسول خدا کے خادم تھے (واقدی کا کلام ختم ہوا)

حضرت صدیق اکبرؓ کا اس بلانے میں مثل جارحہ کے ہونا اور ان کا اس واقعہ میں اس حدیث قدسی کا مظہر ہونا جو اللہ تعالیٰ نے بخطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائی کہ تم ایک لشکر بھیجو تو ہم ویسے پانچ لشکر بھیج دیں گے بالکل کھلا ہوا ہے چنانچہ (اسکے) اس خط نے لوگوں کے دلوں میں ایسا اثر کیا جو دنیاوی عقل سے بالاتر ہے یہاں تک کہ غزوۂ یرموک میں چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے اور انکے ہاتھ سے عجیب کوشش ظاہر ہوئی اور ایسی فتح حاصل ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے آج تک کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی بمقابلہ کوشش اور اہتمام کے دوگنا اور چوگنا نتیجہ حاصل ہوا حضرت صدیقؓ کا یہی کام حضرت فاروق اعظمؓ کے لیے دستور العمل بن گیا انہوں نے اس طریقہ سے غزوۂ قادسیہ میں اعراب کو دعوت دی روضۃ الاحباب میں ذکر غزوۂ قادسیہ میں لکھا ہے کہ جب یہ خبر ملی کہ اہل عجم نے یزدجرد کو بادشاہ بنایا ہے تو انہوں نے اپنے عمال کو اس مضمون کا خط بھیجا کہ ان اطراف میں جسکو تم جانتے ہو کہ اسکے پاس گھوڑا اور ہتھیار ہے اور ہمت و شجاعت بھی رکھتا ہے اور فن حرب سے واقف ہے اسکو فوراً سامان درست کرکے

مدینہ روانہ کرد اسی طرح حضرت عثمان غنی رضؓ نے عبداللہ بن ابی سرحؓ کی کمک کے لیے جب کہ انھوں نے وہاں کے بادشاہ سے جنگ چھیڑی اعراب کو بلایا اور یہ واقعہ بھی مشہور ہے تو یہ تمام تفصیلات اسی امر کو ثابت کر رہی ہیں کہ وہ بلانا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ انھی خلفائے ثلثہ کا ہے اور ان میں سے ہر ایک خلیفہ راشد تھے انکی طرف سے جہاد کی دعوت حکم شرعی تھا اور انکا حکم ماننا قرآنی فیصلہ تھا جس پر اجر کا وعدہ فرمایا گیا اور انکے حکم کی خلاف ورزی عذاب خداوندی کا سبب تھا۔

اور ان سب تفصیلات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شیعوں کا یہ دعویٰ کہ یہ دعوت دینے والے حضرت امیر (یعنی حضرت علیؓ) ہیں باطل ہے انھوں نے جسکو بھی دعوت دی تھی وہ بیعت کے توڑنے پر مقابلہ کرنے کے لیے تھی۔ ان آیات کی تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز کی یہ تحقیق نہایت ہی بلند پایہ اسرار و حکم اور اصول دین اور خلافت راشدہ میں حضرات خلفائے ثلثہ کے مقام عظمت و نزاہت اور عند اللہ تعالیٰ ان کی مقبولیت کے بیان پر مشتمل تھی اس وجہ سے اس تحقیق انیق کو علامہ آلوسیؒ و دیگر ائمہ مفسرین کے کلام اور حضرت والد محترم شیخ المحدثین والمفسرین مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد فرماتے ہوئے اشارات سے مرتب و جمع کر کے اس ناچیز سراپا تقصیر نے پیش کر دیا ہے جو حقائق و لطائف ہیں وہ ان حضرات کے ہیں اور انکی ترتیب و بیان میں اگر تقصیر و نقائص محسوس ہوں تو وہ ناچیز کے ہیں جس پر طالب عفو و درگزر ہوں۔

(اللہ تعالیٰ مؤلف کو بلند درجات عطا فرمائے آمین) "مرتب"

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ

اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے، جب ہاتھ ملانے لگے تجھ

تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ

سے اُس درخت کے نیچے، پھر جانا جو اُنکے جی میں تھا پھر اُتارا ان پر

عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا

چین، اور انعام دی انکو ایک فتح نزدیک، اور بہت غنیمتیں جو انکو لیں گے

سے ازالۃ الخفاء جلد اول۔ روح المعانی جلد ۲۶

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ

اور ہے اللہ زبردست حکمت والا ۔ وعدہ دیا ہے تم کو اللہ نے

كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ

بہت غنیمتوں کا تم انکو لوگے، سو شتاب ملادی تم کو یہ اور روک لے لوگوں کے ہاتھ

النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا

تم سے اور تا ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے اور چلا وے تمکو

مُسْتَقِيمًا ﴿٢٠﴾ وَأُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللّٰهُ

سیدھی راہ ۔ اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی، وہ اللہ کے قابو میں ہے

بِهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ

اور ہے اللہ ہر چیز کر سکتا ۔ اور اگر لڑتے تم سے

الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَ

کافر، تو پھیرتے پیٹھ پھر نہ پاویں گے کوئی حمایتی اور

لَا نَصِيرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ

نہ مددگار ۔ رسم پڑی اللہ کی، جو چلی آئی ہے پہلے سے

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ

اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی رسم بدلتی ۔ اور وہی ہے جس نے روک

أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ

رکھے انکے ہاتھ تم سے، اور تمہارے ہاتھ اُن سے بیچ شہر مکہ کے، پیچھے

أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٢٤﴾

اسکے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیئے وہ اور ہے اللہ جو کرتے ہو دیکھتا ۔

ع

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ

وہی ہیں جنہوں نے انکار کیا، اور روکا تمکو ادب والی مسجد سے اور

الْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ

نیاز کی قربانی کو، بند پڑی نہ پہنچے اپنی جگہ تک اور اگر نہ ہوتے کتنے مرد ایمان والے

وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ

اور کتنی عورتیں ایمان والیاں / جو تمکو معلوم نہیں، یہ خطرہ کہ انکو پیس ڈالتے پھر تم پر

مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ

خرابی پڑتی بےخبری سے کہ اللہ کو داخل کرنا اپنی مہر میں جس کو

يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا

چاہے اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے تو آفت ڈالتے ہم منکروں کو

اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ

دکھ کی مار ٭ جب رکھی منکروں نے اپنے دل میں پچ

حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ

نادانی کی ضد، پھر اُتارا اللہ نے اپنی طرف کا چین اپنے رسول پر اور

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا

مسلمانوں پر، اور لگائے رکھا انکو ادب کی بات پر اور یہی تھے

اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

اس کے لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر

شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ ع

چیز سے خبردار

بیعت الرضوان و فضائلِ اہلِ بیعت مع بشارت انعام خداوندی بعطاءِ غنائم و غلبۂ اہلِ ایمان

قال اللہُ تعالیٰ۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ .... الیٰ .... بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا

(ربط) گزشتہ آیات میں ان اعراب و متخلفین کا ذکر تھا جو جھوٹے عذر اور حیلے بہانے کر کے حدیبیہ کے سفر سے پیچھے رہ گئے تھے انکی باطنی گندگی اور قبائح کے ذکر کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے جس وعید اور تنبیہ کے وہ مستحق تھے بیان کی گئی تھی اب اس گروہ کے بالمقابل ان مخلصین و مطیعین اور جانثاروں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جنہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی کہ ہم زندگی کے آخری سانس تک رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور آخری دم تک ہر طرح کی مدد و اعانت کرتے رہیں گے اور اطاعت و فرماں برداری سے قدم ہرگز پیچھے نہ ہٹائیں گے حق تعالیٰ شانہٗ نے ایسے مخلصین کا ذکر اپنی رضا و خوشنودی کے اعلان سے فرمایا ارشاد ہے۔

بے شک اللہ خوش ہوا ان ایمان والوں سے جبکہ وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے اے ہمارے پیغمبر اس درخت کے نیچے جو ایک کیکر کا درخت تھا مقام حدیبیہ میں جہاں کھڑے ہو کر آپ نے بیعت کا اعلان فرمایا تھا اور صحابہؓ نے اس درخت کے نیچے بیعت کا سلسلہ شروع کیا پھر جان لیا اللہ نے اس چیز کو جو انکے دلوں میں تھا اخلاص و ایمان اور ایثار و جہاد کے جذبات سے تو اتارا ان پر سکون و اطمینان اور انعام دیا انکو ایک نزدیک فتح کا اور بہت سی غنیمتوں کا جنکو وہ حاصل کریں گے اور اللہ تعالےٰ بڑی ہی عزت و حکمت والا ہے کہ اسکے ارادہ اور عطاء کو کوئی طاقت روکنے والی نہیں اور وہ اپنی حکمت سے جب چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اسلئے اگر اس نے مقام حدیبیہ میں فتح اور غنائم کے بجائے معاہدہ اور صلح کو مقدر فرما دیا تو یہ اسکی شانِ حکیمی ہے کہ فتح و غنائم کو قریب وقت کے لئے مؤخر کر دیا جو فتح خیبر کی صورت میں فوراً ہی ظاہر ہوئی جیسا کہ تفصیل گذر چکی وعدہ کیا ہے اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا جنکو تم آئندہ لو گے جس کا ایک حصہ خیبر کی غنیمتیں ہیں سو جلدی پہنچا دی تمکو یہ غنیمت اور روک دیئے لوگوں کے ہاتھ تم سے کہ مقام حدیبیہ میں کفار قریش تم پر حملہ

ؕ یعنی ظاہری احوال سے اندیشہ اور خطرے کے ساتھ حسنِ نیت صدق و اخلاص توکل و اعتماد اور حبِّ اسلام کے ساتھ۔ علامہ ابوحیانؒ فرماتے ہیں کہ صلح کی شرائط سے قلب میں جو آثار رنج و غم تھے وہ بھی مراد ہیں۔ ۱۲

ذ کرسکے ورنہ اس حالت میں کہ تم صرف چودہ سو یا پندرہ سو تھے بے سروسامان وطن سے دور تو اس حالت میں کفار مکہ اگر حملہ کر دیتے تو ظاہراسباب بڑی پریشانی اور تکلیف کے تھے تو یہ کس قدر انعام ہوا اور اللہ کی رحمت ہوئی اور یہ سب کچھ اس وجہ سے بھی کیا گیا کہ ایک نشانی ہوجائے ایمان والوں کے لیئے اللہ کی قدرت اور ایمان پر خصوصی عنایات خداوندی کی اور تم کو صراط مستقیم پر چلائے جس کا نتیجہ یہ ہوگا اللہ رب العزت کے وعدوں اور اسکی لامحدود طاقت پر بھروسہ ہمیشہ قائم رہے گا اور اس وقت کی فتح کے علاوہ ایک اور فتح بھی اللہ نے تمہارے واسطے طے کردی ہے جس پر تم ابھی قادر نہیں ہوتے ہو جس کا اللہ نے احاطہ کر لیا ہے اور وہ اسکے قابو میں ہے اور اللہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اس لیئے جس غنیمت اور فتح کو مسلمانوں کے واسطے اللہ نے طے کر دیا ہے دنیا کی کوئی طاقت اسکو اللہ کے قابو سے نہیں نکال سکتی ۔

اور اس صورت میں کہ اللہ نے ایمان والوں کے واسطے فتح و کامیابی طے کردی ہو اگر قتال کرتے کافر تم سے تو پیٹھ پھیرتے شکست کھاتے ہوئے پھر نہ پاتے اپنا کوئی حمایتی اور نہ مددگار تم ہی غالب ہوتے اور فتح و کامرانی حاصل ہوتی اور ان کافروں کو کسی کی حمایت و مدد عذاب خداوندی سے نہ بچا سکتی مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہی تقاضا ہوا کہ فی الحال مقابلہ اور قتال نہ ہو اور معاہدہ وصلح ہی ہوجاتے اور اس صلح کی ان برکات سے مسلمان مستفید ہوں جو مستقبل میں ان کے واسطے مقدر کردی گئیں ۔

اللہ کا طریقہ یہ ہے جو اسی طرح پہلے سے چلا آرہا ہے اور اے مخاطب تو اللہ کے طریقہ اور قانون میں ہرگز تبدیلی نہ پائے گا کہ جب بھی اہل حق اور اہل باطل کا کسی فیصلہ کن مرحلہ پر مقابلہ ہو تو آخر کار حق کو فتح ہوتی ہے اور اہل باطل مغلوب و مقہور ہوتے ہیں اللہ کی یہ سنت ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ۔ بس شرط صرف اتنی ہے کہ اہل حق مضبوطی کے ساتھ حق پر قائم رہیں اور اللہ کے اس قانون کو کوئی دوسرا ہرگز تبدیل نہیں کرسکتا اور وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کافروں کے ہاتھوں کو تم سے جب کہ قریش مکہ کی کچھ ٹولیاں حدیبیہ کے مقام میں چوری چھپے حملہ آور ہونے کے ارادہ سے مسلمانوں تک پہنچ گئی تھیں اور تمہارے ہاتھ روک دیئے ان سے سرزمین مکہ میں بعد اس کے کہ تم کو ان پر غلبہ و (کامیابی) بھی دے دیا تھا اور اس قسم کی چند ٹولیاں شرپسندوں کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ پر خفیۃً حملہ کرنے کی نیت سے آتے تھے صحابہ نے انکو پکڑ بھی لیا تھا اور زندہ گرفتار کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش بھی کردیا تھا اور اللہ دیکھنے والا ہے ان تمام کاموں کو جو تم کرتے ہو تو اس نے تمہارے اس حلم اور تحمل و درگزر کو بھی دیکھ لیا ہے اور وہ یقیناً ایسے صبر و تحمل کا بہتر بدلہ دے گا اور خدا تعالیٰ کے علم اور نظروں سے مجرم و نافرمان چھپے ہوتے نہیں ہیں خدا کو خوب معلوم ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی

کے جانور کو جو بندھا ہوا تھا اس بات سے کہ وہ اپنے حلال ہونے کی جگہ تک پہنچ جاتے یعنی حرم تک جہاں قربانیاں لے جاکر ذبح کی جاتی ہیں اور اگر نہ ہوتے کچھ مرد ایمان والے اور کچھ عورتیں ایمان والی جنکو تم نہ جانتے تھے تو اس صورت میں اگر قتال و جہاد کا حکم دے دیا جاتا تو خطرہ تھا کہ تم انکو پیس ڈالتے پھر تم پر انکی وجہ سے کوئی خرابی اور مصیبت پیش آجاتی بے خبری کے ساتھ تو اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو اس وقت اللہ کی طرف سے حکم قتال ہو جاتا لیکن ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کہ مکہ میں بہت سے مؤمن مرد اور عورتیں موجود تھے جنکے ایمان کا تم کو علم نہ ہوتا اور قتال کی نوبت آجاتی تو وہ بھی لاعلمی میں پس جاتے اور ایمان والوں کا مارا جانا بلاشبہ ایک بہت بڑی خرابی اور تکلیف تھی جو تم پر واقع ہوتی تو اس مصلحت کے باعث اللہ نے معاہدہ اور صلح کی صورت پر اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو آمادہ کر دیا تاکہ اللہ داخل کرلے اپنی رحمت میں جس کو چاہے کیونکہ یہ ایک بے مثال تحمل اور صبر کا مظاہرہ تھا یقیناً ایسی مہربانی اور حلم کا بدلہ ضرور ملتا اور وہ یہی کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرتے اگر وہ مسلمان مرد اور عورتیں ایک طرف جدا ہو جاتے تو ہم عذاب دیتے ان اہل مکہ میں سے کافروں کو بڑا ہی دردناک عذاب طبعی طور پر کافروں کی بے جا ضد اور عناد کی روش مسلمانوں کو متاثر اور مشتعل بنا سکتی تھی اور طبعاً ضد کا جواب ضد ہی سے دیا جاسکتا تھا لیکن یہ خدا کا کس قدر عظیم انعام ہے کہ ایسے وقت مسلمانوں کو خدا نے صبر و تحمل کا حوصلہ دیا جب کہ رکھی کافروں نے حمیت اور ضد اپنے دلوں میں جاہلیت کے زمانہ جیسی ضد نادانی کی لیکن اللہ نے سکون کی کیفیت اتاری اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر باوجودیکہ سخت اضطراب اور بےچینی کا عالم تھا اور صحابہ جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے مخمور تھے اور قائم رکھا ان پر تقویٰ کا کلمہ کہ وحی الٰہی اور فرمانِ رسول کے سامنے صحابہ سراپا پیکر تقویٰ بن گئے اور حقیقت یہ ہے کہ وہی اسکے لائق تھے اور اسکے اہل تھے اسکے کام کے اور اس کے ثمرات کے مستحق تھے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ اللہ سے ڈر کر اسکی نافرمانی سے باز

لہ کلمۃ التقویٰ کی تفسیر کلمہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" ہے اس پر قائم رہنا سچے فرمانبردار اور پکے موحد کا کام ہے اور ایسا ہی فرمانبردار شخص رسول خدا کے حکم پر اپنے تمام جذبات و رجحانات کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور عین جوش و خروش کے وقت صرف اللہ رب العزت اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے اپنے تمام طبعی جذبات قربان کر ڈالتا ہے نہ اس کو اپنی عزت و ذلت کا سوال رہتا ہے نہ وقار کا مسئلہ حائل ہوتا ہے حدیث میں کلمۃ التقویٰ کی تفسیر اسی وجہ سے لا الٰہ الا اللہ سے کی گئی ہے کہ تمام تر تقویٰ اور طہارت کی بنیاد یہی ہے جسکو اللہ رب العزت نے حضرات صحابہ کی زندگیوں کے ساتھ لازم کر دیا اور اسکا حق ادا کرنے کے واسطے بھی انکو چن لیا۔ ۱۲

رہے اور حرم و کعبہ کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا۔ تو اللہ نے تقویٰ اور طہارت کا یہ وصف اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگیوں کے ساتھ لازم کر دیا کہ انکی حیات اور عمل تقویٰ اور تقویٰ کے تقاضوں سے جدا نہیں ہو سکتا اور کل امت میں وہی اسکے سب سے زیادہ مستحق اور اس کا حق ادا کرنے کے اہل تھے کہ جن کو خدا نے اپنی حکمت اور علم محیط سے چن لیا تھا اور بے شک اللہ تو ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے وہی جانتا ہے کہ کس کے واسطے تقویٰ لازمہ حیات بنایا جا سکتا ہے اور کس کو تقویٰ کا پورا پورا حق ادا کرنے کے واسطے منتخب کیا جا سکتا ہے۔

سبب بیعت الرضوان

اس بیعت کا نام اس آیت مبارکہ کی وجہ سے بیعت الرضوان ہوا جس میں حق تعالیٰ نے ان اہل بیعت حضرات صحابہؓ سے اپنی رضامندی و خوشنودی کا اعلان فرمایا سفر حدیبیہ اور صلح و معاہدہ کی تفصیل ابتداء سورۃ فتح میں گزر چکی اور یہ کہ بیعت کس طرح واقع ہوئی روایات سیرت اور کتب احادیث سے بیعت الرضوان کا جو سبب معلوم ہوا اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام میں پہنچ کر خراش بن امیۃ الضمریؓ کو بطور قاصد اہل مکہ کی طرف بھیجا یہ پیغام دیکر کہ آپؐ صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں اسکے علاوہ اور کوئی ارادہ مقابلہ یا قتال کا نہیں خراش بن امیہؓ جب اہل مکہ کے پاس پہنچے تو ان لوگوں نے انکا اونٹ ذبح کر ڈالا اور خود انکو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن قریش کے کچھ لوگوں کے روکنے پر وہ اس بات سے باز رہے اس واقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر فاروقؓ کو مکہ مکرمہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ آپؐ کو معلوم ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر عداوت اور غیظ و غضب رکھتے ہیں اور مجھے یہ توقع نہیں کہ اہل مکہ اگر میرے ساتھ کوئی زیادتی کریں گے تو میرا کوئی مددگار ہوگا اس وجہ سے مناسب ہے کہ آپؐ عثمان بن عفانؓ کو بھیجیں وہاں انکا مضبوط قبیلہ ہے اور وہ لوگ انکی قدر بھی کرتے ہیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفانؓ کو بلایا اور انکو قریش مکہ کی طرف قاصد بنا کر روانہ فرمایا یہی پیغام دیکر کہ ہم لوگ صرف عمرہ کرنے ہی آئے ہیں اور انکو اسلام کی بھی دعوت دینا اور یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں جو مسلمان مرد اور عورتیں مظلومیت کی زندگی گزار رہے ہیں انکے پاس جا کر انکو بشارت سنا دینا فتح و کامیابی کی اور یہ بھی بتا دینا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مکہ میں اپنا دین غالب فرماتے گا۔

حضرت عثمانؓ مکہ روانہ ہو گئے راستہ میں ابان بن سعید العاص مل گیا اس نے اپنی سواری سے اتر کر ——— حضرت عثمان غنیؓ کو اس پر بٹھایا اور انکو اپنی پناہ دے کر قریش کو اس

کی اطلاع کی کہ عثمانؓ میری پناہ میں ہیں ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے بھی کہا کہ اگر تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف بھی کر سکتے ہو لیکن یہ بات کہ تم سب مکہ میں داخل ہو سکو یہ ممکن نہیں ہے عثمان غنیؓ نے جواب دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف بیت اللہ کر لوں اس پر قریش کے لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو قید کر لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے یہ کہا کہ عثمانؓ تو قتل کر دیئے گئے اس خبر کے ملنے پر آپؐ نے لوگوں کو اعلان کرایا کہ قریش سے اسکا انتقام لینا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا حکم لے کر اُترے کہ آپؐ صحابہ سے بیعت لیں آپؐ کے اعلان فرمانے سے سب صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے اور درخت کے نیچے سلسلۂ بیعت شروع ہو گیا ہر ایک اس پر بیعت کر رہا تھا کہ ہم میدان جہاد سے کسی بھی حالت میں ہرگز نہ بھاگیں گے ۱؎

حضرت معقل بن یسارؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اس درخت کی شاخیں ہاتھ سے تھامے ہوئے تھا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور شاخوں سے نہ چھپے ۲؎ اور سب سے پہلے اس روز جس شخص نے بیعت کی وہ ابو سنان وہب بن محصنؓ، عکاشہ بن محصنؓ کے بھائی تھے۔

بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں شعبیؒ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اعلانِ بیعت فرمایا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں بیعت کر لوں آپؐ نے فرمایا کس چیز پر بیعت کرے گا (یعنی جانتا بھی ہے؟) عرض کیا یا رسول اللہ جو کچھ آپؐ کے دل میں ہے بس اسی پر میں بیعت وعہد کرتا ہوں خواہ میں اس وقت اسکو جانوں یا نہ جانوں یعنی جو بھی کچھ حکم ہوگا پس قبل اس کے کہ وہ معلوم ہو میں اسکی اطاعت و فرماں برداری کیلئے عہد کر رہا ہوں۔

بیعت الرضوان میں ایک بیٹے کی اپنے باپ سے سبقت

بیعۃ الرضوان میں عام بیعت کے دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ تھامے ہوتے تھے اور صحابہ بیعت کرتے جاتے تھے صحیح بخاری میں نافعؒ کی روایت ۳؎

۱؎ صحیح بخاری۔ تفسیر روح المعانی۔ احکام القرآن للقرطبی۔

۲؎ صحیح مسلم

۳؎ صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب التفسیر۔ ۱۲

سے یہ تفصیل معلوم ہوتی کہ اس بیعت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سبقت کرنے والے تھے اور انہوں نے والد سے پہلے بیعت کی جسکی صورت یہ ہوئی کہ عمر فاروقؓ کا ایک گھوڑا کسی انصاری کے پاس تھا انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو انصاری شخص سے گھوڑا لانے کے واسطے بھیجا مقصد یہ تھا کہ اگر جہاد کی نوبت آجاتے تو اس پر قتال کر سکیں عین اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان کا سلسلہ شروع فرما دیا تھا اور عمر فاروقؓ کو خبر بھی نہ تھی کہ بیعت شروع ہوگئی تو عبداللہ بن عمرؓ فوراً درخت کے نیچے پہنچ گئے اور فوراً بیعت کر کے پھر گھوڑا لینے کے واسطے گئے۔ اور آکر اپنے والد عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے کھڑے لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں اور میں بیعت کر آیا ہوں یہ سنتے ہی عمر فاروقؓ دوڑے ہوتے وہاں پہنچ گئے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھامے کھڑے رہے اور بیعت کا سلسلہ جاری رہا اس سلسلۂ بیعت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ اس وقت مکہ میں محصور تھے انکی بیعت اس شان کے ساتھ فرمائی۔ کہ اپنا ایک ہاتھ پھیلایا اور پھر اپنا دایاں ہاتھ بلند کر کے فرمایا کہ اے لوگو! دیکھو یہ عثمانؓ کی بیعت ہے اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر مارا اور جس طرح بیعت میں ایک ہاتھ سے دوسرا ہاتھ پکڑا جاتا ہے اسی طرح اپنے ہاتھ سے دوسرا دست مبارک پکڑا۔

عراقی لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ عظمت پر جب جرح و تنقید اور طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع کیا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ پر الزامات اور تہمتوں کی ایک فہرست تیار کی ہوئی تھی اور طے شدہ منصوبہ کے مطابق ہر مجمع میں ایک یہ بات بھی کہتے کہ عثمانؓ وہ ہیں جو بیعۃ الرضوان میں غیر حاضر رہے تو ایک عراقی نے عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے بھی ان الزامات کو دہراتے ہوتے پوچھا بتاؤ کیا عثمانؓ وہ شخص نہیں ہیں جنہوں نے بیعت الرضوان میں حضورؐ سے بیعت نہیں کی فرمایا میں تجھے اسکی حقیقت بتاتا ہوں اور یہ واقعہ بیان کرتے ہوتے فرمانے لگے اس بیعت میں جو لوگ حاضر تھے تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے بیعت کی تھی مگر جب عثمانؓ کی بیعت کی نوبت آئی تو حضورؐ نے خود اپنے ہاتھ کو عثمانؓ کے ہاتھ کے قائم مقام بنایا خدا کی قسم ہم سب کی بیعت سے افضل اور بڑھ کر عثمانؓ کی بیعت تھی۔

سعید بن المسیبؒ سے ایک تلمیذ سعید بن قتادہؒ نے دریافت کیا مجھے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اصحاب حدیبیہ جنہوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی چودہ سو تھے فرمایا مجھے تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بتایا ہے کہ وہ پندرہ سو تھے بعض روایات میں تعداد اس سے کم اور بعض میں اس سے زائد بیان کی گئی لیکن ائمہ محدثین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ سو کی تعداد راجح ہے۔

شجرۂ مبارکہ جس کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی

سیرت کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درخت کیکر کا تھا جس کے نیچے یہ بیعت لی گئی جس کا نام "بیعت الرضوان" ہے اور قرآن کریم نے ان مقدس نفوس سے اپنی خوشنودی کا اعلان فرمایا بعض روایات وتاریخی نقول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ اس درخت کی تعظیم وتکریم کرنے لگے اور وہاں آکر نفلیں بھی پڑھتے عمر فاروق رضؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس درخت کو کاٹ دینے کا حکم فرمایا اس اندیشہ سے کہ کہیں اس درخت کی پرستش نہ ہونے لگے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں طارق بن عبدالرحمٰنؒ سے منقول ہے کہ میں ایک دفعہ حج کے لئے جارہا تھا تو میں نے مقام حدیبیہ سے گزرتے ہوئے ایک جماعت کو دیکھا کہ اس میدان میں نماز پڑھ رہے ہیں میں نے کہا یہ کون سی مسجد ہے (کہ اس جگہ نماز پڑھی جارہی ہے) لوگوں نے بتایا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان لی تھی یہ سن کر میں حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس حاضر ہوا اور انکو یہ بتایا تو انہوں نے فرمایا میرے والد نے مجھ سے یہ بیان کیا تھا کہ ہم جب آئندہ سال عمرۃ القضاء کے وقت وہاں پہنچے تو ہم اس درخت کو بھول گئے اور یہ طے نہ کر سکے کہ وہ کون سا درخت تھا اور میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی یہ قصہ سنا کر سعید بن المسیبؒ کہنے لگے کہ عجیب بات ہے (کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تو اس درخت کو نہ پہچان سکے اور اس پر انکو قدرت نہ ہوئی اور تم نے اسکو پہچان لیا اب خود ہی سمجھ لو کہ یہ کیا بات ہے۔

(تعبیر "رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ" کی بلاغت ونکتہ)

علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں رضا کے معنی "خوشنودی" بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ لفظ رضا کا استعمال کلام عرب میں متعدد صورتوں سے ہوتا ہے کبھی بغیر صلہ کے استعمال ہوتا ہے مثلاً کہا جاتے رَضِیتُ زَیدًا اور کبھی عن اور با کے ساتھ مثلاً رضیتُ زیدًا باحسانہ اور کبھی لام کے ساتھ مثلاً رضیتُ لکَ۔

علماء عربیہ فرماتے ہیں "ب" کے ساتھ استعمال سببیت کے معنی ظاہر کرتا ہے، باحسانہ کہنے کا مفہوم یہ ہوگا کہ اسکے احسان کی وجہ سے میں خوش ہوا۔ اور جہاں بغیر صلہ کے استعمال ہو تو محض ذات بحیثیت ذات رضا کے معنی ہوں گے اور جس جگہ ب کا صلہ اور ذات دونوں کو جمع کیا جاتے مثلاً رضیتُ

یا اللہ دیگا۔ تو ذات سے خوشنودی کی نوعیت کو بتانا ہوگا یعنی اللہ رب العزت کے ساتھ خوشنودی بحیثیت اسکی ربوبیت اور بندگی ہے اور جب عن کے ساتھ استعمال ہوگا تو یہ ظاہر کرنا مقصود ہوگا کہ رضا اور خوشنودی کس چیز سے واقع ہوئی اور رضا و خوشنودی کا منشا کیا ہے تو اس موقعہ پر لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ کا عنوان اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کی خوشنودی انکے ایمان واخلاص کی وجہ سے واقع ہوئی اور یہی ایمان واخلاص اس رضاء الٰہی کا منشاء بنا جب کہ یہ عمل بیعت انکے ایمان کامل کے ثبوت پر ظاہر ہو رہا ہے جب کہ اس درخت کے نیچے بیعت ہو رہی تھی تو یہ عنوان بلیغ ترین عنوان ہوا بہ نسبت اسکے کہ رَضِیَ اللّٰہ بیعتھم کیونکہ اس میں صرف اس عمل پر ہی خوشنودی کا اظہار ہوتا اب یہاں اسکے بالمقابل عمل کو ظرف بنایا گیا اور خوشنودی کا محل صرف صحابہ کی ذات قرار دیگئی اور اس کا منشاء ان کا ایمان واخلاص بتایا گیا جس کی گواہی دینے والا خود اللہ رب العزت ہوا اب اسکے بعد ان حضرات میں سے کسی کے بھی ایمان واخلاص میں شبہ کرنا درحقیقت خدا تعالیٰ کی گواہی کو ٹھکرانا ہوگا۔

العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ

⁂ ⁂ ⁂

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ

اللہ نے سچ دکھایا ہے اپنے رسول کو خواب تحقیق تم داخل ہو رہو گے

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ

ادب والی مسجد میں اگر اللہ نے چاہا چین سے بال مونڈتے

رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا

اپنے سروں کے اور کترتے بے خطرہ پھر جانا جو تم نہیں جانتے

فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ

پھر ٹھہرا دی اس سے ورے ایک فتح نزدیک ⁂ وہی ہے جس نے

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى

بھیجا اپنا رسول راہ پر اور سچے دین پر کہ اوپر رکھے اسکو

الدِّیْنِ کُلِّهٖ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۲۸﴾ ؕ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ

ہر دین سے اور بس ہے اللہ حق ثابت کرنیوالا ⁂ محمد رسول اللہ کا

وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ

اور جو اسکے ساتھ ہیں زورآور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں

تَرٰىهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ

تو دیکھے انکو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور

رِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ

اسکی خوشی نشانی ان کی انکے منہ پر ہے سجدے کے اثر سے

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۫ کَزَرْعٍ

یہ کہاوت ہے انکی توریت میں اور کہاوت انکی انجیل میں، جیسے

اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ

کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اسکی کمر مضبوط کی، پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہوا اپنے نال پر

یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

خوش لگتا کھیتی والوں کو، تاجلا دے ان سے جی کافروں کا وعدہ دیا ہے اللہ

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

نے ان میں سے جو یقین لاتے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام

مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ

معافی کا اور

اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۲۹﴾ ع

بڑے نیگ کا

خاتمۂ سورت بر بشارت غلبہ و ترقیٔ اسلام مع بیان فضائل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ اَجْرًا عَظِيْمًا

(ربط) سورۃ کا آغاز فتح مبین کی بشارت سے فرمایا گیا تھا اور یہ کہ وہ معاہدہ وصلح جو اللہ رب العزت کی طرف سے فتح مبین ہے بے شمار عنایات اور کرامات کا ذریعہ ہے۔ فتوحات اور غنائم سے مسلمان قوم عظمت اور سربلندی حاصل کرے گی روم اور فارس کی فتح کی بھی بشارت سنا دیگئی جسکو اللہ تعالیٰ نے خلفائے ثلثہ کے ہاتھوں پورا فرمایا ساتھ ہی حیلے اور بہانے بنا کر گھروں میں بیٹھے رہنے والوں منافقین کی خباثت وشناعت کے ساتھ ان پر وعید وتنبیہ بھی فرما دی گئی تو اب اختتام سورت پر جس خواب کی تعبیر کو اللہ نے پورا فرمایا اسکو ذکر کرتے ہوئے غلبۂ دین اور ترقیٔ اسلام کی بشارت سنائی جارہی ہے اور اعراب منافقین کے بالمقابل مخلصین کاملین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات بیان فرماتے جارہے ہیں فرمایا۔

بے شک اللہ نے سچ کر دکھایا اپنے رسولؐ کو وہ خواب تحقیق کے ساتھ اسکی پوری پوری تعبیر دنیا کے سامنے ایک حقیقت بنا کر ظاہر فرما دی کہ اے مسلمانو! یقیناً تم داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن و اطمینان کے ساتھ اس طرح کہ مونڈاسے ہوئے ہو گے اپنے سروں کو اور کچھ لوگ تم میں سے کترتے ہوں گے اس حال میں کہ تم کسی سے کوئی اندیشہ نہیں رکھتے ہو گے پھر جانا اللہ نے اپنے علم محیط کے لحاظ سے اس چیز کو جو تم نہیں جانتے تھے کہ اس خواب کی تعبیر ایک سال میں ظاہر کرنے میں کس قدر حکمتیں اور عظیم مصلحتیں ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جب وہ خواب ۶ھ ہجری میں دیکھا کہ آپؐ اور آپؐ کے ہمراہ صحابۂ کرام مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں کوئی سر منڈا کر حلال ہورہا ہے اور کوئی بال کترا کر اور اتفاق امر یہ کہ اسی سال آپؐ نے عمرہ کا قصد فرما کر صحابہ کی ایک جماعت اپنے ہمراہ لے کر روانگی کا اعلان فرما دیا تو صحابہ نے یہ خیال کیا کہ ہم اسی سال مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ ادا کریں گے جب صلح مکمل ہونے پر بغیر عمرہ کئے ہوئے حدیبیہ سے واپسی ہونے لگی تو بعض صحابہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہؐ کیا آپؐ نے ہم کو یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ ادا کریں گے آپؐ نے فرمایا کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہو گا عرض کیا نہیں یا رسول اللہ فرمایا تو بے شک یوں ہی ہو کر رہے گا تم امن وامان کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے اور تم میں

سے کوئی سر مونڈائے گا اور کوئی بال کترائے گا اور اس طرح تم احرام سے حلال ہو گے اور جب وہاں جاؤ گے تو یہ حال ہو گا تمہیں کسی کا خوف نہ ہو گا چنانچہ حدیبیہ کی واپسی سے اگلے سال ایسا ہی ہوا اس آیت مبارکہ میں اسی کو فرمایا جا رہا ہے کہ بالتحقیق اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا دکھایا ہے اور وہ پورا ہو کر رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ پھر اس خواب کی تعبیر ظاہر ہونے سے پہلے اللہ نے مقرر کر دی ہے ایک نزدیک فتح یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ جو دراصل مستقبل کی فتوحات اور اسلام کی عظمت و ترقی کا ذریعہ بنی جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا وہی پروردگار ہے جس نے بھیجا ہے اپنا رسول ہدایت دے کر اور سچا دین تاکہ غلبہ دے اسکو ہر دین پر جو اپنے اصول و عقائد اور فروع کے اعتبار سے اس قدر مضبوط واضح اور مستحکم ہے کہ اس سے قبل جس قدر ادیان گزرے شریعتیں اتاری گئیں اور انبیاء مبعوث ہوتے سب پر اسکو غلبہ حاصل ہو گا۔ چنانچہ تاریخ نے اسلام کو دنیا کے تمام مذاہب و اقوام پر غالب ثابت کر دیا اور اسلام نے بڑی شان و شوکت سے صدیوں تمام مذاہب والوں پر حکومت کی اور آئندہ بھی دنیا اس حقیقت کا مشاہدہ کرے گی باقی یہ بات کہ اس دعویٰ کی کیا دلیل ہے تو بس سن لینا چاہیئے کہ اللہ ہی کافی ہے حق ثابت کرنے والا ہونے کی حیثیت سے کہ تاریخ عالم دین اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو انکے ساتھ ہیں وہ بڑے ہی مضبوط اور زور آور ہیں کافروں کے مقابلہ میں ۔ اور نہایت ہی نرم دل ہیں آپس میں جس سے کافروں پر رعب پڑتا ہے اور کفر سے نفرت و بیزاری کا اظہار مگر اس شدت اور سختی کے ساتھ اپنے بھائیوں کے ساتھ بڑے ہی نرم دل ہیں اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ کا پیکر ہیں اور یہ دونوں شانیں حضرات صحابہ کی مقام حدیبیہ میں پوری طرح نمایاں ہو رہی تھیں اس ایمانی پختگی اور عظمت کے ساتھ انکے ذوق عبادت اخلاص اور خشیت خداوندی کا یہ حال ہے کہ دیکھے گا تو انکو اے مخاطب رکوع کرتا ہوا اور سر بسجود اس طرح کہ ڈھونڈتے ہیں اللہ کی مہربانی اور اسکی خوشنودی اس اخلاص اور جذبہ سے کہ انکی ہر عبادت ہر ریا سے پاک

ــہ یعنی یہ دو صفتیں شدت و نرمی ان حضرات میں تھی لیکن الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی شان ان میں اس قدر رچی ہوئی تھی کہ کفر اور کافروں کے مقابلہ میں بڑے زور آور اور مضبوط اور شدید لیکن ایمان والوں کے واسطے سراپا پیکر محبت و مہربانی۔
حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ کافروں کے ساتھ شدت و نفرت کا تو یہ عالم تھا کہ یہ بھی گوارا نہ تھا کہ انکے کپڑے بھی کافروں کے کپڑوں سے لگیں یا انکے بدن سے کافروں کا بدن چھوتے اسکے بالمقابل اہل ایمان کے ساتھ محبت کا یہ حال تھا کہ جب بھی کوئی مسلمان اپنے دوسرے بھائی سے ملتا تو مصافحہ اور معانقہ کرتا ۱۲۔ روح المعانی ج ۲۶

صرف اسی غرض اور مقصد پر دائر ہوتی ہے انکے باطنی تقویٰ کے آثار ایسے قوی ہیں کہ باطن سے انکے آثار چہروں پر نمایاں محسوس ہوتے ہیں کہ دیکھے گا اے مخاطب انکی نشانی اور اثر باطنی تقویٰ اخلاص اور خشیت کا انکے چہروں پر سجدہ کے اثر سے کیونکہ نمازوں کی پابندی بالخصوص تہجد کا ایک خاص نور اور رونق عابدین کے چہروں پر جھلکتی ہے گویا حسن نیت اور اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں یہ ہے انکی صفت اور شان تورات میں اور مثال انکی انجیل میں ایک کھیتی کی طرح ہے جس نے زمین سے نکالا اپنا پٹھا پھر اسکو مضبوط کیا پھر اسکو موٹا کیا پھر وہ برابر کھڑا ہو گیا اپنی پنڈلی یعنی نال پر اس طرح کہ پسند آتا ہے کھیتی کرنے والوں کو۔ یہ سب کچھ جو اس مثال کے ذریعہ صحابہ اور اسلام کی ترقی و شادابی انکے نشو و نما بلندی اور استقامت و قوت مقدر فرمائی گئی اور اسکو بیان کیا گیا اس غرض سے کہ انکے ذریعہ کافروں کو غیظ و غضب میں ڈالے اور اسلام کی ترقی سے انکے دل جلیں اور یہ بات اللہ نے پہلے ہی طے کر لی تھی کہ اسلام اس طرح کمزوری کے عالم میں نمودار ہو گا پھر ابھرے گا ترقی کرے گا اور پھلے پھولے گا تا آنکہ کافروں کے دل اسلام کی عظمت کو دیکھ کر جلنے لگیں جیسا کہ ارشاد مبارک ہے يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

وعدہ کیا ہے اللہ نے ایمان لانے والوں اور نیکی کے کام کرنے والوں سے مغفرت و معافی کا اور بڑے ثواب کا اور اللہ کے وعدے سے بڑھ کر اور کون سا وعدہ سچا ہو سکتا ہے وَعْدَ اللَّهِ۔ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا چنانچہ دنیا کے سامنے یہ وعدہ پورا ہو کر رہا اور آخرت میں بھی اسی طرح ہو گا اور جو مثالیں تورات و انجیل میں صحابہ کے ایمان و تقویٰ اور ان کے ذریعہ اسلام کی ترقی و عظمت کی

ـه حضرت شاہ صاحب رح فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال ڈھال سے الگ پہچانے جاتے تھے ۱۲ (فوائد عثمانی)

مجاہد رح نے اس کی تفسیر میں حضرات صحابہ کا خشوع اور تقویٰ بیان کیا ہے اور بعض عارفین کا یہ قول نقل کیا ہے ان للحسنة نورًا فی القلب وضیاءً فی الوجه وسعة فی الرزق۔ کہ نیکی کا نور قلب میں ہوتا ہے اور اسکی رونق چہرہ پر ہوتی ہے اور وہ رزق میں فراخی کا باعث ہوتا ہے۔

امام مالک رح سے یہ منقول ہے فرمایا حضرات صحابہ رض کے خلوص نیت اور انکے محاسن اعمال کا یہ اثر تھا کہ جو بھی انکو دیکھتا اس کا دل گواہی دیتا کہ یہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور نصاریٰ نے تو صحابہ کو دیکھ کر ہی شام کے راستے ان کے لئے کھول دیئے تھے اور کہنے لگے خدا کی قسم یہ لوگ عیسیٰ ع کے حواریوں سے بھی اچھے ہیں ۱۲ تفسیر ابن کثیر۔

بیان کی گئی تھیں وہ بھی پوری طرح دنیا کے سامنے آگئی۔

تورات و انجیل میں حضرات صحابہؓ کے ایمان و تقویٰ کی نشانیاں

ان کلمات میں حضرات صحابہ کی عجیب ایمانی شان اور عظمت بیان کی گئی کہ انکی تورات و انجیل میں وہ نشانیاں ذکر کر دی گئی تھیں کہ اہل کتاب دیکھ کر انہیں پہچان جاتے تھے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں تورات میں بیان کردہ مثال تو وہ تھی جو سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ میں ذکر فرمائی گئی اور انجیل میں جو مثال تھی وہ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ تھی اکثر مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ پر وقف ہے اور وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ جملہ مستانفہ ہے یعنی ان حضرات کی مثال انجیل میں اس کھیتی کی طرح بیان کی گئی ہے چنانچہ مجاہدؒ، ضحاکؒ اور قتادہؒ نے اسی کی تصریح کی ہے (روح المعانی ج ۲۶)

یہ کھیتی جس کا ایک پٹھا نکلنا بیان کیا اس سے مراد وہ ایک شخص ہے جس نے سب سے پہلے دین اسلام قبول کیا اور وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنکی شان میں قرآن کریم کی یہ آیت وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ نازل ہوئی اَلَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وَصَدَّقَ بِهِ کا مصداق باجماع مفسرین صدیق اکبرؓ ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ اس کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی اول اس دین پر ایک آدمی تھا پھر دو ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی حضرت کے وقت میں پھر خلفاء کے عہد میں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ "اَخْرَجَ شَطْأَهُ" میں عہد صدیقی "فَآزَرَهُ" میں عہد فاروقی فَاسْتَغْلَظَ میں عہد عثمانی اور فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ میں عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے جیساکہ بعض دیگر اکابر نے وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا کو بالترتیب خلفائے اربعہ پر تقسیم کر دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت جملہ حضرات صحابہ کی بحیثیت مجموعی مدح و منقبت پر مشتمل ہے خصوصاً اصحاب بیعت الرضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آرہا ہے۔ (فوائد عثمانی)

حضرات صحابہؓ کے خصوصی فضائل اور ان کے ایمان و تقویٰ کی قرآنی شہادت

قرآن کریم میں یہ آیات حضرات صحابہ کی جس انداز کے ساتھ عظمت و برتری ان کا تقدس اور عنداللہ

ان کا محبوب ہونا اور کافروں کا ان سے بغض و عداوت رکھنا بیان کر رہی ہیں وہ اپنے حقائق و لطائف کے لحاظ سے ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔

سب سے اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر آپ کی صفت رسالت کو بیان کیا گیا جسکو مشرکین نے صلحنامہ میں سے نکلوایا تھا جسکو اللہ نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنی کتاب میں لکھ دیا بعد ازاں صحابہ کے فضائل بیان کیئے جو آپ کی نبوت و رسالت کی عظیم دلیل ہیں شاگردوں کا کمال استاد کے کمال کی دلیل ہے اور آپ کی رسالت کے بعد صحابہ کے فضائل کا ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کا مرتبہ ہے اور آئندہ آیت میں صحابہؓ کے اعمال اور اخلاص کا بیان ہے۔

اور آیت وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ سے وہ لوگ مراد ہیں جو سفر حدیبیہ میں آپ کے ہمرکاب تھے اسلیئے کہ اوّل تو اوپر سے سلسلۂ کلام اصحاب حدیبیہ کی مدح میں چلا آرہا ہے دوم یہ کہ معیت کے حقیقی معنی کسی مقام میں کسی کے ساتھ ہونے کے ہیں اور معیت کے یہ معنی حقیقی ہیں اور جب تک معنی حقیقی بن سکیں معنی مجازی مراد نہیں لیئے جاتے سوم احادیث مستفیضہ مشہورہ سے بھی یہی ظاہر ہے کہ یہ آیات اصحاب حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئیں اب اسکے بعد اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے ان کے فضائل اور انکی صفات کے ذکر کا آغاز ہوتا ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ سے صحابہ کے کمال ایمان کی طرف اشارہ ہے جب کہ حدیث میں ہے مَنْ احب لله وابغض لله فقد استکمل الایمان۔ یعنی ان لوگوں کی محبت اور عداوت کا دار و مدار ایمان اور کفر پر ہے ان لوگوں نے اپنی محبت ______ اور شفقت کو اور عداوت و نفرت کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے غضب کے تابع کر دیا ہے جن پر خدا نرم ہے اُن پر یہ بھی نرم ہیں اور جن پر خدا گرم ہے ان پر یہ بھی گرم ہیں اور لفظ عَلَى الْكُفَّارِ میں اشارہ اس طرف ہے کہ صحابہ کو کافروں کے محض کفر کی وجہ سے عداوت ہے کسی ذاتی غرض کی وجہ سے عداوت نہیں اور ظاہر ہے کہ کفر میں اصل اور بالذات شیطان ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا اور نفس شیطان کا توأم (جڑواں بھائی) ہے معلوم ہوا کہ جب صحابہ کافروں کے حق میں سخت ہیں تو نفس اور شیطان کے مقابلہ میں اور بھی زیادہ اشد ہوں گے کیونکہ البغض فی اللہ میں خدا کے دشمنوں سے عداوت بقدر دشمنی ہوتی ہے جو خدا کا دشمن زیادہ ہوگا اس سے دشمنی بھی زیادہ ہوگی لہٰذا جب صحابہ کرامؓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ہیں تو شیطان پر تو اور بھی زیادہ اشداء ہوں گے کیونکہ شیطان تمام کافروں کا سردار ہے اور علیٰ ہذا القیاس نفس بھی اعداء میں سے ہے بلکہ ایک اعتبار سے شیطان سے بھی بڑھ کر ہے اس لیئے کہ شیطان بھی نفس ہی کے سہارے سے اپنا کام کرتا ہے اگر نفس نہ مانے تو شیطان کیا کرے نیز یہ بھی یاد رہے کہ آیت میں "کفار" سے وہ کفار

مراد ہیں جو ان اہل ایمان کے اعزہ واقارب تھے تو جب مطلق عداوت کمال ایمان کی نشانی ہے تو اقرباء کی عداوت کو تو اکملیت کا نشان سمجھا جاتے۔

الغرض جو شیطان کا ذاتی دشمن ہوگا وہ بھلا شیطان کے بہکانے میں کیسے آسکتا ہے اور جس پر نفس اور شیطان کا بس نہ چلتا ہو بلکہ نفس اور شیطان ہی انکے سامنے بے بس ہوں انکے سایہ ہی سے بھاگتا ہو اور جس راستہ پر وہ چلتے ہوں اس راستہ ہی کو بھول گیا ہو تو ایسے لوگوں کے مخلص اور مؤمن کامل ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے لہٰذا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کو اکملیت ایمان کا نشان سمجھنا چاہیے ولذا قال اللہ تعالیٰ فی آیۃ اخریٰ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ الغرض اس لفظ سے صحابہ کا کمال ایمان اور اللہ تعالیٰ کا محب اور محبوب ہونا خوب واضح ہوگیا اور ظاہر ہے کہ کمال محبت کا درجہ بدون حق الیقین کے حاصل نہیں ہوسکتا۔

نکتہ انسان میں حق تعالیٰ نے دو قوتیں رکھی ہیں ایک قوت شہویہ اور ایک قوت غضبیہ قوت شہویہ کا کمال یہ ہے کہ اسکو رحمت الٰہی کے تابع کردے جس پر اللہ تعالےٰ مہربان ہو اس سے محبت کرے، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ میں اسی طرف اشارہ ہے اور قوت غضبیہ کا کمال یہ ہے کہ غضب خداوندی کے تابع ہو اور اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

(ازالۃ الخفاء ص ۲۲۴ ج ۱)

الغرض اَلَّذِيْنَ مَعَهٗ کی۔

پہلی صفت: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ میں صحابہ کے کمال ایمان کی طرف اشارہ ہے

دوسری صفت: تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا میں صحابہ کی عبادت اور اعمال کا بیان ہے کہ بکثرت نمازوں میں مشغول رہتے ہیں اور نماز مؤمن کی معراج ہے۔

تیسری صفت يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا میں صحابہ کے اخلاص اور کمال عرفان کا بیان ہے کہ وہ عبادت محض اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں کسی اجر اور معاوضہ کے طالب نہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ انکے یہ اعمال تقیہ کی بناء پر نہیں ان کا ظاہر اور باطن سب یکساں ہیں گذشتہ آیت یعنی تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا حال بیان کیا اور اس آیت میں یعنی يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا میں انکے اخلاص و نیت کو بیان کیا کہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے عمل کرتے ہیں۔

ع خلاف طریقت بود کاولیا ... تمنا کنند از خدا جز خدا!

گر از دوست چشمت بر احسان دوست ... تو در بند خویشی نہ در بند اوست

چوتھی صفت: . سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ میں اس طرف اشارہ ہے کہ انکے اندرونی ایمان کا رنگ چہروں پر نمایاں ہے مناجات اور دعا اور عبادت کے انوار باطن سے نکل کر ظاہر میں آشکارا ہوں گے شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی صحابی کسی مجمع میں بیٹھتے تو دور سے پہچان لیے جاتے اور اپنے چہرہ کے نور سے پہچانے جاتے کہ یہ صحابی ہیں۔

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور ۔ کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور ۔

قانون ہے کل اناء یترشح بما فیہ - ہر ظرف سے وہی ٹپکتا ہے جو اسکے اندر ہوتا ہے اور عجب نہیں کہ ان مقامات میں انکے قرب من اللہ کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ حدیث میں ہے اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد۔ بندہ کو اللہ کا قرب سب سے زیادہ حالت سجود میں حاصل ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے۔

پانچویں صفت: ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ - یعنی صحابہ کے یہ فضائل اور اوصاف توریت اور انجیل میں بھی مذکور ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے متعلق قرآنِ کریم میں خبر دیگئی ہے اَلنَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ - کہ علماء اہل کتاب نبی امی کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی صفت بھی توریت وانجیل میں مذکور ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ذٰلِكَ اسم اشارہ ہے جس کا اشارہ مابعد کی طرف ہے یعنی کَزَرْعٍ الخ کی طرف ہے جو بعد میں مذکور ہے جیسا کہ حق جل شانہ کے قول میں وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ میں ذالک کا مشار الیہ اَنَّ دَابِرَ هٰؤُلَاءِ ہے جو بعد میں مذکور ہے۔

چھٹی صفت - كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ الخ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دینِ اسلام کی تدریجی ترقی کو بیان فرمایا اور انکی ترقی کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی اور کھیتی کی چار حالتیں اور مثال کے ذریعہ تدریجی ترقی کے بڑے بڑے چار مرتبوں کی طرف اشارہ کیا کہ جس طرح کھیتی کی ترقی کے چار درجے ہیں اسی طرح اسلام کی ترقی کے چار درجے ہیں (پہلا درجہ) أَخْرَجَ شَطْأَهُ ۔ کا ہے یعنی دانہ نکلنے کی حالت کا ہے یہ حالت آغازِ وجود کی ہے جو نہایت کمزور حالت ہے یہ مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء بعثت کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوا جو نہایت کمزور حالت تھی اتنی کمزور حالت کہ صحابہ اپنے اسلام کے ظاہر کرنے پر قادر نہ تھے كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ سے اسی مرتبہ اور اسی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اسی طرح صحابہ کی حالت قبل از ہجرت کمزور تھی۔

(دوسرا مرتبہ) فَآزَرَهُ یعنی دوسری حالت اس کھیتی کا مضبوط ہو جانا ہے جس سے یہ امید

ہو جاتے کہ یہ کھیتی اب ضائع نہ ہوگی بلکہ درخت بن جاتے گی یہ حالت ہجرت کے بعد پیدا ہوئی کہ جب آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ نے مشرکین کے جور وستم سے نکل کر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی اور سلسلہ جہاد کا شروع ہوا اور دشمنانِ خدا سے جہاد میں مشغول ہوتے اسلام کی ایک چھوٹی سی ریاست قائم ہو گئی یہ فَاٰزَرَهٗ کا درجہ ہوا سب سے پہلے بدر کا عظیم معرکہ پیش آیا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور تمام حجاز آپؐ کے زیر اطاعت آگیا اور جزیرۃ العرب میں اسلام کی ایک درجہ کی ریاست اور حکومت قائم ہو گئی یہ فَاٰزَرَهٗ کا درجہ ہوا پس جب یہ درجہ حاصل ہو گیا تو اس حالت کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دارِ دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت فرمائی۔

(تیسرا درجہ) فَاسْتَغْلَظَ یعنی تیسری حالت درخت موٹا ہو جاتا ہے یہ حالت شیخینؓ کے زمانہ میں حاصل ہوئی کہ شیخین نے دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں سے جہاد کیا اور ان پر غالب آتے اور قیصر و کسریٰ کی سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں آئی اور کفر کی شوکت زیر وزبر ہو گئی اور اسلام کو کفر پر برتری اور بالادستی حاصل ہوئی تو اب فَاسْتَغْلَظَ کا درجہ حاصل ہوا۔

(چوتھا درجہ) فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ کا ہے کہ درخت اپنے تنہ پر کھڑا ہو گیا یہ انتہائی کمال کی حالت ہے یہ حالت حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں حاصل ہوئی کہ قیصر و کسریٰ کے ماتحت جو بڑی بڑی ریاستیں تھیں وہ سب فتح ہو گئیں اور اسلام کی باجگذار بن گئیں اور معمورۂ عالم کے قلب پر اسلام کا قبضہ ہو گیا اور روئے زمین پر اسلام کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو گیا کہ روئے زمین کی کسی حکومت کو اسلامی حکومت کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہی اور مشرق اور مغرب کا خراج مدینہ منورہ کے خزانہ میں پہنچ گیا اور تمام بلادِ مفتوحہ میں قرآن اور حدیث کی نشر و اشاعت ہوئی جا بجا مسجدیں بن گئیں اور ہر شہر میں قاضی اور مفتی اور معلم مقرر ہو گئے ہر جگہ دین کی تعلیم جاری ہوئی اور ملک کے تمام مقامات کا فیصلہ شرعی قانون کے مطابق ہونے لگا اب اسلام کو فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ کا درجہ حاصل ہوا کہ اسلام کی کھیتی اپنے عروج اور ترقی کے آخری درجہ پر پہنچی اور تمام دنیا میں اسلامی سکہ رائج ہوا اور اس کا بول بالا ہوا اور اسی کا حکم اور قانون دنیا میں رائج ہوا یہ سب فضل الٰہی تھا جو بطور خرقِ عادت ظہور میں آیا اور یہ سب باتیں خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی عظمت شان پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے انکے ہاتھوں اسلام کو بام عروج پر پہنچایا اور اسلام کو فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ کا درجہ حاصل ہوا اس لفظ میں ان فتوحات کی طرف اشارہ ہے جو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حاصل ہوئیں اور اسلام کو استحکام تام حاصل ہوا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

غرض یہ کہ لفظ فَاسْتَغْلَظَ میں خلافت شیخین کی طرف اشارہ ہے اور فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ میں خلافت عثمانیہ کی طرف اشارہ ہے

یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ کی تفسیر میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عجب نہیں کہ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ سے کارکنانِ قضا و قدر مراد ہوں کیونکہ اسلام کی کھیتی کے کاشتکار ملائکہ مدبرات ہیں اور لفظ یعجب حق تعالیٰ کی خوشنودی پر دلالت کرتا ہے۔

ساتویں صفت، لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ پھر اخیر میں صحابہ کی ایک صفت لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ بیان فرماتی کہ کفار اسلام کی اس کھیتی کو دیکھ کر غیظ و غضب میں آجائیں گے یہ نہیں فرمایا لِيَغِيظَ بِهِمُ الاعداء کہ انکے دشمن یہ دیکھ کر جلیں گے تاکہ یہ چیز اس عنوان سے واضح ہو جائے کہ صحابہ سے جلن اور غیظ و غضب رکھنے والے کفر کے مرتکب اور کافر ہیں کہ خدا تعالیٰ جنکو پسند کرے انکی مدح کرے یہ لوگ ان پر جرح و طعن کریں اور ان سے جلیں تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھکر اور کون سا درجہ کفر کا ہوگا اور ایسا طرز یقیناً اس پر دلالت کرے گا ایسے لوگوں کو دراصل خدا ہی سے دشمنی اور ضد ہے۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ امام مالکؒ نے اس آیت سے روافض کی تکفیر پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور ان سے بغض نص قرآنی سے کفر ہے امام مالکؒ کے اس قول اور فتویٰ کی تائید بہت سے اکابر فقہاء اور ائمہ سے منقول ہے امام مالکؒ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ وہ صحابہ کی شان میں تنقیص و توہین کرتا ہے تو اس پر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا جو شخص بھی صبح کو اس حالت میں اٹھے کہ اس کے دل میں صحابہؓ سے بغض ہے تو یقیناً یہ آیت اسی پر منطبق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے فرمایا کرتے تھے رسولِ خدا کے اصحاب اس امت کے سب سے زیادہ برگزیدہ اور متقی افراد تھے جن کا علم نہایت عمیق تھا اور ان میں تکلف کا نام ونشان نہ تھا اللہ تعالیٰ نے انکو اپنے پیغمبر کی مرافقت کے لیے اور اپنا دین قائم کرنے کے واسطے چنا تو انکی فضیلت و عظمت کو پہچانو اور ان کے نقشِ قدم پر چلو جہاں تک بھی تم سے ہو سکے [۱]

وعدۂ مغفرت و اجر عظیم از جملہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حضراتِ صحابہؓ کی مدح و توصیف کو وعدۂ مغفرت اور اجر عظیم پر فرما کر ان جملہ کمالات پر مزید

[۱] روح المعانی، سنن نسائی، جامع ترمذی۔ ۱۲

عظمت و برتری کی ایک مہر ثبت فرمادی اور یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ لفظ منہم میں من بیانیہ ہے اور ضمیر کا مرجع وہی ہے جو ابتداءِ کلام وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے متعین ہو چکا وہ جملہ حضراتِ صحابہ کرام ہیں چنانچہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں منہم کی ضمیر مجرور اس جماعت کی طرف راجع ہے جو فَآزَرَهُ اور فَاسْتَغْلَظَ اور فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ سے سمجھی جاتی ہے تو ضمائر سابقہ کے ساتھ یہ ضمیر بھی اسی جماعت کی طرف راجع ہے اور اسی وجہ سے "من" بیانیہ ہے جیسا کہ من بیانیہ بہت سے مواقع میں استعمال ہوتا ہے مثلاً فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جن حضرات کی حق تعالیٰ نے یہ صفاتِ عظیمہ بیان کیں تورات و انجیل سے انکی شان بتائی گئی انکے ایمان و تقویٰ کمالِ عبادت خشوع و خضوع کے اوصاف واضح کیے گئے تو بلاشبہ ان سب ہی سے وعدۂ مغفرت اور اجرِ عظیم ہوگا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان اوصاف و کمالات کو بیان کر کے وعدۂ مغفرت اور اجرِ عظیم پوری جماعت سے نہ کیا جاتے بلکہ مبہم طور پر بعض سے کیا جاتے۔ بلاشبہ جنکی یہ خوبیاں اللہ نے آسمان اور زمین کی تخلیق سے قبل اپنی کتاب میں لکھ دیں وہ جماعت بلا استثناء فردِ واحد اس وعدہ کی مستحق ہے اور جس گروہ کے بارہ میں وعدۂ مغفرت اور اجرِ عظیم ثابت ہو چکا انکے بارہ میں کسی بھی وقت بعد نزولِ آیات، ارتداد اور گمراہی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

شیعہ اس آیت میں من تبعیض کا لے کر صرف چند نفوس پر اس وعدہ کو منطبق کرتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ نصِ قرآنی کا انکار اور تحریف دین ہے اصول شریعت کی رُو سے اس زعم اور دعویٰ کے گمراہی اور خروج عن الحق والهداية میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے ازالۃ الخفاء میں اس آیت پر کلام کرتے ہوئے لفظ مِن کو تبعیض کے معنی میں لیا تو العیاذ باللہ اس تقدیر پر نہیں کہ صحابہ اس کا مرجع ہوں اور پھر ان میں سے بعض کے بارہ میں یہ وعدہ ہو بلکہ اس صورت میں یہ کلام مستقل ہے اور حضراتِ صحابہ کے بعد آنے والی دوسری جماعتوں کے بارہ میں یہ وعدہ فرمایا جارہا ہے کہ بعد میں آنے والی جو جماعتیں ان حضراتِ صحابہ کے نقشِ قدم پر چلیں گی اور ایمان و عمل صالح کے ساتھ متصف ہوں گی ان سے بھی اللہ رب العزت نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمالیا ہے فرماتے ہیں کہ اس کا مرجع اصحابِ حدیبیہ نہیں ان کے کمالات و فضائل ایمان و تقویٰ کی پختگی عاشقِ خدا اور رسول ہونا تو پہلے ہی بیان کر دیا گیا تو اب آیت وَعَدَ اللَّهُ کا مضمون اصحابِ حدیبیہ کے بارے میں ہوتا تو ماقبل کے منافی ہوگا کیونکہ وعدہ مستقبل کے واسطے ہوتا ہے تو جب انکے فضائل و اکرام کا تحقق ہو گیا تو وعدہ کا کیا درجہ رہ گیا۔ اسی لیے مِنْهُمْ کی ضمیر جماعتِ جدیدہ اور بعد میں آنے والے اور ہونے والے مسلمانوں کی طرف راجع ہے۔ وَاللهُ اعلم بالصواب۔

هٰذا توضیح ما قالہ الشاہ ولی اللہؒ فی ازالۃ الخفاء واللہ اعلم بالصواب وھٰکذا حقق الشیخ الجلال المحلیؒ وھٰکذا سمعت من حضرت الوالد الشیخ محمد ادریس الکاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ قد تم بحمد اللہ تعالیٰ وتوفیقہ تفسیر سورۃ الفتح وللہ الحمد، اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتك واشرح صدری لعلوم الکتاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُورۃ حُجُرات

سورۃ حجرات سورۃ مدنیہ ہے جسکی اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

(پچھلی سورت سے ربط) گذشتہ سورت میں فتح مبین کا اعلان اور فتح خیبر کی بشارت تھی۔ فارس اور روم سے جہاد کا ذکر تھا جو خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں ہوا ان مضامین کے ساتھ مخلصین اور غیر مخلصین کا فرق اور انکے کچھ احوال بھی بیان ہوتے اور اہل ایمان میں وہ ہستیاں جنکو حق تعالیٰ شانہٗ نے امت کے واسطے ایک نمونہ بنایا یعنی حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خاص طور سے انکے اوصاف وفضائل بیان کئے گئے تو اب اس سورت میں بوضاحت خلفائے راشدین کے ایمان وانقیاد اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ رنگ بیان کیا جا رہا ہے جس کے باعث وہ ان کرامتوں اور بشارتوں کے مستحق ہوتے جو گزشتہ سورت میں بیان کی گئیں اور ساتھ ہی انکے قلوب کی پاکی اور تقوی کے امتحان کا ذکر ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَھُمۡ لِلتَّقۡوٰی۔ کہ خداوند عالم نے انکے دلوں اور قلوب کے باطنی تقویٰ کا امتحان لے لیا ہے جس میں الحمد للہ انکی کامیابی کا اعلان ان کلمات نے کر دیا جسکے اولین اور عظیم ترین مصداق حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں جیسا کہ مفسرین نے اسکے شان نزول میں بیان کیا اسی کے ساتھ آداب رسول اور حقوق رسالت کا بھی بیان ہے کہ اُمتی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کیا حقوق عائد ہیں۔

٭ ٭ ٭

سورۃ حجرات مدینہ میں نازل ہوئی اسکی اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ

اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اسکے رسول سے

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ① یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ

اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ سنتا ہے جانتا اے ایمان والو!

اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا

اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر اور

تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ

اس سے نہ بولو تڑخ کر جیسے تڑختے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارت

اَعۡمَالُكُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ② اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ

ہو جاویں تمہارے کیے اور تم کو خبر نہ ہو جو لوگ دبی آواز بولتے

اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ

ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے دل

اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ

جانچے ہیں اللہ نے ادب کے

لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ

واسطے انکو معافی ہے

وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ③

اور نیگ بڑا

حقوق آداب و عظمت رسولِ اکرمؐ و انحصارِ فلاح و سعادت در انقیاد و اطاعت پیش فرامین بارگاہِ رسالت

(ربط) سورۂ فتح کا اختتام حضرات صحابہ کے خصوصی اوصاف و فضائل اور کمالات کے ذکر پر ہوا تھا تو اب اس سورت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ امت پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کیا حقوق عائد ہیں۔

اور حضراتِ صحابہ کو اللہ نے جو ایسے فضائل و کمالات سے نوازا تھا وہ انکے انقیاد و اطاعت ہی کے باعث تھا۔ دلوں کے تقویٰ کے ساتھ ظاہری آداب اور حقوق عظمت کا کس قدر لحاظ تھا کہ مجلس میں جب بیٹھتے تو وہی شان ہوتی جو احادیث میں فرمائی گئی کہ کَاَنَّ عَلٰی رُؤُسِنَا الطَّیْر گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں تو ان مضامین کا آغاز رسولِ اعظم کے حقِ تعظیم و تبجیل کے بیان سے کیا جا رہا ہے ارشاد فرمایا۔

اے ایمان والو! ہرگز آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اسکے رسول سے کہ اللہ اور اسکے رسول کے فیصلہ اور اسکی بات سے آگے بڑھو اسکی خلاف ورزی یا اپنی بات کو رسول خدا کی بات پر اونچی کر دیا کسی معاملہ میں خدا اور اسکے رسولؐ کے فیصلہ سے پہلے ہی کچھ طے کر لو یا اپنی راستے کے مقابلہ میں وحی الٰہی کو نظر انداز کر دو؎ بلکہ اس کے برعکس ہر حکم الٰہی اور فیصلہ رسول کو بے چون و چرا سنو اور اس کی اطاعت کرو اور اسکے خلاف دل میں بھی کسی قسم کی تنگی نہ رکھو اپنی اغراض و خواہشات اور جذبات وحی الٰہی کے تابع کر دو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہی خوف خدا اور خشیت و تقویٰ اس امر کا ضامن ہوگا کہ تم کسی بھی مرحلہ پر خدا اور اسکے رسول سے آگے قدم نہ بڑھا سکو گے اور یہ باطنی تقویٰ اس اعتقاد پر موقوف ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے اس لیے کسی انسان کا کوئی قول و فعل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا ہے اللہ رب العزت کی سچی فرماں برداری اور کامل اطاعت اس کے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت و فرمانبرداری میں منحصر ہے اور اطاعت و فرمانبرداری تعظیم و توقیر اور ادب پر موقوف ہے اس لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم کا یہ حق ہے

؎ یہ کلمات اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ خدا اور اسکے رسول سے آگے بڑھنے کی یہ متعدد صورتیں ہیں کسی مومن کے لیئے ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کرنا یہ اللہ اور اسکے رسول سے آگے بڑھنا ہے ۱۲

کہ اے ایمان والو تم بلند نہ کرو اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز پر اور نہ تڑخ کر بات کرو ان سے جیسے کہ تم ایک دوسرے پر تڑختے ہو اور سخت لب ولہجہ میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو ہرگز اس طرح کی بے ادبی اور بے حرمتی خدا کے رسول کے ساتھ بات کرنے میں اختیار نہ کرنا کہیں ایسا نہ ہو تمہارے اعمال نیکیاں برباد ہو جائیں اور تم کو خبر ہی نہ ہو اس سبب سے کہ اس قسم کی بے حرمتی اور بے ادبی سے گفتگو کرنا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت اور دل آزاری کا ذریعہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانا یا ایسی کوئی حرکت کرنا جس سے آپؐ کے قلب مبارک پر تکدر واقع ہو اصل ایمان ہی کی بربادی کا باعث ہے جیسا کہ سورۂ احزاب میں واضح طور پر اعلان فرما دیا گیا إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ بے شک جو لوگ اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں رسول اللہ کے پاس اور جب بھی وہ مجلس رسولؐ میں حاضر ہوتے ہیں تو آپؐ کی تعظیم و توقیر میں آوازیں پست رکھتے ہیں اور آپ کی ہیبت و رعب ان پر اس قدر طاری رہتا ہے کہ آواز ہی گویا نہیں نکلتی تو یہی وہ لوگ ہیں جنکے دلوں کو اللہ نے جانچ لیا ہے تقویٰ کے واسطے کہ ادب کی تخم ریزی کے سبب ان کے قلوب کو پرکھا اور انکو مانجھ کر اور صیقل کرکے تقویٰ و طہارت سے مزین کیا انکے واسطے درگزر ہے انکی کوتاہیوں سے اور بڑا ثواب ہے جو انکو ایمان واخلاص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت وفرماں برداری اور انکی تعظیم و توقیر پر بارگاہِ رب العزت سے عطا کیا جائے گا۔

الغرض یہ ایمان کے بنیادی تقاضے ہیں جنکی رعایت اور تکمیل ہر مومن پر فرض ہے کامل اطاعت وفرمانبرداری کہ ہر حکم خدا اور رسول کے سامنے سرنگوں ہو جانا اور کسی بھی بات میں فرمانِ خداوندی اور حکم رسول سے آگے نہ بڑھنا جسکی اساس تقویٰ ہے پیغمبر خدا کا ادب اور تعظیم و توقیر اور ہر ایسی بات سے اجتناب واحتیاط جس سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تکدر یا دلآزاری ہو۔

بارگاہِ رسالت میں حضرات صحابہؓ کی شانِ ادب و تواضع

حضرات صحابہؓ کی زندگیوں میں پیش آنے والے بہت سے واقعات امت کے واسطے عظیم رحمت اور سامانِ ہدایت بنتے ہیں کہ قیامت تک کے واسطے ایک ایسا ضابطہ میسر آجاتا ہے کہ اس پر ایمانی زندگیوں کی تعمیر و تشکیل کی جا سکے۔

حضرات مفسرین بیان کرتے ہیں کہ آیت لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ایک واقعہ میں نازل ہوئی۔ بخاریؒ نے ابن ابی ملیکہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز ابوبکر صدیقؓ

---

[۱] صحیح بخاری ج ۲ کتاب التفسیر ۱۲۔

اور عمر فاروقؓ کی آواز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بلند ہوگئی جب کہ بنو تمیم کا ایک وفد آیا تو ان میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ امیر اقرع بن حابسؓ کو بنایا جائے دوسرے نے کہا نہیں انکو نہیں کسی اور کو بنایا جائے اس پر ابوبکرؓ نے عمرؓ سے کہا تم نے میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہوئے اسکے خلاف کہا انہوں نے جواب دیا۔ نہیں میں نے تو تمہاری مخالفت کا کوئی قصد نہیں کیا تو اس وقت ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے کچھ آواز بلند ہوگئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ اسکے بعد ان حضرات کی تو یہ کیفیت ہوگئی کہ بات کرتے وقت انکی آواز ہی نہیں سنائی دیتی تھی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار پوچھنا پڑتا تھا کہ بھائی کیا کہہ رہے ہو۔

حافظؒ نے مسند بزار کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آئندہ کبھی بھی کوئی بات نہ کروں گا مگر صرف اسی طرح کہ جیسے کوئی آپؐ سے سرگوشی کرنے والا ہو۔

حضرات صحابہؓ آپؐ کے آداب عظمت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر بعض ایسے صحابہ نے جن کی قدرةً آواز اونچی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہونا ہی چھوڑ دیا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے خطیب تھے اور نہایت بلند آواز تھے ارادہ کر کے بھی آہستہ آہستہ بولتے تب بھی انکی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہی ہو جاتی تو انہوں نے ڈر کر مجلس ہی میں حاضر ہونا ترک کر دیا اور یہی سمجھا کہ جب بھی بولوں گا آواز اونچی ہو جائے گی اور اس طرح وعید اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ کی زد میں آجاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی روز ثابت بن قیسؓ کو مجلس میں نہ دیکھنے کی وجہ سے دریافت فرمایا کہ کیا ہوا ثابتؓ کو؟ کیا وہ بیمار ہے؟ (کہ نہیں آرہا ہے) ایک صحابی نے اس کا تذکرہ کیا تو ثابت بن قیسؓ نے یہ سبب بیان کیا اور کہا کہ ایسی صورت میں مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں اہل نار میں سے ہو جاؤں گا ان صاحب[1] نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ وجہ بیان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بل هُوَ مِنْ اهل الجنة بلکہ وہ تو اہل جنت میں سے ہے[2]

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے ثابت کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم زندگی گزارو قابل تعریف زندگی اور اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہو اور جنت میں داخل ہو جاؤ بولے کیوں نہیں یا رسول اللہ میں راضی ہوں

[1] بعض روایات سے ان کا نام معلوم ہوا قعقاع بن معبدؓ ۱۲

[2] صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔

اللہ اور اسکے رسول کی بشارت پر۔[1]

احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں دو شخصوں کی آواز سنی تو انکو تنبیہ فرمائی اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہو معلوم ہوا کہ یہ اہل طائف ہیں تو فرمایا اگر یہاں مدینے کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا افسوس کی بات ہے کہ تم اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس حدیث سے علماء امت نے یہ حکم اخذ فرمایا ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام آپ کی حیات مبارکہ میں تھا اسی طرح کا احترام و توقیر اب بھی لازم ہے کیوں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حی (زندہ) ہیں اور جس طرح کہ آپ کی دنیوی حیات مبارکہ میں لَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ کی حرمت و ممانعت تھی اسی طرح اب بھی ہے اس لیے قبر مبارک کے پاس بلند آواز سے بات کرنا اور سخت لب و لہجہ اختیار کرنا ممنوع ہے وقار و سکون اور تعظیم و تکریم ملحوظ رکھتے ہوئے بات کرے۔[2]

ف حبط اعمال کی وعید کفر و شرک اور ارتداد کے بعد اس پر بیان فرمائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا کے مقابلہ میں بے تمیزی اور گستاخی ارتداد اور کفر کے درجہ کی معصیت ہے کیونکہ یہ چیز ایذاء رسول ہے اور رسول خدا کو ایذاء پہنچانا ایمان سے محرومی ہے۔ العیاذ باللہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا
جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے باہر سے وہ اکثر عقل

يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ
نہیں رکھتے اور اگر وہ صبر کرتے جب تک تو نکلتا انکی طرف

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
تو ان کو بہتر تھا اور اللہ بخشتا ہے مہربان اے ایمان

آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا
والو! اگر آوے تم پاس ایک گنہگار خبر لے کر تحقیق کر لو، کہیں جا نہ پڑو

[1] اخرجہ الامام احمد ۱۲ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

قَوۡمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِیۡنَ ﴿۶﴾

کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو نگو اپنے کیئے پر پچھتانے

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِیۡكُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ؕ لَوۡ یُطِیۡعُكُمۡ فِیۡ كَثِیۡرٍ

اور جان لو، کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر تمہاری بات مانا کرے بہت

مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیۡكُمُ الۡاِیۡمَانَ

کاموں میں، تو تم پر مشکل پڑے پر اللہ نے محبت ڈالی تمہارے دل میں ایمان کی

وَزَیَّنَهٗ فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَكَرَّهَ اِلَیۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ

اور اچھا دکھایا اسکو تمہارے دلوں میں اور برا لگایا تم کو کفر اور گناہ

وَالۡعِصۡیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ ﴿۷﴾ فَضۡلًا مِّنَ

اور بے حکمی وہ لوگ وہی ہیں نیک چال پر اللہ کے فضل سے

اللّٰهِ وَنِعۡمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَكِیۡمٌ ﴿۸﴾

اور احسان سے اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا

تنبیہ و تہدید بر بے تمیزی و بیحرمتی در بارگاہِ رسالت و تلقینِ آداب تعظیم و اطاعت

(ربط) گذشتہ آیات میں ان حقوق و آداب کا ذکر تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے امت پر عائد اور فرض ہیں اور ان حقوق میں کوتاہی پر وعید و تنبیہ تھی اور یہ کہ ایسی خطرناک تقصیر و غلطی ہے کہ مسلمان سرمایۂ اعمال سے ہی محروم ہو سکتا ہے۔ جو اس نے اپنی زندگی میں کمایا تو اب ان آیات میں بعض ایسی گستاخیوں اور بے تمیزیوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو جہلاء اور کم عقل لوگوں سے پیش آتی تھیں اور اس پر تنبیہ کی گئی اور یہ بتایا جارہا ہے کہ پیغمبر خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنانے اور آپؐ کی مجلس میں حاضر ہو کر بات کرنے کا کیا طریقہ ہے ادب اور تعظیم و توقیر اختیار کرنا چاہیئے ارشاد فرمایا۔

جو لوگ آپؐ کو اے ہمارے پیغمبر پکارتے ہیں حجروں کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے انکو چاہیئے تھا کہ اس طرح بے تمیزی کا مظاہرہ نہ کرتے کہ حجروں کے پیچھے ہی سے یا محمد، یا محمد، یا رسول اللہ یا رسول اللہ کہہ کر پکارنے لگیں انکو تو متانت اور ادب کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تھا اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ انکی طرف نکل کر باہر آجاتے اور اس وقت آپؐ سے تخاطب شروع کرتے تو بہتر تھا انکے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس وجہ سے جو بات بے عقلی یا نادانستگی سے سرزد ہوئی اللہ تعالیٰ اس سے درگزر اور اسکو معاف فرماتے گا۔

صبر و تحمل اور متانت انسان میں وہ وصف ہے کہ اسکی بدولت بہت سی برائیوں سے محفوظ رہتا ہے اور معاملات و معاشرت میں باہمی اخوت و ہمدردی کی فضا قائم ہوتی ہے اس لیے یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی فاسق و فاجر آدمی کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لو کہیں ایسا نہ ہو تم جا پڑو کسی قوم پر نادانی اور صحیح حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے پھر تم اپنے کیئے پر پچھتانے لگو کیونکہ بسا اوقات انسان کسی غلط خبر پر جذبات میں آکر کسی کے مقابلہ میں غلط قدم اٹھا لیتا ہے پھر جب حقیقت سامنے آتی ہے تو اپنی نادانی اور حماقت پر پچھتانا پڑتا ہے اور ظاہر ہے اس طرح کی باتوں سے مسلمان قوم کی اجتماعی اور انفرادی زندگی مختلف اقسام کی خرابیوں میں پڑ جاتے گی ہر فتنہ اور شر سے تحفظ کے لیے خدا نے اپنا پیغمبر تمام عالم کے واسطے ہادی اور رحمت بنا کر مبعوث فرما دیا ہے تو پیغمبر خدا کی ہدایت و ارشاد کو لائحہ عمل بنانا چاہیئے اور اے ایمان والو! یہ بھی جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ قیامت تک مسلمانوں میں رہے گا مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع و پیروی کریں یہ روش ہرگز اختیار نہ کریں کہ اللہ کے پیغمبر کو اپنی مرضیات اور جذبات کے تابع کریں یا رسول خدا کی ہدایات و تعلیمات کو اپنی اغراض و خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش کریں اگر اللہ کا رسول تمہاری موافقت کرنے لگے تمہاری بہت سی باتوں میں تو یقیناً تم بڑی ہی مشقت میں پڑ جاؤ گے اور بالفرض اگر ایسی صورت واقع ہو جاتے کہ تم اللہ کے رسول اور اس کی ہدایات و تعلیمات کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق بنانے لگو تو بلاشبہ تم ہلاکت و تباہی میں پڑ جاؤ گے مگر اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اسکو تمہارے قلوب میں رچا دیا ہے اور نفرت ڈال دی تمہارے دلوں میں کفر کی اور گناہ و نافرمانی کی تو اسکی بدولت اے اہل ایمان تم اپنی خواہشات اللہ اور اسکے رسولؐ کے سامنے قربان کر دیتے ہو جو ایمان کا رنگ اور ایمان کا تقاضا ہے اور تم اسی

ایمانی جذبہ اور معرفت کے باعث اس حقیقت کو سمجھ گئے ہو کہ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ کہ اگر حق اور وحی الٰہی ان لوگوں کی خواہشات کی موافقت کرنے لگے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ و برباد ہو جائیں گے تو اس حقیقت کو سمجھ لینے والے ہی وہ لوگ ہیں جو فلاح و رشد کے سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں اور ایسے سعادت مند لوگوں کا راہ راست پر چلنا فضیلت و کرامت ہے اللہ کی طرف سے اور انعام ہے اسی کا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا حکیم ہے تو اپنے علم و حکمت سے جسکے واسطے چاہتا ہے رُشد و ہدایت مقدر فرماتا ہے اور جس کسی کو چاہتا ہے اپنے فضل و انعام سے نوازتا ہے۔

قبیلہ بنو تمیم کا گستاخانہ طرز اور ان کو تنبیہ و نصیحت

روایات میں ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک میں تشریف رکھتے تھے وہ حجرہ کی دیواروں کے پیچھے ہی سے پکارنے لگے "یا محمد" اور ایک روایت میں یا رسول اللہ اخرج الینا۔ کہنے لگے کہ اے محمدؐ باہر آئیے بلاشبہ یہ انکی بے عقلی اور بے تمیزی تھی انکو حضورؐ کے مرتبہ کا لحاظ کرنا چاہیے تھا اور یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ ممکن ہے کہ اس وقت آپؐ پر اللہ کی وحی اتر رہی ہو یا کسی اہم کام میں مشغول ہوں آپؐ پر تو امت کے تمام امور کی ذمہ داری تھی اور آپؐ کی ذات اقدس ان کے دنیوی و دینی امور کا مرکز اور ملجا تھی آپؐ تو ہر لحہ ذہنی اور فکری مشغولیت کے علاوہ اپنے دیگر معمولات میں منہمک و مصروف رہتے تھے۔ پھر یہ طریقہ بے ادبی کا بھی ہے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ صبر کیا جائے اور جب آپؐ باہر تشریف لائیں تو اس وقت اپنا مدعا پیش کیا جائے اس ادب اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کی تعلیم کے ساتھ یہ فرما دیا گیا کہ جو غلطی اور تقصیر نادانستگی سے پیش آئی اللہ اس کو معاف فرمانے والا ہے اس وجہ سے یہ چاہیے کہ اپنی تقصیر پر نادم ہوں اور آئندہ پھر کبھی ایسی چیز کا ارتکاب نہ کریں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر مسلم قوم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں اور یہ ہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے"

اس آیت مبارکہ میں جس ادب اور تعظیم و توقیر کی تعلیم دی گئی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ، تابعین اور مشائخ ائمہ اپنے بزرگوں کے ساتھ اسی طرح کا ادب ملحوظ رکھا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی بزرگ صحابی سے کوئی حدیث دریافت

کرنے جایا کرتا تو انکے مکان پر پہنچ کر آواز یا دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازے کے باہر بیٹھ جاتا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لائیں گے تو اپنا مدعیٰ عرض کر دوں گا وہ جب باہر تشریف لاتے اور مجھے دیکھتے تو فرماتے اے ابن عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ جب آئے تو آپ نے دروازہ پر دستک دے کر اطلاع کیوں نہ کردی فرمایا حق تعالیٰ نے پیغمبر کے پاس آنے والوں کو یہ ادب سکھایا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ تو میں نے سوچا کہ جس سے میں اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حاصل کر رہا ہوں اسکا بھی اسی طرح ادب کروں عہ۔

اعتبارِ روایت کا قرآنی ضابطہ

آیت مبارکہ" اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ "سے محدثین واصولیین نے نقل حدیث و روایت میں ثقہ اور قابل اعتماد راوی ہونا شرط قرار دیا ہے اور یہ کہ راوی میں اور مخبر میں ایسے اوصاف ہونے چاہئیں جن کے باعث اسکو ثقہ، عادل و متقی کہا جاسکے اس لئے کہ قرآن کریم نے فاسق شخص کی خبر کو ناقابل قبول فرمایا ہے۔

کیونکہ جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ اسی میں ہے کہ صداقت و دیانت کے تقاضے نقل روایات اور بیان واقعات میں پورے کیے جائیں ورنہ تو فتنہ فساد کا راستہ کھل جائے گا۔

حضرات مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیت ولیدؓ بن عقبہ بن ابی معیط کے بارہ میں نازل ہوتی ہے جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو المصطلق کے صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا تھا امام احمدؒ نے حارثؓ بن ابی ضرار الخزاعی کا واقعہ بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے مجھے اسلام کی دعوت دی میں نے اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کر لیا اور احکام اسلام اور ارکان دین کی پابندی کا عہد کیا اور ساتھ ہی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنی قوم کی طرف واپس جاتا ہوں اور انکو اسلام کی دعوت دوں گا اور احکام اسلام کی پابندی پر آمادہ کروں گا اور ان سے انکے مالوں کی زکوٰۃ بھی وصول کر کے جمع کروں گا آپؐ فلاں وقت اپنا قاصد بھیج دیجئے تاکہ وہ جمع کردہ زکوٰۃ میں آپؐ کے پاس بھیج دوں جو یہاں فقراء مسلمین پر خرچ ہوسکے حارثؓ نے یہاں آکر اپنی قوم کی زکوٰۃ جمع کی اور انتظار کیا کہ وقت مقررہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آئے گا طے کردہ وقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد نہ پہنچنے سے حارثؓ بہت پریشان ہوئے اور دل میں خطرہ گزرا کہیں ایسا تو نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

عہ روح المعانی – ۱۲۔

علیہ وسلم ناراض ہو گئے ہوں (کسی بات پر) اور اس وجہ سے قاصد نہیں بھیجا۔ اس خیال و پریشانی پر اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور مشورہ کیا کہ ایسی صورت میں ہم کیا کریں اور یہ بھی راستے دی کہ اگر ایسی صورت ہو کہ کسی بات پر اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی ناراضگی ہوئی ہے تو ہم سب کو مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے۔ ادھر قصہ یہ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیدؓ بن عقبہ کو حارثؓ کی طرف روانہ کیا تاکہ زکوٰۃ وصول کر کے لے آتے لیکن ولیدؓ جب روانہ ہوتے تو راستہ میں کچھ خائف ہوتے اور درمیان راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر یہ بیان کیا یارسول اللہؐ حارثؓ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قتل کا ارادہ کیا اس وجہ سے میں واپس آگیا ہوں) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ناگواری ہوئی اور ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ حارثؓ کی طرف روانہ ہو جاتے بعض روایات میں ہے کہ اس جماعت میں خالد بن ولیدؓ بھی تھے حارثؓ انتظار میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قاصد آتے تو انکو جب معلوم ہوا کہ ایک جماعت مدینہ سے آرہی ہے تو استقبال کے لیے اپنی بستی سے باہر آتے اور ان لوگوں سے ملے تو وہ لوگ ان پر لپکے حارثؓ نے ان سے پوچھا آپ لوگ کس پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا تم پر ہی تو حملہ کرنے ہمیں بھیجا گیا ہے پوچھا کس وجہ سے؟ ان لوگوں نے جواب دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس ولیدؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا تو تم نے زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی انکار کیا اور ولید کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کیا حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس نے حق دے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا نہ ولیدؓ میرے پاس آیا اور نہ میں نے اسکو دیکھا اس کے بعد حارثؓ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپؐ نے یہی سوال کیا اے حارثؓ تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا حارثؓ نے بے قرار ہو کر عرض کیا یارسول اللہؐ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق دے کر مبعوث فرمایا میں نے تو ولید کو دیکھا بھی نہیں اور میں آپؐ کی طرف اس وقت روانہ ہوا جب کہ میں آپ کے قاصد کا منتظر رہا اور قاصد کے نہ پہنچنے سے مجھے اندیشہ ہوا کہ حضورؐ ناراض تو نہیں ہیں تو صورت حال معلوم کرنے کے ارادہ سے میں روانہ ہوا تھا اور اس طرح خدمت میں حاضری ہوئی۔ حضرات مفسرین بیان کرتے ہیں اس واقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ولید بن عقبہ کی بنو المصطلق کے ساتھ قدیم زمانہ سے دشمنی تھی تو اس وجہ سے انکو ڈر ہوا کہ وہ لوگ اس قدیم دشمنی کی بناء پر مجھے قتل کر دیں گے محض اس وہم کے باعث واپس لوٹ گئے اور یہ لغزش ہوئی کہ اس طرح کی بات خلاف واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی۔

روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی صحیح الاسلام تھے یہ عمل اور یہ صورت حال انکے نفاق کی وجہ سے نہیں پیش آئی اور ساتھ ہی یہ امر بھی متعین ہے کہ اس آیت کا نزول ولید بن عقبہ ہی کے بارہ میں ہوا ہے جیسا کہ صحیح روایات میں ہے تو اس صورت میں لفظ فاسق کا اطلاق صحابہ میں سے ایک فرد پر محض عملی صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا۔ جیسا کہ بعض روایات میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپؐ نے فرمایا یا اباذر انك امرء فيك جاهلية۔ حالانکہ جاہلیت معصیت و شرک جیسے امور پر مشتمل ہونے والا عنوان ہے تو اس طرح کے بعض تنبیہی عنوانات حضرات صحابہ کی عدالت اور دین کے اس مسلم قانون کے منافی نہیں جو مشہور ہے۔ الصحابة كلهم عدول۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ کی عدالت تو مسلمات دین میں سے ہے لیکن عدالت کے لیے عصمت لازم نہیں کہ اس ذات سے کوئی معصیت اور خطا سرزد ہی نہ ہو البتہ یہ ضروری ہے کہ اگر کسی وقت بہ تقاضائے بشریت کوئی چوک اور غلطی واقع ہو جاتے تو وہ اس پر تائب ہوتے ہیں اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کا مقام ایمان و تقویٰ اور توبہ جیسے عالی اوصاف ہی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔

قاضی ابویعلیٰؒ کا قول ہے۔

"رضائے اللہ رب العزت کی ایک صفت ہے وہ اپنی رضا کا اعلان انہی لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں جنکے بارہ میں وہ جانتے ہیں کہ انکی وفات موجبات رضا پر ہوگی اس لیے اگر کسی صحابی سے کسی وقت کوئی غلطی سرزد ہوئی اور اس پر وہ تائب ہو گئے تو یہ عدالت کے منافی نہیں ہے کیونکہ توبہ تو گناہوں کو کالعدم کر دیتی ہے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا واقعہ ہے کہ ان سے ایک غلطی سرزد ہوئی کہ انہوں نے فتح مکہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کشی کی خبر اہل مکہ کو بھیج دی تھی جس پر آیات يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ الخ۔ نازل ہوئیں۔ اسی طرح ایک دفعہ ابولبابہ بن عبد المنذرؓ سے ایک غلطی ہوئی تو انہوں نے خود اپنے آپ کو مسجد نبویؐ کے ایک ستون سے باندھ لیا کہ جب تک میری معافی نازل نہ ہو گی میں اپنے آپ کو اسی ستون سے باندھے رکھوں گا تاآنکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کھولیں چنانچہ معافی نازل ہوئی حتیٰ کہ اس ستون کا نام ہی اُسْطوانۃ التَّوبۃ ہو گیا اور اس کی عظیم برکت اور تاثیر کا یہ عالم ہے کہ اس ستون کے سامنے حاضر ہو کر گنہگار جب تائب ہوں تو بارگاہ رب العزت میں انکی بھی توبہ شرف قبول حاصل کر لیتی ہے۔

یا اسی طرح بعض حضرات سے کسی گناہ کے سرزد ہونے پر معافی و توبہ اور عنداللہ پاکی کے لیے خود اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کر دینا جب کہ کوئی مدعی ہے نہ کوئی استغاثہ ہے اور نہ کسی قسم کی شہادت ہے۔

الغرض اس نوع کی تقصیرات جن پر توبہ کا عمل اس قدر قوی ہو کہ اس سے صاحب توبہ اللہ کی بارگاہ میں پہلے کی نسبت زیادہ قرب حاصل کر لے وہ عدالت و تقویٰ کو مجروح نہیں کرتا بلکہ مزید مراتب

کی بلندی کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔

قاضی ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ فاسق کی روایت اور خبر قابلِ اعتبار اور لائق قبول نہیں اور اس ضمن میں یہ قانون متعین فرما دیا کہ فَتَبَيَّنُوْا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ایسی خبر پر اس وقت تک عمل جائز نہیں جب تک کہ اس کی پوری تحقیق نہ کر لی جائے اور ایک قرأت میں یہ لفظ فَتَثَبَّتُوْا پڑھا گیا ہے یعنی اسکا ثبوت حاصل کر لو۔ تو جب کسی فاسق کی روایت اور خبر بھی معتبر نہیں تو ظاہر ہے کہ شخص فاسق کی شہادت کیوں کر معتبر ہو سکتی ہے۔ فاسق شریعت کی اصطلاح میں ہر وہ شخص ہے جو کبائر کا ارتکاب کرتا ہو اور فرائض کا تارک ہو اور اسکے باوجود اسکی طرف سے نہ رجوع ثابت ہو نہ وہ تائب ہوا ہو اور نہ اس نے اپنی حالتِ معصیت میں تبدیلی کی ہو۔

✧ ✧ ✧

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا

اور اگر دو فرقے مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا

تو ان میں ملاپ کرا دو۔ پھر اگر چڑھا جاوے ایک ان میں

عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى

دوسرے پر تو سب لڑو اس چڑھائی والے سے جب تک

تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا

پھر آوے اللہ کے حکم پر پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کراؤ ان میں

بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹

برابر اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ

مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں ملا دو اپنے دو بھائیوں کو اور

اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ڈرتے رہو اللہ سے، شاید تم پر رحم ہو اے ایمان والو!

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا

ٹھٹھا نہ کریں ایک لوگ دوسروں سے، شاید وہ بہتر ہوں

مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا

ان سے، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے، شاید وہ بہتر ہوں

مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ

اُن سے اور عیب نہ دو ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑ ایک دوسرے کی

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ

بُرا نام ہے گنہگاری پیچھے ایمان کے اور جو کوئی توبہ نہ کرے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

تو وہی ہے بے انصاف

ترغیب وتاکید باہمی اخوت وہمدردی وتنبیہ وتہدید برتحقیر وتذلیل

قال اللہ تعالیٰ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ... الیٰ ... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں اس امر پر تنبیہ کی گئی تھی کہ کسی غیر مستند اور غیر معتبر بات کو سن کر اس پر یقین نہ کرنا چاہیئے بلکہ اسکی تحقیق کر لی جاتے محض افواہوں سے متاثر ہو کر جذبات میں مغلوب ہو جانا بہت سے مفاسد اور فتنوں کا ذریعہ ہے اور باہمی منازعت وخصومت کا اس سے دروازہ کھل جاتا ہے تو ان آیات میں اسکے بالمقابل ایسی ہدایت وتعلیم دی جا رہی ہے کہ مسلمان قوم کو چاہیئے کہ وحدت

واخوت قائم رکھے، باہمی منازعت اور اختلاف وخصومت سے پوری طرح بچے اور اگر کسی وقت دوجماعتوں میں اختلاف ونزاع کی صورت پیدا ہو جاتے تو انکے درمیان مصالحت کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ امت اس طرح کی باہمی خصومتوں سے خود اپنے آپ کو تباہ وبرباد نہ کرڈالے اور خود اپنے ہاتھوں اپنی عظمت وشوکت کو پامال نہ کرلے۔ اخوت ووحدت کو قائم رکھنے کے لیئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی تحقیر اور طعن وتشنیع سے بھی پرہیز کرے کیوں کہ اس قسم کی باتیں باہمی محبت کی بجائے منافرت اور بغض واختلاف پیدا کرتی ہیں جس کا انجام قوم من حیث القوم ہلاکت وتباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اور اگر دو گروہ مسلمانوں کے آپس میں لڑپڑیں تو انکے درمیان صلح کرادو پھر اگر چڑھا چلا آتے ان میں سے ایک دوسرے پر تو تم قتال کرو (لڑو) اس گروہ سے جو چڑھ آتے اور زیادتی کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آتے اللہ کے حکم اور قانون کی طرف پھر اگر رجوع کرلے وہ گروہ تو انکے درمیان صلح کرادو عدل وانصاف کے ساتھ اور ہمیشہ ہر معاملہ میں انصاف کیا کرو اللہ تعالیٰ بے شک انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے بہرحال مسلمانوں کو ہر معاملہ میں ایسے ہی عدل وانصاف اور باہمی اخوت ومحبت کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لیئے کوشش کرتے رہنا چاہیئے جذبات اور اغراض میں ایک دوسرے پر ظلم کیا جاتا ہے لیکن ایسی صورت میں دو جماعتیں باہم لڑیں تو مسلمانوں کو اپنی اجتماعی قوت اور فہم وفکر کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوتے ان جماعتوں میں مصالحت کرا دینی چاہیئے یکسو اور بے تعلق ہوکر بیٹھے رہنا درست نہیں زیادتی کے مرتکب فریق کو مجبور کریں کہ وہ اپنی زیادتی سے باز آجاتے نزاعات اور خصومتوں کے پیش آنے کا امکان صرف اسی وجہ سے ہے کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ محبت ویگانگت نہ ہو۔ حالانکہ اسلام ایک ایسا قوی ومضبوط رشتہ ہے جو تمام امت کو وحدت واخوت کی لڑی میں منسلک کر دیتا ہے تو اس رشتہ اخوت ومحبت سے ہرگز غفلت نہ اختیار کرنی چاہیئے یہ حقیقت ہے کہ تمام مسلمان باہم ایک دوسرے کے بھائی ہیں تو اگر کسی وقت اختلاف پیش آجاتے تو ملاپ کرا دیا کرو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور اللہ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم پر مہربانی کی جاتے اسلیئے کہ خوف خدا اور تقویٰ ہی تمام احوال کی اصلاح کا ضامن اور حق تعالیٰ کی عنایات ومہربانیوں کا موجب ہے۔

نزاع واختلاف اور باہمی منافرت وعداوت اور اسکے نتیجہ میں خصومتوں کا سلسلہ تحقیر وتذلیل اور استہزاء وتمسخر سے پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے محبت واخلاص ختم ہوکر شکوک واوہام اور تنفر دلوں میں راسخ ہوجاتا ہے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنا معاشرہ ان برائیوں سے پاک کریں اس لیے یہ حکم ہے کہ اے ایمان والو! ہرگز تمسخر اور ٹھٹھا پن نہ کرے ایک قوم دوسری قوم سے شاید وہ لوگ ان سے بہتر ہوں جو ان کا مذاق اڑا رہے ہیں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ بُرے القاب سے ایک دوسرے کو چڑاؤ بہت ہی بُرا ہے گنہگاری کا نام ایمان کے بعد کیونکہ

اس طرح سے مسلمان بھائی کی تحقیر و تذلیل اس کے مومن ہونے کے بعد اسکو فاسق و فاجر کے درجہ میں شمار کرنا ہے۔

اور ساتھ ہی خود یہ شخص جو مسلمان ہو کر بھی ایسی روش اختیار کرتا ہے اپنے مومن ہونے کے ساتھ فاسقانہ کردار پیش کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص کذاب و مفسد ہے اور ایذاء رسانی و افتراء پردازی بھی کر رہا ہے تو مومن ہو کر ایسے کام کرنا اپنے کو فاسق و فاجر کے عنوان سے موسوم کرنا ہے جو نہایت ہی بدترین نام ہو سکتا ہے بعد اسکے کہ کوئی شخص مسلمان ہو۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اسکو چاہیے کہ نادم و شرمندہ ہو کر تائب ہو جائے اور اگر ایسے لوگ توبہ نہ کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے (جو اپنی ذات پر ہو گا اور دوسروں پر بھی یہ ظلم و تعدی انکی جان و مال اور عزت و آبرو کی بے حرمتی کا موجب ہو گا)۔

اہل ایمان کے دو گروہوں کے درمیان باہمی قتال کی صورت میں تمام مسلمانوں پر ذمہ داری

آیت مبارکہ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر کسی قسم کا اختلاف و نزاع مقاتلہ کی صورت اختیار کر لے تو مسلمانوں میں سے اہل فہم اور ارباب حل و عقد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس منازعت و مخالفت کو ختم کرانے کی پوری جدوجہد کریں اور آپس میں انکے درمیان صلح کرا دیں۔ باہمی اخوت و محبت کا جو رشتہ جذبات میں مغلوب ہو گیا۔ اسکو زندہ کیا جاتے اسکے لیے ارشاد فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ اور ساتھ ہی وہ بنیاد واساس بھی ظاہر کر دی گئی جس پر اخوت و محبت کی عظیم عمارت قائم ہو سکتی ہے وہ اللہ کا خوف ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "یعنی جب حکم شرع کے تابع ہوں تو انصاف سے صلح کرا دو اور ایک کی طرفداری نہ کرو یہ حکم ہے خانہ جنگی کا جو مسلمان آپس میں لڑ پڑیں"۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر جنگ ہو جاتے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ آپس میں سمجھا بجھا کر مابہ النزاع امور کو ختم کرا کے اصلاح کرا دیں اور دونوں پارٹیوں میں صلح کرا دیں اور اگر باوجود اصلاح اور

سمہ اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ الاسم الفسوق کا مرجع دونوں جانبیں ہیں۔ خود طعن و تشنیع اور تحقیر کرنے والا اور وہ شخص جس کی تحقیر و توہین کے لیے ایسے لغو اور بے ہودہ عنوانات اختیار کیے جائیں۔

صلح کی کوشش کے کسی جماعت کی زیادتی دیکھو۔ یعنی وہ قتال کے ترک پر آمادہ نہ ہو اور زیادتی اور تعدی سے باز نہ آتے تو زیادتی کرنے والی جماعت سے تم سب ملکر لڑو اور جنگ کرو یہاں تک کہ وہ تعدی اور زیادتی کرنے والی جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کے آگے جھک جاتے اور جنگ بند کر دے، پھر جب وہ پارٹی جھک جاتے اور جنگ سے رجوع کرلے تو حدود شرعیہ کے مطابق انکی اصلاح کردو۔ عدل کا مطلب ہے شرعی حدود کے موافق صلح کرانا تاکہ صلح پائیدار اور دائمی ہو صرف جنگ بند کرا دینے سے پھر اندیشہ رہے گا کہ کسی وقت پھر لڑائی ہو جاتے اس لیئے تمام معاملات کو انصاف کے ساتھ طے کرا دو اور انصاف کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے آگے پھر اسی مضمون کی تاکید ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں تو کبھی بھائیوں کی لڑائی ہو جاتے تو اپنے دونوں بھائیوں میں اصلاح کرادیا کرو کیونکہ بہرحال وہ دونوں پارٹیاں تمہارے بھائی ہیں اور صلح کراتے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو یعنی جانبداری سے کام نہ لو اور کسی پارٹی کی طرفداری نہ کرو تاکہ تم پر رحم کیا جاتے۔

کہتے ہیں کہ انصار کے بعض حضرات اور عبداللہ بن اُبیّ کے بعض طرفداروں میں ایک جھگڑا ہوگیا جھگڑا معمولی سی بات پر تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سواری پر سوار تھے سواری نے پیشاب کیا عبداللہ بن اُبیّ نے پیشاب پر کچھ ناک اور بھوں چڑھائی عبداللہ بن رواحہؓ نے اسکی ناک بھوں چڑھانے پر کچھ ناراضگی کا اظہار کیا اس پر بات بڑھ گئی اور اس پر آیتیں نازل ہوئیں اس آیت کے متعلق بہت سے مسائل ہیں کیونکہ یہ آیت ہر اس جنگ کو شامل ہے جو مسلمان آپس میں لڑیں یا امام سے بغاوت کرکے مقابلے میں آئیں اور آپس میں لڑیں انکا حکم فرمایا مرتدین کا نہیں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے موقع پر فرمایا تھا اخواننا بغوا علینا۔ حضرت علیؓ نے بغاوت کرنے والوں کو اپنا بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ ایسی بغاوت و باہمی جنگ سے مسلمان کا نام باقی رہتا ہے اور ایک مسلمان کو کافر نہیں کہا جاسکتا اسی لیے اس قسم کے لڑنے والوں کے احکام بھی جدا ہیں مثلاً جو دو پارٹیاں باہم نبرد آزما ہیں وہ دونوں امام المسلمین کی ولایت کے تحت ہیں۔ یا دونوں امام المسلمین کی ولایت کے ماتحت نہیں ہیں یا ایک امام کی ولایت کے تحت ہے اور دوسری نہیں ہے انکے تمام احکام علیحدہ علیحدہ فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ یہاں صرف اتنی بات سمجھ لینی چاہیئے کہ مسلمانوں کو اخوۃ قائم رکھنے کی غرض سے ایک طریقہ صلح و آشتی اور باہم صفائی کا بتایا گیا ہے اور تیسری پارٹی جو اصلاحی ہو اسکو عدل و انصاف کی تاکید کی گئی اسی پر امت کا نظامِ اخوت اور نظامِ عدل قائم ہو سکتا ہے۔ اللّٰھم اصلح ذات بیننا واحفظنا من الفتن ما ظھر منھا وما بطن۔

ایمان کے ساتھ فسق کا عنوان زیب نہیں دیتا

آیت مبارکہ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۔ اس امر کی طرف راہنمائی کر رہی ہے کہ ایمان لانے کے بعد مسلمان کے لیے فسق کا نام بہت برا ہے اور جو توبہ نہ کریں گے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ ایسا مذاق اور تمسخر جو کسی کی تحقیر اور دل آزاری کے لیے کیا جائے وہ حرام ہے خواہ مرد کسی مرد کے ساتھ ایسا مذاق کرے یا عورت کسی عورت کے ساتھ ایسا مذاق کرے یا عورت مرد کے ساتھ یا مرد عورت کے ساتھ تحقیر آمیز مذاق کرے تو وہ ناجائز ہوگا باقی جس میں دوسرے کی تحقیر اور دل آزاری نہ ہو وہ مزاح اور خوش طبعی ہے اس میں مضائقہ نہیں اور مزاح جائز ہے۔

یہاں جو رجال اور نساء فرمایا ہے اس سے محض جنس مراد ہے جیسا کہ ہم نے عرض کر دیا ہے یہاں یہ بحث شاید غیر ضروری ہو گی کہ قوم کا اطلاق صرف مردوں پر ہوا کرتا ہے۔ عورتیں قوم کے لفظ میں داخل نہیں ہوتیں اور اگر ہوتی ہیں تو تبعاً داخل ہوتی ہیں اور یہ جو فرمایا کہ شاید وہ تم سے بہتر ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بہتر ہو جس کی تم تحقیر اور دلآزاری کر رہے ہو یعنی اس کا خاتمہ ایمان پر مقدر ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے زیادہ مقبول ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ البلاء موکل بالقول لو سخرت من کلب لخشیت ان احول کلبا۔ یعنی ہر قسم کی بلا قول پر سونپی گئی ہے۔ اکثر بلائیں زبان کی بدولت نازل ہوتی ہیں ہیں تو کسی کتے سے بھی مذاق نہیں کرتا اگر کتے سے بھی تحقیر آمیز سلوک کروں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں کتا نہ بنا دیا جاؤں۔ بہرحال وہ شخص جو اپنی حقارت اور ذلت پر نظر رکھتا ہے وہ ہمیشہ دوسرے آدمی کو ذلیل کرنے سے احتیاط کرتا ہے۔

"وَلَا تَلْمِزُوْا" کو میم کے زیر سے اور میم کو پیش دونوں طرح کی قرأت ہے خواہ کسی طرح پڑھیے مطلب یہ ہے کسی پر طعن نہ کرو اور عیب نہ لگاؤ بعض حضرات نے فرمایا کہ ایسا کوئی فعل اختیار نہ کرو جس کی وجہ سے تم کو طعن کیا جائے تنابز بالالقاب کا مطلب ہے کسی کو برے لقب سے پکارنا جو کسی کو ناگوار گذرے یعنی ایسے لقب سے نہ پکارو جو اسکی دل آزاری کا موجب ہو جیسے کسی شخص کی کوئی چڑ بنا لیتے ہیں اور پھر اس چڑ سے اسکو پکارتے ہیں اور وہ ایک مؤمن کی ناگواری کا سبب ہوتا ہے ہاں اگر کوئی ایسا نام لیا جائے اور ایسا لقب دیا جائے جو ناگوار نہ ہو تو مضائقہ نہیں جیسا کہ بعض لوگ کسی لقب سے خوش ہوتے ہیں آخر میں فرمایا کہ ایمان کے بعد تو مسلمان کے لیے سب سے برا نام فسق کا ہے یعنی کسی مسلمان کو "یا فاسق" کہہ کر پکارنا۔ جیسے بعض لوگ ان مسلمانوں کو جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے "یا یہودی" کہہ کر پکارتے تھے تو سب سے برا لقب تو ایمان لانے کے بعد فسق کا لقب ہے اس میں سب گناہ داخل ہو گئے مثلاً کسی کو یا فاسق یا زانی یا سارق۔ کہنا سب داخل ہو گئے اور

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دوسروں کو بُرا لقب دینے سے پہلے ہر تو دیکھو کہ تم ایک گناہ کرنے سے فاسق ہو جائے ہو جو ایمان کے بعد بہت ہی برا لقب ہے یعنی دوسرے کو بُرا لقب دینے سے اپنا لقب فاسق ہو جاتا ہے اس لیے ایسے امور سے اجتناب کرنا چاہیئے جس میں اپنا لقب فاسق ہو جائے اور جو شخص ان حرکات ناشائستہ اور ممنوعہ سے باز نہ آئے گا اور توبہ نہ کریگا تو ایسے ہی لوگ ظالم اور ناانصاف ہونگے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جہاں کسی پر بُرا نام ڈالا پہلے تو اپنا نام پڑ گیا فاسق آگے تھا کہ نہ اس پر عیب لگا یا نہ لگا خلاصہ یہ کہ ایسے افعال سے بچنا چاہیئے جو کسی مسلمان کی دل آزاری اور ناگواری کا موجب ہو اور بات بڑھ کر فتنہ فساد اور قتل و قتال کی نوبت آئے اور خود فاسق قرار پائے انسان اگر اپنے آپ کو خود حقیر سمجھے تو دوسروں پر عیب لگانے کی جرأت نہ کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا مشہور ہے اللّٰھم اجعلنی صبورًا واجعلنی شکورًا واجعلنی فی عینی صغیرًا وفی اعین الناس کبیرًا۔ یعنی اللہ مجھ کو صبر کرنے والا اور شکر کرنے والا بنا دے اور مجھ کو اپنی آنکھوں میں چھوٹا اور دوسروں کی آنکھوں میں بڑا بنا دے یعنی جب میں خود اپنے پر نظر کروں تو اپنے کو چھوٹا سمجھوں اور دوسرے جب مجھ کو دیکھیں تو بڑا سمجھیں۔

❖ ❖ ❖

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اے ایمان والو!

اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے مقرر بعضی تہمت گناہ ہے

وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ

اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور بد نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو بھلا خوش

اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ

لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھاوے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو، سو گھن آتی ہے تمکو اس سے اور

اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے

تنبیہ وتہدید بر بدگمانی وغیبت وممانعت از تجسس احوال

قال اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا ..... الیٰ ..... اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ

ربط: گذشتہ آیات میں مسلمانوں کی گروہ بندی اور باہمی منازعت ومخاصمت سے منع کیا گیا تھا اور اس پر وعید وتنبیہ کی گئی تھی کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے یا اس کا مذاق اڑائے کیونکہ ایسی ہی باتیں مسلمانوں میں نفاق وشقاق پیدا کرنے والی ہیں تو اب ان آیات میں مزید ایسے اسباب بیان فرمائے جا رہے ہیں جنکی وجہ سے باہمی منافرت اور عداوت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ آپس میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور نوبت جنگ و جدل اور قتل وخونریزی تک پہنچ جاتی ہے جن میں سب سے بڑی اور بنیادی چیز قلوب سے اخلاص کا نکل جانا اور باہم بدگمانی میں پڑ جانا ہے بدگوئی غیبت الزام تراشی غرض یہ سب باتیں مہلک ہیں ان سے بچنے کی ضرورت ہے تو فرمایا۔

اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کیا کرو اور بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے عیب کی ٹٹول نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہا کرو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم کو اس سے گھن آئے اور تم اس سے متنفر ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔

چونکہ ظن کی بہت سی اقسام ہیں بعض جائز، بعض واجب، بعض مباح، بعض حرام۔ اسی لئے فرمایا۔ ظن اور گمان کی کثرت سے احتراز کرو یا یہ مطلب ہے اجتنبوا اجتنابا کثیرا۔ کہ بچو بچنا بہت۔ اہل خیر اور صلاح کے ساتھ بدگمانی کرنا بہت بڑی بات ہے اور اہل فسق کے معاملے میں بدگمانی جائز ہے اور جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ بعضے افراد ظن اور گمان کے گناہ ہیں تو انکی تحقیق کرنے کے بعد جہاں بدگمانی جائز ہو یا ضروری ہو وہاں بدگمانی کرے تو مضائقہ نہیں۔ یہ نہیں کہ ہر موقع پر اور ہر معاملے میں بدگمانی کرو اور برے ظن سے کام لو جو شخص بہت بدگمانیوں سے احتراز کرے گا تو بعض سے بچ جائے گا "تجسس" کسی کے عیب کی تلاش کرنا اور مسلمانوں کے عیب ڈھونڈتے پھرنا۔

حضرت مجاہدؒ کا قول ہے خذوا ما ظھر ودعوا ما سترہ اللہ یعنی جو کچھ ظاہر ہوا وہ لے لو اور جو اللہ نے چھپا لیا اسے چھوڑ دو بہر حال عیب جوئی سے منع فرمایا کسی کی چھپ کر باتیں سننا یا سونے والے کی حالت بنا کر جاگتے رہنا اور دوسروں کی باتیں سنتا رہنا تجسس ہے اس میں بھی اگر کہیں اپنے آپ کو ضرر سے بچانے یا کسی مسلمان کو نقصان سے بچانے کی غرض سے دشمن کی تدابیر کا کھوج لگاتے تو جائز ہوگا پھر فرمایا ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو یعنی پیٹھ کے پیچھے ایسی برائی کرنا جو سچی ہو کہ

اگر اسکے سامنے کرو تو اسکو ناگوار گزرے یہ غیبت ہے اور اگر وہ بات سچی نہ ہو تو بہتان ہے غیبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کھانا فرمایا جس طرح کسی انسان کا گوشت نوچ کر کھانے سے تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح اسکی آبرو ریزی بھی اسکی تکلیف کا موجب ہے اگرچہ اس آبرو ریزی کا اسکو علم نہ ہو تو عدم حس میں مشابہت مردے کے ساتھ دی لیکن فی نفسہٖ تو تکلیف دہ چیز ہے گویا مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے ہو پس جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اسی طرح اسکی پیٹھ پیچھے اسکی آبرو ریزی سے بھی بچو اور اسکو بُرا سمجھو۔ پس پشت ہر صورت میں بدگوئی کی ممانعت فرمادی گئی البتہ مظلوم ظالم کی بدگوئی کرسکتا ہے بشرطیکہ دین کا کچھ فائدہ ہو۔

"تحقیر" جس طرح قول سے ہوتی ہے فعل سے بھی ہوتی ہے مثلاً کسی لنگڑے کی نقل اتارنا یا کسی پستہ قد کو اشارہ کرکے اور منہ بنا کے دکھانا وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ جو فرمایا اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو یعنی غیبت کرنے سے بچو اور توبہ کرو بلا شبہ اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرماتا ہے اور وہ بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ غیبت حق العباد بھی ہے اور حق اللہ بھی یعنی اللہ تعالےٰ سے توبہ کرو اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معاف کراؤ اور اگر وہ مرگیا ہو تو اسکے لیے استغفار کرے غیبت صرف مسلمان ہی کی حرام نہیں بلکہ کافر جو ذمی ہو اسکی بھی غیبت حرام ہے۔

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ اگر وہ بات جو میں اپنے بھائی کے پس پشت کہہ رہا ہوں وہ اس میں موجود ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! یہ بھی غیبت ہے اور اگر تم ایسی بات اسکے متعلق کہو گے جو اس میں موجود نہیں تو تم اس پر بہتان لگانے والے ہو گے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ

اے آدمیو!

اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا

ہم نے تم کو بنایا ایک نر اور مادہ سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں

وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ

اور گوتیں، تا آپس کی پہچان ہو مقرر عزت اللہ کے ہاں اسی کو بڑی جسکو ادب بڑا

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ

اللہ سب جانتا ہے خبردار ۔ کہتے ہیں گنوار، ہم ایمان لائے؛ تو کہہ

لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ

تم ایمان نہیں لائے پر کہو مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں بیٹھا

الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

ایمان تمہارے دلوں میں اور اگر حکم پر چلو گے اللہ کے اور اسکے رسول

لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

کے، کاٹ نہ لے گا تمہارے کاموں میں سے کچھ اللہ بخشتا ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

مہربان ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر

وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

اور اسکے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑائی کی اللہ کی راہ میں

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

اپنے مال اور جان سے وہ جو ہیں وہی ہیں سچے

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي

تو کہہ کیا جتاتے ہو اللہ کو اپنی دینداری ؟ اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہر چیز

عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا

جانتا ہے تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے تو کہہ مجھ پر احسان

عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ

نہ رکھو اپنی مسلمانی کا بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو راہ دی

لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

ایمان کی اگر سچ کہو اللہ جانتا ہے

غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ دیکھتا ہے جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

کرتے ہو

مدار فضیلت و کرامت ایمان و تقویٰ نہ کہ نسبت خاندان و قبائل

قال اللہ تعالیٰ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى .. الیٰ .... وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

(ربط) اس سے قبل آیات میں ایسی خصلتوں اور برائیوں سے اجتناب کی تعلیم تھی جو انسانی زندگی کو ذلت و پستی میں ڈالنے والی ہیں اور انسانی معاشرہ میں اس قسم کے عیب نہایت ہی بدترین عیب اور تباہ کر دینے والی بیماریاں ہیں تو اب ان آیات میں اسکے بالمقابل وہ اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں جو انسانی کرامت اور شرف کا باعث ہیں اور اسکو عزت و سربلندی کے مقام پر پہونچا دینے کا باعث ہیں۔

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخیں اور مختلف قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اور پہچان سکو ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو تم سب میں بڑا شریف اور عزت والا وہ ہے جو تم سب میں بڑا پرہیزگار اور زیادہ تقویٰ والا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے اور سب کے حال سے باخبر ہے خلاصہ یہ کہ سب لوگ ایک مرد اور

ﻪ اس آیت مبارکہ میں حق تعالیٰ جل شانہٗ نے فضیلت اور افضلیت کا ایک معیار اور قاعدہ کلیہ ارشاد فرما دیا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ اس معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے جب آیت مبارکہ یعنی وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى۔ پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کا شانِ نزول روایات سے یہ پاتے ہیں کہ یہ ابوبکرؓ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ بہ نص قرآنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتقی الامۃ المسلمہ ہیں اور حضرات صحابہ میں سب سے زیادہ متقی ہیں تو جس شخص کا قرآن کریم کی صریح آیت سے امت اور حضرات صحابہ کے درمیان سب سے زیادہ متقی ہونا ثابت ہو گیا اس پر طعن و تشنیع یا توہین و تحقیر کرے وہ انسان کیسے مسلمان رہ سکتا ہے۔ ۱۲

ایک عورت یعنی آدمؑ و حواؑ سے پیدا ہوتے ہیں جس قدر اولاد بڑھتی گئی اُن کے شعب قبیلہ، عمارہ، بطن، فخذ اور فصیلہ بنتے گئے اس سے باہمی تعارف اور پہچان میں آسانی ہوتی ہے کیونکہ ایک ایک نام کے بہت سے آدمی ہوتے ہیں اسکے علاوہ بھی اور بہت سے فوائد ہیں مثلاً قرب و بعد کی مناسبت سے انکے حقوق شرعیہ ادا کیئے جاتے ہیں حاجب اور محجوب کا پتا چلتا ہے ایک خاندان کا آدمی دوسرے خاندان کے آدمی سے متمیز رہتا ہے، "شعوب" جمع شعب کی۔ شعب جمع کرتا ہے قبائل کو اور قبیلہ جمع کرتا ہے عمائر کو اور عمارہ جمع کرتا ہے بطون کو اور بطن جمع کرتا ہے افخاذ کو اور فخذ جمع کرتا ہے فصائل کو یہ ہم نے عربی قبائل کی اصطلاح بیان کی دوسری قوموں میں کوئی اور دستور ہوگا۔ بہرحال یہ اولاد آدم کی تقسیم ہوتی چلی گئی مثلاً فرض کرو خزیمہ شعب ہے اور کنانہ قبیلہ اور قریش عمارہ اور قصی بطن اور ہاشم فخذ اور عباس فصیلہ۔ یہ تمام تقسیمیں صرف باہمی شناخت کیلئے ہیں اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ شرافت اور بزرگی اور عزت اللہ تعالےٰ کی نظر میں اسی کی ہے جو متقی ہو۔ جو تقویٰ میں اونچا اور اعلیٰ اور اتقیٰ ہے وہی اللہ کے نزدیک بڑا شریف اور مکرم ہے اس اعلان نے بنی نوع انسان میں مساوات اور یگانگت پیدا کردی اور زمانہ جاہلیت کے خاندانی تفاخر اور بڑائی کو پارہ پارہ کردیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جو خطبہ فرمایا اس میں اس بات کا اعلان کیا کہ اللہ تعالےٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور تکبر کو دور کردیا۔ آدمیوں کی دو ہی قسمیں ہیں۔ مؤمن تقی جو پرہیزگار ہو وہ اللہ کے نزدیک عزت دار اور کریم ہے۔ اور جو شخص فاجر شقی ہے وہ اللہ کی نظر میں ذلیل و خوار ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ ؏

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے نہ عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے نہ عربی کو عجمی پر کوئی بزرگی ہے نہ سرخ رنگ والے کو سفید رنگ والے پر کوئی بزرگی ہے نہ سفید رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت اور بڑائی حاصل ہے مگر تقوی اور پرہیزگاری سے۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کا یہ بنی نوع انسان پر کتنا بڑا احسان ہے کہ تمام دنیا کے نسبی تفاخر کو مٹا کر سبکو بھائی بھائی بنا دیا اور صرف تقوئ اور پرہیزگاری کو امتیاز کی وجہ قرار دیا یعنی جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے وہی بڑا ہے جس قدر تقوئ میں بڑھا ہوا ہے اسی قدر بزرگی میں بڑھا ہوا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے من بَطَّاَبِہٖ عَمَلُہٗ، لم یسرع بہ نَسَبُہٗ جو عمل میں پیچھے رہا اس کا نسب اسکو آگے نہ بڑھا سکے گا اللہ تعالےٰ علیم اور خبیر ہے یعنی ہر شخص کے نسب اور اسکے نسبی تفاخر کو بھی جانتا ہے اور ہر شخص کے تقوئ سے بھی باخبر ہے۔

ع حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی بڑائیاں ذات کی اور قوم کی عبث ہیں صفت نیک چاہیئے نری اصرف ذات کس کام کی) روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے ایک خطبہ کے دوران فرمایا اے لوگو! اللہ نے جاہلیت کی عصبیت و نخوت کو ختم کردیا ہے اب تو بس انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں یا تو مومن متقی یا شقی فاجر۔ ۱۲

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے ہاں یوں کہو کہ ہم فرمانبردار ہو گئے یعنی ہم نے مخالفت ترک کر دی ہے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ کی صحیح اطاعت کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کے اجر و ثواب میں ذرا بھی کمی نہیں کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔

عرب کے اکثر دیہاتیوں نے صدق دل سے ایمان قبول کیا تھا۔ لیکن یہ بنی اسد کے لوگ قحط کے زمانے میں غلہ وغیرہ حاصل کرنے مدینے میں آتے تو کہنے لگے "ہم ایمان لائے" اس پر تنبیہ کی کہ ایمان صرف زبان کے کہنے سے نہیں ہوتا بلکہ دل سے اسکی نیت بھی کرو۔ یعنی جب تک تصدیق قلبی میسر نہ ہو صرف قول سے مؤمن نہیں ہوتا ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم صلح میں داخل ہو کر آپؐ کے مطیع ہو گئے ہیں اور ہم نے مخالفت ترک کر دی ہے اور ابھی ایمان تمہارے قلب میں داخل نہیں ہوا یعنی صدق قلبی حاصل نہیں ہوئی اور اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو جس میں تصدیق قلبی بھی آگئی یعنی دل سے بھی ایمان لے آؤ اور زبان اور قلب میں مطابقت پیدا کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ان اعمال کے اجر میں جو ایمان لانے کے بعد تم کرو گے اس وقت کے کفر و شرک کی وجہ سے کچھ کمی نہیں کرے گا یعنی ایمان لانے کے بعد جو عمل کرو گے اسکا پورا پورا ثواب ملے گا۔

یہ ایمان کی حقیقت نہیں ہے کہ کسی خوف یا کسی مفاد کی طمع اور لالچ میں ایمان کا اعلان اور دعویٰ کر دیا ایمان و یقین تو دل میں راسخ ہو جانے والی اس کیفیت کا نام ہے جو درخت کی مضبوط جڑ کی طرح جمی ہوئی ہو اور اسکی شاخیں ابھر رہی ہوں بلندی تک نظر آ رہی ہوں اس وقت مؤمن کی یہ شان ہوتی ہے کہ غیبت و تہمت اور نزاع و خصومت جیسے عیوب سے پاک ہو کر صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے واسطے تیار رہتا ہے نہ اسکو کسی چیز کا ڈر ایمان کے راستہ سے ڈگمگاتا ہے اور نہ لالچ و طمع اللہ کی نافرمانی پر کبھی آمادہ کرتی ہے اس لیئے اس طرح کے دعوے کرنے والوں کو سن لینا چاہیئے کہ ایمان والے تو بس وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اسکے رسول پر ایمان لائے اور پھر اس پر ایسی مضبوطی کے ساتھ قائم رہے کہ کوئی تردد اور شبہ بھی نہ کیا اللہ اور اس کے رسول کی کسی بات میں بلکہ استقامت اختیار کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں تو درحقیقت یہی لوگ سچے ہیں اس لیے اس قسم کے مدعیانِ اسلام کے دعوؤں کو دیکھ کر سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ ایمان کا محض دعویٰ ہے۔ ظاہری اسلام ہے حقیقی ایمان نہیں ایمان حقیقی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا معشر من اسلم بلسانہ ولم یفض الایمان الیٰ قلبہ لا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عوراتہم یعنی اے وہ لوگو! جو اپنی زبان سے اسلام کا اظہار کرتے ہو لیکن ایمان ابھی تک اس شخص کے دل کے اندر نہیں پہنچا تو تم کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور نہ ہی ان کے عیوب و نقائص

تلاش کیا کرو۔

ان اعراب اور بنو اسد قوم کے لوگوں کی یہ حالت بلاشبہ ایمان والوں کی نشانیوں سے قطعاً مختلف اور جدا ہے پھر بھی ایمان کے دعوے اور یہ کوشش کہ کسی طرح خدا کا پیغمبر اس قسم کے لوگوں کو سچا مسلمان سمجھ لے بلاشبہ فضول اور بے معنی کوشش ہے تو ایسی صورت میں اے ہمارے پیغمبر کہہ دو کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنی دینداری۔ حالانکہ اللہ تو جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اسی قسم کے یہ لوگ اے ہمارے پیغمبر آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ یہ مسلمان ہو گئے ہیں آپ کہہ دو مت احسان جتلاؤ مجھ پر اپنے اسلام کا، بلکہ اللہ ہی تم پر احسان کرتا ہے اگر تم کو ہدایت دیدے ایمان لانے کی اگر تم سچے ہو۔ اپنے اس دعوے میں کہ تم مسلمان ہو گئے ہو ایمان و اسلام کی دولت سے سرفراز فرما دینا یہ اللہ ہی کا انعام واحسان ہے کسی کا ایمان لانا خدا پر کوئی احسان نہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

بے شک اللہ ہی جانتا ہے پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور اللہ خوب دیکھتا ہے۔ اے لوگو! جو کچھ تم کرتے ہو تو جب اللہ رب العزت پر آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور وہی تمام اعمال وافعال حتیٰ کہ دلوں کے بھید اور راز بھی جانتا ہے تو اس پروردگار سے کسی کا ایمان و اطاعت اور اس کا اخلاص ونفاق کیسے مخفی رہ سکتا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی منافق خدا کو دھوکہ دے سکے۔

تم تفسیر سورۃ الحجرات بعون اللہ تعالیٰ وتوفیقہ

بندۂ ناچیز **محمد مالک کاندھلوی** (رحمۃ اللہ علیہ)
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ
لاہور۔ پاکستان
۱۰ جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ ہجری۔

؎ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں نیکی اپنے ہاتھ سے ہو یہ اپنی تعریف نہیں رب العزت کی تعریف ہے جس نے وہ نیکی کرائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ق

گذشتہ سورت یعنی سورۂ حجرات کے مضامین آداب و حقوق رسالت پر مشتمل تھے اور اس امر کی توضیح و تفصیل تھی کہ انسانی سعادت و فلاح کا دار و مدار صرف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و فرامین کی اطاعت و پیروی ہی میں منحصر ہے اور بارگاہِ رسالت میں انقیاد و فرماں برداری حقیقتِ ایمان ہے تو اب اس سورۂ ق میں قرآن کریم کی عظمت و برتری بیان کی جارہی ہے اور یہ کہ یہ جملہ ہدایات اور سعادت و فلاح کے خزانے کتابِ الٰہی قرآن حکیم کے ذریعہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

روایاتِ صحیحہ کی رُو سے یہ ثابت ہے کہ مفصلاتِ قرآن میں یہ پہلی سورت ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے سنن میں روایت کیا ہے کہ اوسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے یہ دریافت کیا کہ آپ حضرات قرآن حکیم کے حصے کس طرح کرتے ہیں فرمایا تین تین سورتوں اور پانچ، سات، نو، گیارہ اور تیرہ سورتوں کے حصے متعین کر لیتے تھے اور مفصلات کا ایک حصہ (جو سورۂ ق سے شروع ہوتا ہے) تین سورتوں سے مراد بقرہ، آلِ عمران اور سورۂ نساء ہیں اور پانچ سے مراد مائدہ، انعام، اعراف اور انفال و براءۃ ہیں اور سات سے سورۂ یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر اور سورۂ نحل ہیں اور نو سے مراد سورۂ سبحان الذی، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مومنون اور فرقان ہیں اور گیارہ سے مراد سورۂ شعراء، نمل، قصص عنکبوت، روم، لقمان، الم سجدہ، احزاب، سبا، فاطر اور سورۂ یٰسین ہیں اور تیرہ سے مراد سورۂ صافات صٓ الزمر، غافر، حٰمٓ سجدہ، حٰمٓ عسق، الزخرف، دخان، جاثیہ احقاف، قتال، سورۂ فتح اور حجرات ہیں اور اس کے بعد مفصل[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اس سورت کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے اس سورت کے مضامین اکثر ابتداء تخلیق کائنات، بعث بعد الموت، حشر و نشر حساب و وزن اعمال جنت و جہنم اور ثواب و عقاب نیز ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہیں اس لحاظ سے یہ سورت گویا قرآن حکیم کے اہم مضامین اور اعظم مضامین کا خلاصہ اور لب لباب ہے اسی عظمت و اہمیت کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس سورت کو جمعہ اور عیدین کی نمازمیں پڑھا کرتے تھے چنانچہ ام ہشام بنت حارثہ بن النعمانؓ بیان کرتی ہیں کہ ہمارا مکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے بالکل قریب تھا

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ - [2] تفسیر روح المعانی۔

حتیٰ کہ دو سال تک ہمارا روٹی ایک ہی تنور پر پکتی رہی تو مجھے سورۃ ق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمعہ کے خطبے میں سنتے سنتے حفظ ہوگئی[1] حضرت عمر فاروق نے ایک مرتبہ ابو واقد لیثی سے دریافت کیا کہ بتاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین میں کون سی سورت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ جواب دیا سورۃ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ اور صبح کی نمازیں بھی کثرت سے اس سورت کا پڑھنا ثابت ہے

ایاتہا ۴۵ ۔ ۵۰ سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ ۳۴ رکوعاتہا ۳

سورۃ قٓ مکی ہے، اور اسکی پینتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿١﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ

قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی ۔ بلکہ انکو تعجب ہوا ۔ کہ آیا انکے پاس ایک ڈر

مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٢﴾ ءَاِذَا مِتْنَا

سنانے والا ان ہی کا تو کہنے لگے منکر یہ تعجب کی چیز ہے کیا جب ہم

وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿٣﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ

مرگئے اور ہوگئے مٹی یہ پھر آنا بہت دور ہے ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے

الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿٤﴾ بَلْ كَذَّبُوْا

زمین ان میں سے اور ہمارے پاس لکھا ہے جسمیں سب یاد ہے کوئی نہیں پر جھٹلانے

بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿٥﴾ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا

لگے ہیں سچے دین کو جب اُن تک پہنچا سو وہ پڑ رہے ہیں اُلجھی بات میں کیا نگاہ نہیں کی

اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ

آسمان کو اپنے اوپر؟ کیسا ہم نے اسکو بنایا اور رونق دی اور اس میں نہیں

[1] صحیح مسلم

فُرُوۡجٍ ﴿۶﴾ وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَ

کوئی سوراخ ۔ اور زمین کو پھیلایا اور ڈالے اس میں بوجھ اور

اَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۢ بَهِيۡجٍ ﴿۷﴾ تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰى

اگائی اس میں ہر قسم قسم کی رونق کی چیز سوجھانے کو اور یاد دلانے کو

لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا

اس بندے کو جو رجوع رکھے اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا

فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الۡحَصِيۡدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ

پھر اگائے اس سے باغ، اور اناج کٹتے کھیت کا اور کھجوریں لمبی

لَّهَا طَلۡعٌ نَّضِيۡدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ ۙ وَاَحۡيَيۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً

ان کا گابھا ہے تہ بر تہ روزی دینے کو بندوں کے، اور جلایا اس سے ایک مردہ

مَّيۡتًا ؕ كَذٰلِكَ الۡخُرُوۡجُ ﴿۱۱﴾

دیس ۔ یوں ہی ہے نکل کھڑے ہونا۔

بیان عظمت کلام خداوندی و انکار منکرین و تعجب بر حشر و نشر

قال اللہ تعالیٰ قٓ ۔ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِيۡدِ ۔۔۔ اِلیٰ ۔۔۔ كَذٰلِكَ الۡخُرُوۡجُ

(ربط) سورۂ حجرات کے مضامین کا اختتام اس امر کے بیان پر تھا کہ اسلام کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہدایت ہے اور اس کا عظیم انعام ہے اس پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہیئے ایمان پر استقامت اور دین حق پر ثابت قدمی اس اعتقاد و یقین پر موقوف ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ بندہ کی ہر حالت سے باخبر ہے وہ ہر عمل کو دیکھتا ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے تو اس مناسبت سے اب سورۂ ق کی ابتداء عظمتِ کلامِ خداوندی سے کی جا رہی ہے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہدایت کا سرچشمہ قرآن کریم ہے اس پر ایمان لانا چاہیئے تو فرمایا ق قسم ہے اس قرآن کی جو بڑے ہی مجد اور شرف والا

ہے، ایسے کلام پر چاہیے تھا کہ لوگ ایمان لاتے اور اسکے ذریعے ہدایت اور سعادت حاصل کرتے لیکن افسوس ان اہل مکہ نے اس پر ایمان لانے سے انکار کیا بلکہ اس پر تعجب کرنے لگے کہ انکے پاس آیا ہے ایک ڈرانے والا انہی میں سے جو انکو عذابِ آخرت سے ڈراتا ہے اگر وہ ایمان نہ لائیں ایمان سے انحراف و روگردانی ہی کچھ کم بدنصیبی نہ تھی اس سے بڑھ کر یہاں تک نوبت پہنچی کہ پھر کہنے لگے کافر یہ تو بہت ہی قابل تعجب چیز ہے جو عذابِ خداوندی سے ڈرانے والا ہمیں بتا رہا ہے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوں گے جسکو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں اور ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں تو کیا جب ہم مر جائیں گے اور مر چکنے کے بعد خاک میں مل کر مٹی ہو جائیں گے تو بھی ہم پھر دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے یہ تو لوٹنا بہت ہی بعید ہے عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی اس طرح زمین میں دفن ہو کر ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد پھر بھی کوئی انسان دوبارہ زندہ ہو اور خدا کی طرف لوٹے یہ منکرین و مکذبین ہماری قدرت و عظمت سے بے خبر ہیں ہمیں تو معلوم ہے زمین ان میں کتنا گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں ہر چیز محفوظ ہے تو جس ذات کا علم اس قدر بلند اور محیط ہے کہ انسانی ابدان زمین میں دفن ہونے کے بعد کس حالت میں ہیں اور کس طرح گھٹتے ہیں اور زمین ان میں سے کتنا کھاتی ہے تو بے شک اس ذات کو اس بات پر بھی قدرت ہے کہ وہ اجزاء بدنیہ جہاں بھی کہیں ہوں جس شکل میں بھی ہوں انکو لوٹا کر پھر زندہ کر دے اور صرف یہی نہیں کہ ہمارا علم

عل احادیث میں ہے کہ جب قیامت قائم کرنے کے لیے اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہو گا تو وہ یہ ندا کریں گے ایتھا العظام البالیۃ والاوصال المتقطعۃ والشعور المتفرقۃ ان اللہ یامرکن ان تجتمعن۔ کہ اے بوسیدہ ہڈیو اور ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جوڑو اور منتشر بالو تم سب کو اللہ کا حکم ہے کہ جمع ہو جاؤ چنانچہ اس ندا ہی کے ساتھ انسانی اجزاء جہاں بھی اور جس حالت میں ہوں گے ایک جا جمع ہو جائیں گے اور اس طرح دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے۔

صحاح ستہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے پہلی امتوں میں سے جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلانا اور جلا کر راکھ کر دینا اور جب میں جل کر راکھ ہو جاؤں تو اس میں سے نصف راکھ سمندر میں بہا دینا اور نصف ہواؤں میں اڑا دینا اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ جس روز تیز ہوائیں چل رہی ہوں اس روز راکھ ہوا میں اڑا دینا اور ایک روایت میں ہے کہ خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کو مجھ پر دوبارہ اٹھانے کی قدرت ہو گئی تو وہ مجھ کو ایسا عذاب دے گا کہ جہان والوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ ہو گا گویا اس کے نزدیک یہ شکل عدم محض کے درجہ میں ہو جانے کی تھی اور اس حالت کے بعد اسکو تصور نہ تھا کہ پھر دوبارہ زندگی کا امکان ہو گا وہ قدرتِ خداوندی پر یقین تو رکھتا تھا مگر اسکے احاطۂ فکر میں قدرتِ خداوندی کی یہی حد تھی کہ کوئی مردہ اپنے جسم کے ساتھ زمین میں موجود ہو تو بس اسکو دوبارہ اٹھایا جائے گا، حضور اکرم

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اشیاء کے وجود اور اسکے بعد ہے بلکہ یہ علم قدیم ہر چیز کے وجود سے قبل بھی ہمارے پاس ایک کتاب یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے خواہ کسی کی سمجھ میں آتے یا نہ آتے یہ لوگ ان حقائق اور دلائل کو اپنے عناد و سرکشی سے کیا مانتے بلکہ انھوں نے اس حق کو جھٹلایا جب کہ وہ انکے پاس آچکا تو اب وُہ تردد و حیرت ہی کی بات میں الجھے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ حق کا انکار کرنے والا تو اضطراب و تحیر ہی میں مبتلا رہے گا کیونکہ سکون و طمانیت تو حق اور قبولِ حق ہی میں ہے آخر انکو قدرت خداوندی پر ایمان لانے میں کیا رکاوٹ ہے تو کیا انھوں نے نہیں دیکھا آسمان کو جو انکے اوپر ہے اور ہم نے اسکو کیسا عجیب اور عظیم بنایا اور اس کو مزین کیا ستاروں سے اور اس میں کسی قسم سے کوئی پھٹن (شگاف) نہیں ہے۔ کہ ایسا عظیم الشان جسم چھت کی طرح کیسے بغیر کسی ستون کے قائم اور مستحکم ہے اور رات کے وقت جب ستارے روشن ہوتے ہیں وہ قندیل کی شکل میں کس طرح بارونق اور خوبصورت نظر آتے ہیں اور پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں سال گزرنے پر بھی اس چھت میں نہ کوئی سوراخ نظر آیا اور نہ ہی اس کا کوئی کنگرہ گرا اور نہ ہی اسکے رنگ میں کوئی فرق آیا۔ الغرض آسمان پر نظر کرنے اور اسکو غور سے دیکھنے سے یہ سب حقائق واضح ہوتے ہیں اور ان حقائق سے ہر عقل رکھنے والا آدمی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اس عظیم مخلوق کی تخلیق میں بڑے ہی باکمال قادر مطلق اور حکیم خالق کا دستِ قدرت شامل ہے اور زمین کو پھیلا دیا ہم نے اور ڈال دیتے ہم نے بوجھ اور وزنی پہاڑ میخوں کی طرح اس میں گاڑ دیتے کہ کرہ ارضی اپنے اوپر بسنے والی مخلوق کا بوجھ اٹھاتے ہوتے ہے نہ حرکت ہے اور نہ ہی باقی جھکاؤ ہے کہ اس پر انسان و حیوان چل رہے ہیں اور سواریاں دوڑ رہی ہیں اور اگائی ہم نے اس میں ہر قسم کی رونق کی چیز سمجھانے کے لئے اور یاد دلانے کے لیتے ہر اس بندہ کے واسطے جو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا ہو کر ان محسوسات اور عجیب مخلوقات کو دیکھ کر انکے خالق کو پہچانے اور سمجھے کہ یہ کارخانۂ عالم بغیر کسی خالق کے نہیں بنا اور یہ نظام عالم بغیر کسی چلانے والے پروردگار کے نہیں چل رہا ہے اور برسایا ہم نے آسمان سے پانی برکت والا پھر اس سے اگاتے ہم نے باغات اور سبزے اور اناج کے دانے جسکے کھیت کو کاٹا جاتا ہے اور کھجور کے طویل درخت انکے خوشے تہہ بر تہہ ہیں بندوں کے واسطے روزی کا سامان بناتے ہوتے اور زندہ کیا ہم نے اس بارش سے مردہ سرزمین کو تو جس طرح ایک بنجر زمین بارش کے ذریعہ زندہ کی جارہی ہے اور اس

حاشیہ صفحۂ گذشتہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے مرنے کے بعد ایسا ہی کیا گیا حق تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا اس میں جو اجزاء تھے وہ اس نے جمع کر دیتے ہواؤں کو حکم ہوا، ہوا نے جو ریزے اس میں منتشر تھے انکو جمع کر لیا اور حق تعالیٰ نے اسکو زندہ کر کے سوال فرمایا اے میرے بندے یہ بات تو نے کس وجہ سے کی عرض کرے گا اے پروردگار تیرے ڈر سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بارگاہِ خداوندی سے اسکے اس تقویٰ اور خشیت پر مغفرت فرما دی جاتے گی۔ ۱۲

سے سبزے، درخت، پھل اور پھول پیدا ہو رہے ہیں جنکے تخم زمین میں بو دیئے جانے کے بعد مٹی ہیں مل گئے تھے اور مٹی ہی کے ریزوں کی طرح ہو گئے لیکن پھر بھی ان سے درخت سبزے پھل اور پھول اگاتے جا رہے ہیں بس اسی طرح میدانِ حشر میں بھی تمام انسانوں کا نکل کھڑا ہونا ہے اس وجہ سے منکرین حشر کو ان مشاہدات کے بعد انکار و تکذیب سے باز آجانا چاہیئے اور جو کچھ خدا کے پیغمبر نے وحیٔ الٰہی سے بتایا اس پر ایمان لانا چاہیئے۔

بارش کے برسنے سے زمین بنجر کے شاداب ہونے اور زمین کی تہوں سے سبزے غلے، پھل اور پھول کی پیدائش کے مناظر کو دیکھ کر اقرار کر لینا چاہیئے کَذٰلِکَ یُحْیِ اللّٰہُ الْمَوْتٰی. کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو بھی بس اسی طرح زمین سے یا جہاں بھی ہوں قیامت کے روز میدانِ حشر میں اٹھائے گا اور جمع کرے گا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاھَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی، کہ اس پروردگار کی نشانیوں میں سے ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک اور بنجر پڑی ہے پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو وہ شاداب ہو کر سبز لہلہانے لگی اور ابھری (تو) یقیناً وہ ذات جس نے اس زمین کو زندہ کیا (اور اس سے سبزوں کو پیدا کیا) بلاشبہ وہ مردوں کو بھی زندہ کرنے والی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحٰبُ
جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم، اور کنوئیں
الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿۱۳﴾
والے اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی
وَأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ
اور بَن کے رہنے والے اور تبع کی قوم سب نے جھٹلایا رسولوں کو
فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿۱۴﴾ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي
پھر ٹھیک پڑا میرا ڈرانا کیا اب ہم تھک گئے پہلی بار بنا کر کوئی نہیں! انکو
لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۵﴾
دھوکہ ہے ایک نئے بننے میں

تنبیہ وتہدید کفارِ قریش بر انکار آخرت وحوالہ

تاریخ ہلاکت امم سابقہ

قال اللہ تعالیٰ۔ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ ... الیٰ ..... مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ

(ربط) گذشتہ آیات میں مسئلۂ آخرت اور حشرِ جسمانی کا ذکر تھا اور اس پر دلائل وشواہد بیان فرمائے گئے اور کفار قریش کے انکار وتعجب کا رد کیا گیا کہ بعث بعد الموت کا انکار عقلاً وطبعاً ممکن ہی نہیں اب اس کے بعد بطور عبرت اجمالاً امم سابقہ کی ہلاکت وبربادی کی تاریخ دہرائی جارہی ہے کہ کس قدر طاقت ور قومیں تھیں لیکن عذابِ خداوندی نے انکو تباہ وبرباد کر ڈالا۔

ارشاد فرمایا جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس یعنی کنویں والے اور ثمود وعاد اور فرعون اور لوط کی برادری والے اور اصحاب ایکہ یعنی بن کے رہنے والے جو شعیب علیہ السلام کی قوم سے تھے اور تبع کی قوم جو اہل یمن تھے ان سب نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا بس ان پر مسلط ہو گئی میری وعید یعنی تکذیب انبیاء پر جس عبرت ناک انجام سے ڈرایا گیا تھا اور عذاب سے آگاہ کیا گیا تھا وہ عذاب ان پر آکر رہا چنانچہ کوئی قوم طوفان سے تباہ کردی گئی تو کسی کو آندھیوں نے ہلاک کردیا کوئی زلزلہ اور زمین میں دھنسا دیئے جانے کے عذاب سے نیست ونابود کر دیئے گئے کسی کو آسمان سے پتھروں کی بارش نے تباہ کر ڈالا یہ سب عبرتناک واقعات ہیں جو خدا کے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں پر پیش آئے اور تاریخ عالم اسکی گواہ ہے تو ان کفار قریش کو بھی ڈرنا چاہیئے کہ کہیں یہ بھی اسی طرح کسی عذاب سے ہلاک و تباہ نہ کر ڈالے جائیں۔

(یہ واقعات اور اقوام کے قصے سورۂ ہود، حجر، فرقان اور سورۂ دخان وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ گذر چکے ہیں)

ان واقعات وحقائق کو دیکھ کر ہر شخص کو خدا کی باتوں پر ایمان لے آنا چاہیئے اور یقین کر لینا چاہیئے کہ بے شک خداوند عالم انسانوں کو دوبارہ قیامت میں اٹھائے گا اور انکا حساب ہوگا اور جزا وسزا بھی ہوگی اس حقیقت کو تسلیم کر لینے میں ذرہ برابر تردد اور شک کی گنجائش نہیں تو اب اس حقیقت کے واضح ہو چکنے کے بعد اے منکرو! سن لو کیا ہم عاجز ہو گئے پہلی مرتبہ پیدا کر کے کہ کوئی شخص یہ تو تسلیم کرے کہ ابتداءً تخلیق اللہ نے کی لیکن وہ دوبارہ پیدا کرنے میں تردد کرے۔ نہیں۔ حقیقت میں تو نہ کوئی تردد ہے اور نہ ہی شبہ کی گنجائش ہے بلکہ وہ تو ایک دھوکہ میں پڑے ہوتے ہیں دوبارہ نئے طریقے سے پیدا کرنے کے معاملہ میں حالانکہ جب ابتداءً خلق کو تسلیم کر لیا گیا تو اعادۂ خلق (جو قیامت کی حقیقت ہے) کے تسلیم کرنے میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔

صحیحین کی روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قال اللہ تعالیٰ کذّبنی ابن اٰدم ولم یکن لہٗ ذٰلک ۔ الخ۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ یہ بات اسکو زیب نہیں دیتی تھی اور وہ اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ رب مجھ کو دوبارہ نہیں زندہ کرے گا جس طرح کہ اس نے مجھے پہلے پیدا کیا تھا۔

بہرحال یہ اسکا فضول دھوکہ ہے جس میں وہ مبتلا ہے بھلا جس ذات نے پہلی مرتبہ پیدا کر دیا اسکو دوبارہ زندگی بخش دینے میں کیا مشکل ہے اگر ایسا گمان ہے کہ وہ پروردگار پہلی مرتبہ پیدا کر کے تھک گیا ہے (العیاذ باللہ) اس لیے اب دوبارہ اسکو ہمت وطاقت نہیں ہے کہ پیدا کر دے اس قادر مطلق کے متعلق اس قسم کا توہم سخت جہالت اور گستاخی ہے اسی امر کو قرآن کریم نے متعدد مواقع میں ثابت فرمایا جیسے کہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ اور كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَ

اور ہم نے بنایا انسان کو اور

نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ

جانتے ہیں جو باتیں آتی ہیں اسکے جی میں اور ہم اس سے نزدیک ہیں

حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَ

دھڑکتی رگ سے زیادہ جب لیتے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بیٹھا اور

عَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ

بائیں بیٹھا نہیں بولتا ایک بات جو نہیں اس پاس

رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ

ایک راہ دیکھتا تیار اور آئی بے ہوشی موت کی تحقیق

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۖ ذٰلِكَ

یہ وہ ہے جس سے تو ٹل رہا کرتا تھا اور پھونکا گیا نرسنگا یہ ہے

يَوۡمُ الۡوَعِيۡدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ

دن ڈر کے کا اور آیا ہر ایک جی اسکے ساتھ ہے ایک ہانکنے والا

شَهِيۡدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدۡ كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ

اور ایک احوال بتانے والا تو بے خبر رہا اس دن سے اب کھول دی ہم نے تجھ پر سے

غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيۡنُهٗ هٰذَا

تیری اندھیری، اب تیری نگاہ آج تیز ہے اور بولا اسکے ساتھ والا یہ ہے

مَا لَدَىَّ عَتِيۡدٌ ﴿۲۳﴾ اَلۡقِيَا فِىۡ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ

جو میرے پاس تھا حاضر ڈالو تم دوزخ میں ہر ناشکر مخالف کو

عَنِيۡدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ مُّرِيۡبٍ ﴿۲۵﴾ اۨلَّذِىۡ جَعَلَ

نیکی سے اٹکانے والا حد سے بڑھنے والا شبہے نکالتا جس نے ٹھہرایا

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلۡقِيٰهُ فِى الۡعَذَابِ الشَّدِيۡدِ ﴿۲۶﴾

اللہ کے ساتھ اور کوئی پوجنا تو ڈالو اس کو سخت مار میں

قَالَ قَرِيۡنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطۡغَيۡتُهٗ وَلٰكِنۡ كَانَ فِىۡ ضَلٰلٍ

بولا اسکا ساتھی اے رب ہمارے! میں نے اسکو شرارت میں نہیں ڈالا، پر یہ تھا بھولا

بَعِيۡدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخۡتَصِمُوۡا لَدَىَّ وَقَدۡ قَدَّمۡتُ اِلَيۡكُمۡ

راہ سے دور فرمایا جھگڑا نہ کرو میرے پاس اور میں بھیج چکا پہلے ہی تم کو

بِالۡوَعِيۡدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَىَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ

ڈر کا بدلتی نہیں بات میرے پاس، اور میں ظلم نہیں کرتا

لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۲۹﴾ ع

بندوں پر

کمالِ قدرتِ خداوندی از روئے علم واحاطہ باحوالِ انسانی

قَالَ اللهُ تَعَالٰى وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ . . . اِلٰى . . وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ

(ربط) ماقبل آیات میں منکرین حشر ونشر کا ذکر تھا اسی کے ساتھ پہلی امتوں کی عبرت ناک تاریخ دہرائی گئی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اسکے نتیجے میں مختلف انواع واقسام کے عذاب ان پر نازل ہوئے اور انکو ہلاک کر دیا گیا تو اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ومخالفت کرنے والی قوم کفار قریش کو عذاب خداوندی سے بے فکر نہ ہونا چاہیئے سزا دینا چونکہ دو چیزوں پر موقوف ہے ایک علم پر کہ جرم کے جرم کا علم ہو دوسرے قدرت پر کہ جرم کو سزا دینے پر قادر ہو تو اب ان آیات میں حق تعالےٰ کا کمالِ علم اور قدرت کا بیان ہے کہ وہ پروردگار احوالِ انسانی پر ہر لحہ پورا پورا مطلع ہے حتیٰ کہ وہ دل کے احوال اور وساوس وخطرات سے آگاہ ہے اور اسی طرح اسکے احاطۂ قدرت سے بھی کوئی باہر نہیں لہٰذا کسی مجرم کو اس دھوکہ میں نہ رہنا چاہیئے کہ اسکے جرم کی خبر نہ ہوگی یا وہ جرم کی سزا سے بچ سکے گا تو ارشاد خداوندی ہے۔ اور بے شک پیدا کیا ہے ہم نے انسان کو جس کو ہر صاحب عقل تسلیم کرنے پر مجبور ہے اور اسکے انکار کی عالم مادّیت ودھریت میں کوئی دلیل نہیں اور ہم جانتے ہیں ان باتوں کو بھی جو اسکے نفس ودل میں گزرتی ہیں لہٰذا انسان کا کوئی عمل اور حال حتیٰ کہ خیال وتصور بھی ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے اور ہم اسکے نزدیک تر ہیں اسکی رگِ جاں سے بھی زیادہ۔ یعنی اسکی دھڑکتی ہوئی رگ جسکو شہ رگ کہا جاتا ہے۔ تو جب اللہ رب العزت اور اس کا علم انسان کی روح اور نفس سے بھی زیادہ قریب ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان کی کوئی بات اللہ سے مخفی رہے جب لیتے جاتے ہیں دو لینے والے انسان کے دائیں اور بائیں سے اس طرح ہے کہ ہر ایک ان میں تیار بیٹھا رہتا ہے کہ جونہی کوئی کام کیا اس نگران وپہریدار نے اسکو اچک کر محفوظ کر لیا نہیں بولتا انسان کوئی لفظ اپنے منہ سے مگر یہ کہ ایک نگران اسکے پاس تیار اسکو دیکھنے والا ہوتا ہے کہ جوں ہی کوئی لفظ منہ سے نکلا اس نگران پہریدار نے لکھ لیا اس طرح سے انسان کی زندگی اسکے احوال اور زبان سے نکلنے والا اور دل میں گذرنے والا ہر خطرہ خدا کے علم میں ہے اور ان میں سے ہر ایک کو محفوظ کر کے پوری زندگی کی ایک دستاویز مکمل ہوتی ہے اور اسی طرح جب اسکی زندگی اپنی انتہا کو پہنچتی ہے موت کی غشی اس پر آجاتی ہے حقیقت کے ساتھ اور جان کنی کی سختیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس وقت اسکی حالت اور غیب کی ندا اسکو کہتی ہوتی ہے کہ انسان یہی تو ہے وہ جس سے تو اپنا رخ موڑتا رہتا تھا اور کسی طرح بھی اس پر آمادہ نہ ہوتا تھا کہ اسکی طرف توجہ کرے یا اسکو ٹلاتا رہتا تھا لیکن موت کب کسی تدبیر سے ٹلا کرتی ہے بہرکیف ہر انسان اپنی انفرادی زندگی پوری کرتے ہوئے موت اور آخرت کی حقیقت تو دیکھتا ہی رہتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا اور صور پھونکا جائے گا

بس یہی دن ہے ڈرانے کا جس سے تمام انبیاء اپنی اپنی قوموں کو ڈراتے رہے اور یہی وہ پیغام تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر تمام قبائل قریش و مکہ کو پہنچایا اور جس وقت یہ دن آئے گا تو حالت یہ ہوگی کہ ہر انسان آتا ہوگا اس طرح کہ میدان حشر میں کہ اسکے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا جو اسکے احوال کی گواہی دے رہا ہوگا اس وقت دنیا کی لذتوں میں پڑ کر آخرت سے غافل ہونے والے انسان کو کہا جا رہا ہوگا اے انسان! بے شک تو بڑی ہی غفلت میں پڑا رہا اس دن سے اور تیری مادی لذتوں نے تیری آنکھوں پر ایک پردہ ڈال رکھا تھا سو اب کھول دیا ہے تیرا وہ پردہ تجھ سے تو بس تیری نگاہ آج تو خوب تیز ہے اور وہ چیزیں تجھے صاف نظر آرہی ہیں جنکے دیکھنے اور سمجھنے کے لیے تیری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا اور کہے گا اس کا ساتھی یعنی وہ فرشتہ جو نامۂ اعمال لیے حاضر ہوگا یہ ہے میرے پاس جو کچھ بھی مرتب کیا ہوا ہے جس پر ان دونوں کو جس میں سے ایک سائق ہنکانے والا اور دوسرا شہید گواہ تھا حکم ہوگا ڈال دو تم جہنم میں ہر اس نافرمان۔ مغرور و مخالف انسان کو جو خیر سے لوگوں کو روکنے والا حد سے بڑھنے اور شک و شبہ میں ڈالنے والا تھا جس نے خدا کے ساتھ بہت سے اور معبود بنا لیے تھے خواہ وہ معبود بت ہوں یا انسان کی نفسانی خواہشات اور دنیا کی لذتیں ہوں سو پھینک دو اسکو سخت عذاب میں اس وقت کہے گا اس کا ساتھی شیطان اے ہمارے پروردگار میں نے اسکو سرکشی میں نہیں ڈالا بلکہ یہ تو خود ہی راہِ حق سے بہت دور بھٹکا ہوا گمراہی میں پڑا رہا نافرمان اور مجرم انسان اپنے جرائم اور گمراہی کی ذمہ داری شیطان پر ڈال رہا ہوگا اور شیطان اپنی براءت کرتے ہوئے کہتا ہوگا کہ اے پروردگار میں نے کیا زبردستی اسکو اس راستہ پر ڈالا؟ میں نے تو بس اسکو دعوت دی تھی اور یہ خود برضا و رغبت ساری عمر گمراہی کی راہ پر چلتا رہا اور دعوت تو اسکو حق و ہدایت کی بھی پہنچی تھی یہ تو سراسر اسی کا قصور ہے کہ اس نے ہادیٔ حق کی دعوت کو ٹھکرا کر گمراہی کی دعوت کو قبول اور اختیار کیا غرض جب یہ تُو تُو میں میں ہو رہی ہوگی تو حق تعالٰی فرمائے گا جھگڑا مت کرو میرے پاس اور میں تو پہلے ہی بھیج چکا تھا تمہارا طرف اپنی دھمکی۔ نیک و بد سے آگاہ کر دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ کس جرم کی کیا سزا ہوگی اور کوئی بھی شخص اپنے اعمال کی جزاء و سزا سے بچ نہ سکے گا میرے یہاں بات نہیں بدلتی اور نہ ہی میں ظلم کرنے والا ہوں ذرہ برابر بھی بندوں پر جو کچھ فیصلہ ہوگا وہ عین عدل و انصاف اور قانونِ حکمت کے مطابق ہوگا اور یہ پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ کافر و مشرک کی بخشش و معافی نہیں ہو سکتی سو یہ قانون اسی طرح اٹل ہے اور اسی کے مطابق اب کفر و شرک کی سزا نافذ و جاری کی جارہی ہے اور جب کافر کی بخشش نہیں تو وہ شیطان جو ہر کفر و گمراہی کا اصل سرچشمہ اور سبب ہے اسکی کیونکر بخشش ہوگی۔

وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ سے حق تعالٰی شانہٗ کے علم محیط کا ہونا بیان کیا جارہا ہے کہ ظاہری اعمال و احوال تو درکنار اللہ رب العزت تو دل میں گزرنے والے خطرات بھی جانتا ہے جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ قلب

کے خطرات و وساوس میں جو درجہ غیر اختیاری ہے اس سے اللہ نے درگزر فرمانے کا وعدہ فرمالیا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان اللہ تجاوز عن امتی ما توسوست بھا صُدُورھا ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان چیزوں کے بارہ میں درگزر فرمالیا ہے جو بطور وسوسہ انکے دلوں میں گزریں البتہ عقائد اور باطنی گندگیاں اور نافرمانیوں کا عزم وہ یقیناً قابل گرفت ہے اس لیئے کہ وہ عمل اختیاری ہے جسکو آیت ۔ وَ اِنْ تُبْدُوْا میں فرمایا گیا (تفصیل سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے)

حَبْلِ الْوَرِیْدِ لغت میں دھڑکتی ہوئی رگ کو کہا جاتا ہے وہ گردن کی رگ ہے جسکو شہ رگ اور رگِ جان بھی کہا جاتا ہے جس سے مراد انسان کی روح اور جان ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ رب العزت انسان سے اسکی جان سے بھی زیادہ قریب ہے اور یہ قرب ظاہر ہے کہ اللہ کے علم اور قدرت کے لحاظ سے قرب ہے یعنی انسان کو اپنے احوال کا علم اتنا نہیں ہوتا جتنا کہ اللہ کو اسکے احوال کا علم ہے ۔

استاذ محترم شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں علت اور منشاء کو معلول اور ناشی کے ساتھ وہ قرب حاصل ہوتا ہے جو معلول اور ناشی کو خود اپنے نفس سے بھی نہیں ہوتا (کیونکہ علت پر معلول کا اور منشأ پر ناشی کا وجود موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ موقوف علیہ موقوف سے تقدم رکھتا ہے تو اس وجہ سے خداوند عالم کا یہ فرمانا ہے کہ ہم تو انسان سے بہ نسبت اسکی رگ جاں سے زیادہ قریب ہیں[1])

حضرت شاہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ اللہ اندر سے نزدیک ہے اور رگ آخر باہر ہے جان سے کسی نے خوب کہا ۔

جاں نہاں در جسم واو در جاں نہاں
اے نہاں اندر نہاں اے جانِ جاں

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ سے مراد دو فرشتے ہیں جو خدا کے حکم سے ہر وقت اسکی تاک میں لگے رہتے ہیں جو بھی لفظ اسکے منہ سے نکلتا ہے لکھ لیتے ہیں ایک داہنی طرف ہوتا ہے جو نیکیاں لکھنے پر مامور ہوتا ہے اور دوسرا بائیں طرف ہوتا ہے جو بدی اور گناہ لکھنے پر مقرر ہوتا ہے ان دو فرشتوں کا محل کیا ہے؟ اس بارہ میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں ۔

امام[2] احمد بن حنبلؒ نے بلال بن حارث مزنیؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بندہ کبھی ایک کلمہ اللہ کی خوشنودی کا بول دیتا ہے جسکو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ ایک کلمہ اس درجہ تک پہنچ جائے گا تو اسی ایک کلمہ کی بدولت اس کے واسطے قیامت تک کیلئے اللہ کی رضامندی کا پروانہ لکھ دیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایک کلمہ اللہ کی ناراضگی کا بول دیتا ہے ۔ حالانکہ اسکو اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ اس درجہ تک پہنچ دے گا تو اسی ایک کلمہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی قیامت تک کے واسطے لکھ دی جاتی ہے ۔

---

[1] فوائد عثمانی ۔ ۱۲ [2] تفسیر ابن کثیر ۱۲

علقمہؒ اس روایت کو نقل کرکے کہا کرتے تھے کہ بہت سی باتیں ہیں جنکو میں اس وجہ سے کہنے سے باز رہتا ہوں یعنی اس فرمان کا تصور مجھ کو ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرنے کی جانچ پڑتال پر آمادہ کرتا ہے اور میں انتہائی احتیاط اختیار کرتا ہوں۔

احنف بن قیسؒ کہا کرتے تھے داہنے ہاتھ والا فرشتہ جو خیر لکھتا ہے دوسرے فرشتے پر نگران رہتا ہے کہ اگر بندے نے کوئی خطا کرلی تو داہنے ہاتھ والا فرشتہ بائیں جانب والے کو کہتا ہے ذرا ٹھیر جا ابھی اسکی برائی نہ لکھ تاکہ اس مہلت میں بندہ استغفار کرلے لیکن بندہ نے اگر استغفار نہ کیا تو پھر لکھ لینا ہے حسن بصریؒ یہ آیت عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ الخ. پڑھ کر فرمایا کرتے اے ابن آدم تیرا نامۂ اعمال تیرے لئے کھول رکھا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کردیتے ہیں ایک تیری داہنی جانب ہے اور دوسرا بائیں جانب داہنی جانب والا تیری نیکیاں لکھ رہا ہے اور بائیں جانب والا تیری برائیاں لکھ رہا ہے اب تیری مرضی جو عمل چاہے کر کم کر یا زیادہ کر یہاں تک کہ جب تو مر جائے گا تو تیرے یہ صحیفے لپیٹ کر تیری گردن میں ڈال دیئے جائیں گے یہاں تک کہ جب قیامت کے روز تو اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس وقت کہا جائے گا۔ اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا. اس کے بعد فرمایا کرتے خدا کی قسم تیرے بارہ میں اس ذات نے عدل وانصاف کیا جس نے خود تیرے نفس کو تیرا محاسب بنایا اسی کو حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا۔

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ. سکرۃ الموت موت کی بے چینی کا نام ہے جو جسمانی طور پر نزع روح کے وقت پیش آتی ہے یہ سکرۃ الموت ہر ایک کے حق میں ہے حدیث صحیح میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب موت کی کیفیت واقع ہونے لگی تو آپ کی پیشانی پسینہ آلود ہوگئی آپ پیشانی کا پسینہ پونچھتے جاتے اور فرماتے سبحان اللہ ان للموت سکرات۔

اس آیت میں ہر انسان کی موت کا ذکر ہے اور ہر انسان کی موت اسکے حق میں قیامت ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے ان من مات فقد قامت قیامتہ کہ جو شخص مرگیا بس اسکی تو قیامت شروع ہوگئی تو اس انفرادی قیامت کے ذکر کے بعد عمومی اور اجتماعی قیامت (جو کل عالم کائنات پر برپا ہوگی) کا ذکر فرمادیا گیا وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ۔

ابن جریرؒ نے یحییٰ بن رافعؒ سے نقل کیا کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے آیت وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ سنی اور فرمایا سائق محشر کی طرف گھسیٹ رہا

ہمہ تفسیر ابن کثیر - تفسیر قرطبی۔

ہوگا اور شہید اسکے ہر عمل کی گواہی دیتا ہوگا مجاہدؒ وقتادہؒ بیان کرتے تھے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سائق فرشتہ ہے اور شہید انسان کا عمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے فرمایا سائق تو فرشتوں میں سے ہوگا لیکن شہید خود وہ انسان ہے اپنے ہر عمل کی خود ہی گواہی دے رہا ہوگا جیسے کہ " اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ " میں واضح فرما دیا گیا۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ سائق وشہید کافر کے حق میں ہوگا اور بعض کا خیال ہے کہ ہر شخص خواہ وہ نیک یا بدکار ہو ہر ایک کے واسطے یہی ہوگا کہ ایک سائق ہے اور دوسرا شہید۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ

جس دن ہم کہیں دوزخ کو، تو بھر چکی، اور وہ بولے گی

هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ

کچھ اور بھی ہے اور نزدیک لائی گئی بہشت، ڈر والوں کے واسطے

بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾

دور نہیں یہ ہے جس کا وعدہ ہے تمکو، ہر ایک رجوع رہنے یا درکھنے والے کو

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾

جو ڈرا رحمٰن سے بن دیکھے اور لایا دل جس میں رجوع ہے

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ

چلے جاؤ اسمیں سلامت یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا انکو ہے وہاں جو چاہیں

فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ

اور ہمارے پاس ہے کچھ زیادہ بھی اور کتنی کھپا چکے ہم ان سے پہلے سنگتیں

هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۭ هَلْ مِنْ

انکی قوت زبردست تھی ان سے، پھر لگے کرید کرنے شہروں میں کہیں ہے

مَّحِيصٍ ﴿٣٦﴾ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَن كَانَ لَهُ

بھاگنے کو ٹھکانا ؟ اس میں سوچنے کی جگہ ہے اسکو جس کے اندر

قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا

دل ہے یا لگا دے کان دل لگا کر اور ہم نے بنائے

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۖ وَّ

آسمان اور زمین اور جو اُنکے بیچ ہے چھ دن میں اور

مَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ ﴿٣٨﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَ

ہم کو نہ آئی کچھ ماندگی ۔ سو تو سہتا رہ جو کہتے ہیں اور

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿٣٩﴾

پاکی بول خوبیاں اپنے رب کی ، پہلے سورج نکلنے سے اور پہلے ڈوبنے سے

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿٤٠﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ

اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیچھے سجدے کے اور کان رکھ جسدن

يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يَسْمَعُونَ

پکارے گا پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے جس دن سنیں گے

الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿٤٢﴾ إِنَّا نَحْنُ

چنگھاڑ تحقیق ۔ وہ ہے دن نکل پڑنے کا ۔ ہم ہیں

نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ

جلاتے اور مارتے اور ہم تک ہے پہنچنا جس دن زمین پھٹ کر

عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ

نکل پڑے وہ دوڑتے یہ اکٹھے کرنا ہم کو آسان ہے ہم خوب جانتے ہیں

بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ

جو کچھ وہ کہتے ہیں اور نہیں تو ان پر زور کرنے والا سو تو سمجھا

بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ﴿٤٥﴾

قرآن سے اس کو، جو ڈرے میرے ڈرانے سے

شدت عذاب خداوندی بر مجرمین وعزت واکرام مطیعین

قال اللہ تعالیٰ يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ ...... الیٰ ..... مَن يَخَافُ وَعِيدِ

ربط: گذشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ خداوند عالم کا علم جملہ احوال بشریہ کو محیط ہے کہ کوئی مجرم نہ اسکے احاطۂ علم سے غائب ہو سکتا اور نہ اسکی قدرت وگرفت سے بچ سکتا ہے تو اب ان آیات میں مجرمین کے عذاب کی شدت بیان کی جارہی ہے اور ساتھ ہی اہل ایمان اور مطیعین پر جو کچھ انعام وکرم ہوگا اس کا ذکر ہے کہ وہ کس اعزاز کے ساتھ جنت میں داخل کیے جائیں گے اسی کے ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ ہدایت اور قبول حق کا دارومدار قلب کی سلامتی اور رجوع الی الحق پر ہے اگر قلب امراض خبیثہ میں مبتلا ہے تو دلائل وحجج اسکے واسطے بیکار ہیں اور اگر قلب تو بیمار نہیں لیکن توجہ اور رغبت قبول حق اور ہدایت کی نہیں تو بھی کوئی نفع حاصل نہ ہوگا یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ راہ حق میں انسان کو بڑی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آیا کرتی ہیں اس لیے صبر واستقامت چاہیے اور صبر وعزم ذکر خداوندی اور تسبیح وتحمید پر موقوف ہے کیونکہ یہ روح کی غذا ہے اسی سے روح کو قوت وتوانائی حاصل ہوتی ہے ان مضامین کو حشر اور قبور سے نکل کر حساب وکتاب کے لیے حاضری کے مضمون پر ختم فرمایا ارشاد ہے جس روز کہ ہم کہیں گے جہنم سے کیا تو بھر چکی وہ اپنی شدت اور وسعت اور پھیلاؤ اور غیظ وغضب کی حالت میں جواب دے گی اور کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ جس سے مجھے بھرا جائے گا اور مجرموں کو انکے کفر ونافرمانی کی سزا دی جائے گی اور اس وقت جب کہ کافروں کے سامنے قہر خداوندی کا یہ ہیبت ناک منظر ہوگا قریب کر دی جائے گی جنت تقوٰی والوں کے لیے جو دور نہ ہوگی جو نہایت ہی نزدیک پوری زیب وزینت کے ساتھ اہل ایمان کے سامنے ہوگی اس وقت کہا جارہا ہوگا یہ ہے جس کا وعدہ ہوا تھا اے ایمان والو! ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اسکے احکام واوامر کی حفاظت کرنے والا ہو بے شک جس نے خشیت اور تقوٰی اختیار کیا حالت غیب میں یعنی بغیر خدا اور قیامت کو دیکھے ہوئے پروردگار رحمٰن سے اور لے کر آیا ایک صاف ستھرا دل رجوع کرنے والا اس پر ایسا ہی انعام وکرم ہوگا اس قسم کے جملہ اہل ایمان وتقوٰی سے کہا جائے گا داخل ہو جاؤ

اس جنت میں سلامتی کے ساتھ یہی دن ہمیشہ رہنے کا ہے عافیت و سلامت کا اعلان خداوند عالم کی طرف سے بھی ہو رہا ہوگا اور فرشتے بھی یہی بشارت سُنا رہے ہوں گے ان اہل ایمان کے واسطے جنت میں جو کچھ چاہیں گے وہ ہوگا اور ہر خواہش پوری ہوگی بلکہ ہمارے پاس تو انکے لیے اس سے بھی زائد ہے کہ اہل جنت کی طلب اور خواہش ختم ہو جائے گی اور انکے تصور میں بھی وہ انعامات نہ آسکیں گے جو انکی خواہش اور طلب سے بڑھ کر دیئے جائیں گے پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اعلان ہوگا رضاء خداوندی کا فرمایا جائے گا رضائی لا اسخط علیکم بعدی ابدا ۔ اور مزید اس پر دیدارِ خداوندی سے بھی ـــــ نوازے جائیں گے ظاہر ہے یہ سب کچھ انعام و اکرام اہل ایمان و تقویٰ پر ہوگا لیکن انکے بالمقابل کافرون نافرمانوں کے واسطے تو ذلت و رسوائی اور عذاب کے سوا کچھ نہیں اور آخرت کا عذاب تو کوئی کیا ٹلا سکے گا دنیا میں بھی جب خدا کا قہرو عذاب کسی مجرم قوم پر مسلط ہوتا ہے تو اسکو کوئی روک نہیں سکتا۔ چنانچہ اور کتنی ہی جماعتیں ہم ہلاک کر چکے ان کفارِ مکہ سے پہلے جو ان سے زیادہ طاقت اور گرفت والے تھے جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے جیسے قوم عاد و ثمود اور اہل مدین لیکن جب ان پر عذاب خداوندی آیا تو کیا کوئی ہوا ان میں بچ کر نکل جانے والا نہ کوئی بھاگ سکا نہ کسی کو کوئی ٹھکانا اور پناہ مل سکی بے شک اس میں سوچنے اور عبرت حاصل کرنے کی جگہ ہے ہر اس شخص کے لیے جس کے اندر قلب سلیم ہے یا وہ توجہ سے اللہ کی باتوں کو سنے دراں حالیکہ وہ غور و فکر کرنے والا ہو تو بلا شبہ ان عبرتناک واقعات سے اسکے سینہ میں سمجھنے والا دل قبول حق کے واسطے تیار ہو جائے گا جنت و جہنم کے ان احوال اور وسعتوں پر کسی کو کوئی تعجب و حیرت کی قطعاً ضرورت نہیں ہم تو ہر چیز پر قادر ہیں اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور انکے درمیان جملہ مخلوقات کو چھ دن کے اندر بنا دیا اور ہم کو کوئی تکان نہ ہوا اور چھ دن کی مدت بھی محض ان مخلوقات کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے لگائی ورنہ تو اللہ ایک آن اور لمحہ میں ہی ساری کائنات پیدا کرنے پر قادر ہے تو جب ہم ان تمام عظیم مخلوقات کو ابتداءً پیدا کر چکے تو ہمارے واسطے دوبارہ لوگوں کو زندہ کر کے اٹھانا اور جنت جیسی مخلوقات کا بنانا کیا مشکل ہو سکتا ہے تو اگر ان حقائق کے باوجود بھی کفار و مشرکین نہ مانیں اور انکار ہی کرتے رہیں اور آپ کی باتوں کا تمسخر و مذاق کریں تو بس آپ صبر کیجیے ان باتوں پر جو یہ منکرین کہتے ہیں اور پاکی بیان کرتے رہیئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوتے سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے اور رات کے کچھ حصوں میں بھی خدا کی پاکی بیان کرتے رہیئے اور سجدہ کرنے کے بعد بھی جب بھی فرض نماز ادا کریں اور اس میں سجدوں سے فارغ ہوں تو ان سجدوں کے بعد خدا کی تسبیح و پاکی کرتے رہیئے اور اسی طرح ہمہ اوقات یادِ خداوندی میں لگے رہیئے اور کان لگائے رکھو اس دن پر کہ پکارنے والا پکارے قریب ہی جگہ سے یہ وہ دن ہوگا کہ لوگ سُنیں گے ایک چیخ ٹھیک ٹھیک بس یہی دن نکل پڑنے کا ہوگا مُردوں کا اپنی قبروں سے یا جس جگہ بھی اور جس حالت میں انسان کے بدن اور اسکے اجزاء ہوں گے سب کو خدا تعالیٰ جمع کرے گا بے شک ہم

ہی زندگی دیتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف سب کو لوٹنا ہے یہ وہ دن ہوگا کہ زمین شق ہو جائے گی ان سے اور زمین کے پھٹ جانے سے اس سے مردے نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہو رہے ہوں گے نہایت ہی تیزی سے دوڑتے ہوئے یہ اکٹھا کرنا ہم پر نہایت ہی آسان ہے عہ

ہم خوب جانتے ہیں وہ باتیں جو کہہ رہے ہیں آپ کی مخالفت اور دشمنی میں اور آپ ان پر کوئی زبردستی کرنے والے نہیں کہ کسی کو ہدایت پر زبردستی لے آئیں یا اسکی بے ہودہ باتوں سے اسکو روک دیں سو آپ تو نصیحت کرتے رہیئے قرآن کے ذریعہ ہر اس شخص کو جو میری دھمکی سے ڈرتا ہو اس طرح کی تذکیر و نصیحت اور یاد دہانی سے ہر وہ شخص جسکے دل میں ادنے درجے کا بھی خوفِ خدا ہے وہ کفر و عناد سے باز آجائے گا اور امید ہے کہ ہدایت اور حق قبول کرلے ———— نصیحت و فہمائش بہرکیف نفع سے خالی نہیں اور انجام خدا کے حوالہ کر دیجئے بندہ کے لیے ہر معاملہ میں تفویض الی اللہ ہی چاہیئے اسی میں کامیابی اور اللہ کی مدد اور رضا و خوشنودی ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔

عہ ظاہر ہے کہ جب ایک انسان عاجز خدا کے عطا کردہ اسباب اور مادی وسائل سے فضا میں منتشر آوازوں اور صورتوں کو جمع کر سکتا ہے تو اس قادرِ مطلق اور خالق کائنات کے لیے انسانوں کا قیامت کے روز جمع کرنا کیا مشکل ہو سکتا ہے (تفصیل پہلے گذر چکی ہے) يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں یہ ندا کرنے والے فرشتہ حضرت اسرافیلؑ ہیں جو بامر خداوندی نفخ صور کے ساتھ یہ آواز دیں گے۔ ایتها العظام البالية والشعور المتفرقة والاوصال المتمزقة ان الله يامركن ان تجتمعن کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اور پراگندہ بالو! اور ریزہ ریزہ شدہ ہڈیوں کے جوڑو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم سب یکجا جمع ہو جاؤ۔

چنانچہ یہ ندا ہر مخلوق کو ایسی سنائی دیگی گویا کہ اسکے قریب ہی سے اسکو پکارا جا رہا ہے اور انسانی بدن کے اجزاء منتشرہ جمع ہو جائیں گے یہ روایت جمہور متکلمین کے اس قول کی تائید کرتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا حشر جسمانی قیامت کے روز نئے اجسام کو بنانا نہیں بلکہ اجسام قدیمہ دنیویہ ہی کو از سرِ نو زندہ کرنا ہے اور ارواح کو ان سے وابستہ کرنا ہے واللہ اعلم بالصواب (تفسیر احکام القرآن للقرطبی و تفسیر مظہری)

عہ حافظ ابن کثیرؒ بیان کرتے ہیں کہ قتادہؒ جب یہ تلاوت کرتے تو فرمایا کرتے اللّٰهم اجعلنا ممن يخاف وعيدك ويرجوا وعدك يا بار يا رحيم. کہ اے اللہ تو ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے جو تیری وعید اور دھمکی سے ڈرتے ہوں اور تیرے وعدہ کی امید لگائے ہوتے ہوں۔ اے کریم مہربان

آمین برحمتك يا ارحم الراحمين

هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کی تفسیر

هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کی تفسیر میں امام بخاریؒ نے انس بن مالکؓ سے روایت نقل کی ہے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جہنم کا ایندھن جہنم میں ڈالا جارہا ہوگا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو بھر گئی ؟ تو جواب دے گی نہیں ۔ ہے کچھ اور ؟ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ اپنا قدم (بے چون وچگوں) اس پر رکھ دے گا تو کہے گی قط قط ۔ بس بس ۔

امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اسی مضمون کو قدرے تفصیل کے ساتھ بروایت انسؓ بیان کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جنت میں کشادگی ہی باقی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ ایک نئی مخلوق پیدا کرکے جنت کی اس زائد جگہ کو پُر فرمائے گا ۔

امام مسلمؒ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت نقل کی بیان فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت وجہنم کا باہم مناظرہ اور حجت بازی ہوگی جہنم کہے گی کہ دیکھو میرے میں کس قدر بڑے بڑے مغرور ومسرکش اور جبار لوگ ہیں مثلاً فرعون ۔ ہامان وشداد وغیرہ وغیرہ اس وجہ سے میری حیثیت بہت اونچی ہے کیونکہ اونچے طبقے کے لوگ میرے اندر ہیں ۔ جنت بولے گی ٹھیک ہے مجھے کیا ہوا اگر مجھ میں ضعفاء ومساکین اور درویش قسم کے لوگ ہیں اس پر ارشاد خداوندی ہوگا جنت کیلئے اے جنت تو میری رحمت ہے تیرے ذریعہ سے میں بندوں میں سے جس پر چاہتا ہوں رحم کرتا ہوں اور اے جہنم تو تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ میں جسکو عذاب دینا چاہتا ہوں عذاب دیتا ہوں اور تم میں سے ہر ایک کو پُر کیا جانا میرے ذمہ ہے ۔

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ الخ کی تعلیم سے یہ بات واضح کی جارہی ہے کہ منکرین ومکذبین کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ اور ذریعہ یہی ہے کہ انکی طرف سے پیش آمدہ اذیتوں پر صبر کیا جائے اور اپنا معاملہ خدا کے حوالہ کرتے ہوتے اسکی یاد اور تسبیح وتحمید میں مصروف ہوجانا چاہیئے یہ تفویض اور انابت الی اللہ ہی دشمنوں پر غالب وکامیاب بنائے گی ۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۔ میں ان دو اوقات کی تخصیص یا تو اس امر پر مبنی ہے کہ اسراء ومعراج سے قبل دو نمازیں فجر اور عصر فرض تھیں اور تہجد (قیام لیل) کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت پر واجب کیا گیا تھا جو ایک سال تک رہا جسکے بعد قیام لیل کا وجوب امت کے حق میں منسوخ کردیا گیا اور جب معراج میں پنجگانہ نمازیں فرض ہوگئیں تو اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق ہر ایک سے اس کا وجوب منسوخ کردیا گیا ۔ گوکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر پابندی ایسی ہی کرتے تھے جیسے کہ امر واجب کی کی جاتے حتیٰ کہ کسی رات اگر ضعف یا بیماری کے باعث قیام لیل نہ فرماسکے تو اسکی قضا کے طور پر طلوع شمس اور زوال کے درمیانی وقت میں بارہ رکعت ادا فرمالیتے ۔ (کما ورد فی الاحادیث الصحاح)

امام احمد بن حنبلؒ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ ایک روز ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے (رات کا وقت تھا) آپؐ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا (اے لوگو!) بے شک تم اپنے رب کے سامنے پیش کیئے جاؤ گے اور پھر تم اپنے رب کا دیدار اسی طرح کرو گے جیسے اس وقت تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھ رہے ہو جس میں تمہیں کسی قسم کی دقت و رکاوٹ نہیں (اور فرمایا) اگر تم سے ہو سکے تو تم ہرگز عاجز نہ ہونا اس نماز سے جو قبل طلوع الشمس ہے اور اس نماز سے جو غروب سے پہلے ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ۔

وَأَدْبَارَ السُّجُودِ کی تفسیر میں مجاہدؒ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ نمازوں کے بعد والی تسبیحات ہیں جیسا کہ اس حدیث مشہور میں وارد ہوا جس میں آپؐ نے فقراء مہاجرین کو ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللّٰہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للّٰہ اور ۳۴ مرتبہ اللّٰہ اکبر۔ اور ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ لہُ الملک ولہُ الحمد وھو علی کل شیئٍ قدیر۔ پڑھنے کی ہدایت فرمائی تھی اسکی دوسری تفسیر جو بروایت عکرمہؒ اور شعبیؒ منقول ہے "دو رکعتیں بعد مغرب ہیں"۔

امام احمد بن حنبلؒ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض کے بعد علاوہ فجر اور عصر دو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رہا تاکہ حضورؐ کا معمول رات کی عبادت کا دیکھ سکوں تو آپؐ جب فجر کی نماز کے لیئے جانے لگے تو آپؐ نے دو رکعتیں ہلکی ادا کیں اور فرمایا اے ابن عباسؓ رکعتین قبل الفجر ادبار النجوم، دو رکعتیں بعد المغرب ادبار السجود۔ یعنی ستاروں کے پیچھے پھرنے پر تسبیح کا حکم آیۃ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ میں فجر سے پہلے کی دو سنتیں ہیں اور تسبیح کا حکم أَدْبَارَ السُّجُودِ اس آیت ق میں وہ مغرب کے بعد والی دو سنتیں ہیں۔

تم بحمد اللّٰہ تفسیر سورۃ قٓ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الذَّارِيَات

اس سورت کے مضامین بھی زیادہ تر اثبات حشر و نشر ہی پر مشتمل ہیں گذشتہ سورت تخلیق کائنات اور انسان کے جملہ احوال پر حق تعالیٰ شانہٗ کے علم قدرت کا احاطہ بیان کرتے ہوئے ان حقائق کو ثابت

فرمایا گیا تھا کہ کسی بھی مجرم اور نافرمان منکر کو اللہ کی گرفت اور عذاب سے بے فکر اور مطمئن نہ ہو جانا چاہیئے اور نہ ہی وہ کسی طرح حق تعالیٰ کی گرفت سے بچ سکتا ہے اس کے ساتھ اثباتِ قیامت کے لیے دلائل قدرت اور مشاہداتِ کو بھی پیش کیا گیا کہ کسی درجہ میں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں تردد باقی نہ رہے اب اس سورت میں وقوع قیامت کی نہایت عظمت اور اہمیت کے ساتھ خبر دی جارہی ہے اور انسانوں کو پوری قوت کے ساتھ یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ آخرت سے غافل نہ ہوں فکر آخرت اور اسکی تیاری میں مصروف ہو جائیں یوں تو قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ہیں جو مسئلہ حشر و نشر اور اثبات قیامت پر مشتمل ہیں لیکن جس عظمت و جلال اور پرُ رعب انداز سے کلام الٰہی اس موقعہ پر قیامت کا ذکر فرما رہا ہے وہ انداز اور طرزِ تعبیر بھی مستقل ایک معجزانہ شان رکھتی ہے اسی وجہ سے قسم کے عنوان سے مضمون کا آغاز فرمایا جارہا ہے۔

آیاتُها ۶۰ — ۵۱ سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۶۷ — رُكُوعَاتُهَا ۳

سورۃ ذاریات مکی ہے اور یہ ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿١﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿٢﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿٣﴾

قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر - پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو پھر چلنے والیاں نرمی سے

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿٤﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿٥﴾ وَّاِنَّ

پھر بانٹنے والیاں حکم سے بے شک جو وعدہ دیا تم کو سو سچ ہے اور بے شک

الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿٧﴾ اِنَّكُمْ

انصاف ہونا ہے قسم ہے آسمان جالی دار کی تم پڑے

لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴿٩﴾

رہتے ہو ایک جھگڑے کی بات میں اس سے باز رہے وہی جو پھیرا گیا۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ

مارے گئے اٹکل دوڑانے والے وہ جو غفلت میں ہیں بھول

سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ هُمْ

رہے پوچھتے ہیں، کب ہے دن انصاف کا؟ جس دن وہ

عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ

آگ پر اُلٹے سیدھے پڑیں گے چکھو مزہ اپنی شرارت کا یہ ہے جسکی

كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

تم شتابی کرتے تھے۔

اعلانِ وقوعِ قیامت و تنبیہ و توبیخ بر تردّد و انکار حشر و نشر

قال اللہ تعالیٰ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ...... الیٰ ...... كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ

(ربط) سورۂ ق کا مضمون قیامت اور حشر و نشر کے ثابت کرنے پر مشتمل تھا اور اسی ضمن میں کچھ احوال قیامت حساب وکتاب کی پیشی مجرمین کی سزا اور مطیعین پر انعامات کا ذکر تھا اب اس سورۂ پاک میں وقوع قیامت کا اعلان فرمایا جا رہا ہے اور ہواؤں، بادلوں ستاروں اور وہ فرشتے جو نظام کائنات پر مامور ہیں انکی قسم کھا کر ایک طرف اس اعلان کے گویا دلائل پیش کیے جا رہے ہیں کہ جس ذات کے قبضۂ قدرت میں یہ عظیم کارخانہ چل رہا ہے وہی ذات قادر مطلق جب چاہے۔ اس نظام عالم کو درہم برہم کر کے قیامت برپا کر دے تو دوسری جانب احوالِ قیامت کی ہیبت وعظمت بھی مخاطبین کے ذہن میں قائم کی جا رہی ہے اور انکی غفلت ولاپرواہی پر توبیخ و ملامت بھی ہے۔ ارشاد فرمایا:

قسم ہے ان ہواؤں کی جو بکھیرتی ہیں اڑا کر پھر قسم ہے انکی جو اٹھانے والی ہیں بوجھ کو پھر قسم ہے انکی جو چلنے والی ہیں نرمی سے پھر قسم ہے اُن کی جو تقسیم کرنے والی ہیں از روئے حکم بے شک بس یہی ہے کہ جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ یقیناً سچا ہو کر رہے گا کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اس حیاتِ دنیوی کے بعد دوبارہ قیامت میں اللہ جل شانہٗ کے روبرو حاضر ہونا ہے اور بے شک انصاف ہونا ہے کہ نہ کسی کی کوئی نیکی ضائع ہوگی اور نہ بدی کی سزا سے بچ سکے گا اور ہر ظالم خواہ اس نے دوسرے پر ظلم کیا ہو یا اپنی ذات پر ظلم کا بدلہ بہر حال اس پر ہوگا قسم ہے آسمان کی جو جال والا ہے کہ ستاروں کا جال اس پر گھرا ہوا ہے جو آسمان پر رونق کا باعث ہونے کے علاوہ خداوند عالم کی عظیم قدرت کی بہترین نشانی بھی ہے ان دلائل اور نشانیوں کے باوجود بھی حق سے انحراف وانکار کرنے والے لوگو! بے شک تم تو ایک جھگڑے کی

بات میں پڑے ہوتے ہو اس سے وہی باز رہے گا جو اس سے پھیر دیا گیا اور اپنی بدنصیبی کی وجہ سے کہ خیر وسعادت کی راہ کو قبول کرنے سے محروم رہا۔ تو ظاہر ہے جو سعادت وخیر سے دھتکار دیا گیا اسکے مقدر میں اب کہاں سے ہدایت وسعادت حاصل ہو سکتی ہے ہلاک ہوں اٹکل وتخمین لگانے والے لوگ جو اپنی غفلت وجہالت میں بھٹک رہے ہیں پوچھتے ہیں تمسخر اور مذاق کے انداز میں بتائیے تو کب ہے وہ جزا کا دن ایسے احمقانہ سوال کرنے والوں کو جواب دے دو جزاء کا دن وہ ہوگا جس دن وہ جہنم کی آگ پر آزمائے جائیں گے اور اوندھے منہ آگ پر انکو ڈالا جارہا ہوگا۔ یَوۡمَ یُسۡحَبُوۡنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ۔ اس وقت کہا جاتا ہوگا چکھو لو مزہ اپنی شرارت وخباثت کا یہی تو ہے وہ عذاب یا جزاء کا دن جسکی تم جلدی کر رہے تھے اور پوچھ رہے تھے کہ کب آئے گا وہ انصاف کا دن جیسا کہ انکو اس دن کا بہت انتظار ہے اور اسکی تاخیر انکو بھاری معلوم ہو رہی ہے تو جب عذاب ان پر مسلط ہوگا تو کہا جاتا ہوگا کہ بس اب دیکھ لو اور یقین کر لو بلاشبہ انکے استہزاء وتمسخر کا ایسا ہی جواب قدرت کی طرف سے ہونا چاہیے سو ایسے منکرین اور گستاخ لوگوں کو ہماری طرف سے سب کچھ سُنا دیا جائے۔

کلمات قسم کی تشریح

وَالذّٰرِیٰتِ الخ۔ میں واؤ قسمیہ ہے جیسے وَالصّٰٓفّٰتِ وغیرہ میں قسم کے معنی ہیں لفظ ذاریات جمع ذاریۃٌ کی ہے ذرو اسکے معنی بکھیرنے کے ہیں تو ذاریات اہل عرب کے یہاں ان ہواؤں کو کہا جاتا ہے جو غبار اور ذرات بکھیرتی ہیں گویا تیز ہوائیں اور آندھیاں اس کا مصداق ہوئیں پھر ان سے بادل بنتے ہیں جن میں اللہ کی قدرت سے پانی کے ذخائر جمع ہوتے ہیں اور اس طرح یہ ہوائیں ان بادلوں کو لیے پھرتی ہیں اور بوجھ اٹھائے ہوتی ہیں جب پانی برسنے کا وقت قریب آتا ہے تو ان ہواؤں میں نرمی آجاتی ہے پھر اللہ کے حکم سے جہاں جس قدر بارش کا حصہ ہوتا ہے تو وہ زمین کے اس حصہ کو تقسیم ہو جاتا ہے تو اس لحاظ سے یہ ہوائیں جنکی تحریک سے یہ بادل حرکت میں آتے اور برسے گویا تقسیم کرنے والی ہوئیں۔

یہ تفسیر ان ائمہ مفسرین کے قول پر ہے جنکی رائے یہ ہے کہ یہ چاروں یعنی ذاریات، حاملات، جاریات اور مقسمات ہواؤں ہی کی صفات ہیں لیکن بعض ائمہ مفسرین ذاریات سے ہوائیں مراد لیتے ہیں اور حاملات سے بادل جاریات سے کشتیاں اور بعض ستارے اور مقسمات سے فرشتے مراد لیتے ہیں۔

سعید بن المسیبؒ بیان کرتے ہیں ایک شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کیا اے امیر المؤمنین مجھے بتائیے کہ وَالذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا۔ کیا ہے؟ فرمایا یہ ہوائیں ہیں اور اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنتا کبھی نہ کہتا پھر پوچھا فرمائیے حٰمِلٰتِ وِقۡرًا کیا ہے؟ فرمایا بادل ہیں اور اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سُنتا کبھی نہ کہتا پھر سوال کیا کہ جٰرِیٰتِ یُسۡرًا

کیا ہے جواب دیا کشتیاں ہیں جو سمندر میں بڑی سہولت اور آسانی سے تیرتی ہیں اور حسب سابق اسکو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا پھر کہا اچھا فَالْمُقَسِّمٰتِ کے کیا معنی ہیں فرمایا یہ ملائکہ ہیں جو اللہ کی مخلوق پر اس کا رزق تقسیم کرنے والے یا اسکے اوامر و احکام مخلوقات تک پہنچانے والے ہیں تو جمہور مفسرین کے مشہور قول کے مطابق الجاریات سمندر میں تیرنے والی کشتیاں اور جہاز ہیں اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کی تفسیر میں الجاریات سے مراد ستارے ہیں تو اس لحاظ سے ان آیات میں جن اشیاء کی قسم کھائی گئی وہ عالم زمین سے ہوائیں اور عالم جو سے بادل اور ملکوت السمٰوٰت سے ستارے اور فرشتے ہوتے اس طرح ان مخلوقات عظیم کا ذکر نہایت ہی لطیف انداز سے ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ کا نمونہ ہو گیا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے[1]

مسند بزار میں اس طرح کا مضمون حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا ہے جب کہ وہ کوفہ کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے ان کلمات کی تفسیر دریافت کی اور آپؓ نے اسی طرح جواب دیا[2]۔

"اَیَّانَ" لغت عربیہ میں زمانہ اور وقت کے سوال کے لیئے وضع کیا گیا ہے لیکن اس کا استعمال اس موقعہ پر ہوتا ہے جہاں متکلم کسی چیز کی آمد بعید اور ناقابلِ تسلیم سمجھتا ہو برخلاف لفظ متیٰ کے کہ وہ مطلق سوال عن الوقت کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے الغرض لئے اس سوال میں عناد و انکارِ قیامت اور یہ کہ جس قیامت کی دھمکی دی جارہی ہے وہ کہاں آتے گی تو اس طبعی شقاوت کے باعث جواب میں تنبیہ اور سختی کا رنگ اختیار کرتے ہوتے فرمایا یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں یہ جواب اسی طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کے واسطے پھانسی کا حکم ہو جاتے مگر وہ احمق باوجود قیام براہین کے محض اس وجہ سے کہ تاریخ نہیں بتلائی گئی تکذیب ہی کیتے جاتے اور یہی کہتا رہے اچھا وہ دن کب آتے گا چونکہ یہ سوال از راہ تعنُّت ہے اسلیئے جواب میں بجاتے تاریخ بتلانے کے یہ کہنا بھی نہایت ہی مناسب ہوگا "وہ دن اس وقت آتے گا جب تم پھانسی پر لٹکاتے جاؤ گے" تو اسی طرح یہاں اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ کے جواب میں بھی مناسب ہوا کہ فرمایا جاتے يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ۔ ان کلمات میں مجرمین پر تنبیہ کے بعد اہل انعام اور مطیعین کے انعام و اکرام کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ

البتہ ڈر والے باغوں میں ہیں اور

[1] تفسیر ابن کثیر - روح المعانی [2] بحوالہ تفسیر ابن کثیر۔

عُيُوْنٍ ﴿١٥﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ
چشموں میں پاتے ہیں جو دیا اُن کو انکے رب نے وہ تھے اس سے پہلے

ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿١٦﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾
نیکی والے وہ تھے رات کو تھوڑا سوتے

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ
اور صبح کے وقتوں معافی مانگتے اور ان کے مال میں

حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ
حصہ تھا مانگنے کا اور ہارے کا اور زمین میں نشانیاں ہیں

لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٢١﴾ وَفِي
یقین لانے والوں کو اور خود تمہارے اندر کیا تم کو سوجھ نہیں اور

السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَ
آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ۔ سو قسم ہے رب آسمان اور

الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿٢٣﴾
زمین کی کہ یہ بات تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو

انعام واکرام مطیعین و آثار ایمان و تقویٰ درحیات مومنین

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ... الیٰ .. مِثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا اور معاندین کے انکار قیامت پر تنبیہ و تہدید تھی اور عذاب خداوندی سے آگاہ کیا گیا تھا تو اب ان آیات میں معاندین و منکرین کے بالمقابل اہل ایمان و تقویٰ کے کچھ احوال اور انکی ایمانی زندگی کا رنگ بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ کی طرف سے جن انعامات سے انکو نوازا جائے گا اسکا اجمالی بیان ہے تو فرمایا جارہا ہے۔

بے شک تقویٰ والے اللہ کے فضل و انعام سے باغات اور چشموں میں ہوں گے جو چشمے اور نہریں ان کے محلوں کے نیچے سے بہہ رہی ہونگی بڑی فرحت اور خوشنودی کے ساتھ۔ لینے والے ہونگے ان نعمتوں کو جو انکے رب نے انکو عطا کیں اور یہ انعامات خداوندی اور اعزاز و اکرام اس بناء پر انکے لیئے ہوگا کہ بے شک اس سے پہلے وہ عالم دنیا میں نیکیاں کرنے والے تھے وہ ایسے محسن[لہ] اور نیکوکار اور اللہ رب العزت کی محبت اور ذوقِ عبادت میں مخمور تھے کہ بہت ہی کم رات کے حصہ میں ایسا ہوتا کہ وُہ سوتے ہیں اور باوجود عبادت کے اس ذوق و شوق اور انہماک کے وہ اپنے کو خطاوار ہی سمجھتے ہوتے صبح کے وقتوں میں اپنے رب سے معافی ہی مانگتے ہوتے ہیں اور ان کا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ ان مالوں میں حق ہے مانگنے والوں کا اور محتاج و تنگدست لوگوں کا اور خود اپنی رضا و خوشنودی طبع سے مساکین و تنگ دستوں کا ایک حصہ مقرر کر رکھا ہے گویا کہ یہ اہل اللہ اس حصہ مال کو ان کا حق سمجھ کر ادا کر رہے ہیں اور یہ خوبیاں اور محاسن خدا پر ایمان اور آخرت پر یقین کی صفت پر مبنی ہیں سو خدا پر ایمان اور آخرت پر یقین کے لیئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے روئے زمین کی نشانیاں تو بہت ہی عظیم و بلند ہیں۔ اور خود تمہارے اندر بے شمار دلائل و نشانیاں ہیں جن سے خدا کی قدرت پر کامل ایمان اور آخرت پر یقین حاصل ہوسکتا ہے تو کیا تمہیں یہ نشانیاں نظر نہیں آتی ہیں احسان و انفاق فی سبیل اللہ سے نفس میں ہرگز یہ خطرہ اور وسوسہ پیدا نہ ہونے دیا جانے کہ ہمارے مال میں کمی آجائے گی اور پھر ہم کہاں سے کھائیں گے اور آسمان میں رزق ہے جو تمہارے واسطے لکھ دیا گیا ہے اور وہ تمکو ہر حال میں ملے گا اور وہ ہر نعمت تم کو ملے گی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ صدقہ اور خیرات کی برکات میں سے ہے کہ ایک کا ثواب اور بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک ملے گا اور صدقات کی برکت دنیا میں بھی رزق اور مال کو کثیر کرے گی اور آخرت میں بھی اجر و ثواب کا مستحق بنائے گی سو قسم ہے آسمان و زمین کے رب کی یہ بات حق اور قطعی ہے جیسا کہ تم بولتے ہو اور تمکو اپنے بولنے میں کوئی شبہ اور شک نہیں اسی طرح اللہ کا وعدہ بھی یقینی اور حق ہے اس میں بھی ہرگز کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اہل ایمان و تقویٰ کے خصوصی اوصاف

ان آیات میں اہل ایمان و تقویٰ کے خصوصی احوال و اوصاف بیان فرماتے گئے جو انکے واسطے بارگاہ

لہ محسنین کے ترجمہ میں اختیار کردہ الفاظ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ صفت احسان بمعنی احسان فی العبادۃ ہے جو اخلاص اور کمال عبادت کا نام ہے اور یہ بھی مراد ہے کہ احسان بمعنی انعام و انفاق فی سبیل اللہ ہو کہ علاوہ زکوٰۃ کے وہ صدقاتِ نافلہ اور انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں لوگوں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرتے ہیں۔

خداوندی میں اعزاز واکرام کا باعث ہیں اس پہلے بیان کردہ گروہ کے برعکس جو اپنی نافرمانی اور سرکشی کے باعث خدا کے قہر وغضب اور عذاب کا مستحق بنا تو پہلی چیز تو یہ ذکر فرمائی گئی کہ وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے جو انکے سکون وراحت کی دلیل ہے دوسری چیز یہ فرمائی گئی ہے اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ کہ اللہ کے انعامات مسلسل ان پر ہو رہے ہوں گے جو انکو بڑی خوشی دیتے ہوں گے عطاءِ الٰہی کے قبول کرنے میں اس کے بندوں کو کس قدر لذت ہوتی ہے وہ اس سے ظاہر ہے پھر اس کا راز بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ انعام واکرام انکے ایثار وسخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ اور ذوقِ عبادت کے باعث ہے کہ پوری پوری رات اللہ کی عبادت میں گزار دیں اور بستروں پر پہلو بھی نہ ٹیکیں اور پھر اس درجہ کمال عبادت کے باوجود خشیت خداوندی کا یہ عالم کہ صبح کے اوقات میں استغفار میں مصروف ہوں جیسے کوئی قصوروار گڑگڑا کر معافی مانگتا ہو ان حضرات کو معرفت حق بھی اس درجہ اعلیٰ واکمل حاصل ہے کہ زمین کی نشانیوں اور خود اپنی ذات کی نشانیوں یعنی دلائل آفاق اور دلائلِ انفس سے اپنے عجز وذلت کو اور خالق کائنات کی عزت وعظمت کو خوب پہچان رہے ہوں پھر یہ کہ سائلین اور تنگ دستوں کو دیکر فخر وغرور یا احسان جتانا تو درکنار ان کا طرز اور اندازِ زندگی تو یہ بتاتا ہے کہ گویا انہوں نے اپنے اوپر اپنا حق سمجھ رکھا ہے نیز خدا پر اعتماد و بھروسہ اس درجہ کہ نہ تنگی کا خطرہ نہ مستقبل کا فکر بلکہ یہ اعتماد واعتقاد کہ ہمارا رزق آسمانوں پر اللہ کے پاس محفوظ ہے وہ ہمیں ضرور ملے گا اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ آخرت کا یقین۔ غرض یہ ہیں وہ اوصاف جو اہلِ ایمان وتقویٰ کے ان آیات میں نظر آتے ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ کی تفسیر میں بیان کیا کہ احنف بن قیسؒ اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کرتے تھے میں تو اس آیت کا مصداق اپنے کو نہیں پاتا (غایتِ تواضع کے باعث)

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ بیان کرتے ہیں کہ بنو تمیم کے ایک شخص نے میرے والد سے کہا اے ابو اسامہؓ قرآن کریم نے جس قوم کا ذکر کیا ہے كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ میں وہ صفت ہم اپنے میں نہیں پاتے ہم تو خدا کی قسم تھوڑا حصہ بھی رات کا قیام نہیں کرتے فرماتے ہیں میرے والد نے جواب دیا اچھا ہے اس شخص کے لیے جب اونگھ آئی تو سو گیا اور جب بیدار ہوا تو خدا کا تقویٰ اختیار کیا۔

حسن بصریؒ نے احنف بن قیسؒ سے نقل کیا وہ فرماتے تھے میں اپنے عمل کا جب اہل جنت کے اعمال سے موازنہ کرتا ہوں تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ بہت بلند مرتبہ لوگ ہیں اور ایک ایسی قوم ہیں کہ ہمارے اعمال انکے درجے تک نہیں پہنچ سکتے لیکن جب اپنے اعمال کا اہل جہنم کے اعمال سے موازنہ کرتے ہیں تو الحمد للہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم انکے درجہ کے نہیں انہوں نے اللہ اور اسکے رسول کی تکذیب کی اور الحمد للہ ہم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاتے ہیں اس لیئے بس ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ ہم اس گروہ میں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے فرمایا۔ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ تو اس وجہ سے امید یہی ہے کہ اللہ رب العزت ہم پر اپنی رحمت وعنایت کے ساتھ توجہ کرتے ہوئے درگزر فرمائے گا۔

غرض یہ اوصاف وہی ہیں جن کا ذکر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لاتے تو لوگ آپ کی طرف جوق در جوق رجوع کرنے لگے میں بھی انہی میں سے ایک تھا آپ کی مجلس میں جس وقت پہنچا اور آپ کے چہرۂ انور پر نظر پڑی تو ایک ہی نظر سے یقین کر لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا سب سے پہلی چیز جو میں نے آپ کی زبان مبارک سے سنی وہ یہ تھی يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ کہ اے لوگو! کثرت سے سلام کیا کرو (محتاجوں کو) کھانا کھلایا کرو صلہ رحمی کرو اور رات کے ان حصوں میں نماز پڑھو جب کہ لوگ سوتے ہوئے ہوں بس تم جنت میں سلامتی و عافیت کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

اور حدیث اختصام ملأ اعلیٰ میں ہے کہ جب درجات کا سوال کیا گیا تو آپ نے یہی کلمات ارشاد فرمائے افشاء السلام و اطعام الطعام والصلوٰۃ باللیل والناس نیام۔

المحروم کی تفسیر

المحروم کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہدؒ سے نقل کیا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس کا بیت المال میں کوئی حصہ نہ ہو اور نہ اسکے پاس کسب معاش کا کوئی ذریعہ ہو جس سے وہ اپنا گزارہ کر سکے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی تقریباً یہی مفہوم نقل کیا گیا۔

سعید بن المسیبؒ اور عطاءؒ بیان کرتے ہیں محروم وہ شخص ہے جسکا مال ضائع ہو گیا ہو قتادہؒ اور زہریؒ سے منقول ہے اس تنگ دست کو محروم کہتے ہیں جو لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتا ہو اور اس پر اس حدیث کو بیان کیا کرتے لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ بِالطَّوَّافِ الَّذِيْ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنِ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ لَهٗ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ کہ مسکین یہ گشت کرنے والا سائل نہیں ہے کہ اسکو ایک لقمہ دو لقمے در در بھٹکا رہے ہوں اور ایک کھجور دو کھجوریں ایک در سے دوسرے در پر پھرا رہی ہوں مسکین تو درحقیقت وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی سہارا نہ ہو اور نہ اسکی حالت وظاہری طور وطریق سے سمجھا جاتا ہو کہ وہ مسکین محتاج شخص ہے کہ

۱؎ جامع ترمذی ابواب صلوٰۃ اللیل - ۱۲

اسکو صدقہ ہی دے دیا جائے

وَفِي السَّمَاۤءِ رِزْقُكُمْ کی تفسیر میں بعض حضرات نے بیان کیا کہ یہ بارش ہے جس سے اللہ بندوں کا رزق پیدا فرماتا ہے بعض مفسرین نے نقل کیا کہ کسی اعرابی نے یہ آیت سُنی "فَوَرَبِّ السَّمَاۤءِ وَالْاَرْضِ" تو گھبرا کر کہنے لگا۔ سبحان اللہ یہ کون ہے جس نے خداوند رب جلیل کو غصہ دلایا یہاں تک کہ اسکو قسم تک کھانے کی نوبت آئی کیا ایسا بھی ہے کوئی کہ خدا کی بات کو سُن کر فوراً ہی تصدیق نہ کرے حتیٰ کہ وہ قسم کھا کر اپنی بات کو مؤکد و ثابت فرماتے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ

کیا پہنچی ہے تم کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے؟ جب

دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

اندر آئے اس کے پاس، تو بولے سلام! وہ بولا سلام ہے یہ لوگ ہیں اوپرے

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ

پھر دوڑا اپنے گھر کو، تو لایا ایک بچھڑا گھی میں تلا پھر انکے پاس رکھا، کہا

اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ

کیوں تم کھاتے نہیں؟ پھر جی میں ہراساں ہوا انکے ڈر سے. بولے، تو نہ ڈر

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ

اور خوشخبری دی اسکو ایک لڑکے ہوشیار کی پھر سامنے آئی اسکی عورت بولتی

فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا

پھر پیٹا اپنا ماتھا اور کہا کہیں بڑھیا بانجھ وہ بولے

كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

یوں ہی کہا تیرے رب نے وہ جو ہے، وہی ہے حکمت والا خبردار

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ

بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا؟ اے بھیجے ہوؤ! وہ بولے ہم کو بھیجا ہے ایک

قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ طِينٍ ﴿٣٣﴾

لوگوں گنہگار پر کہ چھوڑیں ان پر پتھر مٹی کے

مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾ فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ

نشان پڑے تیرے رب کے ہاں بے حد چلنے والوں کو پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا

فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ

وہاں ایمان والا پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ سوا ایک گھر کے

الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ

مسلمانوں کا اور رکھا اس میں نشان ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں دکھ کی

الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾ وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ

مار سے اور نشانی ہے موسیٰ کے حال میں جب بھیجا ہم نے اسکو فرعون پاس دے

مُبِينٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ

کر سند کھلی پھر اس نے منہ موڑا اپنے زور پر اور بولا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ پھر پکڑا ہم نے

وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ

اسکو اور اسکے لشکروں کو، پھر پھینک دیا انکو دریا میں، اور اس پر پڑا الاہنا اور نشانی ہے عاد میں جب

أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ

بھیجی ہم نے اُن پر باؤ بے خیر نہ چھوڑتی کوئی چیز جس پر گذرتی کہ

عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ

نہ کر ڈالتی اسکو جیسے چورا ۞ اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا ان کو

تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ

برتو ایک وقت تک پھر شرارت کرنے لگے اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا انکو

الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا

کڑاکے نے اور وہ دیکھتے تھے پھر نہ سکے کہ اٹھیں اور نہ

كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

ہوئے کہ بدلہ لیں اور نوح کی قوم کو اس سے پہلے، مقرر وہ تھے لوگ

فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

بے حکم۔

تذکرۂ مہمانانِ ابراہیم علیہ السّلام مشتمل بر ثوابِ مصدقین وعقوبت مکذبین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ... اِلٰى ... اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں مؤمنین ومتقین اور انکے انعامات کا بیان تھا قرآن کریم کا یہ خصوصی طرز بیان ہے کہ ایک فریق کے ذکر کے بعد اسکے بالمقابل فریق کا بھی حال بیان کر دیا جاتے تاکہ دونوں کا تقابل کر لیا جائے اور اس طرح ذہنی طور پر سامعین کیلئے قبول حق کی رغبت اور کفر و نافرمانی سے نفرت اور ڈر پیدا ہو سکے تو اب ان آیات میں نافرمانوں اور مجرموں کا ذکر ہے کہ خدا کے فرشتے ان پر عذاب لے کر پہنچے اور انکو اس طرح ایک آن کی آن میں ہلاک کر دیا گیا اور ہلاکت بھی ایسی عبرتناک کر سننے والے سن کر کانپ جائیں۔ ارشاد فرمایا۔

اے ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو قصہ معلوم ہوا ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا جو معزز تھے اس لیے کہ وہ اللہ کے فرشتے تھے اور اللہ کے فرشتے عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ اسکے مکرم بندے ہوتے ہیں یا معزز۔ بایں معنی کہ حضرت ابراہیم نے اپنے مکارم اخلاق کے لحاظ سے اُنکا اعزاز و اکرام فرمایا جب کہ وہ مہمان انکے پاس پہنچے پھر انکو سلام کیا ابراہیم علیہ السلام نے بھی جواباً انکو کہا سلامٌ (کہ تم خدا کی سلامتی ہو) پھر غور کرتے ہوتے کہ یہ کون لوگ ہیں کہنے لگے یہ تو انجان لوگ ہیں جنکو میں نہیں پہچان رہا ہوں ممکن ہے کہ یہ بات

دل میں کہی ہو۔ اور ممکن ہے کہ زبان سے کہا ہو۔ لیکن بحکمت خداوندی فرشتوں نے سُن کر سکوت کیا ہو اور یہ واضح نہ کیا ہو کہ ہم فرشتے ہیں۔ کیونکہ ابھی اس وضاحت کی انکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ہوگی پھر ابراہیمؑ اپنے اہل کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا بھنا ہوا انکے سامنے لے کر آئے پھر اسکو ان کے قریب کرکے رکھ دیا جیسے کسی مہمان کے سامنے کھانا رکھ دیا جاتا ہے چونکہ وہ فرشتے تھے اور فرشتے کھانے پینے نہیں وہ تو نورِ محض اور مخلوق نوری تھے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ کچھ نہیں کھاتے تو بولے کیا آپ لوگ کھاتے نہیں جب اس پر بھی فرشتوں نے کھانا شروع نہ کیا تو پھر دل میں ایک ڈر محسوس کیا اُنکی طرف سے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ عزت و اکرام کے ساتھ انکی ضیافت کی جارہی ہے پھر بھی نہیں کھا رہے ہیں کہیں یہ کوئی دشمن تو نہیں۔ اس زمانہ میں کوئی دشمن ہو کر کسی کے یہاں آتا تو اس کا کچھ کھایا نہیں کرتا تھا کیونکہ کسی کا کھا کر اسکے ساتھ دشمنی کرنا انسانی وقار کے خلاف سمجھتے تھے فرشتے اس ڈر اور خوف کو محسوس کرکے کہنے لگے مت ڈرو ہم تو اللہ کے فرشتے ہیں اس وجہ سے نہیں کھا رہے ہیں نہ کھانے کی وجہ یہ نہیں کہ ہم تمہارے دشمن ہیں بلکہ ہم تو تمہیں ایک بشارتِ خداوندی سنانے آئے ہیں اور بشارت دی اُنکو ایک فرزند کی جو بڑا ہی علم والا ہوگا کیونکہ وہ فرزند اللہ کے علم میں طے تھا کہ پیغمبر ہوں گے اور پیغمبر کا علم اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے اور یہ بشارت حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی تھی جنکی نسل سے انبیاء بنی اسرائیل پیدا ہوتے تو ابراہیم علیہ السلام کی بیوی (سارہ علیہا السلام) جو ان باتوں کو سُن رہی تھیں سامنے سے آئی پکارتی ہوئی پھر اپنے چہرہ کو پیٹا اپنے ہاتھ سے اور کہنے لگیں اچھا بڑھیا اور بانجھ اور عجیب ہے کہ اسکے بچہ پیدا ہوگا۔

فرشتوں نے کہا تعجب کی کیا بات ہے خدا کی قدرت اور اسکے امر سے ایسا ہی تمہارے لیے تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے وہ بے شک بڑا ہی حکمت والا خوب جاننے والا ہے اگرچہ یہ بات اپنی جگہ قابلِ تعجب ہے لیکن خداوند عالم کی بلند پایہ حکمتوں اور اسکے علم کے پیشِ نظر اسکی قدرت میں تردد کیا جاسکتا ہے اور نہ اسکی اس حکمت پر کہ بڑھاپے کے زمانہ میں ایک بانجھ کو بچہ دیدے کوئی شبہ ہوسکتا ہے بلکہ اس کی شان علیمی اور حکیمی پر ایمان رکھنے والے ہر فرد کو بلا تردد اور بلا تعجب اس پر یقین کرنا چاہیئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فراستِ نبویہ سے سمجھا کہ فرشتوں کی آمد علاوہ اس بشارت کے کسی اور غرض سے بھی ہے ممکن ہے کہ کچھ آثار ظاہر ہو رہے ہوں اور کوئی تعجب نہیں کہ جو فرشتے خدا کی طرف سے ایک مجرم قوم کیلیئے اس کا قہر و عذاب لیکر آتے ان پر آثارِ قہر محسوس کیئے ہوں اور اس سے کچھ طبعی گھبراہٹ بھی ہوئی ہو جسکا بعد میں دور ہونے کا ذکر ہے تو دریافت کیا اچھا پھر بتاؤ کیا اہم بات ہے تمہاری اے بھیجے ہوئے فرشتو! کہا ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم یعنی قوم لوط کی طرف تاکہ ہم ان پر برسائیں کنکریاں پتھر کی جن پر علامت[1] ہوگی آپ کے رب کی طرف سے جو حد سے گزرنے والی قوم کے لیئے ہے چنانچہ

---

[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کنکری پر نام لکھا ہوا تھا اور وہ اسی پر پڑتی اور اگر ان میں

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

ان بستیوں پر عذاب کا وقت آیا تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں تو ہم نے ان بستیوں سے نکال لیا ہر اس شخص کو جو مومنین سے تھا تاکہ انکو جدا کرنے کے بعد باقی ماندہ مجرمین پر خدا کا عذاب نازل ہو لیکن ہم نے مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا بجز ایک گھر کے اور چھوڑ دیا ہم نے اپنی نشانی کو بعد میں آنے والے ان لوگوں کے لئے جو درد ناک عذاب سے ڈرتے ہوں اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں عبرت کا سامان اور ہمارے قہر کی نشانیاں موجود ہیں جب کہ ہمنے موسیٰ کو بھیجا فرعون کی طرف ایک واضح حجت اور ید بیضا اور عصا جیسے معجزات کے ساتھ مگر اس نے مع اپنے ارکان سلطنت کے روگردانی کی اور کہنے لگا یہ تو جادوگر یا مجنون ہیں سو ہم نے پکڑا اسکو اور اس کے لشکر کو پھر پھینک دیا دریا کی موجوں میں اور وہ ملامت کا مستحق تھا اس لیے اس طرح بدحالی اور ذلت کے ساتھ غرق کیا گیا کہ اسکی تاریخ خود اس پر ہمیشہ ملامت کرتی رہے گی اور عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان پر ایک آندھی[1] چھوڑی جو بہت ہی منحوس تھی نہ گزرتی وہ کسی چیز پر بھی مگر یہ کہ اسکو بنادیتی بوسیدہ ہڈی کی طرح ریزہ ریزہ اور ثمود کے واقعہ میں بھی عبرت کا سامان ہے جب کہ ان سے کہہ دیا گیا تھا مزے اڑالو ایک وقت معین تک اگر کفر سے باز نہ آتے تو بس اتنے دن اور چین و آرام سے گزار لو وہ تین دن کی مہلت تھی جیسا کہ گزر چکا۔ اس معین مدت کے گزرنے پر عذاب خداوندی سے تباہ کردیئے جاؤ گے مگر وہ سرکشی ہی کرتے رہے اپنے پروردگار کے حکم سے سو ایک بجلی جیسی کڑک نے انکو دبوچ لیا اور وہ دیکھ رہے تھے پس نہ تو ان میں سکت تھی کھڑے ہونے کی کہ کہیں بھاگ ہی جائیں بلکہ اوندھے منہ گر رہے تھے جیسے کہ پہلے ارشاد فرمایا گیا فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ اور نہ ہی وہ بدلہ لے سکے اور ظاہر ہے کہ انتقام خداوندی کا بدلہ لینے کی کس کو مجال ہو سکتی ہے۔

اور قوم نوح کو بھی یاد کرو جو ان سے پہلے گذری بے شک وہ لوگ بڑے ہی نافرمان تھے کہ ایک طویل مدت حضرت نوحؑ کے وعظ و نصیحت اور تبلیغ سے بھی باز نہ آئے اور خدا کی نافرمانی پر تلے رہے جس کا انجام یہی ہوا کہ طوفان[2] میں غرق کردیئے گئے اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا یہ واقعات بسط و تفصیل کے ساتھ متعدد سورتوں میں گذر چکے۔

صفحۂ گزشتہ سے بھاگتا تو وہ کنکری اس کا تعاقب کرکے اسکے سر کو پاش پاش کرتی (سورۂ ہود میں تفصیل گزر چکی)
(ابن کثیر، قرطبی)

[1] یہ آندھی مغربی ہوا تھی یہی وہ حقیقت تھی جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نُصِرْتُ بالصبا واھلکت عاد بالدبور مجھے مدد دی گئی باد صبا (مشرقی ہوا) سے اور قوم عاد کو ہلاک کیا گیا پچھمی ہوا سے۔

[2] تفصیلات سورۂ اعراف، ہود اور یونس میں گزر چکیں۔

ف فرشتوں کا سلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچنے پر ان لفظوں کے ساتھ قرآن نے ذکر کیا فَقَالُوْا سَلٰمًا گا۔ منصوب تو بہ جملہ فعلیہ کی صورت میں تھا کہ سَلَّمْنَا عَلَيْكَ سَلٰمًا یا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ سَلٰمًا جس کا مفہوم یہی ہے کہ ہم آپ کو سلام کرتے ہیں اسکے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلام کہنا مرفوع جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے اسس لحاظ سے فرشتوں کے سلام سے زیادہ بلیغ ابراہیم علیہ السلام کا سلام ہوا اور قرآن کریم کا حکم ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر اسکے سلام کا جواب دیا کرو تو اس طرح ابراہیم علیہ السلام کا جواب قرآن کریم کے فرمان کے مطابق فرشتوں کے سلام سے احسن اور بہتر ہو گیا۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور آسمان کو بنایا ہم نے ہاتھ کے بل سے اور ہم کو سب مقدور ہے

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ

اور زمین کو بچھایا ہم نے سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں اور ہر چیز کے

خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّیْ

بنائے ہم نے جوڑے شاید تم دھیان کرو ؛ سو بھاگو اللہ کی طرف میں

لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ

تمکو اسکی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر اور نہ ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور کوئی پوجنے کا -

اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ

میں تمکو اسکی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر اسی طرح ان سے پہلوں کو

قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا

جو رسول آیا یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ کیا یہی کہہ مرے

بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾

ہیں ایک دوسرے کو کوئی نہیں پر یہ لوگ شریر ہیں سو تو ہٹ آ انکی طرف سے اب تجھ پر نہیں الاہنا

وَّذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ

اور سمجھاتا رہ، کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو اور میں نے جو بنائے ہیں

الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو میں نہیں چاہتا ہوں ان سے روزینہ

وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ

اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلادیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور

الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ

مضبوط سو ان گنہگاروں کا بھی ڈول بھرا ہے جیسے ڈول بھرا ہے

اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اُنکے ساتھیوں کا اب مجھ سے شتابی نہ کریں سو خرابی ہے منکروں کو اپنے

يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اس دن سے جس کا ان سے وعدہ ہے

اثبات توحید و رسالت مع دلائل و براہین و تسلی سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ ... اِلٰى ..... الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ

(ربط) سلسلۂ بیان مکذبین و منکرین کے انکار و تکذیب کے عبرتناک انجام کا چل رہا تھا اب ان مکذبین و منکرین پر حجت قائم کرنے کیلئے توحید و رسالت کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا جا رہا ہے ارشاد فرمایا۔

اور آسمان کو ہم نے بنایا ہے اپنی قدرت سے اور ہم بہت ہی وسیع القدرت ہیں اور زمین کو ہم نے فرش بنایا سو ہم کیسے اچھے اسکو بچھانے والے ہیں کہ اس میں کس قدر منافع رکھے اور کتنی انواع و اقسام کی

چیزیں پیدا کیں غلے، پھل سبزے اور پھول سب کچھ انسانوں کے نفع اور راحت کے لیے پیدا کیا اور زمین کو اس طرح بچھا دیا کہ اس پر نقل و حرکت کا سلسلہ بھی جاری ہے اور یہ تمام چیزیں اس سے پیدا ہو رہی ہیں اور اسکی تہہ میں جو معدنیات و خزائن ودیعت رکھے وہ مزید برآں ہے اور ہر چیز (نوع) سے ہم نے جوڑا بنایا جیسے سیاہ و سفید، شیریں و تلخ - خوبصورت و بدصورت، اور روشنی و تاریکی - نافع و مُضر - بلند و پست اور مذکر و مؤنث امید ہے کہ تم مخلوقات کے اس تنوع اور قدرتِ خداوندی کے عظیم مظاہر سے اللہ کی توحید و خالقیت کو سمجھ جاؤ اس لیے ان دلائلِ توحید اور قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اور سمجھ کر تم کو چاہیئے کہ بس تم اللہ کی طرف دوڑو عقل اور انسانی فطرت بھی آمادہ کر رہی ہے کہ خالق کائنات کو پہچان کر اس کی خالقیت اور وحدانیت پر ایمان لایا جائے اور یہ بھی عقلِ انسانی اور فطرت فیصلہ کر رہی ہے کہ اسکے تقاضوں کو پورا نہ کرنا ہلاکتؒ و بربادی کا باعث ہے لیکن مع ھذا - اے کفارِ قریش میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرانیوالا ہو کر آیا ہوں کہ توحید و خالقیتِ رب العالمین کے انکار پر تم کو آگاہ ہو جانا چاہیئے کہ عذاب آکر رہے گا پھر تاکید سے کہتا ہوں اور خدا کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ میں تمہارے واسطے اسی خدا کی طرف سے واضح ڈرانے والا ہوں ایسے روشن دلائل کے ساتھ دعوتِ توحید دینے والے پیغمبر چاہیئے تھا کہ ایمان لاتے اور ایسا مخلص و مشفق رسول جو ہلاکت سے بچانے کے لیے تباہی کے انجام سے آگاہ کر رہا ہے اور اس سے ڈرا رہا ہے اسکی بات پر یقین کرتے لیکن افسوس کہ قریش مکہ نہ ایمان لاتے اور نہ اللہ کے پیغمبر ہادی کی بات پر یقین کیا بلکہ وہ تو تمسخر پر آمادہ ہو گئے کہ کبھی ساحر کہا۔ اور کبھی مجنون و دیوانہ تو حق تعالیٰ تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے ہمارے پیغمبر آپؐ ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہوں صبر کیجیے اسی طرح ان سے پہلے جس کسی قوم کے پاس بھی کوئی رسول اللہ کا پیغام لے کر آیا ان لوگوں نے یہی کہا جادوگر یا مجنون تو اسی طرح اگر یہ کفارِ مکہ آپؐ کو کچھ کہیں تو تعجب کی بات نہیں کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اسکی وصیت کرتے چلے آتے ہیں کہ ہر ایک قوم اللہ کے رسولوں سے ایک ہی قسم کا مذاق اور ایک ہی طرح کا انکار کر رہی ہے حالانکہ ایک قوم کا دوسری قوم سے کبھی ملنا بھی نہیں ہوا پھر بھی سب کا ایک ہی بات کہنا عجیب ہے اصل میں اسکی وجہ یہ نہیں کہ ایک قوم دوسری قوم سے مل کر اسکو طے کرتی چلی آئی ہو کہ تم بھی اپنے پیغمبر کا اس طرح انکار کرنا بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ سرکش ہیں اور سرکشی کی یہ علت مشترکہ سب میں یکساں ہے اس وجہ سے اسکے نتیجہ میں زبانوں سے نکلنے والی بات بھی ایک ہی معلوم ہوتی ہے علت جب واحد اور متحد ہے تو اس کا ثمرہ اور نتیجہ بھی ایک ہی ہوگا پس آپؐ ان سے اعراض کر لیجیے اور بلا وجہ ان کی طرف التفات سے اپنے آپ کو افسردہ و غمگین نہ بنائیے آپ کسی طرح بھی قابلِ مؤاخذہ نہیں اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو اسکی آپ پر ذمہ داری نہیں خدا کی طرف ہی لو لگائے رکھیے اور نصیحت کرتے رہیے کیونکہ بار بار سمجھانا اور نصیحت کرنا یقین کرنے والوں کو نفع پہنچاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان مخاطبین میں کسی وقت کسی کو اللہ تعالیٰ یقین کی صلاحیت عطا کر

دے اور پھر یہی ہے کہ وعظ و نصیحت سے اگر منکرین و کفار کوئی فائدہ نہ اٹھائیں گے تو اہلِ ایمان کو تو بہرحال نفع ہو گا اور نہیں پیدا کیا ہے میں نے جن و انس کو مگر صرف اسی لیے کہ وہ عبادت کریں اصل مقصدِ تخلیق تو یہی ہے اگرچہ وہ اپنی مادی زندگی کے اسباب کی تکمیل و فراہمی کے لیے اور بھی دوسرے کام کریں لیکن اصل مقصدِ حیات عبادتِ خداوندی برقرار رکھتے ہوئے دنیا کے ہر کام اور ہر عمل کو خواہ وہ کسبِ معاش ہو کھانا پینا ہو سونا جاگنا ہو۔ لباس و سکونت ہو ان امور میں اشتغال اور ان کی تکمیل میں عملی کوشش عبادت کے اصل مقصد تخلیق ہونے کے منافی نہیں پھر جب انکو اصل مقصد تخلیق کی تکمیل کا ذریعہ بنا لیا جاتے تو پھر ان منافع کا حصول اور ان میں اشتغال اس مقصد کے منافی ہونے کے بجاتے مقصد اصلی کے مبادی میں سے ہو جاتے گا۔ اور اس مقصد کے تعین کے بعد دنیا چونکہ دارالامتحان ہے اس لیے اس مقصد کے حصول کے لیے انسان کو قدرت علی العمل اور اختیار کی صلاحیت دی اور خیر و شر اسکے سامنے واضح کر کے خیر کی دعوت دیدی اور شر سے بچنے کا حکم دیدیا گیا تاکہ وہ اپنے اختیار اور عملی صلاحیت کو ایمان و ہدایت کے راستہ پر صرف کر کے نجات و انعام خداوندی کا مستحق بنے اور اگر سرکشی اور نافرمانی کی روش اختیار کرے تو عذاب کا مستحق ہو۔ الغرض تخلیق جن و انس کا مقصد تو اللہ کی عبادت ہی ہے مگر عبادت اور طاعت کا کرنا جن و انس کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا اور انکے عمل ہدایت و گمراہی کو شجر و حجر کی حرکات کی طرح بے بس و بے اختیار نہیں رکھا گیا یہی وجہ ہے کہ ان اشیا کیلئے جن و انس کی طرح جنت و جہنم اور جزا و سزا کا تصور نہیں کیونکہ انکے احوال میں انکے کسب و اختیار کو دخل نہیں گو قرآن کریم میں حیوانات طیور شجر و حجر بادلوں اور سایوں کی تسبیح و تحمید اور عبادت کا ذکر ہے جیسے ارشاد ہے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ مگر انکی عبادات پر اہلِ ایمان و طاعت کی طرح جنت اور نعمائے جنت کا ذکر نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی مضمون کے قریب آیت مبارکہ کی تفسیر بعض مفسرین مثلاً بغویؒ نے بیان کی ہے یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ جن و انس کی تخلیق ایسی استعداد و صلاحیت اور جوہر پر کی گئی کہ وہ ہدایت اور حق کو قبول کر کے اللہ کی عبادت کر سکیں فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا مضمون اسکی تائید کرتا ہے اور وہ حدیث معروف بھی کل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه (کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے ماں باپ اسکو یہودی بنالیں یا نصرانی بنالیں یا مجوسی) اسی کی موید ہے۔

الغرض اس تقدیر پر مراد یہ ہو گی میں نے نہیں پیدا کیا جن و انس کو مگر ایسی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ متکلمین اور اکثر مفسرین کے ذوق سے پہلی تفسیر اولیٰ اور راجح معلوم ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم وعلمہ اتم و احکم)

بہرکیف جن و انس کا مقصد تخلیق عبادتِ خداوندی ہے اور اس مقصد کے حصول و تکمیل کو جن و انس کے اختیار و کسب پر موقوف کر دیا گیا اور انکو عقل و فہم کی صلاحیتوں کے عطا کرنے کے بعد ایمان کی دعوت دی گئی اور ظاہر ہے اس طلب عبادت میں اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ اس کو

مخلوق کی عبادت کی حاجت ہے بلکہ خود مخلوق اپنے خالق کی عبادت کی محتاج ہے اور اسی میں سعادت و فلاح مضمر ہے۔ اس لیے فرمایا۔

میں ان سے نہیں چاہتا ہوں کوئی روزینہ اور نہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں میں نے بندگی کا حکم دنیا کے آقاؤں کی طرح نہیں دیا ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو کہتا ہے کہ محنت کرو اور کما کر لاؤ بلکہ میں ہی تو سب کو روزی دینے والا ہوں اور سب میرے محتاج ہیں عبادت کا حکم صرف اسی لیے دیا ہے کہ میری عظمت و شہنشاہیت کو پہچان کر میری بندگی کرو اور میرے انعام کے مستحق بنو بے شک اللہ ہی روزی دینے والا بڑا طاقت ور مضبوط ہے ان حقائق کو دیکھتے ہوئے شرک و کفر سے پرہیز کرنا چاہیئے لیکن پھر بھی اگر کوئی نافرمانی سے باز نہیں آتا تو وہ بہت بڑا ظالم ہے اور ظالم سزا سے بچ نہیں سکتا بے شک ان ظالموں کا ڈول بھر چکا جیسے انکے ساتھیوں کا ڈول بھر چکا۔ اور ڈول بھر چکنے کے بعد انسان کنوئیں سے ہٹتا ہے اور اپنا حصہ لے کر اب دوسرے کے واسطے ڈول چھوڑتا ہے تو اسی طرح یہ ظالم دنیا کی زندگی

ف یہی وہ حقیقت ہے جسکو فرمایا گیا

من نکردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ کی تفسیر قاضی بیضاوی کی رائے کے مطابق ہے دوسرا مفہوم مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ کا یہ ہے کہ جن و انس کی تخلیق سے میں نے ارادہ یہ کیا کہ وہ میری عبادت کریں اور یہی ان کا مقصدِ حیات ہے جسکی وجہ سے انکو چاہیئے کہ وہ اپنی فکری اور عملی صلاحیتیں عبادت ہی کیلئے صرف کریں انکی تخلیق سے میں نے کسی قسم کے رزق کا ارادہ نہیں کیا یعنی یہ کہ وہ اپنے رزق اور اپنی اولاد کی رزق کی فراہمی کو مقصود اصلی سمجھ کر آخرت اور عبادت کو نظر انداز کر دیں جیسے یہ ممکن نہیں کہ بندے مجھ کو کھلائیں اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی دوسرے کو کھلاتے ہیں ہی تو رزاق ذوالقوۃ المتین ہوں۔

گویا یہ مضمون اسی کے قریب ہو گیا جو سورۂ طٰہٰ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا گیا وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ تو لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا۔ کا مفہوم یہ ہے کہ اے مخاطب اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس پر پابند رہیئے ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے مراد یہ ہے کہ ہر گھر کا سرپرست اپنے افراد خانہ کیلئے معاش کا فکر کرتا ہے تو بجائے اسکے کہ وہ اپنی سرپرستی تمام تر اصلاح معاش کیلئے صرف کرے اور اپنے گھر والوں کی آخرت کی فکر نہ کرے اسکو چاہیئے کہ وہ افراد خانہ کی اصلاح معاد کیلئے پوری کوشش کرے اصلاح معاد میں اگر کوئی کوتاہی ہوئی تو ایسیر بازپرس ہوگی لیکن اصلاح معاش کی کوتاہی پر ہم درگذر کریں گے اور اس بات کا حکم اور تاکید اسی وجہ سے ہے کہ رزق دینے والے تو ہم ہیں حدیث قدسی کا مضمون ہے " اے ابن آدم تو میری عبادت کے واسطے فارغ ہو جا میں تیرے قلب کو غنا سے بھر دونگا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے قلب کو افکار و پریشانیوں سے بھر دونگا اور تیرے فقر کو دور نہ کروں گا "۔

کے عیش و راحت کا ڈول بھر چکے اور اب خدا کی گرفت اور سزا کا وقت آ چکا ہے جب کہ انکے ساتھیوں کا بھی اسی طرح انجام ہوا کہ نافرمانی کرتے رہے لیکن جب خُدا کا عذاب آیا تو اس سے بچ نہ سکے تو اسی طرح بس ان ظالموں کے لیے خُدا کا عذاب طے ہو چکا ہے اب یہ لوگ مجھ سے جلدی نہ کریں جیسے کہ یہ بدبخت پہلے سے کہتے رہتے ہیں کہ اچھا وہ عذاب لے آیئے جسکی دھمکی دی جا رہی ہے سو ہلاکت ہے کافروں کیلئے ان کے اس دن کے عذاب سے جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے یعنی قیامت کا دن یا اس سے پہلے ہی جو دنیاوی سزا کا دن اللہ کے علم میں طے ہو چکا تھا چنانچہ بدر کا دن آیا اور مشرکین مکہ کو دنیا میں بھی سزا مل گئی ع

ف | فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ ۔ کے ترجمہ میں بعض مفسرین کی رائے کے موافق ذنوبًا بمعنی بھرا ہوا ڈول لیتے ہوئے یہ مراد واضح کی گئی کہ یہ ڈول کا بھر جانا بس دنیاوی منافع اور راحتوں کا سلسلہ ختم ہو جانا ہے جیسا کہ ڈول بھر لینے والا شخص کنوئیں سے ہٹ جاتا ہے اور دوسرا اسکی جگہ آجاتا ہے اسی طرح بس ان کافروں کی زندگی اور منافع حیات کا ڈول بھر چکا اب تقدیر خُداوندی سے مصائب و عذاب کا دور شروع ہو جانے والا ہے۔

بعض مفسرین نے ذنوب کی تفسیر ——————— حصّہ سے کی ہے تو اس صورت میں مراد حصّۂ عذاب ہوگا ان ظالموں کے واسطے بھی عذاب کا ایسا ہی حصّہ طے کر دیا گیا ہے جیسا کہ انکے ساتھیوں کیلئے تھا لہٰذا اب جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الطُّوْر

سورۃ الطور کے مضامین بھی دین کے بنیادی عقائد کی تحقیق و تثبیت پر مشتمل ہیں خاص طور سے توحید و رسالت کا مضمون دلائل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کفارِ مکہ پر حجت قائم کی گئی اسی طرح بعث بعد الموت اور جزاء و سزا کا مسئلہ بھی نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا اور یہ کہ قیامت کے احوال کس قدر شدید ہوں گے انکی شدت اور ہولناکی ذکر فرمائی گئی اور یہ کہ عذاب خداوندی جب کفار پر مسلط

ع اشارہ ہے کہ وعدۂ عذاب کا دن آخرت تو ہے ہی لیکن دنیا میں بھی عذاب کا جو وقت اللہ نے مقرر کر لیا تھا وہ خدا تعالےٰ جل شانہ نے غزوۂ بدر میں دکھا دیا۔ ۱۲

ہوگا تو اسکو کوئی دفع نہیں کرسکتا اسی اہمیت کے پیش نظر مضمون کی ابتداء عظیم الشان قسموں سے فرمائی گئی مجرمین کی سزا و عقوبت کے بیان کے بعد اہل ایمان اور تقویٰ پر انعامات خداوندی کا بیان ہے اور اسی ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو ثابت فرمایا گیا۔

سورت کے اختتام پر مشرکین کے معبودانِ باطلہ کی تقبیح و مذمت کرتے ہوئے انکو تنبیہ و تہدید کی گئی اور آگاہ کیا گیا کہ اگر وہ اپنے عناد و بغاوت سے باز نہ آتے تو خدا کا عذاب انکو تباہ کر دے گا اس سورت کا نام سورۃ الطور اس وجہ سے ہے کہ مضمون کی ابتداء طور پہاڑ کی قسم سے فرمائی گئی اور یہ کوہ طور وہ مقدس جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کلیم اللہ سے کلام فرمایا تھا تو اس لحاظ سے یہ وہ مقدس جگہ ہوتی جہاں اللہ تعالیٰ کی برکات اور اسکے جمال و جلال کا ورود ہوا۔

آیاتہا ۴۹ — ۵۲ سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ ۷۶ — فیہا رکوعان

سورۃ طور مکی ہے اسکی انچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾ وَ

قسم ہے طور کی اور لکھی کتاب کی کشادہ ورق میں اور

الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿۴﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿۶﴾

آباد گھر کی اور اونچی چھت کی اور اُبلتے دریا کی

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ

بے شک عذاب تیرے رب کا ہونا ہے اسکو کوئی نہیں ہٹانے والا جس دن لرزے

السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ؕ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

آسمان کپکپا کر اور پھریں پہاڑ چل کر سو خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۘ﴿۱۲﴾ يَوْمَ

جھٹلانے والوں کو جو باتیں بناتے ہیں کھیلتے جس دن

يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾ هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم

دھکیلے جاویں دوزخ کو دھکیل کر یہ ہے وہ آگ جس کو تم

بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۱۴﴾ أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿۱۵﴾

جھوٹ جانتے تھے اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوجھتا

اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا

پیٹھو اس میں پھر صبر کرو یا نہ صبر کرو تم کو برابر ہے وہی

تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾

بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے

تہدید وتوبیخ منکرین معاد ووعید عذاب برائے اہل عناد

قال اللہ تعالیٰ وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ .... الیٰ .... مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

(ربط) سورۂ والذاریات کا اختتامی مضمون جن وانس کی تخلیق بغرض عبادت خداوندی تھا اس کے ساتھ جو قومیں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور وحدانیت کو نہیں تسلیم کرتیں اور بلا حجت ودلیل نافرمانی اور بغاوت پر قائم ہیں انکو عذاب خداوندی کی دھمکی دی گئی ارشاد فرمایا۔

قسم ہے طور (پہاڑ) کی اور اس کتاب کی جو کھلے ورق میں لکھی ہوئی ہے اور قسم ہے بیت معمور کی اور قسم ہے ایک بلند چھت کی اور قسم ہے ابلتے ہوئے سمندر کی یقیناً آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا جس کا کوئی ٹلانے والا نہیں اور یہ عذاب اس روز واقع ہوگا جس دن کہ آسمان تھرتھرانے لگے گا لرزے کے ساتھ اور سرت جائیں گے پہاڑ اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہوئے پس ہلاکت وبربادی ہے ان لوگوں کے واسطے جو جھٹلانے والے ہیں اس عذاب خداوندی، روز قیامت، حساب وکتاب اور جزاء وسزا کو جو اپنی اس بیہودگی میں منہمک لہو ولعب میں پڑے ہوئے ہیں اور باوجود ان حقائق اور دلائل کے نہ انکو خدا پر یقین آتا ہے اور نہ وہ خدا کی باتوں کو مانتے ہیں۔ انسانی عقل اور فطرت سے یہ بات بہت بعید ہے کہ اس طرح ان حقائق ودلائل سے غفلت وچشم پوشی برتتے یہ بدنصیب اپنی بدبختی کے باعث اسی غفلت میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ وہ دن آجائے جب کہ انکو دھکے دے دیکر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جارہا ہوگا اس وقت کہا جائے گا یہی ہے وہ جہنم جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اب بتاؤ کیا یہ جادو ہے جیسا کہ تم دنیاوی زندگی میں

ان باتوں کو گھڑلیا کرتے تھے یا یہ کہ اب بھی تمکو نظر نہیں آرہا ہے۔

اب بھی بتاؤ کیا تمہیں یہ عذابِ جہنم نظر آرہا ہے یا نہیں اگر ہمت ہے تو اب انکار کرو اچھا اب اس میں داخل ہوجاؤ پھر تم صبر کردیا نہ کرو برابر ہے تم پر دونوں نہ تو تمہارے واویلا سے جہنم سے چھٹکارا مل سکے گا اور نہ ہی یہ ہوگا کہ اگر تم سکوت انقیاد اختیار کرلو تو تم پر کچھ رحم کردیا جائے نہیں بلکہ عذابِ جہنم ہر طرح برقرار رہے گا اصل بات یہ ہے کہ تمکو بدلہ اسی چیز کا دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے تم دنیا کی زندگی میں اپنے ہوش وحواس اور اپنے کسب و اختیار سے کفر کرتے رہے جو اللہ کی سب سے بڑی معصیت ہے اور کبھی تم کو اس کا احساس نہ ہوا کہ اب بہت ہوچکا اس بغاوت و نافرمانی کو چھوڑ دیا جاتے تو جب تم دنیا میں کبھی کفر سے باز نہ آتے اور اللہ کی بغاوت و معصیت کو نہ چھوڑا تو پھر اب اسکی سزا بھی یہی ہے کہ بس تم ہمیشہ عذابِ جہنم میں رہو جس طرح کہ ہمیشہ کفر کیا اسکی سزا بھی دوام و ہمیشگی کی صورت میں ہوگی اس وجہ سے آہ و داویلا سے بھی کوئی کام نہ چلے گا اور سکوت وخاموشی بھی کوئی مفید نہ ہوگی۔

کلمات قسم اور جواب قسم میں ربط و مناسبت

اس موقعہ پر حق تعالےٰ نے ایک عظیم الشان مضمون یعنی اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ کہ اے مخاطب تیرے رب کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے اور قیامت ضرور آئے گی حساب اور جزاء وسزا کا مرحلہ انسان سے مل نہیں سکتا تو اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس خبر اور بیان کیلئے پانچ عظیم الشان چیزوں یعنی کوہِ طور، کتابِ مسطور، بیتِ معمور، سقفِ مرفوع اور بحرِ مسجور کی قسم کھائی کہ ان عظیم الشان مخلوقات کی عظمت کا مخاطب اپنے ذہن میں استحضار کرتے ہوئے آئندہ بیان کی جانے والی خبر پر نہ حیرت کرے نہ اس میں تردد کرے بلکہ بلا جھجک اور تامل اس پر ایمان لائے یہ دیکھتے ہوئے کہ جس خدا نے اس عظیم الشان اور فکرِ انسانی کی پرواز سے بڑھ کر چیزوں کو پیدا کردیا وہ قادرِ مطلق قیامت اور حشر و نشر پر بلا شبہ قادر ہے پھر چونکہ قیامت جزاء وسزا کا دن ہے جس کا دارومدار ایمان وکفر سعادت وشقاوت اور حیاتِ انسانی کے خیر وشر میں مضمر ہے اس وجہ سے قسموں میں پہلے کوہِ طور کی قسم کھائی جو وادی مقدس اور وہ جگہ ہے جہاں حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناجات فرمائی انکو اس خطاب دلنواز سے سرفراز فرمایا یٰمُوْسٰٓی اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْہَا لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰی. یہ وہی مبارک جگہ ہے جس میں الواحِ توراۃ عطا کی گئیں جس میں ہدایت کے علوم تھے یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً کی درخواست کی تو جواب دیا گیا فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ

وَالْاِنْجِیْلِ۔ اور اس جواب میں بظاہر فرمادیا گیا تھا کہ یہ رحمتِ عامہ اور حسنہ تامہ تو میں نے اس نبی اُمّی آخر الزمانؐ کے واسطے لکھ دی اور طے کردی ہے جسکو اہل کتاب تورات و انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے جس نبی اُمّی کی یہ شان ہوگی۔

پھر دوسری قسم کتاب مسطور کی کھائی کتاب مسطور کی تفسیر میں بعض ائمہ مفسرین انسان کا نامۂ اعمال لیتے ہیں اور ہر انسان کی زندگی کا عمل ایک کھلے ورق کی صورت میں موجود ہوگا اور وہ اسکی گردن میں لٹکا ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا۔ جسکے متعلق ہر انسان کو مبعوث ہونے پر حکم ہوگا کہ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا یا بعض کی رائے کے مطابق کتاب مسطور قرآن کریم ہے جو ایک کھلے ورق کی طرح واضح اور روشن ہے یا بقول بعض کتاب مسطور لوحِ محفوظ ہے۔

تیسری قسم بیت معمور جو کہ ساتویں آسمان پر ملائکہ کے لیے کعبہ ہے اور عرش الٰہی کے محاذات میں ہے اور اسکے محاذات میں زمین پر خانہ کعبہ قائم ہے چوتھی قسم سقفِ مرفوع یعنی آسمان کی ہے کہ آسمان اور آسمان پر نظر آنے والے ستارے، چاند۔ سورج۔ جو ایسی عظیم الشان مخلوقات ہیں کہ سارے عالم کی عقلیں ان چیزوں کی عظمت کے سامنے حیران اور مبہوت ہیں پانچویں قسم بحرِ مسجور[*] یعنی ابلتے ہوتے اور طوفانی تھپیڑوں اور موجوں سے امڈتے ہوتے سمندر کی ہے ان قسموں کے ساتھ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ کا ربط اور مناسبت واضح ہے کہ قیامت کی اصل وجہ مجازات اور اعمال کا بدلہ ہے اور ظاہر ہے کہ مجازات میں احکام ہدایت و شریعت اصل ہیں جنکی بحیثیت مکان اور محل کے نسبت طور کی طرف ہے اور وہ سامانِ ہدایت وحی الٰہی قرآنِ حکیم یا لوحِ محفوظ سے انسانی حیات کے لیے ہادی و رہنما ہے اور ان پر عمل محفوظ رہنے والا

---

[*] بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ یہ سمندر قیامت کے روز آگ بنا دیا جائے گا اس آیت کے پیش نظر وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ یعنی جب کہ سمندر دہکائے جائیں گے ربیع بن انس رضؓ سے منقول ہے کہ یہ بحرِ مسجور آسمانوں سے اوپر عرشِ الٰہی کے نیچے ہے۔

علامہ ابن بدر فرماتے تھے کہ بحرِ مسجور سمندر کو اس وجہ سے بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا پانی نہ پیا جا سکتا ہے اور نہ اس سے کھیتی ہو سکتی ہے حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کی تفاسیر میں بھی یہی نقل کیا گیا حضرت ابن عباسؓ کے دوسرے ایک قول میں یہ نقل کیا گیا کہ مسجور کے معنی معکوف یعنی روکا گیا کے ہیں اور اسکی تائید عمر بن الخطابؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسکو امام احمد بن حنبلؒ نے نقل کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی رات ایسی نہیں ہوتی کہ سمندر تین مرتبہ اپنی گردن بلند کر کے اللہ رب العزت سے پھیل جانے کی اجازت نہ طلب کرتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اسکو روکتا ہے اور اپنی حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا (رواہ احمد ابن حنبل فی المسند۔ بحوالہ ابن کثیر)

شپ

نامۂ اعمال ہے جو کھلے ورق کی مانند ظاہر و روشن ہے اور جزاء و سزا کا مدار عبادت و طاعت اور ترک طاعت پر ہے جس کا مرکز آسمانوں پر بیت معمور اور زمین پر کعبۃ اللہ ہے اور اعمال صالحہ و سیئہ کی جزاء و سزا جنت و جہنم ہے جو عالم سمٰوٰت میں ہے اور جنت و جہنم کی وسعت و عظمت کو انسان ستاروں اور چاند و سورج کی عظمت کے مشاہدہ سے بخوبی سمجھ سکتا ہے اور سمندر کی موجوں کو دیکھ کر انسان جہنم کی آگ کے شعلوں اور موجوں کو پہچان سکتا ہے تو اس طرح ان قسموں کی اصل مضمون قیامت اور مجازات سے لطیف مناسبت سمجھی جا سکتی ہے۔

بعض روایات کی رو سے یہ بھی خیال کیا گیا کہ بعید نہیں کہ اسی سمندر کو قیامت برپا ہونے پر جہنم کی آگ اور اسکی موجیں بنا دیا جائے جس خدا نے یہ سمندر پانی کے بنائے وہی خدا اس پانی کو آگ بھی بنا سکتا ہے۔

حافظ ابن ابی الدنیاؒ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک رات عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کی آبادی میں کسی طرف گشت فرما رہے تھے (جیسا کہ ان کا اکثر معمول تھا کہ راتوں کو گشت کر کے معلوم کریں کہ لوگ کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں) تو ایک شخص کے مکان کے سامنے سے جب گزرے تو وہ شخص تہجد میں قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا تو ٹھیر گئے اور سننے لگے تو اس شخص نے سورۃ والطور پڑھی پہلے ہی سے اسکی تلاوت و قرآت اور تہجد کے آثار و انوار سے طبیعت پر ایک خاص اثر اور کیفیت طاری تھی کہ مزید اسکی پرسوز آواز سے جب یہ سنا اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ تو ایک چیخ نکلی اور فرمایا قسم ہے رب کعبہ کی اور ایسا معلوم ہوا کہ کمر ٹوٹ گئی۔ سواری سے اترے دیوار کی ٹیک لگا کر دیر تک بیٹھے رہے اور پھر گھر لوٹے اس وقت کی رقت اور طبعی تاثر نے بیمار کر ڈالا ایک ماہ مریض کی طرح صاحب فراش رہے لوگ عیادت کیلئے آتے مگر کسی کو حقیقت معلوم نہ ہوتی کہ کیا مرض ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تفسیر ابن کثیر)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَ

جو ڈر والے ہیں، باغوں میں ہیں اور

نَعِيمٍ ﴿١٧﴾ فَٰكِهِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَىٰهُمْ رَبُّهُمْ

نعمت میں میوے کھاتے جو دیئے ان کے رب نے اور بچایا انکے رب نے

عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كُلُوا۟ وَاشْرَبُوا۟ هَنِيٓـًٔا بِمَا كُنتُمْ

دوزخ کی مار سے، کھاؤ اور پیو رچ سے، بدلہ اسکا جو

تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِـِٔينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَٰهُم

کرتے تھے لگے بیٹھے تختوں پر برابر بچھے قطار اور بیاہ دیں ہم نے

بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ

انکو گوریاں، بڑی آنکھوں والیاں اور جو یقین لائے اور ان کی راہ چلی انکی اولاد ایمان سے

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ

پہنچا دیا ہم نے اُن تک اُنکی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ان سے ان کا کیا کچھ

كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿٢١﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ

ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے اور ریل لگا دیے ہم نے انکو میوے

وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ

اور گوشت جس چیز کا جی چاہے جھپٹتے ہیں وہاں پیالہ نہ بکنا ہے

فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ

اس شراب میں نہ گناہ میں ڈالنا اور پھرتے ہیں انکے پاس چھوکرے اُن کے

كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٢٤﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

گویا وہ موتی ہیں غلاف میں دھرے اور منہ کیا ایکوں نے دوسروں کی طرف

يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

آپس میں پوچھتے بولے ہم بھی تھے اپنے گھر میں ڈرتے بستے

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ اِنَّا كُنَّا

پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر اور بچایا ہم کو لوؤں کے عذاب سے ہم آگے سے

مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

پکارتے تھے اس کو بے شک وہی

الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿٢٨﴾ ع

ہے نیک سلوک رحم والا

وعدۂ انعام واکرام برائے اہل ایمان وایقان

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِیْمٍ ... اِلیٰ ... اِنَّہٗ ھُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ

(ربط) گزشتہ آیات میں قدرتِ خداوندی کے عظیم مناظر اور شواہد کو بیان کرتے ہوئے مجرمین ومنکرین کو عذاب آخرت سے متنبہ کیا گیا تھا اور ان پر وعید اور عذاب کی شدت کا ذکر تھا اب ان آیات میں مجرمین ومنکرین کے بالمقابل مؤمنین ومطیعین پر انعاماتِ خداوندی کا ذکر ہے اور یہ کہ ان کا رب العالمین کے یہاں کس قدر اعزاز واکرام ہوگا۔ ارشاد فرمایا

بے شک تقویٰ والے لوگ بہشت کے باغات میں ہوں گے اور ہر طرح سامانِ عیش وراحت میں لطف اندوز اور مسرور ہوتے ہوں گے اس عیش وراحت کے سامان سے جو انکے رب نے انکو دیا اور اس پر کہ انکے پروردگار نے انکو جہنم کے عذاب سے بچایا عذاب خداوندی سے نجات اور جنت کی تمام نعمتوں اور کرامتوں کے ساتھ اہل تقویٰ اور ایمان والوں کو کہا جاتا ہوگا۔ کھاؤ پیو خوب مزے سے جتنا چاہو ان اعمال کی وجہ سے جو تم دنیا میں کرتے تھے ان جملہ انعامات اور عزت واکرام کے ساتھ سکون واطمینان کا یہ عالم ہوگا۔ تکیہ لگاتے بیٹھے ہوں گے ایسی مسندوں پر (تختوں پر) جو ترتیب سے بچھے ہوں گے اور اس لیئے کہ انسان اپنی فطری اور طبعی تقاضوں کے باعث کسی مونس کا بھی خواہاں ہوتا ہے تو ہم انکو بیاہ دیں گے ایسی حوروں کے ساتھ جو کشادہ چشم ہوں گی اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی عزت واکرام کا تو یہ عالم ہوگا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انکی اولاد ایمان کے ساتھ انکی پیروی کرنے والی ہوئی تو اگرچہ انکی اولاد ان کے رتبہ کی نہ ہوگی اور انکے اعمال اپنے بزرگوں کے جیسے اعمال نہ سہی۔ مگر اس وجہ سے کہ وہ بھی ایمان لا چکے انکے ماں باپ کی خوشنودی کے لیئے ہم ان کو بھی انہی کے ساتھ کردیں گے تاکہ ان بزرگوں کو اپنی اولاد کی معیت اور مرافقت سے مزید خوشی حاصل ہو اور ہم ان اہل جنت کے عمل میں سے کچھ کم نہیں کریں گے اس طریقہ سے کہ انکی نیکیاں کچھ انکے نامہ سے گھٹا کر انکی اولاد کے حساب میں جمع کردیں اور اس طرح دونوں کے درجے برابر کردیئے جائیں۔ بلکہ اولاد کو انکے استحقاق سے بڑھا کر ان کے ماں باپ کے برابر کردیا جائے گا ہر شخص اپنے اعمال کے دائرہ میں گھرا ہوا ہے اسلیئے یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کا عمل گھٹا کر ضائع کردیا جائے خواہ عمل خیر ہو خواہ عمل شر ہو فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ اور اضافہ کریں گے ہم ان اہل جنت کی نعمتوں میں ہر قسم کے پھل اور گوشت سے جو انکو مرغوب ہو جو انکی اصل غذاء سے زائد ہوگا اور اہل جنت اللہ رب العزت کے انعامات اور وہاں کی راحتوں سے اس قدر مسرور ہوں گے کہ لطف اندوز ہونے کے لیئے ایک دوسرے سے شراب طہور کے جام کی چھینا جھپٹی کرتے ہوں گے جس میں نہ کوئی لغو اور بے ہودہ بات ہوگی اور نہ گناہ کی جیسے کہ دنیا کی شراب میں بدمست لوگ بے ہودہ بکواس اور معصیت وگناہ کے کام کرتے ہیں جنت کی

شراب طہور ان بے ہودہ اور گندے اثرات سے پاک صاف ہوگی اس کا نام شراب ہوگا لیکن لطافت و طہارت میں وہ اپنی خود مثال ہوگی لَا فِيهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ اور گشت کرتے ہوں گے ان کے سامنے خدمت کے لیئے اور فواکہ وغیرہ لانے کے لیئے ایسے لڑکے جو خاص انہی کے واسطے ہوں گے گویا وہ محفوظ رکھے ہوئے موتی ہیں اپنی لطافت اور چمک میں ایسا محسوس ہوتا ہوگا یہ بند جگہ میں محفوظ رکھے ہوئے وہ موتی ہیں کہ جن پر نہ گرد و غبار پڑا اور نہ ہی باہر کی ہوا یا دھوپ نے انکی رونق۔ آب و تاب اور چمک میں کوئی تغیر و تبدل پیدا کیا اور وہ اہل جنت غایت فرح و نشاط میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہوتے پوچھتے ہوں گے اور جب ہر ایک دوسرے کو اپنے انعامات اور راحتوں سے مطلع کرے گا تو کہیں گے بے شک ہم تو اس سے پہلے دنیوی زندگی میں اپنے گھر میں رہتے ہوئے ڈرا کرتے تھے کہ نامعلوم ہمارا انجام کیا ہوگا اور ہم پر کیا گزرے گی لیکن اللہ نے ہم پر بڑا ہی احسان کیا اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچالیا جس کا ہم کو ڈر تھا اور اپنی کوتاہیوں کے باعث خیال ہی کرتے تھے کہ نہ معلوم کس کس قسم کا عذاب اور گرفت ہمارے اعمال پر ہو اول تو یہی بڑا انعام تھا کہ اس نے عذاب سے بچایا لیکن اس کی نعمتوں کا کیا ٹھکانا کہ اس نے تو جنت کی راحتوں سے بھی نواز دیا ہے بے شک ہم اس سے پہلے بھی اسکو پکارا کرتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ عذاب جہنم سے بچا اور مغفرت سے سرفراز فرما اور اس نے ہماری دعائیں قبول کیں واقعی وہ تو بڑا ہی محسن اور مہربان ہے۔

مسروق رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک روز یہ آیت فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ الخ۔ تلاوت کی اور پھر اسی طرح دعائیہ کلمات فرمانے لگیں اے اللہ تو ہم پر احسان فرما اور ہم کو دہکتی ہوئی دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

❁ ❁ ❁

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝۲۹ ط

اب تو سمجھا کر تو اپنے رب کے فضل سے پریوں والا نہیں نہ دیوانہ

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝۳۰ قُلْ

کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم راہ دیکھتے ہیں اس پر گردش زمانے کی تو کہہ

تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝۳۱ ط اَمْ تَاْمُرُهُمْ

تم راہ دیکھو کہ میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں کیا ان کی عقلیں

ع۳۶

أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم بِهَٰذَا ۚ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ

یہی سکھاتی ہیں ان کو، یا وہ لوگ شرارت پر ہیں ؟ یا کہتے ہیں کہ یہ

تَقَوَّلَهُ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ

بات بنا لایا ؟ کوئی نہیں پر انکو یقین نہیں پھر چاہیئے لے آویں کوئی بات اسی طرح کی

إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ

اگر وہ سچے ہیں کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی

هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ

ہیں بنانے والے یا انہوں نے بنائے آسمان اور زمین

بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ

کوئی نہیں ؛ پر یقین نہیں کرتے کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی

الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ

داروغے ہیں کیا اُن پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر سن آتے ہیں تو لے آوے

مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ

جو سنتا ہے ان میں ایک سند کھلی ؛ کیا اسکے ہاں بیٹیاں اور تمہارے

الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾

ہاں بیٹے کیا تو مانگتا ہے اُن سے کچھ نیگ سو اُن پر چٹی کا بوجھ ہے

أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ

کیا ان کو خبر ہے بھید کی ؟ سو وہ لکھ رکھتے ہیں کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا

فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ

سو جو منکر ہیں وہی آتے ہیں داؤ میں کیا ان کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوا

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ

وہ اللہ نرالا ہے انکے شریک بتانے سے اور اگر دیکھیں ایک تختہ آسمان سے

سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا

گرتا، کہیں یہ بدلی ہے گاڑھی سو تو چھوڑ دے انکو جب تک ملیں

يَوْمَهُمُ الَّذِىْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ

اپنے دن سے جس میں ان پر کڑاکا پڑے گا جس دن کام نہ آوے گا انکو

كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

ان کا داؤ کچھ اور نہ ان کو مدد پہنچے گی اور ان گناہگاروں کو ایک مار ہے

عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ

اس سے ورے پر وہ بہت لوگ نہیں جانتے اور تو ٹھہرا

لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ

رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں

تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

جو وقت تو اٹھتا ہے اور کچھ رات میں بول اسکی پاکی، اور پیٹھ دیتے وقت تاروں کے

زجر و توبیخ مجرمین از عذاب خداوندی و حمایت ایزدی بہ تسبیح و حمد رب العالمین

قال اللہ تعالیٰ۔ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ ..... الیٰ ..... وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ

(ربط) ماقبل آیات سورۂ والطور میں دو گروہوں کا ذکر فرمایا گیا ایک گروہ مجرمین کا اور دوسرا مطیعین کا اور احوال متعلقہ بھی ذکر کر دیئے گئے تو اس کے بعد یہ مناسب ہوا کہ اہل عناد و انکار کو زجر و توبیخ عذاب خداوندی

سُنایا جائے کیونکہ انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ بُرے افعال واعمال کے نتائج بد سن کر متاثر ہوتے ہیں پھر اس حالت تاثر میں اگر اسکو مزید تنبیہ وزجر کیا جائے تو وہ ان برے اعمال سے باز آنے کا قصد کرلیتا ہے تو اسی لحاظ سے اب ان آیات میں ان مکذبین کا رد بھی کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی آنحضرت صلی علیہ وسلم کو تسلی بھی دی جارہی ہے کہ اگر منکرین آپ کا مقابلہ کریں کوئی بے ہودہ اور لغو طریقہ اختیار کریں تو آپ اس پر رنجیدہ نہ ہوں آپ ایسی باتوں پر صبر کریں آپ ہماری حمایت ونگرانی میں ہیں اور خداوند عالم کی حمد وثناء اور اسکی پاکی بیان کرتے رہئے یہ قلب کی قوت وہمت کا بھی سامان ہے اور اللہ کی حمایت ونصرت کا بھی ذریعہ ہے تو ارشاد فرمایا۔

پس آپ تو ان معاندین کو جو ابھی تک آپ کی طرف رُخ نہیں کر رہے ہیں سمجھاتے رہئے خواہ یہ آپ کو کچھ بھی کہیں بہرحال آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون جیسا کہ یہ مشرکین مکہ کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے پیغمبر خدا کو جس کی زبان حکمت ترجمان سے ایک ایک لفظ حکمت ومعرفت اور انسانی رشد وہدایت کا جاری ہوتا ہے اسکو مجنون کہنا خود کہنے والے کے دیوانہ ہونے کی دلیل ہے جسکو خود ان مشرکین کے سنجیدہ لوگ بھی قبول نہ کرتے تو یہ کہنا شروع کر دیتے کہ یہ شاعر ہیں جسکو حق تعالےٰ فرما رہے ہیں اچھا کیا یہ لوگ آپ کی نسبت یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ شاعر ہیں جن کے متعلق ہم موت کے حادثہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ جس طرح اور بھی دنیا میں شاعر آتے اور اپنی زندگی گزار کر مر گئے اسی طرح آپ کے بارہ میں بھی کہہ رہے ہیں آپ کہہ دیجئے اچھا تم لوگ انتظار کرتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں کہ تمہارے اس انکار وکفر کا انجام بد کب تم پر آتے گا اور اس وقت تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ میں جو کچھ کہتا تھا وہ حق ہے اور وہی اللہ کا دین ہے اور یہ کہ اللہ ہی کے دین کا غلبہ اور کامیابی ہو کر رہتی ہے خواہ اس کا کتنا ہی مقابلہ کیا جاتے۔

ایسی خلاف فطرت اور خلاف عقل باتیں یہ منکرین کیسے کر رہے ہیں بڑے ہی تعجب کی بات ہے جس کو کوئی صاحب عقل قبول نہیں کر سکتا تو کیا انکی عقلیں انکو ان باتوں کا حکم کر رہی ہیں ؟ ظاہر ہے کہ عقل انسانی ایسی لغو بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی یا یہ کہ یہ سرکش لوگ ہیں اور یہی فیصلہ ہے کہ یہ بات محض عناد اور سرکشی کی وجہ سے ہے عقل تو ایسی بات کسی کو نہیں سمجھا سکتی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ قرآن خود آپ نے بنایا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ بات منکرین خود سمجھ رہے ہیں کہ ہم غلط کہہ رہے ہیں اور انکو اس بارہ میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا تو یہ باتیں (ان مشرکین کا کہنا) اس بناء پر نہیں کہ وہ کسی نتیجہ اور حقیقت تک نہیں پہنچے بلکہ ان کا مقصد تو بس یہی ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے تو آخر انکار کی ایسے لوگوں کے پاس کیا دلیل ہے اور کس وجہ سے وہ قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کر رہے ہیں اگر وہ اس پر ہی اصرار کرتے ہیں کہ یہ وحی الٰہی اور کلام ربانی نہیں بلکہ آپؐ نے ہی گھڑ لیا ہے تو پھر چاہئے کہ یہ لوگ اسی جیسا کوئی کلام بنا کر لے آئیں

اگر یہ سچے ہیں یہ لوگ بھی عربی اور بڑے فصیح و بلیغ قادر الکلام اور مایۂ ناز شاعر ہیں انکو عربی کلام مقابلہ میں پیش کر دینے میں کیا رکاوٹ ہے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کسی معلم سے کچھ سیکھا اور نہ پڑھا اور نہ سخن گوئی میں اس سے پہلے عرب قوم میں انکا کوئی مقام دیکھا گیا۔

اگر یہ منکرین ان دلائل سے بھی قرآن کو کلام الٰہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور خدا کی وحدانیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور خالق کائنات کی خالقیت پر ایمان نہیں لاتے تو پھر بتائیں کیا یہ لوگ خود بخود بغیر کسی خالق کے پیدا کر دیئے گئے ہیں یا یہ کہ انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور اس طرح خود اپنے آپ کو گویا صفت خالقیت میں شریک قرار دیا اور اس وجہ سے خدا کی وحدانیت کو نہیں تسلیم کرتے حالانکہ انکی فطرت میں خدا کی خالقیت کا تصور پوری طرح موجود ہے اور دلائل و شواھد بھی اس امر کے متقضی ہیں کہ خدا کی خالقیت اور وحدانیت پر یقین کیا جائے افسوس یہ لوگ ایمان تو کیا لاتے بلکہ یقین ہی نہیں کرتے کیونکہ اگر صحیح معنی میں یقین حاصل ہوتا تو اسکو قبول کرتے اور مانتے اے ہمارے پیغمبر کیا انکے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں اور خزائن رحمت میں نبوت و رسالت بھی ہے کہ جسکو یہ چاہیں نبوت و رسالت دیں یا یہ کہ یہ لوگ حکمران ہیں کہ ان کا حکم چلے اور جسکو یہ لوگ رسول بنانے کی اجازت دیں اسکو رسول بنایا جائے پھر آخر کیوں آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں بہرحال کوئی عقلی دلیل تو ان کے پاس ایسی نہیں کہ جسکی بناء پر یہ لوگ رسالت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر سکیں تو کیا انکے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے کہ اس پر چڑھ کر آسمان کی باتیں سُن لیں اور اس طرح دعوی کر سکیں کہ ایک نقلی دلیل اور آسمانی وحی ہمارے پاس آئی ہے جس سے ظاہر ہوا کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں اگر کوئی ایسی جرأت کرتا ہے تو چاہیئے کہ ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل لے کر آئے اور ثابت کرے کہ یہ شخص رسول بنایا گیا ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم رسول خدا نہیں (العیاذ باللہ) اے مشرکین و منکرین ایسی بے دلیل اور لغو باتوں سے باز آجاؤ جو کفر و عناد میں کرتے چلے جارہے ہو۔ بتاؤ کیا اس (خدا خالق کائنات) کے لیئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے واسطے بیٹے ہیں الغرض دلائل سے خداوند عالم کی توحید اور اے ہمارے پیغمبر آپ کی رسالت ثابت ہو چکی ہے پھر بھی یہ لوگ آخر آپ کی نبوت پر ایمان کیوں نہیں لاتے کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہیں کہ وہ اس تاوان کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں کہ انکو یہ تاوان گراں معلوم ہوتا ہو کیا انکے پاس غیب کا علم ہے کہ یہ اسکو لکھ رہے ہیں اور لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا ہے جسکے باعث وہ امور غیب اور وحی الٰہی سے ثابت شدہ باتوں کا انکار اور رد کر رہے ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ رسول خدا کے ساتھ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور انکی مخفی سازشیں بھی ظاہر کر رہی ہیں سو انکو سُن لینا چاہیئے پس جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ خود ہی اس برائی کا شکار ہوں گے چنانچہ اس سازش کا انجام دیکھ لیا۔ بدر میں ذلیل و ناکام ہوئے اور مقتول و قیدی بھی بنے بہرکیف یہ سب واقعات و حقائق اس بات کی دلیل ہیں کہ خداوند عالم یکتا ہے وہی وحدہٗ لاشریک لہٗ قادر مطلق اور خالق کائنات ہے اگر اب بھی تسلیم نہیں تو بتائیں کیا ان کا کوئی اور معبود

ہے اللہ کے سوا؟ نہیں ہرگز نہیں پاکی ہے اللہ رب العزت کی ذات کے لیے ان چیزوں سے جنکو یہ خدا کے ساتھ شریک کرتے ہیں اور منکرین کے پاس جب اور کوئی حجت نہ رہتی تو اس قسم کی بات کہنے لگتے کہ اچھا ہم آپ کی رسالت پر جب یقین کریں گے جب آسمان کا کوئی ٹکڑا توڑ کر ہمارے پاس لے آؤ تو اسکے بارہ میں ایسے دشمنان عقل کو اول تو یہ جواب دیا جاتے کہ معجزات کی فرمائش بڑی ہی گستاخی ہے اور پھر یہ کہ اگر بالغرض فرمائشی معجزہ ظاہر بھی کر دیا جاتے تو پھر اس پر ایمان نہ لانے کا انجام سوائے ہلاکت اور عذاب خداوندی سے تباہی کے کچھ نہیں اصل بات تو یہ ہے کہ اگر ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر بھی کر دیا جائے اور یہ لوگ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے اور یہ کہہ دیں گے یہ تو تہہ بر تہہ جما ہوا بادل ہے تو اے ہمارے پیغمبر آپ ان لوگوں کی اس قسم کی لغو باتوں سے غمگین و متفکر نہ ہوں بس انکو چھوڑ دیجئے اپنی اسی حالت پر یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ پڑ جاتے جس میں انکے ہوش و حواس اڑ جائیں گے یہ وہ دن ہوگا جس میں نہ انکی کوئی تدبیر انکے کام آسکے گی اور نہ ہی انکی مدد کی جا سکے گی اس وقت تو ہر کافر اور بدبخت اپنی مصیبت میں گھرا ہوگا اور آخرت میں ان لوگوں پر یقیناً یہ مصیبت آتے گی ہی۔ لیکن ان ظالموں کے واسطے ایک بہت بڑا عذاب واقع ہونے والا ہے اس دن کے عذاب سے پہلے چنانچہ اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوتے اور بدر میں ذلیل ہوتے قتل کیے گئے مگر افسوس اکثر لوگ ان میں سے جانتے نہیں ہیں کہ انتقام الٰہی کس قدر شدید چیز ہے اور انتصار الٰہی سے کس طرح اہل ایمان فاتح و غالب ہوا کرتے ہیں۔

تو اے پیغمبر آپ صبر کیجئے اپنے رب کے فیصلہ کے لیے اور جو کچھ یہ لوگ سازشیں کر رہے ہیں ان سے ہرگز بھی پریشان نہ ہوں کیونکہ آپ تو ہماری حفاظت میں ہیں پھر کس بات کا ڈر ہے اور اگر طبعی تأثرات سے دل پر کچھ ملال اور بوجھ ہو تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیئے جس وقت کہ آپ اٹھیں سو کر تہجد کے وقت یا کسی مجلس سے اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی پاکی و حمد کیا کیجئے مثلاً عشاء کا وقت اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی جو کہ وقت فجر ہے ان اوقات میں نماز خدا کی حمد و ثناء اور تسبیح قلب کے بوجھ کو کم کر دے گی اور رجوع الی اللہ کی نعمت سے ایسی فرحت حاصل ہوگی کہ ان ظاہری احوال و واقعات سے دل پر واقع ہونے والا بوجھ اور غم بھی جاتا رہے گا۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ کی تفسیر میں اکثر مفسرین تہجد کا وقت مراد لیتے ہیں جیسے کہ حدیث عبادۃ بن الصامتؓ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کے درمیان کسی حصہ میں بیدار ہو اور یہ کلمات پڑھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ پھر اسکے بعد یہ کہے رَبِّ اغْفِرْ لِيْ یا کوئی بھی دعا مانگے تو ضرور اسکی دعا قبول کی جاتے گی مجاہدؒ نے

حِيْنَ تَقُوْمُ۔ سے مجلس سے اٹھنا مراد لیا ہے اور کلمات سُبْحَانَكَ اللّٰھم وبحمدك اشہد ان لَآ اِلٰهَ اِلَّآ انت استغفرك واتوب الیك کو کفارۃ المجلس فرمایا گیا ہے۔

اِدْبَارَ النُّجُوْمِ۔ کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے فجر کی دو سنتیں بھی بیان کی گئی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو رکعتوں سے زیادہ کسی بھی سنت یا نفل پر پابندی کرتے نہیں دیکھا۔

تم تفسیر سورۃ والطور و للہ الحمد والمنۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ النَّجْم

سورۃ النجم مکی سورتوں میں سے ہے مکہ مکرمہ میں قبل از ہجرت اور بعد از معراج نازل ہوئی اسکی باسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کا اصل مضمون اور موضوع خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا اثبات ہے اور اسراء ومعراج کے خصوصی احوال کا ذکر اور ملکوت سمٰوٰت کے عجائب کے بیان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان ظاہر کرنی مقصود ہے اور اس ضمن میں یہ ثابت کرنا ہے کہ آپؐ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی وحی ہے اسی وجہ سے قیامت، حشر ونشر اور جنت وجہنم پر ایمان لانا چاہیئے اسی تفصیل کے مطابق جو وحی الٰہی اور زبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

توحید خداوندی کا ذکر کرتے ہوئے شرک وبت پرستی کی تردید اور اس کا خلاف عقل وفطرتِ انسانی ہونا ثابت فرمایا گیا اور ان بتوں کی حقیقت کھول کر رکھ دی گئی جن کی مشرکین مکہ پرستش کیا کرتے تھے پھر قیامت کے روز عدل وانصاف اور جزاء اعمال کی تفصیل فرمائی گئی اور یہ کہ ہر انسان کی سعی اور جدوجہد کا بدلہ اسکو ضرور مل کر رہتا ہے۔

اختتام سورت پر عاد وثمود اور قوم نوح ولوط جیسی قوموں کی ہلاکت وتباہی کا ذکر کرکے مجرمین ومنکرین کو تنبیہ کی گئی تاکہ وہ اس روش سے باز آجائیں۔

آیاتها ۶۲ ۵۳ سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ رکوعاتها ۳

سورۂ نجم مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی باسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ②

قسم ہے تارے کی جب گرے بہکا نہیں تمہارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ③ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ④

اور نہیں بولتا اپنی چاؤ سے یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ⑤ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ⑥ وَهُوَ

اس کو سکھایا سخت قوتوں والے نے زور آور نے پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا

بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ⑦ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ⑧ فَكَانَ قَابَ

اونچے کنارے آسمان کے پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق

قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ⑨ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى ⑩ مَا

دو کمان کا میانہ یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے پر جو بھیجا جھوٹ

كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪ أَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫ وَ

نہ دیکھا دل نے جو دیکھا اب تم کیا اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا اور

لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى ⑬ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭ عِنْدَهَا

اسکو اس نے دیکھا ہے ایک دوسرے اتارے میں پرلی حد کی بیری پاس اس پاس ہے

جَنَّةُ الْمَأْوٰى ⑮ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯ مَا زَاغَ

بہشت رہنے کی جب چھا رہا تھا اس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا بہکی نہیں

الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

نگاہ، اور حد سے نہیں بڑھی بے شک دیکھے اپنے رب کے بڑے نمونے

اثبات عظمت نبوت و محبت اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و عصمت حیات طیبہ

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ...... اِلیٰ ...... مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى

(ربط) گذشتہ سورت توحید خداوندی اور دلائل قدرت اور اثبات حشر و نشر کے مضامین پر مشتمل تھی اب اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا بیان ہے اور یہ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و عمل وحی الٰہی ہے پیغمبر کی ہر بات اور انکا ہر عمل امت کے واسطے قانون اور اسوہ بنایا گیا ہے اللہ کے پیغمبر کی کوئی بات اور اسکی زبان سے نکلا ہوا کوئی لفظ خود اسکی خواہش سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی وحی ہی ہوتا ہے جس طرح کہ قرآن اللہ کی وحی ہے بس فرق اتنا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام لفظ اور معنی دونوں کا مجموعہ ہے اور حدیث رسول میں الفاظ اگرچہ آپ کے ہیں مگر معنی اور حکم اللہ ہی کا ہے ارشاد فرمایا۔

قسم ہے ستارہ کی جب کہ وہ غروب ہونے لگے یقیناً یہ تمہارے ساتھی جو ہمہ وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہیں اور جن کی سیرت اور تعلیمات و ہدایات قیامت تک کے واسطے امت کے ساتھ ہیں نہ تو راہِ حق سے بھٹکے کہ بھول کر یا غلطی و خطاء سے راہِ حق سے چوک گئے ہوں اور نہ ہی غلط راستہ اختیار کیا کہ جانتے اور دیکھتے ہوئے کسی غرض اور مقصد کی خاطر غلط راستہ اختیار کر لیا جاتے اس طرح یہ ہر غلطی اور گمراہی سے محفوظ و معصوم ہیں اور نہ بولتے ہیں کوئی لفظ اپنی زبان سے اپنی خواہش سے بلکہ ان کا تو زبان سے بولا ہوا ہر لفظ وہ اللہ کی وحی ہی ہوتا ہے جس کی وحی انکو کی جاتی ہے جیسے کہ قرآن اپنے لفظ اور معنی کے ساتھ آپ پر نازل ہوتا ہے اس طرح یہ الفاظ و کلمات جو آپ کی زبانِ مبارک سے صادر ہوتے ہیں یہ ان ہی معانی اور احکام کی تعبیر ہیں جو احکام اور مضمون آپ پر نازل کیا جاتا ہے تو آپ اللہ کی مقرر کردہ راہ پر اسی طرح قائم ہیں اور اسی پر آپ کی زندگی کا ہر قول و فعل حتیٰ کہ زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اور جملہ احوال و کیفیات مطابقت و موافقت کے ساتھ جاری ہیں کہ سر مو بھی اس خطِ مستقیم سے انحراف نہیں جس طرح کہ ستارہ طلوع سے لے کر غروب تک اپنی پوری مسافت اسی خط پر قائم رہتے ہوئے پوری کرتا ہے جو اسکے واسطے مقرر کر دیا گیا نہ وہ اپنی سمت بدلتا ہے نہ منزل سے ادھر یا اُدھر اپنا رخ موڑتا ہے اور جس طرح ستارے مسافروں کے لیے رہنمائی کا سامان ہیں اسی طرح آپ کی حیاتِ مبارکہ

از ابتدار تا انتہار تمام عالم کے واسطے رہنما ہے ۔ سکھایا ہے انکو ایک بڑے مضبوط قوی والے طاقت ور فرشتے نے جو پیدائشی طور پر نہایت قوی اور زور آور ہے یہاں تک کہ اس نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا نہایت ہی حسن وجمال والا ہے یعنی جبرئیل امینؑ پھر وہ سیدھا ہو بیٹھا اور حال یہ کہ وہ آسمان کے اونچے کنارہ پر تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امینؑ کو ابتداء وحی کے زمانہ میں آسمان کے مشرقی کنارہ پر انکی اصلی صورت میں دیکھا کہ ایک کرسی پر بیٹھے ہوتے ہیں اور آسمان کے ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک خلا کو پُر کر رکھا ہے جس سے آپؐ پر ہیبت اور کپکپی طاری ہو گئی تھی اور گھر آ کر فرمایا تھا کہ دثرونی، دثرونی اور اس پر يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ . آیات نازل ہوئیں پھر وہ نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر اس قدر نزدیک ہوا کہ آپؐ سے صرف دو کمانوں کے برابر رہ گیا یا اس سے بھی نزدیک اور اپنے اصلی مستقر سے تعلق رکھنے کے باوجود نیچے اترا اور انتہائی نزدیکی اور قرب اختیار کر لیا پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھی حکم بھیجا اور جو اس کی مشیت ہوئی جھوٹ نہیں کہا دل نے اس چیز کو جو رسولؐ نے اپنی آنکھ سے دیکھی آپؐ کا دل آنکھ کے مشاہدہ پر مطمئن تھا اور اسکی تصدیق کر رہا تھا کہ یہ بات نہ تھی کہ آنکھ کی

ے وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى. قسم ہے ستارہ کے غروب کی قسم کھا کر جواب قسم کو مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ کے الفاظ میں بیان فرمایا گیا ان کلمات سے قسم اور جواب قسم میں ربط اور مناسبت ان شاء اللہ بخوبی واضح ہے اصل مضمون تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات مبارکہ کے کمال استقامت کا اور یہ کہ اس میں نہ بھول چوک سے غلطی کا احتمال ہے اور نہ جان بوجھ کر وہ راہ حق سے العیاذ باللہ منحرف ہو سکتے ہیں وہ منحرف تو کیا ہوں گے انکی زندگی کے تو ہر قول وفعل کو آسمانوں کے تاروں کی طرح رہنما اور سمت و منزل معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا ہے کہ آپؐ کے اسوۂ مبارکہ سے تمام دنیا راہ ہدایت پا سکتی ہے اس پر چل سکتی ہے اور اس پر چل کر منزل فلاح وسعادت تک پہنچ سکتی ہے غروب کی طرح طلوع بھی قدرت خداوندی کا عظیم نمونہ ہے مگر ممکن ہے کہ غروب سے قریب وقت دیکھ کر طالبانِ ہدایت کو مزید توقف کرنے کی گنجائش نہیں سمجھنی چاہیئے بلکہ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اب بھی اگر حصول ہدایت میں تاخیر کی تو پھر یہ باقی ماندہ مہلت اور موقعہ بھی ختم ہو جائے گا تو اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور آپؐ کی تعلیمات کو غنیمت سمجھنا چاہیئے پھر یہ کہ طلوع سورج سے ستاروں کا غروب ہے تو اشارہ ہو سکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کی جانب کہ وہ تمام انبیاء سابقین جو اپنی اپنی جگہ اپنی قوموں کی رہنمائی کے لیے ستاروں کی مانند تھے اب خاتم الانبیاء کے آفتاب نبوت کے طلوع ہونے پر سب غائب ہو گئے اور جس طرح سورج کا نور تمام ستاروں کو مغلوب ومستور کر دیتا ہے اسی طرح یہ آفتاب نبوت بھی لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ . کا پیکر بن کر طلوع ہو رہا ہے واللہ اعلم بالصواب ۔

چیز کو دیکھتی ہو مگر اندر سے دل مطمئن نہ ہو اور تصدیق نہ کرتا ہو۔
تو اے لوگو! کیا تم جھگڑ رہے ہو اس چیز پر جو ہمارا بندہ دیکھ رہا ہے اس ایک مرتبہ کی رؤیت پر کفار قریش اور منکرین کیا جھگڑ رہے ہیں اور کیوں تعجب کر رہے ہیں اور بے شک ہمارے اس بندہ نے اسکو ایک بار اور بھی دیکھا ہے اترتے ہوتے سدرة المنتهٰی کے پاس جسکے پاس آرام و راحت کی بہشت ہے جب کہ آپ شب معراج میں ساتویں آسمان پر پہنچے اور اس سے اوپر سدرة المنتہیٰ اس بیری کے درخت کو دیکھا جو لوح محفوظ سے دنیا میں نازل ہونے والے احکام خداوندی اور عالم زمین کے جملہ احوال و اعمال جو بارگاہ خداوندی میں پیش ہونے والے ہوتے ہیں ان کا منتہیٰ و مرکز ہے بس اسی کے قریب جنت الخلد ہے جسکو دیکھا اور یہ بیری کا نام محض دنیا والوں کو سمجھانے کیلئے ہے یہ نہیں کہ دنیا کے بیری کے درختوں کے مشابہ ہو بلکہ اسکی شان اور عظمت و خوب صورتی اس عالم کے مناسب اور شایانِ شان ہوگی جس طرح جنت کے انگور، انار اور پھل اگرچہ دنیا کی پھلوں کے نام سے تعبیر کیئے گئے مگر ظاہر ہے کہ دنیا کے پھلوں کو ان سے کوئی بھی نسبت نہیں جب کہ ڈھانک رہی تھی اس سدرة المنتہیٰ کو ایک ایسی چیز جس نے اس کو چھپا رکھا تھا کہ انوار و تجلیات اس پر اس طرح برس رہی تھیں کہ ہجوم انوار اور شدت تجلیات یا انوار و تجلیات پر برسنے والے خوش رنگ سنہرے پروانوں نے اسکو ڈھانک رکھا تھا جس طرح کہ سورج کی شعاعیں سورج کے کرہ کو نگاہوں سے چھپا لیتی ہیں تو ان تجلیات و انوار کے نزول کے وقت باوجود انکی شدت و کثرت کے آپ کی نگاہ نہ بہکی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ نہ ٹیڑھی اور ترچھی ہو کر دائیں سے بائیں مڑی اور نہ نگاہ مقام نظر سے آگے بڑھی بلکہ نظر محل نظر پر پوری قوت اور تثبت کے ساتھ جمی رہی یہ نہیں کہ اچٹتی نظر سے کوئی چیز نظر کے سامنے آگئی ہو تو جو کچھ دیکھا وثوق و یقین کے ساتھ دیکھا اور جو کچھ نظر نے دیکھا دل اس پر مطمئن ہوا اور اسکی تصدیق کی بے شک آپ نے دیکھا اپنے رب کی عظیم الشان نشانیوں سے بڑی بڑی نشانیوں کو اور قدرت کے ایسے نمونے دیکھے کہ حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا پورا پورا مشاہدہ ہو گیا۔

شب معراج میں مشاہدۂ آیاتِ قدرت

سورة النجم کی ابتدائی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو ثابت کیا گیا اور آپ کے ہر قول و عمل کو وحی الٰہی اور اس کا حجت اور نمونہ ہدایت ہونا ذکر کیا گیا اور یہ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ایسا مقام عصمت و حفاظت کا عطا کیا گیا ہے۔ کہ بالارادہ یا بلا ارادہ راہِ حق سے سر مو انحراف اور لغزش کا احتمال نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ بغیر اس مقام عصمت کے وہ ذات ہادیٔ عالم کیونکر بنائی جا سکتی تھی ظاہر ہے کہ جو خود غلطی اور گمراہی کا شکار ہو سکتا ہو وہ دوسروں کا ہادی و رہنما کیسے

ہوگا اس لیے عصمت کا لازمۂ نبوت ہونا عقلاً بھی ثابت ہُوا تو ابتداء میں آپ کی شانِ رسالت بیان کرتے ہوئے اصل مقصد یعنی شبِ معراج میں آیاتِ کبریٰ اور قدرت کی عظیم نشانیوں کے مشاہدہ کا مضمون شروع فرمایا گیا پہلی اور دوسری آیت میں تو ستارے کے غروب کی قسم کھا کر یہ اعلان فرمایا گیا کہ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی۔ اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی عصمت وحفاظت ظاہر فرمائی گئی اور یہ کہ حق تعالےٰ نے آپؐ کو ہر لغزش اور گمراہی سے محفوظ فرمایا ہے پھر تیسری اور چوتھی آیت میں آپؐ کے ہر نطق کی خواہشاتِ نفس سے پاکی کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا گیا کہ وہ وحی الٰہی ہے اور شریعت میں جو درجہ وحی الٰہی اور قرآن کریم کا ہے وہی درجہ آپؐ کے فرمانِ مبارک کا ہے اور اس سے ذرہ برابر انحراف کرنے کی کسی بھی مؤمن کو قطعًا گنجائش نہیں جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ شانِ رسالت کی اس تحقیق وتثبیت اور حُجیتِ اقوالِ رسولؐ کے بعد پانچویں آیت عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى سے وحی الٰہی لانے والے قاصد فرشتہ کی قوت اور عظمت بیان کی گئی کہ وہ قاصد پیغاماتِ خُداوندی پہنچانے میں نہ مرعوب ہو سکتا ہے اور نہ کوئی طاقت اور زور اس کو مغلوب کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ خود ہی ایسے مضبوط قُویٰ اور زور والا ہے اس کے ساتھ ظاہری حسن وجمال اور وقار کا بھی پیکر ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ذُوْ مِرَّةٍ۔ کی تفسیر میں ذُوْ مَنْظَرٍ حَسَنٍ فرماتے ہیں؎۔ لہٰذا معلوم ہوگیا کہ رسولؐ خدا پر وحی لانے والا قاصد بھی کسی تقصیر و غلطی کا شکار نہیں ہو سکتا پھر اللہ کے رسولؐ نے اس قاصد کو خوب اچھی طرح پہچانا اسکو دیکھا اور نہایت قریب سے بھی دیکھا کہ پہلے افقِ اعلیٰ پر نمایاں ہوا پھر اور قریب ہوا اور افقِ سماء کی بلندی سے نیچے کی طرف نزول کیا اور اتنا قریب ہوا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا اور آنکھ کے مشاہدہ کی دل بھی تصدیق کرنے لگا تو ایسی قوتوں والے قاصد نے اس قرب کے بعد جو پیغام دیا اور پہنچایا وہ یقیناً ہر طرح حجت ہے۔

ایک مرتبہ کی رؤیت کے بعد دوسری مرتبہ کی رؤیت وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى۔ سے بیان فرمائی گئی اس دوسری رؤیت کا محل اور مقام ساتواں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تھا جس کا مشاہدہ آپؐ نے شبِ معراج میں فرمایا تو اس طرح ان ابتدائی مضامین کے بعد شبِ معراج کے احوال کی طرف کلام منتقل ہوا اور سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت الماویٰ ہونا اور سدرۃ المنتہیٰ پر انوار وتجلیات کے برسنے کا ذکر فرمایا گیا اور یہ کہ وہاں آپؐ نے اپنے رب کی آیاتِ کبریٰ کا مشاہدہ فرمایا۔

روایاتِ صحیحہ سے یہ بات تو ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جبریل امینؑ کو ان کی اصلی صورت میں جس پر انکو پیدا کیا گیا دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جب کہ غارِ حرا میں وحی نازل ہو چکنے کے بعد سلسلۂ وحی رُک گیا تھا اور وحی کے شوق وانتظار میں بے چین ہو کر باہر میدانوں اور

؎ تفسیر ابن کثیر۔ قرطبی۔ روح المعانی

پہاڑوں کی طرف نکل جاتے تو اس زمانہ میں ایک مرتبہ جبریلؑ کو دیکھا کہ آسمان وزمین کے درمیان اپنی عظیم جسامت سے افقِ سما کو گھیرے ہوئے ہیں اس عظیم الشان فرشتہ کو دیکھ کر آپؐ پر رعب اور کپکپی طاری ہو گئی اور آپؐ گھر لوٹے اور فرمایا دَثِّرُوْنِی، دَثِّرُوْنِی (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا) دوسری مرتبہ جبریل امینؑ کو اصلی صورت میں شبِ معراج میں دیکھا جس کا ذکر وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى میں ہے اور اس رؤیت کو جبریلؑ کی رؤیت پر اور ان ہی کے قرب اور تدلی پر محمول کرنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی بعض ائمہ محدثین اسی کے مطابق قرار دیتے ہیں۔

تو اس طرح رویت جبریلؑ ایک مرتبہ زمین پر ہوئی اور ایک مرتبہ ملکوتِ سماوات پر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب۔ ابن جریرؒ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ. کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ قرب جبریلؑ کا تھا اور فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى. کے بھی معنی یہ بیان کئے کہ جبریلؑ نے وحی کی اللہ کے بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی وحی کی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں (دوسری بار جبریلؑ کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا)

لیکن اسکے بالمقابل ایک جماعت صحابہ میں سے اس بات کی قائل تھی کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت خداوندی حاصل ہوئی ہے اور یہ قرب اور تدلی حق تعالیٰ کے قرب اور تدلی پر جیسے بھی اسکے شان کے لائق ہو محمول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ انسؓ بن مالک اور حسن بصریؒ اسی کے قائل تھے کہ رؤیت بصر پر ہوئی ہے اور انکے علاوہ صحابہ اور تابعین کے طبقہ میں بھی متعدد حضرات رؤیت باری تعالیٰ کے قائل تھے۔ عکرمہؓ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے لیکن ترمذی میں عکرمہؓ کی روایت سے اس نسبت میں تردد معلوم ہوتا ہے عکرمہؓ بیان کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا رَاٰى مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ (کہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے) میں نے عرض کیا، کیا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں فرمایا ویحك (تجھ پر افسوس) یہ تو اس صورت میں کہ حق تعالیٰ متجلی ہو اپنے اس نور کے ساتھ جو اس کا نورِ ذاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے اور عکرمہؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ ابن عباسؓ کی حضرت کعبؓ احبار سے ملاقات ہوئی تو اس ملاقات میں کعبؓ کہنے لگے ان اللہ تعالیٰ قسم رؤیتہ وکلامہ بین محمد وبین موسیٰ فکلم موسیٰ مرتین وراٰہ محمد مرتین[1]. (کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور کلام محمدؐ و موسیٰؑ کے درمیان تقسیم کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے دو مرتبہ اللہ سے کلام کیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ اللہ رب العزت کا دیدار کیا) اور مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں

---

[1] جامع ترمذی۔

حاضر ہوا میں نے عرض کیا۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ فرمایا مسروقؒ تو نے ایسی بات کہہ دی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا اے اُمّ المومنینؓ ذرا ٹھہریئے (اور مجھے مہلت دیجیئے) کہ کچھ عرض کروں اور میں نے یہ آیت پڑھی۔ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى فرمایا تو اس آیت کو کہاں لے جا رہا ہے یہ تو جبریلؑ کی رؤیت کا بیان ہے۔

صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ ارشاد فرمایا نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ ایک روایت میں رَاَيْتُ نُوْرًا اور بعض شارحین نے نُوْرَانِيٌّ اَرَاهُ کو نُوْرٌ اِنِّيْ اَرَاهُ پڑھا ہے یعنی وہ ذات رب جس کو میں نے دیکھا ہے وہ نور والی ذات ہے کہ میں اس کا دیدار کر رہا ہوں۔

عکرمہؓ سے بروایت ترمذی اگرچہ ابتداءً ابن عباسؓ کی بات پر تردد اور اشکال ظاہر ہو رہا ہے لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے [1] بروایت ابن ابی حاتم عباد بن منصورؒ سے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے عکرمہؓ سے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى کی تفسیر دریافت کی تو عکرمہؓ کہنے لگے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا دیدار کیا ہے میں نے کہا جی ہاں فرمایا ہاں دیکھا ہے اور ایک دفعہ کے بعد پھر ایک بار اور بھی دیکھا ہے۔

خاتم المحدثین حضرت سید انور شاہ کشمیری اور استاذی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت خداوندی ہوئی ہے۔ مشکلات القرآن میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ان آیات پر کلام فرمایا اور اس تحقیق کو استاذ محترم نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں مدار تحقیق اور حل مسئلہ کے طور پر اختیار فرمایا حضرت شاہ صاحبؒ نے ان آیات النجم کے مضمون کو تین حصوں پر اور تین حالتوں کے بیان پر محمول فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائی تین آیات میں اللہ نے موحیٰ الیہ یعنی اپنے رسول کا ذکر فرمایا کہ استقامت علی الحق اور عصمت وحفاظت کا یہ مقام ہے اور ان کا ہر قول وفعل وحی الٰہی ہے موحیٰ الیہ کے بیان کے بعد واسطۂ وحی یعنی وحی پہنچانے والے قاصد کی عظمت وقوت کا بیان ہوا اور یہ کہ موحیٰ الیہ کو واسطۂ وحی اور قاصد سے معرفت اور قرب بھی ہے جو افق اعلیٰ کے عنوان سے ذکر کیا گیا اسکے بعد کی آیات اس حالت کو بیان کر رہی ہیں جو موحیٰ الیہ اور رب العزت کے مابین شب معراج میں واقع ہوئی وہ قرب و دیدار ہے جسکو مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى میں بیان فرمایا گیا اور جن آیات کے دکھلانے کے لیے سفر اسراء کرایا گیا جس کو فرمایا گیا لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (تاکہ دکھائیں ہم اپنی عظیم آیات ونشانیاں) عروج سمٰوات اور سدرۃ المنتہیٰ پر اس وعدہ کی تکمیل کرکے فرما دیا گیا لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى تو اگر یہ آیت صرف رؤیت جبریلؑ ہوتی تو نہ تو اس کے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

وعدہ کی ضرورت تھی اور نہ ہی اسکو عظیم ترین آیات میں شمار کیا جاتا ـــــ کیونکہ جبریل امینؑ کی رؤیت تو اصلی صورت میں پہلے ہی آغاز وحی کے زمانہ میں ہو چکی تھی جو معراج سے آٹھ نو برس قبل کا زمانہ تھا تو پھر ظاہر ہے لِنُرِيَهٗ سے جس چیز کے دکھانے کا وعدہ ہو رہا ہے وہ وہی چیز ہو سکتی ہے جسکو آپؐ نے پہلے نہ دیکھا ہو علاوہ ازیں جبریلؑ تو آپؐ کے وزیر تھے جیسا کہ احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے تو پھر صرف انکے دیدار کے لیے معراج جیسا عظیم الشان معجزہ منعقد فرمانا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا تھا اس وجہ سے بھی یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ ان تیسرے حصہ آیات میں قرب خداوندی اور دیدار خداوندی کا بیان ہے جس کے لیے سیر ملکوت سماوات کرائی گئی اور سدرۃ المنتہیٰ سے بلند مقام تک پہنچایا گیا پھر جب کہ حضرات صحابہ کی ایک جماعت اس کی قائل تھی اور آیات کا انطباق بھی بلا تکلف و تردد ہو رہا ہے تو معراج میں دیدار خداوندی ماننے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

آیت مبارکہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ سے پیدا ہونے والے اشکال حل کرنے کے لیے استاذ محترم شیخ الاسلامؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں ۔

لیکن یاد رہے کہ یہ رؤیت وہ نہیں جسکی نفی آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ میں کی گئی ہے کیونکہ اس سے غرض احاطہ کی نفی کرنا ہے یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں (جیسے کہ مادی چیزوں کی حقیقت کا احاطہ اور ماہیت کا ادراک ہو جاتا ہے) علاوہ بریں ابن عباسؓ سے جب سوال کیا گیا کہ دعوائے رؤیت آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کے مخالف ہے تو فرمایا ویحك ذاك اذا تجلّٰی بنورہ الَّذِیْ هُوَ نورہٗ (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی تجلیات وانوار متفاوت ہیں بعض انوار قاہرہ للبصر ہیں بعض نہیں اور رؤیت فی الجملہ دونوں پر صادق آتی ہے اور اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ جس درجہ کی رؤیت مؤمنین کو آخرت میں نصیب ہوگی جب کہ نگاہیں تیز کر دی جائیں گی جو اس تجلی کو برداشت کر سکیں گی وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہاں ایک خاص درجہ کی رؤیت سیدنا محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو شب معراج میں ابن عباسؓ کی روایت کے موافق میسر ہوئی اور اس خصوصیت میں کوئی بشر آپؐ کا شریک و سہیم نہیں نیز انہی انوار و تجلیات کے تفاوت اور تنوع پر نظر کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ (حضرت) عائشہ اور (حضرت) ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں شاید وہ نفی ایک درجہ میں کرتی ہوں اور یہ اثبات دوسرے درجہ میں کر رہے ہوں اور اسی طرح ابوذرؓ کی روایات رَاَیْتُ نُوْرًا ۔ اور نُوْرَانِیْٓ اَرَاہُ ، یا نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ میں تطبیق ممکن ہے واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم انتہی کلامہٗ من فوائدہٖ ؛

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت رَاٰهُ مرتین کی مراد بعض روایات کے الفاظ سے یہ کی جاتی ہے کہ مرۃً بقلبہ ومرۃ راٰہ بعینہ۔ لیکن یہ بھی امکان ہے کہ ایک مرتبہ کی رؤیت

وہ ہو جو حالت منام میں ایک رات آپ نے فرمائی جس کا ذکر حدیث اختصام ملاء اعلیٰ میں ہے اور دوسری مرتبہ شب معراج میں جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے ایک روایت میں ابن عباسؓ سے مرفوعاً یہ نقل کیا قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایت ربی عزّ وجلّ ان لفظوں کو روایت کر کے کہا فَاِنَّہٗ حدیث اسنادہٗ علیٰ شرط الصحیح. کہ یہ حدیث ایسی ہے کہ اس کی سند صحیح کی شرط پر ہے فرمایا لیکن یہ حدیث منام کا ایک مختصر حصہ ہے جیسا کہ احمد بن حنبلؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا رب میرے سامنے متجلّی ہوا ایک بہترین صورت میں حالت نوم میں اور فرمایا اے محمد! جانتے ہو کہ ملاء اعلیٰ کس چیز میں خصومت کر رہے ہیں میں نے کہا نہیں تو رب العزت نے اپنا دست بے مثال میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا جس کی ٹھنڈک (لطافت وسکینت) میں اپنے سینہ کے درمیان محسوس کرنے لگا اس کے بعد پھر جب سوال کیا تو میں نے جواب دیا نعم فی الکفارات والدرجات الخ۔

بہرکیف ان قرائن اور دلائل سے آیاتِ نجم کے اس تیسرے حصہ کو رؤیت خداوندی پر محمول کرنا واضح معلوم ہوتا ہے مسئلہ کی اہمیت تو چاہتی تھی کہ اس کے متعلق پہلوؤں پر تفصیل سے کلام کیا جاتا لیکن ضیق مقام کے باعث اختصار کے ساتھ یہ نقول پیش کر دیں اور ترجیح راجح کے طور پر حضرت شاہ صاحبؒ اور استاذ محترم کی رائے ناچیز نے اپنی تعبیر میں پیش کر دی ہیں اپنے علم وفہم کے قصور کے باعث نہیں کہہ سکتا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی مراد بتمام وکمال واضح کر سکا یا نہیں حضرات قارئین سے اپنی تقصیر وکوتاہی پر عفو ودرگذر کا طالب ہوں فاصفحوا الصفح الجمیل۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ

بھلا تم دیکھو تو لات اور عزّیٰ اور مناۃ وہ تیسری پچھلی کیا تم کو

الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ

بیٹے اور اس کو بیٹیاں تو تو یہ بانٹا بھونڈا یہ سب

هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ

نام ہیں جو رکھ لیے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اللہ نے

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى

نہیں اتاری انکی کوئی سند نری اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیوں کے

الاَّ نفس وَلقد جآءهم من ربهم الھدیٰ ﴿۲۳﴾ ام للانسان
چاہو ہیں اور پہنچی انکو ان کے رب سے راہ کی سوجھ کہیں آدمی کو ملتا

ما تمنیٰ ﴿۲۴﴾ فللہ الآخرۃ والاولیٰ ﴿۲۵﴾
ہے جو چاہے سو اللہ کے ہاتھ ہے پچھلی اور پہلی۔

تنبیہ و تہدید بر انکارِ توحید و رسالت و عدم حقیقت معبودانِ باطلہ

قال اللہ تعالیٰ افرءیتم اللّٰت والعزّیٰ . . . . الیٰ . . فللہ الآخرۃ والاولیٰ

(ربط) گذشتہ آیات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت اور آپ کی عظمت ومنقبت کا بیان تھا اور اسکے ضمن میں معراج کے بعض خصوصی احوال کے ذکر سے حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وکبریائی اور اسکی وحدانیت کا ذکر تھا اب ان آیات میں اسکے بالمقابل ابطالِ شرک اور مشرکین کے معبودوں کی حقارت و بے بسی اور ایسے معبودوں کی پرستش کا خلاف عقل وفطرت ہونا بیان کیا جارہا ہے ارشاد فرمایا۔

تو پھر کیا اے لوگو! تم نے حق تعالیٰ شانہٗ کے لامحدود عظمت وجلال اور اسکی عظیم نشانیوں کو سمجھ کر ان کے بالمقابل ان مشرکین کے معبودوں لات وعزیٰ کو دیکھا اور ایک اور تیسرے معبود منات کو جنکی حقارت و ذلت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے ان حقیر معبودوں کا تو خدائے برتر کے ساتھ نام لینے میں بھی شرم کرنی چاہیئے پھر ظلم یہ کہ یہ مشرکین انکو خدا کی بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (العیاذ باللہ) تو ایسے لوگوں سے پوچھو کیا تمہارے واسطے بیٹے ہوں اور اس کے واسطے بیٹیاں یہ تو اس صورت میں بہت ہی بھونڈی تقسیم ہے یہ تو بس صرف چند نام ہی ہیں جو تم نے رکھ لیئے ہیں اور تمہارے باپ دادوں نے کہ اللہ نے جسکی کوئی دلیل نہیں اتاری حالانکہ خدا تو وہ ذات ہے جسکی وحدانیت وخالقیت کے لیئے کائنات کا ایک ایک ذرہ دلیل ہوتا ہے یہ لوگ سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ محض اپنے گمان اور من گھڑت تخیلات کی پیروی کرتے ہیں اور ہر اس چیز کو جو انکے نفس کی خواہش ہو۔ حالانکہ انکے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے اور ایسا واضح اور سیدھا راستہ جس پر چل کر ہر انسان ہدایت وسعادت اور دین ودنیا کی فلاح پاسکتا ہے نجات وکامیابی انسان کے درست عقیدہ اور صحیح عمل پر موقوف ہے ایسا انسان جو عقائد ونظریات اور عمل کی گمراہیوں میں پڑا ہوا ہے اسکو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ آخرت میں بھی اپنی کامیابی کے دعوے کرے جیسا کہ مشرکین مکہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بت ہماری شفاعت کریں گے تو ایسے عقل وفہم کے دشمنوں سے کہدیا جاتے کیا انسان کے لیئے ہر وہ چیز ہے جسکی وہ تمنا کرے کوئی بھی صاحب عقل اسکو

قبول نہیں کرسکتا. یقیناً کامیابی عقائد کی درستگی اور اعمال صالحہ پر موقوف ہے جو اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا دین ہے پس اللہ ہی کے لیئے ہے آخرت اور اسکی کامیابی اور اس سے قبل والی پہلی زندگی یعنی عالم دنیا اور اسکی سعادت و کامیابی کا نہ آرزوؤں اور تمناؤں سے کچھ ملتا ہے اور نہ اس قسم کے مَن گھڑت خیالات سے کہ یہ ہمارے بُت ہمارے کام آئیں گے کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ سوائے ہلاکت اور خسران کے کچھ حاصل نہ ہوگا لات وعزّیٰ اور مناۃ یہ مشرکین مکہ کے معبود تھے۔ عام اہل عرب میں سب سے زیادہ معظم اور بڑا معبود لات سمجھا جاتا تھا. پھر اسکے بعد عزّیٰ اور تیسرے درجہ کا معبود مناۃ سمجھا جاتا تھا. لات یہ ایک بت منقش قسم کی سفید چٹان پر طائف میں بنا رکھا تھا اور اسکے اردگرد ایک بت خانہ کے طور پر گھر سا بنا رکھا تھا اور یہ لوگ اسکی خوبصورتی اور زیب و زینت (جو خود انکی اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی تھی) کے باعث دیگر قبائل عرب پر فخر کیا کرتے تھے ابن عباسؓ سے منقول ہے یہ بُت جاہلیت کے زمانہ کے ایک شخص کی طرف منسوب تھا جو حج کے موسم میں حاجیوں کے واسطے ستّو گھولا کرتا تھا اوس اور خزرج کے لوگ اسکی زیادہ تعظیم و تکریم کرتے تھے مگر قریش اور بنو کنانہ عزّیٰ کو سب سے بڑا سمجھتے تھے جو کہ مکہ کے قریب ایک نخلستان میں تھا ابوسفیانؓ نے یوم اُحد میں اسی کا نعرہ لگایا تھا لنا العزّی ولا عزّی لکم جس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کہدو اَللّٰہُ مولانا ولا مولیٰ لکم۔ تیسرا معبود مناۃ یہ مقام مشلل میں تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے دورِ جاہلیت میں قبیلہ خزاعہ اوس اور خزرج اسکی تعظیم کرتے تھے اور حج کے زمانہ میں یہاں سے احرام باندھ کر حج کا تلبیہ کہتے ہوئے کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوا کرتے تھے معجم البلدان میں ذکر کیا ہے کہ مشرکین عرب بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان بتوں کا نام پکارا کرتے تھے اور یہی الفاظ کہا کرتے تھے اَللّٰاتَ وَالْعُزّٰی وَمَنَاۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی اور ان الفاظ کیساتھ مزید یہ کہا کرتے ھٰؤُلَاءِ الغرانیقُ العُلیٰ وانّ شفاعتھن لترتجٰی بعض کتب تفسیر میں اس موقع پر ایک قصہ نقل کیا ہے کہ سورۃ والنجم کی جب آپؐ نے یہ آیت اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی تلاوت کی تو کسی جنّیؔ نے آپؐ کی آواز میں اپنی آواز ملا کر یہ کہہ دیا تِلْكَ الغرانیق العُلیٰ وانّ شفاعتھنّ لترتجٰی اور اس پر سب مشرکین سجدہ میں گر گئے۔ یہ واقعہ اصولِ حدیث اور اصولِ دین کے لحاظ سے کسی طرح صحیح نہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ جس پیغمبر کا ہر لفظ اور اس کا ہر نطق وحی الٰہی ہے اور اللہ نے اسکو نمونۂ ہدایت بنا کر ہر خطا و گمراہی سے محفوظ کر دیا اسکی زبان سے نکلے ہوئے کلمات میں کوئی شیطان اپنی آواز ملا کر کلماتِ شرک جاری کر دے اور سننے والے یہ گمان کریں کہ یہ کلمات آپؐ نے بولے ہیں بہرکیف یہ واقعہ از روئے اسناد اور بحیثیت اصول دین ناقابلِ اعتبار ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ ایک حدیث میں ہے مَنْ رَاٰنِی فِی المنام فقد راٰنی فان الشیطان لا یتمثل بی کہ جس کسی شخص مؤمن نے مجھے خواب میں دیکھا تو بے شک اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے کیونکہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ میرا ہم شکل بن کر خواب میں کسی کے سامنے آسکے تو جب بحالتِ نوم (خواب) میں کسی مسلمان

کے سامنے شیطان متمثل نہیں ہوسکتا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ بحالت بیداری خود پیغمبر کے سامنے وہ اپنی آواز (صوت) پیغمبر کی آواز سے ملتبس کر دے تو صورت کے التباس پر جس طرح اسکو قدرت نہیں دی گئی تو اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ صوت کے التباس پر قدرت نہ ہوگی۔

البتہ اتنا بے شک ثابت ہے صحیحین کی روایت سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ والنجم کی تلاوت فرمائی اور اس مجمع میں مسلمان و مشرکین موجود تھے تو ہر ایک خواہ مسلمان ہو یا مشرک سجدہ میں گر پڑا سوائے قریش کے ایک بوڑھے کے کہ اس نے سجدہ نہ کیا اور ایک مٹھی بھر مٹی لے کر اپنی پیشانی سے لگالی اور کہا کہ بس مجھے یہی کافی ہے اور یہ بوڑھا امیہ بن خلف تھا جسکو ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرأیتہٗ بعد قتل کافرًا۔ چنانچہ یہ بوڑھا غزوۂ بدر میں قتل کیا گیا۔ تو یہ بات تو احادیث سے ثابت ہوئی اور اس قصہ میں مشرکین کے سجدہ کا منشا یا تو یہ ہوگا کہ انہوں نے جب آیتِ قرآنیہ میں اپنے بتوں کے نام سنے تو سجدہ میں گر پڑے قطع نظر اسکے کہ آئندہ کیا مضمون آرہا ہے یا حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ کی تحقیق کی رو سے یہ وجہ ہو کہ اس وقت اس مجلس میں غیبی تجلیات کا نزول ہوا ہو تو مسلمانوں کا سجدہ تو ایمان و طاعت کا سجدہ تھا۔ لیکن مشرکین کا سجدہ ایک طرح کی مبہوتی اور بدحواسی کے عالم میں ہوا اگرچہ مشرکین کا یہ سجدہ صرف ظاہری تھا لیکن کیا تعجب ہے کہ اس ظاہری سجدہ کی برکت سے انکو بعد میں ایمان لانے کی توفیق ہوگئی ہو برخلاف اس خبیث بوڑھے کے جو ظاہری سجود سے محروم رہا تو اس کو کبھی بھی سجدہ نصیب نہ ہوا اور بحالتِ کفر قتل کر دیا گیا تو اس توجیہ کے پیش نظر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لفظ فقد رایتہ بعد قتل کافرًا کی وجہ اور حکمت بھی کچھ ظاہر ہو رہی ہے کہ اسی کو خاص طور پر کفر کی حالت میں مقتول ہونے کو بیان کرنا اس کے علاوہ دوسروں کے حق میں توفیق ایمان کی گنجائش ظاہر کرتا ہے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ

اور بہت فرشتے ہیں

فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ

آسمانوں میں کام نہیں آتی ان کی سفارش کچھ مگر جب حکم دے

يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اللہ جس کے واسطے چاہے اور پسند کرے جو لوگ یقین نہیں رکھتے

بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ

پچھلے گھر کا، وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کو نام زنانہ اور انکو

بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا

اسکی کچھ خبر نہیں نری اٹکل پر چلتے ہیں اور اٹکل کام نہ

يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ۵ عَنْ

آدے ٹھیک بات میں کچھ سو تو دھیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے

ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ؕ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ

ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا یہاں ہی تک پہنچی

مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

ان کی سمجھ تیرا رب ہی بہتر جانے جو بہکا اس کی

سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي

راہ سے اور وہی بہتر جانے، جو آیا راہ پر اور اللہ کا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا

ہے آسمانوں میں اور زمین میں تا وہ بدلہ دیوے برائی والوں کو انکے

عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ

کیے کا اور بدلہ دے بھلائی والوں کو بھلائی جو لوگ

يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ

بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی بے شک

رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ

تیرے رب کی بخشش میں سمائی ہے وہ تم کو خوب جانتا ہے جب نکالا تم کو

مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ

زمین سے، اور جب تم بچے تھے ماں کے پیٹ میں

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ؁۳۲ ع

سو مت بولو اپنی ستھرائیاں وہ بہتر جانے اُسے جو بچ کر چلا

عظمت شانِ ربُّ العالمین روز محشر و شناعت عقائد مشرکین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ ... الٰی ... هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى

(ربط) گذشتہ آیات میں مشرکین کے معبودوں کا ذکر تھا اور یہ کہ ان معبودوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں بجز اسکے کہ یہ محض نام ہیں جو انکی عبادت اور پرستش کرنے والوں نے گھڑ لیتے ہیں چہ جائیکہ ان میں کوئی قدرت و طاقت ہو اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور اسکی کبریائی کا بیان ہے اور یہ کہ اسکی بارگاہ میں کسی کی مجال نہیں کہ کوئی کسی کی سفارش کر سکے اس لیے ان مشرکین کو اپنے دماغوں سے یہ خیال نکال دینا چاہیئے کہ یہ معبود قیامت کے روز انکی شفاعت کریں گے ارشاد فرمایا۔

اور کس قدر فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ انکی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی حالانکہ وہ اللہ کے فرشتے ہیں اور آسمانوں میں رہتے ہیں مگر بعد اسکے کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے سفارش کرنے کی اور اسکے لیے پسند کرے اول تو فرشتے یا کوئی بھی ہو بلا اجازت کے شفاعت نہیں کر سکتے اور اگر سب مل کر کریں بھی تو نافع نہیں جسکو اجازت ملے گی وہی کر سکے گا اور جس کے واسطے پسند کیا جائے گا اسی کے واسطے ہو سکے گی اس وجہ سے کسی کو یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ فلاں فلاں میرے سفارشی ہوں گے بلاشبہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہی ہیں جو فرشتوں کو لڑکیوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں کوئی بھی صحیح العقل انسان یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ فرشتے جو اللہ کی مخلوق نوری ہیں وہ لڑکیاں ہیں اور پھر غضب یہ کہ انکو خدا کی بیٹیاں تجویز کرنا حالانکہ ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں یہ لوگ محض بے بنیاد اور بے اصل خیالات اور صرف اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں اور بلاشبہ ایک حقیقت واقعیہ اور ثابتہ کے مقابلہ میں اٹکل اور اوہام فاسدہ ذرہ برابر بھی کارآمد نہیں ہو سکتے۔ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور ان کے نام بھی عورتوں اور لڑکیوں کے رکھتے ہیں یہ انتہائی عقل اور فطرت سے بعید بات ہے اور حق تعالےٰ کے مقابلہ میں بڑی ہی بے باکی ہے بس آپ ایسے شخص سے بے رخی کر لیجیئے اور اس سے منہ موڑ لیجیئے ایسا شخص قابل التفات ہی نہیں چہ جائیکہ اسکی باتوں پر کوئی اثر لیا جائے ہماری یہی نصیحت ہے کہ بس آپ ایسے شخص سے اعراض و بے رخی اختیار کر لیجیئے جس نے

ہماری نصیحت سے روگردانی کرلی اور اس کا کوئی مقصد نہیں سوائے دنیوی زندگی کے اور ظاہر ہے کہ جس کا مقصد حیات صرف دنیوی زندگی ہو وہ نہایت ہی ناعاقبت اندیش اور کم فہم ہے لیکن بس ان لوگوں کا یہی مبلغ علم اور منتہائے فکر ہے اس سے آگے انکے فہم وعقل کی پرواز نہیں بے شک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے اس شخص کو جو راہ سے بھٹک گیا اور وہی اس سے بھی خوب واقف ہے جس نے صحیح راہ پائی اس لیے آپ کو کہا جارہا ہے کہ ہمارے ذکر یعنی قرآن یا ایمان یا ذکر الٰہی سے جو بھی غافل ہے اور اس سے اعراض و بے رخی کررہا ہے آپ اس سے اپنا رخ موڑ لیجئے کیونکہ ذکر الٰہی اور ایمان یا قرآن سے بے رخی دنیا کی محبت کے باعث ہے ایسے لوگوں کو کچھ تو سمجھنا چاہیئے کہ جو اصل کائنات کا مالک ہے اسکو چھوڑ کر اس کی پیدا کردہ چیز سے اسکو کیا مل جائے گا اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ہر چیز اسکے قبضہ اور اختیار میں ہے اللہ ہی نے یہ سارا کارخانۂ عالم قائم کیا ہے اور اپنا پیغمبر بھیجا کتاب نازل کی یہ سب کچھ اسی مقصد کی خاطر کہ انجام کار وہ بدلہ دے ان لوگوں کو جنہوں نے بُرے کام کیے ان کی برائیوں کا اور بدلہ دے نیکی کا ان لوگوں کو جنہوں نے نیکی کے کام کیے اور عمل کی مجازات عقل اور فطرت کا قانون ہے اچھا صلہ اور انعام ان لوگوں کے لیے ہوگا جو محسنین ونیکوکار ہیں جو پرہیز کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے مگر معمولی لغزش اور چھوٹے چھوٹے گناہ جو اتفاقاً بھول چوک سے واقع ہو جائیں بے شک آپ کا پروردگار مغفرت وبخشش کے لحاظ سے بہت ہی وسیع ہے اسکی وسعت مغفرت کے سامنے گناہوں کی اور خطاؤں کی کوئی حقیقت نہیں وہ تم کو اس وقت سے خوب جانتا ہے جب کہ اس نے تم کو اور تمہارے باپ آدم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں جنین اور بصورت حمل تھے اور وہ تمہارے عمل ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے لہٰذا تم اپنی پاکیزگی بیان نہ کیا کرو اور اپنی تقویٰ وطہارت کے دعوے مت کیا کرو وہی پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون تقویٰ والا ہے[1] الغرض جب یہ

---

[1] حسن بصری سے منقول ہے فرمایا کرتے تھے عَلِمَ اللّٰہُ من کُلِّ نَفْسٍ مَا هِيَ صَانِعَةٌ وَإِلَىٰ مَا هِيَ صَائِرَةٌ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تطهروها من الآثام ولا تمدحوها بِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ. یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہر شخص کو جانتا ہے کہ وہ کیا کرنے والا ہے اور اسکے لیے کیا ہونے والا ہے لہٰذا تم اپنے آپ کو پاکباز نہ سمجھ بیٹھو اور نہ اپنے تقویٰ وطہارت کا دعویٰ کرو اور نہ اپنے نیک اعمال کی تعریفیں کیا کرو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی تعریف کی گئی تو آپ نے اس خیال سے کہ یہ شخص غرور اور دھوکہ میں نہ پڑ جائے فرمایا" ویلك قطعت عنق اخیك" افسوس تو نے اپنے بھائی کی گردن توڑ ڈالی بار بار آپ یہی فرماتے رہے اسکے بعد آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کی نیکی کی تعریف ہی کرنا چاہتا ہے تو بس یہ کہہ دے کہ فلاں شخص کو میں ایسا گمان کرتا ہوں اور اصل تو خدا ہی خوب جاننے والا ہے میں خدا کے مقابلہ میں کسی کی پاکدامنی کا دعویٰ نہیں کرسکتا ۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حقیقت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اسکی پیدائش سے پہلے ہی جانتا ہے اور اسکے علم سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں تو یقیناً ہدایت و گمراہی کا عمل بھی اسکے سامنے مخفی نہیں رہ سکتا اور جب آسمان و زمین سب کچھ اس کا ہے تو بلاشبہ اسی کے در سے سب کچھ مل سکتا ہے دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر اسکو چھوڑنا بڑی ہی بدعقلی اور بدنصیبی ہے اور جب وہ ساری کائنات کا مالک ہے تو یقیناً نیکی اور بدی کا بدلہ بھی دے گا۔

قانون مجازات اور اعمال سیئہ کی تفصیل

آیت مبارکہ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ بیان اور صفت ہے۔ اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا۔ نیکو کار لوگ کون ہوتے ہیں اُن کا وصف ان کلمات میں بیان کیا گیا ہے کہ جو کبائر و فواحش سے پرہیز کرنے والے ہیں انکو خدا کے نزدیک نیکو کار شمار کیا جا سکتا ہے۔ انسان کے تقویٰ اور محسن ہونے کے مضمون سے یا اجتناب کے مضمون سے "اللَّمَمَ" کا استثناء فرما دیا جس سے مراد خطا اور نسیان سے چھوٹے گناہوں کا سرزد ہو جانا ہے بعض مرتبہ لاپرواہی اور عدم توجہ بھی کسی معصیت کے صدور کا باعث ہو جاتی ہے محقرات اعمال اور صغائر کو "لمم" کا مصداق بالعموم مفسرین فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے فرمایا میں لَمَمَ کے متعلق اس سے قریب تر چیز کوئی چیز نہیں سمجھتا جو ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث میں ذکر فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے حصہ میں زنا کا ایک حصہ رکھ دیا ہے جسکو بہر حال پاتا ہے آنکھ کا زنا نامحرم کو دیکھنا۔ زبان کا فحش باتوں کا کرنا ہے اور انسان کا نفس شوق اور آرزو کرتا ہے لیکن فرج اسکی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس قسم کے گناہ جو نظر۔ فحش کلامی۔ بے حیائی کی بات سننا خیالات بے ہودہ کی طرف توجہ کرنا صغائر اور لمم ہیں اسی بناء پر بعض متکلمین کی رائے ہے کہ گناہوں کے جو مقاصد ہیں انکو کبائر کہا جائے گا اور جو مبادی ہیں وہ صغائر ہیں۔

جیساکہ آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ میں ظاہر فرمایا گیا بعض مفسرین ائمہ نے یہ نقل کیا کہ اتفاقی طور پر کسی گناہ کا سرزد ہو جانا لمم ہے عطاءؒ ابن عباسؓ سے اور حسن بصریؒ ابوھریرہؓ سے بھی اسی طرح نقل کرتے ہیں بعض متکلمین کی رائے یہ ہے کہ جس گناہ پر انسان تائب ہو گیا وہ لمم ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے بروایت ابن جریرؒ مجاہدؒ سے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ قانون مغفرت میں سورۃ نساء کی اس آیت مبارکہ کو اصولیین نے بنیاد سمجھا ہے وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ الخ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبائر وہ گناہ ہیں جو فواحش اور ظلم کی حد میں شمار کیے جائیں اور انکی مغفرت کا قانون یہ ہے کہ انسان

نادم و شرمندہ ہو کر معافی مانگے اور ندامت و شرمندگی یہ ہے کہ آئندہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کرے۔

کبائر کی معافی توبہ پر موقوف ہے اور صغائر جن کو سیئات کہا جاتا ہے انکی معافی حسنات کے ذریعہ فرمائی گئی إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ علماء متکلمین کے یہاں یہ بات بھی زیر بحث آئی ہے کہ سیئات کی معافی آیا بذریعہ حسنات اجتناب عن الکبائر کی شرط کے ساتھ مشروط ہے یا مطلقًا نیکیاں انسان کے صغائر کو معاف کر دیتی ہیں دونوں قول منقول ہیں امام غزالیؒ کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ معمولی گناہ بمنزلہ امراض ہیں اور طاعات و عبادات بمنزلہ علاج اور دوائیں اور اجتناب عن الکبائر بمنزلہ پرہیز کے ہے دوا اور علاج کی تاثیر پرہیز کے ساتھ پوری طرح باقی رہتی ہے اور بدپرہیزی کی صورت میں دوا کی تاثیر یا ختم ہو جاتی ہے یا ضعیف ہو جاتی ہے (تفصیل کے لیے مراجعت فرمائیں احیاء العلوم)

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَ

بھلا تو نے دیکھا وہ جس نے منہ پھیرا اور لایا تھوڑا سا اور

أَكْدَىٰ ﴿٣٤﴾ أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ ﴿٣٥﴾

سخت نکلا کیا اسکے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ دیکھتا ہے

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾

کیا اس کو خبر نہیں پہنچی جو ہے ورقوں میں موسیٰ کے

وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴿٣٧﴾ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ

اور ابراہیم کے جس نے پورا اُتارا کہ اٹھاتا نہیں اُٹھانے والا

وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٣٨﴾ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾

بوجھ کسی دوسرے کا اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿٤١﴾

اور یہ کہ اسکی کمائی اسکو دکھانی ہے پھر اسکو بدلہ دینا ہے اسکا پورا بدلہ

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾

اور یہ کہ تیرے رب تک پہنچنا اور یہ کہ وہی ہے ہنساتا اور رلاتا

وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ

اور یہ کہ وہی ہے مارتا اور جلاتا اور یہ کہ اس نے بنایا جوڑا

الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ

نر اور مادہ ایک بوند سے جب ٹپکائے اور یہ کہ اس پر

النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ

لازم ہے دوسرا اٹھانا اور یہ کہ اس نے دولت دی اور پونجی اور یہ کہ

هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ِۨ الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾

وہی ہے رب شعریٰ کا اور یہ کہ اس نے کھپا دیئے عاد اگلے

وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ

اور ثمود پھر باقی نہ چھوڑا اور نوح کی قوم اس سے پہلے وہ تو تھے

كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾

اور بھی ظالم اور شریر اور اُلٹی بستی کو پٹکا

فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا

پھر اس پر چھایا جو چھایا اب تو کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاوے گا یہ ایک

نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ

ڈر سنانے والا ہے پہلے سنانے والوں میں کا آپہنچی آنے والی کوئی نہیں

لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ

اسکو اللہ کے سوا کھول دکھانے والا کیا تم اس بات سے

تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ

اچنبھا کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم

سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

کھلاڑیاں کرتے ہو سو سجدہ کرو اللہ کے آگے اور بندگی۔

خصائص اوصافِ سعادت وشقاوت وقانونِ جزاءِ اعمال

قَالَ تَعَالٰی . اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ..... اِلٰی ..... فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا

(ربط) گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ کے عظمت وجلال کا بیان تھا اور اسی ضمن میں خدا کے نیک اور برگزیدہ بندوں کا ذکر تھا تو اب بعض ایسے شقی اور بدبخت انسانوں کا ذکر ہے کہ انکی شقاوت دنیا کے واسطے سامان عبرت ہے اور اسی کے ساتھ اعمال کی جزاء وسزا کا معیار بیان فرمایا جارہا ہے اور یہ کہ انسانی کوشش بہرحال اپنے ثمرات ظاہر کرکے رہتی ہے تو ارشاد فرمایا۔

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے دین حق سے روگردانی کی اور تھوڑا سا دیا اور پھر سخت دل ہوگیا[1] اور جو کچھ دے رہا تھا وہ بند کردیا جیسے کہ بعض مفسرین کے بیان کے مطابق ولید بن مغیرہ جو کچھ تھوڑا بہت اسلام کی طرف مائل ہونے لگا تھا مشرکین نے اسکو ملامت کی کہ تو یہ کیا کررہا ہے اس نے کہا کہ اگر قیامت آگئی جیسا کہ محمدؐ کہتے ہیں تو پھر وہاں کا عذاب کس طرح برداشت کروں گا اس سے ڈر لگتا ہے اس پر ایک متعصب قسم کے مشرک (جس کا نام عاتبہ تھا) نے کہا کہ اگر وہاں عذاب کی نوبت آتی تو میں اس کا ضامن ہوں اور وہ عذاب تیرے بجائے میں اٹھاؤں گا بشرطیکہ تو مجھے اتنا اتنا مال دے دے ولید نے اسکی بات مان لی اور جو کچھ میلان ہوا تھا پھر اس سے روگردانی کرلی اور کچھ مال دیا مگر بعد میں مال دینا بند کردیا۔ یا سخت دل ہوگیا کہ مشرکین مکہ کے کہنے سننے سے دل میں اسلام لانے کے لیے جو نرمی پیدا ہوئی تھی وہ پھر بدستور کفر کی شقاوت اور قساوت میں تبدیل ہوگئی۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی تھوڑا سا ایمان لانے لگا تھا پھر سخت ہوگیا اس کا دل۔ کیا

[1] اکدیٰ ۔ کُدْیَۃٌ ۔ سے ماخوذ ہے پتھر کی سخت چٹان کو کہتے ہیں ۔ محاورات میں ہے اکدیٰ حافر البئر یعنی کنواں کھودنے والے نے زمین کی سختی یا پتھر آجانے کی وجہ سے کھدائی بند کردی ۔

اسکے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اسکو دیکھ رہا ہے کہ قیامت کے دن پر جب عذاب ہوگا تو کوئی دوسرا شخص وہ عذاب میرے بجائے اٹھالے گا اور مجھ کو اس سے سبکدوش کردے گا کیا اسکو خبر نہیں پہنچی ان باتوں کی جو حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں میں ہے اور نیز اس خلیل ابراہیمؑ کے صحیفوں میں جس نے اللہ کے ہر حکم کو پورا کیا تورات اور تورات کے علاوہ دیئے گئے موسیٰؑ کو کچھ صحیفے اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں جو مضامین مذکور ہیں انکی خبر ولید کو نہیں پہنچی حالانکہ وہ قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل ہو چکے ہیں اور انکی باتیں لوگوں میں معروف ہیں اور خدا کے سارے پیغمبر بنیادی باتوں توحید، آخرت، جنت وجہنم، جزاء وسزا جیسے امور میں متفق ہیں تو ان سب صحیفوں میں یہ بات کھول کر بیان کر دی گئی ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے گنہ گار کا بوجھ نہیں اٹھائے گا تو جب یہ بات ان اولوالعزم پیغمبروں کے صحیفوں میں موجود ہے پھر اس قسم کا معاملہ اس نے کیوں کر لیا اور ان صحیفوں میں تو یہ بھی ہے کہ ہر انسان کے واسطے وہی ہے جو اس نے سعی کی اور کمایا اور یہ کہ عنقریب اسکی سعی وکوشش دیکھی جائے گی اور کسی کی جدوجہد اور عملی کوشش ضائع نہیں ہوتی خواہ خیر ہو یا شر پھر اسکو اسکی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ بہرکیف انسانی کوشش کا ثمرہ اور نتیجہ مل کر ہی رہتا ہے یہ نہیں کہ وہ نہ ملے اور ثمرات اعمال اس پر مرتب نہ ہوں۔

فلاسفہ اور معتزلہ نے اِلَّا مَا سَعٰی کا قصر انسان کے استحقاق کے لیے سمجھا حالانکہ مدلول آیت سعی کا حصول للانسان ہے یعنی سعی انسانی کا قصر فی الحصول ہے کہ سعی حاصل ہو کر ہی رہتی ہے یہ مراد نہیں کہ انسان کو بس اس کی سعی کا ہی صلہ ملتا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ آرہی ہے۔

اور ان صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ آپ کے پروردگار ہی کی طرف ہر چیز کا پہنچنا ہے وہی ذات ہر شے کا منتہیٰ ہے اسی تک ہر ایک آواز پہنچتی ہے۔ اسی کی طرف ہر ایک کی حاجتیں پہنچتی ہیں اسی کی طرف ہر ایک عمل پہنچتا ہے اور اسی کی طرف ہر مخلوق کو لوٹ کر جانا ہے۔ وہی مبداء کائنات ہے اور وہی منتہیٰ بھی ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رُلاتا ہے کیونکہ ہر غم اور خوشی کا سامان اسی کے اختیار میں ہے اور اسی کے حکم سے انسان پر یہ احوال وواقعات پیش آتے ہیں لہٰذا درحقیقت ہنسانے اور رلانے والی ذات اللہ ہی کی ہے اس وجہ سے انسان کو چاہیئے کہ ہر خوشی اور مسرت اللہ رب العزت سے مانگے اور ہر غم و رنج میں اپنے پروردگار ہی کو پکارے اور یہ کہ وہی موت دیتا ہے اور وہی حیات وزندگی دیتا ہے اور موت وحیات کا وہی خالق اور مالک ہے اور اسی نے جوڑا پیدا کیا دونوں قسموں نر و مادہ کا نطفہ کے ایک قطرہ سے جب کہ وہ ڈالا جاتا ہے رحم میں جب حق تعالیٰ کی شانِ خالقیت کا یہ مشاہدہ تمام عالم میں ہے کہ اس نے جوڑے پیدا کیے انسانوں اور حیوانوں میں مذکر ومؤنث اور نر و مادہ اور دنیا کی ہر چیز میں خیر وشر، نفع ونقصان۔ بلندی وپستی اور نور وظلمت تو جس ذات اعلیٰ واجل کی خالقیت اور قدرت کے یہ سارے کرشمے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اس ذات کے لیے کیا مشکل ہے کہ قیامت میں دوبارہ انسان

کو پیدا کر دے اس لیئے ان صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ اور اس پر ضروری ہے دوبارہ پیدا کرنا کیونکہ اس نے اس بات کا وعدہ کر لیا ہے اور جب اسکے حکم کے خلاف ایک پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر اللہ کسی پر عذاب نازل فرمائے تو کوئی اسکو بچا کر وہ عذاب خود برداشت کرلے اور یہ کہ وہی ہے جس نے اپنے بندوں کی حاجتوں کو پورا کیا اور رزق دے کر کسی کا محتاج نہیں رکھا اور اسی نے کسی کو مالدار بنایا زمینیں جائداد۔ مویشی اور خزانے اموال دیگر الغرض کسی کو بقدر ضرورت دیا اور کسی کو اپنی نعمتوں سے زیادہ نوازا ــــ اور ان صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ وہ پروردگار ہے شعری ستارہ کا بھی جس کی بہ اہل عرب اور مشرکین پرستش کرتے ہیں افسوس کہ ایک مخلوق کی تو پرستش کرنے لگے لیکن اسکے خالق کو نہ پہچانا۔ اور یہ کہ اس نے عاد اولیٰ یعنی عادِ قدیم کو ہلاک کر ڈالا اور ثمود کی قوم کو بھی سو ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑا اور قوم نوح کو بھی جو ان سے پہلی تھی بے شک یہ سب بڑے ہی ظالم اور سرکش تھے اور لوط کی الٹی ہوئی بستیاں بھی جنکو اسی پروردگار نے اکھاڑ پھینکا پھر ان بستیوں کو ڈھانک لیا جس کسی بھی ہیبت ناک چیز نے ڈھانک لیا تھا جس کی ہیبت وعظمت کا تصور نہیں کیا جا سکتا یہ سابقہ قومیں کیسی طاقت ور قومیں تھیں اسباب اور وسائل کی کوئی کمی نہ تھی مکانات اور محفوظ پتھروں کے تراشے ہوئے قلعے تھے لیکن ان قوموں کی مادی طاقت اور وسائل کی کثرت انکو عذاب الٰہی سے نہ بچا سکی۔ ظالموں اور سرکشوں کی تباہی خداوند عالم کا ایک عظیم انعام ہے تو اے مخاطب تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت میں شک کرتا رہے گا اور ان واقعات کو سن کر بھی ایمان نہیں لاتے گا ان عبرت ناک واقعات کو سن کر تو چاہیئے کہ ولید اور اس کے ساتھی اور قریش مکہ ایمان لے آئیں تو اہل مکہ سن لو یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ڈرانے والے ہیں۔ عذاب خداوندی سے پہلے ڈرانے والوں کی طرح امم سابقہ کو وہ انبیاء علیہم السلام ڈراتے رہے اسی طرح یہ پیغمبر آخر الزمانؐ بھی ہیں ان پر ایمان لانے میں کسی طرح تامل نہ کرنا چاہیئے اب تاخیر کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ پاک کے آخری نبی ہیں اور قریب آچکی ہے قریب آنے والی چیز یعنی قیامت جسکو کوئی اٹھانے والا نہیں اللہ کے سوا یعنی قیامت آجانے کے بعد کسی کی یہ طاقت نہیں کہ اسکو ٹلا سکے قیامت تو کیا درخت سے گرنے والے پتہ کو بھی کسی کی مجال نہیں کہ گرنے سے روک دے پھر بھی کیا تم اس بات اور قیامت آنے پر تعجب کر رہے ہو اور اسکو اچنبھا سمجھ رہے ہو اور تم ہنستے ہو اور ان باتوں کو پیغمبر کی زبان سے جب سنتے ہو تو مذاق اڑانے لگتے ہو اور تم روتے نہیں حالانکہ خدا کے عذاب اور امم سابقہ کی ہلاکت و تباہی کے واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے تو تمہیں اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہیئے اور اپنی بدنصیبی پر رونا چاہیئے اور تم اسی طرح غافل و متکبر بنے ہوئے ہو قرآن اور اللہ کے پیغامات نہ ہنسی کھیل کی چیزیں ہیں نہ ہی ان سے غفلت و اعراض بے رخی اور تکبر کرنا چاہیئے یہ حرکات تباہی اور بربادی کا باعث ہیں بس اب تو اللہ کے سامنے سربسجود ہو جاؤ اور اسی کی عبادت کرو۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "شعریٰ" ایک بہت بڑا تارا ہے اسکو بعضے عرب پوجا کرتے تھے ۱۲۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سورت تلاوت فرمائی تو اس حکم خداوندی کی تعمیل میں فوراً سربسجود ہوگئے اور اس مجلس میں جتنے مسلمان تھے وہ بھی سجدہ میں گر پڑے اور اس مجلس میں کچھ انوار و تجلیات کا نزول ہوا کہ جو یہاں موجود مشرکین تھے وہ بھی مبہوت ہوکر بدحواسی کے عالم میں سجدہ میں گر پڑے البتہ ایک بوڑھا اُمیہ بن خلف جو شرک وکفر میں ایک مضبوط چٹان کی طرح تھا اسکو بظاہر یہ غاشیۂ غیبیہ اور انوار و تجلیات متاثر نہ کرسکے اور وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا اور ایک مٹھی پر مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگالی اور کہنے لگا کہ بس مجھے تو یہ کافی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ یہی وہ واقعہ تھا سورۃ النجم کی تلاوت پر سجدہ کرنے کا جسکو صحیحین میں بیان کیا کہ سَجَدَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سجد من مَعَهٗ مِنَ المسلمین وَ المشرکین الخ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور آپؐ کے ساتھ اس وقت وہاں جو بھی مسلمان تھے اور مشرک سب سربسجود ہو گئے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں قرآن کریم میں یہ سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی۔

صحیحین کی روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوٰۃ الکسوف یعنی سورج گہن کی نماز میں جنت و جہنم کے مناظر پیش کیے گئے اور آپؐ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! خداوند عالم بڑا ہی غیور ہے اور اسی وجہ سے اس نے فواحش اور بے حیائیوں کو حرام فرمایا ہے مراد یہ تھی کہ بے حیائی کا ارتکاب کرنے والے شخص کو اس بات سے غافل نہ ہونا چاہیئے کہ وہ خداوند عالم کی غیرت کو پامال کرکے خدا کے قہر و غضب کو دعوت دے رہا ہے اور اس صورت میں اسے اپنے انجام سے بے فکر نہ ہونا چاہیئے۔

اور ایک حدیث میں ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اگر تم وہ بات جان لو جو مجھے معلوم ہے تو تم لوگ ہنسنا بھول جاؤ گے اور کثرت سے رویا کرو گے اور حتیٰ کہ تمہیں اپنے بستروں پر چین نہ آئے گا اور تم جنگلوں میں نکل جاؤ گے الغرض دین اور دین کی باتوں پر مذاق و تمسخر انتہائی بدنصیبی ہے اگر حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا ادنیٰ درجہ میں بھی کسی کو اندازہ ہوجائے تو پھر اسکی تو یہ کیفیت ہوجائے گی کہ زندگی کے ہر عیش و راحت ہی کو بھول جائے گا۔

ان آیات کی تفسیر اس شان نزول سے قطع نظر کرتے ہوئے عمومی طور سے یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ اس موقعہ پر حق تعالیٰ شانہ نے ہر اس شخص کی مذمت فرمائی جو ابتداء میں دین کی طرف راغب ہوا مانوس ہوا اور کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگے مگر پھر دل سخت ہوگیا اسکو چھوڑ بیٹھے اور بخل کرنے لگے تو اسکے حق میں فرمایا گیا کہ بھلا ایسا شخص بھی آپ نے دیکھا ہے کہ جو پہلے بے رخی اور روگردانی کرتا ہو پھر وہ کچھ نرم دل ہوکر تھوڑا بہت اللہ کے لیے خرچ کرے مگر پھر سخت دل ہوجائے اور اس سلسلہ کو بند کردے تو کیا اسکو غیب کی خبر ہوگئی ہے کہ اگر زائد خرچ کردوں گا تو میں مفلس ہوجاؤں گا اور میرے پاس کچھ باقی نہ بچے گا تو کیا وہ قضاء و قدر کے معاملات دیکھ رہا ہے اور اسے نظر آگیا ہے کہ بس اس کے بعد اس کو کچھ نہ ملے گا پھر اس تخیل کے بعد حقوق اللہ بھی ضائع کر رہا ہے اور حقوق العباد میں بخل کرکے ظلم اور

معصیت کا مرتکب ہو رہا ہے کیا اسکو کتب سماویہ اور ان اولو العزم پیغمبروں کے صحیفوں سے یہ بات معلوم نہیں کہ ہر انسان کو اپنے گناہوں کا قیامت کے روز بوجھ اٹھانا ہے اس غلط خیال میں نہ رہنا چاہیئے کہ وہاں کی پیش آنے والی مشقتیں اور مصیبتیں کوئی دوسرا برداشت کرے گا پھر اسی مناسبت کے ساتھ اخیر سورت تک سلسلہ تنبیہ و تہدید کا فرمایا گیا (واللہ اعلم بالصواب)

قرآنی فیصلہ کہ ہر جد وجہد بارآور ہوتی ہے اور مسئلۂ ایصال ثواب

آیت مبارکہ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کی مراد سیاق و سباق سے متعین ہے کہ انسان کی جو بھی سعی اور کوشش ہے اس کا ثمرہ اور نتیجہ اس پر ضرور مرتب ہوا کرتا ہے اللہ رب العزت نے جس طرح دنیوی نظام میں ہر چیز مقدر فرمادی ہے کہ انسان کی جد وجہد بہر کیف بارآور ہوتی ہے آخرت میں بھی یہی حال انسانوں کے اعمال و افعال کا ہے اس آیت کے ظاہر الفاظ کو پیش نظر رکھتے ہوتے فلاسفہ اور معتزلہ یہ کہتے ہیں جب یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کے لیئے صرف اسی کی سعی ہے اور وہ اسی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ مُردوں کو زندوں کی طرف سے ایصالِ ثواب نہیں ہو سکتا زندوں کے اعمال عبادت اور تلاوت سے اموات کو کوئی نفع نہیں تو ایصالِ ثواب کے منکر ہوتے اہل سنت اور جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ زندہ کی طرف سے میت کے لیئے ایصالِ ثواب صحیح اور درست ہے آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے درود وسلام اور مؤمنین سابقین کے حق میں دعائے مغفرت اپنے والدین اور اولاد کے لیئے دعاء صلاح و فلاح یہ سب امور نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں انبیاء و صالحین کی شفاعت بھی ثابت ہے اگر آیت اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کا یہ مفہوم لیا جائے جس کے معتزلہ قائل ہیں تو یہ سب باتیں لغو اور بیکار ہونگی۔

حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی تصریح کی ہے کہ زندہ کی دعا و استغفار صدقہ خیرات اور تلاوت قرآن سے مُردوں کو نفع پہنچتا ہے اور حاملینِ عرش کا اہلِ ایمان کے لیئے دعا کرنا خود قرآنِ کریم میں موجود ہے۔

شیخ ابنِ ہمامؒ نے فتح القدیر باب الحج عن الغیر میں لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ سے یہ امر صراحۃً ثابت ہے کہ ——— مالی خیرات و صدقات اور بدنی خیرات مثل دُعا۔ نماز۔ روزہ۔ اور تلاوتِ قرآن سے اموات کو ثواب پہنچتا ہے اور ان چیزوں سے انکو خوشی ہوتی ہے دوسروں کی طرف سے قربانی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ماں باپ کی طرف سے صدقہ اور وقف اور حج صحیحین کی روایات میں ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت علیؓ ہمیشہ ایک قربانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیا کرتے تھے۔

علامہ زبیدیؒ شرح احیاء میں فرماتے ہیں کہ علماءِ اہلسنت ایصال ثواب پر متفق ہیں اور معتزلہ کا یہ خیال غلط ہے کہ اموات کو زندوں کی طرف سے کسی عمل صالح اور خیر کا ثواب نہیں پہنچتا۔

حضرات مفسرین نے اسکے مختلف جوابات دیئے ہیں ایک تو وہی مراد جو پہلے ذکر کی گئی معتزلہ کے استدلال کا جواب ہے کسی نے جواب دیا لام تملیک کا ہے یعنی انسان اپنی ہی سعی کا مالک ہوتا ہے نہ کے دوسرے کی سعی کا ہاں اگر اپنی سعی اور عمل کسی اور کو ہدیہ اور ہبہ کر دے تو بے شک دوسرا بھی اس سے منتفع ہو سکتا ہے جیسے کہ مال و دولت جس کا انسان مالک ہو تو دوسرے کو ہبہ کر دینے سے دوسرا اس سے مستفید و منتفع ہو جاتا ہے۔

بعضوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے آباؤ اجداد کے عمل پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے کہ ان کے صلاح و تقویٰ سے میری نجات ہو جاتے گی بلکہ اسکو چاہیئے کہ خود بھی عمل کرے ——— ورنہ اگر خود بھی عمل نہ کرے اور آباؤ و اجداد پر امید لگائے بیٹھا ہے گا تو قرآن کریم نے اس زعم فاسد کا رد کر دیا ہے اور فرما دیا تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ یا یہ مطلب ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہیں ہو گا جیسے کہ ارشاد ہے فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔

قرآن کریم سے مردوں کے لیے دعا و استغفار ثابت ہے جیسے کہ ارشاد ہے - وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ ـــ

نمازِ جنازہ بھی دعا ہی ہے اور اسی طرح ایصال ثواب ہے بعض کا قول ہے کہ یہ آیت ایمان کے بارہ میں ہے کہ مؤمن کا ایمان اسی کے لیے نافع ہے یہ نہیں کہ کسی دوسرے کا ذکر اس سے فائدہ پہنچ جائے۔

بعض حضرات کا حدیث (اذا مات الإنسان انقطع عمله کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے) سے استدلال کرنا درست نہیں اس لیے کہ حدیث کا مدلول تو اس کے مرنے کے بعد اس کے عمل کے انقطاع کو ظاہر کر رہا ہے نہ یہ کہ کسی مردے کو زندہ کی طرف سے کوئی ثواب نہیں پہنچ سکتا اور ظاہر ہے کہ ہر دو میں زمین و آسمان کا فرق ہے بہر کیف ان دلائل سے مسئلہ ایصال ثواب ثابت ہے

تم بحمد اللہ

تفسیر سورۃ النجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَةُ الْقَمَر

اس سورت کا نام القمر ہے اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزاتِ عظیمہ میں سے ایک واضح اور روشن معجزہ ہے جسکو قرآن حکیم نے دلیل نبوت کے طور پر بیان کرنے کے ساتھ قیامت کی نشانی اور اسکے قریب آجانے کی علامت بتایا روایاتِ متواترہ سے ثابت ہے کہ مشرکین مکہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ ہم کو کوئی نشانی دکھایئے جس سے ہم سمجھیں کہ آپؐ اللہ کے نبی ہیں اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ چاند کے دو ٹکڑے کر دیں تو ہم آپؐ ایمان لے آئیں گے انکے اس وعدہ پر آپؐ نے دعا مانگی یہ چودھویں رات تھی دُعا قبول ہوئی اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرتِ عظیمہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے اور کفار قریش نے بھی اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لیا کہ اس کا نصف حصہ صفا پہاڑ پر تھا اور نصف جبل قعیقعان پر اور آپؐ نے انکو فرمایا۔ دیکھو لو اے لوگو! نہ صرف یہ کہ اہل مکہ ہی نے اس کا مشاہدہ کیا بلکہ جو لوگ اطراف و جوانب سے آئے انہوں نے بھی یہی حال بتایا کہ ہم نے فلاں شب چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا اس عظیم الشان معجزہ کے بیان سے سورت کی ابتداء فرمائی گئی جو سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا واضح اور روشن ترین ثبوت تھا اسکے بعد ان لوگوں پر وعید و تنبیہ فرمائی گئی جو اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی اللہ پر ایمان لانے کے واسطے تیار نہیں ہوتے۔

پھر اختتام سورت پر اہلِ شقاوت کی محرومی اور ہلاکت کا بیان فرمانے کے بعد اہلِ ایمان و تقویٰ کا ذکر فرمایا گیا جیسا کہ قرآن کریم کا طرز بیان ہوتا ہے کہ ترہیب کے مضامین کے بعد ترغیب کے مضامین لاتے جائیں تو اس اسلوب عجیب کے مطابق اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ پر سورت ختم فرمائی گئی۔

❖ ❖ ❖

اٰیَاتُھَا ۵۵ ۵۴ سُوْرَۃُ الْقَمَرِ مَکِّیَّۃٌ ۳۷ رُکُوْعَاتُھَا ۳

سورۂ قمر مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی پچپن آیتیں اور تین رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ﴿۱﴾ وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً

پاس آ لگی وہ گھڑی ، اور پھٹ گیا چاند اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی

يُّعۡرِضُوۡا وَيَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ﴿۲﴾ وَكَذَّبُوۡا وَاتَّبَعُوۡۤا

ٹال دیں اور کہیں کہ یہ جادو ہے چلا آتا اور جھٹلایا اور چلے اپنی

اَهۡوَآءَهُمۡ وَكُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ ﴿۳﴾ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنَ

چاؤ پر اور ہر کام ٹھہر رہا ہے وقت پر اور پہنچ چکے انکو احوال

الۡاَنۡۢبَآءِ مَا فِيۡهِ مُزۡدَجَرٌ ﴿۴﴾ حِكۡمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغۡنِ النُّذُرُ ﴿۵﴾

جتنے میں ڈانٹ ہو سکتی ہے پوری عقل کی بات ہے پھر کام نہیں کرتے ڈر سناتے

فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ يَدۡعُ الدَّاعِ اِلٰى شَىۡءٍ نُّكُرٍ ﴿۶﴾

سو تو ہٹ آ اُن کی طرف سے جس دن پکارے پکارنے والا ایک ان دیکھی چیز کو

خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ

نیچی آنکھیں ، نکل پڑیں قبروں سے جیسے

جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ﴿۷﴾ مُّهۡطِعِيۡنَ

ٹڈی بکھر پڑی دوڑتے جاویں

اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوۡلُ

پکار پر کہتے

الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا

منکر یہ

يَوۡمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾

دن مشکل آیا ۔

اعلانِ قربِ قیامت مع ذکر دلائلِ قدرت خداوند جلیل و رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و تہدید و تنبیہ بر اعراض منکرین و مجرمین

قال اللہ تعالیٰ ۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ...... اِلیٰ ...... ھٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ

(ربط) گذشتہ سورت کا مضمون جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا اثبات اور اسکی عظمتِ شان ظاہر کرنا تھا اب اس سورۂ قمر میں آپؐ کی نبوت کے دلائل قاطعہ اور براہین واضحہ بیان کیے جا رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ دلائل و معجزات میں شق قمر کا واقعہ ایک طرف اللہ کی قدرت کی عظیم ترین نشانی ہے تو دوسری جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت کرنے کے لیے ایک ایسی دلیل ہے جس کا کوئی صاحب عقل انسان انکار نہیں کر سکتا اور حتیٰ کہ وہ ایک تاریخی حقیقت بن گئی جس میں کسی طرح تردد اور تامل کا امکان نہ رہا ۔ تو ارشاد فرمایا ۔

قریب آ گئی ہے قیامت اور دو ٹکڑے ہو گیا چاند جب کہ مقام منیٰ میں کفار مکہ نے آپؐ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپؐ اللہ کے رسول ہیں تو ہمیں کوئی نشانی دکھائیں اور اس چاند کو دو ٹکڑے کر دکھائیں تو ہم آپؐ پر ایمان لے آئیں گے تو آپؐ کے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے چاند پھٹ گیا اور اسکے ٹکڑے ہو گئے ایک مغرب کی سمت نظر آ رہا تھا اور دوسرا مشرق کی طرف ایسی عظیم الشان دلیل اور معجزہ ظاہر ہونے پر چاہیے تھا کہ فوراً ایمان لے آتے مگر حالت یہ ہوئی کہ اور اگر دیکھ لیں کوئی نشانی تو بے رخی کریں اور انکو تسلیم کرنے کے واسطے تیار نہ ہوں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے تو اسی طرح اس وقت بھی انہوں نے کہا کہ ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے کہ یہ چاند دو ٹکڑے ہو کر ہمیں نظر آیا اور جھٹلایا ان لوگوں نے خدا کے اس معجزہ کو اور پیغمبر کی نشانی کو اور پیروی کی اپنی خواہشات کی ان کا یہ جرم تو اس بات کا موجب تھا کہ اسی وقت عذاب خداوندی سے ہلاک کر دیے جاتے مگر انکو مہلت دی گئی اور ہر کام اللہ کی طرف سے ایک وقتِ مقرر کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے اسی وقت عذاب و قہر کی کیا ضرورت تھی عبرت و نصیحت کے واسطے تو یہ بھی بہت کافی ہے اور بے شک انکے پاس بہت سے واقعات و احوال آ چکے ہیں جن میں بہت کچھ نصیحت و تنبیہ ہے یہ قرآن کریم یا اللہ کی وحی ہے ایک ایسی حکمت و دانائی کی بات ہے جو دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی ہے اور ہدایت و معرفت کی انتہا تک پہنچ جانے والی ہے تو پھر اسکے بعد کیا کام دیں گی ڈرانے والی چیزیں؟* ایسے سخت دل لوگ جن پر نہ کوئی نصیحت کام دے

---

* یہ ترجمہ ان مفسرین کی رائے کے مطابق ہے جنہوں نے اس جگہ لفظ "ما" کو استفہامیہ لیا ہے اور اگر "ما"

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

اور نہ تنبیہ و تہدید سے کوئی اثر ہوا اس قابل نہیں کہ انکی طرف توجہ کی جائے تو بس آپ روگردانی کر لیجئے ان سے۔ ایسے بدبختوں سے اب کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ہدایت قبول کریں گے بس انتظار کیجئے اس دن کا جس میں پکارنے والا پکارے گا ایک نہایت ہی ناگوار چیز کی طرف وہ میدانِ حشر میں حساب کے واسطے پکارا جانا ہوگا جو ہر کافر و مجرم کے واسطے شدید ناگوار چیز ہے حالت یہ ہوگی انکی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی قبروں سے نکلتے ہوں گے اس طرح کہ گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیوں کا غول ہیں دوڑتے ہوں گے اپنی گردنوں کو دراز کیے ہوئے پکارنے والے کی جانب یہ ایسا منظر ہوگا کہ ہر کافر کہتا ہوگا کہ یہ دن تو بہت سخت ہے ظاہر ہے کہ بارگاہ خداوندی کی حاضری اور حساب کے لیے پیشی کافر کے لیئے کوئی آسان کام نہیں یہ شدت اور ہیبت تو اسکے واسطے ہر آنے والے عذاب سے زیادہ شدید ہوگی۔ لیکن جس کسی کا حساب پاک وصاف ہو اسکو اعلانِ حساب اور پیشی کی کوئی فکر نہیں ہوتی اسی طرح اہل ایمان و تقویٰ بے فکر اور مطمئن ہوں گے اور بڑے ہی انبساط و خوشی سے میزانِ اعمال کی طرف جاتے ہوں گے حتیٰ کہ ان پر یوم الحساب کی پیشی کسی فرض نماز کی رکعت کے قیام سے زیادہ دشوار محسوس نہ ہوگی جب کہ کافروں اور مجرموں کے پسینے چھوٹ رہے ہوں گے اور ہر کوئی پسینہ میں غرق ہوگا کسی کے منہ تک اور کسی کے سینہ تک اور کسی کے گھٹنوں اور پاؤں تک پہنچا ہوگا۔

(کما ورد فی الاحادیث)

مشاہدہ اور تواتر سے معجزۂ شق القمر کا ثبوت

معجزۂ شق القمر کا وقوع قرآنِ کریم، احادیثِ متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور علاوہ ازیں تاریخی نقول سے اس کا مشاہدہ بھی ثابت ہے ظاہر ہے کہ جس چیز کا ثبوت کلام خداوندی، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشاہدہ سے ہو چکا ہو اس کا انکار یا اسکی تاویل خلافِ عقل ہے اس پر بلا تردد ایمان لانا لازم ہے جس طرح قرآن کریم کی تصریحات کی وجہ سے جنت و جہنم پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا اسی طرح قرآن کریم کی ہر بیان کردہ چیز پر ایمان لائے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جا سکتا اگر قرآنی تصریحات اور قطعیات میں تاویل کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر نہ تو ایمان بالآخرۃ رہے گا اور نہ جنت و جہنم کی حقیقت کا کوئی مسئلہ باقی رہ سکتا ہے تو جس قرآن حکیم نے ہم کو قیامت جیسے عظیم الشان واقعہ کی خبر دی اور ہمارا اس پر ایمان ہے تو اسی قرآن نے ہمیں شق القمر کے واقعہ کی بھی خبر دی تو جب قیامت پر ایمان ہے تو پھر شق قمر جو قیامت سے زیادہ کوئی عجیب یا عظیم شئے نہیں اس پر ایمان لانے میں

نافیہ ہو تو پھر ترجمہ اس طرح ہوگا، بس نہیں کام دیتیں انکو ڈرانے والی چیزیں اور ایسے عبرت ناک واقعات سے انکو کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ۱۲

کیا تامل کیا جاسکتا ہے امام طحاویؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اس واقعہ کے متعلق تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ دلائل قویہ سے ثابت ہے۔

فلاسفہ اور ملحدین نے شق القمر کو محال قرار دیتے ہوئے انکار کیا اور بعض لوگوں نے اس کی تاویل کی کہ یہ قیامت کے روز پیش آنے والے شق قمر کا ذکر ہے کہ جب قیامت آئے گی اس وقت چاند پھٹ جائے گا۔

فلاسفہ اور ملحدین کا شق قمر کو محال قرار دینا خود خلاف عقل ہے یہ ایک محض دعویٰ ہے جس پر انکے پاس کوئی ثبوت اور برہان قطعی نہیں اولاً تو یہ چیز قابل لحاظ ہے کہ چاند ہو یا سورج اور کوئی ستارہ و سیارہ یہ سب اجسام ہیں اور دلیل عقلی سے یہ بات لازم ہے کہ ہر جسم کا اجزاء کی طرف منقسم ہونا اور پھر اسکے اجزاء کا بل جانا ممکن ہے اور اس میں کسی قسم کا استبعاد نہیں جس پروردگار نے اپنی قدرت کاملہ سے ان اجزاء کو جوڑ کر جسم مستنیر بنایا ہے وہ انکو تقسیم کرنے اور ٹکڑے کرنے پر قادر ہے حکماء کے نزدیک جسم متصل کا منفصل اور منفصل کا متصل ہونا ممکنات میں سے ہے اس دلیل سے جہاں شق قمر کا ثبوت مل رہا ہے اسی کے ساتھ وقوف شمس اور رد شمس کا معجزہ بھی ثابت ہوتا ہے اور اس پر بھی فلسفیانہ قسم کا کوئی اشکال نہیں رہتا۔

حضرت یوشع بن نونؑ بنی اسرائیل کے ہمراہ جبارین سے جہاد کر رہے تھے بحکم خداوندی آفتاب ٹھہر گیا یہاں تک کہ جس روز اللہ کا پیغمبر فتح کا مامور تھا فتح واقع ہوگئی اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں ردّ شمس کا واقعہ بھی ہے کہ آپ کی دعا سے سورج غروب ہونے کے بعد واپس ہوگیا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چاند کے ٹکڑے ہو جانا یا آفتاب کا ٹھہر جانا اور لوٹ جانا فی نفسہٖ عظیم الشان امر ہے اور امر معتاد بھی یہ نہیں ہے لیکن عقلاً اسکو تسلیم کرنے میں کوئی وجہ تأمل نہیں کیونکہ آفتاب و ماہتاب کی حرکت طلوعی اور غروبی سب اللہ کے حکم اور اسکی قدرت سے ہے تو محرک اصل اللہ رب العزت ہے وہ جب چاہے ان اجرام کی حرکت کو روک دے اجرام علویہ ہوں یا اجرام سفلیہ، آسمان ہو یا زمین۔ بر و بحر سب کی حرکت و سکون اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے زمین کو متحرک مانو یا آسمان کو بہرکیف اس امر پر مجبور ہونا پڑے گا کہ ہر شئی اور اس کی حرکت خدا کے ہاتھ میں ہے الغرض جو چیز وحی الٰہی، اخبار متواترہ، نیز مشاہدہ سے ثابت ہو اس کا انکار یا اس میں تردد خلاف عقل ہے صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے ہے کہ اہل مکہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کوئی نشانی دکھائیں۔ تاکہ ہم آپ کی نبوت مان لیں اس پر آپ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے ان سے فرمایا دیکھو لو گواہ رہو اور جبیر بن مطعمؓ کی روایت میں ہے کہ شق قمر پر قریش کے لوگ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے اسکو سن کر بعض لوگ کہنے لگے کہ اگر ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ سب کی آنکھوں پر جادو کر دیں اس کے بعد ان

لوگوں نے مکہ سے باہر سے آنیوالے قافلوں سے پوچھنا شروع کیا تو ہر قافلہ یہ بتاتا کہ ہاں ہم نے بھی یہ عجیب واقعہ دیکھا ہے۔ الغرض یہ احادیث صحیحہ اور قرآن کریم کا واضح بیان بھی بتا رہا ہے کہ شق قمر کا واقعہ حقیقتاً ہو چکا ہے۔

آیت مبارکہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ کی تفسیر میں علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں یہ روایت بیان فرمائی ہے کہ ہجرت مدینہ سے تقریباً پانچ سال قبل ایک مرتبہ کچھ مشرکین مکہ جمع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جن میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبد المطلب، زمعہ بن الاسود نضر بن حارث وغیرہ وغیرہ بھی تھے آپؐ سے یہ درخواست کی کہ اگر آپؐ سچے نبی ہیں تو اپنی نبوت کا کوئی خاص نشان دکھلائیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلا ؤ رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند طلوع کئے ہوئے تھا آپؐ نے فرمایا اچھا اگر یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان بھی لے آ ؤ گے لوگوں نے کہا ہاں ہم ایمان لے آئیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق جل شانہٗ سے دُعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کیا اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا جبل ابی قیقعان پر تھا دیر تک لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑوں سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو صاف دو ٹکڑے نظر آتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یہ فرما رہے تھے اشہدوا۔ اشہدوا اے لوگو! گواہ رہو اے لوگو گواہ رہو۔ عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر تک چاند اسی طرح رہا اور اسکے بعد پھر ویسا ہی ہو گیا۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ محمدؐ نے تم پر جادو کر دیا ہے بہتر یہ ہے کہ تم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو اور ان سے دریافت کرو کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمدؐ تمام لوگوں پر جادو کر دیں اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کریں تو سچ ہے اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھنا کہ محمدؐ نے تم پر سحر کیا ہے چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر دیکھا ہے مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے یعنی عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔

جیسا کہ بیان کیا گیا معجزہ شق قمر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اسانید صحیحہ اور جیدہ سے ثابت ہے اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے اور کسی شاذ و نادر نے جو انشق القمر بصیغہ ماضی کو بمعنی سینشق القمر لیا ہے وہ سراسر ظاہر قرآن اور احادیث صریحہ اور صحیحہ اور تصریحات سلف و خلف کے خلاف ہے قابل اعتبار نہیں اور اس صورت میں آگے

لہ روح المعانی ج ۲۷

کا مضمون وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا بے معنی ہوجائے گا اس لیے کہ قیامت کے واقع ہونے پر تو کسی کے اعراض اور بے رخی کا امکان ہی نہیں رہتا۔ واقعۂ شق القمر کی جو تفصیل ہم نے ذکر کی ہے وہ البدایہ والنہایہ للحافظ ابن کثیر صـ۱۱۸ ج۳ تا صـ۱۲۰ ج۳ اور فتح الباری صـ۱۳۹ ج۷ باب انشقاق القمر سے لی ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں۔

مخالفین اسلام کا معجزۂ شق القمر پر اعتراض اور اس کا جواب

مخالفینِ اسلام اس معجزہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اول تو یہ بات محال اور ناممکن الوقوع ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوجائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں جواب یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح اجسام سفلیہ میں کون وفساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون وفساد محال نہیں خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان اور زمین شمس اور قمر، شجر اور حجر سب برابر ہیں جس خدا نے شمس وقمر کو بنایا ہے وہ خدا انکو توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ بھی سکتا ہے بہرحال اس قسم کی خوارق کا ظہور قطعاً محال نہیں ہاں مستبعد اور مستغرب ضرور ہے اور ہر معجزہ کے لیے مستبعد ہونا ضروری ہے جو لوگ محض استبعاد کی بنا پر محال قرار دیتے ہیں انکو محال اور مستبعد کا فرق بھی معلوم نہیں رہا یہ امر کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صدہا اور ہزارہا ایسے عجیب وغریب واقعات ہیں جو وقوع میں آئے مگر تاریخوں میں انکا ذکر نہیں توراۃ اور انجیل میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام ونشان نہیں نیز شق قمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے جو صرف تھوڑی دیر کے لیے رہا اس لیے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا ہو تو تعجب نہیں بسا اوقات چاند اور سورج گہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم بھی نہیں ہوتا نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اس وقت دن ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات ہوگی عموماً لوگ سوتے ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بھی ہوں تو عادةً یہ ضروری نہیں ہے کہ سب لوگ آسمان کی طرف نظریں اٹھائے تک رہے ہوں اور زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی پر کوئی فرق چاند کے ٹکڑے ہونے سے نہیں آسکتا بارہا چاند گہن لوگوں کو نظر نہیں آتا بایں ہمہ تاریخ فرشتہ میں اس کا ذکر موجود ہے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے ہندوستان میں مہاراجہ مالیبار کے اسلام کا سبب مؤرخین اسی واقعہ کو کہتے ہیں اگر عام تاریخوں میں یہ واقعہ مذکور نہیں تو اس سے اس واقعہ کی تکذیب کیسے ہوسکتی ہے یوں تو عام تاریخوں میں قوم عاد وثمود کے بھی واقعات نہیں ملتے نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ کو دکھلانا اور ان پر حجت تمام کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہوگیا اور

تمام عالم کو تو دکھلانا مقصود بھی نہ تھا نیز کسی شی کا دیکھنا اللہ کے دکھلانے پر موقوف ہے اگر کوئی شے نظروں کے سامنے بھی ہو اور اللہ تعالٰے نہ دکھلانا چاہیں تب بھی وہ شے نظر نہیں آتی پھر یہ کہ اس زمانہ میں رصدگاہیں نہیں تھیں کہ پہلے سے بذریعہ اخبار اطلاع ہوتی۔

معجزۂ رَدِّ شمس

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معجزات میں سے معجزۂ رَدِّ شمس بھی ہے یعنی آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے قریب مقام صہبا میں تھے اور سر مبارک حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا اور ہنوز حضرت علیؓ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھی۔ عرض کیا نہیں حضورؐ اسی وقت دست بدعا ہوتے اور عرض کیا کہ اے اللہ علیؓ تیرے رسول کی اطاعت میں تھا آفتاب کو واپس بھیج دیں تاکہ نمازِ عصر اپنے وقت پر ادا کر سکے اسماء بنت عمیسؓ کہتی ہیں کہ آفتاب غروب کے بعد لوٹ آیا اور اسکی شعاعیں زمین اور پہاڑوں پر پڑیں امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اسکے تمام راوی ثقہ ہیں ابن جوزیؒ اور ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو موضوع اور بے اصل بتلایا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس کا نام "کشف اللبس عن حدیث ردّ شمس" رکھا جس میں اس حدیث کے طرق اور اسانید پر کلام فرمایا اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا اور علامہ زرقانیؒ نے بھی شرح مواہب میں اس حدیث کا صحیح اور مستند ہونا ثابت کیا ہے۔ نسیم الریاض شرح شفاء قاضی از ص۱۰ جلد ۳ تا ص۱۳ جلد ۳۔ زرقانی ص۱۱۳ ج ۵ تا ص۱۱۶ ج ۵ ملاحظہ فرمائیں۔

معجزۂ حبس شمس

بعض ضعیف روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ کے لیے تھوڑی دیر کے واسطے آفتاب کی حرکت روک دی گئی یہ روایت محدثین کے نزدیک معتبر نہیں زرقانی ص۱۱۸ ج ۵ و نسیم الریاض ص۱۱ جلد ۳ و شرح شفاء للعلامۃ القاری ص۵۹۱ ج ۱۔

چونکہ شق قمر اور ردِ شمس اور حبس شمس یہ تینوں معجزے متقارب تھے اس لیے ہم نے انکو بھی شق قمر کے سلسلہ میں ذکر کر دیا یہ معجزہ مکہ مکرمہ میں واقع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپسی پر قریش کے سامنے اسراء و معراج کی کیفیت بیان کی تو قریش نے بیت المقدس کی علامتیں

دریافت کیں اور آپؐ سے ایک قافلہ کا حال پوچھا جو بغرض تجارت شام کی طرف گیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کب واپس آئے گا آپؐ نے فرمایا کہ وہ قافلہ بدھ کے روز مکہ میں داخل ہوگا۔ جب بدھ کا دن اخیر ہونے لگا تو کفار نے شور مچایا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو اسی جگہ ٹھہرا دیا جہاں تھا یہاں تک کہ قافلہ آگیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپکی تصدیق ظاہر فرمائی۔

⁂ ⁂ ⁂

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا

جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم پھر جھوٹا کہا

عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي

ہمارے بندے کو اور بولے دیوانہ ہے اور جھڑک لیا پھر پکارا اپنے رب کو کہ میں

مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ﴿١١﴾

دب گیا ہوں تو بدلہ لے پھر ہم نے کھول دیئے دہانے آسمان کے ریل سے پانی کے

وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾

اور بہا دیئے زمین سے چشمے پھر مل گیا پانی ایک کام پر جو ٹھہر رہا تھا۔

وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا

اور سوار کیا اسکو ایک تختوں اور کیلوں والی پر بہتی ہماری آنکھوں کے سامنے

جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ

بدلا اسکی طرف سے جسکی قدر نہ جانی تھی اور اسکو ہم نے رہنے دیا نشان کر پھر کوئی ہے

مُدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا

سوچنے والا۔ پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور ہم نے آسان کیا

ماخوذ از سیرت المصطفیٰ ج اول۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ

قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا جھٹلایا عاد نے پھر کیسا ہوا

كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا

میرا عذاب اور میرا ڈرکا ہم نے بھیجی اُن پر باؤ تھری سناتے

فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ

کی ایک نحوست کے دن، جو چلی گئی اکھاڑ مارتی لوگوں کو جیسے وہ جڑیں کھجور کی

نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ

ہیں اُکھڑی پڑی پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرکا اور ہم نے

يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ

آسان کیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا جھٹلاتے

ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ

ثمود نے ڈر سناتے پھر کہنے لگے کیا ایک آدمی ہم ہی میں کا اکیلا ہم اسکے

اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ

کہے پر چلیں گے تو تو ہم غلطی میں پڑے اور سودا میں کیا اُتری اسی پر سمجھوتی ہم سب میں

بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ

سے کوئی نہیں یہ جھوٹا ہے بڑائی مارتا اب جان لیں گے کل کو کون ہے

الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ

جھوٹا بڑائی مارتا ہم بھیجتے ہیں اونٹنی انکے جانچنے کو سو دیکھتا رہ

فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ

ان کو اور ٹھہرا رہ اور سنا دے انکو کہ پانی کا بانٹا ان میں

كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى

ہر باری پر پہنچنا ہے پھر پکارے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا

فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا

اور کاٹا پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرکا ہم نے بھیجی ان پر

عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ

ایک چنگھاڑ پھر رہ گئے جیسے روندی باڑ کانٹوں کی اور ہم نے

يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾ كَذَّبَتْ

آسان کیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا جھٹلاتے

قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ

لوط کی قوم نے ڈرسناتے ہم نے بھیجی ان پر باؤ پتھراؤ کی سوا

اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ

لوط کے گھر کے انکو بچادیا ہم نے پچھلی رات سے فضل سے اپنی طرف کے ہم یوں

نَجْزِىْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا

بدلہ دیتے ہیں اسکو جو حق مانے اور وہ ڈرا چکا ان کو ہماری پکڑ سے

فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ

پھر لگے مکرانے ڈرکا اور اس سے لینے لگے اس کے مہمان

فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ

پھر ہم نے مٹا دیں انکی آنکھیں اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرکا اور پڑا

صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ ج فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ

ان پر صبح کو سویرے عذاب جو ٹھہر رہا تھا اب چکھو میرا عذاب

وَنُذُرِ ۝٣٩ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

اور میرا ڈرکا اور ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی

مُّدَّكِرٍ ۝٤٠ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝٤١ كَذَّبُوْا

سوچنے والا اور پہنچے فرعون والوں پاس ڈرکے جھٹلائیں

بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝٤٢

ہماری نشانیاں ساری پھر پکڑا ہم نے انکو پکڑ زبردست کی، قابو میں لیکر

تاریخ شقاوت وبدنصیبی وہلاکت امم سابقہ

وتصدیق انبیاء ومرسلین قصہ اوّل قوم نوح علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ . كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ . . . . . الی . . . اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ

ربط : گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم الشان معجزہ شق القمر کا ذکر تھا اور یہ کہ منکرین نے اس کا گستاخی اور بے ہودگی کے ساتھ انکار کیا اب ان آیات میں انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے اور انکے معجزات کا انکار کرنے والوں کا انجام بد بیان کیا جارہا ہے کہ وہ کس طرح اپنی شقاوت وبدنصیبی کے باعث ہلاک ہوئے سب سے پہلے قوم نوح کا ذکر کیا جارہا ہے۔ فرمایا

جھٹلا چکی ہے ان سے پہلے قوم نوح کہ وہ لوگ حضرت نوح ؑ کی دعوت وتبلیغ سے اعراض ہی نہیں کرتے رہے بلکہ مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ پھر جھوٹا کہا ہمارے بندہ نوح کو اور کہنے لگے کہ یہ مجنون ہیں اور انکو جھڑکا گیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے جس پر انتہائی آزردگی اور مایوسی کے عالم میں نوح نے اپنے رب کو پکارا اے پروردگار میں تو عاجز وبے بس ہو چکا ہوں بس اب تو ہی بدلہ دے ظاہر ہے کہ صدیاں جب نصیحت وفہمائش کرتے گزر گئیں لیکن بجائے اسکے کہ اصلاح حال ہوتی اور نفرت ونافرمانی ہی بڑھتی گئی ایسی صورت میں یقیناً انسان مایوس ہی ہوجاتا ہے ادھر وحی خداوندی سے بھی کچھ اس کا اظہار کر دیا تھا کہ اے نوح تمہاری قوم میں سے جنکو ایمان

؎ بعض روایات میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کو نصیحت فرماتے تو قوم کے بدبخت انکو ڈانٹتے بکھہ بدنصیب گالیاں دیتے اور بعض شقی انکے گلے میں پھندا ڈال کر گھسیٹتے (تفسیر ابن کثیر)

لانا تھا وہ لاچکے بس اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اس عالم میں یقیناً پیغمبر خدا کی دعا ضرور جلد از جلد قبول ہوتی ہے اور خدا کی مدد مجرمین کی ہلاکت و سرکوبی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے تو حق تعالےٰ فرماتے ہیں تو ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے ٹوٹ کر مسلسل برسنے والے پانی کے ساتھ جو طوفان کی طرح آسمان سے برس رہا تھا اور پھاڑ دیا ہم نے زمین کو چشموں کی صورت میں جسکے بعد سب پانی مل گیا اوپر سے بادلوں کا برسنے والا اور نیچے سے زمین کے چشموں سے ابلنے والا تو آسمان و زمین کا پانی باہم مل کر سطح زمین اور خلاء میں سمندر کی شکل بن گیا اس فیصلہ کے مطابق جو طے کر دیا گیا اور اٹھا لیا ہم نے نوح کو اس طوفان سے بچانے کے لیے ایک کشتی پر جو تختوں اور کیلوں والی تھی جس کو نوح علیہ السلام نے بامر خداوندی پہلے ہی تیار کر لیا تھا جو چل رہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری حفاظت و نگرانی میں یہ سب کچھ بدلہ لینے کیلئے کیا گیا اسکے واسطے جسکی قدر نہ پہچانی گئی اور نعمت ہدایت اور وعظ و ارشاد کی ناقدری کرتے ہوتے اسکو ٹھکرا یا گیا اور ہم نے اس واقعہ کو ہمیشہ کے واسطے چھوڑ دیا ہے عبرت و نشانی بنا کر تاکہ اللہ کے پیغمبروں کی نافرمانی اور انکار کرنے والے اس سے عبرت حاصل کر سکیں تو ہے کیا کوئی شخص غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کرنے والا اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن نصیحت حاصل کرنے والے کے لیے تو کیا ہے کوئی شخص عبرت حاصل کرنے والا۔ یقیناً یہ ایسے واقعات ہیں ہر صاحب عقل کو ان میں غور و فکر کرنا چاہیئے اور ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے تو کیا قریش مکہ میں سے ہیں کچھ لوگ ایسی صلاحیت و سعادت والے کہ سوچیں اور اللہ کی نافرمانی اور ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب سے باز آئیں (واقعہ کی تفصیلات پہلے گزر چکی)

قصۂ قوم عاد

جھٹلایا تھا قوم عاد نے بھی اللہ کے رسول کو تو پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا کہ اس نافرمان قوم کی ہلاکت و تباہی کی عبرت ناک تاریخ قیامت تک نمونۂ عبرت بنا دی گئی بے شک ہم نے ان پر بھیجی ایک تیز و تند آندھی جو اکھاڑ پھینکنے والی تھی۔ ایک نحوست کے دن میں جو اپنی نحوست اور آثار کے لحاظ سے ان پر ہمیشہ قائم رہنے والا ہو گیا یہ ایسا نحوست کا دن تھا کہ اس دن شروع ہونے والی آندھی مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک طوفانی تھپیڑوں کی شکل میں چلتی رہی اور اس تباہی و بربادی کی نحوست اس قوم پر قیامت تک کے واسطے مستمر و دائم ہو گئی وہ ہوا لوگوں کو اکھاڑ کر پھینک رہی تھی اس طرح کہ گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی جو اکھڑی پڑی ہیں کیونکہ وہ لوگ نہایت تنومند و توانا تھے زمین پر پڑے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ کھجور کے درخت ہیں جنکو اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا گیا ہے تو پھر بتاؤ اے لوگو! کیسا رہا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور کھڑکھڑانا اور بے شک آسان کر دیا ہے ہم نے قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے تو ہے کیا کوئی شخص قریش مکہ اور منکرین و مکذبین میں سے سوچنے والا کہ غور و فکر کر کے یہ نتیجہ اخذ کر سکے کہ اگر میں نے بھی اللہ کے پیغمبر کو جھٹلایا اور ان پر ایمان نہ لایا تو میرا بھی ایسا ہی انجام ہو سکتا ہے۔

قصۂ قوم ثمود

جھٹلایا تھا قوم ثمود نے بھی عذاب خداوندی سے ڈرانے والے رسولوں کو یا ان نصیحتوں اور تنبیہات کو جو اللہ کی نافرمانی سے باز رکھنے کے لیے کی گئیں گو کہ انکے رسول ایک ہی رسول حضرت صالح علیہ السلام تھے لیکن ایک رسول کا انکار درحقیقت خدا کے تمام رسولوں کا انکار اور جھٹلانا ہے پھر کہنے لگے جب اور کوئی بات یا دلیل انکار و تردید کی نہ مل سکی کیا ہم اپنے ہی میں سے ہم جیسے ایک بشر (آدمی) کی پیروی کریں ایسی صورت میں تو ہم بہت ہی بڑی غلطی اور حماقت میں پڑنے والے ہوں گے کیا انہی پر ڈالی گئی نصیحت اور اللہ کی وحی اتاری گئی ہمارے درمیان سے نہیں بلکہ یہ تو بہت ہی جھوٹا بڑائی مارنے والا ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اسکی وحی مجھ پر اترتی ہے بھلا اس میں کون سی خوبی اور خصوصیت ہے کہ ہمارے میں سے اسی کو وحی اور نصیحت کے نازل کرنے کے واسطے منتخب کیا گیا ظاہر ہے کہ یہ احمقانہ باتیں ہیں یہ لوگ عنقریب خود جان لیں گے کہ کون جھوٹا بڑائی خور ہے یہ خود جھوٹے ہیں اور اپنے تکبر و عناد کی وجہ سے خدا کے پیغمبر پر ایمان لانے کو آمادہ نہیں ہو رہے ہیں ہم بھیجتے ہیں ایک اونٹنی ان کے آزمانے کے واسطے جس کا خود ان لوگوں نے بطور نشانی مطالبہ کیا تھا سو انتظار کرو انکا جو انجام بھی انکا مقدر ہے وہ نظروں کے سامنے آجائے گا اور تحمل کرتے رہو انکی بے ہودگیوں پر اور انکو یہ بتادو کہ پانی کی نوبت انکے درمیان تقسیم کی ہوتی ہے ہر نوبت پر حاضری ہو گی اسی کی جس کی نوبت ہے کہ ایک دن حضرت صالح کی ناقہ پانی پر جاتے اور دوسرے دن اور جانور پانی پینے جاتیں اس پر ان بدبختوں کو گرانی ہوئی کہ یہ ایک دن ناقہ صالح کے پانی کے لیے کیوں مخصوص ہے حسد اور عداوت سے مغلوب ہو گئے پھر آ پکارا انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو جس پر اس نے تلوار کا ایک ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا اونٹنی کے کونچوں کو۔[1]

پھر بتاؤ اے مخاطبو! کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا ہم نے بھیجی ان پر ایک چیخ[2] اور ہولناک آواز پھر وہ ہو کر رہ گئے روندی ہوئی کانٹوں کی باڑ کی مانند جو ہوا میں اڑ رہے ہیں اور بے شک آسان کر دیا ہے ہم نے قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے تو ہے کیا کوئی غور و فکر کرنے والا۔

(تفصیلات گزر چکی ہیں)

---

[1] حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ایک بدکار عورت تھی اسکے پاس مویشی بہت تھے اس نے اپنے ایک آشنا کو اکسایا وہ لپکا اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں ۱۲۔

[2] حضرت شاہ صاحبؒ نے اسکا ترجمہ چنگھاڑ فرمایا ہے جو ایسی ہولناک آواز کو کہا جاتا ہے جس سے کانوں کے پردے پھٹ جاتیں اور دل شق ہو جاتے ۱۲

قصۂ قوم لُوط (علیہ السلام)

جھٹلایا قومِ لوط نے ڈرانے والوں کو اللہ کے رسُول حضرت لوطؑ کو جنہوں نے خُدا کی نافرمانی پر آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور جب کوئی اللہ کے ایک رسول کو جھٹلا دے تو گویا اس نے اللہ کے تمام رسولوں کو جھٹلایا انکی اسی نافرمانی اور بدنصیبی پر بے شک ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی پتھر برسانے والی جس نے ساری قوم پر علامت لگے ہوئے پتھروں کی بارش کی اور سب کو ہلاک کر ڈالا مگر لوط کے گھر کو اور انکے ان افرادِ خانہ کو جو اہلِ ایمان تھے۔ بچالیا ہم نے انکو رات کے آخری حصہ میں جو سحر اور صبح صادق کے قریب ہوتا ہے لطف۔ انعام و رحمت کرتے ہوئے اپنی طرف سے اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں ان لوگوں کو جو اللہ کے شکر گزار ہوں اور حق کو مانیں اور بے شک اللہ کے رسولؑ نے تو انکو ڈرایا تھا ہماری گرفت سے مگر وہ پھر حجت بازی کرنے لگے ڈرانے والوں سے اور انہوں نے بہت کچھ تدبیر کی انکے مہمانوں کے لینے کے لیے جب کہ اللہ کے فرشتے مہمانوں کی صورت میں انکے پاس پہنچے قوم کو خبر ہوئی تو اپنے بے ہودہ جذبات پورا کرنے کے واسطے ان پر مسلط ہونے کی کوشش کرنے لگے حضرت لوط علیہ السلام نے اگرچہ دروازہ بند کر دیا تھا مگر پھر بھی یہ بدبخت دروازہ توڑنے لگے اور لوطؑ منع کرتے رہے جب کسی طرح باز نہ آئے تو جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور خدا کا عذاب ان پر مسلط ہوا جسکو ارشاد فرمایا پھر تو ہم نے انکی آنکھیں پاٹ دیں اور چہروں سے انکی آنکھوں کو مٹا کر گوشت کے ایک پارچہ کی طرح کر ڈالا اس طرح انکے حق میں فیصلہ کر دیا گیا اچھا اب چکھو میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ اور صبح ہی اول وقت ان پر ایک عذاب مسلط ہوا جو ان پر جمٹ جانے والا تھا جس سے کسی طرح بھی بچاؤ اور خلاصی کا امکان نہ تھا اور اس دوسرے عذاب پر (جو آسمان سے پتھروں کی بارش کی صورت میں تھا) بھی کہدیا گیا پھر چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا تو اس طرح یہ قوم ایک چھوٹے عذاب جو انکی آنکھوں کو مٹا دینے کی صورت میں تھا اور ہر ایک کے لیے انفراداً تھا اور اسکے بعد ایک عمومی اور اجتماعی بڑے عذاب یعنی پتھروں کی بارش سے تباہ کر دی گئی اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے تو ہے کیا کوئی شخص سوچنے والا کہ ان عبرتناک واقعات کو غور و فکر کی نظر سے دیکھ کر ایمان و ہدایت اللہ اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار کر لے تاکہ دین و دنیا کی فلاح و سعادت حاصل ہو،

اور فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے والے پہنچے خداوندِ عالم کے رسول حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اور انکو عطا کیے ہوئے معجزات مگر جھٹلایا انہوں نے بھی ہماری تمام نشانیوں کو جس پر ہم نے انکو بھی پکڑا اپنی سخت گرفت میں اور ایسے عذاب میں کہ اس سے بچ کر نہ نکل سکے اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق کر دیا گیا (تفصیلات گزر چکیں)

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰٓئِكُمْ أَمْ لَكُم

اب تم میں جو منکر ہیں کچھ بہتر ہیں ان سب سے ؟ یا تم کو

بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ

فارغ خطی لکھی گئی ورقوں میں ؟ کیا کہتے ہیں ہم سب کا

جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ

میل ہے بدلہ لینے والے اب شکست کھاویگا میل اور

يُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ

بھاگیں گے پیٹھ دے کر بلکہ وہ گھڑی ہے ان کے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی

أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿۴۶﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿۴۷﴾

بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی جو لوگ گنہگار ہیں، غلطی میں ہیں اور سودا میں

يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ

جس دن گھسیٹے جاویں گے آگ میں اوندھے منہ چکھو مزہ

سَقَرَ ﴿۴۸﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا

آگ کا ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر اور ہمارا کام بھی

وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ

ایک دم کی بات ہے جیسے پلک نگاہ کی اور ہم کھپا چکے ہیں تمہارے ساتھ والوں کو پھر ہے

مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ

کوئی سوچنے والا اور جو چیز انہوں نے کی ہے لکھی گئی ورقوں میں اور ہر

صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿۵۴﴾

چھوٹی اور بڑی لکھنے میں آچکی جو لوگ ڈر والے ہیں باغوں میں ہیں اور نہروں میں

فِىْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع

بیٹھے سچی بیٹھک میں، نزدیک بادشاہ کے جسکا سب پر قبضہ ہے۔

تنبیہ قریش مکہ بعد ذکرِ واقعات عبرت و نصیحت

قال اللہ تعالیٰ — اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ ... اِلىٰ .... عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ

(ربط) گزشتہ آیات کا حاصل امم سابقہ کی ہلاکت و تباہی کے احوال کا ذکر تھا کہ یہ عظیم قومیں کس طرح عذاب خداوندی سے تباہ کر دی گئیں اسی وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور ان پر ایمان نہیں لاتے تو ان واقعات کو ذکر کر کے اہل مکہ کو خطاب کیا جا رہا ہے اور غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ آخر وہ سوچ کر بتائیں کہ جب ان میں وہی نافرمانیاں اور خدا کے رسول کا انکار ایمان سے روگردانی باقی جاری ہے تو آخر کیوں نہیں ان پر بھی ایسے ہی عذاب مسلط ہوں گے جیسے کہ ان سابقہ قوموں پر ہوتے اور اب ان قریش مکہ میں کیا ایسی وجہ فضیلت و خوبی ہے کہ یہ لوگ خداوند عالم کی گرفت سے محفوظ رہیں گے تو فرمایا قریش مکہ کو مخاطب بناتے ہوئے کیا تمہارے میں سے کفار و منکر کچھ بہتر ہیں ان لوگوں سے کہ اس بناء پر عذاب سے بچے رہیں گے یا تمہارے واسطے کوئی پروانۂ برأت ہے صحیفوں میں لکھا ہوا یا نازل کیا ہوا ظاہر ہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں تو پھر کیا یہ کہتے ہیں ہم ایک ایسی مضبوط جمعیت ہیں جو بدلہ لینے والے ہوں گے ہر اس طاقت سے جو ہم پر کسی طرح کی کوئی گرفت کرے نہیں نہیں ہرگز ایسا ممکن نہیں بلکہ عنقریب یہ سارا مجمع اور کافروں کا لشکر شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور اس وقت انکو اپنی طاقت اور جمعیت کی حقیقت نظر آجائے گی چنانچہ بدر و احزاب میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی یہ عذاب و ذلت ہی تو ہے جو انکے واسطے مقدر ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ قیامت ان سے وعدہ کا وقت ہے جو طے ہو چکا ہے اور بلاشبہ قیامت تو بہت بڑی آفت اور بڑی ہی تلخ چیز ہے اسکے عذاب و شدت کا تو کوئی گھونٹ بھی انسان سے نہیں پیا جا سکے گا بے شک مجرمین و منکرین بڑی ہی گمراہی اور حماقت میں پڑے ہوئے ہیں جس دن کہ گھسیٹے جائیں گے آگ میں اپنے چہروں کے بل اور کہا جاتا ہوگا چکھو لو جہنم کی آگ کا مزا اس وقت انکو معلوم ہوگا کہ ہم کس قدر گمراہی میں مبتلا تھے اور کیسی حماقت اور دیوانہ پن ہم نے دنیا کی زندگی میں اختیار کیا ہے شک کائنات میں وہی ہے جس کو ہم نے پہلے سے مقرر کردہ انداز کے مطابق پیدا کیا ہے ہدایت

ـــ حضرات متکلمین اور ائمہ اہلسنت اس آیت سے مسئلہ تقدیر کے ثبوت پر استدلال کرتے ہیں کہ ہر امر اللہ کی تقدیر سے ہے اور ہر چیز کا علم اللہ کو اسکے وجود سے قبل ہے تابعینؒ کے دور میں کچھ لوگ

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

ہو یا گمراہی، سعادت ہو یا شقاوت نیکی ہو یا بدی غربت ہو یا امیری تندرستی ہو یا بیماری ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور تقدیر کے مطابق بنائی اسی میں دنیا کی عمر اور اسکے فنا کا وقت بھی ہے جو قیامت کی صورت میں ظاہر ہوگا اور ہمارا کام تو بس ایک دم کی بات ہے جیسے نگاہ کا جھپکنا اور آخر قریش مکہ کو کس بات پر غرور یا اعتماد ہے اور بلا شبہ ہم تو ہلاک کر چکے ہیں اے قریش مکہ بہت سی تم جیسی قوموں کو جن کے پاس تم سے زیادہ ساز و سامان اور قوت و اقتدار تھا تو ہے کیا کوئی شخص تم میں سے عبرت حاصل کرنے والا اور ان لوگوں کو کبھی بھی اس چیز سے غافل نہ ہونا چاہیئے کہ جو بھی کچھ انہوں نے کیا وہ صحیفوں میں لکھا ہوا محفوظ ہے اور چھوٹی اور بڑی چیز لکھی جا چکی ہے تو ایمان و کفر اور نیکی و بدی ہر چیز اور ہر عمل لکھ لیا گیا اور یہی خدا کا قانون ہے جسکے مطابق روز آخرت میں مجرمین کو سزا بھگتنی پڑے گی لیکن انکے بالمقابل بے شک اللہ سے ڈرنے والے ایمان والے باغوں اور نہروں میں ہوں گے کہ انکے رہنے کے واسطے باغ و محل ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ بڑی ہی سچائی کے ٹھکانے میں عزت و اکرام کے ساتھ بیٹھنے والے ہوں گے اپنے اس بادشاہ کے نزدیک جو ہر چیز پر بڑی ہی قدرت اور قابو رکھنے والا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اس عزت و شرف کا یہ مقام شہنشاہ رب العالمین کے نزدیک ملنا ہر اس سچائی کا

تقدیر خداوندی کا جب انکار کرنے لگے تو حضرات صحابہؓ اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات سے فرقہ قدریہ اور منکرین قدر کا رد کیا کرتے تھے عطاء بن ابی رباحؒ سے منقول ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس پہنچا جبکہ وہ زمزم سے پانی نکال رہے تھے اور کپڑے نیچے کی طرف سے بھیگے ہوئے تھے میں نے عرض کیا اے ابن عباسؓ مسئلہ تقدیر میں لوگ کچھ حجت بازی اور قیل و قال کرنے لگے ہیں فرمایا خدا کی قسم یہ آیت " ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ.. سوائے ان لوگوں کے اور کسی کے بارہ میں نہیں نازل ہوئی اور اسکے بعد فرمایا اولٰئِكَ شرار الخلق۔ یہ اللہ کی مخلوق میں بدترین مخلوق ہے۔

اور عبداللہؓ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر امت کے مجوس ہوتے ہیں میری امت کے مجوس وہ لوگ ہیں کہ جو کہتے ہیں تقدیر الٰہی کوئی چیز نہیں اور قضاء و قدر کا انکار کرتے ہیں۔

مسئلہ تقدیر دین اسلام کے عقائد قطعیہ میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اس میں تردد یا انکار گمراہی و کفر ہے اور بحث و مباحثہ اللہ اور اسکے رسول کی ناراضگی کو دعوت دینا ہے ایک دفعہ کچھ لوگ اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پر سخت ناراض ہوئے اور انکو تنبیہ فرمائی اصل مسئلہ کی تفصیل پہلے گزر چکی - ۱۲

بدلہ ہے جو اہل ایمان نے اپنے صدق قلب سے ایمان قبول کر کے پھر سچائی کے ساتھ اپنے وعدوں پر قائم رہنے کی صورت میں اختیار کی اور یقیناً یہ مجلس عزو شرف کی وہ سچی مجلس ہے جس سے بڑھ کر کوئی صداقت کی منزل و محفل نہیں ہو سکتی اور ایسے معزز مکان و مجلس کے ساتھ خالق کونین کا قرب مزید عزت و برتری کا باعث ہوگا۔

میرے استاد محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت پر فائدہ تحریر فرماتے ہوئے جو کلمات دعائیہ فرماتے اسی دعا پر میں اس سورت کی تفسیر ختم کر رہا ہوں اللّٰھم انک ملیک مقتدر۔ ما تشاءُ من امرٍ یکون فاسعدنی فی الدارین وکن لی ولا تکن علیّ واٰتنی فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار اٰمین برحمتک یا ارحم الراحمین تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ القمر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الرحمٰن

سورۃ الرحمٰن مدنیہ ہے عام طور پر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی بعض مفسرین نے اسکو مکیہ بھی کہا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں یہ سورت نازل ہوئی اور آپ نے اسکے نزول کے بعد صحابہ کو ایک مجمع میں یہ سورت اول سے آخر تک پڑھ کر سنائی اسکی اٹھہتر آیات اور تین رکوع ہیں۔

سورۃ الرحمٰن کے کلمات کی عظمت و خوبی اور انکا حسن و بلاغت ہر سننے والے کو بدیہی طور پر محسوس ہوتا ہے اس سورت کا حسن و زینت اور معجزانہ بلاغت ایسی واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنّ لکل شیءٍ عروسًا وعروس القراٰن الرحمٰن۔ کہ ہر چیز کی ایک زینت و خوبصورتی ہوتی ہے جو اپنی خوبصورتی سے دلہن نظر آتی ہے اور قرآن کریم کی عروس سورۃ الرحمٰن ہے۔

ابتداء سورت میں حق تعالٰے شانہٗ کی ایک ایسی عظیم الشان اور ظاہر و باہر نعمتوں کا ذکر ہے کہ انسانی فکر انکی عظمت کا اندازہ کرنے سے بھی قاصر ہے انسانی تخلیق اور اس میں ودیعت رکھے ہوئے کمال نطق و گویائی علم و فہم کے ذکر کے بعد شمس و قمر نجم و شجر ارض و سما جیسے عظیم قدرت خداوندی کے نمونے بیان کرتے ہوئے کائنات کی ہر چیز کا پروردگار عالم کے سامنے مطیع و فرماں بردار ہونا بیان کیا اور نظام عالم کا اسی کے فرمان کے مطابق قائم و جاری رہنا بیان فرمایا اسی کے ساتھ حق تعالٰے نے اپنی صفات الوہیت اور عظمت کبریائی کا ذکر فرمایا اور

یہ کہ انسانی سعادت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے رب کی اطاعت کرے اسکی نافرمانی شقاوت و بدنصیبی ہے اور انسان کو اپنے اعمال کی جزاء و سزا سے غافل نہ ہونا چاہئیے اسی ضمن میں یہ بھی فرما دیا گیا کہ مطیعین پر انعام و کرم کس طرح ہوگا اور مجرمین کیسے کیسے ہولناک عذاب و شدائد میں مبتلا ہوں گے اور ان کی ذلت و رسوائی کیسی ہوگی۔

امام ترمذیؒ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صحابہؓ کے مجمع میں تشریف لاتے اور اس مجمع میں آپؐ نے از اول تا آخر سورۃ الرحمٰن تلاوت فرمائی حضرات صحابہ خاموش بیٹھے سنتے رہے آپؐ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! میں نے یہ سورت جنوں کو سنائی تو وہ اسکی تلاوت کو سن کر اچھا جواب دیتے رہے بہ نسبت تمہارے (کہ تم خاموش رہے) میں دوران تلاوت جب بھی یہ آیت پڑھتا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کا انکار کروگے تو جن ہر مرتبہ اس آیت کو سن کر کہتے لا بشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد۔ نہیں اے ہمارے پروردگار ہم تیری نعمتوں میں سے کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کرسکتے بس تیرے ہی واسطے ہر طرح تعریف وخوبی ہے۔

فقہاء حنفیہ و مالکیہ اور اکثر ائمہ فرماتے ہیں کہ خارج صلوٰۃ جب بھی سورۂ رحمٰن تلاوت کی جاتے تو سننے والوں کے لیے سنت طریقہ یہی ہے کہ آیت مذکورہ سنتے ہوتے جواباً یہ کلمات کہے جائیں۔ البتہ دوران نماز کیونکہ استماع و انصات لازم ہے اسلیئے دل ہی دل میں اس مضمون کا تصور کرے۔

* * *

رُکُوْعَاتُهَا ۳ ۔ ۹۷ سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِیَّةٌ ۵۵ اٰیَاتُهَا ۷۸

سورۂ رحمٰن مدنی ہے اور اسکی اٹھتر آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ

رحمٰن نے سکھایا قرآن بنایا آدمی پھر سکھائی اسکو

الْبَیَانَ ۝۴ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ

بات سورج اور چاند کو ایک حساب ہے اور جھاڑ اور درخت

يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿۷﴾ اَلَّا

لگے ہیں سجدے میں اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو کہ مت

تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا

زیادتی کرو ترازو میں اور سیدھی ترازو تولو انصاف سے اور مت

تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِيْهَا

گھٹاؤ تول اور زمین کو رکھا واسطے خلق کے اس میں

فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ

میوہ ہے اور کھجوریں، جن کے میوے پر غلاف اور اناج جسکے ساتھ بھس ہے

وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

اور پھول خوشبو پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں بنایا آدمی

مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَاۗنَّ مِنْ مَّارِجٍ

کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا اور بنایا جان آگ کی

مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ

ڈبگ سے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے مالک دو مشرق کا

وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ

اور مالک دو مغرب کا پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے چلائے

الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ

دو دریا بھڑ چلتے ان میں ہے ایک پردہ زیادتی نہیں کرتے پھر کیا کیا

اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے نکلتا ہے ان سے موتی اور مونگا

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور اسی کے ہیں جہاز اونچے

فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

کھڑے دریا میں جیسے پہاڑ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

انعاماتِ ربِّ جلیل بر انسان بعطاء وصفِ بیان وتعلیم قرآن وفیضانِ نعماء جسمانیہ وروحانیہ

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

ربط، سورۂ قمر میں دلائل نبوت اور معجزات عظیمہ کا بیان تھا اور امم سابقہ کے احوال ذکر فرماتے گئے کہ کس طرح انہوں نے اپنے پیغمبروں کا انکار کیا اور ان پر ایمان نہ لاتے جسکے باعث عذاب خداوندی سے انکو ہلاک وبرباد کر دیا گیا جس سے مقصود اہل مکہ کو متنبہ کرنا تھا کہ وہ ان احوال وواقعات کو سوچ کر اپنے انجام کے بارہ میں بھی خود فیصلہ کرلیں تو اسکے بعد حق تعالیٰ شانہ نے ان انعامات خاصہ کا ذکر فرمایا جو انسان پر کیئے گئے ان انعامات میں بالخصوص کائنات کی تخلیق اور ان تمام منافع سے انسان کا منتفع ہونا ذکر فرمایا اور یہ کہ جب حق تعالیٰ نے کائنات کی جملہ منفعتوں سے انسان کو متمتع کیا ہے تو انسانی فطرت اور عقل کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے رب کی اطاعت و فرماں برداری کرے اور یہ کہ ہر مخلوق اللہ کے حکم کے تابع اور اسی کی مطیع ہے یہ انسان کو اللہ نے خاص شرف عطا کیا ہے کہ وہ اپنے کسب وارادہ سے ایمان وہدایت کو اختیار کر کے آخرت کی جزاء اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں کا مستحق بنتا ہے تو ارشاد فرمایا۔

رحمٰن ہی ہے جس نے قرآن سکھایا جو اسکی عطاؤں میں سب سے بڑی عطاء اور نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اور رحمت ہے بنایا ہے اسی نے انسان کو پھر سکھایا اسکو بات کرنا اور نطق وگویائی کی نعمت سے سرفراز کیا جسکے باعث وہ اللہ کا کلام پڑھ سکے سیکھ سکے اور تلاوت کرسکے ورنہ تو ممکن نہ تھا کہ انسان کلام الٰہی کی دولت سے اور نعمت سے منتفع ہوسکے پھر اس قوت گویائی سے یہ انسان کلام الٰہی کے حقائق ومعارف لوگوں کو سناتے۔ خیر کی دعوت دے اور شر سے منع کرے تو یہ سب ثمرات قوت گویائی ہی پر مرتب ہیں چاند اور سورج ایک حساب کے ساتھ جاری ہیں اور سبزے اور درخت اللہ رب العزت کے سامنے سجدہ میں مشغول ہیں اس طرح علویات میں چاند سورج اور ستارے اور سفلیات میں نباتات وشجر وحجر سب ہی اللہ کی بندگی میں

مصروف ہیں اور کیسی عظیم قدرت ہے اس پروردگار کی جس نے آسمان کو اونچا بنایا اور قائم کردی ترازو اس امر کا موؤ پابند کرتے ہوئے کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں کیونکہ ترازو اور دار حقوق میں سرکشی اور زیادتی انسانی زندگی کی فلاح وسعادت کو تباہ کر دینے والی چیز ہے اور برابر رکھو ترازو کو انصاف کے ساتھ اور مت گھٹاؤ تول کو خیانت ظلم اور دھوکہ انسانی حقوق کو تباہ و برباد کر دینے والی چیزیں ہیں اس وجہ سے ضروری ہے کہ عدل وانصاف قائم کرنے کے لیے ترازو سیدھی رکھی جائے اور تول میں مشتری کیلئے کسی قسم کی کوئی کمی نہ کی جائے اور زمین کو بچھایا ہے مخلوق کے لیے کہ اس میں میوے اور پھل ہیں اور کھجور کے درخت ہیں غلافوں والے کہ انکے گچھوں پر غلاف ہوتے ہیں پھر اس غلاف کے شق ہونے پر کھجوریں برھتی ہیں اور پکتی ہیں اور اسی میں دانے ہیں بھوسے والے یعنی اناج اسی طرح دوسرے حبوب وغلّے اور خوشبودار پھول۔ تو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کا انکار کروگے ظاہر ہے کہ ایسی نعمتیں جو سورج کی طرح روشن اور انسانی حیات کا مدار ہیں ان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کیسی عظیم قدرت ہے اس پروردگار کی جس نے انسان کو پیدا کیا ہے خشک کھنکھناتی مٹی سے ٹھیکرے کی طرح اور یہ حضرت آدمؑ ابوالبشر ہیں لہٰذا اصل جنس اور مادہ جنس کے لحاظ سے مطلق انسان مٹی سے پیدا کیا گیا اور پیدا کیا جن کو دہکنے والی آگ کی لپیٹ سے اور ایسے شعلہ سے جس میں دھوئیں کی آمیزش نہ ہو تو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کا انکار کروگے جن وانس کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا اور جمادات ونباتات جیسی لایعقل مخلوق کی بجائے عقل وشعور کی نعمت سے نوازنا یقیناً ثقلین (جن وانس) کے لیے بڑی نعمت ہے[1] وہ مالک ہے دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور ظاہر ہے کہ مشرقین ومغربین کے تغیر وتبدل سے موسموں اور فصلوں کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور تبدیلیٔ موسم سے زمین والوں کو کس قدر فوائد اور منافع حاصل ہوتے ہیں انکی کوئی حد وانتہا نہیں مع ھذا یہ جملہ فوائد ومنافع تبدیلیٔ موسم مشرق ومغرب۔ سرما وگرما کا فرق حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کی بڑی واضح نشانیاں ہیں تو ان عظیم الشان نعمتوں اور بلند پایہ قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی بھی نعمت اور کوئی بھی نشانی ایسی نہیں کہ اسکا انکار کیا جاسکے جاری کیے ہیں اس پروردگار نے دو دریا جو آپس میں مل کر چلتے ہیں اس طرح کہ انکے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ ایک دوسرے پر غالب نہیں آتے اور باہم مخلوط نہیں ہوتے بلکہ شور پانی اپنی جانب اسی طرح شور اور کھارا ہے اور میٹھا پانی اپنی سمت اسی طرح میٹھا ہے حالاں کہ پانی کی طبعی خاصیت تقاضا کرتی ہے کہ ایک دوسرے میں خلط ملط ہو جائے اپنے

---

[1] بالعموم "الآء" کا ترجمہ نعمتوں سے کیا جاتا ہے اضافہ کردہ الفاظ میں یہ ظاہر کر دیا گیا کہ تخلیق انس کے ساتھ جنات کی تخلیق کو بھی اس بناء پر نعمت فرمایا گیا۔

ابن جریرؒ نے بعض ائمہ سلف سے قدرت اور نشانی کے معنی بھی کئے ہیں تو جس آیت میں جو ترجمہ چسپاں و مناسب ہو اختیار کیا جاسکتا ہے اور یہاں دونوں معنی مناسب ہیں۔

رنگ کے لحاظ سے اور مزے کے لحاظ سے بھی لیکن اس طرح ہر ایک کا اپنے رنگ اور مزے کے اعتبار سے جُدا رہنا خداوند عالم کی قدرت کی عظیم نشانی اور بندوں کے واسطے بڑا ہی انعام ہے نکلتے ہیں ان دونوں سے موتی اور مونگا

یہی مضمون سورۂ فرقان کی آیت وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا میں بیان فرمایا گیا ہے دلائل قدرت میں بلاشبہ یہ بڑی دلیل ہے کہ دو دریا اس طرح ساتھ ساتھ چلتے ہوں کہ ایک طرف میٹھا پانی اور دوسری طرف کھارا حالانکہ پانی کا مزاج یہ ہے کہ اسکے اجزاء ایک دوسرے میں خلط ملط ہو جائیں جیسے کہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ایک جگہ پر اگر ایک قسم کے پانی کے ساتھ دوسرے رنگ یا ذائقہ کا پانی جمع ہو جاتے تو دونوں مل کر شیئ واحد ہو جاتے ہیں اس قسم کے دریاؤں کا مشاہدہ کرنے والوں نے اس بات کی شہادت دی ہے تفسیر بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے لے کر چاٹگام تک دریا کی یہی شان ہے کہ اسکی دونوں جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک جانب پانی سفید ہے اور دوسری جانب پانی سیاہ، سیاہ پانی میں سمندر کی طرح تموج اور طوفانی تلاطم رہتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے اور دونوں کے درمیان ایک سفید دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں رنگوں کے پانی کا ملتقیٰ ہے اور کشتیاں اس پانی میں چلتی ہیں جو سفید ہے سیاہ پانی نہایت کڑوا ہے اور سفید پانی میٹھا ہے هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ کا منظر نظر آتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں اور مجھ سے باریسال (بنگال) کے دو طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک دریا سے نکلتی ہیں ایک کا پانی بالکل کھاری (کڑوا) ہے اور دوسری کا نہایت شیریں یہاں گجرات (یعنی صوبہ بمبئی کے علاقہ گجرات) میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک) سمندر سے دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مد جزر (جُوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مخلوط نہیں ہوتے اوپر کھاری پانی رہتا ہے جب مد ختم ہو جاتا ہے تو جزر کے وقت اوپر سے کھاری پانی اُتر جاتا ہے اور میٹھا پانی نیچے جُوں کا توں باقی رہ جاتا ہے ان شواہد سے خدا کی قدرت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور ہر صاحبِ عقل اس پر مجبور ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ہر دریا اور ہر جگہ کے متعلق اس آیت کو محمول کر لیں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے ہر قسم کے دریا اور سمندروں کو اپنی اپنی جگہ جاری کیا ہے جن میں کوئی میٹھا ہے اور کوئی کھارا اور انکے درمیان زمین کی بہت سی جگہ حائل بنادی تاکہ ایک دریا اور سمندر کا پانی دوسرے میں نہ ملے اگر یہ فاصلے نہ رکھے جاتے اور انکو آزاد چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً پانی اپنی طبیعت اور مزاج کے باعث ایک دوسرے میں مل جاتے ۲

پھر بتاؤ کہ اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور اسی کے واسطے ہیں وہ جہاز اور کشتیاں جو ابھرنے والی ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح کہ دیکھنے والا ان جہازوں اور کشتیوں کو دور سے دیکھ کر یہی محسوس کرتا ہے کہ یہ پہاڑ اور جھنڈیاں ہیں جو سطح سمندر پر قائم ہیں تو اے جن و انس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے اور یہ کس قدر عظیم انعام ہے کہ خداوند عالم نے انسان کو ایسی صلاحیت اور عقل و فکر سے نوازا کہ وہ جہاز اور کشتیاں بنائے اور انکو سمندر میں چلائے بلاشبہ نہ انسان اللہ رب العزت کی ایسی بلند پایہ نعمتوں کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ جن اپنے رب کی نعمتوں کو جھٹلا سکتے ہیں۔

مؤلف ترجیح اسالیب القرآن ایک موقع پر یہ نقل کرتے ہیں کہ کسی عالم کو ایک مرتبہ ادلہ کلامیہ میں کچھ شک اور تردد واقع ہوا تو اللہ رب العزت سے دعا کی کہ اے پروردگار کوئی ایسی دلیل القاء فرما دے کہ اس میں کسی فلسفی کو کوئی شبہ نہ ہو سکے اور نہ کسی قسم کی وہ تشکیک جاری کر سکے تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے اور یہ آیت پڑھ رہا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ

فوراً مطمئن ہو گئے اور سمجھ لیا کہ واقعۃً یہ استدلال ایسی حجت قاطعہ ہے کہ اسکے بارہ میں کوئی دھریہ اور منکرِ خدا ذرا بھی تردد و تامل کی گنجائش نہیں نکال سکتا اور اس آیت نے طبعیین کے شبہ کا قلع قمع کر دیا کہ پانی کی طبیعت تو اختلاط و اتصال اور امتزاج ہے تو سوائے قدرتِ خداوندی کے کون چیز دونوں دریاؤں کے پانی کو ایک دوسرے میں خلط ملط ہونے سے روکنے والی ہے تعالی اللہ تعالیٰ و جلت قدرتہٗ۔

انعامِ خداوندی بصورت وجود انسانی و عطاء صفات و کمالات ایمانی

سورۂ مبارکہ کی ابتداء انسانی زندگی کے لیے ایک ایسی بڑی اور بلند پایہ نعمت کے ذکر سے فرمائی جا رہی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت ممکن نہیں وہ قرآن کریم اور کلام ربانی کا علم جو اللہ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے عالم انسانیت کی فلاح و بہبود اور دین و دنیا کی سعادت حاصل کرنے کیلئے عطاء فرمایا۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں جو اسکے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اور اسکی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اور رحمت ہے۔ انسان کے بساط اور اسکے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپیدا کنار کو دیکھو بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنا دینا رحمٰن ہی کا کام ہو سکتا ہے ورنہ کہاں بشر اور کہاں خدا کا کلام سورۂ النجم میں عَلَّمَهٗ شَدِيدُ الْقُوَىٰ فرمایا تھا یہ جبرئیل امین شدید القویٰ تھے جن کے توسط سے قرآن نازل ہوا مگر اصل اور اصلی معلم اللہ رحمٰن ہی ہے اسی نے انسان کو قرآن کے علوم سے آشنا و آگاہ بنایا۔

اس موقعہ پر حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے تخلیق انسان کا ذکر فرمایا اور اسکے

بعد عَلَّمَهُ الْبَيَانَ فرما کر انسان میں نطق و بیان کی صلاحیت عطا فرمانے کا ذکر فرمایا۔ ظاہر ہے یہ دونوں عطائیں بہت ہی بڑی ہیں ایجاد یعنی وجود عطا کرنا بڑی نعمت کیا بلکہ یہ تو نعمتوں کی اساس اور جڑ ہے ان کلمات میں یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ ایجاد اور عطاء وجود کی دو قسمیں ہیں ایک ایجاد ذات اور دوسری ایجاد صفت کہ اللہ نے آدمی کو پیدا فرمایا اور پھر اس میں بیان اور اپنے مافی الضمیر کی وضاحت کی صفت رکھی کہ بڑی ہی فصاحت و بلاغت اور حسن و خوبی سے وہ اپنا مدعا اور مافی الضمیر ظاہر کر سکے اسی صفت کے ذریعہ وہ قرآن سیکھ سکتا ہے اور دوسروں کو سکھا سکتا ہے اور اس طرح وہ خیر و شر اور ہدایت و گمراہی کو پہچان سکتا ہے اور دوسروں کو بتا سکتا ہے اور خیر و ہدایت کی دعوت دے سکتا ہے شر اور گمراہی سے بچا جا سکتا ہے اور یہی سب کچھ قرآنی علوم ہیں اور اسی میں انکی عافیت و عزت ہے اور یہی سب کچھ امنِ عالم کا باعث ہے اور اسی میں ہر فلاح و سعادت مضمر ہے تو یہ انسان جسکے واسطے ساری کائنات پیدا کی ہے وہ اپنی سعادت و فلاح کے حصول کے لیئے قرآنی ہدایات کا محتاج تھا اور یہی کلام ربانی امنِ عالم کا باعث تھا تو کس قدر عظیم انعامِ الٰہی ہوا کہ انسان کو پیدا کر کے قرآن بھی نازل فرمایا ورنہ انسان اگر بغیر قرآن ہوتا تو کبھی ہدایت اور خیر کے امور عالم میں نظر نہ آسکتے گمراہی اور شر و فساد کی زندگی ہوتی اور انسان انسان ہونے کی بجائے درندے اور بہائم دکھائی دیتے بلکہ ان سے بھی بدتر ہوتے اسی وجہ سے جو انسان قرآنی ہدایات سے بے رخی کریں انکے حق میں فیصلہ ہو گیا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔

نجم و شجر کی تفسیر

ابن جریرؒ بیان کرتے ہیں کہ نجم و شجر کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے مختلف اور متعدد اقوال منقول ہیں یہ بات تو تمام ائمہ لغت اور تفسیر کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ شجر بمعنی درخت ہے جو اپنے تنے پر قائم اور زمین سے بلند ہو نجم کے بارہ میں ابن ابی طلحہؒ عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ سبزہ جو زمین پر پھیلا ہوا ہو یا جس میں ہر طرف سبزہ ہو اور وہ بیلیں جو زمین پر پھیلی ہوئی ہوں داخل ہیں۔

سعید بن جبیرؒ۔ سفیان ثوریؒ اور سُدیؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے اور خود ابن جریرؒ نے بھی اسی معنی کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے لیکن قتادہؒ اور مجاہدؒ یہ کہتے ہیں کہ نجم آسمان کے ستارہ کو کہتے ہیں مجاہدؒ اور حسن بصریؒ کا بھی یہی قول ہے اور عرف کی رو سے بھی یہی معنی ظاہر ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اسی کو اختیار کیا پہلی تفسیر کے پیش نظر ان دو کا ذکر شمس و قمر کے مقابلہ میں ہونے کا یہ مفہوم ہوگا کہ جس طرح علویات میں شمس و قمر مقررہ کردہ حساب کے مطابق چلتے ہیں اور اس طرح یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ تکوینی طور سے وہ اللہ کے حکم کے سامنے مطیع و فرماں بردار ہیں تو اسی طرح سفلیات اور عالم ارضی میں ہر سبزہ اور درخت بھی اپنے مالک اللہ رب العزت کے سامنے مطیع و فرماں بردار۔ چھوٹے جھاڑ زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں ہوں یا قد آور درخت ہر ایک اللہ کے سامنے سرنگوں ہے جیسا کہ آیت مبارکہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۔

وضع میزان کا مفہوم

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۔ آسمان کی بلندی کا ذکر فرماتے ہوئے وضع میزان کو بیان فرمایا گیا آسمان اور آسمان پر نظر آنے والے شمس و قمر اور نجوم کا ذکر فرما کر اپنی قدرت عظیمہ ظاہر فرمائی جا رہی ہے ساتھ ہی مخاطب کو اس بات کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ وہ شمس و قمر اور ستاروں کے نظام پر نظر ڈالے اور فلکیات پر غور کرے تو حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت عظیمہ کا مشاہدہ ہوگا اور یہ دیکھے گا کہ کس حسن اسلوب کے ساتھ یہ سب نظام قائم ہے جس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں تو اسی طرح اللہ رب العزت نے زمین والوں کے واسطے نظام عدل قائم رکھنے کے واسطے ترازو اتاری ہے جسکے ذریعے عدل و انصاف قائم کیا جا سکتا ہے اور عدل و انصاف ہے جو بذریعہ ترازو قائم ہوتا ہے اس سے زمینی نظام حیات اسی حسن اسلوب سے چل سکتا ہے جس خوبی اور حسن اسلوب سے فلکیات کا نظام چل رہا ہے گویا اللہ رب العزت نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق اور عدل کی بنیاد پر بہترین توازن اور تناسب کے ساتھ قائم فرمایا ہے اگر عدل اور حق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے اس لیے ضروری ہے کہ بندے بھی حق اور عدل کی راہ پر قائم رہیں اور انصاف کی ترازو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عدل ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں اور یہی وہ چیز ہے جسکو ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب امانت کا ضیاع ہو جائے گا بہ اس تقدیر پر ہے کہ وضع میزان سے اقامت عدل کا مفہوم لیا جائے ممکن ہے ترازو سے حسی اور ظاہری ترازو مراد ہو اور ترازو ہی سے معاملات کی درستگی اور حقوق کی حفاظت وابستہ ہے تو ہدایت فرما دی گئی کہ یہ اسی صورت میں ہے کہ ترازو میں کسی قسم کا جھکاؤ اور ابھار نہ ہو نہ لیتے وقت زیادہ تولو اور نہ دیتے وقت کم تولو ترازو کے دونوں پلے یعنی لینے اور دینے کے برابر رکھو آیات سابقہ میں جس طرح دو دو چیزوں کے جوڑے بیان کیے گئے یہاں بھی آسمان کی بلندی کے ساتھ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۔ میں زمین کی پستی بیان فرما دی گئی اور یہ احکام و ہدایات بلاشبہ مخلوق کی عافیت و بقاء کا عظیم سامان ہیں تو ان چیزوں کو بھی ذکر فرما کر ارشاد فرمایا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو

جو کوئی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے اور رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی

الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾

اور تعظیم والا پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟

یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ

اس سے مانگتے ہیں جو کوئی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں ہر دن اسکو

فِیْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَکُمْ

ایک دھندا ہے ✤ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ہم فارغ ہوتے ہیں تمہاری

اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ یٰمَعْشَرَ

طرف اے دو بوجھل قافلو ✤ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اے فرقے

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ

جنوں اور انسانوں کے ! اگر تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمان

اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ

اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکنے

اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ یُرْسَلُ

کے بن سند پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟ چھوٹتے ہیں

عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ۬ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾

تم پر شعلے آگ کے صاف اور دھواں ملے پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے پھر جب پھٹ جاوے آسمان

فَکَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾

تو ہو جاوے گلابی جیسے تیل کی تلچھٹ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ۝۳۹ فَبِاَيِّ

پھر اس دن پوچھ نہیں اسکے گناہ کی کسی آدمی سے نہ جن سے پھر کیا کیا

اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۴۰ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے پہچانے پڑیں گے گناہگار اپنے چہرے سے

فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝۴۱ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا

پھر پکڑا جاوے گا ماتھے کے بال سے اور پاؤں سے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ۝۴۲ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝۴۳

جھٹلاؤ گے یہ دوزخ ہے جس کو جھوٹ بتاتے گناہگار

يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝۴۴ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ

پھرتے ہیں بیچ اسکے اور کھولتے پانی کے پھر کیا کیا نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۴۵

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

عظمتِ خداوند رب انام مع ذکر احوال قیامت و ذلت و بدحالی مجرمین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ . . . . اِلٰی . . . . تُکَذِّبٰنِ

(ربط) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت کی عظیم نشانیاں بیان فرمائی تھیں جن کے ضمن میں ان گراں قدر انعامات کا ذکر فرمایا جو جن وانس پر کی گئیں اور ظاہر ہے کہ ان دلائل وانعامات کا مقتضیٰ یہی ہے کہ جن وانس اسکی اطاعت وبندگی میں مصروف ہوجائیں اب ان آیات میں عظمت خداوندی کا بیان ہے اور قیامت کی ہول وشدت اور اس میں مجرمین پر جو ندامت وذلت ہوگی اسکا ذکر ہے کہ قیامت کے ہولناک احوال میں منکرین ومکذبین کا کیسا عبرتناک حال ہوگا۔

ارشاد فرمایا جو بھی کوئی زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے جن وانس ہوں یا شجر وحجر ہوں ہر چیز پر یقیناً فنا طاری ہوکر رہے گی اور اے مخاطب بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت

والا ہے ہر چیز کے فنا کے بعد قیامت اور پھر حشر و نشر ہر مطیعین کے واسطے انعامات اور مجرمین کے لیے عذاب و سزا کس قدر عظیم انعام ہے تو پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے اسکی شان عظمت و کبریائی کا تو یہ حال ہے کہ اسی سے مانگتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں کل کائنات اور مخلوق اسی کی محتاج ہے ہر ایک اپنی حاجت اسی سے مانگتا ہے زبانِ حال سے ہو یا زبانِ قال سے کسی کو ایک لمحہ کیلئے بھی اس سے استغناء و بے نیازی نہیں وہی مخلوق کی حاجت روائی اپنی حکمت سے کرتا ہے مخلوق کے انواع واقسام بے شمار ہیں اور انکی حاجتیں اور تقاضے متضاد بھی ہیں اور مخلوق کے احوال بھی مختلف ہیں جن وانس میں کوئی نیک ہے کوئی بد کوئی مطیع و فرماں بردار ہے اور کوئی نافرمان کوئی ہمدرد و مخلص اور مخلوقِ خدا کو آرام پہنچاتا ہے تو کوئی ظلم و تعدی اور سرکشی اختیار کیے ہوتے ہیں اسی وجہ سے ہر نوع مخلوق اور ہر حالت اور ہر طرزِ عمل پر اسکی شان جداگانہ ہے اسکی حکمت بالغہ کے باعث یہ ہے کہ ہر روز اسکی ایک شان ہے کسی کو بڑھانا کسی کو گھٹانا کسی کو عزت دینا کسی کو پست کرنا اور ذلیل کرنا کسی کو انعام و اکرام سے نوازنا کسی کو اس کے برے اعمال کی بدولت مصائب و آفات میں مبتلا کرنا کسی کو طاعت و انابت الی اللہ کی توفیق سے نوازنا کسی کو اس کی شومئ قسمت سے خیر اور عملِ صالح سے دور کر دینا کبھی کسی کو تندرست رکھنا اور کبھی بیمار کر دینا کسی کو مارنا کسی کو جلانا غرض جمال و جلال کے یہ شئون ہیں جو مخلوق کی صلاحیت اور انکے احوال کے تفاوت سے بدلتی رہتی ہیں یہ اختلافِ شئون بھی ایک عجیب نعمت و رحمت ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر بتاؤ اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے قیامت بہر حال آنی ہے اور یہ نظامِ عالم اور دنیا کے سارے دھندے عنقریب ختم ہونے والے ہیں یہ ایک دور ہے دنیوی زندگی کا جو دار العمل ہے اسکے بعد پھر دوسرا دور شروع ہوگا سو عنقریب ہم فارغ ہو جائیں گے تمہارے واسطے اے جن وانس بس پھر یہی کام رہے گا کہ مطیعین کو جزاء اور انعامات سے نوازنا اور مجرمین و نافرمانوں کو سزا اور عذاب تو پھر اب بتاؤ تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے خداوندِ عالم کی حکومت اس کا حکم اور اسکی گرفت کائنات کو محیط ہے کوئی اسکے دائرۂ حاکمیت سے نہیں نکل سکتا تو اے گروہِ جن وانس اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ بھاگ نکلو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نکل کر اور بچ کر تم کہاں جا سکتے ہو اور کون سی وہ جگہ ہو سکتی ہے جہاں تم آسمانوں اور زمین کے کناروں اور حدود سے نکل جاؤ ہرگز نہیں نکل سکتے بغیر قوت اور غلبہ کے اور یہ ممکن نہیں کہ خدا کے مقابلہ میں کسی کو کوئی غلبہ اور قدرت ہو اس کا حکم اور غلبہ ہی ہر جگہ تم کو محیط ہے تم اسکے احاطۂ حکم سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے اور اگر کہیں جانا ہی چاہو تو جہاں جاؤ گے اسی کے حکم اور حکومت کے دائرہ میں رہو گے اس وقت یہ حالت ہوگی يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۔ بھاگنے کی جگہ تلاش کرے گا مگر نہ ملے گی تو پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے یقیناً یہ بہت بڑا اللہ کا انعام ہے کہ ایسی باتیں واضح طور پر بتا دیں اور جن وانس کو ان پر آگاہ کر دیا چھوڑے جائیں گے تم پر اے جن وانس جو بھی تم ہیں

سے منکر دکافر اور مجرم ہوں گے دہکتی آگ کے شعلے صاف اور بغیر دھوئیں کی آمیزش کے اور دھواں ملے ہوئے شعلے جب دونوں طرح شعلے تم پر برستے ہوں گے تو پھر تم کسی طرح بدلہ نہیں لے سکو گے نہ تم میں ظاہر ہے کوئی طاقت ہو گی اور نہ تمہارا کوئی مددگار و ہمدرد ہوگا اے جن وانس مجرموں کو سزا کتنا بڑا انعام ہے تو پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

پھر جب پھٹ جائے آسمان پھر وہ ہو جاتے سرخ چمڑے کی طرح جب کہ پروردگار قیامت برپا فرمائے گا اور اسکا قہر و جلال اس طرح ظاہر ہو رہا ہوگا تو بلاشبہ اسکی قدرت وعظمت اور ہیبت و جلال ہر ایک کو نظر آتا ہوگا یہ کس قدر عظیم قدرت کی نشانی ہے اور اس قدرت کی نشانی میں کیسا عظیم سامانِ عبرت ہے جن وانس کے لیئے جو یقیناً اللہ کی بڑی ہی نعمت ہے تو اے جن وانس پھر اپنے رب کی نعمتوں اور قدرت کی نشانیوں میں سے کس کس کا انکار کرو گے تو پھر اس روز نہیں پوچھا جائے گا کسی سے اسکے گناہ کے متعلق نہ کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے اس لیے کہ ہر ایک کے اعمال ظاہر ہوں گے خود ہر مجرم کے ہاتھ پاؤں اسکے جرم کی گواہی دے رہے ہوں گے اور اگر سوال بھی ہوگا جیسا کہ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔ تو وہ سوال توبیخ و تہدید اور تحقیر و تذلیل کیلئے ہوگا یہ نہیں کہ نفس گناہ اور جرم کو معلوم کرنے کیلئے کہ یہ گناہ یا جرم کیا یا نہیں ایسی حقیقتوں کا عالم دنیا میں بتا دینا اور ان باتوں سے آگاہ کر دینا کس قدر بڑا انعام ہے تو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کا انکار کرو گے بس اس وقت تو یہ عالم ہوگا کہ مجرموں کو پہچانا جاتا ہوگا انکے چہروں سے اور چہرے کی علامتوں سے جیسے کہ ہر مجرم کا چہرہ اسکے جرائم کا آئینہ دار ہوتا ہے پھر پکڑا جائے گا پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پاؤں میں سلاسل و بیڑیاں ہوں گی اور اس حالت میں پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جا رہا ہوگا[۱] سن لو یہ قدرت وعظمت کی نشانیاں تو بتاؤ پھر بھی اپنے رب کی کس کس نشانی کا تم انکار کرو گے اس حالت میں کہ کفار و مجرمین طوق و سلاسل میں جکڑے پیشانیوں کے بل بالوں سے گھسیٹے جا رہے ہوں گے اور کہا جا رہا ہوگا ان سے سُن لو یہ ہے وہ جہنم جس کا مجرمین انکار کرتے تھے پھرتے ہوں گے اسکے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان کہ جہنم کا ایک حصہ دہکتی آگ کے شعلوں کا ہوگا اور دوسرا حصہ کھولتے ہوئے پانی کا ہوگا جیسے سمندر موجیں مار رہا ہو اور یہ مجرم اسکے درمیان گشت کرتے ہوں گے اور اسی طرح عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے تو اے جن وانس بتاؤ پھر بھی تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے یہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں کہ تم کو مجرمین کے احوال سُنا دیئے تاکہ تم اس طرح کے جرم سے بچو اور اللہ کی طاعت و بندگی کا راستہ اختیار کرو۔

---

[۱] حضرت استاد شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں یا یہ کہ ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر پیشانی کے بالوں سے ملا دیں گے ۱۲۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾

اور جو کوئی ڈرا کھڑے ہونے سے اپنے رب کے آگے اسکو ہیں دو باغ

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَيِّ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے جن میں بہت سی ٹہنیاں پھر کیا کیا

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَيِّ

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان میں دو چشمے بہتے پھر کیا کیا

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان میں ہر میوے کی قسم

زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ

قسم پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے لگے بیٹھے

عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ

بچھونوں پر جن کے استر تافتہ کے اور میوہ ان باغوں کا

دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ

جھک رہا پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اُن میں عورتیں ہیں

الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ

نیچی نگاہ والیاں نہیں بیاہا انکو کسی آدمی نے ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے پھر کیا کیا

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ وہ کیسی جیسے لعل اور مونگا

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور کیا بدلہ ہے نیکی کا مگر

الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا

نیکی — پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے — اور ان دو باغ کے سوا

جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾

اور دو باغ — پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے — گہرے سبز جیسے سیاہ

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے — ان میں دو چشمے ہیں ابلتے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے — ان میں میوہ اور

نَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ

کھجوریں اور انار — پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے — سب باغوں میں

خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ

نیک عورتیں ہیں خوبصورت — پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے — گوریاں

مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾

رکی رہنتیاں خیموں میں — پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

نہیں بیاہا انکو کسی آدمی نے اُن سے پہلے نہ کسی جن نے — پھر کیا کیا نعمتیں اپنے

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ

رب کی جھٹلاؤ گے — تکیہ لگے بیٹھے سبز چاندنیوں پر اور

عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾

بچھاونے کی خوش طرح — پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝٧٨

بڑی برکت ہے نام کو تیرے رب کے جو بزرگی رکھتا ہے تعظیم والا

اعزاز واکرام اہلِ ایمان بعطاء نعمتہائے عظام از رب ذی الجلال والاکرام

قَالَ اللّٰہ تعالیٰ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ...... الیٰ ...... ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

(ربط) گذشتہ سلسلہ آیات کفار و مجرمین کی تنبیہ اور انکی سزاؤں کے بیان پر مشتمل تھا اب ان آیات میں اہلِ ایمان اور مطیعین کی جزاؤں اور ان پر آخرت میں عطا کردہ نعمتوں اور راحتوں کا بیان ہے ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

اور جو شخص بھی ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اسکے لئے دو باغ ہیں جنت کے عظیم الشان باغات میں سے جن کی نعمتیں اور راحتیں وہ ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے قلب و دماغ میں اس کا تصور ہوا ظاہر ہے کہ یہ استحضار و تصور اور ڈر کہ اللہ کے سامنے میں کیا منہ لے کر حاضر ہوں گا قدم قدم پر انسان کو ہر خطاء و غلطی سے بچاتے گا اور ہر مرحلہ پر وہ آخرت کے اجر و ثواب حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہے گا اور تقویٰ کا بلند ترین راستہ اختیار کر کے جنت کے ایسے عالیشان باغات کا مستحق ہوگا پھر اے جن و انس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے ؟ ان عالیشان باغوں کی صفت یہ ہوگی کہ بہت سی شاخوں والے ہوں گے جو مختلف انواع و اقسام پر مشتمل ہوں گی جن پر متعدد اقسام کے پھل ہوں گے اور انکی شادابی اور سایہ اور بھی راحت و لذت کا باعث ہوگا تو پھر کس کس نعمت کو اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے جو بہتے ہوں گے جسکی وجہ سے نہ کوئی درخت خشک ہوگا اور پھلوں اور پھولوں کی شادابی میں کوئی کمی نہیں آئے گی تو پھر بتاؤ کس کس نعمت کا اپنے رب کی نعمتوں سے انکار کرو گے ان باغوں میں پھل اور میوے ہوں گے قسم قسم کے پھر تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے ان نعمتوں اور ہر قسم کے خوشگوار پھلوں اور میووں کے علاوہ راحت اور آرام کے بھی پورے سامان عطا کیے جائیں گے تکیہ لگاتے بیٹھے ہوں گے ایسے بستروں پر جن کے استر بھی دبیز ریشم کے ہوں گے اور ان باغوں کا میوہ (پھل) جھک رہا ہوگا اہل جنت کی جانب اور انکو اتنی بھی مشقت کی ضرورت نہ ہوگی کہ اٹھیں اور درختوں کے قریب جاکر درختوں پر چڑھیں اور پھل توڑیں بلکہ درختوں کی شاخیں ان پر جھکی ہوتی ان سے قریب ہوں گی جب چاہیں تازہ بتازہ پھل درختوں سے توڑ کر کھاتے رہیں تو اے جن و انس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے ان تمام نعمتوں اور اسباب راحت کے علاوہ یہ بھی انعام ہوگا کہ ان باغات میں ایسی عورتیں (حورعین)

ہوں گی جو نگاہ نیچی رکھنے والی ہوں گی ۔حیا ، عورت کی زینت وخوبصورتی ہے تو ظاہری جملہ محاسن اور خوبصورتیوں پر ایک مزید خوبصورتی یہ ہوگی کہ وہ قاصرات الطرف اور نگاہیں نیچی رکھنے والی ہوں گی جو انکی عفت کی نشانی ہے جن کو نہ چھوا ہوگا ان سے پہلے کسی انسان نے اور نہ کسی جن نے جو خاص ان ہی اہل جنت کے واسطے پیدا کی جائیں گی تو پھر سوچو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے وہ حوریں اپنے حسن وجمال اور طہارت وپاکیزگی میں گویا یاقوت ومرجان اور خوش رنگ وبیش بہا مونگا ہوں گی تو پھر کس کس نعمت کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ظاہر ہے کہ احسان ونیکوکاری کا بدلہ کچھ نہیں سوائے بھلائی اور خوبی کے سو اسی وجہ سے اہل ایمان واحسان کو ایسی ہی بھلائیوں ، خوبیوں ، نعمتوں اور راحتوں کا بدلہ دیا جائے گا تو اے جن وانس بتاؤ اپنے رب کی نعمتوں میں کس کس نعمت کا انکار کروگے اور ان دو باغوں سے کم درجے کے دو باغ اور ہوں گے تو پھر کیا کیا اپنے رب کی نعمتوں کی تم تکذیب کروگے نہایت سبز گہرے رنگ کے ہوں گے کہ انکی شادابی اور تروتازگی انتہا ، پر پہنچی ہوگی تو کس کس نعمت کا اپنے رب کی نعمتوں میں سے انکار کروگے ہر نعمت وانعام کو اے جن وانس سوچو غور کرو اور اس نعمت کا تصور کرکے سمجھو کہ خدا کا کس قدر انعام وکرم ہے اسکی ہر نعمت دعوتِ فکر دے رہی ہے اور نعمتوں سے نوازے ہوئے ہر فرد سے سوال کرتی ہے کیا تو مجھ کو جھٹلا سکتا ہے ۔

ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہیں پانی کے اُبلتے ہوئے تو پھر کس کس نعمت کا اپنے رب کی تم انکار کروگے ان میں پھل میوے کھجوریں اور انار ہیں جو دنیا کے پھلوں کھجوروں اور انگور وانار پر قیاس نہیں کیے جاسکتے جیسی وہاں کی ہر نعمت اس عالم کی شان بلند وبالا کے مطابق ہے اسی طرح یہ پھل اور غذائیں بھی وہیں کی شان کے مطابق ہوں گی نام تو بے شک یہی ہیں جو دنیا کے پھلوں کے ہیں لیکن دنیا کے پھلوں اور جنت کے پھلوں میں زمین وآسمان سے بھی زائد فرق ہے تو پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کروگے ؟ ان سب باغوں میں جو یہ دو کم درجے کے ہیں اور وہ پہلے دو جو نہایت عالی شان اور بلند مرتبہ ہیں نہایت ہی بہترین پاکیزہ خوبصورت عورتیں (یعنی حورعین) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کا انکار کروگے وہ حوریں ہیں جو رکی رہنے والی ہیں خیموں میں یہ نہیں کہ باہر نکلی نکلی ماری ماری پھرتی ہوں عورت کی عظمت اور اسکی خوبی وخوبصورتی ستر وحجاب اور اپنے گھر کی زینت بنی رہنے میں ہے اس وجہ سے اہل جنت کے واسطے جو حورعین جنت میں ہوں گی انکی خاص صفت "فی الخیام" بیان فرمائی گئی پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمت تم جھٹلاؤ گے نہ چھوا ہوگا ان حورعین کو ان سے پہلے کسی آدمی نے اور نہ کسی جن نے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے یہ اہل جنت تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسندوں اور نہایت قیمتی نفیس بچھونوں پر انتہائی راحت اطمینان وسکون کی یہ نشست ہوگی جو انکی مجلسوں میں نظر آتی ہوگی یہ ہوں گے انعامات اور اعزاز واکرام اہل ایمان اور خداوند عالم سے خشیت وتقوی رکھنے والے بندوں پر تو اے جن وانس بتاؤ تم اپنے رب کی نعمتوں میں

سے کس کس نعمت کا انکار کروگے اے مخاطب ان تمام تفصیلات کو سننے کے بعد بس سمجھ لے کہ بڑی ہی برکت والا ہے تیرے رب کا نام جو بڑی ہی عظمت اور بزرگی والا ہے یہ سب قدرت کی نشانیاں جنت وجہنم اور انکے احوال اہل جہنم پر عذاب وسزائیں اور اہل جنت پر انعام وکرم خداوند ذوالجلال کی عزت وکبریائی کی ایسی دلیل ہے کہ نہ اس میں کوئی شبہ کرسکتا ہے اور نہ کسی کو انکار کی مجال ہو سکتی ہے یہ اسی کا کرم ہے وہ اپنے وفادار بندوں پر احسان وانعام فرماتا ہے اور اسی کی یہ شان کبریائی ہے کہ مجرمین سے انتقام لیتا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ ہر خوبی اور نعمت کا سرچشمہ اللہ رب العزت کی ذات ہے اور یہ ساری نعمتیں اہل ایمان کو اس کا نام لینے اور اس کا کلمہ پڑھنے کی بدولت ہیں اسلئے جیسے اسکی ذات بالا وبرتر اور بابرکت ہے معلوم ہوا کہ اس کا نام بھی بہت بڑا ہے جسکے لینے سے یہ سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

صدق اللہ تبارک اسم ربک ذی الجلال والاکرام نسئال اللہ العظیم الکریم الوھاب ذَا الْجَلَالِ والاکرام ان یجعلنا من اھل الایمان والاخلاص وان یحشرنا مع الَّذِینَ انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآءِ والصالحین وحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا آمین یارب العالمین۔

قرآن کریم میں تکرار آیات ومضامین کی حکمت

سورۃ الرحمٰن میں آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کا بار بار اعادہ فرمایا گیا اسی طرح سورۃ القمر میں وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَہَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ اور سورۃ والمرسلات میں وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ مکرر ہے تو تکرار مضامین وآیات کے سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے اصولی طور پر حضرات قارئین کی خدمت میں اجمالاً اتنا عرض کردیا جائے کہ قرآن کریم کے طرز بیان میں ایک خصوصی طرز یہ بھی ہے کہ واقعات وقصص اور انکے اجزاء کو بار بار بیان کرتا ہے اور بعض آیات معینہ بار بار دہرائی جاتی ہیں مثلاً حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل حضرت نوح حضرت لوط حضرت صالح حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے واقعات قرآن کریم میں متعدد جگہ ذکر کیئے گئے اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام اور فرعون کے ذکر سے تو شاید ہی کوئی حصہ قرآن کریم کا خالی ہو ان تمام واقعات کو قرآن بکثرت کہیں اجمال اور تفصیل سے کسی جگہ بعض اجزاء قصہ اور دوسری جگہ دوسرے بعض اجزاء بیان کرتا ہے اسی طرح بعض آیات مثلاً فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اور وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ایک ہی سورت میں بار بار دہرائی جارہی ہے تکرار مضامین وآیات کی تفصیلی حکمتیں تو متعلقہ مقامات کی تفسیر میں امام رازیؒ زمخشریؒ اور علامہ آلوسیؒ کے کلام سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

اس مقام پر ان حضرات اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام سے اخذ کردہ بعض اصولی چیزیں بلا اشارۃً

بیان کرنے پر ہم اکتفا کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ قرآن کریم جن واقعات کو بیان کرتا ہے ہر واقعہ اپنے مختلف اجزاء اور متعدد پہلوؤں کے اعتبار سے بہت سے مفید ثمرات اور اہم نتائج پر مشتمل ہوتا ہے تو ہر مقام موضوع اور مقصد کی رعایت کرتے ہوتے ہر واقعہ کو کبھی مجموعی طور پر اور کبھی اسکے کسی ایک جزء اور پہلو کو کہیں اجمال اور کہیں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور متعدد مقامات پر اس ایک ہی واقعہ کو ذکر کرنے سے ہر مقام کے مناسب ایک نئے فائدہ اور نتیجہ کا اخذ کرنا مقصود ہوتا ہے انہی مقاصد و نتائج کی کثرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان واقعہ یا اسکے اجزاء میں تکرار اختیار کیا جاتا ہے دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ چیز مکرر ذکر کی جارہی ہے لیکن مقصد اور غرض کے اعتبار سے وہ مکرر نہیں بلکہ نئی چیز ہوتی ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بنیادی اجزاء اور پہلو حسب ذیل ہیں :۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد آغوش مادر کے بجائے سمندر کی موجوں کے حوالہ ہوجانا پھر ایک حیرت انگیز طریقہ سے فرعون کے یہاں پہنچ جانا آسی کے گھر میں تربیت پانا قبطی کو قتل کرکے مدین کی طرف بھاگنا وہاں ایک انوکھے طور پر نکاح ہوجانا اہلیہ کو ہمراہ لے جاتے ہوئے آگ کے شعلہ کو دیکھ کر پہاڑی پر جانا اور وہاں سے منصب نبوت سے سرفراز ہو کر لوٹنا اور معجزہ کا عطا ہوجانا پھر دعوت ایمان لے کر فرعون کے پاس جانا فرعون کا تمرد و سرکشی کے ساتھ تحقیر آمیز سوال وجواب کرنا معجزات دیکھ کر فرعون اور تمام ساحروں کا ذلیل ہونا انجام کار فرعون اور اس کی قوم کا دریائے نیل میں غرق ہوجانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مظفر و منصور ہو کر بنی اسرائیل کو روز روز کے عذاب سے بچالینا وغیرہ وغیرہ۔

اب قرآن کریم کبھی اس قصہ اور اسکے اجزاء کو اپنی قدرت عظیمہ اور اپنی جلالت شان کے ظاہر کرنے کے لیے ذکر کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت وطاقت اور سطوت وجبروت کے سامنے فرعون جیسے متمرد اور مغرور و متکبر بادشاہ کی حقیقت کچھ نہیں دم کے دم میں اللہ نے اسکی سلطنت اور طاقت وشوکت کو درہم برہم کر ڈالا اتنے بڑے ساز وسامان والا کس طرح بے گور وکفن مارا گیا کسی جگہ مقصود ان ہی ہیبت ناک اور تاسف انگیز واقعات کے بیان کرنے سے غافل بندوں کو عبرت دلانا ہوتا ہے کہ تم کو بھی ان معاصی اور کفریات سے باز رہنا چاہیئے جن کا بر خمیازہ پہلی قومیں بھگت چکی ہیں ورنہ کچھ بعید نہیں کہ خدا کی طرف سے تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو کسی مقام پر حضرت موسیٰؑ اور انکی اتباع کرنے والوں پر احسان جتانا مقصود ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان پر پیغمبر خدا کی اطاعت وپیروی کی وجہ سے یہ انعام فرماتے کہ ایسے جابر و خونخوار کے پنجۂ ظلم سے نجات بخشی جسکے مقابلہ کی کوئی طاقت نہ تھی پھر اسی ظالم کے تاج و تخت کا وارث بھی بنا دیا۔

کسی جگہ معجزات کے ذکر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے غرض اسی نوع کے اور بہت سے مقاصد ہوتے ہیں جنکے پیش نظر واقعات اور انکے اجزاء کو ہر ایک مقصد کے اثبات کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز تکرار مطالب قرآن کے متعلق اکسیر فی اصول التفسیر[1] میں فرماتے ہیں:-

"تکرار در مطالب قرآن کریم برائے آں است کہ آنچہ خواہیم کہ سامع را افادہ نمائیم دو قسم می باشد یکے از آنکہ مقصود آنجا مجرد تعلیم ما لا یعلم بودتا مخاطب حکم مجہول را معلوم کند و آں نا دانستہ دانستہ گردد و دیگر آں کہ مقصود استحضار آں علم مدرکہ او باشد تا ازاں لذت فراواں گیرد و رنگ ایں علم برہمہ قوی غالب آید در قرآن کریم بہ نسبت ہر یکے از علوم خمسہ کہ بیانش خواہد آمد ہر دو قسم افادہ ارادہ فرمود تعلیم ما لا یعلم بہ نسبت جاہل و رنگین ساختن نفوس بداں بہ سبب تکرار بہ نسبت عالم اللّٰھم مگر در اکثر احکام کہ تکرار آنجا حاصل نشدہ افادہ دوم آنجا مطلوب نبودہ ولہٰذا در شریعت بتکرار تلاوت امر فرمودہ اند نہ بمجرد فہم اکتفاء کردہ اند ایں قدر فرق نہادہ اند کہ در اکثر احوال آں مسائل بعبارت تازہ و اسلوب جدید اختیار فرمودہ اند تا اوقع باشد در نفوس والذ باشد در اذہان اگر تکرار بیک لفظ کنند چیزے باشد کہ بطور وظیفہ آں را تکرار نمایند و در صورت اختلاف تعبیرات وتغایر اسالیب ذہن خوض کند و خاطر بکلی در آں فرو رود"

حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر تعلیم اور ہر حکم کے مخاطب دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں اور دو ہی اعتبار نظر یوں کے ساتھ قرآن خطاب فرماتا ہے ایک وہ کہ جو اس حکم سے ناواقف ہیں انکو تو صرف ایک نامعلوم چیز کی طرف تعلیم دینا ہے دوسرے وہ کہ محض امر غیر معلوم کی تعلیم دینا مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کیفیت کا قلب میں راسخ کر دینا مقصود ہوتا ہے تاکہ قوت مدرکہ اس علم کا پورے طور پر استحضار کرے اور طبائع اس سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ اسکے رنگ میں رنگی جائیں۔

اور ظاہر ہے کسی کام میں ملکہ بغیر اسکی پابندی اور التزام اور بار بار کی مشق کے نہیں ہو سکتا اسی طرح اذہان و طبائع کا علوم الٰہیہ کے رنگ میں رنگا جانا تکرار و مداومت کا محتاج ہوگا جیسا کہ نماز و روزہ اور تمام عبادات کی پابندی اس امر کا باعث ہے کہ ہم اطاعت و انقیاد کے خوگر ہو جاتے ہیں اور بلکہ بسا اوقات اسکے ترک سے اذیت محسوس ہونے لگتی ہے اسی طرح کلمہ توحید اور ذکر اللہ کی پابندی حق تعالےٰ کے تصور اور اسکی محبت قلب میں جما دینے کی تاثیر رکھتی ہے قلب میں اس کیفیت کے رسوخ کا ذریعہ کثرت ذکر کثرت تلاوت تکرار اور مواظبت عمل ہے تو مضامین و مطالب قرآنیہ کا تکرار بھی اسی لیے ہے تاکہ مخاطبین کے قلوب میں یہ مضامین و علوم پورے طور پر راسخ و متمکن ہو جائیں اور طبیعت انھی کے رنگ میں رنگی جاتے ذہن اسکی حلاوت و شیرینی سے لطف اندوز ہونے لگیں پھر مزید خوبی یہ کہ تکرار بعینہ ایک ہی لفظ اور عنوان کے ساتھ نہیں بلکہ ہر جگہ تازہ عبارت اور نئے اسلوب کے ساتھ ہے تو اختلاف تعبیرات

---

[1] صفحہ نمبر ۱۰ مطبوعہ کانپور - ۱۲

کی وجہ سے ذہن کو زیادہ غور وخوض کا موقع ملتا ہے اور مدرکۂ انسانی کو ہر بار اس مضمون کے سننے سے نئی لذت حاصل ہوتی ہے۔

سورۃ الرحمٰن میں ایک ہی آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ بار بار دہرائی گئی ہے کیونکہ حق تعالےٰ نے اس سورت میں اپنی مخلوق جن وانس پر بڑے انعامات کا ذکر فرمایا ہے اور ہر نعمت کے ذکر کے بعد اس آیت کو لایا گیا تقریر وتثبیت اور الزام حجت کے طور پر کہ اے جن وانس (بھلا بتاؤ) اب اپنے رب کی نعمتوں میں کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (اکی ناشکری کروگے) مقصد یہ ہے کہ سامع ہر ہر نعمت پر متنبہ ہو کر اپنے پروردگار کی نعمتوں کو پہچانے اور ان کا شکر بجالانے کے لیے آمادہ ہو اس سورت میں انعامات کا ذکر ایک تو بصورت انعام ہے کہ ان نعمتوں کو یاد دلایا گیا جو منعم حقیقی کی طرف سے بندوں پر کی گئیں اور دوسرے اخروی رنج و محن اور عذاب جہنم کے بیان میں اپنے انعام کو ذکر فرمایا تاکہ ان آلام اور کیفیات مصائب کو سن کر ان امور سے پرہیز کریں جو عذابِ اُخروی کا سبب ہیں ان امور کا ذکر بھی انعام ہے اگرچہ بیان تو عذاب اور شدت کا ہے مگر اس وجہ سے کہ اس سے مقصود بندوں کو ان اعمال وافعال سے بچنے کی تعلیم ہے جو اس عذاب وشدت کا باعث ہیں لامحالہ ان احوال کا ذکر بھی یقیناً ایک نعمت خداوندی ہی ہوا اور اس پر آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اسی طرح مربوط اور چسپاں ہوا جیسے دیگر انعامات خداوندی پر ہے جیسے زانی وبدکار اور لوٹ وغارت گری ڈالنے والوں کی سزا پاک باز ونیک طینت لوگوں کو بعنوانِ بشارت اور اس طرح اسکو تعبیر کیا جاتے کہ یہ سزا دینے والے حاکم کے انعامات میں سے ایک عظیم انعام ہے یا جیسے تریاق کا ذکر انعام ہے تو اسکے بالمقابل سم اور مہلک زہر کا بیان بھی مخاطب کے واسطے معلّم کا بہت بڑا انعام ہے تاکہ وہ اپنے مخاطب کو نافع اور مضر ہر قسم کی چیزوں سے مطلع اور باخبر کردے۔

چنانچہ امام رازیؒ "نہایۃ الایجاز فی درایۃ الاعجاز" اور سید مرتضیٰ "کتاب الامالی" میں فرماتے ہیں

ان فعل العقاب وان لم یکن نعمۃً فذکرہ ووصفہ والانذار بہ من اکبر النعم لان فی ذالک زجرًا عمّا یستحق بہ العقاب[1]	بے شک فعل عقاب اور عذاب بظاہر اگرچہ کوئی نعمت نہیں ہے لیکن اسکا ذکر اور اسکی کیفیت کا بیان بڑی عظیم الشان نعمتوں میں سے ہے کیونکہ اسکے ذکر سے ان برے کاموں سے روکنا مقصود ہے جنکے کرنے سے انسان عذابِ خداوندی کا مستحق ہوجاتا ہے۔

شیخ سیوطیؒ نے فرمایا

[1] کتاب الامالی ص۹۵۔

وقد سئل ای نعمتہ فی قولہ تعالیٰ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ فاجیب باجوبة حسنها النقل من دار الھموم الی دار السرور وراحة للمؤمنین

(الاتقان فی علوم القرآن ۔)

یہ سوال کیا گیا "کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ" کونسی نعمت کا بیان ہے اور جسکے بعد فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ فرمایا گیا جس طرح انعامات طلاوندی پر اسکو اسی سورت میں ذکر کیا گیا ہے) تو اسکے متعدد جواب دیئے گئے جن میں سب سے بہتر یہ جواب ہے کہ اس آیت میں دار الھموم (یعنی تکالیف و آلام اور رنج وغم کی زندگی) سے دار السرور کی طرف منتقل ہونے کا اور اہل ایمان کے واسطے راحتوں کا بیان ہے (جو یقیناً ایک عظیم الشان نعمت ہے لہذا اسکے ذکر پر بھی فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ آیت مربوط اور چسپاں بلکہ نہایت ہی لطیف ہے۔)

غرض قرآن کریم کے خصوصی طرز خطاب میں تکرار خطاب مضامین اور آیات بھی جسکے بے شمار اسرار اور حکمتیں ہیں ہم نے صرف بطور مثال یہ چند چیزیں بیان کر دیں ۔

اعجاز قرآن کی بحث میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں دنیا کے تمام اہل علم اور ارباب نظر وفکر اور اصحاب فہم وبصیرت بھی قرآن کریم کے حقائق ومعارف اور اس کے اسرار ولطائف کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتے اس باب میں انکی مشترکہ مساعی اور کوششیں صرف وہی نسبت رکھ سکتی ہیں جو ناپیدا کنار سمندر کے سامنے ایک قطرہ کو ہے وحی الٰہی اور علوم قرآن کے سامنے تمام دنیا کے اہل علم کی علمی وفکری صلاحیتوں کے بارہ میں قرآن کریم نے فیصلہ فرما دیا ہے ۔

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔

اور نہیں دیا گیا ہے اے لوگو! تم کو علم میں سے مگر ایک نہایت ہی قلیل حصہ۔

اس لیے ظاہر ہے کہ یہ محدود علم کس طرح لامتناہی اور غیر محدود علوم اور حقائق کی بلندیوں تک رسائی کر سکتا ہے ۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَهُ الْکِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

تکرار آیات کی حکمت پر علامہ سید مرتضیٰؒ شیخ سیوطیؒ، امام فخر الدین رازیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے تفصیل کے ساتھ کلام فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اکثر اوقات ایک واقعہ مختلف اجزاء کے اعتبار سے بہت سے مسائل اور متعدد نتائج پر مشتمل ہوتا ہے جس کی وجہ سے متکلم اس واقعہ کو کسی وقت کسی لحاظ سے ذکر کرتا ہے ۔

اور کسی وقت دوسرے لحاظ سے اس کا ذکر کرتا ہے اور ہر موقع پر اسکے ایک خاص نتیجہ کا لحاظ کرتے ہوئے کلام کی تحقیق وتثبیت یا اسکی تفصیل وتوضیح ہوتی ہے مثلاً حضرت موسٰی علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ سے متعلق بہت سے مسائل وموضوعات ہیں اور اسکے متعدد اجزاء ہیں حضرت موسٰی علیہ السلام کا حیرت انگیز طریقہ پر فرعون کے یہاں پہنچنا اور اسکے یہاں تربیت پانا ایک قبطی کے قتل کے بعد مدین کی طرف بھاگنا اور وہاں ایک عجیب اور انوکھے طریقے سے نکاح ہو جانا اپنے اہل کو لے کر چلتے ہوئے راستہ میں آگ دیکھنا اور آگ دیکھنے کی بجائے منصب نبوت ورسالت سے سرفراز ہونا معجزات میں خاص معجزہ ید بیضاء اور عصا کا معجزہ دیا جانا۔ پھر ان معجزوں کو لے کر فرعون کے دربار میں دعوت توحید وایمان کے ساتھ جانا جادوگروں کا مقابلہ اور ان کا ایمان لانا فرعون کی دھمکی اور جادوگروں کی ایمان پر ثابت قدمی اور پختگی وغیرہ وغیرہ اب ظاہر ہے کہ یہ متعدد موضوعات ہیں سطحی نظر سے دیکھنے والا ہر موقع پر یہ خیال کرے گا کہ بار بار حضرت موسٰیؑ کا قصہ اور فرعون کا واقعہ دہرایا جا رہا ہے لیکن درحقیقت ہر جگہ موضوع اور مقصد جدا ہوگا اسی طرح دیگر انبیاء کے واقعات کا بھی اعادہ وتکرار ہے اور ہر جگہ ایک حکمت اور مفید مضمون ہے جو دوسری جگہ نہیں گویا تکرار ہی نہیں ہے بلکہ ہر موقع پر ایک مستقل مضمون اور عظیم مقصد کی تحقیق وتثبیت ہے۔

علاوہ ازیں قرآن حکیم کا بیان اور واقعات کا ذکر صرف اسی حد تک نہیں ہوتا کہ ایک بات بتا دی جائے یا کسی واقعہ کو بطور خبر واطلاع بیان کر دیا جائے بلکہ ان حقائق کو ذہن اور مخاطب کی طبیعت میں رچانا ہی مقصود ہوتا ہے جو ظاہر ہے بغیر تکرار کے ممکن نہیں کسی چیز کا مجرد علم اور چیز ہے اور اس چیز سے ذہن کا مانوس ومربوط ہونا اور اسکے مطابق مزاج بن جانا یہ دوسری بات ہے تو یہ نوعیت اسکی مقتضی ہے کہ بار بار اعادہ ہوتا آں کہ وہ مضمون قلب ودماغ کی گہرائیوں میں راسخ ہو جائے اور حتّٰی کہ وہ مزاج وطبیعت ہو جائے حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ تکرار مطالب قرآن کے موضوع پر الکبیر فی اصول التفسیر میں فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ "قرآن کریم کی ہر تعلیم اور ہر حکم کے مخاطب دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں ایک وہ لوگ جو اسکے اس حکم سے پہلے سے ناواقف ہیں اور انکو صرف حکم سنانا اور اس سے باخبر کرنا مقصود ہوتا ہے ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کو اس حکم کا علم یا اس بات کی خبر پہلے سے تو ہو چکی ہے لیکن انکے قلب میں اس مضمون یا اس حکم کے مطابق کیفیت راسخ نہیں ہوتی اس گروہ سے خطاب اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ یہ تعلیم انکے دلوں میں جگہ پکڑ لے اور انکے قلب کی گہرائیوں میں اور رگ وپے میں سرایت کر جائے" تو ظاہر ہے کہ اس طرح کسی حقیقت اور علم کا راسخ ہو جانا تکرار و اعادہ کو مقتضی ہے اسی پر ہر آیت کے تکرار کو بھی محمول کر لیا جائے کہ سورۃ الرحمٰن میں ہر مرتبہ کسی نہ کسی نعمت کے بعد حق تعالیٰ کا یہ دریافت فرمانا کہ اے جن وانس بتاؤ اپنے رب کی نعمتوں میں سے تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے تاکہ ہر نعمت کے ذکر کے بعد سامع اللہ کے انعام کو سوچے اور اسکو پہچانے اور پھر غور وفکر کی گہرائیوں میں چکر لگا کر یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ بے شک اللہ رب العالمین کی بیشمار نعمتوں

میں سے انسان کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کر سکتا اور جب اس نعمت کے ذکر کے بعد یہ سنے فَبِاَیِّ اٰلَاۤءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ تو ہر بار دل کی گہرائیوں سے نکلے لا بشیء من نعمك ربنا نکذب ولك الحمد۔
اس قسم کا تکرار تو قدیم شعراء عرب کے کلام میں بھی پایا گیا ہے اور ——————
اس تکرار کو بڑا ہی بلیغ بلکہ لذیذ سمجھا جاتا ہے چنانچہ عرب کے ایک مشہور شاعر مہلہل بن ربیعہ نے کلیب کے مرثیہ میں ہر مصرعہ کے بعد اس مصرعہ کا اعادہ کیا علی ان لیس عدلا من کلیب[1]
اسی طرح لیلیٰ اخیلیہ توبہ بن الحمیر کے مرثیہ میں ہر مصرعہ پر لنعم الفتیٰ یا توبُ کنت دہراتی ہے علی ھذا القیاس اس قسم کے سینکڑوں نظائر کلام عرب میں بکثرت موجود ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الۡوَاقِعَہ

سورۃ واقعہ مکی ہے اسکی چھیانوے آیات اور تین رکوع ہیں یہ سورت خاص طور سے احوال قیامت کے مضامین پر مشتمل ہے اور یہ مضامین اپنے سیاق و سباق سے قیامت، حشر و نشر اور جزاء و سزا کی عظمت و ہیبت قلوب پر قائم کرنے میں ایک عجیب تاثیر رکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، آپ تو بوڑھے ہو گئے (جب کہ اچانک آپ پر ضعف کے آثار اس طرح واقع ہوئے کہ دیکھنے والا یہ محسوس کرے کہ آپ پر پوری طرح بڑھاپا آگیا حالانکہ آپ کے قویٰ توانا اور صحت مند تھے) تو آپ نے فرمایا مجھ کو سورۃ ہود واقعہ مرسلات عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا بنا دیا یعنی ان کے مضامین کی ہیبت نے مجھ کو اچانک ایسا مضمحل کر ڈالا۔

حافظ ابن عساکرؒ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں عمرو بن الربیع اعصری کی سند سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوتے اور یہ مرض انکا مرض وفات تھا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عیادت کے لئے تشریف لائے پوچھا کہ کیا تکلیف ہے؟ فرمایا میرے گناہ (بس یہی تکلیف ہے) فرمایا کسی چیز کے لئے خواہش ہے؟ جواب دیا اپنے پروردگار کی رحمت کی۔ حضرت عثمانؓ فرمانے لگے کیا میں آپ کے واسطے کسی طبیب کا حکم دوں (کہ انتظام کیا جاتے) کہنے لگے طبیب ہی نے تو مجھ کو بیمار کیا ہے (یعنی اصل طبیب جو شفاء کا مالک ہے اور اسی کے قبضہ میں ہر صحت و مرض اور موت و

---

[1] کتاب الامالی صفحہ ۸۶/۸۷

حیات سب اسی کے حکم سے تو بیمار ہوا ہوں) پوچھا کہ کیا میں آپ کے واسطے کسی مقدار مال اور بخشش کا حکم نہ کردوں، جواب دیا مجھے کوئی حاجت نہیں فرمایا آپ کے بعد آپ کی بیٹیوں کے کام آئے گا فرمایا کیا آپ کو میری بیٹیوں کے متعلق فقر کا کوئی اندیشہ ہے حالانکہ میں نے انکو اس بات کی ہدایت کر رکھی ہے کہ وہ ہر رات سورۃ واقعہ کی تلاوت کرلیا کریں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۃ واقعہ کی تلاوت کرے اسکو کبھی فقر وفاقہ پیش نہیں آئے گا۔

الواقعۃ۔ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس وجہ سے کہ قیامت بلاشبہ واقع ہونے والی ہے اور اس سے زائد قطعی اور یقینی کوئی چیز باعتبار وقوع کے نہیں ہوسکتی جیسا کہ ارشاد ہے فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ اور فرمان ہے کہ سَأَلَ سَائِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِينَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ۔ روایات میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں اس سورت کو بکثرت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

ابتدا سورت میں قیامت کے واقع ہونے کی خبر اس کے احوال عظمت وہیبت کے ساتھ دیتے ہوئے انسانوں کو تین قسموں میں منقسم فرمایا اس کے بعد انکے انجام اور سعادت وشقاوت اور جزاء وسزا کا ذکر فرمایا پھر دلائل قدرت کی تفصیل فرماتے ہوتے قرآن کریم کی عظمت وحقانیت کا بیان فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ کون لوگ سابقین بالخیرات اور اہل سعادت ہیں اور کون درمیانہ درجہ کے اور کون وہ بدنصیب ہیں جو سعادت سے محروم رہتے ہوئے اپنے کو ہلاکت وتباہی میں ڈالتے ہیں

بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۵ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۶ وَّكُنْتُمْ

ٹکڑے ہوں پہاڑ ٹوٹ کر پھر ہو جاویں گرد اڑتی اور تم ہو

اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۷ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۵ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۸

جاؤ تین قسم پھر داہنے والے کیسے داہنے والے

وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۵ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۹ وَالسّٰبِقُوْنَ

اور بائیں والے کیسے بائیں والے ؟ اور اگاڑی والے

السّٰبِقُوْنَ ۱۰ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۱۱ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۱۲

سو اگاڑی والے وہ لوگ ہیں پاس والے باغوں میں نعمت کے

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۱۳ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۱۴ عَلٰى سُرُرٍ

انبوہ ہے پہلوں میں اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں بیٹھے ہیں

مَّوْضُوْنَةٍ ۱۵ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۱۶ يَطُوْفُ

پلنگوں پر سونے سے بُنے تکیے دیئے ان پر ایک دوسرے کے سامنے لیئے پھرتے ہیں

عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۱۷ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۵

ان پاس لڑکے سدا رہنے والے آبخورے اور تنتیاں

وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۱۸ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا

اور پیالہ نتھری شراب کا سر نہ دُکھے جس سے اور نہ

يُنْزِفُوْنَ ۱۹ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۲۰ وَلَحْمِ طَيْرٍ

بکنا لگے اور میوہ جونسا چُن لیویں اور گوشت اُڑتے

مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۲۱ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۲۲ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ

جانوروں کا جس قسم کو جی چاہے اور گوریاں بڑی آنکھوں والیاں جیسے برابر لیلے موتی

الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

کے — بدلہ اس کا جو کرتے تھے — نہیں سنتے

فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

وہاں بکنا اور نہ جھوٹ لگانا مگر ایک بولنا سلام سلام

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ

اور داہنے والے کیسے داہنے والے رہتے بیری کے

مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ

درختوں کانٹے جھاڑے ہوؤں میں اور کیلے تہ بر تہ اور چھاؤں لنبی اور پانی

مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا

بہایا اور میوہ بہت — نہ ٹوٹا اور نہ

مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾

روکا اور بچھونے اونچے ہم نے وہ عورتیں اٹھائیں ایک اٹھان پر

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾

پھر کیا ان کو کنواریاں پیار دلانیاں ایک عمر کی واسطے داہنے والوں کے

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾

انبوہ ہے پہلوں میں اور انبوہ پچھلوں میں

اخبار وقوعِ قیامت و تقسیم انسان در گروہ ثلثہ

قال اللہ تعالیٰ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ...... الیٰ .... ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ

ربط، سورۂ الرحمٰن میں ابتداءً حق تعالیٰ نے اپنی قدرت و عظمت کی نشانیاں بیان فرمائیں پھر

عالم کے فنا اور قیامت کے برپا ہونے کا ذکر فرمایا اسکے بعد منکرین کی بدحالی اور انکی سزاؤں کا سلسلہ بیان شروع فرمایا پھر اسکے بالمقابل اہل ایمان و تقویٰ کی جزاؤں اور ان پر اللہ کی طرف سے عطا کردہ انعام و اکرام کی تفصیل فرمائی گئی اب اسکے بعد اس سورۃ واقعہ میں احوال قیامت کی تفصیل بیان کی جارہی ہے کہ قیامت ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسکو کوئی جھٹلا نہیں سکتا اور اسکے آنے پر دنیا کے انسانوں کے سامنے انکی زندگی کا انجام معلوم ہو جائے گا اور کس طرح وہاں کوئی عزیز و سربلند ہوگا اور کوئی ذلیل و سرنگوں اور جو مقربین بارگاہ خداوندی ہوں گے ان پر کیسے کیسے انعامات ہوں گے ارشاد فرمایا۔

یاد کرو جب واقع ہونے والی چیز واقع ہو جائے گی یعنی قیامت تو اسکے وقوع کو کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا اس وقت ہر ایک منکر اور کافر کے سامنے بھی حقیقت کھل جائے گی کہ جو بات اللہ کے پیغمبر نے کہی تھی وہ بالکل حق تھی اور جب وہ واقع ہو جائے گی تو اسکو کوئی ٹلانے والا نہ ہوگا کہ کسی تدبیر اور حیلہ سے ٹلا دے وہ کسی کو پست کرنے والی ہوگی اور کسی کو بلند کرنے والی ہوگی بڑے بڑے متکبر جو دنیا میں بڑے ہی سربلند تھے وہ اس وقت پست اور ذلیل ہو رہے ہوں گے اور دنیا میں حقیر اور پست سمجھے جانے والے مومنین سربلند ہوں گے یہ قیامت ایسی صورت سے برپا ہوگی کہ اس وقت زمین لرزنے لگے گی بڑے ہی شدید جھٹکوں کے ساتھ اور بالکل ہی ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے پہاڑ پھر وہ ہو جائیں گے پراگندہ غبار اور روئی کے اڑتے ہوئے گالوں کی طرح اور اس وقت اے انسانو! تم ہو جاؤ گے تین قسم کے گروہ جنتی جہنمی اور مقربین، سو داہنے والے یعنی جنکے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور وہ نجات پانے والے ہیں کیا ہی خوب ہیں داہنے والے اور بائیں والے جنکے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ ہلاک ہونے والے ہیں کیا ہی بدنصیب ہیں بائیں والے اور تیسرا[1] گروہ آگے بڑھنے والوں کا

---

[1] اصحاب الیمین کی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ عرش الٰہی کی دائیں طرف اُن اہل ایمان کو جگہ عنایت کی جائے گی یہ دائیں ہاتھ والے وہی ہوں گے جنکو عہد الست اور اخذ میثاق کے وقت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب سے نکالا گیا تھا اور یہ وہی ہونگے جن پر القاء نور کے وقت نور پہنچا تھا اور انہوں نے پھر اپنی دنیوی زندگی میں یہ نور ہدایت حاصل کیا اور پھر بھی نور ان کا ساتھی قبر میں رہا اور صراط پر بھی رہا لقول اللہ عزوجل نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ تو اسی نسبت سے فرشتے بھی انکو دائیں طرف لیں گے اور اصحاب یمین ہونے کا یمن اور برکت یہ ہوگی کہ انکے نامہائے اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے جس پر انکو بڑی ہی فرحت و مسرت ہوگی اور فرط مسرت سے یہ لوگ پکار پکار کر کہتے ہوں گے هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ اور یہی وہ ہیں جن کو شب معراج میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب دیکھا تھا اور آدم علیہ السلام اپنی اولاد میں سے جب ان بیٹوں کو دیکھتے تو خوش ہوتے اور ہنستے۔

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

ہے سو وہ تو سبقت ہی لیجانے والے ہیں وہی تو مقربین ہیں بارگاہِ خداوندی میں جو آسائش و آرام کی باغوں میں ہونگے اور مقربین کا ایک بڑا گروہ اولین میں سے ہوگا اور کچھ تھوڑے لوگ ہوں گے پچھلوں میں سے اور بعد میں آنے والوں میں سے یہ لوگ ایسی مسندوں اور تختوں پر ہوں گے جو سونے کے تاروں سے جڑے ہوں گے جن پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھنے والے ہوں گے اس طرح اطمینان و سکون اور سرور حاصل ہوگا اور ہر ایک دوسرے کی طرف رخ اور توجہ کرنے والا ہوگا اور سب برابر رتبہ کے نظر آتے ہوں گے یہ نہیں کہ کچھ صف اول کے ہوں اور کچھ صف ثانی کے انکے سامنے گشت کرتے ہوں گے ایسے خدمت گار لڑکے جو ہمیشہ اسی طرح معصومیت و لطافت کی شان کے ساتھ رہیں گے جو لیتے پھرتے ہوں گے آبخورے اور آفتابے اور جام ایسی شراب طہور کے جو صاف و شفاف چشمے سے بہتے ہوئے پانی کی طرح ہو جسکے پینے سے نہ انکو دردِ سر ہوگا اور نہ عقل میں کوئی فتور ہوگا برخلاف اسکے کہ دنیا کی شرابیں دردِ سر کا باعث ہوتی ہیں اور عقل و ہوش میں فتور ڈال کر انسان کو پاگل کی طرح مدہوش کر دیتی ہیں۔

اور نیز ایسے پھل اور میوے جنکو یہ لوگ پسند کریں اور چاہیں اور پرندوں کا وہ گوشت جس کی یہ لوگ خواہش کریں اور وہ حورعین (گوری رنگت کی بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں) جو سیپ میں محفوظ رکھے ہوئے چمکدار موتیوں کی طرح ہوں ایسی نعمتیں، راحتیں اور لذتیں اہل جنت کو حق تعالیٰ کی طرف سے اس صبر و قناعت و تقویٰ کے بالمقابل عطا کی جائیں گی جو ایمان والوں نے صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے دنیا میں ان تمام لذتوں سے پرہیز کیا تھا تو یہ سب کچھ بدلہ ہے ان اعمال کا جو یہ لوگ دنیا میں کرتے تھے ان جملہ راحتوں، نعمتوں اور لذتوں کے علاوہ یہ بھی انکا اکرام اور اعزاز ہوگا کہ کوئی ناگوار طبع اور ناگوار خاطر چیز بھی انکے لیے نہ ہوگی چنانچہ نہ سنیں گے اس میں کوئی بے ہودہ بات اور نہ کوئی فسق و فجور کی چیز اور فحش بات بس ہر طرف سے یہی ایک آواز ہوگی سلامًا سلامًا جو سنائی دے گی ظاہر ہے کہ دار السلام میں سلام سلام کی آوازوں کے علاوہ اور کیا سُنا جا سکتا ہے وہاں نہ بک بک کی آوازیں سنیں گے اور نہ شور و شغب اور بے ہودہ گفتگو ہوگی۔ کیونکہ شور و شغب یا فسق و فجور کی باتیں اور بے ہودہ کلام باطن کی گندگی کے آثار و ثمرات ہیں اور جنت دار الطیبین ہے لَا یَدْخُلُهَا اِلَّا الطَّیِّبُوْنَ اس وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس عالم میں اہل جنت کے سامنے کوئی بھی بات خبث و گندگی کی ظاہر ہو۔

اور انکے بالمقابل اصحاب الشمال اور بائیں بازو والے وہ بدنصیب ہیں جو ہر جگہ محرومی اور بدنصیبی ہی کا شکار رہے تو جب آدم علیہ السلام کی نظر اپنی اس بدنصیب اولاد پر پڑتی تو غمزدہ ہو کر روتے تو یہی وہ بدنصیب ہیں جنکے نامہائے اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور اس وقت یہ اپنی بدنصیبی پر غم کریں گے اور حسرت ہوگی کہ کاش ہم ہدایت قبول کر کے اصحاب الیمین دائیں بازو والوں میں شامل ہو جاتے ۱۲۔

اور داہنی طرف والے؟ سبحان اللہ کیا ہی خوب ہیں داہنی طرف والے انکی سعادت اور ان پر انعامات کا یہ عالم ہوگا کہ وہ لوگ ایسے باغوں میں ہوں گے جن میں بیریاں ہوں گی بغیر کانٹوں کے اور ایسے درخت کے بیر نہایت ہی عمدہ اور لذیذ ہوں گے جنت کا کوئی پھل اور درخت محض تفہیم اور تعارف کے طور پر دنیا کے درختوں اور پھلوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ نہیں کہ ان درختوں اور پھلوں کو دنیا کے درخت اور پھل کے مشابہ اور ہم رتبہ سمجھا جائے وہاں کی تو ہر نعمت پرواز فکر اور حد قیاس سے بالاوبرتر ہے اور ان باغوں میں تہہ بہ تہہ کیلے ہوں گے اور ایسا سایہ جو پھیلا ہوا ہوگا اور وہ پانی جو جاری اور بہتا ہوگا اور وہ پھل جو بڑی ہی کثرت سے ہوں گے نہ کبھی منقطع ہونے والے ہوں گے، فصل ختم ہوجانے کی وجہ سے اور نہ انکو روکا گیا ہوگا۔کہ کسی طرح کی پابندی عائد ہو بلکہ ہر پھل بلا روک ٹوک نہایت کثرت کے ساتھ ہر وقت ان اہل یمین کے پاس پہنچتا ہوگا اور بچھونے ہوں گے نہایت ہی بلند جو حسی بلندی کے ساتھ معنوی عظمت و بلندی بھی رکھتے ہوں گے وہاں کی عورتیں ایسی ہیں کہ ہم نے انکو بنایا ہے ایک خاص طور سے بنانا پھر ہم نے انکو بنایا باکرہ خاوندوں کی محبوبہ برابر عمروں والی داہنے ہاتھ والوں کے لیے تاکہ یہ اہل جنت دیگر نعمتوں اور راحتوں کے ساتھ رفیق حیات کی مرافقت اور اس مرافقت سے کامل راحت وسکون حاصل کرلیں اور انسانی طبائع کے لیے جس قسم کی بھی راحت ولذت کا طبعًا تصور ہوسکتا ہے ان سب کی جنت میں تکمیل کردی جاتے ان اصحاب یمین کا ایک بہت بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بہت بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا اس طرح اصحاب الیمین اوّلین اور آخرین دونوں طبقوں میں بڑی تعداد میں ہوں گے۔

اہل ایمان وتقویٰ کا ہر دور میں بکثرت ہونا اُمت محمدیہ پر خصوصی انعام

اللہ رب العزت کا امت محمدیہ پر خصوصی انعام ہے کہ انہیں اہل ایمان وتقویٰ ہر دور اور قرن میں بکثرت ہوں گے کوئی دور اور قرن مؤمنین اور مخلصین سے خالی نہیں رہ سکتا یہاں تک کہ اسی طرح قیامت قائم ہوجائے گی یہی وجہ ہے کہ اس اُمت کے ناجی تعداد میں اکثر ہوں گے بخلاف دوسری امتوں کے کہ ان میں تباہ وبرباد ہونے والوں کا عدد زیادہ ہوگا۔یہی وہ چیز تھی جس کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔شب معراج میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سے ہوا تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے پوچھا گیا اے موسیٰ کیوں رو رہے ہو عرض کیا اے پروردگار یہ نوعمر نبی ہیں جو میرے بعد مبعوث ہوتے لیکن انکی اُمت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل

ہوگی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی امت پر حسرت کرتے ہوئے گریہ فرمانے لگے امت کا تعلق فطری ہے اور ظاہر ہے کسی پیغمبر کے لیئے اس سے بڑھ کر اور کیا صدمہ ہو سکتا ہے کہ اسکی امت کی زائد تعداد جہنم کا ایندھن بنے اور نجات پانے والے کم ہوں تو یہ اعزاز اللہ رب العزت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا اور آپؐ کی امت کو یہ شرف بخشا کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ کو ثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ۔

امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لوگو! کیا تم اس پر راضی ہو کہ جنت میں تم چوتھائی ہو جاؤ لوگوں نے عرض کیا ضرور ہم اس پر راضی ہیں پھر آپؐ نے فرمایا تو کیا اس پر راضی ہو کہ تم تہائی اہل جنت ہو اس پر بھی عرض کیا بے شک یا رسول اللہ آپؐ نے گویا قصداً تعداد کی اس نسبت پر ہم سے رضامندی کی وضاحت لے لی تو پھر فرمایا اور ایسی بشارت دی کہ وہ توقع بلکہ تصور سے بھی بڑھ کر تھی فرمایا

والذی نفسی بیدی انی لا رجو ان تکونوا نصف اھل الجنۃ وما انتم الا کالشعرۃ البیضاء فی جلد الثور الاسود او کالشعرۃ السوداء فی جلد الثور الابیض (رواہ مسلم)	قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے میں تو امید کرتا ہوں کہ تم نصف جنتی ہو گے حالاں کہ تمہاری نسبت تمام امتوں کے مقابلہ میں بس ایسی ہی ہے جیسے چند سفید بال سیاہ بچھڑے کی کھال میں یا چند سیاہ بال سفید بچھڑے کی کھال میں۔

بلکہ جامع ترمذی کی ایک حدیث سے تو عددی تناسب اس سے بھی زائد معلوم ہوا حضرت بریدہؓ کی روایت " اھل الجنۃ مائۃ وعشرون صفا۔ ثمانون منھا من ھذہ الامۃ واربعون من سائر الامم "؛ کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہونگی جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہونگی اور چالیس صفیں باقی تمام امتوں کی ہوں گی پہلے اس سورت میں ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ فرمایا پھر دوبارہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ فرمایا بعض مفسرین نے بعض روایات و آثار کے پیش نظر یہ رائے قائم کی کہ اولین سے مراد پہلی قومیں ہیں اور آخرین سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے اور آپؐ کی بعثت سے لے کر قیامت تک آنے والی مخلوق ہے ابن جریرؒ نے اس تفسیر کو اختیار کیا حافظ ابن کثیرؒ نے اسکے لیے بطور قرینہ حضرت جابرؓ کی اس روایت کا ذکر کیا جس کا مضمون یہ ہے کہ جب پہلی آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ نازل ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا اور فرمانے لگے یا رسول اللہ کیا پہلی امتوں میں سابق زیادہ ہوں گے اور ہم میں کم تو اسکے کچھ عرصہ یا ایک سال بعد یہ دوسری آیت نازل ہوئی ثُلَّةٌ مِّنَ

الْاَوَّلِیْنَ وَ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ سن لو جو کچھ اللہ نے نازل فرما دیا ہے، ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ وَاِنَّ مِنْ اٰدَمَ اِلَیَّ ثُلَّۃٌ وامتی ثُلَّۃٌ کہ آدمؑ سے مجھ تک ایک ثلہ ہے اور میری امت دوسرا ثلہ (گروہ) ہے

لیکن علامہ آلوسیؒ، امام قرطبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اسکے بالمقابل یہ تفسیر کی ہے کہ یہ دونوں طبقے اسی امت کے مراد ہیں اولین امت اور آخرین امت اولین امت خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم کے پیش نظر صحابہ تابعین اور تبع تابعین ہیں اور آخرین انکے بعد ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث مرفوع جسکے باعث اولین سے مراد قبل از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امتیں ہیں محدثین کے اصول سے اسکی اسناد صحیح نہیں ابن کثیرؒ نے یہی فرمایا ہے فی اسنادہٖ نظر.

روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ نے اسکی تائید میں ابو بکرہؓ کی ایک روایت ذکر کی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واضح موجود ہے کہ آپ نے آیت ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ کی تفسیر میں فرمایا ھما من امتی کہ یہ دونوں گروہ میری امت میں سے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بعض سندوں سے یہی تفسیر منقول ہے۔

اور خود اس جگہ الفاظ قرآن اور آیات کا سیاق بھی اس معنی کو متعین کر رہا ہے کیونکہ ارشاد فرمایا وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَۃً اور یہ خطاب ظاہر ہے کہ صحابہ کو ہے جس سے یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ یہ تین گروہ امت ہی کے ذکر فرماتے جا رہے ہیں ایک گروہ اصحاب المیمنہ دوسرا اصحاب المشئمہ تیسرا السابقون السابقون یعنی مقربین بارگاہ تو پہلی آیت ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ سابقون کو ذکر کیا جا رہا ہے کہ مقربین و سابقین اولین امت میں تو ایک گروہ کثیر ہوگا اور یہ سابقین و مقربین آخرین امت میں قلیل ہوں گے لیکن دوسری دفعہ آیت ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ میں اولین و آخرین میں گروہ کثیر ہونا اصحاب الیمین کا بیان فرمایا جا رہا ہے اور اصحاب الیمین وہ مطلق جملہ اہل ایمان ہیں جو نجات کے مستحق ہوں گے اور جنت کی وہ نعمتیں انکو عطا ہوں گی جن کا ذکر کیا گیا تو ایسے اہل ایمانؑ تقوٰی جو خواص مقربین سے کم درجے کے ہوں گے انکے گروہ کثرت سے اولین امت میں ہوں گے اور انکے گروہ کثرت سے آخر امت میں بھی ہوں گے الغرض امت محمدیہ کے تین گروہ کی تفصیل فرما دی گئی جسکا ابتدائی ذکر وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَۃً میں ہوا تھا

(واللہ اعلم بالصواب)

وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیۡ

اور بائیں والے کیسے بائیں والے ؟ آنچ

سَمُوۡمٍ وَّحَمِیۡمٍ ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿۴۳﴾

کی بھاپ میں - جلتے پانی میں - اور چھاؤں میں دھوئیں کی

لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ

نہ ٹھنڈی اور نہ عزت کی وہ لوگ تھے اس سے پہلے

ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَکَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی

آسودہ اور ضد کرتے اس

الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴۶﴾ وَکَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَکُنَّا

بڑے گناہ پر اور تھے کہتے کہ کیا جب ہم مرگئے اور ہوگئے

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۸﴾

مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو پھر اٹھانا ہے کیا ہمارے باپ دادوں کو بھی اگلے

قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۙ اِلٰی

تو کہہ ، اگلے اور پچھلے سب اکٹھے ہونے ہیں ایک

مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّکُمۡ اَیُّہَا الضَّآلُّوۡنَ

دن مقرر کے وقت پر پھر تم جو ہو اے بہکو

الۡمُکَذِّبُوۡنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰکِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوۡنَ

جھٹلانے والو ! البتہ کھاؤ گے ایک درخت سینڈھ کے سے پھر بھرو گے

مِنۡہَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوۡنَ عَلَیۡہِ مِنَ الۡحَمِیۡمِ ﴿۵۴﴾

اس سے پیٹ پھر پیو گے اس پر ایک جلتا پانی -

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾

پھر پیو گے جیسے پیویں اونٹ تونسے یہ مہمانی ہے انکی انصاف کے دن

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾

ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے بھلا دیکھو جو پانی ٹپکاتے ہو

ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا

اب تم اسکو بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے ہم نے ٹھہرا دیا

بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ

تم میں مرنا اور ہم ہارے نہیں رہے اس سے کہ بدل لادیں

اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ

تمہاری طرح کے اور اٹھا کھڑا کریں تم کو جہاں تم نہیں جانتے اور جان چکے ہو

النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾

پہلا اٹھان پھر کیوں نہیں یاد کرتے بھلا دیکھو تو! جو بوتے ہو۔

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ

کیا تم اسکو کرتے ہو کھیتی ؟ یا ہم ہیں کھیتی کرنے والے اگر ہم چاہیں

لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

کر ڈالیں اسکو روندن پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے ہم قرضدار رہ گئے۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾

بلکہ ہم بے نصیب ہوتے بھلا دیکھو تو! پانی جو تم پیتے ہو

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ

کیا تم نے اتارا اسکو بادل سے ؟ یا ہم ہیں اتارنے والے ؟ اگر

نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ

ہم چاہیں اسکو کردیں کھارا پھر کیوں نہیں حق ملنتے بھلا دیکھو تو!

النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ

آگ جو سلگاتے ہو کیا تم نے اٹھایا اسکا درخت یا

نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا

ہم ہیں اُٹھانے والے ہم نے وہ بنائے یاد دلانے کو اور برتنے کو

لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

جنگل والوں کے سو بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا

ذلت وخواری محرومین از ایمان وہدایت وشدائد روزِ قیامت، ودلائل بعث بعد الموت

قال اللہ تعالیٰ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ .... الیٰ ... بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ

(ربط) اس سے قبل اصحاب الیمین کی عزت وکرامت کا بیان تھا اور یہ کہ انکو جنت میں کیسی عظیم الشان نعمتیں عطا کی جائیں گی تو اس کے بعد اصحاب الشمال اور ان بدنصیبوں کا ذکر ہے جو ایمان وہدایت سے محروم رہے ارشاد فرمایا۔

اور بائیں والے کیسے بدنصیب ہیں یہ بائیں والے ان پر قیامت کے روز شدائد اور مصائب کی کوئی حد نہ ہوگی یہ لوگ دہکتی ہوئی آگ اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں ہوں گے اور ایسے سایہ میں جو سیاہ دھوئیں کا ہوگا جو نہ ہی ٹھنڈا ہوگا اور وہ نہ ہی نفع بخش ہوگا اور بائیں جانب والوں کو ایسے شدید اور سخت عذاب میں اس وجہ سے مبتلا کیا جائے گا کہ یہ لوگ اس سے پہلے بڑے ہی عیش وعشرت میں پڑے ہوتے تھے اللہ کی نعمتوں سے بجائے اللہ کو پہچاننے کے اور زائد خدا سے بغاوت وسرکشی کا طریقہ اختیار کیا ہوا تھا اور بہت سخت نافرمانی پر اصرار کرتے تھے اور شرک جیسی عظیم معصیت کا ارتکاب کرتے تھے اور اسی کے ساتھ قیامت کا بھی انکار کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کیا جب کہ ہم مر جائیں گے

اور مر کر ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو کیا ہم پھر دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور کیا اگلے باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے۔ انکے استعجاب اور حیرت وانکار کا جواب دیتے ہوئے آپ کہہ دیجئے یقیناً تم سب اگلے اور پچھلے بلاشبہ جمع کیے جاؤ گے ایک مقرر کردہ وقت پر اور اس وقت تم خود مشاہدہ کرلوگے کہ تمہیں کس طرح دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا گیا اس وقت تمہارا یہ سب تعجب دور ہو جائے گا پھر لے گمراہو! خدا اور اسکے رسول کی باتیں جھٹلانے والو! تم کھانے والے ہوگے درخت زقوم جسکے سوا تمہارے واسطے کوئی غذا نہ ہوگی پس اسی سے تم اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہوؤ گے پھر اسکے بعد تم اس پر پینے والے ہوؤ گے کھولتا ہوا پانی جسکو تم اس طرح پیتے ہوگے جیسا کہ پیاسے اونٹوں کا پینا ہو جو استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہوں بدحواسی اور بے قراری کی کیفیت سے تم اس پر گر رہے ہوگے حالانکہ وہ پانی اس قدر کھولتا ہوگا کہ اس سے انتڑیاں بھی کٹ کٹ کر دُبر کے راستہ سے نکل آئیں گی اے مخاطبو! سُن لو یہ ہے ان مکذبین ضالین کی مہمانی قیامت کے دن جو انکے واسطے مہیا کی جاتے گی یہ ہے انجام ان منکرین کا جو خدا اور اس کے رسول کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں حشر ونشر اور قیامت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ کسی بھی صاحب عقل کے لیے اس امر کی گنجائش نہیں کہ وہ حشر اور بعث بعد الموت کا انکار کرے۔

ہم ہی نے تو تم کو پیدا کیا ہے اور ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا تو پھر تم کیوں نہیں یقین کرتے اور کیوں نہیں اللہ کی بات ملنتے اگر بالفرض تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تو پھر بتاؤ یہ جو منی تم عورتوں کے رحم میں ٹپکاتے ہو پھر اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو کیا تم اس کو بناتے ہو یا ہم اسکے بنانے والے ہیں ایک قطرۂ آب کو رحم مادر میں مختلف احوال میں متغیر کرنا کہ نطفہ سے علقہ (دم بستہ) علقہ سے مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) پھر اسکی ساخت اور ڈھال یہاں تک کہ ہڈیوں اور جوڑوں کو مرتب کرنا پھر اس میں حیات ڈالنا یہ سب کچھ ہماری ہی قدرت ہے جس کا ہر مرحلہ اور ہر صورت اپنی زبانِ حال سے اقرار کرتی ہے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ تو جس طرح ہم انسانی تخلیق کے ان جملہ مرحلوں کو اپنی قدرت سے پورا کرتے ہیں تو زندگی اور موت کے بھی ہم ہی مالک ہیں ہم نے ہی مقرر کر رکھا ہے تمہارے درمیان موت کو جس کے لیے زمان ومکان سب کچھ طے کیا ہوا ہوتا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ ہم تمہارے بدلہ اور کوئی قوم لے آئیں جو تم جیسی ہو اور تم کو پیدا کریں ایسی صورت میں جو تم نہیں جانتے ہو کہ وہ کیا صورت ہوگی یا کون سی جگہ ہوگی بلاشبہ ہم اس پر قادر ہیں کہ تم کو ہلاک کر کے اور دوسری قوم پیدا کردیں جیسے کہ یہ بات دن رات تمہاری نظروں کے سامنے ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگ مرتے ہیں اور دوسرے پیدا ہونے والے پیدا ہوتے ہیں تو یہ بھی ایک نمونہ بعث بعد الموت کا ہے اور بے شک تم جان چکے ہو پہلی مرتبہ پیدا ہونے کو تو جب ایک مرتبہ

کی پیدائش تم جانتے ہو اور اس پر تمہارا یقین و مشاہدہ ہے تو پھر تم کو دوبارہ زندہ اور پیدا ہونے میں کیا تردد و تامل ہے تو پھر کبھی کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے حالانکہ یہ دلائل و مشاہدات قبول حق اور خدا کی باتوں پر ایمان لانے کیلئے بہت کافی ہیں ان ہزار ہا تاریخی شواہد کو دنیا میں کوئی بھی رد نہیں کر سکتا کہ کتنی قومیں قرونِ اولیٰ میں ہلاک کردی گئیں اور پھر دوسری قوم جوان ہی جیسی نسلِ انسانی کی ایک قوم تھی پیدا کر دی گئی یہی وہ ارشاد ہے جو دوسری جگہ ارشاد فرمایا اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِیْرًا ۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اچھا پھر بتاؤ یہ جو تم کھیتی کرتے ہو اور زمین میں بیج ڈالتے ہو تو کیا تم اسکو اگاتے ہو یا ہم ہیں اسکے اگانے والے ظاہر ہے کہ زمین کی تہوں میں سے اس تخم کو پھاڑ کر نکالنا اور پھر ایک گھاس کے تنکے کا نشو و نما کرنا یہاں تک کہ وہ پھلے پھولے شاداب ہو اس پر غلہ کے دانے لگیں پھر پکیں پھر ان کو کاٹا جائے یہ سب کچھ اللہ رب العزت ہی کی شان خالقیت ہے جو ہر مرحلہ اور تغیر پر نظر آرہی اگر ہم چاہیں تو اس کھیتی کو سوکھا ہوا گھانس بنا دیں جو ریزہ ریزہ ہو خواہ اگتے ہی اسکو گھانس بنا دیں یا بڑھنے کے بعد اور قبل اس کے کہ اس پر دانے لگیں اور وہ پکیں پھر تم اس پر حیرت کے ساتھ نادم و شرمندہ ہونے لگو اور شدت غم میں کہتے ہو کہ بے شک ہم تو بڑے ہی خسارہ میں ڈال دیئے گئے بلکہ ہم تو محروم ہی ہو چکے ہیں اور بڑے ہی بدنصیب ہیں اچھا ذرا تم یہ بتاؤ یہ پانی جو کہ تم پیتے ہو کیا تم نے اس پانی کو اتارا ہے بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے یہ کس قدر عظیم انعام ہے اور ہماری قدرت کی کیسی واضح دلیل ہے اگر ہم چاہیں تو اسکو کھارا بنا دیں اور ایک گھونٹ بھی تم پینے پر قادر نہ ہو پھر آخر کیوں نہیں تم ہمارے شکر گزار ہوتے کہ کس قدر عظیم ذخیرے میٹھے پانی کے تمہارے قبضہ میں دے دیئے جس کا ایک ایک گھونٹ مستحق شکر ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانی پی کر یہ کلمات فرماتے الحمد للہ الذی سقانا عذبًا فراتًا برحمتہ ولم یجعلہ ملحًا اجاجًا بذنوبنا (کہ شکر ہے اور ہر تعریف اس پروردگار کی جس نے یہ شیریں پانی پلایا ہے اور اس کو ہمارے گناہوں کی وجہ سے شور اور تلخ نہیں بنایا) پھر ذرا یہ بھی دیکھو اور بتاؤ کہ یہ آگ کہ جس کو تم سلگاتے ہو کیا تم نے

ؔ حسن بصریؒ سے اور قتادہؒ سے لفظ فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ کی یہی تفسیر منقول ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غمگین ہونے کے معنی مراد لیتے ہیں قتادہؒ نے یہ بھی بیان کیا کہ تَفَكَّهُوْنَ کے معنی معذبون ہیں عکرمہؒ نے ملامت سے تفسیر کی ہے ابن جریرؒ اور سدیؒ کہتے ہیں کہ حسرت کے معنی مراد ہیں کہ اس خرچ اور محنت پر تم حسرت کرنے لگو جو تم نے اس کھیتی پر کیا الغرض لفظ تَفَكَّهُوْنَ کی یہ تفسیر ان ائمہ سے قدر مشترک ایک ہی جامع حقیقت کو بیان کر رہی ہے ۱۲ روح المعانی ۲۶ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ۔

اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہیں اسکو پیدا کرنے والے یقیناً یہ درخت کہ جس سے آگ سلگتی ہے صرف اللہ ہی کی قدرت سے پیدا ہوا۔

ہم نے بنا دیا ہے اس درخت کو جب کہ اسکی آگ کو دہکتے ہوتے دیکھا جاتے یاد دلانے کا سامان آخرت کی آگ کے لیئے اسکو دیکھ کر سمجھ لیا جاتے کہ آخرت کی آگ کس طرح دہکتی ہوگی اور اس آگ کی سوزش کیسی اذیت پہنچانے والی ہوگی اور برتنے کا سامان ہے جنگل والوں اور مسافروں کے لیئے کہ کس طرح جنگل میں رہنے والے اور جنگل میں سفر کرنے والے اس درخت کی آگ سے نفع اٹھاتے ہیں کھانا پکانا روشنی حاصل کرنا سردی کی شدت میں اس سے آرام حاصل کرنا لوہے تانبے جیسی چیزوں کو تپا کر سامان زندگی تیار کرنا غرض ایسی ہی ہزار ہا نعمتیں ہیں جو صرف آگ جیسی واحد نعمت سے متعلق ہیں جنکو دنیا میں ہر خاص و عام جانتا ہے جو ایک طرف اسکی کمال قدرت کی دلیل ہے تو دوسری طرف انعام عظیم بھی ہے جس پر بندہ کو ہر لمحہ اس کی پاکی اور عظمت کا اقرار و اعتراف کرتے رہنا چاہیئے۔

سو اے مخاطب تو پاکی بیان کر اپنے رب عظیم کے نام کی اور اس کی ہر نعمت کا شکر ادا کر جس نے مخلوق کی حیات اور راحت کے یہ جملہ اسباب پیدا کیئے اور اپنی قدرت عظیمہ سے پانی اور آگ جیسی متضاد چیزوں کو پیدا کیا۔

۱؎ بعض روایات سے یہ ثابت ہے کہ ان آیات کی تلاوت کے وقت تلاوت کرنے والا ہر جملہ استفہامیہ پر پہنچے تو یہ کہے بل انت یا رب نہیں نہیں اے پروردگار مگر تو ہی اسکا خالق ہے۔

۲؎ المقوین کے ترجمہ میں لفظ جنگل والوں کے ساتھ اور مسافروں کا لفظ اضافہ کر کے ان اقوال متعددہ کی طرف اشارہ ہے جو اسکی تفسیر میں منقول ہیں حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ مجاہدؒ قتادہؒ اور ضحاکؒ نے مقوین کے معنی مسافرین کے بیان کیئے ہیں اور ابن جریرؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے دوسرے بعض ائمہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ لفظ مقوین القی اور القواء سے مشتق ہے جسکے معنی جنگل و بیابان جو آبادی سے دور ہو یہ دونوں تفسیریں معروف ہیں اور اکثر حضرات مفسرین نے عبدالرحمن بن زید بن اسلمؒ سے مقوین کے معنی محتاج اور فقراء بیان کیئے ہیں۔

ابن ابی نجیحؒ نے معنی مستمعین یعنی کان لگانے اور توجہ سے سننے والے بھی کیا ہے یہ جملہ معانی بلا تکلف اس جگہ جمع بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ آگ جیسی نعمت کا ہر شخص محتاج ہے اور اسکا پیدا کرنا حق تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کیلئے انعام عظیم ہے خواہ وہ مقیم ہو یا مسافر، جنگل و بیابان میں ہو یا آبادی اور شہر میں، وہ محتاج ہو یا غیر محتاج غنی ہو یا تنگدست ہر ایک اس نعمت کا محتاج ہے اور اس سے منتفع ہوتا ہے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ تمام مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں آگ سبزہ اور پانی کیونکہ یہ تینوں چیزیں مدار حیات ہیں ۱۲

فَلَآ اُقۡسِمُ

سو میں قسم کھاتا ہوں

بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ ﴿۷۶﴾

تاروں کے ڈوبنے کی اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم

اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ ﴿۷۷﴾ فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا

بے شک یہ قرآن ہے عزت والا لکھا چھپی کتاب میں اسکو وہی چھوتے ہیں

الۡمُطَهَّرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا

جو پاک بنے ہیں اتارا ہے جہان کے صاحب سے اب کیا

الۡحَدِيۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَكُمۡ اَنَّكُمۡ

اس بات میں تم سستی کرتے ہو اور اپنا حصہ یہی لیتے ہو کہ تم

تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوۡلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الۡحُلۡقُوۡمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنۡتُمۡ حِيۡنَئِذٍ

جھٹلاتے ہو پھر کیوں نہ جس وقت جان پہنچے حلق کو اور تم اس وقت

تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡكُمۡ وَلٰكِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

دیکھتے ہو اور ہم اس کے پاس ہیں تم سے زیادہ پر تم نہیں دیکھتے

فَلَوۡلَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ ﴿۸۶﴾ تَرۡجِعُوۡنَهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ

پھر کیوں اگر تم نہیں کسی کے حکم میں کیوں نہیں پھیر لیتے اسکو اگر ہو تم

صٰدِقِيۡنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوۡحٌ

سچے سو جو اگر وہ ہوا پاس والوں میں تو راحت

وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ

ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا اور جو اگر وہ ہوا

اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۹۱﴾

داہنے والوں میں تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے

وَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ

اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے والوں بہکوں میں تو مہمانی ہے

مِّنۡ حَمِيۡمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

جلتا پانی اور بیٹھانا آگ میں بے شک یہ بات یہی ہے

حَقُّ الۡيَقِيۡنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۹۶﴾

لائق یقین کے سو بول پاکی اپنے رب کے نام سے جو سب سے بڑا

قال اللہ تعالیٰ فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ..... الیٰ ..... فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ

(ربط) اس سے قبل حق تعالےٰ شانہٗ نے اپنی قدرت و خالقیت کے عظیم دلائل و شواہد ذکر فرماتے اور ان انعامات عظیم کو ظاہر فرمایا جو اس نے دنیا کے انسانوں پر فائض فرمائے اور ان عظیم نعمتوں کو انکی زندگی کا مدار بنایا اب اسکے بعد قرآن کریم کی حقانیت بیان کرتے ہوتے یہ ذکر فرمایا کہ روز قیامت کیسا عظیم دن ہے اور قیامت کے احوال کیسے ہولناک ہوں گے اور یہ کہ قیامت کے روز کس طرح جزاء و سزا سے انسانوں کی قسمیں اور طبقات نظر آتے ہوں گے اور کون اپنی سعادت سے کامیابی حاصل کریں گے اور کون وہ بدنصیب ہوں گے جنکے حصہ میں محرومی اور عذاب خداوندی آئے گا ارشاد فرمایا۔

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور بے شک یہ بہت ہی بڑی قسم ہے اگر تم سمجھو کہ ستاروں کا نظام رفتار کیسا عجیب اور محکم ہے اور انکا طلوع و غروب بغیر کسی خلل اور فرق کے جاری ہے تو ایسی مخلوق کی عظمت اور اسکے محیر العقول نظام محکم کو کائنات کے سامنے رکھتے ہوئے قسم کھاتا ہوں کہ یقیناً یہ کتاب جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی قرآن کریم ہے جو بڑی ہی قدر و منزلت والی کتاب ہے جسکی عزت و کرامت کی کوئی انتہاء نہیں جو ایک چھپی ہوئی کتاب لوح محفوظ میں پہلے ہی سے محفوظ و موجود ہے کیونکہ یہ اللہ کا کلام قدیم ہے جو ہمیشہ ہی سے لوح محفوظ میں محفوظ و مستور

رہا اور ازل ہی سے یہ طے کر دیا گیا تھا کہ یہ قرآن کریم صرف نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا جائیگا اس کو صرف وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے[1] اتارا ہوا ہے یہ کلام پروردگار عالم کی طرف سے اور جو کلام رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہو بلاشبہ متکلم کی عظمتوں، اس کے کمالات اور حکمتوں کا مظہر اتم ہوگا جو حکمتیں اور عظمتیں اس کی مخلوقات سے ظاہر ہیں بلاشبہ وہی عظمتیں اس کے کلام میں بھی جلوہ گر ہونگی اور جیسے اس کی کائنات میں کسی بھی جگہ کوئی نقص اور عیب نہیں اسی طرح اس کے کلام میں بھی کسی عیب اور نقص کا گذر نہیں ہو سکتا ایسے کلام پر تو کسی بھی صاحب عقل کو ہرگز کوئی تامل نہ کرنا چاہیئے لیکن افسوس ایسا نہیں تو کیا اب بھی اس بات میں اور اس کے ماننے میں تم سستی کر رہے ہو اور تم نے اپنی روزی یہی بنالی ہے کہ تم اسکو جھٹلاتے ہو[2] کبھی کہتے ہو کہ جادو ہے کبھی کہتے ہو کہ کہانت ہے یا شاعر کا کلام ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو تو پھر کیوں نہیں تم ایسا کرتے کہ جس وقت جان حلقوم تک پہنچ جائے اور سکرات موت واقع ہونے لگیں اور اس وقت تم دیکھ رہے ہو کہ کس طرح روح کا نزع ہو رہا ہے اور ہم تو اس کے پاس زیادہ قریب ہیں بہ نسبت تمہارے لیکن تمہیں نظر نہیں آتا ہے کہ ہم کس قدر قریب ہیں تو اگر اے منکرو! تم خدا کی باتوں کو جھٹلاتے ہو اور تم کسی کے قابو میں نہیں ہو تو کیوں نہیں تم اس روح کو پھیر لیتے اگر تم سچے ہو کر موت و حیات کا مالک اللہ نہیں اگر تمہارا یہ گمان درست ہے تو پھر تمکو چاہیئے کہ یہ روح جو بدن سے پرواز کر رہی ہے اسکو واپس بدن کی طرف لوٹا دو اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت جان نکلنے کے بعد روح کو دوبارہ نہیں لوٹا سکتی تو

---

[1] حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مطہرون سے مراد فرشتے ہیں کہ اس لوح کو سوائے فرشتوں کے اور کوئی چھو بھی نہیں سکتا اس سے یہ ظاہر فرمانا مقصود ہے کہ لوح محفوظ تک جب کسی کی رسائی ممکن نہیں تو بلاشبہ یہ کلام الٰہی لوح محفوظ سے بحفاظت تامہ نازل ہوا اور اسمیں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں یا ضمیر قرآن کریم کی طرف راجع ہے اور مراد یہی ہے کہ لوح محفوظ سے قرآن کو لانے میں فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا اور چھونا ہاتھ سے بھی ہوتا ہے تو بغیر وضو اور طہارت کے قرآن کریم کے چھونے کی حرمت ثابت ہوگئی اور چھونا بمعنی تعلق اور مناسبت کا حاصل کرنا بھی ہے تو یہ معنی مفہوم ہونگے کہ قرآن کریم کے علوم اور حقائق سے صرف انہی لوگوں کو تعلق اور مناسبت ہو سکتی ہے جو اپنے اپنے اخلاق سے پاک باز ہیں اور جن کے قلب نفاق و سوء خلق کی گندگی سے آلودہ ہیں انکو علوم قرآنیہ سے کوئی تعلق و مناسبت نہیں ہو سکتی ــــ امام مالکؒ نے موطا میں باسناد عبداللہ بن ابی بکر بن محمد عمرو بن حزم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمان لکھوا کر ان کے نام بھیجا تھا اس میں یہ تھا ان لا یمس القرآن الا طاهر اس وجہ سے فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بغیر وضو قرآن کریم چھونا ممنوع ہے اور اس کا مرتکب گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور اسی حکمت کے پیش نظر وہ بات ہے جو حدیث عبداللہ بن عمرؓ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ قرآن کریم دشمن کی سرزمین میں لے کر سفر کیا جائے اسی اندیشہ کے باعث کہ وہ مصحف قرآن کی توہین و بے حرمتی نہ کریں اور بغیر پاکی ممکن ہے قرآن کریم کو ہاتھ لگائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو قرآن کریم پڑھتے ہوئے پایا تو بہن نے وہ اوراق چھپا لیے اور عمر فاروقؓ نے جب کہا کہ دکھاؤ مجھے تم کیا پڑھ رہے ہو تو کہا تم مشرک ہو اور نجس آدمی قرآن کو نہیں چھو سکتا انکو پہلے غسل کے لیے کہا پھر ان کے ہاتھ میں وہ اوراق دیئے ۱۲

[2] وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ کی تفسیر میں ابن جریرؒ نے ہیثم بن عدیؓ کی سند سے یہ بیان کیا ہے کہ بعض

جس طرح یہ روح اور جان خدا کے قبضہ میں ہے اسی طرح ہر انسان کی جزا و سزا بھی اسی کے قبضہ میں ہے اور اسکو کوئی لوٹانے پر قادر نہیں چنانچہ یہ ہو کر رہیگا اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ضرور ملیگا پس اگر وہ مقرب لوگوں میں سے ہے تو اس کے واسطے راحت ہے اور روزی ہے یا ہوا کے جھونکے اور خوشبوئیں اور نعمتوں کے باغات اور اگر وہ داہنے والوں میں سے ہے تو پھر سلامتی ہے تیرے واسطے داہنے والوں سے اور اگر وہ ہے جھٹلانے والوں گمراہوں سے تو پھر مہمانی ہے کھولتے ہوئے پانی کی اور جہنم کی دہکتی آگ میں جھونکے جانے کی کہ کھولتے ہوئے پانی سے مہمانی کا آغاز ہوگا اور ٹھکانا جہنم ہوگا جس میں اسکو جھونک دیا جائے گا۔

بے شک یہ بات پختہ یقین کی ہے جو اللہ رب العزت کی قدرت و عظمت اور اسکی شانِ ربوبیت سے بلاشبہ واضح اور ثابت ہے تو اس پر اے مخاطب یقین کر اور اسکی عظمت و کبریائی پر ایمان لاتے ہوئے پس اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کرتا رہ مکذبین کی تکذیب اور انکے جھٹلانے کی نہ کوئی پرواہ کرنی چاہیے اور نہ اس سے دل پر رنج و غم کا اثر لینا چاہیے بلکہ تسبیح و تحمید میں مصروف رہنا ہی مومن کا کام ہے منکرین کی دل آزار بے ہودگیاں انھی پر وبالِ جان بن کر ظاہر ہوں گی عہ تسبیح و تحمید کی برکت سے قلب اوہام اور وساوس سے بھی پاک رہتا ہے اور انابت الی اللہ کی نعمت سے سرفراز ہوتا ہے۔

قبائل عرب مثلاً ازدشنوءۃ میں لفظ رزق بمعنی شکر بولا جاتا تھا کہا جاتا تھا ما رزق فلاں یعنی وہ شخص شکر سے محروم رہا امام احمد بن حنبلؒ نے مرفوعًا یہ معنی ذکر کیے ہیں شکرکم انکم تکذبون کہ تم نے اپنا شکر بس یہی بنایا ہے کہ تکذیب کرتے ہو یہ کہہ کر کہ فلاں فلاں ستارہ کے طلوع و غروب کی وجہ سے بارش برسی زید بن خالد الجہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مقام حدیبیہ میں ہم کو صبح کی نماز پڑھائی جب کہ رات میں بارش برسی تھی آپ نے سلام پھیر کر لوگوں کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا اے لوگو! جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا ہے لوگوں نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم آپ نے فرمایا کہ میرے خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ میرے بندوں نے صبح کی ہے اس طرح کہ کچھ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور کچھ میرا کفر کرنے والے ہیں جس نے یہ کہا کہ ہمیں بارش برسی ہے اللہ کے فضل اور اسکی رحمت سے تو وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش برسی تو وہ میرا کفر کر رہا ہے اور کوکب (ستارہ) پر ایمان لا رہا ہے۔

حاشیہ صفحہ ہٰذا (صحیح بخاری و مسلم)

عہ حضرات عارفین فرماتے ہیں تقویت قلب اور اطمینان باطن کے لیے سبحان اللہ والحمد للہ جیسے کلمات اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں تسبیح و حمد سے قلب کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے کہ انسان بڑے سے بڑے صدموں اور تکالیف کو برداشت کر لیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم امام بخاریؒ نے اسی حدیث پر اپنی کتاب کو ختم فرمایا۔

موت کے وقت انسانوں کے طبقات

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ . میں سکرات موت اور نزع روح کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا کہ اسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے طبقات متعین کر دیئے جاتے ہیں اور جس طبقہ کا وہ مرنے والا انسان ہوتا ہے اسکے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ملائکہ رحمت اہلِ ایمان کی رُوح قبض کرنے آتے ہیں تو ملائکہ کہتے ہیں ایتھا الروح الطیبۃ فی الجسد الطیب کنت تعمرینہ اخرجی الی روح وریحان ورب غیر غضبان یعنی اے پاکیزہ روح جو پاکیزہ بدن کی تعمیر اور نشوونما کر رہی تھی نکل راحتوں اور نعمتوں کی طرف اور ایسے رب کی طرف جو راضی اور خوش ہے اسکے بالمقابل منکر و فاجر کو کہا جاتا ہے اے روح نکل خدا کے غضب اور عذاب کی طرف اور جہنم کی اذیتوں اور مصیبتوں کی طرف اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میت کے دفن کے وقت بار بار یہ آیت تلاوت فرماتے یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ اور لوگوں سے فرمایا کرتے اے لوگو! دعا کرو اللہ تعالیٰ اسکو ثابت قدم رکھے قول ثابت اور کلمہ ایمان کے ساتھ تو اس آیت میں تین طبقات کا بیان اس طرح فرمایا گیا فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ کہ یا تو وہ شخص مقربین میں سے ہوگا مقربین کاملین کا گروہ ہوا جن کے انعامات اور ان پر رحمتوں کی کوئی حد و انتہا نہ ہوگی دوسرا گروہ اصحاب الیمین یعنی عام اہلِ ایمان کا ہوگا ان پر بھی انعامات ہوں گے لیکن انکا درجہ مقربین سے بہر حال کم ہوگا۔ تیسرا طبقہ مکذبین و منکرین کا ہوگا جنکے اوپر مرتے ہی عذاب کی سختیاں شروع ہوجائیں گی اہلِ ایمان کے لیے بشارت کا پیغام اس آیت مبارکہ میں حق تعالیٰ نے نازل فرما دیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا

وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ

کہ جن لوگوں نے (اپنے اعتقاد اور عمل سے) یہ کہہ لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اسی پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہے تو ان پر فرشتے یہ پیغام بشارت لے کر اترتے ہیں کہ اے ایمان والو! نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور بشارت سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست اور ولی ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمہارے واسطے ہر وہ چیز ہے جو تم چاہو اور تمہارے واسطے ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو جو ضیافت و مہمانی ہے رب غفور رحیم کی طرف سے۔

تو مقربین انعامات سے نوازے جائیں گے اصحاب الیمین نجات پائیں گے اور راحت و سکون سے جنت میں داخل ہوں گے لیکن منکرین و مکذبین خدا کی لعنت غضب اور عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے اعاذنا اللہ منھا وادخلنا الجنۃ بکرمہ وفضلہ من الابرار آمین یا رب العالمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الواقعۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْحَدِيْد

یہ سورت بھی اُن مدنی سورتوں میں ہے جو شریعت کے بنیادی احکام اور عقائد توحید کی تحقیق و تفصیل پر مشتمل ہیں مکارم اخلاق اور محاسن اعمال پر بھی کلام فرمایا گیا اور یہ کہ انسان کو دین و دنیا کی سعادت کے لیے ضرورت ہے کہ اپنے باطن کو اخلاق رذیلہ کی گندگیوں سے پاک رکھتے ہوئے احسان اور انفاق فی سبیل اللہ کی روش اختیار کرے۔

اس سورۃ مبارکہ میں بالخصوص تین اہم موضوع ذکر فرمائے گئے ہیں۔

اولاً یہ کہ جملہ کائنات و موجودات اللہ کی مخلوق ہے اور خدا ہی اس کا مالک اور خالق ہے اور صرف اسی کا تصرف اور حکم جاری ہے اسکی خالقیت اور حاکمیت میں کوئی شریک نہیں۔

ثانیاً یہ کہ دین خداوندی کی سربلندی کے لیے انسان کو کسی قسم کی جانی اور مالی قربانیوں سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔

ثالثاً۔ دنیا اور دنیا کے ساز و سامان اس کے عیش اور لذتوں کی حقیقت واضح فرمائی گئی کہ یہ

زیب و زینت اور مال و متاع محض ایک دھوکہ اور فریب ہے ان چیزوں سے انسان کو چاہیئے کہ دھوکہ میں نہ پڑے بلکہ یہ سمجھے کہ دنیا کی زندگی صرف چند روزہ اور یہاں کا قیام آخرت کی تیاری کے واسطے ہے۔

ان مضامین کی ابتداء حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت و کبریائی اور اسکی پاکیزہ صفات کے بیان سے فرمائی گئی اور یہ کہ کائنات کی ہر چیز اسکی تسبیح و پاکی بیان کرنے میں مصروف ہے اور کائنات کا ایک ایک ذرہ اسکی قدرت و عظمت اور وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے پھر یہ کہ وہ ایسا اول ہے کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں اور ایسا آخر ہے کہ اسکی کوئی نہایت نہیں وہ ظاہر ہے کہ اسکی قدرت کا جلوہ ہر موجود و مخلوق میں ظاہر ہے اور باطن ہے ایسا کہ نگاہوں اور افکار و عقول کی پرواز سے بالا ہے اسکے بعد اہل ایمان کو انفاق و ایثار کی دعوت دی گئی ساتھ ہی اہل ایمان کا وہ اکرام و اعزاز بھی بیان کیا گیا جو میدان حشر میں انکو نصیب ہوگا کہ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ الخ۔

اختتام سورت پر اللہ رب العزت نے اپنے رسولوں کی بعثت کی غرض بیان فرمائی اور انکی تعلیمات کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی اُمت کو ایمان و تقویٰ کی دعوت دیتے تھے

اٰیاتُہا ۲۹ — ۵۷ = سُوْرَۃُ الْحَدِیْدِ مَدَنِیَّۃٌ = ۹۴ — رکوعاتُہا ۴

سورۃ حدید مدنی ہے اور اسکی انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست

الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ

حکمت والا اسی کو راج ہے آسمانوں کا اور زمین کا جِلاتا ہے اور مارتا ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ

اور وہ سب چیز کر سکتا ہے وہ ہے پہلا اور پچھلا اور

الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ③ هُوَ

باہر اور اندر اور وہ سب چیز جانتا ہے وہی

الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَ

بیٹھا تخت پر جانتا ہے جو بیٹھتا ہے زمین میں اور

مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ

جو اس سے نکلتا ہے اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو اس میں

فِيهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا

چڑھتا ہے اور تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ ! جو

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ④ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ

کرتے ہو دیکھتا ہے اسی کو ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا

وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ⑤ يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

اور اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام داخل کرتا ہے رات کو دن میں

وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ

اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اسکو

عَلِيمٌ بِذَاتِ

خبر ہے جیوں کی

الصُّدُورِ ⑥

بات کی

اللہ تعالیٰ کی چند اہم صفات کا ذکر

قال اللہ تعالیٰ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ .. اِلیٰ .. وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے زبان حال سے یا قال سے یا دونوں سے وہی بڑی عزت حکمت والا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اسکی عزت و کبریائی اور اسکی شانِ حکیمی کی گواہی دے رہی ہے اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی وہی ان سب کا نظام چلا رہا ہے اور اسکی حاکمیت میں کوئی شریک نہیں اسی کی یہ شان ہے کہ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر بڑا ہی قادر ہے آسمانوں اور زمین پر صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور کوئی طاقت اس کے حکم کو روک نہیں سکتی وہی اول ہے اور وہی آخر ہے ایسا اول کہ اسکی کوئی ابتداء نہیں اور ایسا آخر کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہی ہر شے کا خوب جاننے والا ہے۔

ہر شئ کا وجود اس کا ظہور اسکا بقاء اور اسکے زمانہ بقاء کے تغیرات اور جملہ احوال اسی کے علم میں ہیں وہ ازلی ہے کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں وہ ذات ابدی ہے کہ ہر چیز فنا ہو جائے گی لیکن وہ باقی رہے گا۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ عرش سے لے کر فرش تک ہر موجود اسکے وجود کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر کیا کوئی چیز روشن ہوگی کہ چاند سورج ستارے اسکی خالقیت و قدرت کی گواہی دے رہے ہیں حتیٰ کہ انسان کا سانس جو اسکی زندگی کو قائم رکھے ہوئے ہے اس کی ہر آمد و رفت قدرتِ خداوندی کی گواہی دے رہی ہے اس طرح روشن اور ظاہر و باہر ہونے کے ساتھ ایسا لطیف اور خفی ہے کہ نہ نگاہیں ادراک کر سکتی ہیں اور نہ ہی اسکی ذات و صفات کا احاطہ انسانی عقول کر سکتی ہیں ایسا علیم کہ اسکی نظر اور علم سے ایک ذرہ بھی اوجھل نہیں ہے وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر قائم اور متمکن ہوا عرش پر جہاں سے کائنات پر اسکی حکمرانی جاری ہے وہ جانتا ہے ہر چیز کو جو زمین کے اندر جاتی ہے جیسے وہ دانے اور تخم جو زمین میں بوئے جاتے ہیں یا وہ خزائن و معادن جو زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے ہیں اور ہر چیز کو جو زمین سے باہر نکلتی ہے جیسے کہ سبزے اور نباتات* اور جانتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے بارش کا پانی اسکی مقدار اس کا زمانہ اور اسکی جگہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے علم میں ہے اسطرح وہ فرشتے جو آسمانوں سے احکام اور تکوینی امور لے کر اترتے ہیں اور آسمانی فیصلے بھی اور قضاء و قدر کے امور سب کچھ اللہ ہی کے علم میں ہے اور اسی کے علم اور حکم کے مطابق ان سب چیزوں کا آسمان سے نزول ہوتا ہے اور جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں میں چڑھتی ہے انسانوں کے اعمال اور احوال سے اور وہ فرشتے جو بندوں کے اعمال لے کر آسمانوں پر چڑھتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں پیش

* ان مضامین کی تفصیلات پہلے گزر چکیں۔

کرتے ہیں غرض ہر نازل ہونے والی چیز اور اوپر چڑھنے والی چیز خدا کے علم میں ہے اسی کے حکم کے مطابق اور اسی کے فیصلے سے ہے وہ پروردگار تمہارے ہی ساتھ ہے جہاں بھی کہیں تم ہو اور اللہ خوب دیکھتا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو وہ کسی وقت اور کسی حال میں تم سے غائب نہیں اور اس سے کوئی عمل چھپا نہیں رہ سکتا خواہ کوئی عمل ظاہر ہو یا چھپ کر کیا جائے جب کہ وہ پروردگار دلوں کے حال احوال پر مطلع ہے تو ظاہری اور حسی اعمال واحوال اس سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی کوئی بھی اسکی حدود سلطنت سے نہیں نکل سکتا جہاں بھی جائے گا اسی کی حکومت اور سلطنت میں گھرا ہوگا۔ اور اسی کی طرف تمام امور اور کام لوٹتے ہیں وہی ہر کام کا فیصلہ کرتا ہے اور وہی ہر عمل کی جزاء و سزا دیتا ہے کیونکہ ہر عمل اسکی بارگاہ میں اسی لیے پہنچایا جاتا ہے کہ وہ اسکی جزاء یا سزا دے وہی ہے جو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں دن و رات کا گھٹانا بڑھانا اور دن کی روشنی کو مٹا کر رات کی تاریکی پھیلا دینا اور رات کی تاریکی کو دن کے نور سے زائل کر دینا یہ سب کچھ اسی کی قدرت ہے ورنہ دنیا کی طاقت اگر تمام مادی وسائل بھی صرف کر دے تو ایک لمحہ کا بھی تغیر و تبدل نہیں کر سکتی اور وہی خوب جاننے والا ہے دلوں کی چیزوں کو کہ کس کے دل میں کیا خیالات ہیں کیسے عقائد ہیں کس قسم کے ارادے اور عزائم ہیں وہ کیا سوچتا ہے اور کس چیز کی آرزو کر رہا ہے اسکی نیت کس عمل میں کیسی ہے غرض یہ سب کچھ اللہ ہی کو معلوم ہے اور اس میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔

اسماء حسنیٰ کی توضیح و تشریح آیت وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی میں گزر چکی حضرات قارئین وہاں مراجعت فرمالیں۔

عرباض بن ساریہؓ سے منقول ہے کہ یہ آیت مبارکہ ہزار آیتوں سے بڑھ کر افضل ہے عبداللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وساوس قلبیہ کے محسوس ہونے پر اگر کوئی شخص آیت وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ پڑھ لے تو اسکے دل سے ہر قسم کے وساوس وخطرات زائل ہو جائیں گے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو یہ کلمات دعائیہ پڑھتے اَللّٰھم رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شیءٍ مُنَزِّلَ التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ والفرقان فالق الحب والنوى لا إله إلا انت اعوذ بك من شر كل شيءٍ انت آخذ بناصيته انت الاول فليس قبلك شيءٌ وانت الآخِرُ فليس بعدك شيءٌ وانت الظاهر فليس فوقك شيءٌ وانت الباطن ليس دونك شيءٌ۔ اقض عنا الدين واغننا من الفقر۔

(صحیح مسلم)

ان کلمات داعیہ میں مناجات ودعا کے ساتھ حق تعالیٰ کی معرفت اسکی شانِ ربوبیت اور عظمت و قدرت کے اوصاف بھی واضح ہیں اور ان کلمات کا تلفظ ایمان ویقین اور معرفت خداوندی کی قوت و برکت کا باعث ہے۔

یا اللہ ان کلماتِ مبارکہ کی معرفت وحقیقت، ہماری زندگیوں میں رچا دے اسی پر زندہ رکھ اسی پر اے اللہ ہمیں موت دے توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا ندامیٰ ولا مفتونین

آمین یارب العٰلمین

⁂ ⁂ ⁂

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا

یقین لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اور خرچ کرو جو کچھ

جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ

تمہارے ہاتھ میں دیا اپنا نائب کرکر سو جو لوگ تم میں یقین لائے ہیں

وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ

اور خرچ کرتے ہیں انکو نیگ بڑا ہے اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاؤ گے

بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ

اللہ پر، اور رسول بلاتا ہے تمکو کہ یقین لاؤ اپنے رب پر اور لے

اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ

چکا ہے تم سے تمہارا اقرار اگر ہو تم مانتے وہی ہے جو

يُنَزِّلُ عَلٰي عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ

اُتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں صاف کہ نکال لاوے تم کو

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

اندھیروں سے اُجالے میں اور اللہ تم پر نرمی رکھتا ہے مہربان

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ نہ کرو گے اللہ کی راہ میں اور اللہ کو بچ رہتا ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ

ہر کچھ آسمانوں میں اور زمین میں برابر نہیں تم میں، جس نے خرچ کیا

مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً

فتح سے پہلے اور لڑا ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے

مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ

جو خرچ کریں اس سے پیچھے اور لڑیں اور سب کو وعدہ

اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ۧ مَنْ ذَا

دیا ہے اللہ نے خوبی کا اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو کون ہے

الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ

ایسا جو قرض دے اللہ کو اچھی طرح قرض پھر وہ اسکو دونا کر دے اسکے واسطے

لَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝

اور اسکو ملے نیگ عزت کا

دعوت ایمان بر رب کون و مکان و حکم اطاعت رسول کریم و ترغیب بذل مال عزیز برائے رضائے خداوند ذوالجلال

قال اللہ تعالیٰ۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ..... اِلٰی ...... وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ

(ربط) ابتداء سورت سے خداوند عالم نے اپنی صفات قدرت و عظمت کا بیان فرمایا ان صفات اور خوبیوں کو سن کر ہر مخاطب کو چاہیئے کہ ایسی ذات سراپا عظمت و کبریائی پر ایمان لانے کے واسطے

تیار ہو جائے اور اسکی اطاعت و فرمانبرداری جو اسکے رسول ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے تیار ہو جائے اور کائنات کے خالق و مالک کی خوشنودی کیلئے اپنی جان و مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ کرے اور جو مال صرف اللہ ہی نے اسکو عطا کیا ہے اس مال کو اسکی فرماں برداری اور حقوق کے ادا کرنے میں صرف کرنے سے قطعًا بخل نہ کرے ارشاد فرمایا۔

ایمان لاؤ اے لوگو! اللہ پر اور اسکے رسول پر یقین و معرفت کے راستوں پر چلنے کے لیئے تیار ہو جاؤ خدا اور اس کا رسول تم کو کسی ایسی بات کی طرف دعوت نہیں دے رہا ہے جو اجنبی اور رپہچانی ہوئی نہ ہو خدا کی معرفت اسکی ربوبیت کا اعتقاد تو تمہاری فطرت میں رچا ہوا ہے اسی کی ربوبیت و بندگی کی طرف اس کا رسول دعوت دے رہا ہے پھر آخر کس وجہ سے سستی بے رخی اور اعراض ہے مال و دولت اور دنیا کی خواہشات اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانے میں حائل نہ ہونی چاہیئے بلکہ ہر طرح جان و مال سے اسکی اطاعت کے لیئے تیار ہو جاؤ اور خرچ کرو اسکی رضاء و خوشنودی کے لیے اس مال میں سے جو اس پروردگار نے تمہارے ہاتھوں میں دے دیا ہے تم کو اپنا نائب بنا کر اللہ کے مال کو خرچ کرنے میں مالک وہی اللہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور اسی نے تم کو وہ مال عطا کیا اور تم صرف اسکے نائب اور اس کا مال خرچ کرنے میں امین اور خزانچی ہو سو جو لوگ تم میں سے ایمان لاتے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا انکے واسطے بہت ہی بڑا ثواب ہے لہٰذا جو لوگ اس سعادت سے ابھی تک محروم ہیں انکو چاہیئے کہ وہ بھی اس کی طرف رغبت کریں اور اسکے حاصل کرنے کے لیئے دوڑیں اگر اے لوگو! ان تمام حقائق کے علم کے بعد بھی اس کی طرف رغبت اور سبقت نہیں کرتے تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے۔

اور کیا ہو گیا تم کو کہ تم ایمان نہیں لاتے ہو اللہ پر حالاں کہ اس کا رسول تم کو دعوت دے رہا ہے اور بلا رہا ہے اس بات کے لیئے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور حال یہ ہے کہ تمہارے رب نے تم سے اس بات کا عہد لے لیا ہے عہد الست میں جب کہ تم کو تمہارے باپ آدمؑ کی پشت سے نکال کر تم سے خطاب فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۔ اور تم سب نے اقرار کر لیا تھا اور اسی وقت خدا نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ میرے رسول تمہارے پاس اس عہد و میثاق کو یاد دلانے کے لیے آئیں گے تم انکی بات ماننا اور ان پر ایمان لانا تو اس عہد کو پورا کرو اگر تم یقین رکھتے ہو اور ظاہر ہے کہ اسکے رد کرنے کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں یہی وجہ ہے کہ اس اقرار کا کچھ نہ کچھ اثر بنی آدم پر آج تک ظاہر ہے خواہ وہ زبان سے خدا کی الوہیت کا اقرار کرے یا نہ کرے لیکن اسکی فطرت کے تقاضے اور مظاہر اس امر کی گواہی دے رہے ہیں کہ حق تعالےٰ کی معرفت اسکی الوہیت اور توحید اسکی فطرت میں موجود ہے۔

وہی ہے پروردگار جو اتارتا ہے اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھلی کھلی نشانیاں

اور واضح احکام تاکہ تم کو گمراہیوں کے اندھیروں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے آتے اور بے شک اللہ
رب العزت تم پر بہت ہی نرمی کرنے والا مہربان ہے کہ تمکو تمہارے انکار و کفر اور نافرمانی پر سزا دیکر
ہلاک نہیں کرتا بلکہ تم کو مہلت دے رہا ہے اور اپنی مہربانی سے تمہارے واسطے آیات بینات نازل
کیں جن کے ذریعے تم گمراہیوں سے ـــــــ نجات پاکر فلاح و سعادت کی زندگی اختیار کر لو ایسے
مہربان و رحیم پروردگار کے حکم پر تو تمکو ہر طرح کے ایثار پر تیار ہو جانا چاہیئے اور مال و دولت کی محبت
میں خدا اور اسکے رسول کی نافرمانی کر رہے ہو تمہیں چاہیئے کہ دنیا اور دنیا کے مال و منال کی حقیقت کو
سمجھو اور کیا ہو گیا کہ تم نہیں خرچ کرتے ہو اللہ کی راہ میں حالانکہ اللہ ہی کے واسطے ہے میراث آسمانوں
اور زمین کی سب کچھ فنا ہو جائے گا اور بس اللہ ہی کی ذات باقی رہے گی . كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ
وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ اس لیے عقل کا تقاضا تو یہی ہے کہ اپنی حیات اور زندگی
میں ہی اللہ کی راہ میں خرچ کردو تاکہ تمہارے مرنے کے بعد وہ تمہارے واسطے ذخیرہ ہو سکے اسکے برعکس اگر تم
نے کچھ خرچ نہ کیا تو ظاہر ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر مرنا ہے اور ایسی صورت میں آخرت میں بھی کوئی ذخیرہ
تمہارے کام آنے والا نہ ہوگا اور اللہ کی راہ میں خرچ کی قدر و منزلت ضرورت اور حالت کے لحاظ سے ہے
جب اللہ کے دین میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے اور اسلام و مسلمین کمزور و محتاج ہیں تو یقیناً اس وقت
اس کا درجہ اللہ کے یہاں بہت بڑا ہوگا اسکے برعکس یہ وقت اگر نکل گیا اور اسلام مستغنی ہو گیا اس
طرح کی ظاہری امداد و اعانت سے تو پھر یقیناً یہ درجہ نصیب نہ ہوگا اسلیے معلوم ہو جانا چاہیئے کہ برابر نہیں
تم میں سے وہ شخص جس نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور فتح مکہ سے قبل جہاد کیا بے شک یہ لوگ بڑے
درجہ والے ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو بعد فتح مکہ کے خرچ کریں اور قتال کریں دونوں گروہوں میں
ایثار و قربانی اور اسلام کی اعانت و مدد کے لحاظ سے بڑا فرق ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک ہی
سے نیک بدلہ کا وعدہ کیا ہے* کہ ہر شخص کو نیکی کا بدلہ جزاء حسن و نیکی کی صورت میں ملے گا اور اللہ ان
تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو ہر ایک کو اسکے اخلاص اور جذبہ اور عمل کی قدر و قیمت کے

* بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مفسرین فتح سے مراد صلح حدیبیہ لیتے تھے لیکن جمہور مفسرین
کے نزدیک فتح مکہ ہی مراد ہے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح فرماتے ہیں کہ:
یوں تو اللہ کے راستہ میں کسی وقت بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جاتے وہ اچھا ہی
ہے خدا اس کا بہترین بدلہ دنیا اور آخرت میں دے گا لیکن جن مقدر والوں نے فتح مکہ یا صلح
حدیبیہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہ بڑے درجے لے اڑے بعد والے مسلمان انکو نہیں
پہنچ سکتے کیونکہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنے والے اقل قلیل تھے
اور دنیا کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی اس وقت اسلام کو جانی اور مالی

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

مناسب جزاء عطا فرماتے گا ایسی صورت میں تو ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کی راہ میں ایثار و قربانی سے دریغ اور تاخیر نہ کرنی چاہئیے لہٰذا یہ اعلان کیا جارہا ہے کون ہے ایسا جو قرض دے اللہ کو بہترین قرض دینا جس کو اللہ تعالیٰ بڑھاتے گا خوب بڑھانا اسکے واسطے دنیا میں بھی اسکی برکت کی حد و انتہاء نہ ہوگی اور آخرت میں اسکے واسطے اجر و ثواب ہوگا عزت و کرامت والا وہ جنت کی بیشمار نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے جن کا نہ کسی انسان نے تصور کیا ہوگا نہ کسی آنکھ نے ایسی نعمتیں دیکھی ہوں گی اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا۔

صدق اللہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

حافظ ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتمؒ کی اسناد سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ فرمارہا ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ صحابہ کی جماعت میں حاضر ایک صحابی ابوالدحداحؓ کہنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا تعالیٰ ہم سے قرض کا ارادہ فرمارہا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! یہ سن کر کہتے ہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنا دستِ مبارک بڑھائیے آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا ابوالدحداحؓ نے اپنا ہاتھ آپ کے دستِ مبارک پر رکھتے ہوئے گویا بصورتِ بیعت کہا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بس میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا انکا بہت بڑا باغ تھا جس میں چھ سو درخت

قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی اور مجاہدین کو بظاہر اسباب اموال و غنائم کی توقعات بہت کم ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان و مال لٹانا بڑے اولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام ہے۔ فرضی اللہ عنہم ورضوا عنہ رزقنا اللہ تعالیٰ اتباعہم وحبہم آمین یا رب العالمین ۱۲ فوائد عثمانی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے ایک عباء پہنا ہوا تھا جو سینہ پر کئی جگہ سے پھٹا ہوا اور پیوند لگا ہوا تھا انہوں نے اپنا جو کچھ مال تھا وہ قبل الفتح (اور قبل از ہجرت) اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا تو جبرئیل امینؑ اترے اور انہوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں ابوبکرؓ کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں آپؐ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا سارا مال فتح مکہ سے قبل مجھ پر خرچ کر ڈالا ہے جبرئیل امینؑ کہنے لگے کہ اللہ رب العزت کا ان کو پیغام سلام ہے اور یہ کہ ان سے پوچھو کہ کیا تم مجھ سے راضی ہو اس فقر کی حالت میں یا ناراض ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ پیغام سنایا ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں اپنے رب سے ناراض ہوں (آپ گواہ ہوں) میں اپنے رب سے راضی ہوں ۱۲۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴)

کھجور کے تھے باغ ہی میں رہائش جگہ بھی بنی ہوئی تھی جس میں انکی بیوی ام الدحداحؓ اور انکے بچے تھے فوراً باغ پر پہنچے اور باغ کے باہر ہی سے بیوی کو پکارا یا ام الدحداحؓ۔ اس نے جواب دیا لبیک کہا باغ سے باہر نکل آئیں نے یہ باغ اپنے پروردگار کو قرض دے دیا ہے (اور اپنے رب کو دیتے ہوئے اسکے رسولؐ کے حوالہ کر دیا ہے) ایک روایت میں ہے کہ ام الدحداحؓ فوراً ہی انتہائی انبساط و مسرت سے بول اٹھی سبحان اللہ اے ابوالدحداحؓ تمہارا یہ معاملہ نہایت ہی نفع بخش ہے یہ کہہ کر اسی وقت اپنے بچوں اور سامان سمیت باغ سے باہر نکل آئیں اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ کس قدر خوشے ہیں ابوالدحداحؓ کے واسطے جو میں جنت میں لٹکے ہوئے دیکھ رہا ہوں ایک روایت میں ہے کہ یہ خوشے یاقوت اور موتیوں کے ہیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو

يَسْعٰى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ

دوڑتی چلتی ہے انکی روشنی انکے آگے اور انکے داہنے خوشخبری ہے

الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ

تم کو آج کے دن باغ ہیں نیچے بہتیں جنکے نہریں سدا رہیں

فِيهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ

ان میں، یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد ملنی جس دن کہیں گے دغاباز مرد

وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ

اور عورتیں ایمان والوں کو ہماری راہ دیکھو ہم بھی سلگا لیں

نُورِكُمْ ۚ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا ۖ

تمہاری روشنی سے کسی نے کہا الٹے جاؤ پیچھے پھر ڈھونڈھ لو روشنی

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ

پھر کھڑی کردی انکے بیچ میں ایک دیوار جسکو ایک دروازہ اسکے اندر میں

الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ

مہر ہے اور باہر کی طرف عذاب یہ انکو پکارتے ہیں

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ

کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ وہ بولے کیوں نہ تھے؟ لیکن تم نے بچلا دیا

اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ

آپ کو اور راہ دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہکے خیالوں پر

حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ

جب تک آپہنچا حکم اللہ کا اور تمکو بہکایا اللہ کے نام سے اس دغاباز نے سو آج تم سے

لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

نہیں قبول چھڑوائی دینی اور نہ منکروں سے

مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

تم سب کا گھر دوزخ ہے وہی ہے رفیق تمہاری اور بری جگہ جا پہنچے

احوال آخرت و میدان حشر مع ذکر انعام واکرام مؤمنین و ذلت و ناکامی منکرین

قال اللہ تعالیٰ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ...... اِلٰى ...... وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ

ربط، ابتداء سورت سے حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت و پاکی بیان کی گئی اور یہ کہ ساری کائنات اسکی ربوبیت والوہیت کا اقرار کرتی ہے اور وہی اول و آخر ہے اور وہی ظاہر و باطن اور ہر چیز کا عالم اور

ہر شئی پر قادر ہے تو اسکے بعد یہ بیان فرمایا جارہا ہے اس ذاتِ رب العزت پر ایمان لانے والوں کا آخرت میں کیسا اعزاز ہوگا اور کیسے عظیم انعامات سے نوازے جائیں گے اور اسکے برعکس جو لوگ ایمان سے محروم رہے انکی بدنصیبی اور بدحالی کا کیسا عالم ہوگا ارشاد فرمایا۔

وہ دن بھی بڑا عظیم الشان دن ہوگا جب کہ آپ دیکھیں گے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو کہ دوڑتا ہوگا ان کا نور انکے آگے اور انکے داہنی طرف؎ جب کہ وہ میدانِ حشر میں ہوں گے اور پل صراط سے گذرتے ہوں گے اس وقت انکو بشارت دی جارہی ہوگی یہ اعلان کرتے ہوئے کہ اے ایمان والو! بشارت ہو تمکو آج کے دن کہ تم پر انعاماتِ خداوندی کی کوئی حد نہیں وہ باغات ہیں جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ نہیں کہ دنیوی نعمتوں اور راحتوں کی طرح دوام و خلود نہ ہو بلکہ نہ اہل جنت فنا ہوں گے اور نہ ہی انکی نعمتیں ختم ہوں گی یہی ہے بڑی کامیابی یہ انعام و اکرام تو اہلِ ایمان کا ہوگا لیکن اسکے بالمقابل یہ وہ دن ہوگا کہ اس وقت منافق مرد اور منافق عورتیں کہتے ہوں گے اہلِ ایمان سے ——— جب کہ اہل ایمان ان سے آگے نکلے جارہے ہوں گے انتظار کرو ذرا ہمارا تاکہ ہم کچھ روشنی حاصل کرلیں تمہارے نور سے کیونکہ اہل ایمان پر خود انکے ایمان کا نور ہوگا اور ایمان و عمل صالح کا نور ان سے آگے بھی ہوگا اور داہنی طرف بھی کہا جائیگا تم لوٹ جاؤ اپنے پیچھے کی طرف پھر تلاش کرو روشنی اسی حالت میں پھر قائم کردی جائے گی انکے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا اسکے اندر رحمت ہوگی اور باہر کی طرف اسکے آگے عذاب ہوگا کہ اس دروازہ کے اندر مومنین کا جنت میں داخلہ ہو جاتے گا جس کے اندر رحمت ہی رحمت ہوگی اور اسی طرح اس میں داخل ہو کر منافقین کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے اس دروازہ کے اندر جنت کا سماں ہوگا اور ادھر دروازہ سے باہر جہاں منافقین ہوں گے وہاں عذابِ الٰہی کا منظر ہوگا جو منافقین کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہوگا۔

منافقین ۔ یہ سوچ کر کہ ہم دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہا کرتے تھے انکو پکاریں گے کیا ہم نہیں تھے تمہارے ساتھ اہلِ ایمان جواب دیں گے بے شک ظاہر میں تو تم ہمارے ساتھ لگے ہوئے تھے لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنوں میں ڈال دیا تھا اور تم راہ دیکھتے تھے اور انتظار میں رہا کرتے تھے کہ کب مسلمانوں کو نقصان و ذلت اور ناکامی ہوتی ہے اور تم دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے اور تمکو دھوکہ میں ڈال رکھا تھا تمہاری امیدوں اور آرزوؤں نے یہاں تک کہ خدا کا حکم آپہنچا اور تمہاری وہ امیدیں

؎ اگرچہ بعض ضعیف روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نور اہل ایمان کے بائیں جانب بھی ہوگا لیکن قرآن کریم کے الفاظ نے صرف داہنی طرف کے نور کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے جس کی وجہ بظاہر یہ ہوگی کہ نامۂ اعمال بھی انکا انکے داہنے ہاتھ میں ہوگا۔

کہ جو تم نے باندھ رکھی تھیں کہ دین اسلام (والعیاذ باللہ) ختم ہو جائے گا اور مسلمانوں کو ذلت و ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا سب ختم ہو گئیں اور اسکے برعکس تم ہی کو ذلیل و ناکام ہونا پڑا یہاں تک کہ تم اسی کفر و نفاق پر مرے اور اب قیامت کا عذاب اور جہنم کا مزہ چکھو اور تمکو دھوکہ میں ڈالا اللہ کے بارے میں ایک دغا باز نے اور اسی دغا باز شیطان نے تمکو ایسا بہکایا اور ایسا بھٹکایا کہ اب کوئی راہ ہی رستگاری کا باقی نہ رہا سو آج کا دن ایسا ہے تم سے اے منافقو! کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا کہ تم فدیہ دیکر ہی چھٹکارا حاصل کرو اور نہ کافروں سے کوئی فدیہ قبول ہوگا اور تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے یہی دوزخ تمہاری رفیق ہے اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے نہ کسی اور کی رفاقت کی توقع رکھو اور نہ ہی یہ تصور کرو کہ تم کسی اور جگہ لوٹ کر جا سکو گے بس جہنم ہی ملجا و ماویٰ ہے اور اسکا عذاب رفیق و ساتھی ہے جس سے کبھی بھی مفارقت نہ ہوگی۔

میدان حشر میں منافقین کی مؤمنین سے التجاء

آیت یَوۡمَ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتُ میں منافق مردوں اور منافق عورتوں کی اہل ایمان سے ایک درخواست و التجاء کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اس تاریکی میں جو ان پر مسلط ہوگی اور میدان حشر میں بدحواسی کا عالم ہوگا تو کس طرح وہ اہل ایمان سے التجاء کریں گے۔

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایسی ظلمت واقع فرمائے گا (ابتداءً) کہ کوئی چیز بھی نظر نہ آتی ہوگی حتیٰ کہ کسی مؤمن کو اور نہ کسی کافر کو اپنی ہتھیلی بھی نظر نہ آتی ہوگی یہاں تک کہ اللہ رب العزت مؤمنین کی طرف ایک نور بھیجے گا (جو انکے اعمال کے مناسب ہوگا اور ایمان اور تقویٰ کے درجہ کے مطابق) کسی کا پہاڑ کے برابر ہوگا اور کسی کا کھجور کے بقدر تو اس روشنی کو دیکھ کر منافقین اہل ایمان کے پیچھے دوڑیں گے لیکن جب دیکھیں گے کہ ان تک رسائی نہیں ہو رہی ہے تو کہیں گے اُنۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِکُمۡ۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ روز محشر جب تمام مخلوق ظلمت و تاریکی میں گھری ہوگی تو اللہ تعالیٰ ایک نور بھیجے گا جو اہل ایمان کو اللہ کی طرف سے جنت کی راہنمائی کر رہا ہوگا منافقین کو جب اس طرح کا نور محسوس ہوگا تو وہ مؤمنین کے پیچھے چلنے لگیں گے مگر اللہ تعالیٰ ان پر تاریکی مسلط فرما دے گا اس وقت منافقین اہل ایمان سے التجا کریں گے اور یہ بات یاد دلائیں گے کہ ہم تو دنیا میں تمہارے ساتھ لگے رہا کرتے تھے۔

ابن ابی ملیکہؒ کی روایت میں ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے فرمایا کہ یہی وہ نور ہوگا جسکی تکمیل اور زیادتی کی اہل ایمان اللہ سے دعا کرنے لگیں گے رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا اور یہ وقت ایسا ہوگا کوئی

کسی کو یاد کرتا نہ ہوگا بلکہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ہوگا اہل ایمان شوقِ جنت میں ہر ماسوا سے بے تعلق ہوں گے اور کافر و منافق آثارِ عذاب کے مشاہدہ سے بدحواس ہوں گے اور اس وقت مؤمنین کے نور سے منافقوں کو کچھ نظر نہ آسکے گا جیسے کہ نابینا انسان کو بینا کی آنکھ کی روشنی سے کچھ نظر نہیں آسکتا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن ابی حاتمؒ بیان کیا کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باب دمشق پر ایک جنازہ کی تجہیز و تدفین میں شریک تھے جب نماز ہو چکی اور لوگ جنازہ دفن کرنے لگے تو فرمایا اے لوگو! ابھی تم صبح و شام کر رہے ہو ایسی جگہ جہاں تم نیکی اور بدی کی تقسیم کر سکتے ہو اور کر رہے ہو لیکن عنقریب ایک وقت ایسا آنے والا ہے تم یہاں سے ایک دوسری منزل کی طرف کوچ کرو گے اور وہ یہ قبر کی منزل ہے اور ہاتھ سے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ تنہائی کا گھر ہے یہ تاریکی کی جگہ ہے یہ کیڑوں کا مقام ہے جو انسان کے جسم کو کھائیں گے یہ تنگی کی جگہ ہے بجز اسکے کہ اس پر اللہ کشادہ کر دے پھر تم اس قبر سے میدان حشر کی منزل کی طرف منتقل ہو گے یہاں کے مراحل میں ایک مرحلہ پر تو یہ ہوگا تمام انسانوں کو خدا کا ایک لشکر ڈھانکے گا جس سے کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے پھر اس مرحلہ سے تم ایک دوسرے مرحلہ کی طرف منتقل ہو گے جہاں تاریکی ہی تاریکی ہوگی جو سب پر مسلط ہوگی اس وقت ایک نور ظاہر ہوگا جو مؤمن کو عطا کیا جائے گا لیکن کافر و منافق اس سے محروم رہیں گے انکو اس نور سے ذرہ برابر بھی کچھ نہ دیا جائے گا یہی وہ چیز ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے اَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ تو اس وقت کافر و منافق مؤمن کے نور سے کسی طرح بھی فائدہ نہیں حاصل کر سکے گا جیسے کہ کوئی نابینا شخص بینا انسان کی آنکھ اور اس کی روشنی سے کچھ نہیں دیکھ سکتا۔

روایاتِ تفسیر سے یہ چیز ظاہر ہو رہی ہے کہ جو کھلے کافر ہیں انکو ابتداء ہی سے نور سے محروم رکھا جائے گا اور انکے لیے پل صراط پر چلنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی شروع ہی سے انکے واسطے جہنم کے دروازے کھلے ہوں گے جن میں انکو دھکے دیکر جہنم میں جھونک دیا جائے گا البتہ جو کسی نبی کی اُمّت میں ہیں خواہ وہ سچے ہیں یا کچے انہیں پل صراط پر سے گزرنے کا حکم ہوگا اور اس پر چڑھنے کے وقت سخت اندھیرا ہوگا اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہوگی منافق بھی کوشش کریں گے اس روشنی میں اہلِ ایمان کے پیچھے پیچھے چلیں گے مگر اہل ایمان جلد ہی آگے بڑھ جائیں گے اس وقت منافق انکو پکاریں گے اُنْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ کہ ذرا ہمارا انتظار کرو تاکہ ہم تمہارے ساتھ مل کر چلیں۔ آخر دنیا میں بھی تو ہم تمہارے ساتھ تھے اس پر مؤمنین کہیں گے ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا کہ پیچھے لوٹو اور وہاں روشنی تلاش کرو جیسے ہی لوٹیں گے فوراً ہی ایک دیوار حائل

عہ تفسیر ابن کثیرؒ ج ۴۔ روح المعانی ج ۲۷

کردیجاتے گی اور اسکے اس طرف رحمت ہوگی جس طرف مؤمنین ہوں گے اور دوسری طرف عذاب ہوگا جس میں منافقین کو جھونک دیا جائے گا الغرض نفاق جب اصل سبب ظلمت وتاریکی کا ہوا تو ان اعمال اور خصلتوں کو قیامت کے روز نور کا ذریعہ فرمایا گیا جو ایمان واخلاص کی دلیل ہوتے ہیں مثلاً رات کی تاریکیوں میں نمازوں اور جماعت کے لیے باہر نکلنا جیسا کہ ارشاد ہے بشر المشائین فی الظلم اِلی المساجد بالنّور التامّ یَومَ القیامۃ (ابوداؤد وترمذی) یعنی بشارت سنادو ان لوگوں کو جو کثرت سے رات کی تاریکی میں مسجدوں کی طرف جانے والے ہیں ایک مکمل نور کی قیامت کے روز رات کی تاریکیوں میں جماعت کی پابندی اور مسجد کی حاضری ایمان واخلاص والوں ہی کا کام ہے تو اس پر نور کی بشارت بیان فرمائی جارہی ہے اسی طرح جماعتوں کی پابندی بھی ایمان کی علامت ہے تو اس پر بھی بشارت ہے قیامت کے روز نور کی اور نجات وکامیابی کی۔

❊ ❊ ❊

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ

کیا وقت نہیں پہنچا ایمان والوں کو کہ گڑگڑاویں انکے دل اللہ کی یاد سے

وَ مَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَ لَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا

اور جو اترا سچا دین اور نہ ہوں جیسے جن کو کتاب

الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ

ملی اس سے پہلے پھر لمبی گذری ان پر مدت پھر سخت ہوگئے

قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ

انکے دل اور بہت اُن میں بے حکم ہیں جان رکھو! کہ اللہ

یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ

جلاتا ہے زمین کو اسکے مرے پیچھے ۔ ہم نے کھول سناتے تم کو پتے اگر تم کو

تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الۡمُصَّدِّقِیۡنَ وَ الۡمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقۡرَضُوا

بوجھ ہے ۔ تحقیق جو لوگ خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں اور قرض دیتے ہیں

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ
اللہ کو اچھی طرح قرض، انکو ملتی ہے دونی، اور انکو نیگ ہے
كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ
عزت کا ٭ اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور سب اسکے رسولوں پر وہی ہیں
هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ
سچے ایمان والے اور احوال بتانے والے اپنے رب کے پاس انکو ہے
اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ
ان کا نیگ اور انکی روشنی اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾
وہ ہیں دوزخ کے لوگ

شکوۂ خداوندی از غفلت اہل اسلام وانہماک در نعماء دنیا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى. اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ ... اِلٰى ... اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ

(ربط) گزشتہ آیات میں میدانِ حشر کے کچھ مناظر بیان کیے گئے اور یہ کہ منافق اس وقت کیسی بے چینی اور کرب میں مبتلا ہوں گے اور اس وقت ایسی بے سروسامانی کا عالم ہوگا کہ اہل ایمان سے کچھ روشنی لینا چاہیں گے تو وہ بھی نہ مل سکے گی اور ہولناک تاریکیوں میں بدحواس ہی رہیں گے اب ان آیات میں مسلمانوں کو ایسی غفلت ولاپرواہی سے باز رہنے کی ہدایت وتاکید فرمائی جارہی ہے اور یہ بھی واضح کیا جارہا ہے کہ دنیا کی مادی نعمتیں غفلت کا باعث بنتی ہیں اور اہل کتاب اسی طرح عیش وعشرت میں پڑ کر خدا سے غافل ہو گئے تھے اور جب ان پر اسی حالت میں ایک طویل مدت گزر گئی تو ایمان وتقویٰ اور تعلق مع اللہ کی تمام صلاحیتوں کو انہوں نے گنوادیا اور انجام یہ کہ خدا کی اطاعت سے خارج ہوگئے تو عبرت کے لیے اہل کتاب کی ایک تاریخی مثال پیش کرتے ہوئے اس امر پر متنبہ کر دیا گیا کہ غفلت اور نفاق ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں اور نفاق کا انجام روز محشر میں کیا ہوگا وہ بیان کر دیا گیا ارشاد فرمایا۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے ایمان والوں کیلئے اس بات کا کہ انکے دل گڑگڑائیں اللہ کی یاد سے اور اس کے لیے جو دین حق اترا ہے یعنی قرآن اور احکام دین کہ اسکی اطاعت کے لیے انکے دل نرما جائیں اور خشیت و تقویٰ کے آثار ان میں پیدا ہوں اور نہ ہو جائیں ان لوگوں کی طرح جنکو ان سے پہلے کتاب دی گئی پھر ان پر ایک مدت دراز گزری کہ وہ دنیوی لذتوں اور عیش و عشرت میں پڑ کر خدا سے غافل ہو گئے پھر انکے دل سخت ہو گئے اس وجہ سے انکو اس کا احساس بھی نہ رہا کہ یہ غفلت و نافرمانی انکو کس منزل پر پہنچائے گی چنانچہ باغی و نافرمان ہو گئے اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں تو مسلمانوں کو یہ نہ چاہیئے کہ وہ اہل کتاب کی سی روشس اور عادت اختیار کریں اے مسلمانو! جان لو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد جیسے کہ مشاہدہ ہے کہ بنجر زمین پر رحمت کی بارشیں برستی ہیں اور پھر وہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ہیں تو اسی طرح سے اے اہل عرب تم دور جاہلیت میں ایسے ہی ہو چکے تھے جیسے کہ بے آب و گیاہ بنجر زمین مگر اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ قرآن کریم نازل فرمایا اور روح و قلب کو شاداب کرنے والی اس بارش نے تمہارے قلوب کی دنیا زندہ تر و تازہ اور شاداب بنا دی اب ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ اس سرسبز و شاداب باغ کو اپنی غفلت اور قلبی قساوت سے پھر ویران و بنجر بنا دو۔

بے شک ہم نے تمہارے واسطے بہت سی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں امید ہے کہ تم سمجھ جاؤ اگر کوئی شخص اس قسم کی غفلت کا مرتکب ہو چکا ہے تو اس کے واسطے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے وہ تائب ہو جائے تو پھر اللہ کی رحمت اسکے ایمان و تقویٰ کے باغ کو شاداب بنا سکتی ہے ایمان اور اخلاص اگرچہ قلب کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی صفت کا نام ہے لیکن ہر صفت کی ظاہری علامت اور نشانیاں ہوتی ہیں ان علامات میں سے ایثار و صدقہ بہترین علامت اور اخلاص کا ثبوت ہے اس بناء پر یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ لوگ جو اللہ کو قرض حسن دیں دوگنا کیا جائے گا انکے واسطے انکا دیا ہوا صدقہ۔ دنیا میں کم از کم دوگنا ورنہ زائد سات سو گنا تک ہو سکتا ہے اور اسکے علاوہ انکے واسطے بہت ہی عزت کا ثواب ہوگا آخرت میں ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اپنا مال ایسے اخلاص اور صدق نیت سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا وہ اسکے مستحق ہیں کہ دنیا میں بھی انکو بدلہ ملے اور آخرت میں بھی اجر عظیم اور ثواب کریم کے مستحق ہوں اور جو لوگ پورے اخلاص کے ساتھ ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسول پر بے شک یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں اور گواہ ہیں اپنے رب کے یہاں جب کہ قیامت کے روز ساری امتیں پیش ہوں گی اور انکے انبیاء علیہم السلام سے کہا جاتے گا کہ تمہارے واسطے کون اس بات کا گواہ ہے کہ تم نے اپنے رب کا پیغام اور اسکے احکام اپنی اپنی قوموں کو پہنچا دیئے تھے تو امت محمدیہ لائی جائے گی اور یہ گواہ ہوں گے کہ بے شک اے اللہ ان پیغمبروں نے تیرے پیغام اور احکام پہنچا دیئے کما قال اللہ تعالیٰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۔ان سچے ایمان والوں کے لیے انکا ثواب ہوگا ایمان وتقویٰ اور اخلاص کا اور روشنی ہوگی جو میدانِ حشر میں انکے آگے اور انکے داہنی ہوگی اور وہ اعزاز و اکرام اور سکون و اطمینان کے ساتھ اس روشنی میں اپنی جنت کی طرف جاتے ہوں گے اور انکے بالمقابل وہ بدنصیب جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنم والے ہیں اور اصل جہنم تو ان ہی کے واسطے تیار کی گئی ہے انکے علاوہ اگر اہل توحید کے کچھ مجرمین سزا کے لیے عذاب جہنم میں جائیں گے بھی تو سزا کے بعد یا شفاعت یا رحمت خداوندی سے آزاد کر دیئے جائیں گے مگر یہ کافر تو ہمیشہ ہی ہمیشہ اس میں رہیں گے اسلیئے اصل اصحاب الجحیم کفار و مشرکین ہی ہیں۔

ےہ بعض حضرات نے یہاں شہید کا ترجمہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا ہی کیا ہے اور اس کا قرینہ یہ سمجھا کہ آیت کریمہ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ میں صدیق کے بعد شہید کا ذکر کیا گیا ہے اور صدیقیت کے مقام کے بعد مقام شہادت ہے تو اس لحاظ سے وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ کا مفہوم خدا کیلیئے اپنی جان قربان کرنا اور اپنے رب کے یہاں شہید ہونا بیان کیا ہے۔

عوفیؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ یہ مابعد سے مفصول اور جُدا ہے اور آگے لفظ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ کلام مستقل اور مستانف ہے یعنی اہل ایمان کے لیے تو وصف صدیقون ذکر فرمادیا اب انکے بعد وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ جملہ مستقلہ میں شہداء کا عنداللہ ہونا بیان فرمایا۔ مسروقؒ اور ضحاکؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے فرمایا یہ تین قسمیں ہیں جن کا حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

مصّدقین، صدیقینؒ اور شہداء اور یہ وہی تین گروہ ہیں جنکو آیت مبارکہ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ میں ذکر کیا گیا۔

حضرات مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ صدیقین وشہداء ایک ہی گروہ ہے اور شہداء صدیقین ہی کا وصف ہے اور معنی یہ ہیں کہ یہ گواہ ہوں گے اپنے رب کے یہاں حافظ ابن کثیرؒ نے بروایت براء بن عازبؓ مرفوعاً یہی تفسیر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنوا امتی شہداء اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اسی روایت کے پیش نظر ترجمہ میں الفاظ کا اضافہ اور وضاحت کی گئی ۱۲ واللہ اعلم بالصواب

دنیوی نعمتوں اور راحتوں کی فراخی طبعاً انسان کو غافل بناتی ہے

انسانی طبیعت کا خاصہ ہے اور بہت ہی کم سعادت مند اس سے مستثنیٰ ہوا کرتے ہیں کہ دنیوی انعامات اور راحتوں کی کثرت سے اس میں غفلت ولاپرواہی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے ارشاد فرمایا گیا ہے اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے ہیں کہ ہمیں قدرتِ خداوندی کی طرف سے دو آزمائشوں میں آزمایا گیا ابتلینا بالضراء فصبرنا ثم ابتلینا بالسراء فلم نصبر ایک امتحان مصائب اور مشقتوں کا ہوا جس پر ہم نے صبر کیا اور کامیاب ہوتے پھر راحتوں اور نعمتوں کے ساتھ امتحان ہوا تو اس میں ہم صبر نہ کر سکے اور اس امتحان میں ہم کامیاب نہ ہوتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ما کان بین اسلامنا وبین ان عاتبنا اللہ تعالیٰ بھذہ الایۃ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ" الا اربع سنین (صحیح مسلم) کہ ہمارے اسلام لانے اور اس آیت کے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر عتاب فرمایا یعنی اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کے نازل ہونے میں چار سال سے زائد مدت نہیں گزری یعنی فتح مکہ کے چار ہی سال بعد یہ صورت حال ہوتی کہ اس طرح کی آیت کے نازل ہونے سے ہماری غفلت ولاپرواہی پر عتاب فرمایا گیا۔

اہل کتاب کی قساوت کی تفصیل پہلے گزر چکی سورۃ بقرہ سے لے کر آخر قرآن کریم تک متعدد جگہوں میں ان پر انعاماتِ خداوندی اور انکی غفلت کا ذکر کیا گیا اور یہ کہ انکی قساوت قلبی نے نوبت یہاں تک پہنچائی کہ خدا کے اصل احکام کی صریح نافرمانی کرنے لگے اور اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا اصل پیشوا بنالیا حتیٰ کہ جو حکم خداوندی بھی انکی خواہش کے خلاف ہوا اس میں تحریف شروع کی اور ایسے حیلے اختیار کیے کہ گویا خدا کو یہ بتادیں کہ ہم تیرے احکام کی اطاعت کر رہے ہیں اور درحقیقت کر رہے ہوں نافرمانی. جیسے کہ سنیچر کے دن مچھلیوں کے شکار کے معاملہ میں کیا جس کی تفصیل سورۃ اعراف میں گزر چکی۔

اور بنی اسرائیل کے قلوب کی قساوت کی نوعیت سورۃ بقرہ میں ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ میں ذکر فرما دی گئی۔ قساوت کے آثار میں سے سب سے پہلا اثر اور نتیجہ احکام خداوندی سے بغاوت اور نافرمانی ہے جسکو ارشاد فرمایا گیا وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

جان رکھو! دنیا کا یہی ہے

لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ

کھیل اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتات

فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ

ڈھونڈھنی مال کی اور اولاد کی جیسے کہاوت ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو

نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ

انکا سبزہ اُگنا پھر زور پر آتا ہے پھر تو دیکھے زرد ہو گیا پھر ہو جاتا ہے

حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ

روندن اور پچھلے گھر میں سخت مار ہے اور معافی بھی ہے

مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ

اللہ سے اور رضامندی اور دنیا کا جینا تو یہی ہے جنس

الْغُرُوْرِ ۝۲۰ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ

دغا کی دوڑو اپنے رب کی معافی کو اور بہشت کو

عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ

جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ آسمان اور زمین کا رکھی ہے واسطے اُنکے

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ

جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر یہ بڑائی اللہ کی ہے دیوے جس کو

يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۱ مَآ اَصَابَ

چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے کوئی آفت نہیں

مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي

پڑی ملک میں اور نہ آپ تم میں جو نہیں لکھی

كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٢٢﴾

ایک کتاب میں، پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اسکو دنیا میں بے شک یہ اللہ پر آسان ہے

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ

تا تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ ریجھا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٢٣﴾ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ

اور اللہ نہیں چاہتا ہے کسی اتراتے بڑائی مارتے کو وہ جو آپ نہ دیں

وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۗ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ

اور سکھا دیں لوگوں کو نہ دینا ۔ اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٤﴾

ہے بے پروا سب خوبیوں سراہا

تمثیل بے ثباتی دنیا و عظمت خداوند خالق کائنات و تعلیم صبر و قناعت و تاکید فکر آخرت

قال اللّٰہ تعالیٰ۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ... الیٰ ... ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔

(ربط) گذشتہ آیات میں انسان کا دنیوی نعمتوں اور راحتوں میں لگ کر یادِ خدا اور فکرِ آخرت سے غفلت و لاپرواہی برتنے پر تنبیہ فرمائی گئی تھی اور یہ کہ یہ طریقہ اہل کتاب کا تھا اہل ایمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی اب ان آیات میں دنیا اور دنیا کی لذتوں کی ناپائیداری بیان فرمائی جارہی ہے اور اسکی بے ثباتی کا ایک نقشہ پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ دنیا کی حقیقت سمجھی جاسکے۔ فرمایا۔

جان لو اسکے سوا کچھ نہیں کہ دنیا کی زندگی بس ایک کھیل اور تماشا اور بناؤ سنگار اور تمہارے درمیان آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا بڑائیاں مارنا اور مال واولاد میں زیادتی کی کوشش کرنا بس ان ہی میں مصروف ومنہمک رہتے ہوئے انسان اپنی زندگی گزار دیتا ہے بچپن میں کھیل تماشا ہے جوانی آئی تو بناؤ سنگار میں پڑ گیا پھر کچھ عمر پختہ ہوئی تو عزت وجاہ اور نام ونمود اور اپنی ساکھ جمانے کی فکر میں لگ گیا۔ مال واولاد کے غم میں لگے ہوتے ہے کہ مال خوب جمع کرلوں اولاد کے کام آئے گا عزت بڑھے گی قوم میں مقام بلند ہوگا تو از اول تا آخر یہی منزلیں جنکو انسان طے کرتا چلا جاتا ہے اور اس بات کو سوچتا بھی نہیں کہ دنیا کی زندگی ہے کیا ؟ اور اسکی حقیقت کیا ہے نہ اسکی ناپائیداری کا خیال ہے اور نہ کبھی یہ تصور کہ ان تمام لذتوں نعمتوں اور راحتوں کا انجام کیا ہے دنیوی زندگی کی حالت بالکل ایسی ہی ہے جیسے بارش کہ جب برسی تو بہت ہی اچھا لگا اس کا سبزہ اور شادابی۔ کھیتی کرنیوالوں کو پھر یہ سبزہ زور پکڑتا ہے لہلہانے لگتا ہے تو اے مخاطب دیکھے گا تو اسکو کہ وہ زرد ہونے لگا ہے جب پکنے کا وقت قریب آتا ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے کہ آدمی اور جانور اسکو روند روند کر چورا چورا کر دیتے ہیں اور شادابی وخوبصورتی کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا جو اس کھیتی کے ابھرنے اور اسکے سرسبز وشاداب ہونے پر پہلے نظروں کو لبھا رہی تھی اب جب کہ وہ کھیتی گھانس پھونس کے تنکے اور ریزے ہو چکی تو اسکی طرف کسی قسم کا میلان ہی باقی نہ رہا یہی حال بالکل دنیا کی زندگی کا ہے اور اسکے ساز وسامان کا ہے میرے استاذ حضرت مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں

بس یہی حال دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز وسامان کا سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے آدمی اسکی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنے والی نہیں وہاں کچھ اور ہی کام آتے گا یعنی ایمان اور عمل صالح جو شخص دنیا سے یہ چیز کما کر لے گیا سمجھو بیڑا پار ہے آخرت میں اسکے لیے مالک کی خوشنودی ورضامندی ہے اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر وعصیان کا بوجھ لے کر پہنچا اسکے لئے سخت عذاب ہے اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال میں کوتاہی کی اسکے لیے جلد یا بدیر دھکے مکے کھا کر معافی ہے دنیا کا خلاصہ وہ تھا" اور آخرت میں معاملہ یہ ہوگا کہ عذاب شدید مقدر ہوگا جس سے نجات کا کوئی امکان نہیں بجز اللہ کی رحمت اور مغفرت کے جو ایمان وعمل صالح ہی کی بدولت نصیب ہو سکتی ہے۔

اور مغفرت ومعافی بھی ہے اللہ کی طرف سے اگر کوئی صاحب ایمان شخص اپنی غفلت ولاپرواہی سے کسی گناہ کا ارتکاب کرلے اور نادم وشرمندہ ہو کر خدا کی بارگاہ میں تائب ہو اور اللہ کی طرف سے رضامندی بھی ہے ایمان وعمل صالح والوں کے لیے نیز ان لوگوں کے واسطے بھی جو گناہ اور خطاء کے بعد تائب ہو جائیں تو خداوند عالم انکی توبہ پر خوش ہوتا ہے اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکہ ہی کا سامان ہے الغرض جب دنیا کی زندگی اور اس کی لذتیں فانی اور ناپائیدار ہیں اور دنیا کا سامان اور

متاع زندگی درحقیقت دھوکہ ہی کا سامان ہے تو انسان کو چاہیئے کہ موت سے غافل نہ ہو آخرت کی فکر میں لگا رہے اور دنیا کے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اس لیئے بجائے دنیوی زندگی میں انہماک اور اسکے ساز و سامان کی فکر و تیاری کے لئے لوگو ! دوڑو اس مغفرت کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان و زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے جو تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے واسطے جو اللہ پر اور اسکے رسولوں پر ایمان لاتے یہی اللہ کا فضل و انعام ہے کہ وہ اپنی تمام تر کوششیں اور دوڑ آخرت اور جنت کی نعمتوں کی طرف پھیر دے اور یہ کمال اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جس کے واسطے چاہے اسی کا علم محیط ہے وہ جانتا ہے کہ کس میں اس نعمت کی صلاحیت ہے اور کون اس صلاحیت اور سعادت سے محروم رہنے کے قابل ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے جو اپنے انعامات سے بندوں کو نوازتا ہے اور یہ نوازا جانا اور جنت کے انعامات اعمال کا بدلہ نہیں بلکہ محض اللہ کا فضل و انعام ہے اور اس حقیقت کو بھی خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ جو بھلائی اللہ نے کسی کے واسطے مقدر فرما دی وہ اسکو ضرور حاصل ہو کر رہے گی اور جو چیز کسی کے مقدر میں نہیں وہ کبھی بھی ہاتھ نہیں آسکتی لہٰذا اگر کوئی خیر یا نفع کی چیز حاصل نہ ہو سکے تو اس پر غمگین و مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں اور نعمتوں کے حصول پر غرور و تکبر نہ کرنا چاہیئے اور مصائب و آفات سے مضطرب و بے چین ہونا بھی غلط ہے بلکہ یہ اعتقاد قلب کی گہرائیوں میں راسخ کر لینا چاہیئے کہ کوئی بھی مصیبت ایسی نہیں ہے کہ جو زمین میں واقع ہو اور نہ کوئی ایسی مصیبت کہ جو تمہاری جانوں میں ہو مگر یہ کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک لکھی ہوئی کتاب میں ہوتی ہے قبل اس کے کہ ہم اسکو پیدا کریں اور ظاہر کریں اس وجہ سے دنیا میں ہر آفت و تکلیف اور راحت و نعمت خدا کے لکھے ہوئے فیصلے ہی کے مطابق واقع ہوتی ہے بے شک یہ چیز اللہ پر بہت ہی آسان ہے اے لوگو ! یہ سب کچھ تمکو بتایا اور سمجھایا جا رہا ہے اس وجہ سے کہ تم غم نہ کیا کرو ان چیزوں پر جو تم سے فوت ہو جائیں اور نہ شیخی جتایا کرو ان چیزوں پر جو اللہ نے تم کو عطا کیں بلکہ اللہ کے انعامات پر شکر کیا کرو اور آفات و مصائب کے آنے پر صبر کیا کرو اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ہے ہر اس شخص کو جو شیخی جتانے والا بڑائی مارنے والا ہو ایسے لوگ کہ جو بخل کرتے ہیں خود بھی اور دوسروں کو بھی آمادہ کرتے ہیں کہ وہ بھی بخل کریں یقیناً ایسا رویہ اللہ سے اور اسکے احکام سے روگردانی کرنا ہے جو شخص بھی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت سے منہ موڑے گا تو اسکو اپنے انجام سے آگاہ ہونا چاہیئے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تو ہر چیز سے بے نیاز ہر خوبی کے ساتھ موصوف ہے اسکو کسی کی نافرمانی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ ہی اسکو کسی کی فرماں برداری کی کوئی حاجت ہے اس لیئے کسی بھی انسان کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں مال و دولت پر مغرور و متکبر نہ ہونا چاہیئے اور نہ شیخی اور بڑائی جتلانی چاہیئے اور جو کچھ اللہ نے مال عطا کیا ہے اسکو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیئے نہ یہ کہ بخل کرے بلکہ اور ظلم یہ کہ دوسروں کو بھی بخل پر آمادہ کرے تو اس سے بڑھ کر انسان کے واسطے کوئی برائی نہیں ہو سکتی ساتھ ہی اس کو یہ

بھی عقیدہ قلب کی گہرائیوں میں راسخ کرلینا چاہیئے کہ ہر راحت اللہ کا انعام ہے اس وجہ سے اس پر شکرگزار ہو اور ہر تکلیف و مصیبت خدا ہی کے فیصلے سے ہے اس لیئے اس پر صبر و استقامت چاہیئے اور خدا ہی سے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے رجوع کرنا چاہیئے کہ اس کی بارگاہ میں تضرع و زاری اور دعا و التجا میں مشغول ہو نہ یہ کہ بے صبری اور بے قراری اختیار کرلے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ

ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر

وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ

اور اتاری انکے ساتھ کتاب اور ترازو کہ لوگ سیدھے رہیں

بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ

انصاف پر اور ہم نے اُتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے

لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ

کام چلتے ہیں اور تا معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اسکی اور اسکے رسول کی بن دیکھے

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ

بے شک اللہ زور آور ہے زبردست اور ہم نے بھیجے نوح اور

اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ

ابراہیم اور رکھی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب

فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا

پھر کوئی ان میں راہ پر ہے اور بہت ان میں بے حکم ہیں پھر پیچھے بھیجے

عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

ان کی پچھاڑی پر اپنے رسول اور پیچھے بھیجا عیسیٰ مریم کا بیٹا

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ

اور اسکو دی انجیل اور رکھی اسکے ساتھ چلنے والوں کے

اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا

دل میں نرمی اور مہر اور ایک دنیا چھوڑنا انھوں نے نیا نکالا

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا

ہم نے اُن پر نہ لکھا تھا مگر چاہنے کو رضامندی اللہ کی پھر نہ

رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ

نباہا اسکو جیسا چاہیئے نباہنا پھر دیا ہم نے انکو جو ان میں ایماندار تھے ان کا

اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

نیگ اور بہت ان میں بے حکم ہیں اے ایمان والو!

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ

ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اسکے رسول پر دیوے تمکو دو بوجھے

مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ

اپنی مہر سے اور رکھ دے تم میں روشنی جس کو لیے پھرو اور

يَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ

تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان تاکہ جانیں

اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ

کتاب والے کہ پا نہیں سکتے کچھ اللہ کا فضل

اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

اور یہ کہ بزرگی اللہ کے ہاتھ ہے دیتا ہے جس کو چاہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور اللہ کا فضل بڑا ہے

بعثت انبیاء علیہم السلام برائے ہدایت عالم وعطاء اسباب رشد وفلاح

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ .... اِلٰی .... وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

(ربط) سابقہ آیات میں دنیا اور دنیا کی ہر راحت و نعمت کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا ذکر تھا اور یہ کہ انسان کو چاہیئے کہ آخرت کی فکر کرے دنیا سراسر دھوکہ ہے اس سے غرور وتکبر اور غفلت میں پڑ جانا سب سے بڑی اور مہلک غلطی ہے تو اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ رب العزت نے تو ہمیشہ ہی تخلیق عالم کے بعد سے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجا ان پر کتابیں نازل کیں اور بینات و دلائل بھی دیئے تاکہ انسان کو رشد و فلاح کی منزل حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آسکے تو ارشاد فرمایا۔

بے شک ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو نشانیاں دیکر اور انکے ساتھ کتاب اتاری اور ترازو تاکہ لوگ عدل وانصاف قائم کریں کتاب ہدایت سے ہدایت کی باتیں سیکھیں اور اس پر عمل کرکے سیدھی راہ اختیار کریں جس سے نجات و کامیابی حاصل ہو اور ترازو بھی اتاری اسکے ذریعہ ہر عمل اور قول عقیدہ، اخلاق اور معاملہ تولا جاسکے اور معلوم ہوسکے کہ کون سی چیز حق ہے اور کون سی باطل اور کون سا طریقہ معتدل اور افراط و تفریط کے درمیان ہے اور کون سا طریقہ انصاف اور حق کے معیار سے گرا ہوا ہے جس طرح کہ حسی ترازو سے اشیاء کی برابری معلوم ہوتی ہے اور کمی و زیادتی کا علم اس کے پلڑے کے جھکاؤ اور بھارے سے بیک نظر معلوم ہوجاتا ہے اسی طرح اس نازل کردہ میزان ہدایت سے ہر قول وعمل کا درست اور ہر چیز کا صراط مستقیم پر ہونا معلوم ہوسکتا ہے اور شریعت کی یہ ترازو قلب وقالب کے جملہ اعمال کے حسن و قبح کو ٹھیک ٹھیک جانچ تول کر بتاتی ہے اور ہم نے اتارا لوہا کہ زمین میں اسکی کانیں پیدا کیں جس میں بہت سختی ہے اور منافع بھی ہیں لوگوں کے واسطے کہ لوہے سے اسلحہ اور سامان حرب تیار کیا جاسکتا ہے جس سے جہاد وقتال ہوتا ہے اور کافروں پر اسکے ذریعہ سختی و شدت واقع کی جاتی ہے اور ساتھ ہی اسکے ذریعہ لوگوں کی معیشت کے بہت سے مادی فوائد و منفعتیں بھی وابستہ ہیں یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں تاکہ لوگ اسکی خالقیت وقدرت پر ایمان لائیں اور اسکی اطاعت کریں اور اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ کون مدد کرتا ہے اسکی اور اسکے رسولوں کی بغیر اللہ کو دیکھے بے شک اللہ تعالیٰ بڑی ہی قوت والا غالب وعزیز ہے اسکی

نبوت دعوت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں اور کافروں کی مجال نہیں کہ اللہ کو اور اس کے رسولوں کو مغلوب کر سکیں۔ پیغمبری اور کتب ہدایت نازل کرنے کے لیے اللہ نے اپنی ہی حکمت سے اپنے رسولوں کو منتخب کیا۔

اور اس طرح ہم نے بھیجا نوح اور ابرہیم کو اور رکھ دیا ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت کو اور کتاب کو ان دونوں کو اس طرح نبوت و رسالت اور آسمانی کتابیں نازل کرنے کے لیے چن لیا کہ ان ہی کی اولاد میں رسالت اور سلسلۂ نبوت رہے اور انکے بعد یہ دولت ان دونوں کی اولاد سے باہر نہ جاتے اب انکے بعد جب یہ رسول آتے تو انکی امتوں میں سے بہت سے راہِ راست پر آگئے اور بہت سے ان میں سے نافرمان رہے۔

پھر ہم نے انکے بعد بھیجے ان ہی کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے اپنے رسول اور ان سب کے بعد بھیجا عیسیٰ بن مریم کو اور انکو ہم نے انجیل دی جن پر انبیاء بنی اسرائیل کو ختم فرما دیا اور ڈال دی ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں نرمی اور مہربانی جنہوں نے انکی اتباع کی اور رہبانیت ترک علائق وغیرہ کو بھی انہوں نے اختیار کر لیا جو انہوں نے اپنی طرف سے ایک نئی بات ایجاد کی تھی جسکو ہم نے ان پر مقرر نہیں کیا تھا انہوں نے اپنے اوپر دنیوی تعلقات سے علیحدگی اور جنگلوں اور غاروں میں زندگی گزارنے کا طرز اختیار کیا ہم نے تو ان پر صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنا مقرر کیا تھا لیکن وہ اسکو نباہ نہ سکے جیسا کہ اسکو نبھانے کا حق تھا پھر ہم نے ان لوگوں میں سے ایمان لانے والوں کو اجر دیا جو ایمان پر قائم رہے اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے رہے اور بہت سے ان میں سے نافرمان ہوتے اور اسحاقؑ اور انبیاء بنی اسرائیل کا سلسلۂ نبوت حضرت عیسےٰ بن مریمؑ پر ختم ہو جانے کے بعد اللہ نے اولادِ اسماعیلؑ میں خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا اور حکم ہوا۔

اے وہ لوگو! جو پہلے انبیاء پر ایمان لاتے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول آخر الانبیاءؐ پر ایمان لاؤ تو وہ تم کو اپنی رحمت میں سے دو حصے دے گا اور تم کو وہ نور دے گا جس کو تم لیتے پھرو گے کہ دنیا میں بھی وہ نور تمہارے ساتھ ہو گا اور نورِ ہدایت سے تمہاری زندگی منور اور مزین ہو گی اور آخرت میں یہ نور تمہارے ساتھ رہے گا اور تمہاری مغفرت بھی کرے گا اور اللہ تو بڑا ہی معاف کرنے والا مہربان ہے۔

یہ سب کچھ اللہ نے بیان کر دیا تا کہ جان لیںؑ اہل کتاب اس بات کو کہ وہ اللہ کے فضل میں

ؑ بالعموم مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لِئَلَّا یَعْلَمَ میں "لا" زائد ہے اور مقصد یہ کہ جان لیں اسلئے کہ اس غرض کا اہل کتاب کے لیے جاننا مقصود ہے نہ یہ کہ نہ جانیں تو اکثر حضراتِ مفسرین سلف یہاں لِئَلَّا یَعْلَمَ کا۔ ترجمہ یعلم سے کرتے ہیں یعنی تا کہ جان لیں اہل کتاب الخ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

ثپ

سے کسی چیز پر قادر نہیں ہیں اور اس امر سے انکو لاعلمی اور غفلت نہ ہو کہ وہ اللہ کے فضل پر قادر نہیں بلکہ اللہ کا فضل بے شک اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے جسکو چاہے وہ عطا کرے اس لئے اگر اللہ نے بنی اسرائیل سے نبوت کو ختم کر کے اولاد اسماعیلؑ میں نبوت رکھ دی تو اہل کتاب کو اس پر کسی درجہ میں بھی تذبذب نہ کرنا چاہیئے نبوت و رسالت کا فضل اور ہر قسم کی بزرگی اللہ کے قبضہ میں ہے جہاں چاہے وہ بزرگی رکھ دے اور جسکو چاہے عطا کر دے اور اسی طرح اہل کتاب میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے والوں کو دوگنا اجر و ثواب دینا بھی اللہ کا فضل و انعام ہے وہ جس کو چاہے اپنے انعام سے نوازے کسی کی مجال نہیں کہ اسکے انعام کو روک لے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑے فضل و انعام والا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ثَلٰثَۃٌ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَرَّتَیْنِ رَجُلٌ من اہل الکتاب اٰمَنَ بِنَبِیِّہٖ وَاٰمَنَ بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ورجلٌ مملوکٌ ادی حق اللہ تعالیٰ وحق موالیہ ورَجُل کانت عندہٗ امۃ ادّبھا فاحسن تادیبھا ثم اعتقھا وتزوجھا الحدیث (صحیح بخاری)

(ترجمہ) کہ تین شخص ایسے ہیں جنکو دوگنا اجر دیا جائے گا ایک شخص کتابی جو اپنے پیغمبر پر بھی ایمان لایا تھا پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا دوسرا مملوک غلام جو اپنے آقاؤں کا حق بھی ادا کرتا ہے اور خدا کا بھی حق ادا کرتا ہے اور تیسرا وہ جسکے پاس باندی تھی جسکو اس نے اچھی تعلیم دی ادب سکھایا پھر اسکو آزاد کیا اور اس سے نکاح کر کے اسکو اپنی منکوحہ بنایا تو تینوں کو دو دو گونا اجر و ثواب ملے گا۔

الغرض اہل کتاب کا اپنی شریعت اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ماننا اور آپکے دین پر عمل کرنا بہت ہی قابل قدر چیز ہے تو اس پر دوگنے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا

لوہے کی سختی اور اس کے منافع

اس مقام پر حق تعالیٰ نے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ سے اپنے رسولوں کی بعثت کا ذکر

نے اس جگہ لفظ لا کو اپنے معنی پر برقرار رکھتے ہوئے "نہ جانیں" سے ترجمہ کیا ہے تو اس صورت میں کلام کی تقدیر اس طرح ہوگی۔ لِئَلَّا یَکُوْنَ ھٰذَا الْاَمْرُ اَنْ لَّا یَعْلَم اور نفی کی نفی اثبات کو مفید ہے اور ترجمہ کی تقدیر یہ ہوگی تاکہ یہ بات نہ رہے کہ نہ جانیں اہل کتاب اس حقیقت کو بلکہ وہ جان لیں اور یقین کر لیں کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر بھی قادر نہیں کہ اس کو روک لیں یا جسکو چاہیں اسے دیں اور جسکو نہ چاہیں نہ دیں چنانچہ ترجمہ کے بعد اضافہ کردہ الفاظ میں اسی کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم بالصواب ۱۲

فرمایا اور اس امر کو ثابت فرمایا کہ رسولوں کی بعثت عالم کی ہدایت اور اللہؐ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے اللہؐ نے مقدر فرمائی۔ وہ دلائل و بینات کے ذریعے عالم کو ہدایت اور رشد و فلاح کی دعوت دیتے رہے اب اسکے بعد ارسال رُسل کی نعمت کے ساتھ ایک اور انعام کا ذکر فرما دیا گیا کہ لوہے کو اتارا جس میں سختی ہے اور لوگوں کے واسطے منافع ہیں یعنی عالم کی ہدایت جس طرح رسولوں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہے اسی کے ساتھ ہدایت کا دوسرا ذریعہ جہاد ہے کہ جو لوگ اپنی طبعی کجروی سے باز نہ آئیں نہ اللہؐ کے احکام کو مانیں اور نہ انصاف کی ترازو کو سیدھا رکھیں جس سے نظام عالم اور اسکا امن و راحت اور رشد و فلاح وابستہ ہے تو پھر ان سے جہاد و قتال ہوگا اور اس وقت ان باغیوں کے مقابلہ کے لیے تلوار اٹھانا پڑے گی اور ظاہر ہے کہ اس خالص دینی جہاد میں لوہے سے ہی کام لینا ہوگا پھر یہ ظاہر ہو جاتے گا کہ کون اللہؐ کا مخلص و فرمانبردار ہے اور کون نافرمان و باغی۔

الغرض لوہے کی سختی سے محض ظاہری اور مادی سختی ہی مراد نہیں بلکہ ارسالِ رسل اور نزولِ کتب کے ساتھ لوہے کی یہ سختی جہاد میں اسلحہ کا استعمال ہے دلائل و بینات سے بھی کافروں اور کفر کا جہاد و مقابلہ ہے چنانچہ اس نوع کا جہاد مکی زندگی میں تیرہ سال تک جاری رہا اسکے بعد مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد دلائل کے بجائے بصورتِ جہاد۔ مقاتلہ شروع ہو گیا۔

امام ابوداؤدؒ نے ایک حدیث بروایت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہؐ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ حتی یعبد اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ" میں مبعوث کیا گیا ہوں تلوار دیکر جہاد مع الکفار کے لیے قیامت سے پہلے اور اس کا مامور ہوں کہ جہاد کرتا رہوں تا آں کہ اللہؐ وحدہٗ لاشریکؐ کی عبادت و بندگی کی جانے لگے اور میرا رزق میرے تیروں کے سایہ میں بنایا گیا ہے اور ذلت و ناکامی ان لوگوں کے حق میں طے کر دی گئی ہے جو میرے حکم کی نافرمانی کریں۔

اس آیت مبارکہ میں بعثتِ رُسل اور انزالِ کتب کے ساتھ میزان اتارنے کا ذکر فرما کر یہ اشارہ کر دیا گیا کہ دنیا میں عدل و انصاف کا قیام دو چیزوں کے ذریعہ سے ہے ایک کتب سماویہ اور وحی الٰہی اور دوسرے میزان جس سے ہر ایک کو اسکا حق ناپ تول کر پہنچا دیا جاتے نہ کسی کی حق تلفی ہو اور نہ عدل و انصاف سے ذرہ برابر انحراف ہو یہی چیز ہدایت کی رُوح اور نظامِ عالم کو صحیح خطوط پر چلانے والی ہے اور عدل و انصاف جن ہدایات و اصول کے ماتحت ہو سکتا ہے وہ آسمانی ہدایات اور پیغمبروں کے ذریعہ ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

اہل کتاب و نصاریٰ کی رہبانیت

آیت وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً میں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ اور انجیل کی پیروی کرنے والوں کا ذکر فرمایا گیا کہ انکے دلوں میں ہم نے نرمی اور مہربانی کی صفت رکھ دی تھی یہ وصف پسندیدہ تھا اور ایمان کے آثار میں سے ایک پاکیزہ اثر تھا لیکن اصل ایمان اور اسکی روح پیغمبر خدا کی اتباع ہے اور جو ہدایات اللہ نے نازل کیں انکی پیروی کرنا ہے اپنے جذبات سے خلافِ شرع کسی چیز کو ثواب سمجھ کر اختیار کر لینا کوئی نیکی نہیں بلکہ یہ تو بدعت ہے جسکو نہ اللہ پسند کرتا ہے اور نہ اسکے رسول کی تعلیم ہوتی ہے۔

چنانچہ نصاریٰ میں سے بعض نیک طینت لوگوں نے رہبانیت اور دنیوی علائق کا ترک اختیار کر لیا جس کا انکو حکم نہیں دیا گیا تھا پھر وہ اسکو نباہ نہ سکے جسکا انجام یہ ہوا کہ اصل اللہ کی ہدایت سے منحرف ہو گئے اور دینِ صحیح کو چھوڑ کر بدعات میں مبتلا ہو گئے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت تخریج کی ہے جس کا مضمون ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا اے ابن مسعودؓ جانتے بھی ہو کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں متفرق ہوئے جن میں سے صرف تین گروہ نجات پانے والے ہیں باقی سب ہلاک و برباد ہوئے جو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے بعد اپنے جبار و مغرور بادشاہوں کے مقابل اللہ کے دین پر قائم رہے اور انکو اللہ کے دین کی طرف دعوت دی جبکہ وہ گمراہ اور بے دین ہو چکے تھے اور ان بادشاہوں نے اپنی کتاب میں اپنی خواہشات و مرضی کے مطابق تحریف کر لی تھی تو انہیں سے ایک جماعت نے جباروں کے ساتھ مقابلہ کیا اور شہید کر دیئے گئے اور اس جماعت نے صبر کیا اللہ کے فضل سے نجات پائی پھر ایک دوسری جماعت اٹھی جن میں جہاد اور مقابلہ کی قوت تو نہ تھی لیکن اپنے بادشاہوں اور جباروں کے سامنے پہنچ کر انکو دین کی دعوت دی جس کے باعث ان لوگوں پر ظلم و ستم ڈھائے گئے حتیٰ کہ انکو شہید کیا گیا آروں سے انکے بدن چیرے گئے اس گروہ نے بھی صبر کیا اور نجات پائی پھر ایک تیسری جماعت آئی اس میں بھی مقابلہ اور قتال کی طاقت نہ تھی اور نہ وہ اپنی زندگی اور اعمال میں عدل و اعتدال کو قائم رکھ سکے جس کے واسطے نازل داتاری گئی تھی تو یہ لوگ آبادیاں چھوڑ کر پہاڑوں بیابانوں میں نکل گئے اگرچہ انکا جذبہ نیک تھا لیکن وہ اس رہبانیت کو نباہ نہ سکے (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

چاہتے تو یہ تھے کہ اللہ کی رضامندی حاصل کریں یا حکم تو انکو اللہ کی رضامندی ہی حاصل کرنے کا کیا گیا تھا مگر اسکے برعکس انہوں نے از خود رہبانیت اختیار کر لی اور پھر اسکا حق ادا نہ کر سکے اصل رہبانیت اور علائق دنیویہ سے تعلق قطع کر لینا تو اللہ کی فرماں برداری کا نام ہے اور اپنے طبعی تقاضوں کو

اللہ کی خوشنودی کے تابع کر دینا ہے:
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے فرمایا بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ ایسے بادشاہ آئے جنہوں نے تورات وانجیل میں تحریف کی اور اپنی مرضی کے مطابق رد و بدل کیا تو ان میں کچھ لوگ ایمان والے تھے اور وہ اس تحریف و تبدیل سے اختلاف کرتے اور اصل اللہ کے ہی پیروی کرتے اور ان ہی کو بیان کرتے تو ان بادشاہوں سے یہ کہا گیا کہ اس قسم کے لوگ آپ کی بہت ہی سخت توہین کرتے ہیں اور آپ کو برا بھلا کہتے ہیں اور وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ پڑھ کر آپ کو گمراہ وکافر کہتے ہیں اور آپ کے اعمال وافعال پر طعن بھی کرتے ہیں تو آپ ان لوگوں کو کہیں کہ اسی طرح پڑھیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور ایمان اسی طرح کا لائیں یعنی اسی چیز کو ایمان کہیں جس طرح کہ ہمارا ایمان ہے اور انکو مجبور کیا کہ یا تو ہماری بات مانو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس پر اس گروہ نے رہبانیت اختیار کرلی کسی نے اپنے واسطے کوئی طریقہ اختیار کیا اور کسی نے کوئی رنگ اختیار کیا تو اس آیت مبارکہ میں ان ہی ایمان والوں کی رہبانیت کا ذکر ہے۔ تفصیل کیلئے روح المعانی۔ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر قرطبی کی مراجعت فرمائیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر امت کے لئے رہبانیت ہے لیکن میری اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا تشددوا علیٰ انفسکم فیشدد اللہ علیکم فان قوما شددوا علی انفسهم فشدد اللہ علیهم فتلك بقایاهم فی الصوامع والدیار وَرَهْبَانِيَّةَ ِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ۔ کہ اے لوگو تم اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا ایک قوم تھی جنہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی فرمائی تو یہ لوگ انھی میں کے کچھ باقی ماندہ ہیں جو صومعوں اور گرجاؤں میں راہب بنے ہوئے ہیں جو انہوں نے خود اختیار کی تھی ہم نے ان پر اسکو لازم نہیں کیا تھا آپ نے اسی وجہ سے اپنی شریعت کے سہل اور آسان ہونے کو تمام سابقہ شریعتوں کے بالمقابل ایک خاص امتیازی وصف بیان فرمایا۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الحدید

ستائیسویں پارے کی تفسیر بحمد اللہ مکمل ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصدیق نامہ

ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور کی مطبوعہ تفسیر تکملہ
معارف القرآن مصنفہ حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
کی جلد ہفتم مشتمل بر پارہ ۲۳ (نصف اخیر) ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷
کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا۔
تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متن
قرآن کریم میں کوئی کمی بیشی یا اعراب
کی غلطی نہیں ہے۔

واللہ اعلم

عبدالمنان شہداد پور

۱۴۲۱ھ